

اسلامی عقائد و جمولات

مؤلف
ڈاکٹر گل خان گل

ایم ای سی پی ایف کی پیشکش

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب اسلامی عقائد اور عقائدات
تالیف ڈاکٹر خان گل خان
ترجمین و اہتمام محمد ناصر الہاشمی
صفحات 120
اشاعت مارچ 2004
تعداد 1100
ناشر اہل السنہ پبلی کیشنز، ریڈ جمہوریت
قیمت 45

ملنے کے پتے

اہل السنہ پبلی کیشنز

شاندار ٹیکری والی گلی منٹھارو ڈویژن، جہلم فون نمبر: 0541:634759

چوہدری بک سنٹر میں بازار ڈویژن، فون نمبر: 0541:631723

مکتبہ جمال کرم سستا ہاؤس اردو بازار لاہور فون نمبر: 042-7324948

مکتبہ نوریدین رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد فون نمبر: 041626046

نہرست

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
30	فرض واجب سنت و مستحب و غیرہ کی وضاحت	01	امتناب
32	نماز کی ہیئت	02	غرض و اہمیت
34/33	نماز کے فرض اور کج کرنے کی تہذیب	04	عقائد
35	نماز کے ارکان	05	عقائد اور اعمال کی اہمیت
37	واجبات نماز	05	عقائد اہلسنت اور بزرگان دین کے ارشادات
40	سُنن نماز	08	تفہیم اور ہدایت میں فرق
44	مسحیٰ نماز	09	واجبات سے کیا مراد ہے
45	عورتوں کی نماز	11	مضمون عقائد کا علم غیب
47	نماز کے بعد ہندو اور مسلمانوں کی بات	12	علم غیب کے بارے میں اہلسنت کا عقیدہ
48	نماز میں سُنن کی بات سے میں وضاحت	14	رسول اللہ ﷺ کے حاضر و ناظر کے بارے میں اہلسنت کا عقیدہ
51	نماز شروع کرنے کے لیے اہل سنت اور باتوں کا احکام	16	علماء و پابند کے صحیح و مرشد کا حاضر و ناظر کے بارے میں عقیدہ
53	ادام کے کچھ عقائد و ارشادات	18	مضمون عقائد کے بارے میں اہلسنت کے بارے میں عقیدہ
54	امتناب و اہمیت	20	شفاعت رسول ﷺ
55	نکاح و نکاح کا حکم	21	نبی کریم ﷺ کے عقائد و ارشادات کا بیان
56	دعا کی اہمیت	23	تقلید کیا ہے
57	انجیل کو ماننے والے انجیل	27	تقلید کے بارے میں غیر مقلدین کے ایک بڑے عالم کی عبارت
58	کافران نمازوں کے بعد عبادت	28	آذان کے ساتھ دو شرط پڑھنا کیسا ہے
59	نماز سے شروع ہونے کے بعد دعا	29	آذان میں انگوٹھے چومنا
60	نماز کے بعد دعا کا حکم	29	اقامت و پڑھ کرنا

انتساب

انھوں نے حضرت محمد ﷺ جو خلاصہ کائنات، مرکز کائنات ہیں اور جن کے وجود سے ہی کائنات قائم ہے ان کی ذات پر لاکھوں و کروڑوں درود و سلام۔ خاکسار بھی ان کی خدمت و انصاف کا امیدوار ہے۔ ان کے توسط اور وسیلے سے اساتذہ اور والدین کے نام جن کی خدمت و احترام سے ہم چند سطور لکھنے کے قابل ہوا۔

الحمد لله رب العالمین

۱۱۱۱ کل خان قشندنی حامد کی رزاقی۔

93	برکت حاصل کرنا	62	محمد مصطفیٰ
94	زیارت قبور کا حکم	63	اللہ تعالیٰ کی تعریف اور تعظیم
95	تعظیم شہداء کا حکم	64	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
97	سلسلہ ولایت اور ولایت	64	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
98	قبر پر قربان کرنا	65	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
99	قبر کا پختہ کرنا	66	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
99	قبر کا نشان اقامت کرنا	69	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
100	قبر پر کتبہ لگانا	89	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
100	قبر پر	70	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
101	بزرگوں کے لباس میں کفن دینا	71	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
102	کفن پر کھڑکی یا قبر میں عید نامہ لکھنا	72	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
103	اولیاء اللہ کے قریب دفن کرنا	72	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
104	قبر پر آذان دینا	73	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
104	قبر پر پھول ڈالنا	75	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
105	قبر پر چھتیا لٹھ کرنا	77	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
106	نذر کا شرعی حکم	78	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
107	نذر کا ہزار	80	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
108	نذر کا چھوٹا دم اور نذر کا دست	82	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
109	سلام اور مصافحہ کی کیفیت	82	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
110	بدعت کی پہچان	83	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
111	بدعت کی کیا ہے	85	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
114	انتساب	87	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم
		88	اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تعظیم

غرض تالیف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی و سولہ الکریم و علی الہ و اصحابہ اجمعین

براہِ رانِ اسلام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس رسالہ کو اول سے آخر تک ٹھنڈے دل و دماغ سے مسلکی طرفداری اور شخصیت پرستی سے الگ ہو کر نہایت ایمان داری سے پڑھیں۔ انشاء اللہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

در اصل وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ بعض نادان دوست مسلکی تعصب میں انتہاء پسندی کی حد تک نکل پٹے ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے شرک کفر اور بدعت کے فتویٰ دے رہے ہیں حالانکہ یہ علمی اور سائنسی دور ہے اگر دلیل سے بات کی جائے تو بہت سے معاملات اُنکے کے بھائے سلجھ سکتے ہیں۔ فقیر نے کوشش کی ہے کہ تمام اختلافی مسائل میں اولاً تو قرآن حکیم سے اور احادیث نبوی سے استدلال کیا گیا ہے اور پھر صحابہ تابعین اور تمام مسالک کے جید علماء کرام کی آراء کو پیش کر دیا گیا ہے تاکہ بھائے فتویٰ بازی کے ٹھنڈے دل و دماغ سے مسلمان اپنے عقائد اور معمولات سے آگاہ ہو سکیں۔ شاید سے میں آیا ہے کہ بعض نادان اور بعض نام نہاد مسلمان صرف اپنی رائے کو ہی اسلام سمجھتے ہیں۔ اور بعض نادانوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں دانستہ و نادانستہ انتہائی گستاخیاں کی ہیں۔ جن کو کوئی بھی غیرت مند مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ لہذا ضرورت اس امر کی تھی کہ عقائد کے ساتھ حضور ﷺ کی عظمت کے مختلف پہلوؤں پر بھی مختصر عرض کر دیا جائے اور ساتھ ساتھ صحابہ اور تابعین، اولیاء و ائمہ کے معمولات کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ تاکہ حق کا متلاشی بغیر ترزوہ کے اللہ کا قرب حاصل کر سکے اگرچہ ان مسائل پر پہلے کسی اعلیٰ درجے کی تصانیف موجود ہیں جیسے کہ مسئلہ تقلید پر افتخار الحق از حضرت مولانا رشاد حسین رامپوری۔ مسئلہ علم غیب پر النکتۃ العلویۃ از صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی، نتیجہ فائزہ وغیرہ پر انوار ساطعہ از مولانا عبد الباقی صاحب ہیدل رامپوری، مسئلہ حاضر و ناظر، عرس و زیارت، تہذیب و تہذیب پر تصانیف اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی۔ اس کے علاوہ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، غزالی، زمان، رازی و دواہی علامہ احمد سعید کاظمی و علامہ فیض احمد اویسی

مدظلہ العالی کی تصانیف اور عصر حاضر میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مدظلہ العالی کی شرح صحیح مسلم و تفسیر تبیان القرآن اور اس کے علاوہ صاحبزادہ ابو الفیض ذاکر محمد زبیر صاحب و پروفیسر ذاکر مسعود احمد صاحب کی تصانیف بھی انتہائی مفید ہیں۔ جن کی طرف رجوع انتہائی مفید رہے گا۔

البتہ بعض مسائل کو علامہ عبدالحامد بدایونی نے تصحیح الفقہاء میں مختصر تحریر کیا ہے اور تفصیلاً حضرت علامہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی نے جہاں الحق میں یکجا کر دیا ہے۔

یہ مختصر رسالہ ان تمام رسائل و کتب میں مختصر ترین ہے۔ تاکہ مختصر وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں۔ تفصیل کے لیے مذکورہ بالا کتب اور دیگر جید علماء کرام کی تصانیف کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور قارئین اگر کسی بھی علمی غلطی پر متوجہ ہوں تو اطلاع دے کر عند اللہ مایہ نور ہوں۔ اور مجھے شکریہ کا موقع دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اس رسالے کے پڑھنے والوں کو صراطِ مستقیم پر ثابت قدم بنادے۔ فرمائے اور میرے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔

احقر العباد

خان گل خان

رہائزہ۔ راولا کوٹ پوچھ آؤ اراکشمیہ

سوال۔ اللہ کی ذات کے بارے میں مومن کا کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟

[illegible]

سوال۔ تاجدارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ کبریاؐ کے بارے میں مومن کا کیا عقیدہ ہونا چاہیے

یوں تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے انبیاء و مرسلین کو بے شمار کمالات و درجات عطا فرمائے ہیں لیکن ان سب میں سب سے ممتاز و ارفع ہے مثال حضور ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ آپ اپنی ذات و صفات و درجات میں جس طرح بے مثال و بے نظیر ہیں اسی طرح مرتبہ رسالت میں بھی لاشریک ہیں۔ حضور ﷺ نظیر ذات باری تعالیٰ ہیں۔ برہنہ آیہ مبشر (آپ کی آمد کی بشارت دیتا تھا) و مبلغ تھا۔ آسمانی کتب و صحیفے آپ کی آمد کی بشارت سے لبریز تھے۔ اگر آپ کا ظہور لکھی نہ ہوتا تو سارا عالم تاریک و بے نور رہتا جب رب نے

چاہا کہ اس عالم رنگ و بو کو بارون کی مٹاؤں تو اپنے حبیب ﷺ کے نور کو سب سے پہلے ظیق فرمایا اور دیا کی ترقیق کا سبب بنی یہ قرآن پاک کہ آپ ﷺ کے جلوہ رسالت کو چمکایا جائے اس سے پہلے بھی جسے جو کچھ ملا اور آئندہ ہونے کا وہ حضور ﷺ کے طفیل میں ملے گا۔ آپ کا فیض ہر زمانے کے جن و انس اور ہر ذریعہ روح شے کے لیے عام ہے گا۔ آپ پر جمال و جمال، حسن و برکتی، نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور آپ کے سر پر تاج نبوت کا تاج سجایا گیا ہے۔ جس طرح خدا کی نظیر ممکن نہیں اسی طرح مرتبہ رسالت میں بھی آپ کی نظیر ممکن نہیں۔ نبی اور غیر نبی سب دربار محمد ﷺ کے درجہ خواں اور فیض یافتہ ہیں۔ آپ کی حیات و ممات دنیا کی زندگی سے بالاتر ہے۔ اللہ کی عطا سے قیامت تک ہر مصیبت زندہ اور پکارنے والے کی پکار کو سنتے اور اپنے لھاموں پہ نہ صرف دنیا میں بلکہ قبر میں بھی ان کو اپنی زیارت سے مشرف کرتے اور بھگتری کرتے ہیں۔

بقول المنصور: خدا کی رضا چاہتے ہیں وہ عالم اور خدا چاہتا ہے رضا جمیع مخلوق

ولسوف يعطيك ربك فترضى۔ (مقرب آپ کا رب اتنا چکڑھا فرمائے گا کہ آپ راضی و
جائیں گے)۔ اور انا اعطيت الكوفة (اور انکو ہر قسم کی بھلائی عطا کرونی گئی ہے)۔

سوال۔ عقائد اور اعمال کی کیا اہمیت ہے؟

جواب۔ یہ دونوں اجزاء دیے ہیں اور دونوں اپنی جگہ بہت ہی اہم ہیں۔ لہذا اعمال میں لمانہ اور درگاہ کے غیرہ کے طور طریقے میں اختلاف رائے ہونا بُری بات نہیں جیسے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”میری امت کا اس میں اختلاف رحمت ہے۔“ لیکن عقائد میں کسی بھی قسم کا اختلاف مراسرہ اتفاق اور آغوش کی برائی ہے۔ عقائد درست ہوں تو بخشش کی امید ہے اگر عقیدہ ٹھیک نہ ہو تو اعمال کتنے ہی اچھے ہوں اعلیٰ پر گزیر گئے ہوں مگر غلطی۔ سوال: کسی حدیث کا حوالہ بھی دے دیا جائے۔

نواب: سیدنا ابن عاتر راوی ہیں آپ نے فرمایا "ایک جنازہ حاضر ہوا رسول اللہ ﷺ جنازہ پڑھاتے کے لیے تشریف لائے جب جنازہ پڑھانے کے وقت حضرت عمرؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ اس کا جنازہ نہ پڑھا کیوں کہ یہ شخص بدکار ہے" یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے اپنے منکر اور صحابہ سے پوچھا کہ کیا تم نے اس شخص (میت) کو اسلام کا کوئی کام کرتے دیکھا ہے؟ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے ایک دن

فی سبیل اللہ بہرہ دیا تھا یہ سن کر حضور ﷺ نے جنازہ پڑھا دیا اور پھر میت کو اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا جب مٹی ڈال دی گئی تو فرمایا "اے میرے عزیز تیرے ساتھی مکان کرتے ہیں کہ تو وہ مٹی ہے لیکن میں اللہ کا رسول کو امی دیتا ہوں کہ تو جلتی ہے پھر فرمایا "اے عمر! تجھ سے لوگوں کے اعمال کے متعلق سوال نہیں ہوگا بلکہ فطرت (عقائد) کے متعلق پوچھا جائے گا۔" تنہائی ہنگامہ سرقا و شرح مقدمہ الامام علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں "استہارہ فطرت اور عقیدے کا ہے" معلوم ہوا کہ اعمال شاخیں ہیں اور عقائد جڑیں۔ اگر جڑ ٹھیک ہے تو شاخیں بھی سرسبز ہوں گی اگر جڑ خشک ہے تو پھر شاخیں مر رہی ہوں۔

سوال: ایمان کیا ہے؟

جواب: ایمان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ایمان ہے۔

سوال: تصدیق سے کیا مراد ہے؟

جواب: گردیدگی کو تصدیق کہتے ہیں۔ (مقدمہ فتاویٰ عالمگیری) نیز الصارم السلول ہے کہ تصدیق عاجزی و انکساری اور فرما نہ داری کا تقاضا کرتی ہے نیز الصارم السلول یہ ہے کہ تصدیق نام ہے حبیب خدا ﷺ کی تعظیم اور توقیر کا جب مومن کے دل میں رحمت کائنات ﷺ کی تعلیم دہ جائے گی تو سارے اعتراضات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں جس طرح واقعہ معراج اور ابو بکر صدیق اور امیر المومنین کا واقعہ۔

سوال: عقیدہ اہلسنت کے متعلق بزرگان دین کے ارشادات کیا ہیں؟

جواب: تمام غوث، ولی، قطب عقیدہ اہلسنت و جماعت سے ہی تعلق رکھتے تھے اور سب نے اپنے چاہنے والوں اور مسلمانوں کو اس عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کی۔

چند ارشادات نقل کیے جاتے ہیں۔

سیدنا امام محمد الف ثانی قدس سرہ کا ارشاد گرامی ہے "آوی کے لیے اہلسنت و جماعت کے عقائد کے مطابق عقیدہ رکھنے کے سوا چارہ نہیں تاکہ آخرت کی کامیابی اور نجات حاصل ہو کیونکہ اہلسنت و جماعت کے خلاف عقیدہ رکھنا زہر قاتل ہے جو کہ بیوشہ کی موت اور دائمی عذاب کا سبب ہے۔ عمل کی کوتاہی ہو تو نجات کی امید کی جاسکتی ہے لیکن اگر عقیدہ میں کوتاہی ہو تو بخشش کی گنجائش نہیں رہتی۔" (مکتوب نے اجلہ سوم)

حضرت خواجہ عبدالعزیز دہلویؒ کا ارشاد ہے "کسی ایسے بندے کو جس کا عقیدہ اہلسنت و جماعت کا عقیدہ نہ ہو اسے ولایت نہیں مل سکتی اور کوئی ولی ایسا نہیں جس کا عقیدہ اہلسنت و جماعت کے خلاف ہو۔" (الابرار)

حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم جیلانی کا فرمان ہے!

"نجات پانے والا گروہ اہلسنت و جماعت کا گروہ ہے۔" (خیر الطالین)

سوال: اس بات کا ثبوت کہ نجات پانے والا گروہ اہلسنت و جماعت ہے قرآن اور حدیث کی روشنی میں دیں۔

جواب: علماء کرام و محدثین کے اقوال مختلف کتب میں موجود ہیں اہل تفصیل کے لیے (عقیدہ کی اہمیت) حضرت علامہ مفتی محمد امین صاحب کی کتاب بہت مفید ہے، اس میں دیکھ لیں۔

قرآن حکیم کی زیر آیت مبارکہ! "یوم تبيض وجوه وتسود وجوه"۔ (آل عمران)

"یعنی قیامت کے دن کچھ چہرے چمک رہے ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے۔"

مذکورہ آیت کے تحت تفسیر مظہری والے نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ "عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال تبيض وجوه اهل سنه وتسود وجوه اهل البدع"۔

"یعنی قیامت کے دن اہلسنت کے چہرے چمکتے ہوں گے اور بدعتیوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔"

سوالی: اہلسنت و جماعت کے عقائد مختصر بیان کریں؟

سوال: اللہ کے بارے میں ایک مسلمان کا کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور صفات کے تقاضوں میں وحدہ لا شریک ہے۔ وہی رازق و خالق،

شافی، کافی، سمیع، بصیر، حی و قیوم ہے۔ اس کی شان "ان اللہ علی کل شیء قدير" ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی صفات میں حد فاصل بیان کر دیجئے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفات کامل مستقل قائم بالذات اور دائمی ہیں جب کہ مخلوق کی صفات عارضی و عطائی ہیں۔ لہذا اس اصول کے تحت رسولوں، نبیوں اور ولیوں کے پاس تو علم ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے جو تصرف کرتے ہیں وہ اللہ کی عطا سے کرتے ہیں۔ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں یعنی ان کے

باتوں اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔

سوال: عبادت میں شرک سے کیا مراد ہے؟

جواب: عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے اللہ کے سوا کسی کی بھی عبادت کرنا کفر و شرک ہے اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ قرآن پاک میں ہے "اللہ تعالیٰ شرک کو ہرگز نہ بخشے گا اس کے سوا باقی گناہوں کو جسے چاہے معاف کر دے۔"

سوال: عبادت اور تعظیم میں فرق بیان کیجیے۔

جواب: سورہ مائدہ آیت نمبر 21 میں ہے "سنو اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا کو یا آسمان سے گر پڑا اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں یا ہو کسی دور و دراز کی جگہ پہنچ کر اسی آیت کے متصل آیت نمبر 22 میں اللہ نے فرمایا "یہ من لہاب اور سنو اللہ کی شانوں کی بدعت و حرمت کرنے اس کے دل کی پرہیز گاری کی وجہ سے ہے۔" (تفسیر عثمانی) ترجمہ سے ہی ات واضح ہو گئی کہ عبادت اور چیز ہے تعظیم اور چیز۔ تعظیم و توقیر کو عبادت قرار دینا صحافت اور دین سے جاہلیت کی علامت ہے۔ مسلمان جو اللہ کے عہدوں اور ولایت کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور غیلا، اپنی جگہ کی بدعت اس تعظیم کو عبادت کہتے ہیں۔

مرزا غالب نے صحیح فرمایا!

خواہش کو انھوں نے پرستش و اقرار

اور علیٰ حضرت مجدد دین و ملت نے فرمایا!

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب ﷺ

اس نثر سے مذہب پر لعنت کیجیے۔

عقیدہ ۳۔ اللہ بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ساری خدائی اس کی محتاج ہے وہ جو چاہے کرے کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔

عقیدہ ۴۔ اللہ تعالیٰ کے سارے نبی و رسول برحق ہیں، سچے ہیں معصوم ہیں۔ سب نبیوں اور رسولوں میں سب سے اکمل، اتم، اشرف، اعلیٰ و اعلیٰ، احمد و اشہر اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد ﷺ ہیں آپ سب سے آخری

نبی ہیں۔

عقیدہ ۵۔ تمام انھوں میں حضور ﷺ کی امت افضل ہے امت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مقام صحابہ میں خلفاء راشدین سب سے افضل ہیں۔

سوال: صحابی کی کیا تعریف ہے؟

جواب: جس نے حضور ﷺ کے جیوں حیات ظاہری میں صدق دل سے گلہ پڑھ کر چہرہ انور کی زیارت کی یا اس کو حالت ایمان میں حضور ﷺ نے دیکھا ہو۔

مسلمان عبادت و ریاضت سے کرنے سے غوث، اقطاب، ولی تو بن سکتا ہے لیکن صحابی نہیں بن سکتا۔ یہ ساری برکتیں اور ساری بہاریں مقام رفیع الشان حضور ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت کی ہیں۔ ایمان کی حالت میں آدمی زیارت رسول ﷺ کر کے مر گیا، صحابی ہے۔ اگرچہ ایک نماز بھی نہ پڑھ سکا۔ لیکن زیارت کی اور پوری عمر عبادت کرتا رہا تو وہ صحابی کا مقام نہیں پاسکتا۔

"الصحابی من ادرک صحبة النبی ﷺ ایما فا"۔ صحابی وہ ہے جس کو نبی و کریم ﷺ کی حلیت ایمان میں صحبت کا شرف حاصل ہوا اگرچہ کسی عذر (اللہ سے بن) کی وجہ سے زیارت نہ کر سکا۔

عقیدہ ۶۔ فرشتے اللہ کی نوری مخلوق ہیں وہ اللہ کی نافرمانی نہ کر سکتے، نہ فرشتے مومن ہیں نہ کافر۔ تعداد اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

سوال: ولایت سے کیا مراد ہے؟

جواب: ولایت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایک امتیازی شان ہے۔ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا ولی بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا اس کو قرب حاصل ہو جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا قرب مل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اس کی آفرین بن جاتا ہوں، وہ دیکھتا ہے تو میری قدرت سے دیکھتا ہے۔ میں اس کے کان بن جاتا ہوں، وہ سنتا ہے تو میری دی ہوئی طاقت سے سنتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں، وہ دیکھتا ہے تو میری قدرت سے دیکھتا ہے۔ میں اس کے آگے میں قدرت الہی کام کرتی ہے وہ قرب بھی دیکھ لیتا ہے اور بھی دیکھ لیتا ہے۔ اسی

اسلام کی اہم باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ اسلام میں اللہ کو شریک نہیں ہے اور پھر ہر مذہب کا وہ

عقارب علیہ باقی سے اللہ کی دینی ہدایت سے کئی میل دور چھوٹی کی آواز سنائی تھی (سورہ نمل)۔ یہ
 اللہ کی ایک عفت معطل یعنی عطا کرنے والا بھی ہے۔ اور وہ اب یعنی دینے والا بھی
 ہے۔ یہ اللہ کا وہ ہے جوئی اللہ کو رک نہیں سکتا۔

جانی، کمال لوگوں کا خیال ہے نبی، ولی کچھ نہیں کر سکتے، جس کا نام محمد یا علی ہو وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔
 لوگوں کی اسی وضاحت کرو دی جائے۔

اسی طرح کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو تصرف کی قدرت نہیں دی وہ یہودیوں کا پارٹ اور کروادار اور کر
ہو گیا۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ کسی کو کچھ نہیں دیتا قرآن میں یہودیوں کا عقیدہ اس طرح بیان
ہو گیا "وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلَعَنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدُهُ
مُسَوِّمَاتٌ يَنْشُقُ كَيْفَ يَشَاءُ"۔ یہودیوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہے کسی کو دیتا کچھ نہیں اس کی
تائید کروا کر اللہ تعالیٰ کے دونوں دست کرم کھلے ہیں جس کو جتنا چاہے جو چاہے عطا کر دے۔
یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نہیں دیتا اس کی وجہ سے لعنت پڑی۔

اللہ کی قرآن اور سنت کو صحیح سمجھنے اور صحیح عقیدہ رکھنے کی توفیق دے۔

آمین قسم آیین

حضرت مولانا کا علم غیب

سوال غلم غیب سے کیا مراد ہے؟

جواب: غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ آکھ، کان وغیرہ بواسطے محسوس کر سکتے اور نہ بلا واسطہ عقل میں آسکے۔

سوال: غیب کی اقسام بھی بیان کر دی جائیں؟

جواب: غیب دو طرح کا ہے، ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے جیسے جنت و دوزخ اور خدا پاک کی ذات و صفات۔ قرآن پاک کی آیات و کچھ کمران کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرا وہ غیب جسے دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی، انسان کب مرے گا، نبوت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، نیک بخت ہے یا بد بخت، اس دوسرے غیب کو مغایر الغیب کہا جاتا ہے۔ تفسیر بیضاوی یومنون بالغیب کے تحت ہے "غیب سے مراد چھپی ہوئی چیز ہے جس کو حواس نہ پا سکیں اور نہ بداہۃ آس کو عقل چاہے۔"

مزید تفصیل کے لیے تفسیر روح البیان سورہ بقرہ یومنون بالغیب کے تحت بحث کو دیکھا جائے۔ نیز جاہ الحق از مفتی احمد یار خاں نعیمی کا مطالعہ ضروری ہے۔

سوال: علم غیب کے متعلق مسلمان کا عقیدہ اور علم غیب کے مراتب بیان کریں؟

جواب: علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں۔

اول: اللہ تعالیٰ عالم بالذات ہے۔

۲۔ حضور ﷺ اور دیگر انبیاء کرام کو رب تعالیٰ نے ہی بعض غیوب کا علم دیا ہے۔

۳۔ حضور ﷺ کا علم ساری خالقیت (فرشتے، جن، شیطان اور انسان سب شامل ہیں) سے زیادہ ہے۔

سوال: ان تین باتوں پر ایمان رکھنا کیسا ہے؟

جواب: یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا کفر ہے۔ (از خالص الاعتقاد صفحہ ۵)

اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو پانچ چیزوں کے بہت سے جزئیات کا علم دیا ہے۔ اس قسم دوم کا منکر گروہ ہے۔

فہم ہر علم غیب کو قیامت ہی تک علم ملا کہ کب ہوگی۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو پانچ چیزوں کے بہت سے جزئیات کا علم دیا ہے۔

۲۔ ہر علم غیب کو قیامت ہی تک علم ملا کہ کب ہوگی۔

۳۔ ہر علم غیب کے بارے میں اہلسنت وجماعت کا موقف بیان کر دیا جائے۔

۴۔ ہر علم غیب کے بارے میں اہلسنت وجماعت کا موقف بیان کر دیا جائے۔

۵۔ ہر علم غیب کے بارے میں اہلسنت وجماعت کا موقف بیان کر دیا جائے۔

یہاں دو باتوں کو مزید ذہن نشین کر لیں!

۱۔ ہر علم غیب کا یہ علم مبارک صرف مخلوق کے اعتبار سے نکل ہے، خالق کے اعتبار سے بعض۔ اللہ تعالیٰ نے ہر علم کے ساتھ ہی کریم ﷺ کے علم کو تو ہم محض سمجھنے کے لیے یہ نسبت دے سکتے ہیں کہ "اللہ کا علم ایک ایسا علم ہے جس کا کوئی کارہ نہیں اور اس کے مقابلے میں نبی اکرم ﷺ کا علم مبارک محض ایک قطرہ ہے۔" جبکہ

۲۔ ہر علم غیب کا یہ علم مبارک صرف مخلوق کے اعتبار سے نکل ہے، خالق کے اعتبار سے بعض۔

۳۔ ہر علم غیب کے بارے میں اہلسنت وجماعت کا موقف بیان کر دیا جائے۔

۴۔ ہر علم غیب کے بارے میں اہلسنت وجماعت کا موقف بیان کر دیا جائے۔

۵۔ ہر علم غیب کے بارے میں اہلسنت وجماعت کا موقف بیان کر دیا جائے۔

قرآن حکیم نے علم غیب سے تعبیر کیا ہے۔ (سورہ کہف) اس علم پر ایمان لانا ہر مسلمان کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کی بہت سی آیات میں علم غیب کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ اسی کے پاس ہیں غیب کی کتبیں انھیں وہی جانتا ہے۔ (سورہ النعام)

۲۔ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمینوں کی سب کچھ چیزیں۔ (سورہ البقرہ)

۳۔ تم فرماؤ غیب تو اللہ کے لیے ہے۔ (سورہ یونس)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ "غیب اللہ ہی کے لیے ہے کوئی از خود غیب نہیں جانتا" لیکن غور سے دیکھا جائے تو اللہ نے کہیں نہیں فرمایا کہ "علم غیب" ہم کسی کو عطا نہیں فرماتے یہی سب سے اہم نکتہ ہے جس پر مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

۱۔ غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو۔ (سورہ جن)

۲۔ وہ پیغمبر علم غیب پر بخیل نہیں۔ (التکوین)

۳۔ اور اللہ کو منظور نہیں کہ تمہیں غیب کی خبر بتلا دے ہاں خدا اپنے رسولوں کو اطلاع کے لیے چن لیتا ہے۔

(ترجمہ مولوی ثناء اللہ امرتسری ص ۸۷)۔ علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی تفسیر عثمانی میں لکھتے ہیں "یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیب کی خبر دیتا ہے۔" تفسیر عثمانی ص ۶۳۔

جنی آیات میں لکھی ہے وہ ذاتی علم کی نٹی ہے باقی عطائی علم والی آیات بھی آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔

ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب اپنی کتاب علم غیب کے ص ۱۵ پر یوں رقمطراز ہیں۔

۱۔ پہلی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ "علم غیب ایک حقیقت ہے۔"

۲۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ "علم غیب" اللہ ہی کے لیے ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ علم غیب اپنے محبوب کو عطا فرماتا ہے۔

۴۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کو (علم غیب) عطا فرمایا ہے۔

۵۔ پانچویں بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو "علم غیب" عطا فرمایا۔

۱۔ پہلی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور انور ﷺ نے یہ ”علم غیب“ صحابہ کرامؓ کو بتایا انھوں نے ہم کو کیا ہے۔

اس وقت دنیا کے اسلام عالمی سازشوں کی زد میں ہے دشمنان اسلام کا ہدف حضور انور ﷺ کی ذات ہے۔ مکی و مدنی قلب و نظر ہے جس سے زندگی ملتی ہے۔ اس سوچ کے تحت مسلمانان عالم کو ہر اس سوچ اور ہر عمل سے روکا جا رہا ہے جس سے دل و دماغ میں حضور ﷺ کی محبت و عظمت کا نقش بیٹھتا چلا جائے اس حدیث سے آپ خود کو محفوظ رکھیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضور انور ﷺ کو سب کا مصلحت کار بنا دیا ہے۔ بقول اقبال! لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتب

گنبد آگیند رنگ تیرے محیط میں حباب

سوال: رسول اللہ ﷺ کے حاضر و ناظر کے مفہوم کی بھی وضاحت کر دی جائے۔

جواب: حضور ﷺ حاضر و ناظر ہیں۔ جسمانیت اور بشریت کے ساتھ نہیں بلکہ باری طور کہ عالم کا ذرہ ذرہ روحانیت اور نورانیت نبی کریم ﷺ کی جلوہ گاہ ہے۔ روحانیت و نورانیت محمدیہ علیہ صلوٰۃ والسلام کے لیے قربہ اور بعد مکان یکساں ہے کیونکہ عالم خلق زمان و مکان کی قید سے مقید ہوتا ہے لیکن عالم امران قیوم سے آزاد ہے لہذا ایک وقت متعدد مقامات پر رسول اللہ ﷺ کا تشریف فرما ہونا اور ایک ہی وقت میں دور دراز مقامات پر اور ایک وقت متعدد مقامات میں حضور نبی کریم ﷺ کو الہ اللہ کا دیکھنا اور حکم کھلا بیداری میں حضور ﷺ کی آواز سے مشرف ہونا ظاہر ہے۔ تفصیل کے لیے علامہ احمد سعید کاظمیؒ کی کتاب تسکین الخواطر فی مسئلہ

الوجود و انوار بہت ہی مفید ہے۔ قرآن حکیم کی یہ آیت مبارک **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُنِيرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا** (سورۃ احزاب) اسے نبی ﷺ ہم نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روح صاف بنا دیا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دیگر اوصاف جیلہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو شاہد

اور مبشر و نذیر و داعی اور سراج منیر کے بھی متصف قرار دیا ہے۔ ”شاہد“ کے معنی حاضر و ناظر ہیں۔

الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصيرة۔ ترجمہ: نبی کریم ﷺ بصر یا بصیرت کے ساتھ مشاہدہ فرماتے ہوئے حاضر ہیں۔

حضور ﷺ کس چیز پر حاضر ہیں؟ اس کا جواب علامہ ابو اسعد نے اس طرح دیا ہے۔ اے نبی ﷺ بے شک ہم نے بھیجا آپ کو شاہد (حاضر و ناظر) بنا کر ان سب پر جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے۔ آپ ان کے احوال کی نمائندگی فرماتے ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں یعنی ان سب کے کاموں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور آپ ان سے نقل شہادت فرماتے ہیں۔ یعنی ان کے گواہ بنتے ہیں ان تمام چیزوں پر جو ان سے صادر ہوئیں تصدیق سے اور تکذیب سے اور باقی ان تمام چیزوں سے جن پر وہ ہیں، ہدایت اور گمراہی سے اور آپ اس شہادت کو ادا فرمائیں گے۔ قیامت کے دن جو ادا کی ہوئی ہوگی ان تمام باتوں میں جو ان کے فائدے کے لیے ہوں گی۔ (تفسیر ابو اسعد ج ۳، ص ۲۹۰)۔

اس کے علاوہ بھی تفاسیر منقولہ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ ان سب پر حاضر و ناظر ہیں جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

سوال: آپ کس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے؟

جواب: صحیح مسلم کی طویل حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ارسلت الی الخلق کافۃ“ یعنی میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مسلم شریف جلد (۱) صفحہ ۱۹۹، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ حاشیہ اخبار الاخیار صفحہ ۱۵۵ پر اپنے مکتوبات شریف میں رقم فرماتے ہیں۔ فارسی عبارت کا اردو ترجمہ: ”ہاں جو اس قدر اختلافات اور کمثرات مذاہب کے جو علماء امت میں ہیں ایک شخص کو بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ بغیر شایہ مجاز اور بلا تو ہم ہاویل حقیقت حیات کے ساتھ دائم و باقی ہیں۔“

بر اعمال امت حاضر و ناظر و مرطالبان حقیقت را و متوجہان ان حضرت رامفیض و مربی است ”اور اعمال امت پر حاضر و ناظر ہیں اور طالبان حقیقت اور

اہل طہارت کے لئے والوں کو فرض پہنچاتے ہیں اور ان کی تربیت فرماتے ہیں۔

علامہ ابو یوسف کے پیرومرشد کا حاضر و ناظر کے بارے میں عقیدہ

عالمی اہل اللہ صاحب شام اعدادیہ میں فرماتے ہیں۔ "اہل بیت وقت قیام کے اعتقاد کو لے کر نہ کرنا چاہیے۔ اگر اہل طہارت آری کا کیا جائے مضافاً نہیں۔ کیونکہ عالم خلق مقید بزمان و مکان ہے لیکن عالم مردوں سے پاک ہے جس میں قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں" (شام اعدادیہ مصدقہ مولانا اشرف علی صاحب صانوی مدظلہ العالی پر ہیں لکھتے)۔

ہاں ان عبارات سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ اہل ایمان حضور ﷺ کو حضور ﷺ کی جسمانی اور بشریت مطہرہ کے ساتھ حاضر و ناظر نہیں مانتے بلکہ حضور ﷺ کی حقیقت مقدسہ کو ذات کائنات میں جاری و ساری مانتے ہوئے روحانی طور پر حضور ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔

سوال کیا حضور ﷺ کی اب بھی زیارت بیک وقت مختلف مقامات پر ممکن ہے؟

جواب بظہیر روح المعانی میں یہ عبارت موجود ہے کہ حضور ﷺ بسا اوقات ایک ہی وقت میں بہت سی جگہوں پر دیکھے جاتے ہیں۔ حالانکہ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور پھر موسیٰ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ جب معراج کی رات آپ ایک سرخ نیلے کے قریب کھڑے نماز پڑھ رہے تھے وغیرہ۔ حضور ﷺ کا موسیٰ کے پاس سے گزر ہوا۔ پھر بیت المقدس اور پھر آسمانوں میں بھی موسیٰ کو دیکھا ہوا جو اس کے کہ آپ کی قبر ارضان میں ہے۔ (روح المعانی پ ۲۳، ص ۱۳ مطبوعہ مصر)

علامہ ابو یوسف بھی رسول اللہ ﷺ کے وفات کے بعد حضور ﷺ کے متعدد مقامات پر تشریف فرما ہونے کے قائل ہیں۔

علامہ شیخ احمد عثمانی نے روح المعانی کی یہ عبارت فتح الملہم (شرح صحیح مسلم) میں نقل کی ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ حضور ﷺ ہر جگہ اپنی قبر شریف میں رونق افروز ہونے کے بیک وقت متعدد مقامات پر دیکھے جاتے ہیں۔ (فتح الملہم جلد ۱، صفحہ ۳۰۵، مطبوعہ مدینہ پریش بخنور)

لیکن اہل طہارت کے اہل مطہرہ کا ہرہ صفحہ ۳۰۵، پر مولوی انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں۔ "ویمکن

عندی رویتہ ﷺ یقضیہ لمن رزقہ اللہ سبحانه کما نقل عن السیوطی اثنین و عشرين مرة و سالہ عن احادیث ثم صحعہا بعد تصحیحہ ﷺ

"ترجمہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا جانتے ہوئے بیداری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھنا ممکن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نعمت عطا فرمائے جیسا کہ سیوطی سے منقول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو بائیس مرتبہ دیکھا اور حضور ﷺ سے بعض احادیث کے متعلق سوال کیا پھر حضور ﷺ کی تصحیح کے بعد سیوطی نے ان کو درست کر لیا۔

اس کے بعد مولانا انور شاہ صاحب نے امام شعرانی کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور حضور ﷺ کے سامنے اپنے آٹھ رفقاء کی معیت میں بخاری شریف پڑھی یہ لکھ کر مولانا انور شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "فرویہ متحققہ وانکارھا جہل" یعنی حضور ﷺ کو بیداری میں دیکھنا متحقق اور غایت ہے اور اس کا انکار جہل صریح ہے۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ نتیجہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اپنی بشریت مطہرہ کے ساتھ اپنی قبر شریف میں رونق افروز ہیں اور اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ تمام عالم کو مستفیض اور منور فرما رہے ہیں۔ جس طرح یہ مادی سورج اپنے نور سے تمام عالم کو منور کر رہا ہے اور اس کی شعاعیں زمین کے ہر خطے کو روشن کرتی ہیں اسی طرح حضور ﷺ گنبد حضری میں ہیں لیکن اپنے انوار سے زمین و آسمان کو ہی نہیں بلکہ ساری کائنات کو منور فرما رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت عظیم عاشق رسول ﷺ حضرت علامہ مولانا احمد رضا بریلوی کے اس شعر کو دعا کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پائے والے

میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

سوال کیا نبی کریم ﷺ بشر ہیں یا نور؟

جواب حضور ﷺ بشر بھی ہیں اور بھی اور ان کے درمیان کوئی منافات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "تو اس

کی طرف ہم نے اپنا روح (جبرائیل) بھیجا وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔ (1441)۔ جبرائیل نور سے پیدا ہوئے لیکن انھوں نے بشری صورت میں تمثیل فرمایا لہذا جو شخص بشریت کو تسلیم کرتا ہے وہ کافر ہے اور جو آپ کے نور ہونے کا منکر ہے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔

سوال: حضور ﷺ کے نور ہونے کی کون سی دلیل ہے؟

جواب: قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین۔ آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ایک کتاب ہے۔ نور سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس ہے تفسیر جلالین، خازن طبری، ابن عباس اور آلوسی کی تفسیروں میں اسی طرح ہے۔

سوال: نورانیت مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں اہلسنت کا عقیدہ بیان کر دیا جائے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے نبی مکرم ﷺ کے نور مبارک کو پیدا فرمایا پھر اس نور مبارک کو مقدس شریعت کا لباس پہنا کر تمام انبیاء کے آخر میں مبعوث فرمایا۔ اہلسنت نبی کریم ﷺ کو نہ ملائکہ کی طرح نور محض تسلیم کرتے ہیں نہ ہی اپنے جیسے بشر بلکہ آنکھوں نورانیت و بشریت کا جامع تسلیم کرتے ہیں۔

سوال: کیا نور بشر بن کر آسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ ایک وہ مثال جس طرح کہ حدیث جبرائیل میں ہے کہ حضرت جبرائیل چری لباس میں حضور ﷺ کے پاس آئے۔ صحابہ کی موجودگی میں کچھ سوالات کرتے رہے اور پھر خود اللہ ہی کی حضور ﷺ کے جواب کی کرتے رہے۔ جب چلے گئے تو حضور ﷺ نے صحابہ سے پوچھا: آپ کو یاد ہے کہ کون تمہیں تھا؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اسکا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ ان کے علم کو دیکھ سکتا ہے۔

سوال: نبی کریم ﷺ کو بشر بنا کر بھیجنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ کی نورانیت مقدسہ کو بے عیب بشریت کا لباس پہنا کر اس عالم میں بھیجا تاکہ ان کے بشریت اس لیے ممکن ہوئی ہو کہ ہم اسے دیکھ کر حضور کو اپنے حبیب یا بشر کہیں

بلکہ صرف اس لیے کہ حضور ﷺ کی جامعیت میں کسی قسم کی کمی باقی نہ رہے اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ذات اقدس جس طرح عالم قدس کی نورانی اور روحانی حقیقتوں کی جامع ہے بالکل اسی طرح وہ ذات پاک عالم شہادت کے حقائق جسمیہ و مادیات مادیہ کی جامعیت سے بھی محض ہے۔ (تسکین الخواطر فی مسئلہ حاضر وناظر صفحہ 103)۔ سید محمود آلوسی تفسیر روح المعانی جلد 19، صفحہ 121، آیت نزل بہ الروح الامین کے تحت لکھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی دو جہتیں ہیں ایک جہت نورانیت و ملکیت کہ جس سے حضور فیض حاصل کرتے ہیں اور دوسری جہت بشریت جس سے آپ فیض عطا فرماتے ہیں۔ بانی دارالعلوم دیوبند مولوی قاسم نانوتوی بھی اس حقیقت کا اعتراف یوں کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت

نہ جانا کسی نے تمہیں بجز ستار

سوا خدا کہ بھلا کوئی تجھ کو کیا جانے

تو خُش نور ہے اور شیرِ نطاولا ابصار

(قصائد قاسمی، صفحہ 6)۔

شفاعت رسول اللہ ﷺ

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو قیامت کے ہولناک دن میں یہ عزت افزائی عطا فرمائی ہے کہ آپ گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ قرآن حکیم کی آیت مبارکہ "عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا" ترجمہ اقرب ہے کہ تمہارا رب قیامت کے دن تمہیں مقام محمود میں مبعوث فرمائے گا۔ اس آیت کے تحت صاحب تفسیر بیضاوی نے لکھا ہے کہ مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے ہو گی۔ (ترمذی)

طبرانی، بیہقی، ترمذی، ابن ماجہ میں! فرمایا رسول خدا ﷺ نے میرے خدا نے مجھے نصف امت جنت میں داخل کرنے کا اختیار دیا، اور ایک لفظ یہ ہے کہ دو تہائی امت کو بغیر کسی حساب و عذاب کے جنت میں داخل کرنے کا اختیار دیا، میں نے اس شفاعت کو اختیار کیا جو ہر مسلمان کے لیے ہے اور فرمایا میری شفاعت اہل کبار اور اہل عظام اور دماء کے لیے ہے۔

جامع صغیر میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت کا حق دار جو اس پر یقین نہ لایا، وہ ہو گا اہل شفاعت سے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے صدقہ حضور ﷺ کے خلفاء راشدین، صحابہ اور امتی بھی اللہ کے اذن سے شفاعت کریں گے۔ حضور ﷺ کے خدام بھی شفاعت کریں گے۔ ترمذی شریف میں ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ حضرت عثمان کی شفاعت سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے جو سب در رفتی تھے۔

نبی کریم ﷺ کے مختار ہونے کا بیان

سوال: کیا نبی پاک ﷺ کے لیے اختیار ثابت ہے؟

جواب: خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو آسمان و زمین پر تسلط عطا فرمایا ہے جو حضور ﷺ کی مرضی ہوتی ہے وہ اپنے حبیب کی خاطر وہی کرتا ہے۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے: "میں نے سمجھی میں آپ کے رب کو تمہارے لیے خواہش کے پورا کرنے میں ملکہ کی کرتا ہے۔" (مشکوٰۃ باب عشرۃ اقسام) جو میں قبل ہی شہ کی مرضی سے ہوا۔ (سورہ بقرہ)

سوال: بقرہ آن پاک سے بھی کوئی دلیل دیں۔

جواب: "اولئک الذین آتیناہم الکتاب والحکم والنبوہ" اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب حکمت اور نبوت دی ہے۔ امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں جان لو مخلوق پر تین کردہ حاکم ہیں۔ آخر میں فرمایا تیسرا کردہ انبیاء کرام ہیں، یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جنہیں اللہ نے وہ علوم معارف عطا فرمائے ہیں جن کے ذریعے وہ مخلوق کے بواطن اور ارواح میں تصرف کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور اسی طرح انہیں وہ قدرت و قوت بخشی جس کے سبب سے وہ مخلوق کے ظاہر پر بھی تصرف کی قدرت رکھتے ہیں جب انبیاء و وصفوں کے جامع ہیں تو یقیناً وہ علی الاطلاق حاکم ہیں۔ نیز اللہ کا یہ ارشاد، جو رسول تمہیں دیں وہ سب لوگوں میں چیز سے تمہیں روکیں، رک جائے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کسی مومن مرد یا عورت کو اس وقت جب اللہ اس کا رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ فرمادیں اپنے معاملے میں کچھ اختیار نہیں۔

امام مسلم کی یہ روایت "مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں جس میں سے ہاتھ میں رکھوں گی۔" اور حدیث مبارک ہے میں قاسم (تقسیم کرنے والا) ہوں اللہ عطا فرماتا ہے۔

حضور ﷺ کا یہ ارشاد مبارک کہ اگر مجھے اپنی امت پر گناہوں کا عذاب نہ ہوتا تو ہر سال کو فرض قرار دے دیتا۔ پھر حضور ﷺ سے اس صحابی کا سوال کہ جب حج کی آیت نازل ہوئی یا رسول اللہ ﷺ حج پر سال فرض ہے، تین بار سوال کیا آپ خاموش رہے اور پوچھیں ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے تمہارے ہاں اگر میں ہوں کہہ دو تا تو حج ہر سال فرض ہو جائے تا تم اس کی استطاعت نہ رکھتے، معلوم ہوا حضور ﷺ مختار ہیں۔

بخاری کی حدیث جس میں ایک شخص کا رمضان کا روزہ فوت گیا، آپ نے فرمایا غلام آزاد کر عرض کرتا ہے غریب آدمی ہوں غلام آزاد نہیں کر سکتا فرمایا: رو میں سے اتنا روزہ رکھ۔ عرض کرتا ہے یا رسول اللہ یہ بھی نہیں ہو سکتا فرمایا ساتھ مسکینوں کو کھانا کھلا عرض کی یا رسول اللہ خود مسکین ہوں، حضور ﷺ نے اس کو فرمایا: اچھا بیٹے جا، تھوڑی دیر کے بعد حضور ﷺ کے پاس ایک آدمی کھجوریں لایا۔ حضور ﷺ نے اس کو کھجوروں کا ایک ٹوکرا دیا کہ لے جا، مدینہ کے غریبوں میں تقسیم کر دے، عرض کرتا ہے مجھ سے زیادہ کوئی غریب نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اپنے بچوں کو کھلا دے، تیرا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

پھر حضرت خذیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دینا بھی آپ کے اختیارات کو ظاہر کرتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو یہ حق اور اختیار حاصل ہے کہ شریعت کے بعض احکام کسی کے لیے مخصوص کر دیں اور بعض احکام کسی پر فرض کر دیں۔

(اشاعت الحات، جلد ۲، صفحہ ۱۴۰)

تفصیل کے لیے ”مقامات نبوت“ از صاحبزادہ سید افتخار الحسن زیدی کی کتاب دیکھیں۔ نیز دیگر کتب اشع القرآن حضرت علامہ منظور احمد فیضی نے اختیارات مصطفیٰ پر اپنی کتاب ”مقام رسول“ میں چونتیس احادیث درج کی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تشریفی اختیارات دیے ہیں۔ بخاری شریف، جلد ۲، صفحہ ۲۵۰ میں حدیث موجود ہے ”انی اعطیت مفاتیح خزائن الارض او مفاتیح الارض و انی واللہ ما آخاف علیکم ان نشرکوا بعدی و لکنی اجاف علیکم ان تنافسوا فیہا“۔ بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں یا فرمایا زمین کی کھجیاں دی گئیں اور خدا کی قسم مجھ سے اس بات کا کوئی ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگ جاؤ گے لیکن اس بات کا ڈر ضرور ہے کہ تم میری تم دنیا میں نہ بھنسن جاؤ۔

یاد رہے ۹ سورہ اعراف آیت ۱۵۷ ”و یحل لہم الطیبات و یحرم علیہم الخبیثات“ اور میرے محبوب پاک ﷺ وہ مسلمانوں کے لیے پاک اور ستھری چیزوں کو حلال اور گندمی اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

تقلید

سوال: تقلید سے کیا مراد ہے؟

جواب: تقلید کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی ہار یا پتہ گھلے میں ڈالنا، شرعی معنی یہ ہیں کہ قول و فعل کو اپنے اوپر لازم شرعی جاننا یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور کام ہمارے لیے حجت ہے کیونکہ یہ شرعی متفق ہے۔

علامہ اصفہانی نے تقلید کے لغوی معنی بیان کیے ہیں کہ گھلے میں ہار ڈالنا۔ علامہ نووی نے تقلید کے یہ معنی بیان کئے ہیں ”تقلید مجتہد کے قول کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ فقال نے کہا ہے کہ یہ جانے لے کہ قائل نے یہ بات کہاں سے کہی اس کے قول کو قبول کرنا تقلید ہے۔ فقال کہتے ہیں کہ گویا کہ مقلد نے امام کے قول کا تقادد اپنے گھلے میں ڈال لیا۔ (احکام فی اصول الاحکام، جلد ۳)۔

سوال: تقلید کی اقسام کتنی ہیں؟

جواب: دو اقسام ہیں تقلید شرعی اور غیر شرعی۔

شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو تقلید شرعی کہتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے مسائل وغیرہ میں آخر دین کی اطاعت کی جاتی ہے۔

غیر شرعی تقلید سے مراد یاد دہانی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا جیسے طب میں یوعلیٰ بینا دعویٰ اور سہنی نوک سیویہ اور ظلیل کی پیروی کرتے ہیں اسی طرح سے قادری، چشتی، سہروردی اور نقشبندی اپنے مشائخ کرام کے وظائف اور اعمال اور قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں۔ اس کو تقلید فی الطریقت کہتے ہیں یہ بھی تقلید شرعی میں ہی داخل ہے۔

تقلید کی اقسام و شرعی حیثیت: تقلید واجب اور تقلید حرام۔ کسی بھی امام کی تقلید کرنے والے شخص کے قول و فعل پر کتبہ رہنا ضروری ہے کہ ہم درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل کر رہے ہیں اور امام کی تقلید صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل و طہور پادوان کر کے ہم کو دے دیے ہیں اور امام دراصل مبلغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حاکم اور شامع صرف اللہ اور اس کا رسول ﷺ

ہے اور اگر بالفرض امام کا کوئی ایسا قول ہو جو قرآن اور حدیث کے خلاف ہو تو ہم امام کے قول کو چھوڑ کر قرآن اور حدیث پر عمل کریں گے۔

سوال: تقلید شخصی کیا ہے؟

جواب: جو شخص قرآن مجید، تاریخ و منسوخ احادیث متعارضہ میں وجہ ترجیح اور قرآن وحدیث میں ایک لفظ کے متعدد معانی میں سے کسی ایک معنی کی دلیل شرع سے تعین نہ کر سکتا ہو اس کے لیے مجتہدین میں سے ایک مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے اور کسی ایک امام کی تقلید کرنے کے بعد بغیر کسی شرعی عذر کے کسی اور امام کی کسی مسئلہ میں تقلید کرنا جائز نہیں ہے اسی کو تقلید شخصی کہتے ہیں۔

تفصیل کے لئے (شیخ ابو العباس تقی الدین احمد حبیہ حرانی طہلی، مجموع الفتاوی، جلد 20۔ شرح صحیح مسلم، جلد ثالث از غلام رسول سعیدی)۔

سوال: کیا عام مسلمانوں کا تقلید کے بغیر گزارہ نہیں ہے؟

جواب: جی ہاں! کیونکہ جو حضرات تقلید کے مخالف ہیں علماء و خود بھی تقلید کرتے ہیں کیونکہ غیر مقلد حضرات کا ہر فرو عالم اور مجتہد نہیں ہوتا اور جو عالم ہیں وہ بھی ہر مسئلہ میں قرآن اور حدیث کے پورے ذخیرے کی طرف رجوع نہیں کرتے ان میں جو عالم نہیں ہیں وہ غیر مقلد سے پوچھ کر ان کی تقلید کرتے ہیں اسی سبب سے غیر مقلد علماء کے فتویٰ چھپے ہوئے ہیں جن میں اول تو ہر مسئلہ کی دلیل نہیں بیان کی گئی اور اگر ہو بھی تو عام آدمی اس کا کیسے فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان کی بیان کردہ دلیل صحیح ہے یا غلط۔ وہ تو صرف اپنے علماء کے علم اور فہم پر امتنا و مکر کے ان کے قول پر عمل کرتا ہے، اسی کا نام تقلید ہے۔

سوال: کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے اور کن میں نہیں؟

جواب: احکام۔

۱۔ وہ احکام جو صراحت قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں اور اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو۔

ان میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔

سوال: وہ کون سے مسائل ہیں جن میں تقلید واجب ہے؟

جواب: وہ مسائل جو قرآن وحدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کے ذریعے نکالے جائیں، ان میں غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔

سوال: مجتہد سے کیا مراد ہے اور غیر مجتہد سے کیا مراد ہے؟

جواب: مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علمی لیاقت اور قابلیت موجود ہو جو مزاج قرآن سے واقف ہو اشارات اور رموز قرآنی سمجھ سکے کلام کے مقصد کو پہچان سکے اور اس سے مسائل اخذ کر سکے، تاریخ و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف و نحو، بلاغت، ظاہر نص، خفی، مشکل، مجمل، منطوق، مقید وغیرہ میں پوری مہارت رکھتا ہو احکام کی تمام آیات اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ زکی، ذریعہ، خوش فہم، پارسا اور متقی بھی ہو (تفصیل کے لیے دیکھو تفسیرات احمدیہ) ایسے شخص پر تقلید منع ہے۔ جو ایسے درجے پر علمی اعتبار سے نہ پہنچا ہو اس پر تقلید ضروری ہے اور اس کو غیر مجتہد بھی کہتے ہیں۔

سوال: مجتہد کے طبقات بیان کر دیں۔

جواب: مجتہد کے چھ طبقات ہیں۔

۱۔ مجتہد فی شرع۔ جیسے چاروں احمد، ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی۔

۲۔ مجتہد فی المذہب۔ جیسے امام ابو یوسف، جو اصول میں تقلید کرتے ہیں۔

۳۔ مجتہد فی المسائل۔ جو مسائل فرعیہ اور قواعد میں مقلد ہیں، جیسے امام طحاوی، قاضی خان۔

۴۔ اصحاب الترتیب۔ جو صرف کسی قول کی تفصیل بیان کریں، جیسے امام کرہی۔

۵۔ اصحاب الترتیب۔ جو چند روایات سے چند کو ترجیح دیں، جیسے صاحب قدوری اور صاحب حدایہ

۶۔ اصحاب تمحیض۔ جو صحیح روایات اور معتبر قول کو لیں، جیسے صاحب گزہ اور دہقانہ۔

(تفصیل کے لیے مقدمہ شامی بحث طبقات الفقہاء)۔

سوال: تقلید پر قرآنی آیات اور احادیث بھی بیان فرمادیں۔

جواب: اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔ ہم لوگوں پر صراط

چلا، ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا، معلوم ہوا صراط وہی ہے جس پر اللہ نے اپنے بندوں کو

تمام مفسرین، محدثین، اولیاء اللہ، قطب ابدال اللہ کے ٹیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلد ہیں لہذا تقلید سیدھا راستہ ہے۔

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ تو اسے لوگو علم والوں سے پوچھو اور تم کو علم نہیں۔ معلوم ہوا اگر کسی مسئلے کا علم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کرنا چاہیے لہذا جن اجتہادی مسائل میں ہم کو علم نہیں وہ ہم اہل علم سے ہی پوچھتے ہیں یعنی مجتہدین سے ہی دریافت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں تفصیل کے لیے فقہ کی کتب کی طرف رجوع کریں۔

سوال: کچھ احادیث بھی پیش کر دی جائیں۔

جواب: مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ میں ہے **اَتَّبِعُوا السَّوَادَ لَا عِظَمَ فَانْهَ مِنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ**۔

یہ حدیث میں ہے **مَا رَاهُ الْمَوءُ مِنْ حَسَنٍ فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ**۔

ترجمہ: بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو جماعت المسلمین سے علیحدہ رہا وہ علیحدہ کر کے جہنم میں بھیجا جاوے گا۔ دوسری حدیث کا ترجمہ: جس کو مسلمان اچھا جائیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں آج بھی سب سے بڑی جماعت مقلدین ہی کی ہے اس سے پہلے بھی رہی ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی رہے گی۔ اس سے پہلے بھی مسلمان تقلید کو اچھا جانتے تھے اور مقلد ہوئے ہیں اور آج بھی عرب و عجم میں مسلمان تقلید خفی کرتے ہیں اور اسی میں نجات بھی ہے۔

عقلی دلیل: ہر علم اور ہنر کے علیحدہ قواعد اور اصول ہوتے ہیں اور اس فن میں اور ہنر میں اس کے ماہرین کی پیروی کی جاتی ہے۔ یہی تقلید ہے، جو حضرات تقلید کے خلاف ہیں وہ بھی اپنے کسی عالم فاضل کسی بھی مولوی کے بتائے ہوئے مسائل اور رہنمائی ہوئی گردان کود براے جا رہے ہیں یہ بھی تقلید ہے۔

مقلد کا کتاب ابجد باب آداب السفر میں ہے **اِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ**۔ (یعنی تین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں، گویا تقلید سے اختلافات کم ہوتے ہیں اسی لیے تو ایک کو امام بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور تقلید میں کسی بھی آدمی کو اپنا قائد اور راہنما تسلیم کیا جاتا ہے آج بھی

مختلف سیاسی اور مذہبی جماعتیں کسی نہ کسی کی قیادت میں اپنے مشن اور منشور پر عمل کر رہی ہیں یہی تقلید ہے۔

مزید تفصیل کے لیے امام غزالی کی کتاب **المصصی**، نور الانوار، تفسیر روح البیان، زیر سورۃ صود، تفسیر کبیر پارہ 10۔ ج ۱ الحق از مفتی احمد یار خان صاحب کا مطالعہ کیا جائے۔

سوال: غیر مقلد علماء مسائل کا استخراج کیسے کرتے ہیں؟

جواب: اگر غیر مقلد علماء سے ہی یہ سوال کر دیا جائے کہ وہ انصاف سے بتائیں کہ کیا وہ ہر پیش آمدہ مسئلہ میں قرآن و حدیث کے تمام ذخائر کو کھنگالتے ہیں یا اس کے بجائے وہ اپنے منقذ میں علماء کی کتابوں کو دیکھتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ وہ حنفی، شافعی، مالکی مسلک کی کتابوں کے بجائے شیخ ابن تیمیہ، شیخ ابن حزم، شیخ ابن قیم اور قاضی شوکانی کی کتابوں کو دیکھتے ہیں اور ایسا کرنے والے بھی چند ہی علماء ہوں گے ورنہ عام غیر مقلد علماء تو نقوی، ندوی، بریلوی اور فتاویٰ ثنائیہ سے ہی کام چلا لیتے ہیں۔ بس یہی تقلید ہے۔

سوال: کسی بھی غیر مقلد عالم کی عبارت تقلید کے بارے میں پیش کر دی جائے۔

جواب: جو حضرات براہ راست قرآن و حدیث سے مسائل نکالنے پر زور دیتے ہیں اور تقلید کو شرک کہتے ہیں ان کے لیے ان کے ہی ایک بڑے عالم شیخ ابن تیمیہ کی عبارت پیش خدمت ہے۔

”انسانوں اور جنوں میں سے ہر ایک پر ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی حق اطاعت واجب ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے طلال کردہ کو طلال جائے اور حرام کردہ کو حرام جائے اور ان کے واجب کردہ کو واجب جانے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بہت سے ایسے احکام ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے اس لیے لوگ اس معاملے میں ایسے عالم کی طرف رجوع کرتے ہیں جو انھیں اللہ اور رسول ﷺ کے احکام بتا سکے۔ اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور آپ کی خطابات اور امر او کو یاد دہا بہتر جانتا ہے۔ لہذا مسلمان جن ائمہ کی اتباع کرتے ہیں وہ دراصل لوگوں اور رسول اللہ ﷺ کے مابین وسیلے اور راہ نمائی حیثیت رکھتے ہیں جو لوگوں تک رسول اللہ ﷺ کی احادیث پہنچاتے ہیں اور اپنے اجتہاد سے ان احادیث کے معانی اور احکام بیان کرتے ہیں اور انھیں احکامات اللہ تعالیٰ کی خاص عالم کو ایسے علم اور فہم سے نوازتا ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہوتا۔“ (شیخ احمد بن حنبل، مجموعہ الفتاویٰ جلد 20 صفحہ 224) مطبوعہ

ہام القہد بن عبد العزیز ملک سعود یہ۔

اس عبارت کے بعد تعلیق پر طعن یا انکار کی گنجائش عقلمند کے لیے باقی نہیں رہتی۔ مزید تفصیل کے لیے شرح مسلم شریف جلد ثلث از علامہ غلام رسول سعیدی بہت مفید رہے گی۔

سوال: آذان کے ساتھ درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: آذان سے پہلے اور بعد حضور اکرم ﷺ پر درود پاک پڑھنا جائز اور باعث اجر و ثواب ہے۔ قرآن پاک میں ہے، اے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجو۔ جلاء الافہام از ابن قیم میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہر وہ کام جسے اللہ کے ذکر اور مجھ پر درود شریف سے شروع کیا جائے تو وہ ناقص اور برکت سے خالی ہے۔ بلاشبہ آذان بھی مکام ہے لہذا اس کے شروع میں درود پڑھنا خود نبی ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہوا۔ رد المحتار شامی میں ہے اور اہم فاموں سے پہلے درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ کشف الغمہ میں امام شعرانی فرماتے ہیں کہ مصر میں (پچھٹی صدی میں) مؤذن آذان کے ساتھ خلیفہ اور وزراء پر سلام کہتے تھے جب سلطان عادل صلاح الدین کی حکومت قائم ہوئی تو انھوں نے اس بدعت کو ختم کر دیا اور مؤذنین کو حکم دیا کہ وہ آذان کے ساتھ اس بدعت کی بجائے رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پیش کریں۔ اور یہ حکم تمام شہروں اور دیہاتوں پر نافذ کر دیا، اللہ انہیں جزاء خیر عطا کرے۔

”القول البدیع“ میں امام سخاوی نے لکھا ہے کہ جرین شریفین میں مؤذنین آذانوں کے ساتھ نبی ﷺ کی بارگاہ میں درود شریف پیش کرتے تھے۔ لہذا درود و سلام اس طریقے سے پڑھا جائے کہ لوگ اس کو آذان کا حصہ نہ سمجھیں بلکہ کچھ وقفہ کیا جائے۔

سوال: آذان میں انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

جواب: جب مؤذن الشہد ان محمد رسول اللہ کہتا ہے تو سامعین انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں یہ طریقہ بھی مستحب اور صحیح ہے اس میں حضور ﷺ کے نام نامی کی عظمت و توقیر مقصود ہے جبکہ حکم نص قطعی سے ثابت ہے۔ دہلی نے فردوس میں ذکر کیا حضرت ابو بکر صدیق سے کہ جب انھوں نے مؤذن کا قول الشہد ان محمد رسول اللہ سنا چوما اپنے دونوں پوروں کو انگشت شہادت کے اور لگا یا دونوں

کو آنکھوں پر، پس حضور ﷺ نے فرمایا جو میرے دست کی طرح یہ فعل کرے گا اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگی۔

مسند فردوس میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے الشہد ان محمد رسول اللہ سن کر اپنے آنکھوں کے ٹانگوں کو چوما میں اس کا جنت میں قائد اور داخل کرنے والا ہوں گا۔ یہاں فقہ کی مشہور کتاب شرح وقایہ میں ہے، یہ فعل سنت ہے اور سنت خلفاء کرام ہے۔ انگوٹھے چومتے وقت ہاتھ خدا تو میری آنکھوں کی حفاظت فرما اور انھیں منور فرما۔ ابن خکان نے کہا جس نے یہ فعل پابندی سے کیا وہ امن میں رہے گا آنکھ کے ضرر سے، جب تک زندہ رہے گا۔ فتاویٰ رد المحتار شامی نے بھی انگوٹھے چومنے کو مستحب قرار دیا ہے اسی طرح شارح مشکوٰۃ علامہ علی قاری کی اپنی کتاب موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں انہیں نے کہا اور جب اس حدیث کی سند کا حضرت صدیق اکبر تک پہنچنا ثابت ہے تو ہمارے لیے عمل کے لیے کافی ہے بوجہ حضور ﷺ کے فرمان کے تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔ معلوم ہوا امام شامی اور علامہ علی قاری ظلی جیسے جلیل القدر فقہاء کے نزدیک بھی انگوٹھے چومنا مستحب ہے۔

سوال: اقامت بیٹھ کر سننا کیسا ہے؟

جواب: اقامت بیٹھ کر سننا مستحسن ہے۔ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ مقتدی موجود ہوں اور امام صاحب موجود ہوں اور اقامت شروع ہو جائے تو سنت یہ ہے کہ مقتدی بیٹھیں اور امام کے منسلک کی طرف آنے پر کھڑے ہوں چنانچہ بخاری و مسلم میں ارشاد نبوی ہے ”اذا اقامت الصلوٰۃ فلا تقو موا حتی ترونی“۔ جب نماز کی اقامت کی جائے تو مستحکم ہو جاؤ اور جب تک مجھے اپنی طرف آتا نہ دیکھ لو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں موجود ہوں اس صورت میں قد قامت الصلوٰۃ پر یا ذرا پہلے یعنی (حتى علی الصلوٰۃ حتی علی الفلاح) پر کھڑے ہونا سنت ہے اور اقامت کے شروع میں کھڑے ہو جانا خلاف سنت اور مردود ہے۔ چنانچہ امام تہجدی اور دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ ابن ابی سہل سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کان رسول اللہ ﷺ اذ قال بلال قد قامت الصلوٰۃ نهض فكمروا حضرت ہلال جب قد قامت الصلوٰۃ کہنے لگتے تو

رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوتے اور تکبیر کہتے۔

امام بخاری کے دادا شیخ محدث عبدالرزاق اپنے مصنف میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عطیہ تابعی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھے تھے تو جوئی اقامت شروع ہوئی تو ہم اٹھ کھڑے ہوئے تو حضرت عبداللہ نے فرمایا بیٹھ جاؤ جب **قد قامت الصلوٰۃ** کہنے لگے تو کھڑے ہونا۔ محدث عبدالرزاق ہی کی روایت ہے وہ (صحابہ کرام) مکروہ جانتے تھے کہ نمازی اقامت کے شروع میں ہنسی کھڑے ہو جائیں۔

سوال: فرض، واجب، سنت، مؤکدہ وغیرہ مؤکدہ، مستحب، مہاج نیز حرام، مکروہ تحریمی، اسماء و مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ کی وضاحت کر دیں۔

جواب: فرض اعتقادی۔ جو دلیل قطعی سے ثابت ہو (یعنی ایسی دلیل سے جس میں کوئی شبہ نہ ہو) اس کا انکار کرنا کفر الائمہ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً کافر ہے اور اگر اس کی فرضیت دین اسلام کا عام خاص پرورش واضح مسئلہ ہو جب تو اس کے منکر کے کفر پر اجماع قطعی ہے ایسا کہ جو اس منکر کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے اور بہر حال جو کسی فرض اعتقادی کو بلا مدح و تحسین شرعی قصداً ایک بار بھی چھوڑے قاسم و مرتکب کبیرہ و مستحق عذاب نار ہے جیسے نماز، روزہ، کھانا پکانا۔

فرض عملی۔ وہ جس کا ثبوت تو ایسا قطعی نہ ہو مگر نظر مجتہدین میں بحکم دلائل شرعیہ جزم ہے کہ بغیر اس کے کیے آدمی بری الذمہ نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی عبادت کے اللہ فرض ہے تو وہ عبادت ہے اس کے باطل و کالعدم ہو گی اس کا بے وجہ انکار فسخ و کفر ایسی ہے ہاں اگر کوئی شخص کمال شریعہ میں نظر کامل ہے دلیل شرعی سے اس کا انکار کرے تو کر سکتا ہے جیسے ائمہ مجتہدین کے اختلافات کہ ایک امام کسی چیز کو فرض کہتے ہیں اور دوسرے نہیں مثلاً حنفیہ کے نزدیک پوتھائی سر کا سج وضو میں فرض ہے اور شافعیہ کے نزدیک ایک ہال کا اور مالکیہ کے نزدیک پورے سر کا۔ حنفیہ کے نزدیک وضو میں بسم اللہ کہنا اور نہایت سنت ہے اور حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک فرض اور اس کے سوا اور بہت سی مثالیں ہیں اس فرض عملی میں ہر شخص اس کی پیروی کرے جس کا مقلد ہے اپنے امام کے خلاف بلا ضرورت شرعی دوسرے کی پیروی جائز نہیں۔

واجب اعتقادی۔ وہ کہ دلیل ظنی سے اس کی ضرورت ثابت ہو۔ فرض عملی و واجب عملی ایسی ہی دو قسمیں ہیں اور وہ انھیں دو میں منحصر۔

واجب عملی۔ وہ واجب اعتقادی کہ بغیر اس کے کیے بھی بری الذمہ ہونے کا احتمال ہو مگر غالب ظن اس کی ضرورت پر ہے اور اگر کسی عبادت میں اس کا ہمالہ نادر کار ہو تو عبادت بغیر اس کے ناقص رہے مگر ادا ہو جائے مجتہد دلیل شرعی سے واجب کا انکار کر سکتا ہے اور کسی واجب کا ایک بار بھی قصداً چھوڑنا گناہ مضمرہ ہے اور چند بار ترک کرنا کبیرہ۔

سنت مؤکدہ۔ وہ جس کو حضور اقدس ﷺ نے ہمیشہ کیا ہوا ہوتا ہے یا ان جواز کے واسطے بھی ترک بھی فرمایا ہو یا وہ کہ اس کے کرنے کی تاکید فرمائی مگر واجب ترک بالکل مسدود نہ فرمائی ہو اس کا ترک اسماء اور کرنا ثواب اور نادر ترک پر عتاب اور اس کی عادت پر استحقاق عذاب۔

سنت غیر مؤکدہ۔ وہ کہ نظر شرع میں ایسی مطلوب ہو کہ اس کے ترک کو ناپسند رکھے مگر نہ اس حد تک کہ اس پر عید عذاب فرمائے عام ازین کہ حضور ﷺ نے اس پر مداومت فرمائی یا نہیں اس کا کرنا ثواب اور نہ کرنا اگرچہ عار کا ہو مگر جب عتاب نہیں۔

مستحب۔ وہ کہ نظر شرع میں پسند ہو مگر ترک پر کچھ ناپسندی نہ ہو خواہ خود حضور اقدس ﷺ نے اسے کیا یا اس کی ترغیب دی یا علماء کرام نے پسند فرمایا اگرچہ احادیث میں اس کا ذکر نہ آیا یا اس کا کرنا ثواب اور نہ کرنے پر عذاب کچھ نہیں۔

مہاج۔ وہ جس کا کرنا اور نہ کرنا یکساں ہو۔

حرام قطعی۔ یہ فرض کا مقابل ہے اس کا ایک بار بھی قصداً کرنا گناہ و فسخ ہے اور فرض واجب۔

مکروہ تحریمی۔ یہ واجب کا مقابل ہے اس کے کرنے سے عبادت ناقص اور کمالی ہے اور نہ کرنے والا مکروہ ہوتا ہے اگرچہ اس کا کرنا گناہ حرام سے کم ہے اور نہ ہال کا اس کا کرنا گناہ ہے۔

اسماء۔ جس کا کرنا برا ہو اور نادر کرنے والا مستحق عتاب اور کمال باطل پر استحقاق عذاب یہ سنت مؤکدہ کے مقابل ہے۔

مکروہ تنزیہی ہے۔ جس کا کرنا شرع کو پسند نہیں مگر نہ اس حد تک کہ اس پر وعید عذاب فرمائے یہ سنت غیر مکروہ ہے۔

خلاف اولے: وہ کہ نہ کرنا بہتر تھا کیا تو کچھ مضامین غائب نہیں کہ مستحب کا مقابل ہے۔
(ماخوذ از بہار شریعت لہذا جناب مولانا مولوی حکیم ابوالاعلیٰ امجد علی صاحب)
سوال: نماز کی نیت میں فرض واجب اور سنت کا تعین کرنا کیسا ہے؟

جواب: فرض واجب میں تعین فرض ہے اگر یہ تعین نہیں ہوگا کہ نماز جس کو میں ادا کر رہا ہوں فرض ہے یا واجب مثلاً آج کی ظہر یا عصر کی تو نماز نہیں ہوگی۔ اسی طرح نماز واجب میں یہ تعین نہیں کیا کہ یہ نماز عید کی ہے یا نذر کی یا کوثر کی، عید کی ہے تو کوثری عید کی، اسی طرح نذر کی ہے تو کوثری نذر کی، تو بھی نماز نہیں ہوگی۔ البتہ سنت اور مطلق نماز کی نسبت درست ہے۔ البتہ بہتر اس میں بھی یہ ہے کہ نفل کے معین کرے تاکہ سب کے نزدیک نماز ادا ہو جائے۔ (درمغروشاہی)

سوال: نیت میں کوئی باتیں ضروری ہیں؟

جواب: منظر اور امام پر دو باتیں اور مقتدی پر تین باتوں کی نیت کرنا ضروری ہے۔

(۱) ایک تو نماز کی نیت میں اللہ ہی کے واسطے کہنا۔ (۲) کعبہ شریف کی جانب منہ کرنے کی نیت کرنا (عالمگیری)۔ (۳) اور مقتدی کے لیے اقتداء کی نیت کرنا بھی شرط ہے۔

سوال: ایسی نیت بتلاؤ جو سب کے نزدیک درست ہو۔

جواب: اس طرح کرے۔ "نیت کرتا ہوں میں یا نیت کی میں نے آج کے فرض نماز فجر کی یا ظہر کی واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ میرا طرف کعبہ شریف کے اسی طرح ہو وقت اور نام لے اور ساتھ ہی نیت تعمیر تحریمہ کے ساتھ ہو بعد میں صحیح نہیں ہے۔ (شافعی، زکری الدین کتاب الصلوٰۃ)۔

سوال: نماز کی شرائط، ارکان، واجبات اور مستحبات بھی بیان کریں۔

جواب: وہ امور جن کے بغیر نماز فرض یا صحیح نہیں ہوتی۔ شرائط کہلاتے ہیں۔ نماز کی شرطیں دو قسم کی ہیں۔
(۱) وہ امور جن کے بغیر نماز فرض نہیں ہوتی۔ (۲) وہ امور جن کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔

نماز کے فرض ہونے کی شرائط

(۱) اسلام: یعنی مسلمان ہونا، کافر پر نماز فرض نہیں۔

(۲) بلوغت: بالغ ہونا، نابالغ پر نماز فرض نہیں۔ اسی لئے بچوں کو بالغوں کی صف میں شامل نہیں کرتے۔

(۳) عاقل ہونا: بے عقل اور پاگل پر نماز فرض نہیں۔

(۴) نماز کے قابل ہونا: یعنی عاجز نہ ہونا، مثلاً عورتوں کا حیض و نفاس سے پاک ہونا وغیرہ۔

(۵) وقت: یعنی اسلام لانے، یا بالغ ہونے یا جنون یا بے ہوشی کے بعد عورت کا حیض و نفاس سے پاک ہونے کے بعد نماز کا وقت پانا۔ اگرچہ صرف تحریمہ کی گنجائش ہو۔ اگر اس سے کم وقت پایا تو اس وقت کی نماز اس پر فرض نہیں۔

نماز کے صحیح یا درست ہونے کی شرائط

(۱) طہارت: یعنی نماز کی بدن، کپڑوں اور جگہ کا پاک ہونا شرط ہے۔ جس پر غسل فرض ہے اس کا غسل کرنا، بے وضو کا وضو کرنا، کپڑوں کا غلاظت اور گندگی سے پاک ہونا، اور جس جگہ نماز کی ہے نماز پر طہارت ہے اس جگہ کا پاک ہونا شرط ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

(۲) ستر عورت: یعنی بدن کے جس حصہ کا چھپانا فرض ہے اس کا چھپانا شرط ہے جب کہ اس پر قدرت رکھتا ہو مرد کے لیے ناف کے نیچے سے گھٹنوں تک چھپانا شرط ہے۔ ناف ستر میں شامل نہیں جب کہ گھٹنے ستر میں داخل ہیں۔ آزاد عورت کے چہرہ، دونوں آنکھوں اور دونوں پاؤں کے علاوہ سارا بدن عورت ہے سر کے بال جو نکلے ہوئے ہوتے ہیں سب کا ستر ضروری ہے۔ ایسا دو پندہ جس سے بال نظر آئیں اور نہ کر نماز پر بھی تو نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھی جس سے بدن نظر آ رہے نہ حالت ہوگی۔

(۳) استقبال قبلہ یا قبلہ رو ہونا: قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے جب کہ اس پر قادر ہو یعنی چہرہ اور شین کا خوف یا قبلہ کی سمت معلوم نہ ہونا نماز میں شامل ہیں۔ ایسی صورت میں جس طرف منہ کرے گا درست ہوگا۔ اگر قبلہ سے ۴۵ درجے دھرا ہوا ہو تو بھی قبلہ ہی کی طرف منہ کرنا جائز ہے۔ البتہ اس سے زیادہ پھر جانے کی صورت میں نماز نہ ہوگی۔

(۳)۔ وقت کا ہونا: نماز اوقات مقررہ کے ساتھ فرض ہے۔ لہذا اگر وقت شروع ہونے سے پہلے پڑھ لی نہ ہوئی، اسی طرح اگر وقت گزرنے کے بعد پڑھی تو ادا نہ ہوئی تھا ہوئی۔ مثلاً فجر طلوع آفتاب کے بعد پڑھی تو ادا نہ ہوئی بلکہ تھا ہوئی اسی طرح عصر ظہر کے وقت پڑھی نہ ہوئی۔ لہذا وقت کا ہونا شرط ہے۔

(۵)۔ نیت: نیت دل کے پکے ارادے کو کہتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی پوچھے کہ کس وقت کی نماز پڑھ رہے ہو تو بلا واسطہ بتا دے۔ اور اگر سوچ کر جواب دے گا تو نماز نہ ہوگی۔ زبان سے نیت کرنا مستحب ہے زبان کوئی بھی اور عربی لازمی نہیں۔ نیت اگر ظہر کی کر رہا ہے اور پکا ارادہ ہے کہ ظہر کی پڑھنی ہے لیکن زبان سے عصر یا مغرب لے گا تو حرج نہیں نیت درست ہوگی۔

(۶)۔ تکبیر تحریمہ: یہ ہے کہ اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر کانوں تک لے جائیں اور نماز شروع کر دیں۔ اس کو تکبیر افتتاح بھی کہتے ہیں اور اس کو تحریمہ اس لیے بھی کہتے ہیں کہ جو باتیں نماز کے خلاف ہیں۔ وہ اس کے کہنے سے حرام ہو جاتی ہیں۔ اور یہ کی ساری شرائط تحریمہ کے لیے بھی شرطیں ہیں۔

ارکان نماز یا فرائض نماز

وہ امور جو نماز کے اندر یعنی نماز کی ماہیت میں داخل ہیں ان میں سے کوئی ایک رکن بھی رہ گیا یا نہ پایا تو نماز نہ ہوگی۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱)۔ تکبیر تحریمہ: یہ شرائط نماز میں سے ہے لیکن ارکان نماز سے متصل ہونے کی وجہ سے اسے فرائض نماز یا ارکان نماز میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ شرائط نماز وہ امور ہیں جو نماز سے خارج ہوتے ہیں اور ارکان یا فرائض نماز وہ امور ہیں جو نماز میں داخل ہوتے ہیں دونوں کے نہ پائے جانے سے نماز نہیں ہوتی۔

(۲)۔ قیام: دونوں پاؤں پر کھڑا ہونا فرض ہے۔ اگر کوئی بھاری وغیرہ کی وجہ سے دیوار کے سہارے کھڑا ہو سکے یا چھڑی کے سہارے کھڑا ہو سکے یا کسی آدمی کے سہارے کھڑا ہو سکے تو اسے ان سہاروں سے کھڑا ہونا چاہیے۔ بیٹھ کر پڑھے گا تو نماز نہ ہوگی۔ اگر نمازی گھر میں قیام کر سکتا ہے مگر مسجد پہنچ کر کھڑا نہیں ہو سکتا تو اسے گھر میں تھا نماز پڑھنی چاہیے۔ جماعت ترک کر دے۔ فرض نمازوں، وتر، صبح کی سنتوں اور عیدین کی نمازوں میں قیام فرض ہے۔ بلا عذر بیٹھ کر پڑھے گا تو نماز نہ ہوگی۔

(۳)۔ قراءت: یعنی قرآن پڑھنا اور مطلق قرآن پڑھنا فرض ہے۔ تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو پڑھنا فرض ہے۔ اس طرح پڑھنا کہ ہر حرف علیحدہ علیحدہ ہو جائے اور نمازی خود سن سکے۔ اگر اتنی کم آواز سے پڑھا کہ خود نہیں سن سکا تو نماز نہ ہوئی۔ ایسے حضرات کو خیال رکھنا چاہیے جو ہونٹ ہلاتے بغیر صرف دل میں پڑھتے ہیں۔ اس طرح قراءت نہ ہوئی فرض ادا نہ ہوا نماز نہ ہوئی۔

(۴)۔ رکوع: یعنی اتنا جھکنا کہ ہاتھ گھٹنے تک پہنچ جائیں رکوع کا ادنیٰ درجہ ہے سجدہ رکوع یہ ہے کہ پیچھے پوری طرح سجدہ ہو جائے۔ سر اور سریرین برابر ہو جائیں۔ اگر ادنیٰ درجہ رکوع نہ کیا تو فرض ادا نہ ہوگا اور نماز نہ ہوگی۔ جو لوگ ذرا سا جھکتے ہی سجدہ میں چلے جاتے ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی انہیں خیال رکھنا چاہیے ایک تسبیح کی مقدار رکنا فرض ہے اس سے کم رکنا فرض ادا نہ ہوا نماز نہ ہوئی۔

(۵)۔ سجدہ: یعنی پیشانی کا زمین پر گنا اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سجدہ میں ناک اور پیشانی کا زمین پر جم جانا اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگانا شرط ہے۔ سجدہ انگلیوں کا پیٹ لگنا اور دوسروں انگلیوں کا پیٹ لگنا سنت

ہے اگر صرف پیشانی یا ناک کی ٹوک لگی تو سجدہ نہ ہوگا۔ اگر سجدہ کیجئے نہ ہو تو نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح پاؤں اٹھے رہے یا صرف انگلیوں کی ٹوکیں لگی رہیں تو سجدہ نہ ہوگا لہذا نماز نہ ہوگی۔ اس مسئلہ سے بہت سے لوگ بے خبر ہیں۔ بلکہ وہ درحضر اس بھی توجہ نہیں فرماتے۔ اس پر توجہ دینا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر نرم چیز یا کدے یا کمافی دار سینٹوں یا صوفہ وغیرہ پر سجدہ کیا تو سجدہ نہ ہوگا۔ ہاں اگر نرم چیز اتنی دلی کہ مزید بے کی گنجائش نہیں تو سجدہ ہو جائے گا۔ لیکن پیرنگ یا کمافی دار سینٹوں یا صوفہ وغیرہ پر نماز نہیں ہوگی۔ اسی طرح چارپائی پر نماز نہ ہوگی۔ حمام (پگڑی) کے نیچے پر سجدہ کیا اور خوب جم گیا تو سجدہ ہو گیا اور نہ نہیں اسی طرح قدموں سے ۱۲ انگل سے زیادہ اونچائی تک پر سجدہ کیا تو سجدہ نہ ہوگا۔ نماز نہ ہوگی سجدے دونوں فرض ہیں۔ ایک رہ گیا تو نماز نہ ہوگی۔

(۶)۔ قصد وغیرہ۔ یعنی چھٹی رکعتوں کی نیت کی ان کے اختتام پر اتنی دیر بیٹھنا کہ پوری احتیات عہدہ رسول تک پہنچ سکے فرض ہے۔ اس میں دایاں پاؤں اس طرح کھڑا کرنا چاہئے کہ تمام انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب ہو اور ان کے چپٹ زبیں پر گئے ہوں اور دایاں پاؤں اس طرح بچھا کر اس پر بیٹھیں کہ پاؤں کی انگلیوں کا رخ شمال کی جانب ہو۔ ہاتھوں کی انگلیاں گھٹنوں کے قریب اعتدال پر ہوں نہ زیادہ ملی ہوئی اور نہ کھلی ہوئی۔ ٹخنہ زمین پر ہو۔

(۷)۔ شروع اللہ۔ یعنی اپنے کسی نعل سے نماز سے باہر آنا۔ نمازی کوئی بھی کھڑا کر کے باہر آ سکتا ہے مثلاً سبحان اللہ۔ الحمد للہ وغیرہ لیکن اگر نماز واجب ہے بلکہ اور سنت اللہ واجب نہیں سنت ہے۔ البتہ اگر کسی کوئی حرکت نہ ہو جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

واجبات نماز

وہ امور جن میں سے کوئی بھولے سے چھوٹ جائے۔ تو سجدہ سہواً لازم آئے۔ اگر بھولے سے چھوٹ جائے سے سجدہ نہ ہو نہ کیا یا قصد کسی واجب کو چھوڑ دیا تو اس نماز کو ماننا واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر نہیں لوٹے گا۔ تو ایسا نمازی فاسق اور گنہگار ہوگا۔ کیونکہ ترک واجب سے نماز خراب و خرابی ہوتی ہے۔ اور اس کا لوٹنا واجب ہوتا ہے۔ واجبات نماز مندرجہ ذیل ہیں۔

- ۱۔ تکبیر تحریمہ خاص اللہ اکبر سے ہونا۔ سبحان اللہ یا الحمد للہ وغیرہ کہنے سے ترک واجب ہوگا۔
- ۲۔ قراءت واجب یعنی سورہ فاتحہ اور چھوٹی سورت یا تین چھوٹی آیتیں یا آیت بڑی آیت کی مثلہ ارفیہ کرنا۔ یعنی چھٹی دیر میں سورہ فاتحہ اور چھوٹی سورت یا تین آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھی جائے کھڑا ہونا واجب ہے۔
- ۳۔ تمکین یا چار رکعتوں والی فرض نماز میں فرض قراءت کی ادائیگی کے لیے پہلی دو رکعتوں کو تمکین کرنا۔ اگر فرض قراءت کے لئے تیسری اور چوتھی رکعتیں مقرر رکھیں تو ترک واجب ہوگا۔
- ۴۔ فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور واجب سنتوں اور نوافل کی تمام رکعتوں میں الحمد پڑھنا۔ الحمد کی ہر آیت واجب ہے۔ الحمد سے مراد سورہ فاتحہ ہے۔

۵۔ سورت مانانے سے پہلے فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور باقی تمام نمازوں کی ہر رکعت میں الحمد صرف ایک ہی بار پڑھنا۔ ایک بار سے زیادہ پڑھنا ترک واجب ہوگا۔

۶۔ فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور باقی نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی مختصر سورہ پڑھنا۔

۷۔ سورہ فاتحہ کو سورت آیتوں سے پہلے پڑھنا۔ اگر پہلے سورہ پڑھی گئی پھر فاتحہ پڑھی تو ترک واجب ہوگا۔

۸۔ دو فرضوں، دو واجبوں یا فرض اور واجب اور فرض کے درمیان کسی انہی کا فاصلہ نہ ہونا۔ یعنی سورہ فاتحہ اور سورہ کے درمیان یا قراءت اور رکوع کے درمیان یا دو سجدوں کے درمیان کسی اور فعل یا عمل کا نہ ہونا۔ آئین سورہ فاتحہ کے تحت ہے اور بسم اللہ سورہ کے تابع لہذا یہ ایسی فعلی و فاعلی نہیں۔ یا در کئے کہ سورہ فاتحہ اور سورہ کے درمیان یا قراءت اور رکوع کے درمیان یا قوس اور سجدہ کے درمیان تمکین شیعہ (یعنی سبحان اللہ سبحان

اللہ سبحانہ کے برابر ہوا جو ازل و قفلہ کیا تو ترک واجب ہوگا۔

۹۔ قوم یعنی دو کوٹ سے سیدھا کھڑا ہونا۔ جو لوگ ہلکا سا جھٹکا دے کر جھدہ میں چلے جاتے ہیں وہ ترک صاحب کے سر تعجب ہوتے ہیں اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔

۱۰۔ جلسہ: یعنی دونوں مجاہدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا۔

۱۔ تعریف ارکان: یعنی رکوع و سجود و جہدہ کو اچھی طرح ادا کرنا یعنی ان میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کی عہدہ اڑھنہ۔ اس سے کم ظہر اتو ترک واجب ہوا۔

۱۴۔ چاہا بقعدہ، یعنی تمکین یا چادر کعبتوں والی فرض، اور چادر کعبتوں والی مستثنیٰ اور نوافل میں دو رکعتوں کے بعد شہدی مقدار میں پڑھنا۔

۱۳۔ ہر قعدہ میں پورا شہد یعنی الثبوت آنحضرت تک پڑھنا۔ اگر ایک لفظ بھی چھوٹ گیا تو ترک واجب ہوگا۔

۴۱۔ فرض و واجب (وتر) اور سنن مؤکدہ کے قعدہ اولیٰ میں تشہد پر کچھ نہ پڑھانا۔ اللھم صل علی محمد یا اس کی مقدار خا مویش رہنے سے ترک واجب ہوگا۔ اگر کسی نے اللھم صل علی تک پڑھ لیا پھر یاد کیا اور فوراً اٹھ گیا تو حرج نہیں اور اگر محمد بھی پڑھ لیا تو عجبہ سے ہو واجب ہو جائے گا۔ یا اشی ویر خا مویش پڑھنا تو بھی عجبہ سے ہو واجب ہوگا۔

۱۵۔ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد قعدہ نہ کرنا۔ یعنی ایک رکعت (سبحان اللہ) کی مقدار اور پڑھ کرنا۔

۱۹۔ ایک رکعت میں کوٹھ ایک ہی مرتبہ کرنا، دو دفعہ نہ کرنا، ایک سے زیادہ کے تو ترک واجب ہوگا۔

خلاہ ہر اہل ایمان میں دو ہی عہدے کرنا۔ تین عہدے نہ کرنا۔ اگر بھولے سے تین عہدے کر لئے تو عہدہ سہواً

۱۱۔ قرآن کے ساتھ ساتھ واجبات میں امام کی متابعت کرنا۔

۱۹۔ کیا ان کے دماغ کے قیوت سے لئے اقتدا کبہ کہنا۔

۱۰۰۔ اگر کسی نے عیسائی قانون پر مبنی

۲۱۔ عیدین میں چھ روزہ تکبیریں کہنا۔ یعنی پہلی رکعت میں ثناء کے بعد اور دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے تین تین تکبیریں کہنا۔ ہر تکبیر واجب ہے ایک بھی چھوٹ غلطی تو ترک واجب ہوگا۔

۲۲۔ عیدین کی دوسری رکعت کی رکوع کی تکبیر اللہ اکبر سے کہنا۔ کسی اور لفظ سے کہنا ترک واجب ہوگا۔ رکوع کی تکبیر بھی واجب ہے اور اللہ اکبر سے کہنا، دو واجب ہیں۔

۲۳۔ امام کو جہی نمازوں میں جہر کرنا۔ یعنی مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں اور نماز فجر، نماز جمعہ، عیدین و ترویج اور رمضان کے تہروں کی ہر رکعت میں جہر یعنی آواز سے پڑھنا۔ البتہ اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو جہر واجب تو نہیں افضل ہے۔ جہر کا کوئی درجہ یہ ہے کہ اس کی آواز قریب والے سن سکیں۔

۲۳۔ امام موسوی نمازوں میں آہستہ قراءت کرتا۔ یعنی ظہر عصر کی کل رکعتوں میں۔ مغرب کی تیسری اور عشاء کی آخر دو رکعتوں میں اور دن کے نوافل مثلاً کسوف و استسقاء میں قراءت آہستہ کرتا۔ آہستہ پڑھنے کا کوئی اور وجہ یہ ہے کہ اپنی آواز خود سن سکے۔

۲۵۔ نماز میں آیت سجدہ پڑھنی تو سجدہ تلاوت کرنا۔

۴۶۔ نماز میں سہو ہوا تو سجدہ سہو کرتا۔

۷۲۔ آیت جہدہ پڑھی تو جہدہ تلاوت سے لگا کر نے میں تین آیتوں یا اس سے زیادہ پڑھ کرنا۔ اگر زیادہ تاخیر ہوئی تو ترک واجب ہوا۔

۲۸۔ ہر فرض اور واجب کا اسی کی جگہ پر ہونا۔ مثلاً قراوت کے بعد رکوع، رکوع کے بعد قنوت، پھر سجدہ ملی۔
 هذا القياس۔

۲۹۔ جب امام قراءت کرے خواہ جہری نماز ہو یا سری۔ مقتدی کا چپ رہنا۔ اگر مقتدی کچھ پڑھے گا تو ترک
ازا جب کامر تک ہو کر گھٹنگ رہوگا۔

۳۸۔ اسلام کے لفظ کے ساتھ نماز ہے باہر آتا۔

۳۔ اسلام دو بارہ کہنا واجب ہے، لیکن واجب نہیں البتہ، دیکھو کہ اللہ کہتا سنت ہے۔ نمازی پہلے سلام پر نماز سے باہر ہو جاتا ہے اس کے بعد اس کی اللہ اور سنت نہیں۔ بشرطیکہ پہلا سلام مجددہ سب کے لئے نہ ہو۔

سنن نماز یا نماز کی سنتیں

- ۱۔ اگر نماز میں جو کچھ سے یاد آئے کوئی سنت چھوٹ جائے تو نہ نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ جگہ و سہو واجب ہوتا ہے۔ مگر دانستہ چھوڑنے سے برائی اور ملامت کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اگر سنت کو نکتہ یا حقیر سمجھے یا حق نہ جانے تو کافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "من طمع الرسول فقد طاع اللہ" جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی لہذا سنت کو عام چیز نہیں خیال کریں نہ اس کو کمتر یا حقیر سمجھیں۔ نماز کی سنتیں دین میں بخشش کی جاتی ہیں۔ نماز کی اپنی نماز میں ان کا خیال رکھئے تاکہ اس کی نماز صحیح طور پر ادا ہو۔
- ۱۔ تکبیر تحریر کے لئے دونوں ہاتھوں کو اٹھانا۔ عذر ہو تو ایک ہی اٹھائے یا دونوں نہ اٹھائے۔
- ۲۔ دونوں ہاتھوں کا تکبیر سے پہلے اٹھانا۔
- ۳۔ دونوں ہاتھوں کا کانوں تک اٹھانا۔ انگوٹھے کانوں کی لونگ یا لاکو چھو لیں یا برابر ہوں۔ عذر کی صورت میں جہاں تک ہاتھ اٹھ سکیں۔ عورتیں کندھوں تک ہاتھ اٹھائیں۔
- ۴۔ ہتھیلیاں اور انگلیاں قبلہ رخ ہوں۔
- ۵۔ انگلیاں اپنے حال پر کھلی رکھنا۔ یعنی نہ بہت کھلی ہوں اور نہ ہی بہت ملی ہوئی۔
- ۶۔ تکبیر کے وقت سر کو اعتدال پر رکھنا۔ یعنی آگے کو نہ جھکانا۔
- ۷۔ تکبیر کے بعد ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا۔ اس طرح کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر ہو اور انگوٹھے اور چھٹلیاں کا حلقہ بنا کر کھائی پکڑیں اور باقی تین انگلیاں کھائی کی پشت پر رکھیں۔ عورتیں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر سینے پر رکھیں حلقہ بنانے کی ضرورت نہیں۔
- ۸۔ پہلی رکعت میں ہاتھ باندھنے کے بعد ثانی یعنی سبحانک اللہم پڑھنا۔
- ۹۔ پہلی رکعت میں ہی تہود یعنی انوار پڑھنا۔
- ۱۰۔ ہر رکعت میں الحمد سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا۔
- ۱۱۔ فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا۔ بعض علماء نے فاتحہ پڑھنا افضل لکھا ہے۔

- ۱۲۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے خاتمہ پر آمین کہنا۔
- ۱۳۔ ثناء تہود و بسم اللہ و آمین کہنا۔
- ۱۴۔ جس نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا سنت ہے اس کے موافق پڑھنا۔
- ۱۵۔ صرف صبح کی نماز میں پہلی رکعت کی قراءت دوسری سے لمبی کرنا۔
- ۱۶۔ رکوع کی تسبیح تین بار پڑھنا یعنی سبحان ربی العظیم تین مرتبہ پڑھنا۔
- ۱۷۔ رکوع میں سر، پیچھے اور سرین کو ایک سیدھ میں رکھنا یعنی سب اس طرح برابر ہوں کہ پیچھے پر پانی کا پتالہ رکھا جائے تو ٹھہرا رہے۔ سر نہ اونچا ہو نہ نیچا۔
- ۱۸۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے گھٹنوں کو اس طرح پکڑنا کہ انگلیاں خوب کھلی ہوں۔ سب کسی ایک طرف نہ ہوں اور نہ ہی زیادہ انگلیاں ایک طرف ہوں۔
- ۱۹۔ پنڈلیوں کو سیدھا رکھنا اور گھٹنوں میں خم نہ دینا۔
- ۲۰۔ دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں پر سہارا دینا۔
- ۲۱۔ بازوؤں کو پہلوؤں سے الگ رکھنا۔ (عورتوں کے لیے الگ طریقہ ہے وہ اللہ اعلم آخر میں لکھا جائے گا)
- ۲۲۔ رکوع سے اٹھتے ہوئے امام کا سمع اللہ لمن حمد کہنا اور مقتدی کا اللہم ربنا و اللہ الحمد کہنا اور منفر یعنی اسکینے کا دونوں کہنا۔
- ۲۳۔ رکن تہدیل کرتے وقت تکبیر کہنا۔ یعنی رکوع اور سجدہ میں جاتے وقت اور سجدہ سے اٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا۔
- ۲۴۔ امام کا رکن کی تہدیل کی تکبیر، تسبیح اور سلام ضرورت کے مطابق بلند آواز سے کہنا اور نماز یوں کو خبردار کرنے کی نیت کرنا۔ مکمل بھی خبردار کرنے کی نیت کرے البتہ مقتدی اور منفر داہستہ نہیں۔
- ۲۵۔ سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر رانگ اور پھر پیشانی رکھنا اور سجدہ سے اٹھتے وقت اس کے برعکس کرنا یعنی پہلے پیشانی پھر رانگ پھر ہاتھ اور پھر گھٹنے اٹھانا۔
- ۲۶۔ سات اعتدا (یعنی دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کے نیچے اور پیشانی) پر سجدہ کرنا۔ تاکہ اور

مستحبات نماز

یہ وہ آداب نماز ہیں جن کا کرنا افضل و باعث ثواب ہے لیکن ان کا ترک یعنی چھوڑنا کراہت و قتاب کا موجب نہیں ہے۔ اپنی نمازوں کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے مستحبات پر بھی عمل کرنا چاہیے۔ نماز کے مستحبات یہ ہیں۔

۱۔ دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلی کی مقدار فاصلہ ہونا۔ (اس کو سنتوں میں بھی شمار کیا گیا ہے)۔

۲۔ عجیبہ تحریرہ کے وقت اگر چادر اوڑھی ہوئی ہے یا استیناس لپی ہوئی تو چادر اور استیناسوں سے ہاتھ باہر نکال کر اٹھانا۔ جب کہ مردی کی شدت کا عذر نہ ہو۔ عورتیں ہاتھ باہر نہ نکالیں۔

۳۔ منفرہ یعنی اکیلے نازی کو رکوع اور سجدہ میں تین مرتبہ سے زیادہ طاق مرتبہ تسبیح کہنا۔ یعنی پانچ رسات یا اس سے زیادہ مگر طاق عدد ہوں۔

۴۔ قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر، رکوع میں دونوں پاؤں پر اور سجدہ میں ناک کی نوک پر، جسدہ وقعدہ میں اپنی گود پر اور پہلا سلام پھیرتے وقت اپنے سونڈھے پر اور دوسرے سلام میں بائیں سونڈھے پر نظر رکھنا۔

۵۔ حتی الوسع بھائی روکنا اور منہ بند رکھنا۔ اگر نہ رکے تو نچلے ہونٹ کو انگوٹوں سے دھانا اگر اس سے بھی بند نہ ہو یعنی نہ رکے تو قیام کی حالت میں سیدھے ہاتھ کی پشت سے اور باقی حالتوں میں ہاتھ کی پشت سے منہ کو ڈھانکنا۔ بہتر طریقہ یہ ہے فوراً تصور کرے کہ انبیاء کو بھائی نہیں آتی اس سے رک جائے گی۔

۶۔ جہاں تک ممکن ہو کھانسی کو روکنا۔

۷۔ امام اور مقتدی کا نماز کے لیے اس وقت کھڑا ہونا جب مکرہ جی علی الفلاح کہے۔ فرقہ حنفی میں دونوں روایتیں ہیں یعنی جی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا چاہیے اور یہ کہ جی علی الفلاح پر کھڑا ہونا چاہیے ان دونوں پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب مکرہ دوسری مرتبہ جی علی الصلوٰۃ کہے تو کھڑے ہونے لگیں اور جی علی الفلاح پر مکمل کھڑے ہو جائیں۔

۸۔ امام اور مقتدیوں کا نماز اس وقت شروع کرنا جب مکرہ قد قامت الصلوٰۃ کہے۔ (امام ابو یوسف اور ائمہ

۱۲ کے نزدیک) قیامت پوری ہونے تک تاخیر کرنا افضل ہے) اور بہتر یہ کہ عجیبہ ختم ہونے کے بعد نماز شروع

کی جائے۔

۹۔ الحمد شریف کے بعد اگر سورۃ اہتداء سے پڑھے تو پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا۔ اگر درمیان سے آیات پڑھے تو بسم اللہ مستحب نہیں۔

۱۰۔ جلسہ (یعنی دونوں سجدوں کے درمیان) میں دعا سے مغفرت پڑھنا یعنی اللھم اغفر لی و ارحمی و اھدنی و عافنی و ارزقنی پڑھنا یا صرف رب اغفر لی ایک مرتبہ یا تین مرتبہ کہے۔

۱۱۔ ہر قعدہ میں خاص عبد اللہ بن مسعودؓ کا تشہید پڑھنا۔ یعنی وہ تشہید جو ہم کو گم ہوتے ہیں اور جسے ہم نماز پڑھنے کے طریقے میں بیان کر چکے ہیں۔

۱۲۔ قنوت میں خاص طور پر اللھم انا نستعینک والی دعا پڑھنا اس کا بیان گزر چکا ہے۔

عورتوں کی نماز

عورتیں بھی مردوں کی طرح نماز پڑھیں صرف مندرجہ ذیل چند مقامات پر مردوں سے مختلف کریں۔

۱۔ قیام میں عورتیں دونوں پاؤں ملے ہوئے رکھیں اس میں فاصلہ نہ رکھیں۔ رکوع اور سجدہ میں بھی منحنی ملانے رکھیں۔

۲۔ عورتیں ہر حال میں چادر یا دوشیہ کے اندر ہی سے عجیبہ تحریرہ کے لیے ہاتھ اٹھائیں۔

۳۔ صرف اپنے کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائیں۔

۴۔ عجیبہ تحریرہ کے بعد سینہ پر دائیں ہاتھ کی پتیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں۔ اور نہ چٹکایا اور انگوٹھے کا حلقہ بنا لیں نہ کٹائی کو پکڑیں۔

۵۔ رکوع میں صرف اسی قدر جھکیں کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ اور ہاتھوں کی انگلیاں عا کر رکھیں۔

۶۔ رکوع میں ہاتھوں پر سہارا نہ دیں۔ بلکہ ہاتھ گھٹنوں پر رکھ دیں گھٹنے پکڑیں نہیں۔

۷۔ رکوع میں گھٹنوں کو جھکائے رکھیں اور کہیاں پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھیں۔ یعنی لمبی ہوئی رہیں۔

۸۔ قعدہ میں کہیاں زمین پر کھینچی ہوئی رکھیں۔ یعنی ان دو مین پکے ہوئے ہوں۔

۹۔ عید میں دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھیں۔ اور خوب سمت اور سکر کر سجدہ کریں اور سرین اٹھیں نہ ہوں۔

۱۰۔ عید میں چہیت والوں سے ملا ہو اور بازو پہلو سے ملے ہوئے ہوں۔

۱۱۔ چہیت وقفہ میں دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھیں یعنی سرین زمین پر ہوں پاؤں پر نہیں۔

۱۲۔ استیقات میں ہاتھوں کی انگلیاں مٹی ہوئی رکھے۔

۱۳۔ عورت مردوں کی امامت نہیں کر سکتی۔

۱۴۔ صرف عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر عورتیں جماعت کریں۔ تو جو عورت امامت کرے وہ آگے بڑھ کر کھڑی نہ ہو بلکہ صف میں کھڑی ہو۔

۱۵۔ عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

۱۶۔ مردوں کی جماعت میں عورت مردوں کے پیچھے کھڑی ہو۔

۱۷۔ عورت پر جہ فرض نہیں لیکن اگر پڑھ لے تو صحیح ہو جائے گا۔ اور ظہر اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔

۱۸۔ عورت پر عیدین کی نماز واجب نہیں۔

۱۹۔ عورت پر تکبیرات تشریق واجب نہیں۔

۲۰۔ عورت کو صحیح کی نماز مردوں کی طرح اچال کے بعد پڑھنے کے بجائے اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے۔

۲۱۔ عورت کو جہری نمازوں میں بھی آہستہ قراءت کرنا واجب ہے۔ جن فقہاء نے عورت کی آواز کو ستر میں شمار کیا ہے ان کے نزدیک اگر عورت جہر سے نماز پڑھے گی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

نوٹ: عورت اذان نہیں دے سکتی اور مسجد میں اعتکاف بھی نہیں کر سکتی۔

نوٹ: اسی آیت کے آگے سے گزرنا سخت گناہ ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ اگر کوئی نمازی کے آگے سے

گرا لے گا تو گناہنا تو سو برس کھڑے رہنے کو ایک قدم چلنے سے بہتر جانتا۔ (ابن ماجہ)

(ماثور: معراج المؤمنین اوکل احمد خان صاحب راجز کو ذرا یکسر آتی بی)

وہاں شریعت از مفتحی امجد علی خان۔

سوال: نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا کیسا ہے؟

جواب: افاذا قضیتیم الصلوۃ فاذا ذکر والہ (پارہ ۵، ص ۱۲)۔ پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو فوراً

اللہ کی یاد کرو (ذکر کرو)؛ کفر الامان۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرض نماز کے بعد جو بلند آواز سے کلمہ شریف

یا وردہ شریف پڑھا جاتا ہے وہ جائز ہے۔ حدیث مبارکہ اسکا رسول اللہ ﷺ اذا سلم من

صلواتہ یقول بصوتہ الاعلیٰ لا الہ الا اللہ۔ حضور ﷺ جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو

بلند آواز سے فرماتے تھے لا الہ الا اللہ (مکتوبات باب الذکر بعد الصلوۃ)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کی آواز سے (بلند آواز سے ذکر کرنے کی وجہ سے) حضور ﷺ کی نماز کا اعتناء معلوم

کرتا تھا۔ یعنی عبداللہ بن عباسؓ چھوٹی عمر کی وجہ سے بعض دفعہ جماعت میں حاضر نہ ہوتے تھے فرماتے ہیں کہ

نماز کے بعد مسلمان اس قدر بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ ہم گھروں کے لوگ سمجھتے تھے کہ اب نماز ختم ہو گئی۔

رسالہ دلائل اذکار مطبوعہ دہلی (مصنف شیخ محمد قحطانی استاد رشید احمد گنگوئی دیوبندی) میں ہے کہ

حضور ﷺ نماز کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ذکر اذکار اور سبحان اللہ لا الہ

الا اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نماز کے بعد ذکر سے نماز میں خلل آتا ہے

وخرط یہ ہے کہ بعض مساجد میں نمازوں کے بعد درس ہوتا ہے۔ ہر فرض نماز کے بعد دعا ہوتی ہے، اسی طرح

ایام تشریق یعنی لوز والحد کی صبح سے لے کر تیرہ کی عصر تک باواز بلند تکبیر کہی جاتی ہے اسی طرح بعض لوگ

گھروں میں نماز پڑھتے ہیں اور دوسری طرف تکبیر پر واعظ یا نماز ہوتی ہے یا بعض لوگ سنتیں پڑھتے ہیں

دوسری طرف جماعت کے لیے تکبیر ہو جاتی ہے تو جب وہاں خلل واقع نہیں ہوتا تو کلمہ کی وجہ سے بھی نہیں

ہوتا۔ دوسرا نماز کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنے کی وجہ سے لوگوں کا کلمہ بھی صحیح ہو جاتا ہے۔ یہ حضور ﷺ نے

فرمایا جو آدمی کلمہ شریف پڑھ کر دنیا سے رخصت ہوا وہ جنت میں جائے گا۔ کنز العمال۔

سوال: نماز میں رفع یدین کے بارے میں کچھ بتایا جائے۔

جواب: رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کی احادیث وہ جہ ہیں۔ ایک اصول میں نظر رکھا جائے وہ یہ کہ مستحب

طریقہ ہے کہ رفع یدین نہ کیا جائے اس لیے کہ ائمہ اہل سنوہ ﷺ نے رفع یدین کیا اور بعد میں ترک

روایہ خطیوں کے نزدیک رفع یدین نہ کرنا سنت ہے۔

مفتیوں کی مستقل حدیث جو ترمذی، ابوداؤد، نسائی میں ہے اور ابن شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کیا "ایک وفد ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور ﷺ کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی اور اس میں سوا تکبیر تحریر نہ کی گئی ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث حسن ہے اسی سے رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے صحابہ تابعین اور علماء کا عمل رہا ہے۔ یہ حدیث چند سے بہت قوی ہے۔

اسیاب کے راوی عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔

آپ نے جماعت صحابہ کے سامنے حضور ﷺ کی نماز پیش فرمائی اور کسی نے انکار نہ کیا۔

اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ ضرور اعتراض کرتے کیونکہ سب نے حضور ﷺ کی نماز دیکھی ہوئی تھی۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت سے علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے ان کے عمل سے حدیث کی تائید ہوتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ جیسے مجتہد نے اس کو قبول فرمایا اور عمل کرتے رہے۔

امام احمدؒ رسول ﷺ کی اکثر بیت کا بھی اس پر عمل ہے۔

یہ حدیث قیاس اور عقل کے بھی مطابق ہے۔

نیز امام اعظمؒ اور امام اوزاعیؒ کی گفتگو جو رفع یدین کے بارے میں ہوئی جس کو فتح القدیر اور مرقاۃ نقل کرتے ہیں اس کی تائید کرتی ہے کہ رفع یدین نہ کرنا سنت ہے۔

امام اوزاعیؒ آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہؒ اس لیے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور ﷺ سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعیؒ آپ نے کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سنا تا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ "مجھے زہری نے

حدیث سنائی کہ آپ نے اپنے والد سے انھوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے

تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

امام اعظمؒ میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے۔

امام اوزاعیؒ اچھا فوراً پیش فرمائیں۔

امام اعظمؒ۔ "میں نے" ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی انھوں نے ابراہیم نخعی سے، انھوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انھوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے کہا، نبی ﷺ صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔"

امام اوزاعیؒ آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظمؒ اس لیے کہ! حماد زہری سے ذیادہ عالم فقیہ ہیں۔

ابراہیم نخعی سالم سے بڑھکر عالم فقیہ ہیں۔

علقمہ سالم کے والد عبداللہ ابن عمرؓ سے علم میں کم نہیں۔

اسود بہت بڑے متقی فقیہ و افضل ہیں۔

عبداللہ ابن مسعودؓ فقہ میں قراۃ میں حضور ﷺ کی صحبت، حضرت ابن عمرؓ سے کہیں بڑھ کر ہیں اور بچپن سے حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔ چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم و فضل میں زیادہ ہیں لہذا ہماری حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔ امام اوزاعیؒ خاموش رہے۔

رفع یدین کے حق میں یہ حدیث جس کو ابوداؤد، ترمذی، دارمی، ابن ماجہ نے حضرت ابو جہد ساعری سے

ایک طریق حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہے۔ "پھر حضور ﷺ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے کہ کندھوں کے

مقابل ہو جاتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے سَمِعَ اللہ لَمَن

حَمْدُہ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے اٹھ، اور ابوداؤد میں اس کی سند اس

طریق ہے "ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں ہمیں یحییٰ نے حدیث سنائی، احمد نے فرمایا کہ

میں عبداللہ ابن مسعودؓ سے سنا کہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد ابن عمروؓ نے سنا کہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو

عبداللہ بن مسعود سے اس صحابہ کی جماعت میں سنا۔

محمد بن نے اس حدیث پر کلام کیا ہے۔

اسناد کے لحاظ سے یہ حدیث قابل عمل نہیں کیونکہ اس کی اسناد ابو داؤد میں اس طرح مذکور ہیں۔

۴۔ ابن میں سے عبداللہ بن مسعود حضرت مجروح وضعیف ہے اور ناقابل احتیاج ہے۔ (طحاوی شریف، ۱۵۶)

نیز دارقطنی نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں "میں نے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز میں تکبیر اولیٰ کے بعد اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔" نیز عبداللہ بن عمر جو پہلے رفع یدین کرتے تھے حضرت مجاہد نے روایت کیا ہے کہ بعد میں نہ کرتے تھے۔

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہم پر تشریف لائے کہ ہم نماز میں رفع یدین کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ہو گیا ہے ان کو کہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں جیسے گھوڑوں کی ڈیس ہلتی ہیں تم نماز میں سکون سے رہا کرو۔ (نسائی، ابو داؤد، مسلم)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ عشرہ مبشرہ (یعنی وہ دس صحابہ جو قطعی جنتی ہیں اور جن میں خلفاء راشدین بھی شامل ہیں) رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر شروع نماز میں۔

غلام کلام یہ ہوا کہ رفع یدین ابتداً کچھ عرصہ تک حضور ﷺ نے کیا بعد میں چھوڑ دیا اکثر صحابہ نے اسی رفع یدین کو ترک کر دیا تھا اور اسی طرح حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت عمر، حضرت ابوبکر اور بقیہ عشرہ مبشرہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ نیز اصل اختلاف جو ائمہ کے درمیان ہوا وہ یہ تھا کہ کیا رفع یدین میں اولیٰ و ملکیات ہے یا رفع یدین نہ کرنے میں۔

اصناف نے رفع یدین نہ کرنے والی احادیث پر عمل کیا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے رفع یدین کا مسئلہ مستحب و مکہ کی حد تک ہے۔

اللہ تعالیٰ سے بچائے لوگ کبیر و گناہوں کے ارتکاب میں مشغول ہیں۔ فروعی مسائل کے بجائے ان

محکم ہوں کی طرف توجہ کی ضرورت ہے نیز احیاء سنت کے لیے کوشش کرنا بھی علماء اور دانشوروں کا فرض ہے۔

مذکور مسئلہ رفع یدین کے سلسلہ میں تفصیل کے لیے (جاہ الحق اور حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعمانی) اور (رفع یدین آخر کیوں؟ از مولانا غلام محمود صاحب) کا مطالعہ فرمائیں۔

نوٹ: جو لوگ رفع یدین کی روایات کو منسوخ نہیں مانتے ان کا جہد و میں جانے اور اٹھنے کے وقت رفع یدین پر عمل نہیں ہے حالانکہ کتب صحاح میں اس کی روایتیں بھی ہیں لیکن اختلاف کے نزدیک رکوع اور جہد کے وقت رفع یدین کی تمام روایات منسوخ ہیں۔

سوال: جب مرد نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر تحریمہ کہے تو ہاتھ کہاں تک اٹھائیں؟

جواب: نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کا کانوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے اس کے لیے بہت سی احادیث موجود ہیں تفصیل کے لیے کتب احادیث بالخصوص جاہ الحق اور حکیم الامت مفتی احمد یار خان گو دیکھ لیا جائے۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم، طحاوی نے مالک ابن حویرث سے روایت کیا ہے۔ "حضور ﷺ جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانوں تک اٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانوں کی لوتھک اٹھاتے۔" لہذا ہاتھ کانوں تک اٹھانا سنت ہے۔

سوال: نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا کیسا ہے؟

جواب: سنت ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے۔ حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ناف کے نیچے۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ نیز دارقطنی اور عبداللہ بن احمد نے حضرت علی سے روایت کی۔ "نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے۔"

سوال: نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا سنت ہے جس کے متعلق کتب احادیث میں بہت سی احادیث ہیں صرف حوالے کے لیے ایک حدیث جوش خدمت ہے۔ مسلم و بخاری و امام احمد نے حضرت انس سے روایت کی ہے "میں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان غنی کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں

سے کسی کو نہ ملے گا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتے ہوں۔ (یعنی بسم اللہ آیت پڑھتے تھے) اور مسلم شریف نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔ بے شک نبی ﷺ حضرت ابو بکر و عمر و احمد للہ رب العالمین سے قراءۃ شروع فرماتے تھے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا حضور ﷺ اور صحابہ کرام بسم اللہ شریف آیت پڑھتے تھے اور یہی سنت ہے۔

سوال: امام کے پیچھے مقتدی قراءت کرے کیسا ہے؟

جواب: امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے۔

قرآن سے استدلال نہ اور جب قرآن شریف پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (واذا قرىء القرآن فاستمعوا له وانصتوا له لعلکم ترحمون)۔
تو شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات نہایت بھی جائز تھی اور مقتدی قراءت بھی کرتے تھے بات چیت اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

و قوموا للہ قانتین۔ اور کھڑے ہو اللہ کے لیے اطاعت کرتے ہوئے۔

چنانچہ امام بخاری اور مسلم نے حضرت زید بن ارقم سے روایت کی ہے "ہم لوگ نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت اتری۔ و قوموا للہ قانتین۔ (مسلم کے لفظ: ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرمایا گیا)۔

اس کے بعد نماز میں کلام تو منع ہو گیا مگر تلاوت قرآن مقتدی کرتے تھے جب یہ آیت اتری تو مقتدی کو بھی تلاوت منوع ہو گئی واذا قرىء القرآن فاستمعوا له وانصتوا له۔ جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔ تفسیر مدارک میں اس آیت کی تفسیر میں عام صحابہ کرام کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے قراءۃ امام کے متعلق ہے۔ تفسیر خازن نے اسی آیت کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے، حضرت ابن مسعود نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی تک یہ وقت نہ آیا کہ تم اس آیت کو گواہی جھٹکی سے معلوم ہو اگر اول اسلام میں امام کے پیچھے مقتدی قراءت کرتے تھے بعد میں اس آیت کے نازل کے بعد امام کے پیچھے قراءۃ منسوخ ہو گئی۔

مسلم شریف باب تجود تلاوت میں عطا ابن یسار سے مروی ہے "انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قراءۃ کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قراءۃ جائز نہیں۔

سوال: امام کے ساتھ نماز میں مقتدی کو سورہ فاتحہ کا پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: امام کے پیچھے مقتدی کو بھی سورہ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے حضرت جابر نے اس کو روایت کیا ہے۔ "جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس نے نماز میں نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ (یعنی تب نہ پڑھے) یہ حدیث سن گئے۔ امام محمد نے موطاء شریف میں حضرت جابر ابن عبد اللہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے۔ "ان النبی ﷺ قال من کان له امام فقرأه الا امام له فواءة" ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے۔

محمد ابن منیع اور امام ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہیں اور مسلم، بخاری کی شرائط پر ہے

دارقطنی نے حضرت شعبی سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا امام کے پیچھے تلاوت جائز نہیں۔ امام بخاری و مسلم نے حضرت علیؓ سے روایت کی، جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں۔ امام بخاری و مسلم کے استاد امام ابو بکر ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں روایت کرتے ہیں بے شک حضرت علیؓ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔

سوال: آمین آہستہ کہنی چاہیے اس کی اصل بیان کردی جائے۔

جواب: احناف کے نزدیک ہر نماز خواہ امام ہو یا مقتدی نماز سنی یا جہری، اکیلا ہو یا جماعت کے ساتھ آمین آہستہ کہے۔

امین آہستہ کہنا حکم خدا اور رسول کے موافق ہے قرآن پاک میں ہے کہ اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور آہستہ آمین بھی دعا ہے لہذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیے۔

امام احمد، ابو داؤد، طحاوی، ابویعلیٰ، موسلی، طبرانی، دارقطنی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت واکل بن جہر سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح ہیں۔ "حضرت واکل بن جہر نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی جب حضور ﷺ **وَلَا لِلضَّالِّينَ** پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں آواز آہستہ رکھی معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

یعنی شرح ہدایہ نے ابو عمرؒ سے روایت کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ **اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین اور ربناک الحمد**۔ نیز جن احادیث میں آمین بالجہر کہا گیا ہے وہ ساری آہستہ آمین کہنے والی احادیث سے منسوخ ہیں لہذا آہستہ آمین کہنا سنت کے مطابق ہے۔

ٹنگے سر نماز کا حکم

سوال: آجکل اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجدوں اور گھروں میں بھی لوگ ٹنگے سر نماز پڑھتے ہیں، لہذا قرآن حکیم اور حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں راہنمائی فرمائی جائے۔

جواب: حکیم الامت مفتی احمد یار خانؒ نے قرآن حکیم کی آیت **وَيَلِّمُ الصَّلَاتِ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ** "ہلاکت ہے ایسے نمازیوں کے لیے کہ جو نماز میں سستی کریں۔ نیز یہ بحث آیت کے تحت لکھتے ہیں نماز میں سستی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آدمی بغیر ٹوپی یا عمامہ کے نماز پڑھے اور یہ مکہ و غیرہ کی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ (سوائے حج) ہمیشہ عمامہ ساتھ نماز ادا فرماتے اور حضور ﷺ کا حکم بھی یہی ہے۔ تمام صحابہ، اولیاء، علماء، اہل عقل و دانش ہمیشہ اس سنت پر علم پیرا رہے نبی کریم ﷺ نے واضح الفاظ میں ٹنگے سر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

امام عبد الوہاب شعرانی نے کشف الغمہ، مطبوعہ مصر، جلد اول میں حضور ﷺ کی حدیث نقل کی۔

"وكان ﷺ يا مر بستر الرأس في الصلوة بالعمامة او القلنسوة و ينهى عن كشف الرأس في الصلوة"۔ ترجمہ انہی کریم ﷺ نماز میں سر کو ڈھانپنے کا حکم فرماتے تھے۔ عمامہ یا ٹوپی سے اور نماز میں ٹنگے سر ہونے سے منع فرماتے تھے۔ لہذا مسلمانوں اپنی نمازوں کو کامل طریقے سے سنت رسول اور حکم رسول کے مطابق ادا کرو۔ ایسا نہ ہو قیامت کے دن خدا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف پڑھی گئی نمازیں ہمارے منہ پر ماری جائیں پھر ہماری جدت طرازی کا نشہ ہرن ہو جائے۔ مزید تفصیل کے لیے علامہ فیض احمد اویسی کی کتاب (ٹوپی اور نماز) نیز علامہ ذاکر میاں ممتاز احمد گوہر نوری کی کتاب (ٹنگے سر نماز کا حکم) کا مطالعہ فرمائیں۔

بعض لوگ ٹنگے سر نماز والی روایتیں پیش کرتے ہیں، یاد رہے کہ اس قسم کی روایتیں حالت احرام یا کپڑا نہ ہونے یا پھر تواضع پر مشمول ہیں۔ فقہاء نے لاپرواہی اور سستی کی بنا پر ٹنگے سر نماز پڑھنے کو مکروہ و قبیح قرار دیا ہے اور یہ کلمہ نماز کے سحر خدا کا نام نہ مولیٰ فعل ہے لہذا قرآن و حدیث سے منع ہے۔

دعا کی فضیلت و مقام

سوال: قرآن مجید میں دعا کے بارے میں جو حکم ہے اس کی اہمیت واضح کریں؟

جواب: ”وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَانِّ قَرِيبًا حَبِيبٌ دَعْوَةُ الدَّاعِ اِذَا دَعَا“۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمہ کی عبارت یہ ہے۔ (روحوں استفسار کنند قرا بندگان میں از حال من پس پر آئینہ من نزدیک ام قبول میکنم دعا دعاء کنندہ و قتیکہ دعا کنند مرا) ترجمہ: اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں بالکل ان کے قریب ہوں اور دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جس وقت بھی وہ مجھے دعا مانگے۔

قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دعا افضل، اشرف، باکرم و مغز عبادت ہے۔ دعا ایسا نادر کا ہتھیار، دین کا ستون، آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ دعا نہ کرنا سب غصب الٰہی ہے۔ ترمذی کی حدیث ہے حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے: ”الدعاء هو العبادة و قراءتکم ادعونی استجب لکم داخرین“۔ (تحدیث صحیح تھذا الا حوزی شرح ترمذی، جلد ۳، صفحہ 78) ترجمہ: رحمت عالم نے فرمایا کہ دعا ہی عبادت ہے اور پھر آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور تمہارے رب نے فرمایا مجھے پکار میں تمہاری دعا قبول کروں گا بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے متکبر کرتے ہیں وہ عقرب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ تلاوت کے باعث دعا کی ساری احادیث نقل نہیں کی گئیں۔ تفصیل کے لیے کتب احادیث اور بالخصوص علامہ محمد ایوب کی کتاب ”الغناء کے بعد کی فضیلت اور اس کا احتساب“ کا مطالعہ نہایت مفید رہے گا۔

سوال: نبی کریم ﷺ کتنی دفعہ اور کس طرح دعا مانگا کرتے تھے؟

جواب: صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ 108 میں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے: ”وكان رسول الله اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا“۔ اور صحیح ترمذی میں ہے: ”وكان دعا ثلاثا“۔

مترجمہ: دعا مانگتے اور جب (اپنے رب سے) سوال کرتے، تین مرتبہ سوال کرتے۔ اس حدیث کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں: ”فيه استحباب تكبير الدعاء ثلاثا“۔ کہ اس سے ثابت ہوا کہ تین بار دعا مانگنا مستحب ہے۔

صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ 313 پر امام ابو یوسف سے مروی ہے: ”ثم رفع يديه ثلاثا مرات“۔ پھر حضور ﷺ نے تین مرتبہ دونوں ہاتھ مبارک اٹھا کر استغفار فرمائی۔ امام نووی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”فيه استحباب اطالة الدعاء وتكبيره ورفع اليدين فيه“۔ ترجمہ: اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ دعا کو لمبا کرنا بار بار دعا مانگنا اور دعا کے لیے دونوں ہاتھوں کو اٹھانا مستحب ہے۔

سوال: کیا ہاتھوں کو دعا میں اٹھانا جائز ہے؟ کچھ لوگ اس کو ناجائز اور مکروہ خیال کرتے ہیں۔

جواب: سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ 209۔ مستدرک جلد ۱ صفحہ 536 میں حضرت ابن عباسؓ سے حکایات منقولہ یہ مروی ہے۔

”واذا سألتمو الله فاسئلوه ببطون اكفكم ولا تسئلوه بظهورها وامسحوا بيها وجوهكم“۔ یعنی جب اللہ سے سوال کرو تو ہتھیلیوں کے بطن سے سوال کرو اور ان کی ہتھیلیوں سے سوال نہ کرو۔ (یعنی سیدھے ہاتھ اٹھا کر سوال کرو) اور اپنے چہروں پر پھیر لو۔ اسی طرح ترمذی شریف میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے: ”قال كان رسول الله ﷺ اذا رفع يديه في الدعاء يحطهما حتى يمسح بهما وجهه“۔ ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو ان کو نیچے کرنے سے پہلے ان کو اپنے چہرے پر پھیرتے۔ (تحدیث الا حوزی شرح الترمذی، جلد ۳، صفحہ 227)۔

مترجمہ بالا احادیث سے ثابت ہوا نماز میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا اور آخر میں اپنے چہرے پر پھیرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنا ہی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کا باعث ہے۔

سوال: نماز کے بعد دعا کا ثبوت قرآن اور احادیث کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

جواب: ارشاد فرمائی ہے: ”فاذا فرغت فانصب والى ربك فرغب“۔ ترجمہ: پس جب آپ

(نماز سے) فارغ ہوں تو دعائیں کوشش یا محنت کرو اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جاؤ۔ علامہ ابن جریر طبری سے حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر نقل کی ہے۔ "عن ابن عباس انه قال ای اذا فرغت من الصلوة فانصب فی الدعاء" یعنی جب آپ نماز ادا کرنے سے فارغ ہو جائیں تو بلاے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگنا شروع کریں۔ (تفسیر ابن جریر، تفسیر کبیر، تفسیر مظہری اور تفسیر بیضاوی میں جی جی تفسیر نقل کی گئی ہے)۔

برصغیر میں تمام مکتبہ فکر کے علماء کے نزدیک شاہ عبدالعزیزؒ کا مقام اور مرتبہ اختلاف سے بالاتر ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ تفسیر عزیزی، جلد ۲، صفحہ 23 میں تحریر فرماتے ہیں "چون از نماز فرض فارغ شوی دست خود را بوائے دعا بردار" جب تو نماز فرض سے فارغ ہو تو دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھا۔ تمام حوالہ جات سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا امت مسلمہ کا مسلسل عمل رہا ہے۔ لہذا اسی طریقہ اور عمل پر چل کر ہی ہم منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تعصب سے ہر مسلمان کو بچائے اور صراطِ مستقیم پر گامزن فرمائے۔

سوال: کیا فرض نمازوں کے بعد بھی دعا جائز ہے؟

جواب: جامع ترمذی جلد ۲، ص 193، تحفۃ الاحوزی، شرح ترمذی، جلد ۴، ص 258۔ میں حضرت ابوالہمام سے مروی ہے عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ کوئی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا رات کے پچھلے حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔ "عن ابی امامۃ قال قبل یا رسول اللہ ﷺ ای الدعاء اسمع قال جوف الیل و دبر الصلوات المكتوبات"۔ "هذا حديث حسن۔ اس کے علاوہ بھی مسلم پیچھے نے کے بعد دعا کے بارے میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔ صرف ایک حدیث اتنی قریب خدمت ہے۔ ابن ماجہ باب ما یقال بعد التسليم، ص 27 میں حضرت توبان سے مروی ہے۔ "ان رسول اللہ ﷺ کان اذا انصرف عن الصلوة استغفر ثلاثا وقال اللهم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاكرام"۔ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ استغفار فرماتے اور پھر فرماتے ! اللهم انت

السلام، الخ۔ صاحب تحفۃ الاحوزی نے طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ "اخرج الطبرانی من رواية جعفر بن محمد الصادق قال الدعاء بعد المكتوبة افضل من الدعاء بعد التافله كفضل المكتوبة على التافله"۔

ترجمہ: امام جعفر بن محمد صادق سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں فرض نماز کے بعد دعا مانگنا اسی طرح افضل ہے جس طرح فرض نماز کو نفل نمازوں پر فضیلت حاصل ہے۔

گویا امام جعفر صادقؑ کے نزدیک بھی فرض نمازوں اور نفل نمازوں کے بعد دعا مانگنا جائز ہے۔

سوال: کیا نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعا مانگنا جائز ہے؟

جواب: ترمذی شریف، جلد ۲، صفحہ 186 میں حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے "قال یسنا رسول اللہ ﷺ قاعدا اذا دخل رجل فصلی فقال اللهم اغفر لی و ارحم لی فقال رسول اللہ ﷺ عجلت ایہا المصلی اذا صلیت ففقدت فاحمد اللہ بما هو اهلہ و صل علی ثم ادعہ قال ثم صلی رجل آخر بعد ذلك فحمد اللہ بما هو اهلہ و صلی علی النبی ﷺ فقال له النبی ﷺ ایہا المصلی ادع تجب"۔ "هذا حديث صحيح۔

اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ (مسجد نبوی) تشریف فرما تھے ایک آدمی داخل ہوا اس نے نماز پڑھی پھر اس نے کہا یا اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحمت فرما تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا یا اے نمازی تو نے جلدی کی ہے جب تو نماز پڑھے تو نماز کے بعد اللہ کی حمد کیا کر جس کا وہ اہل ہے۔ پھر مجھ پر درود پاک پڑھا کر پھر اللہ سے دعا مانگا کرو۔ حضرت فضالہ فرماتے ہیں اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے آکر نماز پڑھی نماز کے بعد اس نے اللہ کی حمد کی۔ نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھا ہر کار نے فرمایا اے نمازی اب دعا مانگو (تمہاری دعا) قبول کی جائے گی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد جو شخص اللہ کی حمد کرے اور پھر نبی پاک ﷺ پر درود پاک پڑھے اور اس کے بعد جو بھی دعا کرے وہ دعا مقبول ہوتی ہے۔ الحمد للہ جمہور مسلمانوں کا

اب تک یہی عمل رہا ہے اور اب بھی جاری ہے نیز فقہ کی کتاب مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں شیخ حسن بن محمد بن علی فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد تمام نمازی آیت الکرسی پڑھیں 33 مرتبہ سبحان اللہ 33 مرتبہ الحمد للہ اور 33 مرتبہ اللہ اکبر اور پھر کہیں لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له له المملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدید۔ چونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ جو شخص ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر کہے تو ۹۹ کاہر ہو گیا۔ پھر 100 کاہر پورا کرنے کے لیے لا الہ الا اللہ کہے گا تو اس کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (مسلم شریف)

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دعا مانگنا سنت ہے اور دعا مانگنے کا جو صحیح سنت طریقہ وہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے سینہ کے سامنے اور ہاتھوں کا اندرونی حصہ پیر سے کی طرف ہو اور انتہائی اکساری کے ساتھ دعا مانگی جائے۔ نیز فرض نمازوں کے بعد اور پھر آخر میں نماز کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ ﷺ پر درود پاک پڑھنے کے بعد جو بھی دعا کی جائے گی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کو صحیح سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کی کجروی سے بچنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

سوال: تیس رکعت تراویح کا کیا ثبوت ہے؟

جواب: تیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ سنت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و سنت عامۃ المسلمین ہے اور آٹھ رکعت خلاف سنت ہے۔ عن عبد اللہ ابن عباس ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرين رکعة سوا الوتر وزاد البیهقی فی غیر جماعۃ۔ (الوفاء ص 508 طبرانی، بیہقی)۔ بے شک رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں تیس رکعت پڑھتے تھے وتر کے علاوہ۔ تابعی نے یہ زیادہ فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ خود حضور ﷺ تیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے وتر کے علاوہ۔ اور جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے تین دن تراویح پڑھی ہیں وہاں باجماعت پڑھنا مراد ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح سنت موكده علی العین ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رغبت بھی دی۔ دوسری حدیث (رواہ مالک ثن پزید بن رومان) حضرت عمرؓ کے زمانے میں رمضان میں لوگ 23 رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اس سے بھی دو مسئلے معلوم ہوئے کہ ایک یہ کہ تراویح تیس رکعت ہیں اور دوسرا وتر تین رکعت ہیں۔ امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو تیس رکعت پڑھاؤ۔ حضرت علیؓ انھیں وتر پڑھاتے تھے۔ ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں سارے مسلمان تیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ اور لکھا ہے بیہقی کی اسناد صحیح ہیں اور تیس رکعت پر اجماع ہے۔ حضرت عائشہؓ والی حدیث کہ حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے تو یہ حدیث نماز تہجد کے متعلق ہے۔ امام ترمذی نے اسے باب صلوۃ الیل یعنی تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ آٹھ رکعت تراویح ہے تو پھر آٹھ رکعت تراویح پڑھنے والوں کے موقف پر بھی زد پڑھتی ہے کہ وتر پھر ایک کے بجائے تین رکعت بنی ان کو بھی ماننے پڑیں گے۔ نیز کہ مکرر مد اور مدینہ منورہ میں بھی تیس رکعت تراویح ہی پڑھی جاتی ہیں۔

تکبیرات عیدین

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی دو رکعتیں ہیں ان دونوں رکعتوں میں چھ ذائمہ تکبیریں کی جاتی ہیں۔
ان کو تکبیرات ذوائد کہتے ہیں۔

سوال: حدیث نقل فرمائی جائے۔

جواب: حضرت سعید بن عاصؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے پوچھا کہ اللہ کے رسول ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں کیسے تکبیریں کیا کرتے تھے تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ چار تکبیریں کیا کرتے تھے (ایک رکعت میں)۔ پہلی رکعت میں تکبیر احرام کے ساتھ اور دوسری میں رکوع کی تکبیر کے ساتھ جس طرح کہ جنازہ پر چار تکبیریں پڑھی جاتی ہیں۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے سچ فرمایا، پھر ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ جب میں بصرہ کا گورنر تھا اس وقت ایسے ہی تکبیر کیا کرتا تھا۔
(ابوداؤد شریف صفحہ 163، باب التکبیر فی العیدین)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا جنازہ کی طرح عید میں بھی (ایک رکعت میں) چار تکبیریں ہیں۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اسکے ساتھ روایت ہے۔ صحیح الترمذی صفحہ 208، باب التکبیر فی العید)۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علیؒ نے مشہور فقہ کی کتاب بہار شریعت میں لکھا کہ اگر امام نے چھ تکبیروں سے زیادہ کہیں تو مقتدی امام کی پیروی تیرہ (۱۳) سے زیادہ میں نہ کرے۔ بہار شریعت، صفحہ 87/4، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ۔ صدر الشریعہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ چھ تکبیروں سے ذائمہ کے بھی دلائل موجود ہیں مگر کمزور ہیں اور ترجیح چھ تکبیروں کے دلائل قوی ہے کیونکہ چھ تکبیروں والی حدیثیں دوسری کی نسبت سند کے اعتبار سے زیادہ قوی ہیں۔

وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

سوال: وتر کی تعریف کریں۔

جواب: وتر کے لغوی معنی ہیں، طاق عدد یعنی جس کے برابر حصے نہ ہو سکیں جیسے تین، پانچ، سات وغیرہ۔ وتر کا

مقابل ہے شفع یعنی جفت عدد جو دو برابر حصوں پر تقسیم ہو جائے۔ اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نماز کو کہا جاتا ہے جو بعد نماز عشاء، خواہ تہجد یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہیں اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے۔ اس کی قضاء لازم ہے اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں، سنت غیر موکدہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے۔ وتر واجب ہیں۔ ابوداؤد و نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابویوب سے روایت کی ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ الوتر حق علی کل مسلم۔ حنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا وتر ہر مسلمان پر لازم ہیں۔ ترمذی نے حضرت زید ابن اسلم سے مرسل روایت کی ہے۔ جو وتر چھوڑ کر سو جائے وہ حج کے وقت اس کی قضاء پڑھ لے۔ ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ وتر واجب ہیں نفل نہیں۔ دوسرا یہ کہ وتر کی قضاء ہے۔ قضاء فرض اور واجب کی ہوتی ہے نفل کی نہیں۔ وجوب وتر کی اور بھی احادیث ہیں۔

وتر تین رکعت ہیں۔

نسائی، طبرانی، صغیر میں حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی اور حاکم نے فرمایا کہ حدیث صحیح ہے، مسلم و بخاری کی۔ قالت کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث لا یسلم الا فی اخوھن۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ سلام پھیرتے تھے مگر آخر میں۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کی افرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں جیسے دن کے وتر نماز مغرب۔ طحاوی شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ! بے شک نبی ﷺ وتر تین رکعتیں پڑھتے تھے۔ ترمذی، دارمی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی افرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر میں سبح اسم ربك الاعلیٰ قل یا ایہا الکفرون اور قل هو اللہ پڑھا کرتے تھے ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت۔ یہ چند احادیث پیش کر دی گئی ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی اور تین حصوں کے پڑھنے میں۔ مزید تفصیل کے لیے جاء الحق از مفتی احمد یار خان، المجاہد شریف اور محکمہ اسلامیات کے اس سلسلہ میں جتنی بھی احادیث وارد ہیں ان میں سے اکثر کے الفاظ یوتر بواحد استعمال ہوا جس کے معنی ہیں کہ ایک کے ساتھ طاق

بنادیتے یعنی دو کے ساتھ ایک ملا کر طاق کر دیا جاتا تھا۔

نماز جنازہ میں قراءت فاتحہ نہیں ہے

سوال: بعض لوگ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کو واجب قرار دیتے ہیں مسئلہ کی وضاحت کریں۔

جواب: نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہرگز واجب نہیں امام مالک اپنے موطاء میں روایت فرماتے ہیں: **ان ابن عمر کان لا یقرأ فی الصلوۃ علی الجنائزہ**۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی نماز میں قراءت نہیں کرتے تھے۔ امام ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے نماز جنازہ میں قراءت ثابت نہیں ہے۔ عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ نماز جنازہ میں قراءت سے منع کرتے تھے۔ ثابت ہوا نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ ملانا ہرگز واجب نہیں اور نہ ہی قراءت کی حیثیت سے جائز ہے۔ البتہ سورہ فاتحہ کو ثناء اور دعا کی حیثیت سے نماز جنازہ میں پڑھ لیا جائے تو جائز ہے۔

سوال: کیا دعا بعد نماز جنازہ جائز ہے؟

جواب: دعا بعد نماز جنازہ جائز ہے۔ مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائزہ فصل ثانی میں واضح حدیث موجود ہے۔ ۱۵۱ صلیتکم علی المیت فاخلصوا له الدعاء۔ ترجمہ: جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کے لیے خالص دعا مانگو۔ خود حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ پر بعد از نماز جنازہ دعا فرمائی۔ (مواہب لدین ج ۲)۔ منع کے سلسلے میں کوئی بھی حدیث نہیں ملی لہذا دعا کا نکتہ حدیث پر عمل ہے۔ سوال: بعض فقہاء نے اسے مکروہ کہا ہے۔

جواب: مکروہ کہنے کا سبب یہ ہے کہ کئی بعد میں آنے والے لوگ اس کو نماز ہی جان کر شامل نہ ہو جائیں۔ جطور فرض نمازوں کے بعد فوراً مصفیٰ تو ذکر کر سکے ہیں کہ پیچھے ہو کر سنیں ادا کی جائیں لہذا شبہ سے بچنے کے لیے صلیتیں تو ذکر دعا مانگنی چاہیے۔

سنن ترمذی ص ۹، جلد ۴۔ پر حدیث موجود ہے حضرت ابوہریرہؓ صحابی نے ایک بچہ کی نماز جنازہ پڑھائی پھر

دعا کی یا اللہ اس کو قبر کے عذاب سے بچا۔ معلوم ہوا صحابی رسول ﷺ کا عمل بھی ویسی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ علماء دیوبند نے بھی دعا بعد نماز جنازہ کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے۔

سوال: بعد جنازہ قبل دفن چند مصلیوں (نمازیوں) کا ایصال ثواب کے لیے سورہ فاتحہ ایک بار اور سورہ اخلاص تین بار آہستہ آواز سے پڑھنا اور امام جنازہ یا کسی تنگ آدمی کا دونوں ہاتھ اٹھا کر مختصر دعا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمن عثمانی صفحہ 1233 جلد ۵، مکتبہ اہلادب ملتان نیز مسلک دیوبند کے مولانا شمس الحق افغانی دیوبندی نے لکھا ہے۔ "مفتی کرامت اللہ صاحب مرحوم نے تطبیق یوں دی ہے کہ دعا قبل کسر اصفوف (مصفیٰ توڑنے سے پہلے) منع ہے اور بعد کسر اصفوف جائز ہے میرے نزدیک یہ تطبیق درست ہے۔ (الکلام الموزون، صفحہ 91)۔

(میلا دالنبی ﷺ)

سوال: میلا دالنبی ﷺ بنانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: میلا دالنبی ﷺ یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کے موقع پر جو خجرات اور نشانیاں رونما ہوئیں ان کا ذکر کرنا نیز حضور ﷺ کے ابتدائی زندگی کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں ان کا ذکر کرنا، یہ سب ثواب کا کام ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے مرتبہ رفیعہ کی تعظیم ہے اور آپ کی ولادت شریفہ پر خوشی اور فرحت کا اظہار ہے۔

سوال: میلا دالنبی ﷺ کی اصل بیان کریں۔

جواب: بخاری اور مسلم کی وہ روایت کہ حضور ﷺ جب مدینہ منورہ آنے تو یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا وہ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، آپ کے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ نے فرعون کو غرق فرمایا، موسیٰ کو نجات عطا فرمائی لہذا شکر کے طور پر اس دن کا ہم روزہ رکھتے ہیں پس اس دن رسول اکرم ﷺ نے روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ناکدہ حاصل ہوا کہ کسی معین دن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت عطا کرے یا کسی مصیبت کو دور کرنے پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے تو نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری سے بڑھ کر اور کوئی نعمت ہو سکتی ہے۔ امام سیوطی نے اپنے فتاویٰ میں ذکر فرمایا کہ مذکورہ شدہ امور سے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت کے قضیہ کو سننے کے لیے اجتماع کرنا سب سے بڑی نیکی ہے کیونکہ اس میں صاحب خجرات کے ظہور پر نور پر اللہ تعالیٰ کے شکر کا اظہار ہے۔ حاجی انداد اللہ صاحب نے فیضانِ مفت مسئلہ میں مغل میلا د شریف کو جائز اور باعث برکت فرمایا، چنانچہ صفحہ 8 پر لکھتے ہیں: ”کہ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل میلاد شریف میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں اطف و لذت پاتا ہوں“ تعجب ہے کہ صاحب تو محفل میلاد کو ذریعہ برکات سمجھ کر خود ہر سال مناتا ہے لیکن مریدین اس کو کفر و شرک کی محفل قرار دیتے ہیں جو حضرات صحاح سے کام لے کر دیکھتے ہیں ان کی نظر سے بھی ترمذی شریف میں ایک باب

باعنوان ”میلا دالنبی ﷺ“ تحریر ہوا کہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ صحاح ستہ میں بھی میلا دالنبی ﷺ سے متعلقہ ذخیرہ موجود ہے۔

حضور ﷺ کی زبان مقدس سے ذکر ولادت۔

مشکوٰۃ شریف میں بروایت احمد بن حنبل ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ میری ابتدا کیا ہے۔ ابراہیم کی دعا بھلی کی بشارت اور میری ماں کا خواب جو انھوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا میری پیدائش کے وقت ایک نور میری والدہ کے لیے ظاہر ہوا جس سے شام کے محل ان کے سامنے روشن ہو گئے۔ اس حدیث پاک سے ظاہر ہو گیا کہ خود حضور ﷺ نے شب ولادت کے واقعات بیان فرمائے پھر غزوہ جہوک سے واپسی پر حضرت عباسؓ نے مجلس عام میں اور مسجد میں جو اشعار کی صورت میں ولادت شریف بیان فرمائی اور اس کو کعب بن مالک نے صحیح حسین میں روایت کیا ہے اس موضوع پر یہ محمد کریم شاہ لاہوری کی حیرت پر کتاب ضیاء النبی جلد دوم کا مطالعہ بھی بہت مفید ہے۔

نیز حضور ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر قرآن میں!

۱۔ تحقیق احسان کیا خدا نے مسلمانوں پر ان میں اپنا رسول بھیج دیا۔ (ال عمران)

۲۔ بے شک آگیا تمہارے پاس نور۔ (سورہ مائدہ)

۳۔ اے نبی ہم نے تم کو بھیجا۔

حضور ﷺ کے ذکر کی بلندی اور اظہار شکر قرآن میں!

۱۔ اور ہم نے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ (تیسواں پارہ)

۲۔ کہہ دو اللہ کے فضل و راس کی رحمت پر خوشی کریں۔ (سورہ یونس)

۳۔ اور اپنے خدا کی نعمت کا چرچا کیا کرو۔ (تیسواں پارہ)

انبیاء کی دعائیں

- ۱۔ اے ہمارے رب ان میں رسول مبعوث فرما۔ (سورہ بقرہ احضرت ابراہیم واسحاق علیہ السلام)
- ۲۔ اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے نبی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے ہاتھ میں ہے اور بشارت دیتا ہوں اس کی کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ (انجیل متی ص ۱۶)

حافظ جلال الدین سیوطی نے توہرہ میں لکھا: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ اپنے مکان میں قوم کے سامنے حالات و احوال باسعادت بیان فرما رہے تھے اور قوم حضور ﷺ کی ولادت پر مسرت کر رہی تھی جھک کر تھی یکا یک حضور ﷺ کا گزر ہوا آپ نے فرمایا تمہاری شفاعت مجھ پر واجب ہوگئی۔

ملا علی قاریؒ کے استحباب میلاد پر دلائل۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ محفل میلاد کے جواز پر پہلی دلیل یہ ہے کہ ابویہ نے نبی کریم ﷺ کی ولادت پر خوشی کی اور شہید کو آزار دینا اس کی جزا میں ہر جہر کے دن اس کے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے جیسا کہ بخاری میں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے یوم ولادت کی خود تعظیم فرماتے اور اس عظیم نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتے اور ہر جہر کو روزہ رکھتے جیسا کہ امام مسلم نے حضرت ثناء سے روایت کی ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کی ولادت پر خوشی کرنا قرآن مجید کا مطلوب ہے۔ ”آپ کہیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منانا“۔ نیز ملا علی قاریؒ نے محفل میلاد کے استحباب پر بیس دلیلیں دی ہیں۔ (تفصیل! المرآۃ السوری فی المولد النبوی) علامہ ابن عابد بن شامی لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے میلاد شریف کو سننے کے لیے جمع ہونا عظیم منادات سے ہے۔ (جواہر الخارج، جلد ۲، صفحہ 340)۔

علامہ ابن جوزیؒ نے فرمایا جو لوگ میلاد شریف کرتے ہیں ان پر اس سال امان ہوتی ہے اور انہیں مطلب حاصل ہونے کی جلد بشارت مل جاتی ہے۔ (انسان العیون جلد ۱، صفحہ 137)۔

سوال: میلاد النبی ﷺ کے بارے میں اہلسنت و جماعت کا موقف کیا ہے؟

جواب: اہلسنت و جماعت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشی منانا سال کے تمام ایام میں عموماً اور ماہ ربیع الاول میں خصوصاً آپ کی ولادت کا ذکر کرنا آپ کے فضائل و مناقب اور آپ کے شائق و خصائل کو محاسن اور محافل میں بیان کرنا جائز اور مستحب ہے اور صدقات و خیرات کے ہدایا کا آپ کی جناب میں ایصال ثواب کرنا اہل اسلام اور بزرگان دین کا معمول ہے۔

(شرح مسلم، جلد ۱، کتاب الصیام از علامہ غلام رسول سعیدی)۔

سوال: عرس کے بارے میں بتایا جائے کہ اس کی اصل کیا ہے؟

جواب: تمام مسائل طریقت میں معمول ہے کہ جس تاریخ پر کسی بزرگ کا وصال ہوا اس پر مجمع ہو کر مسلمان ختم کلام پاک اور محفل ذکر ہوتی ہے یہ معمول بھی صحیح اور درست ہے۔ اس کے الفاظ و فاء الوفا میں ابن شہید سے مروی ہیں۔ حدیث کا ترجمہ پیش ہے۔ ”عبداللہ بن ابی صالح سے روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ ہر سال کے شروع میں شہدائے احد کی قبور کی زیارت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے اور سلام علیکم بجا صبرتم فنعم عقی الدار فرماتے، راوی نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ بھی آیا کرتے تھے جب حضرت امیر معاویہؓ حج کے لیے آئے اور مدینہ طیبہ پہنچے تو یہ بھی آئے۔ راوی نے کہا جب حضور پاک ﷺ گھائی کے سامنے تشریف لاتے تو سلام علیکم فنعم اجر العالمین فرماتے۔ (رواہ ابن شہید، وفاء الوفاء)۔

سراج الہدایہ میں ہے ”اور جس وقت روح منتقل ہوتی ہے اس وقت کی احتیاط کی جائے کیونکہ مردوں کی روئیں عرس کے دنوں میں ہر سال اس وقت جب کہ روح نکلی تھی اپنی جگہ پر آتی ہیں اور خوش ہوتی ہیں اور اس میں تاخیر بلیغ ہے۔“ عرس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لمعات میں لکھتے ہیں ”معرض نفس عرس کا مسکن اپنی جگہ صحیح ہے اور ارواح اولیاء اللہ کان مواقع پر قبر میں آتا ثابت ہے۔ تاریخ انتقال کی احتیاط کی جائے کے معنی بھی یہی ہیں کہ جس وقت اس ولی کا وصال ہوا اس موقع کو فراموش نہ کیا جائے بلاشبہ وہ وقت اہمیت رکھتا ہے۔“

”ازینجاست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشان
والتزام فاتحه خواندن و صدقہ دادن برائے ایشان و اقتنائے تمام کردن
به تعظیم آثار و آولاد و فتنسبان ایشان“۔
علماء دیوبند کا عرس کے بارے میں موقف۔

مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا رشید احمد کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ اپنی کتاب فیصلہ مفت مسئلہ
میں عرس کے جواز پر زور دیتے ہوئے یوں بیان فرماتے ہیں۔ ”فقیر کا مشرب اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال
اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک پر ایصال ثواب کرتا ہوں اول قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں
وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ماہی حضرت کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔

مولوی رشید احمد گنگوٹی (علماء دیوبند میں سے ایک اور بڑے عالم دین) بھی اصل عرس کو جائز مانتے ہیں
چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ، جلد اول کتاب البیعات، ص 92 میں فرماتے ہیں ”بہت اشیاء ہیں اول مباح تھیں پھر
کسی وقت منع ہو گئیں۔ مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے۔ اہل عرب سے معلوم ہوا کہ عرب شریف کے لوگ
حضرت سید احمد بدوی کا عرس بہت دھوم دھام سے کرتے تھے خاص کر علماء مدینہ منورہ حضرت امیر حمزہ کا عرس
کرتے رہے جن کا مزار اقدس احد پہاڑ پر ہے۔

علماء متقدمین کا عرس کے بارے میں موقف

دنیا بھر کے مسلمان علماء و صالحین خصوصاً اہل مدینہ عرس پر کاربند رہے ہیں اور اس حدیث کے مطابق
جنس کو مسلمان اچھا جانیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے۔ ”زبدۃ النصاب فی مسائل الزبائح میں شاہ عبدالعزیز دہلوی،
مولوی عبدالکیم یا لکھنوی کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔ ”یہ طعن لوگوں کے حالات سے خبردار نہ
ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کوئی فرض نہیں جانتا ہاں صالحین کی قبروں
سے برکت لینا اور ایصال ثواب اور تلاوت قرآن اور تقسیم شربنی و طعام سے ان کی مدد کرنا اصحاب علماء سے اچھا
ہے عرس کا دن اس لیے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جائے اچھا

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوٹی مکتوب نمبر 182 میں مولانا جلال الدین کو لکھتے ہیں ”بیروں کا عرس
بیروں کے طریقہ سے قوالی اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں“ جن حضرات کے حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں
بدعت کا ان حضرات کے متعلق گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سب حضرات تقریباً اکابر و محقق علماء ہیں اور عرس کے
جواز کے قائل ہیں اور خود بھی اعراس کرتے ہیں اور اپنے متعلقین کو ہدایات بھی دے رہے ہیں۔

سوال: مزار شریف پر چادر چڑھانا کیسا ہے؟

جواب: اولیاء اللہ کے مزارات پر چادریں ڈالنا درست ہے جس کی غرض میت کی عظمت اور توقیر ہے۔ امام
مجتہدین نے خلاف کعبہ سے استناد کیا ہے۔ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں علامہ محمد بن عابدین نے کشف النور میں
اصحاب القبر و راز امام علامہ نابلسی نے نقل کیا ہے۔ ”لیکن اس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر چادر وغیرہ ڈالنے سے
عوام کی نگاہ میں مزارات اولیاء کرام کی عظمت پیدا کرنا ہوتا کہ جس مزار پر کپڑے، عمامے رکھے دیکھیں اس کو
ولی کا مزار جان کر اس کی تحقیر سے باز رہیں تاکہ زیارت کرنے والے غفلتوں کے دلوں میں خشوع و ادب پیدا
ہو کہ مزارات اولیاء کے حضور میں ان کے دل ادب کے لیے تابع دار نہیں ہوتے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ
مزارات کے پاس اولیاء کرام کی روئیں حاضر ہوتی ہیں، تو اس نیت سے چادر ڈالنا جائز ہے۔“

رد المحتار میں ہے، لیکن اس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر چادر وغیرہ ڈالنے سے عوام کی نگاہ میں مزارات کی
عظمت پیدا کرتا ہو تاکہ وہ تحقیر نہ کریں صاحب قبر کی۔ اور غفلتوں کے دلوں میں خشوع و ادب پیدا ہو تو یہ جائز
ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی شرح صحیح مسلم میں مزارات پر چادر کا حکم کے تحت لکھتے ہیں علامہ نابلسی و علامہ
اسماعیل حقی، علامہ شامی، علامہ رانچی نے مزارات پر چادر چڑھانے کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس میں افراتفر
ہے اعتدالی کرنا صحیح نہیں ہے جس طرح ادبائش لڑکے باجوں، ناشوں کے ساتھ ناچنے، گاتے چادر کا جلوس لے
کر مزارات کی طرف جاتے ہیں، البتہ تعلیم اور ادب کے ساتھ نعت خوانی کرتے ہوئے چادر چڑھانا جائز ہے
یا ضرورت سے زیادہ چادریں چڑھا کر جائیں یہ دونوں صورتیں اسراف ہیں جب تعظیم کے لیے مزار پر چادر
موجود ہو تو مزید چادروں کے بجائے وہ کپڑا غریبوں پر صدقہ کر کے اس کا ثواب صاحب مزار کو پہنچا دیں۔

سوال: چھانٹا کر ناٹھانا ہوں اور قبرستانوں میں کیسا ہے؟

جواب: اگر یہ نیت ہو کہ از ان ترین رات کو تلاوت کلام پاک، نماز، ذکر، نعت و مناقب اور مجالس موعظہ حسنہ کی خاطر چرائیں گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ علماء متقدمین نے حضرت تمیم داری کے اس فعل سے سن دلی ہے جس میں انھوں نے مسجد نبوی میں چرائیں کیا۔ علامہ عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں تحریر کرتے ہیں، حضرت تمیم افاضل صحابہ میں صاحب مناقب صحابی ہیں، اور وہ پہلے صحابی ہیں جنھوں نے مسجد نبوی میں چرائیں کیا۔ لہذا مذکورہ بالا مقاصد کے لیے غافلوں اور قہرستانوں میں چرائیں کرنا درست ہے۔

(مزارات اولیاء پر چائوروں کو بطور نذرین کرنا)

سوال: اولیاء کے دروازوں یا مزارات پر چائوروں کو نذرین کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: جائز ہے اس فعل کا نذرین سے ارادہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا اور گوشت کودہ ہاں کے فقر اور مساکین پر اس نیت سے صدقہ کرے کہ اس صدقے کا ثواب صاحب مزار کی روح کو پہنچے ایسا کرنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے۔ شرح صحیح مسلم از علامہ غلام رسول سعیدی۔

سوال: اولیاء کی بارگاہ میں نذریں پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: علماء و اولیاء کے مزارات پر نذرین پیش کرنا جائز ہے۔ منت مانتے والے کا ارادہ اس جگہ کے رہنے والوں، اس بزرگ کی اولاد اور مزار کے نزدیک باسی، فقراء کا یا اس بزرگ کے مقبرے کی تعمیر پر خرچ کرنا ہو یا مطلق نذرین کرنا ہو سب صورتیں جائز ہیں مقصد اس سے صاحب مزار کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے اور اللہ کی رضا کے لیے یہ سارا عمل کیا جاتا ہے نہ کہ صاحب قبر کی تعظیم کے لیے۔ (احتکاف مساکل کا حل از مترجم مولانا محمد اشرف چشتی صاحب)

اورنگ زیب عالمگیر کے استاد ملا جہول تیسرا تہدی میں لکھتے ہیں۔ "البقرة المندورة للاولیاء کما هو رسم فی زماننا فهو حلال و طیب"۔ اولیاء کے لیے نذرین ہونی کا جیسا کہ ہمارے زمانے میں طریقہ کار ہے حلال اور پاک ہے۔ اسی طرح حضرت اویس قرنی اور حضرت معروف قرنی کے مزارات پر اب بھی لوگ نذرین کرتے ہیں۔

شاہ رفیع الدین کار سالہ (رسالہ اللہ) میں ہے کہ اولیاء کے مزارات پر نذرین ہونے والے چائوروں

ہیں کیونکہ نذرین کرنے والے کا مقصد رضائے الہی ہوتا ہے اور اولیاء کو وہ رضائے الہی حاصل کرنے میں وسیلہ کھڑے ہیں۔

ایصال ثواب

سوال: کیا بدنی اور مالی عبادت کا ثواب دوسروں کو بخشا جاتا ہے؟

جواب: قرآن حکیم احادیث نبوی اور اقوال فقہاء سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی طرح نماز جنازہ میں بھی یہی اصول کار فرما ہے۔ مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ میں ہے کہ حضرت سعد نے کواں کھدوا کر فرمایا ہمدہ لائم سعد یہاں سعد کے ایصال ثواب کے لیے ہے اس کو تم میں سے امیر غریب سب ہی پانی استعمال کرتے ہیں البتہ بدنی عبادت میں نیابت جائز نہیں جس طرح کہ کوئی آدمی کسی کی طرف سے فرض نماز پڑھے یہ جائز نہیں۔ البتہ نماز کا ثواب بخشا جاسکتا ہے۔ مشکوٰۃ باب النفن باب الملاحم فصل دوم میں ہے کہ ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ "من یعمی لی منکم ان یصلی فی مسجد العشاء و کعبین ویقول ہذہ لابی ہریرہ"۔

اس حدیث سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔

۱۔ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصال ثواب کی نسبت سے ادا کرنا جائز ہے۔

۲۔ زبان سے ایصال ثواب کرنا کہ خدا یا اس کا ثواب فلاں کو دے، بہتر ہے۔

۳۔ برکت کی نسبت سے بزرگان دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعث ثواب ہے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں ثواب کسی کو نہیں پہنچتا کیونکہ قرآن حکیم میں ہے: "لیس

للا انسان الا ما سعی"۔ "لہا ما کسبت و علیہا ما اکتسبت"۔

جواب: حضرت ضیاء الامت شیخ سید محمد کرم شاہ ضیاء القرآن، جلد 5، صفحہ 41 پر زیر آیت لبس لسان الا ما سعی کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ایصالِ ثواب سے صرف اس شخص کو نفع پہنچتا ہے جو ایمان کی حالت میں فوت ہوا ہو جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اسے قطعاً کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ سارے اعمال صالحہ جن کا ثواب ایک مومن کو پہنچا یا جا رہا ہے درحقیقت اس کے ایمان کے درخت کا پھل ہے اور ایمان کا درخت اس شخص کی سعی کا نتیجہ ہے تو گویا یہ ساری چیزیں اس کی ذاتی کوشش میں شمار ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنے ایمان کے درخت کی اعمالِ صالحہ سے آبیاری کرتے رہتے ہیں اور گناہوں کی ڈالہ ہاری سے اس کو بچائے رکھتے ہیں ان پر پھل بھی زیادہ لگتا ہے اور لوگ کثرت سے ان کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اولیاءِ کرام کے مزارات پر فاتحہ پڑھنے والوں کا انجوم اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ان مقبول ترین بندوں نے ایمان کا جو درخت لگایا اور عمر بھر اپنے گریہ و سحری سے اسے سینچتے رہے اس کی بہار اور اس کا جو بن قابل دید ہے۔ ارشادِ ربانی، ”کلمہ طیبہ کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں پاتال تک چلی گئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوتی ہیں یہ درخت ہر لحظہ پھل دے رہا ہے۔“ (ضیاء القرآن)

فقہاء اور علماء نے ان آیات مبارکہ پر طویل بحث کی ہے اور اس کے بہت سے جوابات دیے ہیں۔ لیکن سب سے عام فہم جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیت سے ہی ایصالِ ثواب کا ثبوت ہے اس لیے کہ جو بھی آدمی ایمان کے بعد اولاد اور پھر شاگردوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرے گا نیکی کے کام ان کو سیکھائے گا تو وہ جب تک ان اچھے اصولوں کے مطابق زندگی گزاریں گے اس آدمی کا گویا پلٹا لگایا ہوا درخت ہے اور اس درخت کا پھل اور حصہ اس کو مل رہا ہے لہذا یہ آیت بھی ہمارے موقف کے خلاف نہیں۔ تفصیل کے لیے ”شرح مسلم از غلام رسول سعیدی“

قرآن مجید سے ایصالِ ثواب کا ثبوت۔

اللہ تعالیٰ والدین کے لیے دعا کا حکم دیتا ہے۔ و قل رب ارحمہما کما ربیننی صغیراً۔ (اسراء)، اور کہو اے میرے رب میرے والدین پر رحم فرما جس طرح انھوں نے بچپن میں میری

پرورش کی ہے۔ جس طرح اولاد کی دعا سے والدین کو نفع پہنچتا ہے اسی طرح دوسروں کے ایصالِ ثواب سے بھی اہل ایمان کو نفع پہنچتا ہے۔ ”ربنا اغفر لنا ولداً خو اننا الذین سبقونا بالايمان۔ (حشر)“ اے ہمارے رب ہماری بخشش فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے فوت ہو چکے ہیں۔ اس آیت میں مسلمانوں کے فوت شدہ بھائیوں کے لیے ایصالِ ثواب کا حکم ہے جس طرح مسلمانوں کی دعا سے مسلمان میت کو فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح مسلمانوں کے دیگر نیک اعمال سے بھی مسلمان میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

ایصالِ ثواب کے متعلق غیر مقلدین کا نظریہ:

نواب صدیق حسین بھوپالی لکھتے ہیں۔ ”زندہ انسان نماز، روزہ، تلاوت قرآن، حج اور دیگر عبادات کا جو ثواب میت کو پہنچتا ہے وہ میت کو پہنچتا ہے۔ اور زندہ انسان کا اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے یہ عمل نیکی، احسان اور صلہ رحمی کے قبیل سے ہے۔ اور تمام مخلوق میں جس کو نیکی اور احسان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ میت ہے جو حق تعالیٰ میں رہیں ہے اور اب تک اعمال کرنے سے عاجز ہے پھر اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے عبادات کا ہدیہ پیش کرنا ایک نیکی ہے اور ہر نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے۔ سو جو شخص میت کے لیے ایک دن کے روزے یا قرآن مجید کے ایک پارے کی تلاوت کا ہدیہ پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دس روزوں اور دس پاروں کا اجر عطا فرمائے گا۔

شیخ ابن قیم نے ایصالِ ثواب کے دلائل میں سے دعا استغفار اور نماز جنازہ کو پیش کیا ہے اور ان تمام کاموں کو سلف صالحین نے کیا ہے۔ مراج الوہاب، جلد 2، صفحہ 55 نواب صدیق حسین خان بھوپالی۔

علماء و پوہند کا نظریہ ایصالِ ثواب

شیخ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: میت کی طرف سے قرضوں کو ادا کرنا صدقات کریمہ اور دیگر عبادات معتر ہیں۔ (فیض الباری، جلد 3، صفحہ 413)

سوال۔ گیارہویں، تہجد، دو سو اسی، پندرہویں، چالیسواں کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: چکیا رویں، تیجہ رسواں اور چالیسواں سب ایصالِ ثواب کی شائیں ہیں ان میں تلاوتِ قرآن حکیم جو بدنی عبادت ہے اور صدقہ مالی عبادت کو جمع کر کے ثواب پہنچایا جاتا ہے۔ تفسیر روح البیان، پارہ ۷، سورہ انعام زیر آیت ”وہذا کتاب انزلناہ مبارک“ میں ہے: ”وعن حمید الاعرج قال وقرء القرآن و ختمہ ثم دعا امن علی دعاء ۴ اربعۃ الاف ملک ثم لا یزالون یدعون له ویستغفرون ویصلون علیہ الی السماء او الی الصبح“۔

ترجمہ: حضرت حمید عرج سے مروی ہے جو شخص قرآن حکیم ختم کرے پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے امین کہتے ہیں پھر اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ صبح اور شام تک مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔ معلوم ہوا ختم قرآن کے وقت دعا قول ہوتی ہے۔ ایصالِ ثواب بھی دعا ہے لہذا اس پر ختم پڑھنا بہتر ہے۔

سوال: کوئی ایسی کتاب یا روایت بتائی جائے جس میں مکمل رہنمائی موجود ہو۔

جواب: انوارِ ساطعہ، صفحہ 145 اور حاشیہ خزائنہ الروایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت امیر حمزہ کے لیے تیسرے، ساتویں اور چالیسویں دن اور چھ ماہ اور سال کے بعد صدقہ دیا یہ تیجہ، ششماہی اور عرس کی اصل ہے۔

نوٹ: حضرت شاہ ولی اللہ کا بھی تیجہ ہوا، چنانچہ اس کا تذکرہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنے ملفوظات صفحہ 80 پر اس طرح کیا ہے۔ ”تیسرے روز اس قدر ہجوم تھا کہ شہر سے باہر ہے۔ اکیاسی ختم کلام اللہ شام میں آئے اور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے کل طیب کا تو اندازہ ہی نہیں۔“

تیجہ کا ثبوت!

ملا علی قاری فتاوی الاوزجندی میں نقل فرماتے ہیں۔ حضرت سیدنا امیرِ حقیر حضرت رسول اللہ ﷺ کی وفات کا تیسرا دن تھا کہ حضرت ابوذرؓ حضور اکرم ﷺ کے پاس شک جھگڑا اور دودھ لائے جس میں جو کسی روٹی تھی اس کو حضور ﷺ کے نزدیک رکھا گیا حضور ﷺ نے اس پر سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص تین بار پڑھی اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر چہرہ اقدس پر پھیرے اور حکم دیا کہ لوگوں میں اسے تقسیم کر دو۔

سوال: بعض لوگ جمعرات کو جو فاتحہ دیتے ہیں اس کی اصل کیا ہے؟

جواب: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات باب زیارت القبر کے تحت لکھتے ہیں ”و بعض روایات آمدہ است کہ روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق کند از روح یا نہ“۔ یہ جو کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔ ”یہی روایت جمعرات کو فاتحہ کی اصل ہے۔“

سوال: کیا دن کا تعین بھی کیا جاسکتا ہے اور کیا حضور ﷺ نے ایسا کیا ہے؟ مثلاً سوئم، پندرہ، چھ ماہ، جواب: صحیح احادیث سے تعین بھی ثابت ہے، حضور اکرم ﷺ نے میت کے ایصالِ ثواب کے لیے تعین فرمایا اور جمعہ، جمعرات کے دن خصوصیت سے والدین کی زیارت کا حکم دیا۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت محمد بن عثمان ہے: ”من زار قبر ابویہ او احدہما فی کل جمعة غفرلہ و کتب برآۃ“۔ ”میں نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے ایک کی زیارت قبر جمعہ کے دن کی تو اس کی مغفرت کی جائے گی اور وہ نیکیوں میں لکھا جائے گا۔“

انس بن مالک نے اخراج کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ میت پر پہلی رات سخت ہے پس اس کے لیے صدقہ و خیرات کرو اور لائق ہے کہ نیکی کریں صدقہ میت پر۔ سات دن اور بعض نے کہا ہے کہ چالیس دن تک میت اپنے گھر کی شائق ہوتی ہے۔ غرض ان ہی روایات کے پیش نظر کچھ سے چالیس دن تک صدقہ و خیرات رواج چلا آ رہا ہے اس سے میت کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔

سوال: کھانا سامنے رکھ کر دعا کرنا کیسا ہے کیا اس کا ثبوت بھی موجود ہے؟

جواب: عام مسلمانوں کے ہاں جو کھانا سامنے رکھ کر دعا کا طریقہ رائج ہے اس میں کوئی شک نظر نہیں آتا بات یہ کہ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا فرض یا واجب نہیں بلکہ اس کو دلی قرآن لکھا جاتا ہے۔ دعا سامنے رکھ کر دعا کا ثبوت از مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اول میں ہے کہ: ”و ما من شیء الا و فیہ من کلمات اللہ“۔ ”کوئی ہوگی حضور ﷺ نے تمام شے کو حکم دیا کہ جو چاہے جس کے اس کے لایا۔“۔ ”سے معجزات آجئے۔“۔ ”کھانا سامنے رکھ کر دعا کرنا اور اس پر سب کچھ لکھا گیا۔“۔ ”ہذا رسول اللہ ﷺ علیہ السلام کہ تم

قال خذوا فی او عیتکم، اس پر دعا فرمائی اور پھر فرمایا کہ اس کو اپنے برتنوں میں رکھ دو۔ اس طرح حضرت ابوہریرہؓ نے کچھ خرے حضور ﷺ کے سامنے پیش کیے اور برکت کے لیے دعا کی درخواست کی۔

آپ ﷺ نے خرمنوں کو لایا اور دعا برکت کی۔ (مشکوٰۃ باب الحجرات)۔ اسی طرح حضرت نسبؓ سے نکاح کے موقع پر حضرت ام سلیم نے کچھ کھانا بطور بیمہ لکایا لیکن بہت لوگوں کو بلا لیا گیا حضور ﷺ نے اس کھانے پر دست مبارک رکھ کر کچھ پڑھا۔ اس پر بہت سی اور بھی روایات ہیں لیکن عقل سلیم کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔

نوٹ: **بسم اللہ الرحمن الرحیم** بھی قرآن حکیم کی ایک آیت ہے جس کو ہم ہر کام شروع کرنے سے پہلے اور پھر کھانا کھانے سے پہلے بھی پڑھتے ہیں لہذا قرآن پڑھنے سے (نوذ بانہ) اگر کھانا حرام ہو جاتا ہے تو پھر منع کرنے والے لوگ ہر روز دن میں کئی مرتبہ اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حالانکہ جمہور مسلمانوں کے نزدیک قرآن حکیم پڑھنے سے مزید برکت ہوتی ہے۔ کھانا سامنے رکھ کر دعا کے سلسلہ میں علماء دیوبند سے مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا رشید احمد صاحب کے پیروں میں دعا کی فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں: "فرض ایصالِ ثواب ارواحِ اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص و تمیز کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھنا یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اگر یہ اعتقاد نہیں ہے بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید و عینیت کذا یہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ مصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء و محققین نے جائز رکھا ہے۔ جو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے۔ پھر فرماتے ہیں: "جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب و زبان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اگر یہاں بھی زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہو کہ لفظ اس کا مشار الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو تو کھانا رو بہ رو لانے لگے کسی کو خیال ہو یا ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا تو جمع بین العبادتین ہے۔ پھر فرماتے ہیں اور گیارہویں حضرت غوث پاک کی، دسویں، بیسواں، چہلم، ششماہی، سالانہ وغیرہ توشہ حضرت شیخ عہد الحق اور فیروزی حضرت شاہ ولی اللہ اور حلواشب برات اور دیگر طریق ایصالِ ثواب

کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔

الحمد للہ پیر و مرشد نے تمام معاملات کا فیصلہ ہی کر دیا البتہ مزید بن اللہ کی ہدایت اور توفیق سے اگرچہ صاحب کے فیصلہ پر عمل کر لیں تو ملت اسلامیہ مزید امتیاز اور تفریق سے نجات پائے گی۔ اللہ صحیح بات قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال: بعض فقہاء نے تیجہ، دسواں اور چہلم کے کھانے سے منع فرمایا ہے؟

جواب: اگر برادری کی دعوت ان تین میں یا اس کے علاوہ مقصود ہے تو یہ درست نہیں ہے کہ ایسے دن دعوت کے نہیں ہوتے۔ اگر اصل مقصد ایصالِ ثواب ہو تو پھر حرج نہیں اور الحمد للہ مسلمان ایصالِ ثواب کی نیت سے ہی تیجہ، دسواں، چہلم اور چہلم پڑھتے ہیں۔

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تیجہ، چہلم اور دیگر ختم شریف وغیرہ کا کھانا امیروں کے لیے کھانا چاہئے نہیں۔ راہنمائی فرمائی جائے۔

جواب: مذکورہ بالا ایام یعنی تیجہ، دسواں، چہلم اور دیگر مواقع پر جو ختم شریف دیئے جاتے ہیں یہ سارے کے سارے صدقات نافذ ہیں آئے ہیں اور صدق نافذ امیر بھی کھا سکتے ہیں۔

سوال: اہلسنت کا اصولی موقف بیان کر دیا جائے کہ کون کونسی کس موقع پر صدقات وغیرہ کر سکتا ہے؟

جواب: ۱۔ کسی بھی شخص کے فوت ہونے کے بعد اس کی وراثت سے اگر کسی پر فرض ہے تو وہ ادا کیا جائے۔

۲۔ وصیت اگر کی ہے تو اس پر عمل کیا جائے۔

۳۔ وراثت کو ورثاء کے حصص کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

۴۔ اس کے بعد اگر صاحبِ ثروت ایصالِ ثواب کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ صدقات و

خیرات نابالغ بچوں کے مال سے نہ ہوں بلکہ صرف بالغ ہی کریں۔

سوال: گیارہویں شریف کی الگ وضاحت کر دی جائے کہ وہ کیا ہے؟

جواب: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی المعروف حضرت غوث الاعظم کا ماہنامہ عرس شریف گیارہویں شریف کے نام سے مشہور ہے۔ گیارہویں شریف ایصالِ ثواب کی ایک صورت ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر کے استاد ملا جیون صاحب کے صاحبزادے ملا محمد نے بھی عرس شریف اور گیارہویں شریف کی تصریح ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ "دیگر مشائخ کا عرس شریف تو سال میں ایک دفعہ ہوتا ہے لیکن غوث الثقلین کی یہ امتیازی شان ہے کہ بزرگانِ دین نے آپ کا عرس مبارک (گیارہویں شریف) ہر مہینہ میں مقرر فرمایا ہے۔ (وجہ الصراط، صفحہ 83)۔

گیارہویں شریف دراصل حضرت غوث اعظمؒ کی روح پر فوج کو ایصالِ ثواب کرنا ہے اس کا ثبوت قرآن حکیم کی آیت "والذین جاءوا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان" (پارہ 28 سورہ حشر) ترجمہ: وہ لوگ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔" حدیث شریف میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا جب جنت میں اپنے بندے کا اللہ کریم درجہ بلند فرماتا ہے تو وہ بندہ پوچھتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو یہ درجہ کیونکر ملا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیرے بیٹے کی دعا مغفرت کی بدولت۔ لکھنؤ شریف۔

پس معلوم ہوا ایصالِ ثواب گناہوں کی معافی اور بلندی و درجات کا سبب ہے۔ یہ تو عام گناہگار لوگوں کے لیے فاتحہ کا فائدہ ہوا خواص کی فاتحہ کی برکات اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا فتویٰ دیکھیں۔

"حضرت امام حسنؒ اور امام حسینؒ کی نیاز کا کھانا جس پر سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص اور ورد شریف پڑھا جاتا ہے تو وہ کھانا متبرک ہو جاتا ہے اور اس نیاز کا کھانا بہت ہی بہتر ہے۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اول صفحہ 21)۔

نذر نیاز کے متعلقین کے امام مولوی اسماعیل دہلوی کا فتویٰ ملاحظہ ہو وہ اولیاء کرام کی فاتحہ سے فائدہ اٹھانے کی تلقین یوں کرتے ہیں اور طریقہ بھی بیان کرتے ہیں۔ "دو زانو طور نماز بیٹھ کر چوبیس طریقہ کے

بزرگوں یعنی حضرت معین الدین سنہری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ حضرات کے نام کی فاتحہ پڑھ کر بارگاہِ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور وسیلہ سے التجا کرے۔ (صراطِ مستقیم)۔

فاتحہ کے بعد بارگاہِ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور وسیلہ سے دعا کرنے کی خود امام ابو حنیفہؒ تلقین کرتے ہیں مزید کسی کو اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ آخر میں حاجی امداد اللہ مہاجر کی بات بھی سن لیں۔ "پس یہ ہیئت سر و وجہ ایصالِ ثواب کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارہویں شریف حضرت غوث پاکؒ بھی اسی قاعدے پر مبنی ہے۔"

شاہ عبدالعزیزؒ سرکاری طور پر گیارہویں شریف منائے جانے کا ثبوت یوں پیش کرتے ہیں۔ "حضرت غوث اعظمؒ کے دفعہ مبارک پر گیارہویں تاریخ کو بادشاہ اور شہر کے اکابرین جمع ہوتے، نماز عصر کے بعد مغرب تک کلام اللہ کی تلاوت کرتے اور حضرت غوث اعظمؒ کی مدح میں قصائد اور مناقب پڑھتے مغرب کے بعد سجادہ نشین درمیان میں تشریف فرما ہوتے اور ان کے ارد گرد مریدین و معتقدین حلقہ گوش بیٹھ کر ذکر جہر کرتے اس حالت میں بعض پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی اس کے بعد طعام و شیرینی جو نیاز تبارکی ہوتی تقسیم کی جاتی اور نماز عشاء پڑھ کر لوگ رخصت ہو جاتے۔ (ملفوظات عزیزی صفحہ 462 ماری)۔ تفصیل کے لیے "گیارہویں شریف کی حقیقت" از پروفیسر فیاض احمد کاوش اور "گیارہویں شریف" از مولانا علامہ قیام اللہ قادری کا مطالعہ مفید ہوگا۔ ان تصریحات کے بعد مزید کسی تفصیل کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ سے چاہئے اور بزرگانِ دین کے طریقے پر چلنے اور ان کے ساتھ محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال: کیا رسول اللہ ﷺ ہماری پکار کو سنتے ہیں؟

جواب: جی ہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے نبی ﷺ اپنے غلاموں کی آواز کو ہاؤن اللہ سنتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ اگر کسی میل دور بیوی کی آواز سن سکتے ہیں تو حضور ﷺ اپنے امتیوں کی آواز کو کیوں نہیں سن سکتے۔ جلاء الافہام ص 73 میں ابن قیم لکھتے ہیں حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کوئی کہیں سے درود شریف پڑھے مجھے اس کی آواز پہنچتی ہے یہ دستور بعد از وفات بھی رہے گا۔

امام جلال الدین سیوطی ایس الجلیس ص 222 پر لکھتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں۔ جب حضور ﷺ درود سنتے ہیں تو پکار بھی سنتے ہیں۔ مولوی عبدالحی لکھنوی دیوبندی فتاویٰ عبدالحی جلد اول میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں ”لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا تو میں اس کی آواز کو سنتا تھا حالانکہ میں شکم مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے لیے پروردگار کی تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سنتا تھا حالانکہ میں شکم مادر میں تھا، مقام غور ہے اگر حضور ﷺ شکم مادر میں قلم کی آواز اور فرشتوں کی تسبیح سنتے تھے تو ہماری پکار کیوں نہیں سن سکتے۔

سوال: الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا یا شیخ عبدالقادر جیلانی کہنا کیسا ہے؟

جواب: کسی کو دور یا نزدیک سے پکارنا جائز ہے۔ مقلودۃ شریف اور تفسیر کبیر جلد اول میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی شخص جنگل میں مصیبت کا شکار ہو تو ندا کرے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ اگر غائبانہ طور پر پکارنا شرک ہوتا تو سرکار دو عالم ﷺ بھی پکارنے کا حکم نہ دیتے اسی طرح حضرت فاروق اعظم کا حضرت ساریہ کو دور سے پکارنا یا سورۃ الجبل لہذا

غیر اللہ کو مستقل اور متصرف بالذات سمجھ کر پکارنا شرک ہے۔ کوئی بھی مسلمان حضور ﷺ یا حضرت غوث الاعظم یا کسی بھی ولی کو مستقل اور متصرف بالذات سمجھ کر نہیں پکارتا۔

علامہ دیوبند کے پیر و مرشد مولوی رشید احمد صاحب گنگوٹی، فتاویٰ رشیدیہ، جلد اول ص 31 پر یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاء اللہ کے پڑھنے کے متعلق سوال کے جواب میں لکھتے ہیں ”جو شخص قدس سرہ کو متصرف بالذات

اور عالم غیب بذات خود جان کر پڑھے گا وہ مشرک ہے اور اس عقیدہ سے بڑھنا کفر کبھی کو حق تعالیٰ اطلاع کر دیتا ہے اور باذن تعالیٰ شیخ حاجت برائی (حاجت روائی) کہہ دیتے ہیں تو بھی مشرک نہ ہوگا باقی مومن کی نسبت بدظن ہونا بھی معصیت ہے، اور جلدی سے کسی کو کافر بنا دینا بھی غیر مناسب ہے۔

استغاثہ

سوال: استغاثہ کا کیا معنی ہے؟

جواب: مدد طلب کرنا۔ بندہ کا ایسے شخص سے جو اس کی شفاعت کرے اور قبیح دور کرے۔

سوال: کیا غیر اللہ سے مدد طلب کرنا جائز ہے؟

جواب: سب اور واسطہ جان کر مدد طلب کرنا جائز ہے حقیقی طور پر تو طلب اللہ سے ہی ہے جس طرح ہمارے گھاس کا پیدا ہونا۔ حقیقی پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اس کے لیے اللہ نے اسباب بنائے ہیں۔ امام مسلم نے نبی ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا ”اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔“ نبی ﷺ نے فریادری کی نسبت ہندوں کی طرف فرمائی ہے اور ہندوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد فرمائیں۔

سوال: استغاثہ کی مشروعیت کی کیا دلیل ہے؟

جواب: ایک تو یہ کہ قیامت کے دن ہندوں کا تمام انبیاء علیہ السلام اور پھر حضرت محمد ﷺ سے فرما طلب کروں دوسری دلیل جسے طبرانی نے روایت کیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سے کوئی شخص راستے سے بھٹک جائے کسی سے مدد لینے کا ارادہ کرے اور وہ ایسی جگہ پر ہو جہاں کوئی شخص نہ ہو تو وہ کہے ”اے اللہ کے بندو میری فریادری کرو“ ایک روایت میں ہے ”میری مدد کرو“ کیونکہ اللہ کے کچھ بندے مددگار ایسے ہوتے ہیں جنہیں تم دیکھتے نہیں ہو پس یہ حدیث استغاثہ کے جواز کا کھن اعلیٰ مردوں کو پکارنے کی سرتی دلیل ہے۔ نواب صدیق حسن بھوپالی اہلحدیث نے اپنے فوت شدہ بزرگوں سے عین مدد مانگی۔

قیلہ دیں مددے کہہ ایمان مددے

ابن قیم مدوے قاضی شوکان مدوے (حاشیہ ابن ماجہ۔ وحید الزماں غیر مقلدہ باب صلوة الحاجت)
اکابر پو بند کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ حضور ﷺ کے دربار میں یوں استغاثہ پیش کرتے ہیں۔

جہاں امت کا حق نے گرد یا ہے آپ کے ہاتھوں

بس آپ چاہے ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

(گلزار معرفت)

حاجی صاحب مزید فریادوں کرتے ہیں۔

اے رسول کبریاء فریاد ہے

یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے

آپ کی الفت میں میرا یابی

حال یہ ابتر ہوا فریاد ہے

سخت مشکل میں پھنسا ہوں آدھل

اے میرے مشکل کشا فریاد ہے

(نالہ لدا و غریب)

باقی دارالعلوم دیوبند (مولوی محمد لکھنوی، مولوی یونس فریاد کرتے ہیں۔

مدد کر اے گرم آمدی کہ تیرے سوا

نہیں ہے قوسم بے کسی کا حامی کار۔

اہل حدیث اور علماء دیوبند کی تصریحات سے معلوم ہوا یا نبی، یا رسول و غیرہ الفاظ سے حضور ﷺ کو پکارنا

بھی جائز ہے اس لیے کہ ہر دو مسالک کے علماء نے نہ صرف حضور ﷺ کو ان الفاظ سے پکارا بلکہ اپنے علماء کو جو

ان سے بہت عرصہ پہلے فوت ہو چکے تھے ان کو بھی مدد کے لیے پکارا۔

الحمد للہ وہ مسلمان، جن کا عقیدہ حضور ﷺ کو دور یا نزدیک سے پکارنے کا تھا، وہ ہی حق اور سچ ہے۔

استمداد اور حیات انبیاء

سوال: کیا مردوں سے زندوں کو نفع پہنچتا ہے؟

جواب: ہرگز انہوں نے اسناد صحیح سے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے تم باتیں کرتے ہو تم سے باتیں کیا جاتی ہیں اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے جو اچھا کمل دیکھوں گا اللہ کی حمد کروں گا اور جو برا عمل دیکھوں گا تمہارے لیے استغفار کروں گا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے بڑھکر کونسا عمل نفع والا ہو سکتا ہے کہ آپ امت کے بڑے عمل پر اس کے لیے استغفار فرماتے ہیں۔ ایک اور بڑی دلیل کہ شب معراج کو جب امت مصطفیٰ پر یومیہ پچاس نمازیں فرض ہوئیں تو حضرت موسیٰ کے کہنے پر آپ ﷺ اپنے رب کے حضور نمازوں کی تخفیف کے لیے لوٹے رہے یہاں تک کہ یومیہ پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

قاری محمد طیب صاحب معجم دارالعلوم دیوبند اپنی کتاب عالم برزخ ص ۵ پر رقمطراز ہیں اور آخرت روح اور جسم کا مکمل امتزاج ہے جس میں ہر ایک اپنے اپنے تاثر میں مستقل ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا اور ایک ارتقا و انشاع ہے برزخ چونکہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں ہے۔ اس لیے اس کا ان دونوں جہانوں سے تعلق ہے۔ اس جیسے برزخ میں رہتے ہوئے آخرت کی نعم و جہنم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ روحانی طور پر ان سے محفل و اجتماع ہوتا ہے اور مدد ہرات آخرت کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے، ایسے ہی برزخ میں رہتے ہوئے دنیا کی معلومات سے بھی حسب حیثیت و مرتبہ مستفید ہوتا ہے۔ دنیا والوں کے اعمال فی ثانی دعا، ایصال ثواب، افاضہ باطنی اس حد تک پہنچتے ہیں حتیٰ کہ وہ اہل دنیا کی زیارت سے بھی مستفید ہوتے ہیں اور پھر خود بھی اپنے اسی قسم کے تصرفات دعا اور ہمت باطن سے افائدہ اور کیفیات طبعی کہ اپنی ملاقات و زیارت کا بھی انھیں موقع دیتا ہے۔

جس کے لیے فقہی شرعیہ موجود ہیں۔ (عالم برزخ ص ۵، ۶ اور اسلامیات ۱۹۸۰ء کئی لاہور)۔

نیز قاری طیب صاحب اسی کتاب عالم برزخ میں دو صدیوں کا واقعہ نقل کرنے کے بعد ص 37 پر لکھتے

ہیں۔ بہر حال اس سے واضح ہوا کہ برزخ والے خواب میں نہ صرف اپنے احوال و مقامات ہی ملتا دیتے ہیں بلکہ دنیا والوں کے احوال کی نشاندہی کر کے ان کی تصدیق کے ساتھ ان کا اپنے تک پہنچنا بھی بیان کر دیتے ہیں اور نہ صرف واقعات بیان کر دیتے ہیں بلکہ ان کے سلسلہ میں ہدایات بھی دے دیتے ہیں کہ ایسا کیا جائے اور یہ سب باتیں حقیقت و اقد ثابت ہوتی ہیں۔ "قاری محمد طیب صاحب کی اس تحریر کے بعد مدعیان علم و دانش کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور امت کی اس طرف راہنمائی کی جائے جس طرف سلف صالحین اور اکابرین کے عقائد تھے نہ کہ چند باتیں جن کا کوئی اصل نہیں بیان کر کے عوام کو بھی گمراہ کیا جائے اور خود بھی گمراہ ہوں۔

سوال: کیا انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں؟

جواب: جی ہاں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، حج بھی کرتے ہیں۔ ان کی عبادات حصول لذت کے لیے ہیں۔

سوال: انبیاء کی حیات پر دلیل کیا ہے؟

جواب: صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ معراج کی شب جب میں موتی کی قبر کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں سرخ لیلے کے نزدیک کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے۔

شہداء کی زندگی پر قرآن میں نص موجود ہے تو علامہ مناوی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے امام بیہقی اور ابویعلیٰ نے حضرت انس سے روایت کیا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ نماز ادا فرماتے ہیں۔

سوال: علماء متقدمین کا حیات النبی ﷺ کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟

جواب: حضرت حافظ سیوطی اپنی کتاب تور میں فرماتے ہیں۔ یعنی حضور ﷺ یقیناً زندہ ہیں اپنے بدن اور روح کے ساتھ قبر میں اور سیر و تصرف فرماتے ہیں اور آپ کے اندر کوئی تغیر نہیں ہوا۔ انبیاء کرام کو اپنی قبروں سے نکلنے اور تصرف فرمانے کا اذن دیا گیا ہے۔ عالم علوی اور سلفی میں حضور پاک ﷺ اور تمام نبیوں کی حیات اس لیے یقینی ہے کہ اس کی قطعی دلیلیں اور متواتر حدیثیں موجود ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "انبیاء زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور فرمایا انبیاء کرام کے جسد کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔" (مشکوٰۃ)

سماع موتی

سوال: مبروہوں کے پاس جو کچھ کہا جاتا ہے کیا انھیں اس کی خبر ہوتی ہے؟

جواب: جی ہاں اسی وجہ سے نبی ﷺ نے مبروہوں کی زیارت اور ان کو حینہ خطاب کے ساتھ سلام کر کے کو شروغ فرمایا حضور ﷺ کثرت سے جنت بقیع کے قبرستان میں جاتے ان پر سلام فرماتے۔ اگر وہ نہ سنتے ہوتے تو حضور ﷺ ان پر سلام نہ کرتے۔

سوال: اس کی دلیل بھی دی جائے۔

جواب: ابن ابی دنیا کی کتاب القبروں کی وہ روایت ہے، حضرت عائشہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جو آدمی بھی کسی اپنے بھائی کے مرنے کے بعد زیارت کرتا ہے تو وہ اس سے انس حاصل کرتا ہے اس کے سلام کا جواب دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہو۔

دوسری دلیل۔ بخاری کی وہ روایت جس میں آپ ﷺ نے بدر کے مقتولین کفار سے کلام و خطاب فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے بتایا عمرؓ آپ سے زیادہ سنتے ہیں۔

باقی رہی وہ آیت کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے علامہ ابن قیمؒ نے کتاب روح میں اس کا جواب دیا ہے کہ اس سے مراد وہ کافر ہے جس کا دل مردہ ہو چکا ہے، آپ اس کو اس طرح بات سناتے ہیں کہ وہ خود نہیں سمجھتا کہ انہیں اس سے نفع ہو۔ قبر والوں نے دنیا میں نفع نہیں اٹھایا جو دراصل ہے قبر میں پہنچ کر وہ کیا نفع اٹھائیں گے۔ ابن تیمیہ امام الوہابیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں ذکر کیا ہے ابن عبد البرؒ کی روایت ہے کہ شہداء بلکہ تمام مسلمان جس وقت مسلمان ان کی زیارت کریں اور ان پر سلام بھیجیں تو وہ ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ وفاء الوفا شریف ص 40 جلد ۲۔ جب عام مسلمانوں کا یہ حال ہے تو حضور ﷺ کا حال ہوگا۔

حضرت علامہ مولانا فضل رسول بدایونی نے تصحیح المسائل میں حضرت مبروہہ بخاری روایت کو ان الفاظ میں

نقل فرمایا۔ یعنی مروے اپنے اہل و عیال کو جاننے میں مرنے کے بعد جنہوں نے غسل دیا اور کفن دیا ان کو دیکھتے اور پہچان لیتے ہیں۔

حضرت شیخ علی بن یثیٰ نے فرمایا میں نے حضرت شیخ عبدالقادر اور شیخ بٹاک کے ساتھ امام احمد بن حنبل کی قبر کی زیارت کی میں نے مشاہدہ کیا کہ حضرت امام احمد بن حنبل اپنی قبر سے نکلے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو اپنے سینے کے ساتھ لگا کر آپ کو خلعت پہنایا اور ارشاد فرمایا میں تمہاری طرف محتاج ہوں۔ (قائد الجواہر مصری)

توسل

"يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا في سبيله لعلكم تفلحون"

حضرت شاہ ولی اللہ نے تفسیر فرمائی کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے۔ اور شاہ اسماعیل دہلوی نے بھی یہی مراد لی ہے۔ (صراط المستقیم)۔

وسیلہ کا معنی امام راعب اور دیگر ائمہ لغت نے کیا ہے وہ درجہ ہے۔ تفسیر کشاف میں ہے وسیلہ ہر وہ چیز جس کے ذریعے کسی کا قرب حاصل کیا جائے۔

سوال: انبیاء کرام اور اولیاء کرام سے وسیلہ پکڑنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: انبیاء کرام اور اولیاء کرام کا وسیلہ پکڑنا شرعاً جائز ہے۔

سوال: توسل کا کیا معنی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے ذکر سے برکت حاصل کرنا یا اس کے ایک معنی یہ ہیں!

کہ اللہ بزرگ و برتر کی بارگاہ سے حاجتوں کے پورا کرنے اور مطالب کے حصول کے لیے انھیں وسیلہ یعنی واسطہ بنانا اس لیے کہ اللہ کے نیک بندے اللہ کے قریب ہوتے ہیں اللہ ان کی سفارش اور دعا قبول فرماتا ہے۔

سوال: کسی مستند حدیث کا حوالہ بھی بیان کریں۔

جواب: امام بخاری نے تصنیف حدیث قدسی نقل فرمائی ہے۔ آخری الفاظ ہیں!

وَلَيْسَ سَائِلُنِي لَاعْطِيَنَّهُ وَلَيْسَ اسْتِغَاثُنِي لِأَمْرِ عِيْذَنَّهُ۔ "اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے میں اسے ضرور عطا کروں گا اور اگر مجھ سے پناہ مانگے میں ضرور اسے پناہ دوں گا"۔ معلوم ہوا اللہ اپنے محبوب بندوں کی دعا کو ضرور قبول فرماتا ہے ورنہ انھیں سوال کروہ مطلوب عطا فرماتا ہے۔

من الغیب وسیلہ کا خود اپنا اقرار

مولوی اسماعیل دہلوی لکھتا ہے۔ ہاں اگر یوں کہیے کہ یا اللہ کچھ دے شیخ عبدالقادر کے واسطے تو جانتے۔

(تقویۃ الایمان صفحہ ۵ مطبوعہ میر محمد کراچی)

غیر مقلدوں کے امام میاں نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں "یا اس اللہ کا آخر ہے جو جن وانس کے خالق اللہ تعالیٰ نے اپنے عاجز بندے محمد نذیر حسین پر کیا اس کو اللہ تعالیٰ جن وانس کے سردار کے وسیلہ سے دونوں جہان میں معاف رکھے۔ (معیار الحق ص 419)

سوال: توسل کے جواز پر کیا دلیل ہے؟

جواب: توسل کے جواز پر کئی صریح صحیح احادیث دلیل ہیں۔ ایک حدیث جسے قاضی زکی بن علی اور علی بن

صحیح اسناد سے حضرت عثمان بن عفیف سے روایت کیا ہے "ایک نبی آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دعا کرتا ہے

اس نے عرض کی اے اللہ کے رسول، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ میری آنکھوں کو کھول دے اور اسے دعا دے اور

تو چاہتا ہے تو میں دعا کروں اور اگر چاہتا ہے تو صبر کرنا اور صبر میرے لیے آخر ہے یا اللہ تعالیٰ نے عرض کیا کہ

دعا کیجیے پس آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ وہ اچھے طریقے سے (مزمع کہ وہ دعا دے گا) دعا کیجیے میں اللہ

سے سوال کرتا ہوں اور میری بارگاہ میں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے واسطے سے دعا کروں گی اور میری رحمت

ہیں۔ اے محمد ﷺ میں آپ کے واسطے سے اپنے رب کی طرف اپنی دعا عرض دانی سے دعا کروں گا اور میں

اے اللہ! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔"

"اللهم انی استلک وادعک الی سبک سبک لعلی الرحمة یا"

محمد انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضى لی اللهم شفعه فی "وہ آدمی چلا گیا پھر واپس آیا اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں سے حجاب کو دور کر دیا تھا، بتائی کی روایت میں ہے کہ وہ کھڑا دیکھنے لگا۔

علماء نے اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کو وسیلہ بنایا عند العقی یا محمد کہنا اس دعا کو صحابہ و تابعین سلف و خلف نے اپنی حاجتوں کو پورا کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ دوسری حدیث جس کو امام بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کیا حضرت عمرؓ کے دور میں جب قطہ پڑا، حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے وسیلے سے بارش طلب فرماتے پس کہتے "اے اللہ ہم تیرے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے تو ہم پر بارش برسات تھا اور اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں ہم پر بارش برسا۔" تراوی کہتے ہیں پس بارش ہو جایا کرتی تھی۔ یہ حدیث بھی ان مبارک ہستیوں کو وسیلہ بنانے میں مسترجع ہے کیونکہ حضرت عباسؓ کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا تو اللہ نے بارش برساتی۔

سوال: کیا مژدوں کو وسیلہ بنانا جائز ہے؟

جواب: اللہ کے محبوبوں کو وسیلہ بنانے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ برابر ہے کہ ان کی دینی زندگی یا برزخی زندگی ہو۔ اہل برزخ اپنے رب کی بارگاہ میں موجود ہوتے ہیں جو شخص ان کی طرف توجہ کرتا ہے وہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

سوال: مردوں کے توسل کے جواز پر کیا دلیل ہے؟

جواب: ابن تیم نے زاد المعاد میں سیدنا ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی نماز کے لیے گھر سے نکلے وہ یہ کہے "اے اللہ میں تجھ سے جو تجھ سے سالکین کا حق ہے اور جو میرا میری جانب چلنے کا حق ہے اس کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کیونکہ میں نہ اترا نے، نہ ٹکرا نہ دکھانے اور نہ ان کے لیے نکلا ہوں اور بے شک میں صرف تیری ناراضگی کے ذریعے اور تیری رضا و مسخولہ نے کے لیے نکلا ہوں میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے جہنم سے بچا اور میرے گناہوں کی بخشش فرما دے پس بے شک تیرے سوا اور کوئی گناہ نہیں معاف کر سکتا۔" پس جو شخص اس طرح دعا مانگے اللہ تعالیٰ اسے ستر ہزار فرشتوں

کے سپرد فرماتے ہیں جو اس کے لیے دعا و مغفرت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خود اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے کی کہ وہ اپنی نماز ختم کر لیتا ہے۔ ابن ماجہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

تہذیبی و ابن سنی اور حافظ ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے لیے نکلنے وقت کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی۔ "اے اللہ میں تجھ سے سالکین کا جو تجھ پر حق ہے اس کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔" علماء نے فرمایا کہ بندہ مومن کو وسیلہ بنانے میں یہ روایت مسترجع ہے چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ جو نیز حضرت عمرؓ کا حضور ﷺ کو چہرہ کر حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنانے میں دو شکایتیں تھیں!

۱۔ اہلیت اطہار کے شرف اور مقام کو ظاہر کرنا۔

۲۔ تاکدلت کو معلوم ہو جائے کہ غیر نبی کا وسیلہ بھی جائز ہے۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا وسیلہ پکڑنے کی دلیل یہ روایت بھی ہے جسے تہذیبی و ابن سنی نے اسناد صحیح سے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں لوگ قطہ میں مبتلا ہو گئے پس بلال بن حارثؓ عمرؓ کی طرف کے پاس آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو گئے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ خواب میں ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "عمر بن خطاب کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کہو اور انہیں بتا دو کہ ان پر بارش برساتی جائے گی۔" پس حضرت بلال بن حارثؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور انہیں ساری بات بتائی پس حضرت عمرؓ روبرو چلے اور ان پر بارش بھی ہو گئی۔ لہذا حضرت بلال بن حارثؓ کا فعل جو صحابی ہیں توسل اور استد اور دلیل ہے۔

وصالِ اقدس کے بعد توسل

حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کے انتقال کے بعد ان کی مدد مبارک میں لینے لینے سرکارِ دو عالم ﷺ نے دعا مانگی۔ "اے اللہ میری ماں فاطمہ بنت اسد کی بخشش فرما اور اس کو اپنی جنت تعین فرما اور ان کی قبر کو فراخ فرما وسیلہ میرے نبی کا اور ان نبیوں کا جو مجھ سے پہلے ہو چکے ہیں بیشک تو ارحم الراحمین ہے۔" (مجمع الزوائد - جلد 9 صفحہ 260 - وفاء الوفاء جلد 3 - حدیث اولیاء)۔

معلوم ہوا قبر والوں کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔ نیز نبی کریم ﷺ کی یہ دعا "اے اللہ ہماری مدد فرما دشمنوں کے مقابلے میں اپنے بندوں میں سے فقراء و مہاجرین کے وسیلے سے۔" یہ دعا مشکوٰۃ شریف باب فضل الفقراء ص 447 کے عاصیہ پر موجود ہے۔

ندائے غیر اللہ اور توسل کے متعلق علامہ محمد عبدالحکیم صاحب شرف قادری کا موقف ا

الہیہ یہ ظاہر ہے کہ جب حقیقی حاجت روا ہو مشکل کشا اور کارساز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو احسن اور اولیٰ یہی ہے کہ اسی سے مانگا جائے اور اسی سے درخواست کی جائے اور اولیاء کا وسیلہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے کیونکہ حقیقت حقیقت ہے اور تجار مجاز ہے یا بارگاہ انبیاء و اولیاء سے درخواست کی جائے کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ ہماری مشکلیں آسان فرمادے اور حاجتیں بر لائے اس طرح کسی کو غلط فہمی بھی پیدا نہ ہوگی اور اختلافات کی خلیج بھی زیادہ وسیع نہ ہوگی۔ (ندائے بارمول مشکوٰۃ ص 12)۔

مزارات سے مجتہدین کا توسل کرنا۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے جب کوئی حاجت پیش آتی ہے دو رکعت نماز پڑھ کر مزارِ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس جا کر دعا مانگتا ہوں خدا پوری فرماتا ہے۔ اے امام ابن حجرؒ کی نے خیرات الحسان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان میں نقل کیا ہے۔

مائل قادری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں نقل فرمایا ہے کہ اہل سمرقند پر جب قحط واقع ہوا تو بعض صالحین سے رجوع کیا گیا انھوں نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کے مزار سے مدد چاہو اور قبر بخاریؒ کو وسیلہ بنا کر دعا مانگو تو بارش ہوگی چنانچہ ایسا ہی کیا گیا سات روز تک دعا کی گئی بارانِ رحمت ہازل ہوا۔

شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی فتاویٰ عزیزی جلد دوم ص 252 پر لکھتے ہیں۔ "اور اصل قبور سے استمداد کرنا ایک ایسا امر ہے کہ مشائخِ صوفیہ کے اہل کشف و کمال سے ہیں ان کے نزدیک یہ کامل طور پر ثابت ہے کسی کہ وہ مصبرات کہتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو ارواح سے فیض حاصل ہوا ہے چنانچہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قبر موسیٰ کاظمؒ ترباق و مجرب ہے دعا قبول ہونے کے لیے۔

وسیلہ اور علماء دیوبند۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن ایالہ نعبد و ایالہ نستعین کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "ہاں اگر مقبول بندے کو فاطمہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہر اس سے کرے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ استعانت درحقیقت اللہ ہی سے استعانت ہے۔ امداد و المشاق ص 113، مرتبہ مولوی اشرف علی تھانوی دیوبند میں حاجی امداد اللہ مہاجر کی کا یہ فرمان موجود ہے۔ "میں نے حضرت (اپنے مرشد) کی قبر سے وہی فائدہ اٹھایا جو حالت حیات میں اٹھاتا تھا۔"

برکت حاصل کرنا

سوال: کیا نیک بندوں کے آثار و نشانوں سے برکت حاصل کرنا جائز ہے؟

جواب: نیک بندوں کے آثار سے برکت حاصل کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

سوال: اس پر کیا دلیل ہے؟

جواب: حضرت انسؓ کی روایت صحیح مسلم میں مذکور ہے فرماتے ہیں "میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ سر مونڈھنے والا آپ کے بال اتار رہا تھا اور میری بہ کرام آپ کے ارد گرد پھر لگا رہے تھے اس امداد سے کہ آپ ﷺ کا کوئی بال مبارک زمین پر نہ گرے بلکہ کسی کے ہاتھ میں آجائے۔ (آراء و عقائد ص 12)۔

پاس رکھیں۔)

اور صحیح حدیث میں وارد ہے "طہرات امامت" اور محمد علیؑ سے مروی ہے کہ انھوں نے (ایک دن)

ایک طبیبی جب لکھا اور فرمایا کہ اسے رسول اللہ ﷺ پہنا کرتے تھے ہم اسے بیماروں کے لیے دھو لیتے ہیں اور اس کے (دھوون) سے شفا حاصل کی جاتی ہے۔

زیارت قبور کا حکم

سوال: انبیاء و صالحین کی قبور کی زیارت کا کیا حکم ہے؟

جواب: ان نفوس قدسیہ کی قبروں کی زیارت کرنا اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ مستحب ہے اس طرح ان کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا بھی باعث ثواب ہے۔

سوال: زیارت قبور کی دلیل کیا ہے؟

جواب: امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: "فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میں تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے روکا کرتا تھا پس اب زیارت کیا کرو" اور بخاری نے روایت کیا کہ میں تمہیں زیارت قبور سے منع کرتا تھا پس اب زیارت کیا کرو کیونکہ قبروں کی زیارت دل کو نرم کرتی ہے، آنکھوں میں آنسو لاتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

سوال: عورتوں کے لیے زیارت قبور کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورتوں کے لیے زیارت قبور جائز ہے اگر زیارت قبور تبرک کے لیے ہو جیسے انبیاء، اولیاء و علماء کی زیارت قبور تو یہ مسنون ہے امام بخاری و مسلم نے روایت فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت کو قبرستان میں اپنے بیٹے کی قبر پر روتے دیکھا تو اسے صبر کا حکم فرمایا اور اسے زیارت قبور سے منع فرمایا۔

سوال: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرماتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جو عورتیں نوحہ کرنے، رونے پینے کے لیے جائیں، ایسی زیارت حرام ہے حضور ﷺ نے نوردنے پینے اور کپڑے پھاڑنے والے مردوں کے لیے بھی فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔

(تعظیم شعائر اللہ) تعظیم قرآن وحدیث۔

سوال: قرآن حکیم وحدیث نبوی کی تعظیم کی کیا اہمیت ہے؟ چونکہ بعض حضرات جب تلاوت قرآن حکیم کرتے ہیں تو نیچے سر اور پاؤں پھیلا کر بیٹھتے ہیں جس سے محسوس ہوتا ہے کہ گویا کسی عام ناول یا انسا نے کا مطالعہ کرتے ہیں۔

جواب: قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے "قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَمَنْ يَعْظِمُ شَعَائِرَ اللَّهِ فَاَنْهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ" "القرآن۔ جو اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرے تو وہ بے شک دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

حضور ﷺ، قرآن حکیم اور حضور ﷺ کے دین سے نسبت رکھنے والی ہر چیز شعائر اللہ میں داخل ہے۔ بالخصوص قرآن اور احادیث کی تعظیم اور احترام انتہائی ضروری ہے۔ ہاں جو کہ ہاتھ لگاتا، چھو لیتا اور مختلف کتب ایک جگہ موجود ہوں تو فقہ، حدیث اور قرآن حکیم کو سب سے اوپر رکھا جائے۔

سوال: بعض حضرات ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر قرآن حکیم پڑھتے ہیں، یا قرآن کی طرف پیٹھ وغیرہ کر کے بیٹھتے اور چلتے رہتے ہیں۔

جواب: تعظیم میں یہ چیز عرض کردی گئی ہے کہ با وضو اور بلند جگہ پر بیٹھ کر تلاوت کی جائے۔ امام مجدد الف ثانی کے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ اپنے خلیفہ یعنی حضرت مجدد کی محفل سے جب جانے کا ارادہ ہوتا تو زور جھٹ جھٹری یعنی الٹے پاؤں محفل سے جاتے۔ امام مالک جب حدیث کا درس دیتے تو محفل کھڑے عمدہ کپڑے پہنتے، خوشبو لگاتے اور خاص تخت پر بیٹھتے تب حدیث بیان کرتے اور بعض کتب میں مذکور ہے کہ آپ پوری زندگی مدینہ طیبہ میں کسی سواری پر سوار نہ ہوئے۔ لہذا قرآن حکیم، احادیث مبارکہ اور دینی کتب کا احترام نہ کرنا، گمراہی، بے ادبی، جہالت اور بد نصیبی ہے۔

دیکھیے! (کتب سیرت مجدد حضرت علامہ شیخ طریقت قادری عبدالرزاق دمشقل ہدایت از امام احمد رضا خاں بریلوی)۔ راقم کا ذاتی مشاہدہ بھی ہے کہ ہمارے استاد شریعت و شیخ طریقت علامہ قادری

عبدالرزاق جب لکھتے ہوئے بال پڑا نعت سے روشناسی ختم ہو جاتی تو حضرت بال پڑا نعت کو بھیج گئے کے بجائے اس کو کسی محفوظ جگہ پر رکھنے یا دفن کرنے کی ہدایت فرماتے ادب کے پیش نظر فرماتے کہ اس سے اللہ اور رسول کا نام لکھا جاتا ہے۔ لہذا نسبت کی قدر ضروری ہے۔ (وَمَنْ يَعْظِمِ شَعَارَ اللَّهِ فَانْهَاهُ مِنَ تَقْوَى الْقُلُوبِ) "اور جو اللہ کی نشانوں کی تعظیم بجالا یا تو بے شک یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔"

اس آیت کی تفسیر دیوبندی مکتبہ فکر کے مشہور عالم شہیر احمد عثمانی یوں کرتے ہیں۔ یعنی شعائر اللہ کی تعظیم میں داخل نہیں ہے جس کے دل میں پرہیزگاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ذکر ہو گا وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کرے گا۔ یہ ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اس کی طرف منسوب ہو جائے۔ تفسیر عثمانی ص 435۔

ایک اور دیوبندی مکتبہ فکر کے مشہور عالم مولوی محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں۔ "مطلب یہ ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم شرک نہیں بلکہ تقویٰ کی علامت ہے اور آثار توحید میں سے ہے اس لیے کہ عاشق کی شان یہ ہے کہ جو چیز اس کے محبوب کی طرف منسوب ہو یا اس سے ماخوذ ہو یا اس کے دین کی نشانی ہو دل و جان سے اس کی تعظیم کرے۔" (تفسیر معارف القرآن کاندھلوی جلد 5 ص 23)۔

غور فرمائیے اللہ کی ایک نیک بندی حضرت ہاجرہ کے قدم جن پہاڑیوں پر لگ جائیں وہ پہاڑیاں بھی رب کی نشانیاں بن جائیں تو جہاں پر اللہ والے سر سے لے کر پاؤں تک جلوہ گر ہوں گے وہ اللہ کی نشانیاں کیوں نہیں بن جائیں گی۔

ہم اہلسنت اولیاء اللہ اور ان کے مزارات کا ادب کرتے ہیں کہ یہاں اولیاء کا طیس جلوہ گر ہیں۔ لہذا تعظیم اولیاء اللہ عین منشاء الہی ہے اور اس کو عبادت سمجھنا انتہائی جہالت ہے۔

سوال: اولیاء اللہ کا مرتبہ بھی بیان کر دیں۔

جواب: قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ خبردار ہو بے شک جو اللہ کے اولیاء ہیں ان پر نہ کچھ رہے، نہ وہ ٹھٹھکین ہوں گے۔ (سورہ یونس)۔

طہرانی نے اوسط میں حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے! حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ زمین ہرگز خالی نہ ہوگی

چالیس ابدال سے، جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پرتو ہوں گے انھیں کے سبب شعبیں مینہ لے گا اور انہیں کی بدولت مدد پاد گئے۔

سوال: سلسلہ ولایت کا اجراء اور بقاء بھی بیان کر دیں۔

جواب: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا! چالیس مرد قیامت تک ہوا کریں گے جن سے اللہ زمین کی حفاظت کرے گا جب ان میں سے ایک انتقال کر جائے گا خدا اس کی جگہ دوسرا قائم فرمائے گا اور وہ ساری زمین میں ہیں۔ اولیاء سے دشمنی خدا سے دشمنی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، جس نے میرے ولی کو ستایا جس میں اجازت رہا ہوں کہ وہ مجھ سے لڑنے کے لیے تیار ہو جائے۔

مولوی اسماعیل دہلوی (صراط مستقیم، صفحہ 58، فخر الطالع) لکھتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کے مبارک زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک قطبیت، غوثیت، ابدانیت اور دیگر درج ولایت سب آپ کے واسطے سے عطا ہوتے ہیں نیز بادشاہوں کی سلطنت اور امراء کی امارت میں بھی آپ کی دست کو بڑا دخل ہے اور یہ حقیقت عالم ملکوت کے ساحلوں پر مخفی نہیں۔ دوسری جگہ اولیاء کا طیس کے متعلق لکھتے ہیں۔ "اس طرح الٰہی عالی مرتبت اولیاء کرام کو عالم مثال و شہادت میں تصرف کرنے کا مطلق ان مرحمت ہو چکا ہے۔ (صراط مستقیم، صفحہ 101)۔

سوال: کوئی اگر کہے میں ان حدیثوں کو نہیں مانتا چونکہ صحاح ستہ میں نہیں ہیں۔

جواب: حدیث کے مقبول اور معتبر ہونے کے معیار کا دار و مدار عقلی یا نقلی پر ہے یعنی علماء کرام اور محدثین کے قبول کرنے پر ہے۔ حضرت ابو عبد اللہ ماکن نے فرمایا بسا اوقات بعض کمزور ایمان والے درود پاک کے فضائل میں وارد شدہ احادیث کو دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے کیونکہ یہ احادیث صحاح ستہ میں نہیں ہیں ایسا کہنے والا بد عقیدہ ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت مطہرہ میں شب گارہا ہے۔ فرمایا حدیث پاک کے صحیح ہونے کا معیار علماء و محدثین کا کسی حدیث کو قبول کر لینا ہی معیار صداقت ہے۔ (مساعدة الدارین)۔

سوال: قبر پر قبہ بنانا کیسا ہے؟

جواب: قبر پر قبہ بنانے کا سبب یہ ہے کہ لوگ قبوں کے سائے میں بیٹھ کر قرآن پاک اور ذکر اذکار جاری رکھ سکیں چنانچہ علماء متقدمین اور متقدمین نے قبوں کا بنانا جائز ٹھہرایا ہے چنانچہ اصحاب فی احوال الصحابہ میں ہے۔

”مات الحکم بن ابی العاص فی خلافة عثمان فغوب علی قبره فسطاس فی یوم صایف فتکلم الناس فی ذلک فقال عثمان قد ضرب فی عهد عمر علی ذینب بنت جحش فسطاس فهل رایتہ عاقباً عاب ذلک“۔

ترجمہ: یعنی حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں حکم بن العاص کا انتقال ہوا ان کی قبر پر گری میں خیمہ قائم کیا گیا تو لوگوں نے اس کے متعلق کچھ کلام کیا حضرت سیدنا عثمانؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں حضرت ذینب بنت جحش کی قبر پر خیمہ قائم کیا گیا تھا تو کیا تم نے کسی کو دیکھا تھا کہ اس پر اعتراض کیا یا کسی عیب لگانے والے نے اس پر عیب لگایا۔

معلوم یہ ہوا کہ گرمی اور سردی سے بچاؤ کے لیے اگر قبہ بنا دیا جائے تو کوئی حرج نہیں بلکہ اس وجہ سے زائر کو سہولت ہوگی۔ اور قبہ یا تعمیر مزار کا مقصد بھی زائر کو گرمی اور سردی سے بچانا ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی شرح صحیح مسلم صفحہ 815 پر مزارات پر گنبد بنانے کے حکم کے تحت لکھتے ہیں۔ چونکہ شروع سے لے کر اب تک امت کے صالحین اور علماء بزرگان دین کے مزارات پر گنبد بناتے چلے آئے ہیں اس لیے امت کے اجماع عمل سے گنبد بنانے کا جواز ثابت ہے اور حدیث شریف میں ممانعت بلا ضرورت تعمیر پر معمول ہے جس طرح مشہور دیوبندی عالم شیخ شبیر احمد عثمانی نے قبر پر لکھنے کی ممانعت بلا ضرورت لکھنے پر معمول کیا ہے اور جواز کو امت کے اجماع عمل کی بناء پر ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں ملا علی قاریؒ نے بحیثیت اسی دلیل سے مزارات پر گنبد بنانے کو جائز قرار دیا ہے۔

سوال: قبر کا پختہ کرنا اور نشان امتیازی بنانا کیسا ہے؟

جواب: قبر کو تعمیر یا سائیزوں سے پختہ اس لیے بنایا جاتا ہے کہ آثار باقی رہیں اور فاتحہ پڑھنے والے فاتحہ پڑھ سکیں۔ ایصال ثواب اور زیارت کرنے والوں کو دشواری نہ ہو اور قبر اپنی اصلی حالت پر رہے نیز جن مقامات کی مٹی کمزور ہے وہاں قبر منہدم نہ ہو جائے۔ لیکن صرف اوپر کا حصہ پختہ بنانا جائز ہے اندر سے قبر کا حصہ پختہ نہ بنایا جائے۔ قدیم لفظاء کے چند حوالے عرض ہیں۔

”قیل لا باس به وهو المختار“۔ یعنی قبر پر کنگل کرنے اور اس کے گرد عمارت بنانے میں حرج نہیں اور یہی مذہب وقول مختار ہے۔ (تنویر الابصار و در مختار)۔ مشائخ بخاری فرماتے ہیں ہمارے شہر میں یکنی اینٹ کروہ نہیں کیونکہ زمین کمزور ہونے کے باعث اس کی ضرورت ہے۔ (شامی)۔

سوال: قبر کا نشان امتیازی کیسا ہے؟

جواب: بعض علاقوں میں قبر کے سر ہانے کوئی پتھر لگا دیتے ہیں تاکہ اس کے میت کا نشان امتیازی معلوم رہے اور پتہ چل جائے کہ یہ کس کی قبر ہے اس کی اصل بھی ابوداؤد و شریف میں موجود ہے صرف حدیث کا ترجمہ نہیں خدمت ہے۔ جب حضرت عثمان بن مظعون نے وفات پائی اور وہ دفن کر دیئے گئے تو نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو ایک پتھر لانے کا حکم فرمایا مگر وہ بھاری ہونے کے سبب اسے نہ اٹھا سکیے تو آپ خود اس پتھر کے قریب تشریف لے گئے اور آستین چڑھا لی۔ راوی نے کہا کہ جب آپ نے اپنی کالیوں سے پتھر اٹھا کر اس میں آپ کی کالیوں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ ثم حملها فوضعتها عند راسه فقال اعلم بها قبر احی و ادفن الیه من مات عن اہلی۔ پھر آپ نے اس پتھر کو اٹھا کر اس کے سر کے قریب رکھ دیا اور فرمایا کہ اس پتھر سے میں اپنے بھائی کی قبر کا نشان رکھاؤں گا۔ وفات پائے گا اس کے پاس دفن کروں گا۔

علامہ سید ابن عابدین رد المحتار میں فرماتے ہیں۔ فی الاحکام من جامع الفتاوی و قیل لا یکرہ ابناء اذا کان المیت من العلماء و السادات۔ ترجمہ: یعنی احکام میں جامع الفتاوی سے منقول ہے کہ کیا ہے کہ قبر کے گرد عمارت یا غلہ نہیں بنائی جاتی۔

مشائخ اور علماء اور سادات کی ہو۔ تفسیر روح البیان میں ہے۔ اولیاء و ولی کی قبروں پر تقبے بنانا چادر، عمامہ، کپڑوں کا ڈالنا جب اس سے مقصود عوام کی نگاہوں میں اہل قبور کی تعظیم ہو اور صاحب قبر کی تحقیر نہ ہو ایک امر جائز ہے۔ (تفسیر روح البیان)۔

سوال: قبر پر کتبہ لگانا کیسا ہے؟

جواب: قبر پر کتبہ لگانا تاکہ از کو میت کا نام تاریخ وصال معلوم ہو جائے یہ عمل بھی فقہاء کرام کے نزدیک جائز ہے چنانچہ درمختار میں سراجیہ سے منقول ہے۔ "یعنی قبر پر لکھنے میں حرج نہیں اگر اس کی حاجت ہو تاکہ اثر و نشان نہ جاتا رہے"۔ حاکم فرماتے ہیں۔ مشرق سے مغرب تک ائمہ مسلمین کی قبروں پر لکھانی موجود ہے اور یہ عمل خلف نے ملت سے لیا ہے۔

سوال: بوسہ قبر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: علماء اہلسنت نے بوسہ قبر کو ہر شخص کے لیے عام کرنے سے احتراز برتا ہے۔ لیکن جہاں تک نفس بوسہ قبر کا تعلق ہے وہ اپنی اصل اور سند کے لحاظ سے صحیح اور ثابت شدہ ہے چنانچہ احادیث شریف پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

عن عائشةؓ قالت ان رسول الله ﷺ قبل عثمان بن مظعون وهو يبكي حتى سال دموع النبي ﷺ على وجه عثمان - (رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے حضرت عثمان بن مظعونؓ کو حضور ﷺ نے بوسہ دیا جب کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ مردہ تھے اور نبی اکرم ﷺ رو رہے تھے اور آپ ﷺ کے آنسو حضرت عثمانؓ کے چہرے پر تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردے کو بوسہ دے سکتے ہیں۔ جس طرح حضرت عثمان بن مظعونؓ کو حضور ﷺ نے بوسہ دیا۔

امام احمد بن حنبلؒ سے جب بوسہ قبر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اعز نے (کتاب علل و السوالات) کہا کہ میں نے عبد اللہ بن احمد بن حنبلؒ سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا اس شخص کے بارے میں جو حضور انور ﷺ کے منبر کو مس کرتا اور بوسہ دیتا ہے اور قبر

مبارک کے ساتھ بھی جی کرتا ہے یعنی بوسہ دیتا ہے اور اس میں خدا سے ثواب کی امید کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال: بزرگوں اور والدین کے ہاتھ چومنا کیسا ہے؟

جواب: علامہ زین الدین نے فرمایا کہ منبرک مقامات کا بھصد تبرک بوسہ دینا اور اسی طرح بزرگوں کے ہاتھ پاؤں کا چومنا بہتر اور پسندیدہ ہے باعتبار قصد اور نیت کہ (علامہ یعنی شرح بخاری، جلد ۴)۔ اسی طرح والدین کے ہاتھ چومنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

سوال: بزرگوں کے لباس میں کفن دینا کیسا ہے؟

جواب: بزرگوں کے استعمال کردہ کپڑوں میں کفن دینا جائز ہے اور یہ طریقہ بھی اپنی اصل اور سند کے لحاظ سے درست ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ حضرت ام عطیہ انصاریہؓ سے روایت ہے کہ جس وقت حضور پاک کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ میری کے پتے جوش دیئے ہوئے پانی سے تین یا پانچ بار غسل دو اور اگر ضرورت ہو تو اس سے زیادہ اور آخر میں کافور لگاؤ اور جب غسل سے فارغ ہو تو مجھے مطلع کرو وہ فرماتی ہیں کہ ہا ہم فارغ ہوئے تو حضور ﷺ کو خبر دی۔ آپ نے اپنی تہبند عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ صاحبزادی کے بدن سے اسے ملا ہوا رکھنا۔

سوال: کفن پر کلمہ طیبہ تحریر کرنا یا قبر میں عہد نامہ رکھنا کیسا ہے؟

جواب: حضرات اہلسنت کے ہاں یہ جو طریقہ چلا آ رہا ہے کہ کفن یا علیحدہ کپڑے پر کلمہ طیبہ تحریر کر دیتے ہیں تا کہ ان کی برکت سے عذاب قبر میں کمی ہو یا تکبیرین کے سوالوں میں آسانی ہو یہ طریقہ بھی اپنی اصل کے اعتبار سے صحیح ہے۔

امام ترمذی نے نوادر الاصول میں روایت کی جو شخص یہ دعا کسی پر چہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھے اسے عذاب قبر نہ ہو اور نہ منکر و تکبیر نظر آئیں۔ وہ دعا یہ ہے "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لا الہ الا اللہ لہ المملک ولہ الحمد لا الہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔

درختار میں ہے امر دے کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کی بخشش کی امید ہے۔ کسی بزرگ نے وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دیں وہ لکھی گئی پھر خواب میں وہ نظر آئے استعجاب حال پر فرمایا۔ جب میں قبر میں رکھا گیا تو عذاب کے فرشتے آئے جب پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہوئی دیکھی تو بولے عذاب سے امان ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے تصحیح العقائد از علامہ عبدالحامد بدایونی، صفحہ 114) دیکھیں۔

سوال: قبر میں شجرہ رکھنا کیسا ہے؟

جواب: قبر میں شجرہ رکھنا بھی درست اور صحیح طریقہ ہے چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے فتویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر میں شجرہ رکھنا بزرگوں کا معمول ہے شجرہ رکھنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینے پر کفن کے اندر یا باہر رکھا جائے۔ لیکن فقہاء نے اس طریقے سے منع کیا ہے کہ مردے کے سینے سے خون وغیرہ کے چھلنے سے بے ادبی کا خطرہ ہے البتہ دوسرا طریقہ صحیح ہے وہ یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں ایک طاقتی بنا کر اس میں شجرے کا کاغذ رکھ دیا جائے۔

سوال: اولیاء اللہ کے قریب دفن کرنا کیسا ہے؟

جواب: عرصہ سے یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ مسلمانوں کو اولیاء اور علماء کے قریب دفن کیا جاتا ہے تا کہ ان کی برکت سے خدا عذاب قبر سے محفوظ فرمائے اور اس کی اصل بھی حدیث سے ثابت ہے۔ عمرو بن میمون از دی سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا حضرت عمرؓ انھوں نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے میرا سلام کہہ کر سوال کرو کہ میں حضور اکرم ﷺ اور حضرت صدیق کے پاس دفن کیا جاؤں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا میں نے اس جگہ کو اپنے لیے رکھا تھا لیکن اب میں ترجیح دیتی ہوں حضرت عمرؓ کو اپنے نفس پر پس جب حضرت عبداللہ واپس آئے تو امیر المؤمنین نے پوچھا کیا خبر لائے عرض کیا (عبداللہ نے) اجازت دے دی، آپ نے فرمایا کوئی چیز مجھے اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ اہم نہ تھی۔

علامہ یعنی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ یعنی اس حدیث میں اچھے لوگوں کے جوار میں دفن ہونے پر حرص ہے کہ جب ان پر رحمت نازل ہو تو دوسرے صاحب قبر کو بھی پہنچے جو اہل خیر ان لوگوں کی زیارت کریں وہ اس قبر کے لیے بھی دعا کریں۔ راقم کا ذاتی مشاہدہ بھی ہے جب اللہ کے بزرگ کسی جگہ پر بھی آرام ابدی فرما رہے ہوں تو بے شمار لوگ ان کی فاتحہ پڑھتے ہیں اور ان کی وجہ سے وہاں دوسرے دفن ہونے والے لوگوں کو بھی ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب مفتی دارالعلوم دیوبند اپنی کتاب عالم برزخ میں لکھتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا جب وصال ہوا اور مہندیوں کے مشہور قبرستان دہلی میں اپنے آباء و اجداد کے پاس دفن ہوئے تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنا مکافئہ بیان فرمایا کہ آج کے دن بھائی عبدالقادرؒ کی تعلیم میں دلی کے تمام قبرستانوں سے عذاب قبر اٹھایا گیا تھا یہ واقعہ حضرت امیر شاہ خالدؒ سے سنا۔ (عالم برزخ، صفحہ 24)۔

سوال: قبر پر پانی چھڑکنا کیسا ہے؟

جواب: قبر پر پانی چھڑکنا بھی صحیح ہے حضرت جابرؓ سے مروی ہے اس شخص نے کسی راہب کی قبر منورہ پر پانی چھڑکا وہ ہلال بن ربیع تھے انھوں نے مقلد سے پانی پھیرا کہ سہارے کی طرف سے شروع کیا اور پانی پر ختم کیا۔ (رواہ الترمذی فی دلائل الامم 7)۔

سوال: قبر پر آذان دینا کیسا ہے؟

جواب: قبر پر آذان دینا اور ذکر اذکار کرنا درست ہے اس وجہ سے مردے کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ بتاتی نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کی! جب حضرت سعد بن معاذ دفن کروئے گئے اور قبر درست ہو گئی حضور پاک ﷺ دیر تک وہاں سب حان اللہ فرماتے رہے پھر حضور ﷺ نے اللہ اکبر فرمایا صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ (یہی کلمات) فرماتے رہے اس کے بعد صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ نے اول تبلیغ پھر تکبیر کیوں فرمائی۔ فرمایا (حضور ﷺ نے) اس تک مرد پر اس کی قبر تک ہو گئی یہاں تک کہ خدا نے کشادہ فرمائی چونکہ قبر میں شیطان آکر ورعلاتا ہے اس لیے آذان دی جاتی ہے تاکہ شیطان دفع ہو جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے جب سو فون آذان کہتا ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز (شیطان کو ہوا نکل جاتی ہے) کرتا ہوا بھاگتا ہے۔

سوال: قبر پر پھول ڈالنا یا تر شاخ لگانا کیسا ہے؟

جواب: یہ طریقہ بھی صحیح ہے کہ قبر پر بعد دفن پھول ڈالتے اور شاخ تر لگاتے ہیں۔ بخاری شریف میں تفصیلاً حدیث مبارک موجود ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ یامدینہ کے باغوں میں سے ایک باغ کے پاس سے گزرے تو دو آدمیوں کی آواز سنی کہ ان پر قبروں میں عذاب ہو رہا ہے حضور اقدس نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات پر نہیں ہو رہا کہ جس سے بچنا مشکل ہو فرمایا ان میں ایک تو پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا پھلکھوری کرتا تھا پھر کھجور کی ایک شاخ تر منگو کر دو ٹکڑے کئے اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایسا کیوں کیا فرمایا تاکہ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہو جب تک کہ یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔

حدیث اور آیات سے یہ امر ثابت ہے کہ ہر زندہ چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے کھڑکی کی حیات یہ ہے کہ جب تک وہ تر ہے زندہ ہے اسی حدیث کی بناء پر قبر پر پھول ڈالتے ہیں کہ جب تک وہ تر رہیں گے تسبیح کرتے رہیں گے اور مردے کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ یہ حدیث قبر پر پھول ڈالنے کی اصل ہے۔

سوال: کلمہ طیبہ کے ختم شریف کے بارے میں اور تعداد کی بھی وضاحت کر دی جائے۔

جواب: ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا مجھے حضور اکرم ﷺ سے حدیث پہنچی تھی کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لیے اتنی بار کہا جائے اس کی بھی مغفرت ہو۔ میں نے اتنی ہی مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھا اور اس میں کسی کے لیے خاص نیت نہ تھی میں اپنے رفقاء میں سے ایک رفیق کے ہاں دعوت میں گیا ان میں ایک وہ جوان بھی تھا جس کے کشف کا شہرہ تھا وہ کھانا کھاتے ہوئے رونے لگا سب پوچھا کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں میں نے اپنے دل میں پڑھے ہوئے کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا وہ اسی وقت ہنسے اٹھ اٹھے لگا اب میں اپنی ماں کو اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف سے پہچانی اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے پہچانی۔ بعض احادیث میں ستر ہزار کے بجائے ایک لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر میت کو بخشے کا ذکر آیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اس کے باعث میت کی مغفرت ہوتی ہے۔

نذر کا شرعی حکم

﴿ او نذر تم من نذر - پارہ ۳، سورہ بقرہ، آیت 240 ﴾

سوال: نذر سے کیا مراد ہے؟

جواب: نذر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک نذر لغوی اور دوسری نذر شرعی۔

نذر لغوی سے مراد نذرانہ، تحفہ اور ہدیہ کے ہیں۔ (فیروز اللغات اردو)۔ کسی بڑے کے سامنے کوئی چیز یا نقدی بطور تحفہ پیش کرنا۔ ایسی نذر جائز ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خود حضور ﷺ آپس میں ایک دوسرے کو ہدایا دینے کی تلقین کرتے تھے۔ تہاؤوا تحابوا۔ موطا امام مالک صفحہ 707، ہدیہ بھیجو ایک دوسرے کے دوست ہو جاؤ گے۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری بھی نذر کو لغوی معنی میں استعمال کرتے ہوئے لکھتے ہیں، بزرگوں سے دعا کرنا سنت ہے اور ان کی نذر کو کوئی پسندیدہ چیز لے جانا بھی جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ کے صحابہ بھی ایسا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ منع نہ کرتے تھے۔ (فتاویٰ ثنائیہ، جلد ۲، صفحہ 365)۔ معلوم ہوا کسی زندہ بزرگ کو نذرانہ، ہدیہ دینا جائز ہے۔ اسی طرح کوئی مسلمان کسی مزار پر جائے اور صاحب مزار کی فاتحہ خوانی اور زیارت کے لیے آنے والے مہمانوں کے کھانے، دہانے اور روشنی کا انتظام کرے اور اس کا ثواب صاحب مزار کی روح کو ہدیہ کرے یہ بھی جائز ہے۔

سوال: نذر شرعی کیا ہے؟

جواب: یہ نذر عبادت ہے اس لیے یہ نذر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگی اگر کسی نے کسی نبی، ولی کے لیے بھی ایسی نذر مانی تو یہ نذر حرام ہوگی۔

اہلسنت نے غیر اللہ کے لیے نذر شرعی کو جائز قرار نہیں دیا ہے اور کسی بھی آستانے پر نذر شرعی ماننا جائز نہیں۔ علامہ غلام رسول سعیدی شرح صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ 817 میں تحریر فرماتے ہیں! "فتاویٰ کی تصریح کے مطابق غیر اللہ کے لیے شرعی نذر ماننا ناجائز ہے اور گناہ ہے ہاں غرض نذر یعنی نذرانہ یا ایصال ثواب جائز ہے۔ غزالی زمان علامہ احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں۔ بزرگوں کے نام پر جو جانور وغیرہ مشہور کیے جائیں گے اگر

ان جانوروں پر اولیاء اللہ کے لیے نذر شرعی مانی جائے جو یقیناً عبادت ہے تو ایسا نذر (نذر ماننے والا) مرتد ہے۔ (مقالات کاظمی، جلد ۳، صفحہ 384)۔ معلوم ہوا مسلمان انبیاء اولیاء کے لیے نذر شرعی کے ہرگز ہرگز قائل نہیں ہیں۔ ہاں اگر کسی نے نذر شرعی تو اللہ تعالیٰ کے لیے مانی لیکن اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح مبارک کو پہنچایا تو یہ جائز ہے۔ مشہور اہل حدیث عالم وحید الزماں لکھتے ہیں اگر نذر اللہ کے لیے مانی اور اس کا ثواب کسی نبی، ولی یا اموات میں سے کسی کی روح کو پہنچایا تو یہ جائز ہے اس زمانے میں اس کا نام لوگوں نے فاتحہ رکھا ہوا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اور شاہ اسحاق نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔

(ہدایہ السعدی صفحہ 38)

سوال: قنوت نازلہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: وتر کی تیسری رکعت اور رکوع سے پہلے دعا قنوت ہمیشہ پڑھنا سنت ہے اور فجر کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا مکروہ اور خلاف سنت ہے۔

سوال: قنوت نازلہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: قنوت نازلہ کا معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کی دعا۔ حضور ﷺ نے ایک بار ایک خاص مصیبت پہ چند روز یہ دعا قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیت قرآنی لے یہ دعا منسوخ فرمادی اس کے بعد نبی ﷺ نے پھر کبھی نہ پڑھی۔

بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے حضرت ماسم اہول کے ایک سال کے جواب میں ارشاد فرمایا "حضور ﷺ نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو قنوت تھے ایک جگہ تبلیغ کے لیے بھجوا دے شہید کر دیے گئے تو حضور نے ایک ماہ تک روع کے بعد ان کفار پر بدعا کرتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔" ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا، مگر کی وجہ سے صرف ایک ماہ رہا پھر منسوخ ہو گیا۔ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہؓ سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی، قبیلہ رطل و ذکوان پر بدعا کرتے ہوئے جب حضور ﷺ ان پر غالب آگئے تو چھوڑ دی۔ ابوراؤد و نسائی نے حضرت انسؓ سے روایت کی "ایہنا کی ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی اور پھر

چھوڑ دی۔

بعض صحابہ کرام حالت جنگ میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے لہذا بحالت جنگ پڑھنا جائز ہے ہمیشہ پڑھنا درست نہیں۔ دارقطنی اور ترمذی میں حضرت سید ابن غفلہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ سے سنا وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور ﷺ وتر کی آخری رکعت میں دعا قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہی کرتے تھے۔ امام محمد موطا میں اور حافظ ابن خسر و محدث نے امام ابو حنیفہؒ سے، انھوں نے حضرت حماد سے انھوں نے ابراہیم نخعی سے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابی رسول ﷺ سے روایت کی کہ آپ و تروا میں تمام سال رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھتے تھے۔ تفصیل کے لیے جہا، الجہن اور دوسرے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔

(جھاڑ پھونک، دم اور تعویذات)

سوال: کیا جھاڑ پھونک جائز ہے؟

جواب: وہ جھاڑ پھونک جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے اسماء و صفات پر مشتمل ہو۔

سوال: جھاڑ پھونک پر مسلمان کو کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

جواب: یہ عقیدہ رکھے کہ اس میں ہذا کوئی تاثیر نہیں بلکہ اس کی تاثیر اللہ کی تقدیر سے ہے۔

سوال: جھاڑ پھونک کے جواز پر کیا دلیل ہے؟

جواب: مسلم شریف کی وہ حدیث جسے عوف بن مالک نے روایت کیا! فرماتے ہیں ہم دور جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے پس ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ پس فرمایا حضور ﷺ نے کہ مجھ پر اپنا وہ جھاڑ پھونک دم پیش کرو! جھاڑ پھونک، دم، وغیرہ میں کوئی حرج نہیں جبکہ ان میں شرک نہ ہو۔

سوال: کون سے جھاڑ پھونک سے شریعت نے منع فرمایا ہے؟

جواب: جو عربی زبان میں نہ ہوں اور نہ یہ پتہ چلے کہ ان میں کیا ہے نیز تمام کفریہ، شرکیہ کلمات ان سے بھاڑ پھونک منع ہے نیز منکا، بار و غیرہ جو دور جاہلیت میں لٹکائے جاتے تھے، ناجائز ہیں۔

سوال: تعویذات لکھنے اور ان کا گلے میں لٹکانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایسے تعویذات جن میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی، صفاتی نام یا قرآن حکیم میں سے آیات ہوں انسانوں اور جانوروں پر جائز ہیں۔ ابن قیم نے ذوالمعاذ میں ابن حبان سے روایت کیا کہ میں نے جعفر بن محمد بن علی سے تعویذ آویں ان کرنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اگر وہ تعویذ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور لکھا کریمہ ﷺ کے کلام پاک سے ہو تو اسے لٹکا اور اس سے شفا حاصل کر۔ ابن قیم نے یہ بھی ذکر کیا کہ احمد بن حنبل سے ایسے تعویذات کے متعلق پوچھا گیا جو مصیبت کے وقت لٹکائے جاتے ہیں تو انھوں نے فرمایا! کوئی حرج نہیں۔

ابن قیم نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ کچھ قرآنی آیات اور ذکر پر مشتمل کلمات لکھا کرتے تھے اور جسے بیماری یا تکلیف ہوتی اسے پلایا کرتے تھے اور یہ اس لیے کہ اس میں برکت ہے۔ اور امام احمد نے اس کے جواز پر نص فرمائی ہے۔

سلام اور مصافحہ کی کیفیت۔

سوال: مسلمان کا سلام کرنا کیسا ہے؟

جواب: سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے۔

سوال: مصافحہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے۔

سوال: مصافحے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب: مصافحہ کرنے میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے اور ہاتھوں کے درمیان کوئی چیز وغیرہ حائل نہ ہو۔ اور ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ کیا جائے۔ اور انگوٹھے کو پکڑا جائے کیونکہ اس میں

ایک رگ ہے جو محبت کو زیادہ کرتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (تہذیبی)۔
سوال: دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی حدیث بھی نقل کی جائے۔

جواب: "صافح حماد بن زید ابن المبارک جدیدہ" حماد بن زید نے ابن مبارک سے
دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔ (صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ 826 مطبوعہ دارالحدیث کراچی)۔

سوال: بد مذہب کے پیچھے نماز پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: ابوداؤد اور مشکوٰۃ المصابیح میں ہے کہ ایک شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا تو نبی ﷺ نے اس کی قوم
سے فرمایا آئندہ یہ تمہیں نماز نہ پڑھائے۔ جب پوچھنے پر اس شخص سے فرمایا تو نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت
دی ہے۔ پتہ چلا کہ بے ادب اور بد مذہب کی امامت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

سوال: کچھ عبارات نقل کر دی جائیں تاکہ پتہ چل سکے کہ بد مذہب کی کیا پہچان ہے؟

جواب: ۱۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ (لعوذ باللہ) محمد ﷺ سے میری یہ پھڑکی بہتر ہے۔

۲۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ محمد ﷺ کا نماز میں خیال گم رہے اور نبل سے برا ہے۔

۳۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ انبیاء و اولیاء اللہ کی شان کے سامنے پڑے اور چہرے سے زیادہ ذلیل ہیں۔

۴۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ شیطان کا علم حضور ﷺ سے علم سے زیادہ ہے۔

۵۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ نبی ﷺ کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرنا چاہیے۔

۶۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ جس کا نام محمد یا علی ہو وہ کچھ اختیار نہیں رکھتے۔

۷۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ جزوی علم غیب میں نبی کی کیا تخصیص، ایسا علم تو بچے، پاگل اور جانوروں کو بھی حاصل
ہے۔ (لعوذ باللہ)۔

اس قسم کے عقائد اور اسی طرح ایسے تمام عقائد جو اللہ یا رسول اللہ ﷺ اور اولیاء اللہ کے متعلق ہیں جو
شریعت مطہرہ کے بنائے ہوئے اصولوں و ضوابط کے خلاف ہوں ان لوگوں کو امام بنانا اور دیگر معمولات میں
ساتھ دینا ناجائز ہے۔ سنن بیہقی میں اے ربک اللہ تعالیٰ بد مذہب کی نماز، روزہ، حج، عمرہ، جہاد اور فرضی و
نفل عبادات قبول نہیں کرتا۔ بد مذہب اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسا کہ بال کھن سے نکل جاتا ہے۔

فقہ حنفی کی مستند کتاب فتح القدیر میں امام اعظم کا ارشاد ہے بد مذہب کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ صحیح ابن مبارک میں
بد مذہب کے بارے میں نبی ﷺ فرماتے ہیں جس ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان کے ساتھ نہ بیٹھو اور ان کے
ساتھ نماز نہ پڑھو اور ان کی نماز بنائزہ نہ پڑھو۔ دارقطنی میں ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا بدعتی (بد مذہب)
لوگ جہنم کے کتے ہیں۔

سوال: بدعت کیا ہے؟

جواب: لغت میں نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں۔ لیکن شریعت میں جس بدعت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے وہ اور چیز
ہے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں بدعت وہ چیز ہے جو رسول اللہ ﷺ، خلفاء راشدین اور صحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقدس زمانے میں نہ ہو۔

جواب: اس سوال کے دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب یہ ہے کہ آپ کی تعریف کی
روشنی میں، کیا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے زمانے میں سیون اپ، مرہڑا، روح افزاء، نورس اور چائے وغیرہ
تھیں اگر نہیں تو پھر آپ کی تعریف کے مطابق یہ شروبات پینے والے بدعتی اور جہنمی ہوتے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس کام کو ثواب سمجھ کر کیا جائے اسے بدعت کہتے ہیں۔

جواب: یہ تعریف کسی صحابی سے اگر منقول ہے تو سند اور حوالہ دیا جائے۔ ورنہ کا مقل صرف لانا اور دینا
سے ہی نہیں بلکہ کھانے پینے کی اشیاء سے لے کر زندگی کے تمام شعبوں سے ہے۔ انہیں بدعت کہنا صحیح ہے۔
بیٹہ کرکھانے اور تین مائیسوں میں پانی پینے کی تلقین ظاہر کرتی ہے کہ یہ بدعت ہے۔

سوال: کیا دین میں نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں؟

جواب: یہ تعریف بھی درست نہیں ہے اگر دین میں نئی چیز کا نام بدعت ہے تو منہ و دل سے نکل کر کیا
جائے۔

۱۔ دین کا سب سے بڑا ماخذ قرآن ہے اس پر امام رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بد مذہب کرام کے
زمانے میں لگائے گئے، بلکہ جہان بن پوسف نے لگوائے تھے۔

۲۔ مساجد کے مینار نہ صحابہ کرام اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے۔

۳۔ دینی مدارس کی موجودہ شکل مخصوص نصاب تعلیم، معین اسباق کا معین پریدہ پڑھنا، سہ ماہی، ہفت ماہی، سالانہ امتحان، عہد نبوی اور نہ صحابہ کے دور میں تھے۔

اگر ہر نیا کام بدعت ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ہرگز نہ فرماتے "جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا پھر اس طریقہ پر اس کے بعد عمل بھی کیا گیا تو جتنا اجر اس طریقہ پر عمل کرنے والے کو ملے گا اتنا ہی اجر طریقہ ایجاد کرنے والے کو بھی ملے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں سے ذرہ برابر بھی کسی نہ کی جائے گی۔ اور جس شخص نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا پھر اس کے بعد اس برے طریقہ پر عمل بھی کیا گیا تو جتنا گناہ عمل کرنے والے کو ملے گا اتنا ہی گناہ طریقہ ایجاد کرنے والے کو بھی ملے گا اور عمل کرنے والے کے گناہ میں ذرہ بھی کمی نہ کی جائے گی۔" (صحیح مسلم شریف، جلد دوم، صفحہ 431)۔ اگر ہر نیا کام بدعت ہوتا تو محدثین کرام بدعت کی مندرجہ ذیل پانچ اقسام نہ بیان فرماتے۔ ۱۔ بدعت واجبہ، ۲۔ بدعت بحرہ، ۳۔ بدعت مندوبہ، ۴۔ بدعت مباحہ، ۵۔ بدعت مکروہہ۔

مذکورہ بالا توضیح کے بعد نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں بدعت کی صحیح تعریف حضور ﷺ کی زبان سے سنتے ہیں۔ ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة۔ جب کوئی قوم بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس کی مثل سنت ختم ہو جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ 31)۔ یعنی بدعت وہ ہے جس کے اختیار کرنے سے سنت بدل جائے اگر کسی عمل سے سنت نہیں بدلتی تو وہ عمل بدعت نہیں کہلائے گا۔ مشہور غیر مقلد علامہ وحید الزماں نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ "کل شیء لك مطلق حتى يرد فيه نهی"۔ ہر چیز کا کرنا تجھ کو روا ہے یہاں تک کہ اس کی ممانعت میں کچھ وارد نہ ہو جائے۔ یعنی قرآن اور حدیث میں اس کی ممانعت نہ آجائے۔ یہ حدیث دین کی بڑی اصل ہے تمام کھانے پینے، پہننے کی چیزیں، دنیا کے رسم و رسومات مباح ہیں۔ جب تک ان کی ممانعت کسی نص سے ثابت نہ ہو۔ (لغات الحدیث کتاب "ط" جلد ۳، صفحہ 38)۔

اہم شائق کا فرمان ہے اسے کام کی دو قسمیں ہیں۔ (۱)۔ وہ نیا کام جو کتاب و سنت یا اثر یا اجماع کے

خلاف ہو۔ یہ نیا کام بدعت منکرات کہلائے گا۔ (۲)۔ وہ نیا کام جو بہتر ہو اس میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس نئے کام میں قطعاً کوئی برائی نہیں ہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات از امام نووی ج ۲، ص 23، ج اول)۔

ابن ماجہ شریف میں حدیث ہے حضرت سلمان فارسیؓ راوی ہیں! صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے چند چیزوں کی حلت و حرمت کے متعلق پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "حلال وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس کا ذکر نہیں کیا وہ سب معاف ہیں"۔ ابن ماجہ شریف، صفحہ 249۔ آج جو لوگ میلا، دھریف، مہاس، ایصال ثواب، اذان سے قبل یا بعد دعا، شریف، جنازہ کے بعد دعا وغیرہ معمولات ابلسنت کو حرام، ناجائز کہتے ہیں ان کو سوچنا چاہیے کہ اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے ان میں سے کس چیز کو حرام قرار دیا ہے، اگر حرام قرار دیا ہے تو وہ آیت و حدیث دکھائی جائے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر قلعہ بازی سے پرہیز کیا جائے اس لیے کہ اللہ نے حرام قرار دینے کے اختیارات ان لوگوں کو نہیں دیے لہذا اتحاد عالم اسلامی کا تقاضا ہے کہ خواہ مخواہ فتنہ و فساد سے بچنا چاہئے۔

نوٹ: آج کل ٹینک، توپیں، میزائل، ایٹم بم اور دوسری ایسی اشیاء، یہ سب جائز اور بعض صورتوں میں حاصل کرنا ضروری ہے اور اسلام نے اجتہاد اور ایجادات کے پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا اعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ۔ ترجمہ: دشمن کے مقابلے میں اپنی پوری قوت سے تیاری رکھو۔ التسلل کے لیے حضرت علامہ محمد سعید احمد اسعدی کتاب 'بدعت اور اس کی حقیقت' کی طرف رجوع کیا جائے۔

اختتامیہ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامیاب اسلامی زندگی کا ایمان کے بعد انحصار درست عقائد اور مسنون اعمال پر ہے۔ اللہ پاک کی ذات مقدسہ کو قدیم، ازل، ابدی، خالق کن، قیون، رازق، خسیبی، ہمیت، علیم، سمیع، بصیر، معبود برحق، جسم و جہت سے پاک و متزہ و غیر ہم اوصاف سے متصف الہی طرح جاننا کہ جس کی مثل بہر طور محال ہو۔

حضرت سید ولد آدم سید الانبیاء والمرسلین گویا آسمان ہدایت کے سورج بھی وہی، چاند بھی وہی۔ جو کچھ حضور ﷺ سے امت مسلمہ تک پہنچا سب حق و سچ ہے۔ حضور ﷺ ذاتا اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم خلقا خلقا، علما عملا بے مثال، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین اور شافع المذنبین ہیں۔

کتاب و رسل سابقین اور انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے فرستادہ، فرشتے اس کی نورانی فرمانبرداری مخلوق جن سے کسی قسم کی غلطی کا ہونا فطرۃ محال ہے۔ اچھی بری تقدیر محاسب اللہ قرار دینا، اور قیام قیامت جزا و سزا کا اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا۔ سب کا تعلق اعتقاد سے ہے اور ایمان کے اجزاء ہیں۔

انہی عقائد کو بنیاد بنا کر اعمال کی دنیا میں آنا، جن میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد کو مسنون طریقہ سے پایہ تکمیل تک پہنچانا ضروری ہے۔

کتاب کی تالیف کا مقصد ہر دو سطح عقائد و اعمال پر عامۃ المسلمین کی رہنمائی کرنا تھا۔ مؤلف نے اپنی ہی کوشش کی جس میں معروف ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے بلا تعصب و روعایت بلا کم و کاست ملت اسلامیہ کی بہتری کی خاطر ان مختلف فیہ امور فی الاعتقاد و الاعمال کو محققین کے اقوال و افعال کی روشنی میں موضوع بحث بنایا۔

یہاں یہ بات ظاہر کرنے کے لائق ہے کہ جملہ اعتقادات و اعمال احلسنت و الجماعت سواد اعظم کے سلف صالحین کے اقوال و مسنون اعمال کی روشنی میں مرتب کر رہے ہیں جہاں بعض جگہ ضرورت کسی خاص مسلک، فرد مسلک کا حوالہ دیا گیا ہے تو اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مؤلف کے نزدیک یہ مسلک یا فرد و سند سمجھ لیا گیا ہے۔ بلکہ اس حوالہ سے مقصد ان بہرہ یوں کو ظاہر کرنا جو سوء من بعض و نکفو بعض پر پورے طور پر عمل

پہنچائیں۔ اور ملت اسلامیہ کو پارہ پارہ کرنے کے درپے ہیں۔ اور سواد اعظم کا بہرہ و ہمارا گرسا دہ لوح مسلمانوں کو بے راہ روی کا شکار بناتے ہیں۔ اندر میں حالات ضروری تھا کہ مختصر طور پر ان عقائد و اعمال کو یکجا طور پر تالیف کر لیا جائے۔ مؤلف نے یہ فریضہ انجام دیا ہے اب قارئین کرام ہی بہتر فیصلہ دے سکتے ہیں کہ مؤلف اپنی اس کاوش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔

مگر قبول اقتدر ہے عز و شرف

ڈاکٹر خان گل خان

رہائے۔ راولا کوٹ پوچھ آؤ کشمیر

اولیاء کرام کی خداداد عظمت و جلالت

﴿مصنف﴾

السید اسمعیل بن مہدی بن حامد الغربانی حسنی

﴿مترجم﴾

حضرت علامہ محمد ساجد الہاشمی

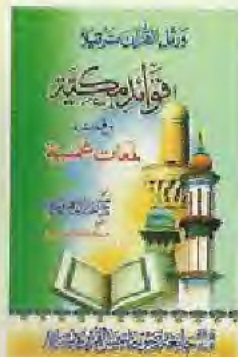
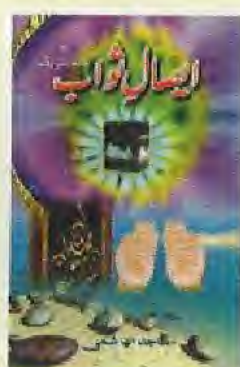
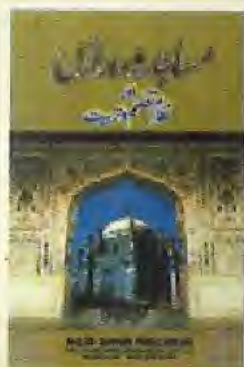
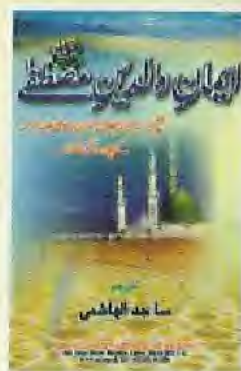
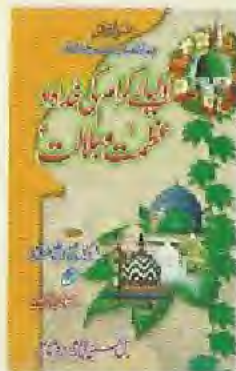
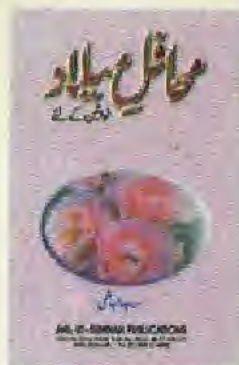
ایم اے عربی و اسلامیات فاضل درس نظامی

”اولیاء کرام کی خداداد عظمت و جلالت“ یہ نہایت عظیم و ضخیم جلد کتاب جو 560 صفحات پر مشتمل ہے جس میں اولیاء کرام کی شانِ عظمت و جلالت کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور ان کی حیات مبارکہ اور بعد از وصال کرامات و برکات کا مدلل تذکرہ فرمایا ہے اور منکرینِ شان رسالت کے شبہات و اعتراضات کا خوب دفیہ کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ سب اولیاء کرام کا عقیدہ و مسلک اہل سنت و جماعت ہے

قیمت ----- 180 روپے

اہل السنہ پبلی کیشنز

شاندار ٹیکری والی گلی منگلاروڈ دینہ تحصیل جہلم فون نمبر: 0541:634759



Phone: 0541-634759

اسلامی عقائد پر جدید انداز حیرت انگیز اسلوب کی علمی تحقیق

اسلامی عقائد

تصنیف

ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی

ترجمہ

مفتی شیخ فرید الدین برکاتہ العالیہ



دش کے عظیم اسلامی اسکالر ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی کی
اسلامی عقائد پر جدید انداز حیرت انگیز اسلوب کی علمی تحقیق

علی تحقیقات پرمشتمل تصنیف

اسلامی عقائد

تصنیف

ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی شام

ترجمہ

مفتی شیخ فرید دامت برکاتہم العالیہ



شیر برادرز
نشر و مکتبہ، بازار لاہور
فون: 042-37246006

دار الفکر اسلام آباد

محمد حقوقہ ملکیت سے بحق ناشر محفوظ ہے

اسلامی عقائد

ناشر ملک شہیر حسین

بن شامت

جون 2010ء / ربیع الثانی 1431ھ

طابع

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

کیننگ

ورڈز میکو

سرورق

لے آؤٹ ایس اینڈ ورائٹر ور
0345-4653373

قیمت

300/- روپے

برادرز
لاہور

ضروری التفاس

دار الفکر اسلام آباد نے بن شامت کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح کی ہے اور اس کی اشاعت کی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے پہلے اس کی اشاعت کی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے پہلے اس کی اشاعت کی ہے۔

ترتیب

- ۱۳ اسلامی عقائد
- ۱۳ تحقیق حقیقت کا منہج علمی، مسلمان علماء اور غیر مسلم اہل علم کے ہاں
- ۱۶ مسلمان علماء و مفکرین کے ہاں تحقیق کا منہج
- ۱۸ تحقیق خبر کے لئے اختیار کیا جانے والا طریقہ
- ۲۱ دعاوی کی تحقیق کے لئے اختیار کیا جانے والا طریقہ
- ۲۳ ۱۔ دلالت التزام کا اعتبار
- ۲۳ دلالت التزام کا مطلب
- ۲۶ دلالت التزام کی اقسام
- ۲۶ ۱۔ لزوم غیر بین
- ۲۷ ۲۔ لزوم بین بالمعنی الاعم
- ۲۷ ۳۔ لزوم بین بالمعنی الاخص
- ۲۸ ۲۔ طریقہ قیاس
- ۲۸ اصل اول:
- ۲۸ اصل ثانی:
- ۳۲ مغربی مفکرین کے ہاں تحقیق کا منہج
- ۳۳ اخبار و نقول کے پرکھنے کا منہج
- ۳۷ علمی دعوؤں کی پرکھ کا منہج
- ۴۲ نبوت

- نبوت و رسالت کے معنی کی تحقیق اور ان میں سے ہر ایک کی تعریف ۴۲
- نبوت و رسالت میں فرق ۴۲
- نبی اور رسول میں سے ہر ایک کی تعریف ۴۳
- حقیقت وحی ۴۵
- (۲) انبیاء کرام پر ایمان کی کیفیت ۵۶
- انبیاء کرام کی صفات لازمہ ۶۳
- انبیاء کرام کے لئے چار صفات ضروری ہیں ۶۳
- پہلی صفت ۶۳
- دوسری صفت "امانت" ہے ۶۵
- تیسری صفت "گناہوں سے معصوم ہونا" ہے ۶۶
- چوتھی صفت "کمال عقل ضبط اور عدالت" ہے ۶۷
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا معاملہ ۶۹
- ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کا مسئلہ ۷۳
- اب تم پر ان دو سوالوں کا جواب دینا لازم ہے ۷۹
- (۳) معجزات ۸۲
- معجزہ کی تعریف ۸۲
- معجزہ پر اعتقاد کا حکم ۸۳
- ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ۸۳
- آپ کے معجزات میں سے پہلا معجزہ "قرآن" ہے ۸۳
- اور ان کے دعوے ۸۷
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر معجزات ۹۱
- مختصری گفتگو (تاریخی حادثات کے بارے میں) جو معجزہ کے مفہوم کے بارے میں ایک عرصہ تک رد کیا ہوتا رہا ہے ۹۳

- کاش وہ عقلیں مسلمانوں کی عقلیں نہ ہوتیں ۱۰۱
- معجزہ میزان علم میں ۱۰۱
- معجزہ اسلام اور قرآن کی میزان میں ۱۰۸
- نبوت محنت سے نہیں ملتی ۱۱۲
- (۳) خاتمہ ۱۱۵
- ایمان و اسلام میں فرق ۱۱۵
- (۵) تمہید ۱۱۸
- (۱) کونیات ۱۱۸
- (۲) انسان ۱۱۹
- انسان اشرف المخلوقات ہے ۱۱۹
- عقلی دلیل ۱۲۲
- خلاصہ کلام ۱۲۳
- انسان اپنے آغاز ظہور سے ہی مکمل شکل اور بہترین صورت پر پیدا کیا گیا ہے ۱۲۶
- اس حقیقت کے مقابلے میں نظریہ ارتقاء کا انجام ۱۲۸
- (۶) لامارکیہ ۱۳۱
- لامارکیہ پر تنقید ۱۳۲
- ڈاروینی نظریہ ارتقاء ۱۳۳
- ڈاروینی نظریہ پر تنقید ۱۳۶
- جدید ڈاروینی نظریہ ۱۴۱
- جدید ڈاروینی نظریہ پر تنقید ۱۴۱
- تمام تفصیلی نظریات پر تنقید کرنے کے بعد ارتقاء فی الجملہ کو کیوں اپناتے ہیں؟ ۱۴۳
- نظریہ ارتقاء اور اجناس کے درمیان موجود تاریخی اتصال دو الگ چیزیں ہیں ۱۴۸
- (۷) ملائکہ ۱۵۱

- وجود ملائکہ ۱۵۱
- صفات ملائکہ ۱۵۳
- فرائض ملائکہ ۱۵۶
- (۸) جنات ۱۶۱
- وجود جنات ۱۶۱
- اصل جنات ۱۶۴
- جنات کے وجود کا انکار ایسی حماقت ہے جس نے اپنے اوپر الفاظِ عمل کا خلاف چڑھایا ہوا ہے ۱۶۴
- (۹) عالم وجود میں قانونِ سنیت ۱۶۹
- عالم وجود میں قانونِ سنیت کی وضاحت ۱۶۹
- ہمارے اس صم کے ساتھ کہ تمام عالم از قبیل ممکنات ہے، سے قانونِ سنیت کیسے متفق ہو سکتا ہے؟ ۱۷۰
- وجود کا قانونِ سنیت کے تابع ہونے کی حکمت ۱۷۴
- (۱۰) جس کا عقیدہ رکھنا مسلمان پر واجب ہے ۱۷۹
- صحت عقیدہ کی صورت میں ایسے الفاظ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں جو بعض اشیاء کی بعض کے لئے سنیت پر دالت کرتے ہیں ۱۸۰
- رسل عظام اور انبیاء کرام سے توکل میں بدرجہ اولیٰ کوئی حرج نہیں ۱۸۱
- مظاہر کائنات کی تفسیر ۱۸۳
- (۱۱) الغیبات ۱۸۷
- مقدمہ ۱۸۷
- غیبات سے کیا مراد ہے؟ ۱۸۷
- غیبات کو سمجھنے اور ان پر اعتقاد رکھنے کے بارے میں علمی منہج کیسے منطبق کیا جائے گا؟ ۱۸۸

- موت سے متعلق حقائق ۱۹۲
- (۱) ملک الموت ۱۹۳
- جواب: ۱۹۴
- (۲) سوالِ قبر ۱۹۶
- جواب: ۲۰۰
- (۳) قبر کا عذاب اور محفیم ۲۰۱
- بطانِ تناسخ ۲۰۵
- (۱۲) علاماتِ قیامت ۲۰۹
- قیامت کی علاماتِ کبریٰ ۲۱۰
- (۱) ظہورِ دجال ۲۱۱
- (۲) حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہا السلام) کا نزول ۲۱۷
- (۳) قادیانی فرقہ کی گمراہی ۲۳۰
- (۴) یاجوج و ماجوج کا ظہور ۲۳۲
- (۵) رابۃ الارض کا ظہور ۲۳۶
- (۶) آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ۲۳۸
- (۱۳) روزِ قیامت اور اس کے حادثات ۲۴۰
- تمہید ۲۴۰
- قیامت کیسے قائم ہوگی اور حیات کیسے معدوم ہوگی؟ ۲۴۱
- قیامت کے دن جدید ایٹمی اسلحہ کے استعمال کا کوئی تعلق نہیں ۲۴۱
- قیامت کے قیام پر دلائل ۲۴۲
- انسان مرنے کے بعد اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا ۲۵۰
- حشر اجساد اور ان میں اعادۃ ارواح کی کیفیت ۲۵۱
- حساب ۲۵۵

- قیامت کی ہولناکی ۲۵۷
- دزن اور میزان ۱۶۱
- پلی صراط اور اس کا عبور کرنا ۲۶۳
- شفاعت ۲۶۷
- حوض کوثر ۲۶۹
- جنت اور دوزخ ۲۷۲
- (۱) جنت اور دوزخ، دو مادی حسی چیزیں ہیں ۲۷۲
- (۲) جنت اور دوزخ دائمی ہیں، ان کی کوئی انتہاء نہیں ۲۷۶
- (۱۳) ارتداد اور اس کے اسباب ۲۸۰
- اسباب ارتداد کا مدار ۲۸۱
- میزان اول ۲۸۱
- میزان ثانی ۲۸۳
- ان دونوں میزانوں کی تطبیق ۲۸۶
- اقوال ۲۸۶
- افعال ۲۸۷
- استہزاء و تحقیر کے دائرے میں آنے والے امور ۲۸۷
- ارتداد کا مستوجب استہزاء یا تحقیر کا ضابطہ ۲۸۲
- خاتمہ اور نتیجہ ۲۹۲
- حاکمیت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے ۲۹۲
- انسان کا فریضہ ۲۹۵
- اس بارے میں منافقین کی عجیب و غریب روش ۲۹۶
- جھوٹی معذرت ۲۹۷
- جھوٹی تاریخ سے دلیل ۲۹۹

- اہل مغرب کے ہاں منہج تحقیق کے اضطراب کا مرکزی سبب ۳۱۵
- انسان کو اہم ترین صفات و ملکات سے نوازا گیا ہے ۳۱۸
- اسلامی عمارت کے مجموعہ میں عقیدے کا مقام ۳۲۳
- صحیح عقیدہ میں تعدد اور تخالف ممکن نہیں ۳۲۵
- قسم اول ۳۳۱
- الہیات ۳۳۱
- وجود باری تعالیٰ ۳۳۲
- مقدمہ ۳۳۲
- طریقہ تدریج من الاعلیٰ ۳۳۳
- ۱۔ ترجیح بلا مرجح کے باطل ہونے کی دلیل ۳۳۵
- تسلسل کے بطلان کی برہان ۳۳۸
- تسلسل کا مطلب ۳۳۸
- دور کے باطل ہونے کی دلیل ۳۳۳
- دور باطل کا مفہوم ۳۳۳
- قانون علیت یا علت غائیہ ۳۳۷
- جدلی مادیت ۳۵۷
- تاریخی مادیت ۳۶۱
- طریقہ تدریج من الادنیٰ ۳۶۷
- اللہ تعالیٰ کی صفات ۳۷۲
- ۱۔ صفت نفیہ ۳۷۲
- وجود کامل اور وجود ناقص ۳۷۳
- ب۔ صفات سلبیہ ۳۷۶
- ۱۔ وحدانیت ۳۷۶

۳۷۶	جز اور جزی کی تعریف
۳۷۷	کل اور کلی میں فرق
۳۷۷	وحدانیت پر عقلی دلیل
۳۷۸	وحدانیت پر عقلی دلیل
۳۷۸	۲- صفت قدم
۳۸۱	۳- صفت بقاء
۳۸۲	۴- قیام بالذات
۳۸۲	۵- مخالفت حوادث
۳۸۷	ج- صفات معانی اور صفات معنویہ
۳۸۹	۱- ان صفات کا ذکر اور ان میں سے ہر ایک کے معنی و دلیل کا بیان
۳۸۹	۱- علم
۳۸۹	۲- ارادہ
۳۸۹	۳- ارادہ و صلوحیہ اور تمیز یہ
۳۹۱	۳- قدرت
۳۹۲	۴- سمیع
۳۹۲	۵- بصر
۳۹۳	۶- کلام
۳۹۵	معتزلہ اور اہل السنۃ والجماعہ کے درمیان اختلاف کی حقیقت
۳۹۷	صلیبی مغریب اور مسئلہ خلق قرآن
۴۰۱	۷- حیات
۴۰۲	۲- صفات معنویہ
۴۰۲	۳- ان صفات میں سے ہر ایک صفت کے متعلق کا بیان
۴۰۲	قسم اول

۴۰۳	قسم ثانی
۴۰۳	صرف ممکنات کے ساتھ تعلق سے مجزوم راہیں لیا جائے گا
۴۰۷	قسم ثالث
۴۰۸	قسم رابع
۴۰۸	ان صفات پر مرتب ہونے والے حقائق اعتقادیہ
۴۰۹	۱- ان مذکورہ صفات کی اصناد اور تمام تفانص سے اللہ تعالیٰ منزہ ہے
	صفات سے متعلق آیات متشابہات اور ان کے بارے میں متقدمین و متأخرین
۴۰۹	میں سے ہر ایک کا موقف
۴۱۲	متقدمین اور متأخرین کا اتفاق موقف
۴۱۲	متقدمین کا موقف
۴۱۵	متأخرین کا موقف
۴۱۸	۲- اللہ تعالیٰ کے افعال سے علت غائیہ کی نفی
۴۱۸	علت غائیہ کی تعریف
۴۱۸	اللہ تعالیٰ کے افعال سے علت غائیہ کے انشاء کا بیان
۴۲۲	ثبوت عایت و اغراض کا وہم پیدا کرنے والی اوصاف
	مخلوقات میں نظام علیت کے ثبوت اور اللہ تعالیٰ کے افعال سے نظام علیت
۴۲۳	کے انشاء میں فرق
۴۲۷	۳- اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں
۴۲۷	اشیاء میں حسن و قبحا اعتباری ہیں
۴۲۷	حسن و قبح دو اعتباری حال ہیں۔ موجود ذاتی نہیں
۴۲۹	اس حقیقت سے ظاہر ہونے والے اہم نتائج
۴۳۳	اس میں مسئلہ میں معتزلہ کا اختلاف
۴۳۳	۴- اللہ تعالیٰ کے ارادے کے سامنے انسانی ارادے کا انجام

- ارادہ و رضا میں فرق ۳۳۷
- ۵- قضاء و قدر اور ان کا معنی اور ان دونوں پر وجوب ایمان ۳۳۱
- قضاء و قدر کی تعریف ۳۳۲
- قضاء و قدر پر وجوب ایمان کا مطلب ۳۳۲
- انسانی ارادہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور اس کے غضب کے تابع ہے ۳۳۹
- ۳- روایت باری تعالیٰ ۳۵۷
- جہت اول ۳۵۷
- معتزلہ کے شبے کا خلاصہ ۳۵۷
- اہل النیۃ کا موقف ۳۵۸
- جہت ثانی ۳۵۸
- دلائل اہل النیۃ والجماعۃ ۳۶۰
- معتزلہ کے دلائل کا جواب ۳۶۱
- جہت ثالث ۳۶۳
- نقصہ ثانی ۳۶۶
- النبیۃ ات ۳۶۶
- تمہید ۳۶۷



اسلامی عقائد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله صدياً يوافي نعيه ويكافئ مزيده يا ربنا لك الحمد
كما ينبغي لجلال وجهك ولعظيم سلطانك والصلاة والسلام
على سيدنا محمد النبي للعالَمين وعلى آله وصحبه
صلاة وسلاماً دائماً إلى يوم الدين

لنا بعد

تحقیق حقیقت کا منہج علمی، مسلمان علماء اور غیر مسلم اہل علم کے ہاں
تمہید نفس الامر کے مطابق حقیقت کا ادراک علم ہے۔ اس ادراک کے لئے
اختیار کیا جانے والا منہج بھی بغیر کسی شک و شبہ کے علم ہونا چاہئے۔ یعنی اس منہج کے
اقدامات و خطوات درحقیقت ایسے ادراکات صادقہ کا مجموعہ ہونا چاہئے جو زیر بحث
حقیقت سے نقاب اٹھا دے۔ کیونکہ علم اپنی مانند علم سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ ظن میں راہ
علم اور واسطہ یقین بننے کی صلاحیت نہیں۔ اگر ظن سے علم و یقین حاصل ہوتا تو پھر وہ
علمی مقدموں سے یقینی نتیجہ حاصل ہو جانا چاہئے تھا حالانکہ ایسا ہونا محال کی واضح ترین
صورت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی حقیقت کی تحقیق کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ایسا علمی
منہج اختیار کرے جس میں ظن و تخمین اور انکلی پچو اور وہم کا شائبہ تک نہ ہو اور اپنے اس
اختیار کردہ علمی طریقہ سے ذرہ بھر دائیں بائیں مائل نہ ہو اور یہ ایک ایسی واضح حقیقت

ہے جس میں کسی کو بھی شک و شبہ نہیں۔ ممکن ہے کہ اس مقام پر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ اسلامی اور مغربی فکر میں سے ہر ایک کا اس حقیقت کے سمجھنے اور اس کی اہمیت تسلیم کرنے میں کیا انداز ہے؟

بسا اوقات تحقیق حقیقت کی بجائے اجماع الموضوعی کا کلمہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ایک معروف و مشہور کلمہ ہے اور لوگوں کے ہاں اس کلمے کا متشرعین کی تحقیقات کے ساتھ ارتباط مشہور ہے۔ میں اس وقت اس سوال مذکور کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ قطع نظر اس کے کہ صرف اس شہرت پر اعتماد کر کے کوئی حکم لگانا حقیقت تک پہنچنے پر علمی منہج کی بجائے غوغائی منہج اختیار کرنا ہے اور ایسا طریقہ اختیار کرنا یقیناً ہمیں حقیقت سے دور کر دے گا۔ گرچہ بڑے غولیش یہ سمجھتے رہیں گے کہ وہ ہمیں حقیقت تک پہنچا دے گا۔

بہر حال اس وقت ہمیں سوال مذکور کا اس طرز سے جواب تلاش کرنا ہے کہ جس طرز کو مسلمان علماء اور مغربی مفکرین کسی بھی حقیقت تک رسائی کے لئے اختیار کرتے ہیں خواہ وہ حقیقت معیار یہ ہو یا حقیقت تاریخیہ۔

اب ہم اسلامی فکر کا اختیار کردہ منہج بیان کرتے ہیں۔ اس بارے میں سب سے پہلے ایک اہم حقیقت کا اعتراف کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ بحث و تحقیق کے سلسلے میں اسلامی فکر دقیق علمی منہج اختیار کرتی ہے۔ اس دقیق علمی منہج اختیار کرنے میں جو چیز اسلامی فکر کو مجبور کرتی ہے وہ اس کا دینی جذبہ ہے۔ اگر دینی عقیدہ اس کا سبب نہ ہوتا تو مسلمانوں کو اس مشقت بھرے منہج کو اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جس میں بغیر کسی مادی فائدے کے بہت سا وقت بھی صرف ہوتا ہے اور خوب محنت بھی کرنی پڑتی ہے اور اس کے بعد وہ اس پر بڑی سختی سے عمل پیرا بھی ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ ان کی پہچان بن جاتا ہے۔ کتاب اللہ کی بہت ساری آیات کریمہ میں اس دینی جذبہ کی مثال ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (۳۶)

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھیں اور دل ان سب سے سوال ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ایک مقام پر ان اقوام کی حالت بیان فرماتا ہے جنہوں نے حقائق کو سطح مجبوج کرنے والے اوہام و ظنون میں اپنی عقول کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِم بِمَا يَفْعَلُونَ (۳۶)

اور ان میں اکثر تو نہیں چلتے مگر گمان پر۔ بیشک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا۔ بیشک اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے۔

غور کریں کہ کوئی بھی رائے حتیٰ کہ دین تک کی نہاد اس طریقہ پر رکھنے کی تاکید ہے جس سے عقل خالص یقینی دلائل سے ثابت کرے جو مطلوب کی حقیقت کو منکشف کر دے۔ سو اس طریقہ کے کوئی بھی رائے قائم کرنے اور نظریہ اپنانے سے نفی فرمائی گئی ہے۔ اسی لئے عقائد سے بحث کرنے والے علمائے کرام نے صحت ایمان کے لئے شرط قرار دی ہے کہ وہ خالص یقین کے ایسے ستونوں پر قائم ہونا چاہئے جس میں تقلید و اتباع کا کوئی شائبہ تک نہ پایا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں علمی حقیقت کو مقدسات فکر یہ کی بندگی اور ان کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ہمیشہ یہی حقیقت علمیہ مطمح نظر رہنی چاہئے۔

حقیقت علمیہ کے معتبر ہونے پر اس سے بڑھ کر اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے کہ دین بذات خود اپنے وجود اور اپنی عظمت کے قیام کے لئے علم و یقین اور اس کے (اس مقام پر دین سے ہماری مراد صرف اسلام ہے۔ کیونکہ اس بارہ میں اسلام اور دیگر ادیان کے درمیان امتداد ملتی ہے) (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴۶) (۵۴۷) (۵۴۸) (۵۴۹) (۵۵۰) (۵۵۱) (۵۵۲) (۵۵۳) (۵۵۴) (۵۵۵) (۵۵۶) (۵۵۷) (۵۵۸) (۵۵۹) (۵۶۰) (۵۶۱) (۵۶۲) (۵۶۳) (۵۶۴) (۵۶۵) (۵۶۶) (۵۶۷) (۵۶۸) (۵۶۹) (۵۷۰) (۵۷۱) (۵۷۲) (۵۷۳) (۵۷۴) (۵۷۵) (۵۷۶) (۵۷۷) (۵۷۸) (۵۷۹) (۵۸۰) (۵۸۱) (۵۸۲) (۵۸۳) (۵۸۴) (۵۸۵) (۵۸۶) (۵۸۷) (۵۸۸) (۵۸۹) (۵۹۰) (۵۹۱) (۵۹۲) (۵۹۳) (۵۹۴) (۵۹۵) (۵۹۶) (۵۹۷) (۵۹۸) (۵۹۹) (۶۰۰) (۶۰۱) (۶۰۲) (۶۰۳) (۶۰۴) (۶۰۵) (۶۰۶) (۶۰۷) (۶۰۸) (۶۰۹) (۶۱۰) (۶۱۱) (۶۱۲) (۶۱۳) (۶۱۴) (۶۱۵) (۶۱۶) (۶۱۷) (۶۱۸) (۶۱۹) (۶۲۰) (۶۲۱) (۶۲۲) (۶۲۳) (۶۲۴) (۶۲۵) (۶۲۶) (۶۲۷) (۶۲۸) (۶۲۹) (۶۳۰) (۶۳۱) (۶۳۲) (۶۳۳) (۶۳۴) (۶۳۵) (۶۳۶) (۶۳۷) (۶۳۸) (۶۳۹) (۶۴۰) (۶۴۱) (۶۴۲) (۶۴۳) (۶۴۴) (۶۴۵) (۶۴۶) (۶۴۷) (۶۴۸) (۶۴۹) (۶۵۰) (۶۵۱) (۶۵۲) (۶۵۳) (۶۵۴) (۶۵۵) (۶۵۶) (۶۵۷) (۶۵۸) (۶۵۹) (۶۶۰) (۶۶۱) (۶۶۲) (۶۶۳) (۶۶۴) (۶۶۵) (۶۶۶) (۶۶۷) (۶۶۸) (۶۶۹) (۶۷۰) (۶۷۱) (۶۷۲) (۶۷۳) (۶۷۴) (۶۷۵) (۶۷۶) (۶۷۷) (۶۷۸) (۶۷۹) (۶۸۰) (۶۸۱) (۶۸۲) (۶۸۳) (۶۸۴) (۶۸۵) (۶۸۶) (۶۸۷) (۶۸۸) (۶۸۹) (۶۹۰) (۶۹۱) (۶۹۲) (۶۹۳) (۶۹۴) (۶۹۵) (۶۹۶) (۶۹۷) (۶۹۸) (۶۹۹) (۷۰۰) (۷۰۱) (۷۰۲) (۷۰۳) (۷۰۴) (۷۰۵) (۷۰۶) (۷۰۷) (۷۰۸) (۷۰۹) (۷۱۰) (۷۱۱) (۷۱۲) (۷۱۳) (۷۱۴) (۷۱۵) (۷۱۶) (۷۱۷) (۷۱۸) (۷۱۹) (۷۲۰) (۷۲۱) (۷۲۲) (۷۲۳) (۷۲۴) (۷۲۵) (۷۲۶) (۷۲۷) (۷۲۸) (۷۲۹) (۷۳۰) (۷۳۱) (۷۳۲) (۷۳۳) (۷۳۴) (۷۳۵) (۷۳۶) (۷۳۷) (۷۳۸) (۷۳۹) (۷۴۰) (۷۴۱) (۷۴۲) (۷۴۳) (۷۴۴) (۷۴۵) (۷۴۶) (۷۴۷) (۷۴۸) (۷۴۹) (۷۵۰) (۷۵۱) (۷۵۲) (۷۵۳) (۷۵۴) (۷۵۵) (۷۵۶) (۷۵۷) (۷۵۸) (۷۵۹) (۷۶۰) (۷۶۱) (۷۶۲) (۷۶۳) (۷۶۴) (۷۶۵) (۷۶۶) (۷۶۷) (۷۶۸) (۷۶۹) (۷۷۰) (۷۷۱) (۷۷۲) (۷۷۳) (۷۷۴) (۷۷۵) (۷۷۶) (۷۷۷) (۷۷۸) (۷۷۹) (۷۸۰) (۷۸۱) (۷۸۲) (۷۸۳) (۷۸۴) (۷۸۵) (۷۸۶) (۷۸۷) (۷۸۸) (۷۸۹) (۷۹۰) (۷۹۱) (۷۹۲) (۷۹۳) (۷۹۴) (۷۹۵) (۷۹۶) (۷۹۷) (۷۹۸) (۷۹۹) (۸۰۰) (۸۰۱) (۸۰۲) (۸۰۳) (۸۰۴) (۸۰۵) (۸۰۶) (۸۰۷) (۸۰۸) (۸۰۹) (۸۱۰) (۸۱۱) (۸۱۲) (۸۱۳) (۸۱۴) (۸۱۵) (۸۱۶) (۸۱۷) (۸۱۸) (۸۱۹) (۸۲۰) (۸۲۱) (۸۲۲) (۸۲۳) (۸۲۴) (۸۲۵) (۸۲۶) (۸۲۷) (۸۲۸) (۸۲۹) (۸۳۰) (۸۳۱) (۸۳۲) (۸۳۳) (۸۳۴) (۸۳۵) (۸۳۶) (۸۳۷) (۸۳۸) (۸۳۹) (۸۴۰) (۸۴۱) (۸۴۲) (۸۴۳) (۸۴۴) (۸۴۵) (۸۴۶) (۸۴۷) (۸۴۸) (۸۴۹) (۸۵۰) (۸۵۱) (۸۵۲) (۸۵۳) (۸۵۴) (۸۵۵) (۸۵۶) (۸۵۷) (۸۵۸) (۸۵۹) (۸۶۰) (۸۶۱) (۸۶۲) (۸۶۳) (۸۶۴) (۸۶۵) (۸۶۶) (۸۶۷) (۸۶۸) (۸۶۹) (۸۷۰) (۸۷۱) (۸۷۲) (۸۷۳) (۸۷۴) (۸۷۵) (۸۷۶) (۸۷۷) (۸۷۸) (۸۷۹) (۸۸۰) (۸۸۱) (۸۸۲) (۸۸۳) (۸۸۴) (۸۸۵) (۸۸۶) (۸۸۷) (۸۸۸) (۸۸۹) (۸۹۰) (۸۹۱) (۸۹۲) (۸۹۳) (۸۹۴) (۸۹۵) (۸۹۶) (۸۹۷) (۸۹۸) (۸۹۹) (۹۰۰) (۹۰۱) (۹۰۲) (۹۰۳) (۹۰۴) (۹۰۵) (۹۰۶) (۹۰۷) (۹۰۸) (۹۰۹) (۹۱۰) (۹۱۱) (۹۱۲) (۹۱۳) (۹۱۴) (۹۱۵) (۹۱۶) (۹۱۷) (۹۱۸) (۹۱۹) (۹۲۰) (۹۲۱) (۹۲۲) (۹۲۳) (۹۲۴) (۹۲۵) (۹۲۶) (۹۲۷) (۹۲۸) (۹۲۹) (۹۳۰) (۹۳۱) (۹۳۲) (۹۳۳) (۹۳۴) (۹۳۵) (۹۳۶) (۹۳۷) (۹۳۸) (۹۳۹) (۹۴۰) (۹۴۱) (۹۴۲) (۹۴۳) (۹۴۴) (۹۴۵) (۹۴۶) (۹۴۷) (۹۴۸) (۹۴۹) (۹۵۰) (۹۵۱) (۹۵۲) (۹۵۳) (۹۵۴) (۹۵۵) (۹۵۶) (۹۵۷) (۹۵۸) (۹۵۹) (۹۶۰) (۹۶۱) (۹۶۲) (۹۶۳) (۹۶۴) (۹۶۵) (۹۶۶) (۹۶۷) (۹۶۸) (۹۶۹) (۹۷۰) (۹۷۱) (۹۷۲) (۹۷۳) (۹۷۴) (۹۷۵) (۹۷۶) (۹۷۷) (۹۷۸) (۹۷۹) (۹۸۰) (۹۸۱) (۹۸۲) (۹۸۳) (۹۸۴) (۹۸۵) (۹۸۶) (۹۸۷) (۹۸۸) (۹۸۹) (۹۹۰) (۹۹۱) (۹۹۲) (۹۹۳) (۹۹۴) (۹۹۵) (۹۹۶) (۹۹۷) (۹۹۸) (۹۹۹) (۱۰۰۰) (۱۰۰۱) (۱۰۰۲) (۱۰۰۳) (۱۰۰۴) (۱۰۰۵) (۱۰۰۶) (۱۰۰۷) (۱۰۰۸) (۱۰۰۹) (۱۰۱۰) (۱۰۱۱) (۱۰۱۲) (۱۰۱۳) (۱۰۱۴) (۱۰۱۵) (۱۰۱۶) (۱۰۱۷) (۱۰۱۸) (۱۰۱۹) (۱۰۲۰) (۱۰۲۱) (۱۰۲۲) (۱۰۲۳) (۱۰۲۴) (۱۰۲۵) (۱۰۲۶) (۱۰۲۷) (۱۰۲۸) (۱۰۲۹) (۱۰۳۰) (۱۰۳۱) (۱۰۳۲) (۱۰۳۳) (۱۰۳۴) (۱۰۳۵) (۱۰۳۶) (۱۰۳۷) (۱۰۳۸) (۱۰۳۹) (۱۰۴۰) (۱۰۴۱) (۱۰۴۲) (۱۰۴۳) (۱۰۴۴) (۱۰۴۵) (۱۰۴۶) (۱۰۴۷) (۱۰۴۸) (۱۰۴۹) (۱۰۵۰) (۱۰۵۱) (۱۰۵۲) (۱۰۵۳) (۱۰۵۴) (۱۰۵۵) (۱۰۵۶) (۱۰۵۷) (۱۰۵۸) (۱۰۵۹) (۱۰۶۰) (۱۰۶۱) (۱۰۶۲) (۱۰۶۳) (۱۰۶۴) (۱۰۶۵) (۱۰۶۶) (۱۰۶۷) (۱۰۶۸) (۱۰۶۹) (۱۰۷۰) (۱۰۷۱) (۱۰۷۲) (۱۰۷۳) (۱۰۷۴) (۱۰۷۵) (۱۰۷۶) (۱۰۷۷) (۱۰۷۸) (۱۰۷۹) (۱۰۸۰) (۱۰۸۱) (۱۰۸۲) (۱۰۸۳) (۱۰۸۴) (۱۰۸۵) (۱۰۸۶) (۱۰۸۷) (۱۰۸۸) (۱۰۸۹) (۱۰۹۰) (۱۰۹۱) (۱۰۹۲) (۱۰۹۳) (۱۰۹۴) (۱۰۹۵) (۱۰۹۶) (۱۰۹۷) (۱۰۹۸) (۱۰۹۹) (۱۱۰۰) (۱۱۰۱) (۱۱۰۲) (۱۱۰۳) (۱۱۰۴) (۱۱۰۵) (۱۱۰۶) (۱۱۰۷) (۱۱۰۸) (۱۱۰۹) (۱۱۱۰) (۱۱۱۱) (۱۱۱۲) (۱۱۱۳) (۱۱۱۴) (۱۱۱۵) (۱۱۱۶) (۱۱۱۷) (۱۱۱۸) (۱۱۱۹) (۱۱۲۰) (۱۱۲۱) (۱۱۲۲) (۱۱۲۳) (۱۱۲۴) (۱۱۲۵) (۱۱۲۶) (۱۱۲۷) (۱۱۲۸) (۱۱۲۹) (۱۱۳۰) (۱۱۳۱) (۱۱۳۲) (۱۱۳۳) (۱۱۳۴) (۱۱۳۵) (۱۱۳۶) (۱۱۳۷) (۱۱۳۸) (۱۱۳۹) (۱۱۴۰) (۱۱۴۱) (۱۱۴۲) (۱۱۴۳) (۱۱۴۴) (۱۱۴۵) (۱۱۴۶) (۱۱۴۷) (۱۱۴۸) (۱۱۴۹) (۱۱۵۰) (۱۱۵۱) (۱۱۵۲) (۱۱۵۳) (۱۱۵۴) (۱۱۵۵) (۱۱۵۶) (۱۱۵۷) (۱۱۵۸) (۱۱۵۹) (۱۱۶۰) (۱۱۶۱) (۱۱۶۲) (۱۱۶۳) (۱۱۶۴) (۱۱۶۵) (۱۱۶۶) (۱۱۶۷) (۱۱۶۸) (۱۱۶۹) (۱۱۷۰) (۱۱۷۱) (۱۱۷۲) (۱۱۷۳) (۱۱۷۴) (۱۱۷۵) (۱۱۷۶) (۱۱۷۷) (۱۱۷۸) (۱۱۷۹) (۱۱۸۰) (۱۱۸۱) (۱۱۸۲) (۱۱۸۳) (۱۱۸۴) (۱۱۸۵) (۱۱۸۶) (۱۱۸۷) (۱۱۸۸) (۱۱۸۹) (۱۱۹۰) (۱۱۹۱) (۱۱۹۲) (۱۱۹۳) (۱۱۹۴) (۱۱۹۵) (۱۱۹۶) (۱۱۹۷) (۱۱۹۸) (۱۱۹۹) (۱۲۰۰) (۱۲۰۱) (۱۲۰۲) (۱۲۰۳) (۱۲۰۴) (۱۲۰۵) (۱۲۰۶) (۱۲۰۷) (۱۲۰۸) (۱۲۰۹) (۱۲۱۰) (۱۲۱۱) (۱۲۱۲) (۱۲۱۳) (۱۲۱۴) (۱۲۱۵) (۱۲۱۶) (۱۲۱۷) (۱۲۱۸) (۱۲۱۹) (۱۲۲۰) (۱۲۲۱) (۱۲۲۲) (۱۲۲۳) (۱۲۲۴) (۱۲۲۵) (۱۲۲۶) (۱۲۲۷) (۱۲۲۸) (۱۲۲۹) (۱۲۳۰) (۱۲۳۱) (۱۲۳۲) (۱۲۳۳) (۱۲۳۴) (۱۲۳۵) (۱۲۳۶) (۱۲۳۷) (۱۲۳۸) (۱۲۳۹) (۱۲۴۰) (۱۲۴۱) (۱۲۴۲) (۱۲۴۳) (۱۲۴۴) (۱۲۴۵) (۱۲۴۶) (۱۲۴۷) (۱۲۴۸) (۱۲۴۹) (۱۲۵۰) (۱۲۵۱) (۱۲۵۲) (۱۲۵۳) (۱۲۵۴) (۱۲۵۵) (۱۲۵۶) (۱۲۵۷) (۱۲۵۸) (۱۲۵۹) (۱۲۶۰) (۱۲۶۱) (۱۲۶۲) (۱۲۶۳) (۱۲۶۴) (۱۲۶۵) (۱۲۶۶) (۱۲۶۷) (۱۲۶۸) (۱۲۶۹) (۱۲۷۰) (۱۲۷۱) (۱۲۷۲) (۱۲۷۳) (۱۲۷۴) (۱۲۷۵) (۱۲۷۶) (۱۲۷۷) (۱۲۷۸) (۱۲۷۹) (۱۲۸۰) (۱۲۸۱) (۱۲۸۲) (۱۲۸۳) (۱۲۸۴) (۱۲۸۵) (۱۲۸۶) (۱۲۸۷) (۱۲۸۸) (۱۲۸۹) (۱۲۹۰) (۱۲۹۱) (۱۲۹۲) (۱۲۹۳) (۱۲۹۴) (۱۲۹۵) (۱۲۹۶) (۱۲۹۷) (۱۲۹۸)

برائین و دلائل کو ہی تسلیم کرتا ہے۔ اس کے سوا کسی چیز کو اپنی ذات کے لئے حکم تسلیم نہیں کرتا۔

اسلام نے خالص علم و فکر کے چراغ کے ساتھ حقیقت کی تحقیق کو صفت دینیہ بنا دیا ہے۔ جبکہ غیر مسلم کا مقصود تحقیق و بحث سے سوائے معلومات حاصل کرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ بخلاف مسلمان کے کہ وہ اس شعور کے ساتھ بحث و تحقیق کرتا ہے کہ ایسا کرنا اس پر واجب ہے اور اس کے کرنے میں وہ ثواب و جزا کا مستحق ٹھہرے گا اور اس کے ترک پر سزا کا مستحق ہوگا۔ یوں اسلامی فکر کے سامنے ایک دینی فریضہ ہوتا ہے اور وہ دینی فریضہ حقیقت کی تحقیق کا لازم ہونا ہے۔ خواہ وہ حقیقت از قبیل نقول ہو یا از قبیل دعاوی اور یہ واضح بات ہے کہ اس دینی فریضہ کی انجام دہی تحقیق کے لئے منہج کے وضع کرنے پر موقوف ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصد جتنا ستھرا اور پاکیزہ ہوگا اس تک رسائی کا طریقہ اور منہج بھی ایسا ہی ستھرا اور پاکیزہ ہونا چاہئے جس میں سوائے عقل کے کسی کو دخل نہ ہو۔

اس بحث کے لکھنے سے ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہم اس میں یہ حکم لگا دیں کہ مسلمانوں کے ہاں علمی منہج ایسا صاف ستھرا منہج ہے کہ جس میں سوائے عقل کے کسی دوسرے امر کا کوئی تعلق نہیں بلکہ ہمارا مقصد اس منہج کی تحقیق اور اس کے بعد اس کا حکم بیان کرنا ہے۔

مسلمان علماء و مفکرین کے ہاں تحقیق کا منہج

مسلم محققین و علماء کے ہاں تحقیق و ریسرچ کا جو علمی منہج مقرر ہے اس کی تفصیل ایک ایسے بڑے جلیل القدر ضابطے میں کی گئی ہے جس کی مثال سوائے مسلمانوں کے ہاں کہیں بھی نہیں ملتی اور وہ ضابطہ یہ ہے۔

ان كنت ناقلاً فالضحة او مدعىاً فالذليل

”اگر تم ناقل ہو تو پھر صحت نقل پیش کرو۔ اگر مدعی ہو تو پھر اس پر دلیل پیش کرو۔“

اس کی تفصیل یہ ہے کہ تحقیق کا موضوع ہمیشہ دو باتوں سے خالی نہیں ہوتا یا تو وہ خبر منقول ہوگا یا دعویٰ ہوگا۔ اگر خبر ہو تو پھر اس کی تحقیق خبر کی نسبت اور اس کے ماخذ و مصدر کے درمیان تحقیق پر محصور ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں خبر کی نسبت ہی احتمال، غلطی عیب اور شک کا مقام ہے۔ لہذا مقام تحقیق بھی اسی کو ہونا چاہئے۔ پس اگر احتمال و اکل ہو جائے اور پردہ اٹھ جائے تو اس خبر سے خاص علمی حقیقت پھوٹ پڑتی ہے۔ بشرطیکہ اس کی دلالت قطعی ہو اور اگر تحقیق کا موضوع دعویٰ ہو تو اس صورت میں تحقیق کا رخ ایسے علمی دلائل کی طرف موڑنا پڑتا ہے جو اس دعویٰ کے موافق بھی ہوں اور اس کی صداقت کو منکشف بھی کرتے ہوں۔

دعویٰ مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں اس لئے ہر نوع کے لئے اس کے مناسب نوعیت کے دلائل علمیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مادی اشیاء کی حقیقتوں سے تعلق رکھنے والے دعویٰ کے لئے محسوساتی، تجرباتی، علمی دلائل کی ضرورت ہے اور وہ دعویٰ جن کا تعلق مجردات سے ہوتا ہے۔ مثلاً نفس، منطق وغیرہ تو ان کے لئے مسلمہ قانونی براہین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جن دعویٰ کا تعلق حقوق اور احوال مدنیہ سے ہے ان کے لئے ایسے دلائل کی ضرورت ہے جن کا ان حقوق و احوال سے مرابطہ ہونا متفق علیہ ہو۔

یوں ہی کوئی دعویٰ اس وقت تک علمی حقیقت کے طور پر ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ اس کے مناسب دلائل مقرر نہ ہوں۔ دعویٰ پر پیش کی جانے والی کسی بھی دلیل کی علمی قدر و قیمت اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک دعویٰ اور اس کے درمیان حقیقت و نوعیت میں موافقت نہیں پائی جاتی۔

اس بنیادی اصول کے تحت علماء اسلام نے خبر اور اس کے مصدر کے درمیان پائی جانے والی نسبت کی تحقیق اور دعویٰ میں پائی جانے والی علمی قدر کی تحقیق کے لئے کون سا طرز اختیار کیا ہے؟

تحقیق خبر کے لئے اختیار کیا جانے والا طریقہ

علماء اسلام کے ہاں تحقیق خبر کے لئے اختیار کیا جانے والا طریقہ بہت سارے ایسے فنون پر مشتمل ہے جن کے بارے میں تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان کی ایجاد اہل اسلام ہی نے کی ہے۔ ان فنون میں مصطلح الحدیث، جرح و تعدیل اور تراجم رجال وغیرہ فنون شامل ہیں۔ ان مذکورہ فنون کی کسوٹی پر خبر کو پرکھا جاتا ہے جس سے صحیح اور غیر صحیح کے درمیان امتیاز اور خبر صحیح موجب ظن اور خبر صحیح موجب یقین کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے اور خبر صحت کے بلند ترین درجہ تک اس وقت پہنچتی ہے جب تحقیق و تفتیش سے ثابت ہو جائے کہ اس کی سند متصل ہے اور اس کے تمام راوی عادل، نام الضبط ہیں اور اس میں کسی قسم کا کوئی شذوذ بھی نہیں پایا جاتا اور یہ اپنی روایت میں علت قاذحہ خفیہ سے بھی محفوظ ہے۔ اگر خبر اس سے کم درجہ کی ہے مثلاً اس کے سلسلہ روایت کی کوئی کڑی عدم علم کے سبب ساقط ہے یا اس کی عدالت پر عدم وثوق کی وجہ سے ساقط ہے یا اس کے حفظ و ضبط پر یقین نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہے یا خبر کا متن، خبر مقبول کی نسبت شاذ ہے تو یہ خبر غیر صحیح ہے۔

خبر صحیح بھی مختلف مراتب کی ہے۔ ظن قوی سے لے کر ادراک یقینی تک اس کی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ وہ سلسلہ سند جس میں صحت کے تمام ارکان موجود ہوں اگر وہ ایسے رواۃ سے مرکب ہے جو ہر درجہ میں ایک ایک ہے تو یہ خبر عقل کے فیصلے کے مطابق خبر ظنی ہوگی اور اگر سلسلہ سند کے تمام درجات دو یا تین راویوں سے مرکب ہے تو وہ خبر بھی خبر ظنی ہی ہوگی لیکن ظن قوی قریب بہ یقین کا فائدہ دے گی۔ البتہ اگر سلسلہ سند کا ہر درجہ اتنی بڑی کثرت پر مشتمل ہو کہ عقل اس بات پر مطمئن ہو جائے کہ اتنی کثرت کذب پر جمع نہیں ہو سکتی تو اس قسم کی مروی خبر صفت یقین کی حامل ہو جاتی ہے اور اس خبر کو خبر متواتر کا نام دیا جاتا ہے۔

بہر حال خبر صحیح کی وہ قسم جس کو خبر ظنی کہا جاتا ہے۔ اہل اسلام کے ہاں عقیدہ کی

بلیا و نہیں بن سکتی اور اسلامی احکام اس بارے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔ کیونکہ اس قسم کی خبر مفید ظن ہوتی ہے اور قرآن کریم نے (تحقیق عقیدہ کے بارہ میں) اتباع ظن سے نہی فرمائی ہے۔ البتہ احکام عملیہ کے متعلق اس قسم کی خبر معتبر ہے۔ کیونکہ خبر متواتر اور دلیل قطعی سے ثابت ہے کہ مسلمان خبر صحیح کی قسم خبر ظنی پر اعتماد کے مکلف ہیں۔ اسی لئے احکام شرعیہ کو احادیث صحیحہ کی طرف منسوب کرنا درست ہے گرچہ وہ احادیث اخبار احاد ہی کیوں نہ ہو۔ اسی میں احتیاط اور دور اندیشی ہے لیکن خبر صحیح کی وہ قسم جو خبر یقینی کہلاتی ہے اور جسے خبر متواتر کے موسوم کیا جاتا ہے۔ صرف یہی ایک قسم ہے جس کا عقیدے اور مدارکات عقیدہ میں اعتبار کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو کسی خبری شے پر اعتقاد رکھنے کے لئے اس وقت تک مجبور نہیں کیا جاسکتا جب تک وہ تواتر کی دلیل سے ثابت نہ ہو۔ اگر خبری شے کی دلیل خبر واحد ہے تو اس سے حاصل ہونے والا یقین شخصی قاعدت کا باعث ہو سکتا ہے یعنی صرف اس کی ذات کی حد تک اطمینان بخش ہو سکتا ہے۔

سوال

اگر تم مجھ سے یہ سوال کرو کہ خبر صحیح کی شرائط کو محقق کہاں سے معلوم کرے گا؟ مثلاً ہم فرض کرتے ہیں کہ محقق نے کسی روایت کی ایک سند سن لی ہے اور اب وہ ان رواۃ کے درمیان اتصال اور ان سب کے عادل، ثقہ اور ضابطہ ہونے کا علم کہاں سے حاصل کرے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ظن جرح و تعدیل اور ظن تراجم رجال دونوں میں یہ بحث موجود ہے۔ ان امور پر وہ وہاں سے ہا آسانی و اقلیت حاصل کر سکتا ہے۔ ہماری اسلامی لائبریریوں میں بہت ساری ایسی تالیفات موجود ہیں جن میں ان حضرات رواۃ

کے احوال بیان کئے گئے ہیں جن کے نام کسی بھی سند میں وارد ہیں۔ غم ان میں سے جس کا بھی جرح و تعدیل کے لحاظ سے تعارف حاصل کرنا چاہو یا جس زمانہ میں وہ موجود تھے اس زمانے کو معلوم کرنا چاہو تو بہ سہولت معلوم کر سکتے ہو۔ اور اسی سے تمہیں ان کے ان معاصرین کا بھی علم ہو جائے گا جن سے ان کی ملاقات ممکن تھی۔

اس بارے میں بڑی حیرت انگیز و تعجب خیز بات یہ ہے کہ تراجم رجال پر کام کرنے والے تمام حضرات ایسے ثقہ آئمہ ہیں جن میں سے ہر ایک اس فن کا مرجع ہے۔ ان حضرات نے راہ تحقیق اور علمی میزان کے احترام کے پیش نظر کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا تاکہ کسی قسم کے فساد کا کوئی شبہ نہ رہے۔ حتیٰ کہ راویوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اتنی دقت نظر سے کام لیا ہے کہ حروف کے نقلوں تک بیان کر دیا ہے۔ خواہ اس تحقیق کا اختتام ان روایہ کی جرح پر ہو جائے یا تعدیل و توثیق پر۔

یوں ہماری اسلامی لائبریری میں مختلف انواع کی تواریخ مرتب ہوئیں۔ اشخاص و رجال کے ضبط کی تواریخ جن سے ضعیف، ذلیل اور کھوئے کی با آسانی پہچان ہوتی ہے۔ اور لغت کو تواریخ و معاجم معروفہ سے کلمہ کے ضبط اور صحت کی واقفیت ملتی ہے۔

ایسے ہی ہماری اسلامی لائبریری میں معطل الحدیث کا فن بڑے حزم و احتیاط سے مرتب ہوا۔ یہ فن اخبار اور نقل کی تحقیق کے تمام مختلف ارکان پر بے نظیر و منفرد علمی منہج کے مطابق مشتمل ہے۔ خبر و نقل کی تحقیق کے سلسلہ میں علمائے اسلام کے ہاں اختیار کئے جانے والے طریقہ کی یہ ایک مختصر سی جھلک تھی جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ اس مختصر سے کلمہ میں اس کی مزید شرح و تفصیل مقصود نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص مزید تفصیل کا خواہشمند ہو تو اس کو ان فنون کا عمیق مطالعہ کرنا چاہئے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

دعاویٰ کی تحقیق کے لئے اختیار کیا جانے والا طریقہ

یہ طریقہ دعویٰ کے مختلف انواع کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔ جس دعوے کا تعلق کسی موجود مادی سے ہے تو وہاں پر حواس خمسہ کے شواہد و براہین پر اعتماد ضروری ہے۔ (مصر جدید میں جس کی تعبیر تجربہ اور مشاہدہ کے نام سے کی جاتی ہے) کیونکہ اس قسم کے امور میں ادراک بقضی تک رسائی کا یہی فطری وسیلہ ہے اور اسلام اس وسیلہ کے ذریعے بطور تحقیق ثابت ہوئی ہر چیز کی بناء پر کوئی تردید نہیں کرتا۔ اس کے برعکس علم نے آج تک ہمارے سامنے ایسی کوئی علمی حقیقت پیش نہیں کی جو اسلامی عقیدہ کی ہزیمات میں سے کسی جڑی کی مخالفت کرتی ہو۔ ہمارے ارد گرد قائم مادی موجودات کے متعلق مخصوص صریح معلومات کے بارے میں قرآن و سنت نے واضح عبارت کے ساتھ ہمیں ان میں کثرت غور و فکر کرنے کا مکلف بنایا ہے۔ ایسا ان وسائل و اسباب پر انحصار اعتماد کے طور پر کیا گیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو نوازا ہے۔ جو ہر موجود مادی حقیقت سے جہالت کا پردہ اٹھانے کے فطری آلات ہیں۔ یہی راز ہے کہ قرآن کریم نے محسوسات و مشاہدات سے متعلق علمی قوانین میں حتمی فیصلہ نہیں فرمایا کیونکہ اگر ایسا کرتا تو پھر یہ سمجھا جاتا کہ قرآن کریم نے انسان کو ان قوانین کے مقتضاء پر ایمان رکھنا لازم قرار دیا ہے اور ایسا کیا جانے سے عقول کی حقائق علمیہ تک دلائل و براہین (تجربہ و مشاہدہ) کے ذریعہ رسائی کی بجائے ان کو بغیر دلائل کے تسلیم کرنے پر مجبور کرنا ہوتا۔ اسی لئے قرآن کریم نے عقل انسانی کی حکیم اور اس کی آزادی کے پیش نظر کسی انسان پر ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کی تاکہ عقل اپنے فطری منہج میں رہتے ہوئے محسوس حقائق سے حجابات اٹھاتی جائے۔ اسی لئے تم دیکھو گے کہ اس قسم کے قضایا میں قرآن کریم ارباب عقول کو اپنے وسائل علمیہ کے ذریعہ سے ان سے پردے اٹانے کی طرف مائل کرنے کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔ لیکن البتہ ہر وہ چیز جس کا تعلق نہیں اخبارات سے ہے۔ یقیناً قرآن کریم نے ان میں قطعی حکم کے ساتھ تفصیلی

کلام فرمایا ہے کیونکہ ان تک رسائی تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ ممکن نہیں۔ ان پر یقین رکھنے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خبر اور سنت متواترہ کے سوا کوئی چیز نہیں۔

یہ تفسیر تو ان دعوؤں کی تھی جن کا تعلق امور محسوسہ کے ساتھ ہے اور وہ دعوے جن کا تعلق ایسے تجربی یا غیبی امور سے ہے جو حواس ظاہرہ کے تحت نہیں آتے۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کے بارے میں قرآن یا سنت متواترہ میں واضح نص موجود ہے اور بعض وہ ہیں جن کے متعلق نہ قرآن کریم میں کوئی واضح نص موجود ہے اور نہ سنت متواترہ میں۔ اور وہ دعوے جو قرآن و سنت میں سے کسی ایک میں منصوص ہیں وہ اس بناء پر درکات یقینیہ میں داخل ہیں۔ ان کے یقینی ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ان کو کتاب یا سنت نے نقل کیا ہے۔ جن کا مرجع خبر یقینی متواترہ ہے۔ (جن کا بیان ہم کر چکے ہیں) کیونکہ قرآن کریم اللہ کی جانب سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی ہوئی وحی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہم تک بطریق تواتر پہنچی ہے۔ یقیناً اس کے الفاظ کی قرآنیت قطعی ہے اور اس بارے میں سنت بھی قرآن کی مانند ہے۔ جب وہ ہم تک بطریق تواتر پہنچی ہو۔

ہاں قرآن کریم جن مضامین پر مشتمل ہے ان کی صداقت کا مسئلہ قطع نظر قرآن کے قرآن ہونے اور قطع نظر اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک بطریق یقینی پہنچنے کے۔ یہ ایک دوسرا عینی مسئلہ ہے جو دوسری شق کے تحت داخل ہے یعنی ان دعوؤں سے تعلق رکھتا ہے۔ جو قضایا مجرودہ اور امور غیبیہ سے متعلق ہیں۔ اس کی وضاحت کے مقام کا تعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں حقیقت وحی کی تحقیق سے ہے۔ اور وحی کی تحقیق کا معاملہ ایسے یقینی دلائل پر قائم ہے جن کا اعتماد استقرار تام اور لزوم بین پر ہے (ان کی بحث عنقریب آئے گی)

یعنی قرآن کریم میں موجود نصوص قطعیہ نظر و فکر کے دوسرے حیلے عبور کرنے کے بعد ہمیں اپنے مضامین کے بارے میں یقین فراہم کرتی ہیں۔ ان میں سے پہلا مرحلہ تو یہ

ہے کہ قرآن کریم کی سند جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہمارے تک پہنچی ہے اس کی تحقیق ہے۔ اور دوسرا مرحلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اطلاع کی تحقیق ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ قرآن اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ پس وہ قواعد جن کا تذکرہ ہم آئندہ سطور میں کریں گے۔ ان کی روشنی میں جب مرحلہ ثانیہ میں تحقیق ہو جائے تو کتاب اللہ کی نصوص دائمی یقینی کا مصدر بن جائیں گی۔ اور یہی ہمارے اس مذکورہ قول کا مطلب ہے کہ قرآن و سنت میں سے کسی ایک میں منصوص ہونے کی بناء پر وہ درکات یقینیہ میں داخل ہیں۔ اس کے بعد عقل کے لئے ان مغیبات کو سمجھنے کے لئے کسی راہ خاص کا ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔ جیسا کہ وہ سمعی مغیبات جن کا کوئی بھی امر ہم تک سوائے خبر صادق کے ذریعہ کے نہیں پہنچا۔ جیسا کہ قیام قیامت، حشر اجساد، وجود جنت و دوزخ اور وجود ملائکہ۔ پس ان سب کا درکات یقینیہ کے تحت داخل ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ کتاب اللہ یا سنت متواترہ کی واضح نص نے ان کی خبر دی ہے۔ البتہ قرآن کریم کی عظمت شان یہ ہے کہ وہ اس کے باوجود ہمیں اپنی اطلاع فراہم کردہ ان غیبات کے بارے میں جن کے اندر عقل انسانی کے لئے تلاش حقیقت ممکن ہے۔ ان سب میں غور و فکر پر آمادہ کرتا ہے۔ جیسا کہ وجود باری تعالیٰ اور حدوث ممکنات اور اسباب کونیہ کی مجہولیت یا جو ان کے مشابہ ہیں۔ ان مسائل کی تحقیق میں علماء نے خبر صادق کو وسیلہ بنائے بغیر صرف عقل و فکر کی بنیاد پر خوب غور و خوض فرمایا ہے اور انہوں نے یہ طریقہ اس لئے اختیار نہیں کیا کہ ان کی تحقیق کا واحد راستہ یہی تھا بلکہ اس طرز فکر سے مقصد یہ تھا کہ وہ ان مسائل کا یقین حاصل کرنے کے لئے خبر صادق کے ساتھ ساتھ تحقیق کا ایک اور راستہ بھی ایجاد کریں۔

یوں اسلامی فکر اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کے مشعلات پر ایمان رکھنے کے لئے دوراں اختیار کرتی ہے اور ان دونوں راہوں کا دقیق علمی منہج ہونے میں کوئی شک نہیں۔ پہلی راہ کا آغاز حقیقت وحی کی تحقیق سے ہوتا ہے۔ جب

اس مرحلے کی تکمیل ہوتی ہے تو پھر دوسرا مرحلہ نقل کی صحت اور اس میں ارکان یقین کی موجودگی کی تحقیق سے شروع ہوتا ہے۔ جب یہ مرحلہ بھی مکمل ہو جاتا ہے تو اس کے تمام ارکان کی صداقت کی وجہ سے معاملہ کا صدق و یقین واضح ہو جاتا ہے اور دوسری راہ یہ ہے کہ کسی امر کی تحقیق خالص فکر اور محض عقلی دلائل و براہین کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ جہاں ذہن نہ نبوت اور اس کی حقیقت کی طرف جاتا ہے اور نہ قرآن اور اس کی صداقت کی طرف۔ یہ دونوں راہیں تحقیق کرنے والے کو یقین تک پہنچاتی ہیں بلکہ آخر میں دونوں راہیں ایک ساتھ مل کر ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بن جاتی ہیں۔

وہ امور جن کا یقینی متواتر خبر کسی واضح اور صریح نص کے ساتھ تعارض نہیں کرتی ان میں حق کی معرفت کا ذریعہ صرف فکر عقلی پر منحصر ہے اور اس کا تحقق دو طریقوں سے ہوتا ہے۔

۱۔ دلالت التزام کا اتباع دلالت التزام کا مطلب

دلالت التزام کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں کے درمیان اس طرح کا گہرا تعلق ہے کہ جب ایک چیز میں غور و فکر کیا جائے تو دوسری چیز کا تصور خود بخود ذہن میں آ جائے اور ان دونوں کے درمیان پائے جانے والے اس تعلق کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب استقراء تام اس کی شہادت دے اور استقراء نام کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں کے تمام احوال اور مختلف ظروف کا تتبع اور جستجو کرنے کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں کے درمیان ہمیشہ تلازم پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر شدید لاغری کی مرض پر دلالت اور کسی شہر میں موجود میناروں کی اس شہر کے رہنے والوں کے مسلمان ہونے پر دلالت اور فائر بریگیڈ کی گاڑی کے مخصوص ہارن کی کسی جگہ آگ لگ جانے کے حادثے پر دلالت اور راستے میں کسی شخص کی مدہوشی اور ہلکی ہلکی گفتگو اس کے نشہ آور شے کے استعمال پر دلالت۔

ان تمام مثالوں میں دلالت کرنے والی اشیاء مدلول کی علت نہیں تاکہ ہم کہیں یہ از قبیل دلالة العلة علی المدلول ہے۔ کیونکہ شدید لاغری مرض کی علت نہیں اور بلند و بالا مینار شہر کے باشندوں کے اسلام کی علت نہیں اور ہارن کی آواز حادثہ آگ کی علت نہیں۔ اور کسی کی مدہوشی اس کی مدہوشی کی علت نہیں۔ ان تمام امثلہ میں تم جب دلالت کرنے والی شے کا مشاہدہ کرتے ہو تو اس وقت مدلول تمہارے مشاہدہ میں نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم کہتے یہاں پر رویت و مشاہدہ دلیل ہے بلکہ یہاں پر تمہارے مشاہدہ و احساس سے مخفی ایک شے ہے۔ لہذا ایسی صورت میں یہ اشیاء اپنے مدلولات کا کیسے دلالت کرتی ہیں اور بدون دیکھے ہم ان کو کیسے مانیں؟

یہاں پر طریقہ دلالت یہ ہے کہ دلالت کرنے والی اشیاء اور ان کے مدلولات کے درمیان ہمیشہ تلازم پایا گیا ہے۔ اور یہ تلازم بار بار بغیر کسی تخلف کے پایا جاتا رہا ہے۔ اسی وجہ سے استقراء تام پایا گیا اور ان دونوں کے درمیان پائے جانے والے دائمی اقتران سے ان دونوں کے درمیان جاری دلالت کا رابطہ وجود پذیر ہوا ہے اور اس برہان سے استفادہ کا طریقہ یہ ہے کہ تم کسی بھی حقیقت میں غور و فکر کرو اور اس کا مشاہدہ کرتے رہو۔ اگر تمہیں بذریعہ استقراء یہ معلوم ہو جائے کہ مذکورہ حقیقت کسی دوسری معین حقیقت کو لازم ہے تو فطری بات ہے کہ تم اس کو مان جاؤ گے۔ اگرچہ وہ تمہارے سامنے موجود بھی نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص ایبوینس گاڑی کو دیکھ رہا ہے کہ وہ مسلسل ہارن بجاتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہے تو وہ بغیر کسی تردد کے یہ سمجھ لے گا کہ اس میں کوئی ایسا مریض ہے جس کی زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ اگرچہ وہ اس مریض کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہا۔ بلکہ شاید اس کو اپنے سامنے سے گزرنے والی ایبوینس گاڑی کا اتنا احساس نہیں ہوگا جتنا اس کو مریض کے بارے میں احساس ہوگا کیونکہ یہ اس کے ذہن میں فوری آنے والی چیز ہے۔ لہذا جب کوئی شخص تمہارے سامنے کوئی بھی دعویٰ پیش کرے تم اس دلالت التزام کے ذریعہ اس دعویٰ کی صداقت و

بطلان کو جانچ سکتے ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اس دعویٰ کے مستلزمات کی تحقیق کرو اگر یہ مستلزمات تمہارے سامنے موجود ہوں تو یہ اس دعویٰ کی صداقت کی دلیل ہے۔ اگر مستلزمات مفقود ہوں یا ان کی نقیض موجود ہو تو یہ اس دعویٰ کے کذب و بطلان کی دلیل ہے۔

مثلاً کوئی شخص تمہارے سامنے کسی گاؤں کا تعارف کراتے ہوئے کہتا ہے کہ اس گاؤں کے رہنے والے تمام لوگ مسلمان ہیں لیکن جب تم نے غور و فکر کیا تو تمہیں اس گاؤں کے مکانات پر سوائے گرجوں کے صلیب کے اور کچھ نظر نہ آئے تو تم اس کے کلام کی ہرگز تصدیق نہ کرو گے حالانکہ تم نے اس گاؤں کے رہنے والوں سے ملاقات بھی نہیں کی اور نہ ان کے عقائد سے تمہیں واقفیت ہے اور نہ تجربہ و مشاہدہ کے ذریعہ تم کو ان کے طرز حیات کا علم ہے اور اسی طرح وہ شخص جو تمہارے سامنے یہ دعویٰ کرے کہ انسان میں عقل و فکر کی پیدائش کا واحد مقصد اپنی غذائی ضرورت کا شعور ہے۔ جب تم غور و فکر کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمام حیوانات غذائی ضرورت کا شعور رکھنے میں انسان کے شریک ہیں۔ حالانکہ ان میں عقل و فکر وغیرہ کوئی چیز موجود نہیں لہذا تم ہرگز اس دعویٰ کی تصدیق نہ کر سکو گے۔

دلالت التزام کی اقسام

اس دلالت میں پایا جانے والا ملازم ہمیشہ مفید یقین نہیں ہوتا کیونکہ اس کا مدار ملازم کے واضح و شفاف ہونے اور کسی دوسری دلیل کے محتاج نہ ہونے پر ہے۔ اسی لئے علماء نے دلالت التزام کی تین قسمیں بیان کی ہیں جو قوت میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتی ہیں۔

۱۔ لزوم غیر بین

لزوم غیر بین سے مراد وہ ہے کہ جس میں وجود لزوم کا جزم ایک دوسری دلیل کے قائم کرنے پر موقوف ہوتا ہے۔ مثلاً دو قاعموں کی شلٹ کے لئے زاویا کا التزام کیونکہ

عقل ہر شلٹ کے لئے زاویا کے التزام کا جزم اس وقت تک نہیں کرتی جب تک عقل ایک دوسری دلیل پر مطلع نہیں ہوتی۔ جیسا کہ دائرہ کا تصور اور اس کے درجات کی معرفت خلاصہ یہ ہے کہ صرف تنہا ملازم کو دلیل تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس لئے کہ یہ خود کسی دوسری دلیل کی محتاج ہے البتہ اس کو دلیل کی ایسی جز تسلیم کیا جاتا ہے۔ دلیل جس کے ساتھ مل کر دلیل کامل بن جاتی ہے۔

۲۔ لزوم بین بالمعنی الاعم

اس کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں کے درمیان لزوم کا ادراک ان دونوں چیزوں کے تصور پر موقوف ہوتا ہے جیسا کہ ممکن شیء کی دلالت اپنے حادث ہونے پر اور واجب الوجود کی دلالت اپنے قدیم ہونے پر۔ ممکنات کا صرف حدوث کو لازم ہونا اس وقت سمجھا جاتا ہے۔ جب تم امکان کے معنی میں خوب غور و فکر کرو گے اور جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ ایسی چیز ہے کہ عقل جس کے مفقود ہونے کو محال نہیں سمجھتی اور کسی عارضی مرجح کی وجہ سے جانب وجود کو ترجیح دی گئی ہے اور پھر حدوث کے معنی پر غور کرو گے اور اس شے اور تمام ان ممکنات کے درمیان تعلق کا تصور کرو گے کہ جو غیر کی تاثیر سے معرض وجود میں آتے ہیں۔ بہر حال تمہیں اس لزوم کے ثبوت میں کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہ ہوگی جیسا کہ لزوم غیر بین میں ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ لزوم بین بالمعنی الخاص

دلالت التزام کی اس قسم میں صرف لزوم کا تصور جزم لزوم کے لئے کافی ہوتا ہے جیسا کہ مثال سابق میں ایبولینس کی دلالت مریض پر (قضا یا طبیعہ میں) اور تاریکی میں موجود شخص سے پھیننے والے الفاظ کی دلالت کی چاند رشتے کے وجود پر (قضا یا عقلیہ میں) ان تمام مثالوں میں پائے جانے والے لزوم کی قوت عقل کو اس درجہ تیار کر لیتی ہے کہ عقل ان کے درمیان پائے جانے والے رابطے میں غور و فکر کے بغیر صرف ایبولینس کے تصور سے بیمار کا تصور کر لیتی ہے اور تاریکی میں شائے دینے

والے لفظ کی صرف سماعت سے جاندار شے کا تصور کر لیتی ہے۔ دلالت التزام کی یہ تیسری قسم دلالت اور قوت دلیل کے اعتبار سے سب سے زیادہ قوی ہے اور اس کے بعد دوسری قسم قوی ہے۔ البتہ پہلی قسم مستقل طور پر دلیل تسلیم نہیں کی جاتی بلکہ اس کے ساتھ ایک اور دلیل کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے۔ تو تب جا کر وہ صدق تلازم کا پتہ دیتی ہے۔

۲۔ طریقہ قیاس

اور وہ امور جن کا خبر متواتر تعارض نہیں کرتی، ان میں معرفت حق کا دوسرا طریقہ قیاس ہے اور اس سے مراد فلسفہ یونانیہ سے ماخوذ وہ منطقی قیاس نہیں جو قضا یا اور اشکال پر قائم ہوتا ہے بلکہ اس سے مقصود وہ قیاس ہے جو علماء اصول فقہ اور علماء اصول دین (متکلمین) کے ہاں مروج ہے۔ جس کا انہوں نے کتاب اللہ سے استخراج کیا ہے۔ جس میں سب سے پہلے شے کی علت یا سبب کا استخراج کیا جاتا ہے اور اس کے بعد اس علاقے یا سبب کو اس کے مشابہ اشیاء مجہولہ میں تلاش کیا جاتا ہے اور پھر جب محقق کو یہ یقین ہوتا ہے کہ معلوم اور مجہول دونوں میں ایک ہی علت مشترکہ ہے تو وہ مجہول کو معلوم پر قیاس کر کے اس علت کی وجہ سے پائے جانے والے حکم کو مجہول کے لئے ثابت کرتا ہے۔

نظریہ قیاس دو اصولوں پر قائم ہے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک مسلمات عقلیہ میں سے ہے اور محتاج دلیل نہیں۔

اصل اول:

قانون علیت یعنی ہر معلول کے لئے علت اور ہر اثر کے لئے موثر ہے۔

اصل ثانی:

عالم میں قانون نظم و نسق پایا جاتا ہے۔ یعنی عالم کے جزئی مظاہر کی شکلیں مختلف

ہونے کے باوجود وہ ایسے علل کلیہ کے ساتھ مربوط ہیں جو ان جزئی مظاہر کے درمیان نظم و نسق پیدا کرتی ہیں۔ اور تم ان علتوں کے حقائق میں جب بھی باریکی سے غور و فکر کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ بالآخر یہ اسباب و علل کی بہت قلیل تعداد میں مجتمع ہو جائیں گی۔

ان دو اصولوں سے بھی قیاس کا ظہور استقرار کے واسطے سے ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ استقرار ہی ایسا امر ہے جو تحقیق کرنے والے کو علت کی حقیقت سے روشناس کراتا ہے اور اسی کے واسطے سے ظاہر میں بکھری ہوئی اور مختلف اشیاء کے درمیان پائے جانے والے تعلقات کلیہ کا ادراک ممکن ہوتا ہے۔ اسی سے ہمیں معلوم ہوا کہ تلازم اور قیاس میں سے ہر ایک برہان کے لئے استقرار نام بنیادی شرط ہے۔

استقرار کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو کسی امر معین کے لئے علت ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اس کی تمام جزئیات کو تلاش کیا جائے تو وہ اپنے معلول کے وجود سے منسلک نہ پائی جائے۔ بایں طور کہ تم نے علت و معلول کے درمیان پائے جانے والے تعلق پر غور کیا تو تمہیں معلوم ہوا کہ یہاں طرد و عکس پایا گیا ہے۔ (طرد سے مراد یہ ہے کہ جب بھی علت پائی گئی تو معلول بھی پایا گیا اور عکس کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی علت مفقود ہوئی تو معلول بھی مفقود ہوا)

اور اس کے بعد تم نے علت کے اندر غور و فکر کیا تو تمہیں برہان یقینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ یہ علت معلول میں موثر بھی ہے کیونکہ کبھی ان کے درمیان طرد و عکس محض اتفاق یا کسی سبب کی وجہ سے بھی پایا جاسکتا ہے۔

اسی سے تمہیں معلوم ہوا ہو گا کہ یہاں (عقیدہ اور قضا یا یقینیہ میں) قیاس کے لئے یہ شرط ہے کہ علت موثر بھی ہو اور مطردہ اور منعکس بھی ہو اور اپنی تمام جزئیات (تاخیر سے جاری مراد یہ ہے کہ دلیل کے ساتھ علت کی معلول کے لئے سبب ثابت ہو۔ تعلق حقیقت روح کے جیسا کہ بارش کی سمیت اگانے کے لئے اور آگ کی سمیت جلانے کے لئے۔ حقیقت سمیت کی بحث اس کتاب میں قانون سمیت کے تحت آئے گی۔)

میں واضح طور پر پانی بھی جاتی ہو اور اس میں کسی قسم کا اضطراب بھی نہ پایا جاتا ہو۔
لہذا اگر اس علت مذکورہ شرط پر پوری نہ اترتی ہو۔ مثلاً اس میں واضح تاثیر پانی
جانے کے بجائے صرف معلول کے ساتھ کسی حد تک موافقت ظاہر ہوتی ہے تو وہ قیاس
غلطی ہوگا جس کو احکام اعتقادیہ اور عقلیہ میں تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ البتہ ایسے قیاس کو
مسائل فقہیہ عملیہ میں تسلیم کیا جانا ممکن ہے۔ کیونکہ مسائل فقہیہ میں دلائل ظاہر کافی
ہونے پر دلیل قطعی قائم ہے۔

احکام شرعیہ عملیہ کے قیاس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ علت مضبوط، مطردہ، منعکسہ
ہو۔ ان میں علت کا مؤثرہ ہونا شرط نہیں بلکہ محقق کے اجتہاد میں علت کی بناء حکم کے
موافق ہونا ہی کافی ہے۔

لہذا احکام شرعیہ میں کیا جانے والا قیاس مسائل اعتقادیہ میں کئے جانے والے
قیاس کی حقیقت اور اس کی شروط سے بہت زیادہ مختلف ہے مثلاً تم دور سے کچھ مکانات
یا خیمے دیکھو کہ جن میں لوگ رہائش پذیر ہیں تو تمہیں اس سے اس جگہ میں پانی کی
موجودگی کا یقین ہوگا۔ اس یقین کی وجہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں تمہارے ذہن میں
فوری طور پر وہ تمام جگہیں آجائیگی جن میں انسان رہتے ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ ان
تمام جگہوں کا قابل رہائش ہونے کے اسباب میں سب سے اہم سبب اس میں پانی کی
موجودگی ہے۔ پس تمہیں سبب (پانی) کی مسبب (امکان حیات) میں تاثیر معلوم
ہے۔

اسی لئے تم نے دور سے نظر آنے والی اس جگہ کو بھی ان دوسری جگہوں پر قیاس کر لیا
اور تمہیں اس جگہ میں پانی کی موجودگی کا یقین ہوا۔ اگرچہ تم نے پانی کو اپنی آنکھوں سے
نہیں دیکھا اور اس کے برعکس اگر تم دور سے پانی کے چمکنے کو دیکھو تو تمہیں اس سے وہاں
پراگوں کی موجودگی کا احساس ہوگا۔

لیکن یہ صرف ظن ہوگا جو درجہ یقین تک نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ حیات انسانی کے

لئے پانی کی علیت تو ایسی حقیقت ہے جو دلالت تاثیر سے ثابت ہے۔ لہذا جہاں بھی
انسان موجود ہوں گے وہاں پانی ضرور موجود ہوگا لیکن پانی کی علیت اپنے ارد گرد
انسانوں کے موجود ہونے کے لئے یہ تو محض ایک مناسبت و موافقت ہے۔

قیاس عقلی کی یہ مثال بھی ہے کہ تمام مظاہر قدرت اپنے صانع اور مدبر کے وجود
پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ معلول اپنی علت سے منفک نہیں ہو سکتا۔

یہاں سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمان علماء و محققین ہر وہ چیز جس کا
مشاہدہ و تجربہ کے تحت آنا ممکن نہیں اس میں استقرائی منج کی اتباع کرتے ہیں اور اسی
منج کے زیر سایہ دلالت التزام اور قیاس دونوں پائے جاتے ہیں۔

اور یہ منج غیبی نتائج حاصل کرنے اور مجرد تفکرات سے بہت دور ہے کہ جن میں
بڑے مہارت کے ساتھ یونانی فلسفہ داخل کیا گیا ہے۔ ہر وہ شخص جو اسلامی طریقہ تحقیق
پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ مسلمان علماء کسی بھی حکم عقلی یا اعتقادی کی بنیاد صرف
اور صرف ایسی حقیقت پر قائم کرتے ہیں جس میں یقین کے تمام ارکان مجتمع ہوتے
ہیں۔ لیکن احکام عقلیہ اعتقادیہ کے علاوہ وہ دیگر حقائق جو شکوک و شبہات کے حجابات
کے پیچھے مستور چلے آ رہے ہیں جن تک صرف استنتاج فکری کی رسائی ہے۔ یہ ان
حقائق کی مانند ہیں جو صرف تاریخی لکچروں یا دریافت شدہ آثار یا زمین کی کھدائی کے
دوران نکلی ہوئی پرانی اشیاء میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اسلامی تاریخ کے بارے میں بھی یہ دعویٰ نہیں کہ وہ کسی یقینی حقیقت پر قائم ہے یا
وہ تنقیدی دلیل بن چکی ہے۔ یا استدلال یا فکر کی بنیاد بن چکی ہے بلکہ اہل اسلام کے
ہاں اسلامی تاریخ غیر موصول تحقیق اور ایسے شک کے طور پر قائم ہے جس کے گردگی
احتمالات پائے جاتے ہیں اور یہ ایک ایسی راہ ہے جو اپنی انتہاء تک درست تحقیق
استقرائی کے خطوط کے واسطے سے پہنچنے کی دعوت دے رہی ہے۔

مسلمانوں کے ہاں تحقیق کے علمی منج کا یہ ایک سرسری جائزہ تھا جو مسلمانوں کی

تحقیقات میں موجود ہے اور انہی سے ہم نے اخذ کیا ہے۔ اس کو ہم نے ان کی لائبریریوں میں موجود نظریات مجرہ سے اخذ نہیں کیا۔ اور ہم اس کے بعد دوسرے لوگوں (مغرب کے مفکرین اور مستشرقین) کے ہاں پائے جانے والے تحقیقی منہج کے متعلق دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کی تحقیقات کے گرد "الموضوعیہ" کا کلمہ مشہور و معروف ہے بلکہ اس تمہید کے لکھنے کا اصل سبب یہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بحث کی شہ اول پر مطلع ہونے کے بعد قاری پر یہ بات واضح ہوگی کہ میرا مقصود اسلامی اور مغربی طرز تحقیق کی بحث سے صرف دو حقیقتوں کی وضاحت ہے۔

۱۔ یہ بیان کرنا کہ اسلامی فکر اپنی بحث و تحقیق کے دوران کس چیز پر اعتماد کرتی ہے اور پھر یہ بتانا کہ مغربی فکر اس بارہ میں کس درجہ حصہ اندوز ہے۔

۲۔ اور یہ بیان کرنا کہ مسلمان اور غیر مسلموں کے ہاں پائے جانے والے منہج تحقیق اور مختلف علمی مباحث کے درمیان کس قدر ملازم و ربط ہے۔ یعنی صحیح علمی تطبیق اور واقعیت میں سے کتنا حصہ ان منہج میں پایا جاتا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے ہم مسلم علماء کے ہاں پائے جانے والے منہج علمی کا استخراج صرف ان کی تحقیقات ہی میں موجود منہج ہی سے کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمیں صرف اس بات ہی کی واقفیت حاصل نہ ہو کہ اسلامی لائبریری میں تحقیق کے منہج سے متعلق ایک مستقل فن پایا جاتا ہے بلکہ ہم اس کی واقفیت کے ساتھ ساتھ اس بات کی واقفیت بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں اس تحقیقی منہج کی خود اسلامی علوم پر تطبیق کس درجہ کی ہے۔

مغربی مفکرین کے ہاں تحقیق کا منہج

ہم اس بحث کی تکمیل میں وہی طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہیں جس کے ساتھ ہم نے آغاز کیا تھا۔ پس ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کون سا علمی منہج ہے جس کو مغربی

فکر مختلف پیش آنے والے علوم میں اختیار کرتی ہے؟
لا محالہ موضوع علم کی دو حصوں میں تقسیم ہوگی۔

۱۔ خبر: جس کی تحقیق مراد ہے۔

۲۔ دعویٰ: جس کی صحت کی تاکید مراد ہے۔

اخبار و نقول کے پرکھنے کا منہج

اس سوال کے جواب میں زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں کیونکہ درحقیقت مغربی مفکرین کا انداز تحقیق و طریقہ بحث اب تک روایت و نقل سے تعلق رکھنے والی تحقیقات میں ہر طرح کی موضوعی میزان سے خالی ہے۔ البتہ ان کے ہاں استدلالی انداز موجود ہے یا ظن و تخمین کے ذریعہ تحقیق کرنے کا طریقہ موجود ہے۔ طریقہ استدلالی میں محقق وجدان کی باریکی، دائرہ خیال کی وسعت اور نگاہ حقیق سے خوب مستفید ہوتا ہے اور اس طریقہ میں محقق جن اسباب و آلات کو استعمال میں لاتا ہے۔ ان میں صرف اس کا اپنا خیال، اپنا وجدان اور اپنی نگاہ اور جو کچھ آثار و احداث اور وثائق اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں وہ شامل ہیں۔

اور اس منہج میں تحقیق کی کیفیت کچھ یوں ہے کہ محقق اپنے سامنے جمع ہونے والے ان آثار و احداث پر ہی اپنے آپ کو بند رکھتا ہے کہ وہ ان کو اپنی نگاہ، خیال اور وجدان کا ہدف بنائے رکھتا ہے تاکہ ان سے مبادی و احکام اور وثائق کا ایسا نتیجہ اخذ کر سکے جس پر وہ مطمئن ہو سکے۔

تمہیں معلوم ہے کہ یہ منہج ایک ہی طریقہ پر مشتمل ہے اور وہ اخذ نتیجہ کا فکری بلکہ مجرد فیہی طریقہ ہے اور اخذ نتیجہ کا جو بھی طریقہ تجربہ، مشاہدہ، استقراء، تام اور روایت سادقہ سے خالی ہوتا ہے۔ وہ وہم، شک اور ظن ضعیف کا مترادف اور ہم معنی ہوتا ہے۔ لیکن اس سے وہ طریقہ مشتق ہے جس کا اعتماد و وثائق تاریخیہ پر ہوتا ہے۔ کیونکہ وثائق تاریخیہ اور ان کے مصدر کے درمیان علت و معلول یا لازم و ملزوم کا تعلق ہوتا ہے۔

سوال:

اگر یہ پوچھا جائے کہ مغربی فکر آج تک منقولات کی تحقیق میں علمی منہج اختیار کرنے سے کیوں عاجز رہی حالانکہ یہ نہایت اہمیت والا معاملہ ہے کہ بہت سے مختلف علمی قضایا کی تحقیق کا نصف حصہ منقولات کی تحقیق پر موقوف ہے۔

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ روایات و منقولات کی تحقیق کے فریضہ کی انجام دہی انسان کو بغیر کسی مادی فائدے کے بہت ساری مشقتوں اور تکلیفوں سے دوچار کر دیتی ہے اور اس قسم کی مشقتوں کو انسان اسی وقت برداشت کرتا ہے جب ان کے پیچھے کوئی ایسا جذبہ کارفرما ہو جو ان پر اپنی قوت کے ذریعے غالب و حاوی ہو۔ اور اس قسم کا جذبہ صرف مسلمان علماء و مفکرین ہی کے ہاں بکثرت موجود ہے۔ ان کے سوا دیگر کسی کے پاس اس کا نام و نشان تک موجود نہیں۔ مسلمانوں کے ہاں اس کے وجود کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں اس بات کا بھی یقین ہے کہ وہ اپنی زندگی اس منہج کے مطابق بسر کرنے کے مکلف ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت نے ان کے سامنے واضح کیا ہے۔

لہذا وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات سے واقفیت حاصل کرنے کے بھی مکلف ہیں اور اس شدید خواہش کے بھی مکلف ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات، سیرت اور آپ کے اقوال سے تعلق رکھنے والی کوئی یقینی چیز کسی ایسی چیز کے ساتھ مخلوط نہ ہو۔ جس میں وہم، جھوٹ اور افتراء کی دراندازی کا خدشہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو اس کے اس یقین نے اس سخت مشکل، دقیق منہج تک پہنچایا ہے۔ جس کو انہوں نے ہر روایت اور ہر تاریخ کی صداقت جانچنے کی کسوٹی کے طور پر اپنایا ہے۔

اور اس منہج کی تطبیق کی راہ میں پیش آنے والی تمام مشقتوں اور تکلیفوں کو انہوں نے بہت ہی خفیف سمجھا اور خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ مسلمانوں کے ہاں اگر یہ یقین اور جذبہ کارفرما نہ ہوتا تو تم محدثین میں سے کسی کو بھی اس طرح نہ دیکھتے کہ وہ مشکل حالات میں اپنے وطن سے سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے ایک شیخ کی خدمت میں صرف اس لئے حاضر ہوتا ہے۔ کہ یہ شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کرتا ہے حالانکہ اس حاضر ہونے والے کو پہلے سے ہی اس حدیث کا علم بھی ہے اور اس کو وہ حدیث یاد بھی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اتنی مشقت اٹھا کر اس کے پاس اس لئے جاتا ہے تاکہ وہ اس حدیث کو اس شیخ سے بھی حاصل کرے اور اس حدیث کی اس شیخ کی سند کے مطابق روایت کرنے کی اجازت بھی حاصل کر سکے تاکہ اس کے ہاں اس حدیث کے طرق میں اضافہ ہو جائے۔ اور وہ اس حدیث کی تمام ممکنہ اسانید پر واقفیت حاصل کر سکے۔ تمہارے لئے احادیث رسول میں سے کسی بھی حدیث کی سند کو کسی بھی حدیث کی کتاب (جیسا کہ صحیح بخاری) میں پڑھنا نہایت ہی آسان ہے۔ خواہ تم اپنے ہستر پر تکیہ لگائے ہوئے ہو یا اپنے ڈبیک کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہو۔ لیکن مشکل چیز اس تعجب انگیز محنت کی صورت کا ظہور ہے جو محنت اس سند کی طرف ان دوسطروں میں صرف کی گئی ہے۔

جس کی طرف آج التفات نہیں کیا جاتا۔

یہ تذکرہ تو اس جذبہ کا تھا جس نے مسلمان علماء کو روایت کی تحقیق کے لئے کامل منہج کے قیام پر مجبور کیا۔ لیکن مغربی مفکرین کے ہاں وہ کون سا جذبہ ہو سکتا ہے جو انہیں اس منہج کو اختیار کرنے پر مجبور کر سکے؟

اس سے تمہیں معلوم ہوا ہوگا کہ بہت سارے علمی موضوعات کی تحقیق میں اسلامی اور مغربی فکر کے درمیان دو مختلف انداز پائے جاتے ہیں۔ اس کی وضاحت کے لئے تم تمہارے سامنے حقیقت وحی کی مثال رکھتے ہیں کہ اس میں مسلم مفکرین اور مغربی

مفکرین کا انداز تحقیق کیا ہے؟

اس مسئلہ میں مسلمان علماء نے درج ذیل طریقہ تحقیق اپنایا ہے۔

۱- روایت کی تحقیق اور الفاظ کے ضبط اور سند کی تحقیق کے بعد تمام علماء اسلام اس نتیجے پر پہنچے کہ حدیث وحی صحیح ہے جو اتنے زیادہ طرق سے وارد ہے جو توازن معنوی کی حد سے متجاوز ہیں۔

۲- اس کے بعد ایسے استقراء تام سے کام لیا جس نے ان کے سامنے دلیل التزام اور قیاس اولیٰ کی دلیل پیش کر دی۔ اس وقت ہم اس تحقیق کی تفصیل بیان نہیں کر سکتے۔ جو تحقیق علماء نے اس بارے میں کی ہے۔ اس کو کسی دوسرے باب کے تحت بیان کریں گے۔

اسلامی فکر اس تحقیق میں اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ وحی یقیناً ایک ایسی ذاتی مستقل حقیقت ہے جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فطرت اور آپ کے شعور و افلاک سے خارج اور اس میں آپ کے کسب اور آپ کے فکری و علمی سلوک کو کوئی دخل نہیں۔ مغربی مفکرین نے اس بارہ میں درج ذیل طریقہ اختیار کیا ہے۔

۱- سب سے پہلے انہوں نے وحی کا کلمہ لیا۔ اس اعتبار سے کہ وہ کوئی ایسا اثر یا بہم حادثہ ہے جس نے اپنے پیچھے تاریخ چھوڑی ہے۔

۲- اس کے بعد اس کلمہ سے فراست، وجدان اور خیال نے جو کچھ اور اک کیا اس سے نتیجہ اخذ کرنے کے لئے ظن و تخمین سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس کے بعد وحی کے معاملہ میں جس نتیجے تک پہنچے اس میں وہ مختلف گروپ بن گئے۔ بعض نے کہا کہ وحی داخلی حرکت فکر یہ ہے یا اللہ نام نفسی کی کوئی قسم ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وحی اشراق روحی ہے جو کشف تجریدی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اور بعض نے یہ کہنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کیا کہ وحی مرگی کے

۱- (اس کی بحث مصنف نے اسی کتاب میں نوات کے باب کے آغاز میں کی ہے)

دوروں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جو ان کے خیال میں (العیاذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دقتاً فوقتاً پڑتے رہتے تھے۔

لہذا اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ اس امر کے سمجھنے میں مغربی مفکرین اور مسلمان مفکرین ایک راہ اختیار کریں گے کیونکہ مغربی مفکرین نے روایت اور خبر اور ان کی اہمیت کا اعتبار نہیں کیا۔ انہوں نے صحیح متواتر روایت سے اپنے لئے تغافل جائز قرار دیا ہے اور اسی طرح انہوں نے ایسی تفسیر و تشریح کو بھی جائز قرار دیا جس کی نہ کوئی خبر تائید کرتی ہے نہ کوئی صحیح روایت اور نہ انہوں نے استقراء تام کے منہج کا التزام کیا، نہ اس منہج کا جسے قانون التزام اور قیاس اولیٰ ثابت کرتا ہے۔

اسی لئے اہل مغرب کے ہاں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نزول وحی کے بعد ایسی شخصیت کے طور پر تصویر کشی جائز ہے جو آپ کی سابقہ شخصیت کے متناقص ہو۔ بلکہ آپ کی زندگی کے تمام احوال کے یکسر مخالف ہو۔ اور ان مغربی مفکرین کے ہاں یہ بھی جائز ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ پر سب سے بڑھ کر خلاف واقع بات بیان کرنے والا قرار دیں۔ باوجودیکہ آپ لوگوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر دیانت داری، صداقت کا مظاہرہ کرنے والے تھے۔ اور ان کے ہاں یہ بھی جائز ہے کہ وہ آپ کو آغاز وحی کا واقعہ (جو ان کے خیال میں درحقیقت بعض باطنی الہامات و افکار مجرّمہ تھے) پیش آنے کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے اپنے چہرے پر زردی اور مصنوعی خوف طاری کر کے فریب دینے والا اور خلاف واقع بات بیان کرنے والا ثابت کریں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

علمی دعوؤں کی پرکھ کا منہج

اس کے بعد ہم موضوع کی دوسری جانب منتقل ہوتے ہیں۔ پس ہم دریافت کرتے ہیں دعاوی میں کون سے دعویٰ یا مفروضات میں سے کون سے مفروضہ میں تحقیق کی موافقت کرنے والا وہ کون سا علمی منہج ہے جس پر مغربی مفکرین نے اتفاق کیا

ہے؟ ہمیں اعتراف ہے کہ سائنسی علوم سے متعلق مفروضات کے بارے میں یورپ نے بلاشبہ ترقی یافتہ زمانہ کے آغاز سے ہی تجربہ و مشاہدہ کا ایک ایسا منہج ایجاد کیا ہے جس میں حسن و باریکی کے تمام ارکان موجود ہیں۔ اس پر بس نہیں کیا بلکہ یورپی فکر نے ایجادات و اختراعات کی چال کو علمی تجربہ کی مدد اور اس کی تقویت اور اس سے عظیم استفادہ کے لئے بطور وسیلہ بھی استعمال کیا ہے۔

ہمارا یہ کہنے میں کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو ایسا کہنا اچھا لگتا ہے کہ یورپ نے یہ منہج تو ہم مسلمانوں سے حاصل کیا ہے کیونکہ حقیقت تو یہ ہے یورپ آج بقتا اس ورثہ کی وجہ سے مستغنی ہے ہم اتنے ہی اس کے محتاج ہیں جس کی ملکیت پر ہمیں کبھی فخر تھا۔ ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہم اس واضح حقیقت کو اچھی طرح آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ تاریخ ہمیشہ اسی زمانہ کی ملک ہوتی ہے جس میں وہ پیدا ہوتی ہے۔ جو نہ کسی شرف کا وارث بناتی ہے نہ کسی انحطاط کا۔ وہ تو اپنے پیچھے صرف ایک شے چھوڑتی ہے اور وہ عبرت ہے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یورپ میں سائنسی علوم اور ان کے تجرباتی نتائج کے میدان میں جس درجہ بلند ترقی کی ہے اسی قدر دوسرے مدرکات یقینیہ جو ہجرات اور غیبات کے تحت داخل ہیں کے میدان میں پیچھے رہ گئی ہے۔

ان مدرکات کے متعلق یورپ کے علماء و مفکرین پر دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا لازم ہے۔

یا تو وہ ان مدرکات کے بارے میں بحث و تمحیص کا دروازہ بالکل بند کر دیں۔ اس لئے کہ انہوں نے مادی علوم سے جو کچھ حاصل کیا ہے۔ اس نے ان کو ان علوم کے سوا دوسرے علوم میں کسی قسم کی فکری محنت اور جدوجہد کرنے سے بے پروا کر دیا ہے۔ اور اگر وہ ان مدرکات سے انحراف و انصراف ممکن نہیں سمجھتے تو ان تک رسائی کے لئے وہ ایک ایسا منہج ایجاد کریں جو حقیقت اور خالص نظر علمی سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن حقیقت

میں انہوں نے ان دونوں میں سے کوئی راستہ بھی اختیار نہیں کیا۔ انہوں نے ان کی تحقیق کے لئے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کو ایک عجیب و غریب طریقہ کہا جاسکتا ہے۔ مغربی مفکرین کو اپنے ذہنوں میں موجود نظریات و مفروضات میں سے جو مفروضہ پسند آئے اس کی تحقیق کا آغاز اپنی پسند یا اپنے اس معاشرہ اور اپنے اس مکتب فکر کے اشارہ کے مطابق کرتے ہیں جس معاشرہ یا مکتب فکر کے زیر سایہ ان کی نشوونما ہوئی ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ نتیجہ اخذ کرنے والے ایسے دلائل کی جستجو میں رہتے ہیں جو ان کے سابقہ مفروضہ سے موافقت رکھتے ہوں اور جو دلائل ان کے اس مفروضہ کے مخالف ہوں۔ ان کو کسی نہ کسی طریقہ سے کمزور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ وہ صرف اپنی خواہش کی تابعداری کے لئے کرتے ہیں۔ اس مقام پر ہم یہ بھی کہنا چاہتے ہیں (تاکہ محققین کی اس قلیل تعداد پر ہماری طرف سے کوئی زیادتی نہ ہو۔ جس نے اپنے آپ کو اپنی پسند سے الگ تھلگ کر کے بے لاگ، آزاد اور خالص تحقیقات کے ایک حصہ کو قبول کیا ہے کہ یہ مذکورہ وصف اسی عقلیت پر منطبق ہوتا ہے جو مغربی مفکرین کی غالب اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے اور مذکورہ نوعیت کے علمی قضایا کے غالب حصہ میں منطبق ہوتا ہے۔

اس حقیقت کا واضح عکس اور اسے تعبیر کرنے والے روشن دلائل ہمیں اہل مغرب کے اس مکتب فکر کے ہاں ملتے ہیں جس کا خیال ہے کہ عقیدہ نفسانی خواہش کے تابع ہونا چاہئے۔ ان کے خیال میں کسی بھی امر پر جازم عقیدہ رکھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ انسان کا ارادہ صرف اس کی طرف متوجہ ہو اور انسان صرف اس کی ضرورت کا شعور رکھے تو اس کے بعد انسانی ارادہ یا انسانی ضرورت خود بخود اس عقیدہ پر ایک دلیل کے بعد دوسری دلیل پیش کرتی جائے گی۔

تحقیق و بحث کے لئے اس مذکورہ طریقہ کو استعمال کرنے والے لوگوں میں معروف امریکی مفکر ”ولیم جیمس“ سرنہرست ہے۔ اور اس کی معروف کتاب اس طرز

تحقیق کی تشریح کرنے اور اس کی دعوت دینے والے مصادر میں سے اہم مصدر ہے اور اس منہج کا عجیب و غریب مظہر واضح طور پر اس وقت ہمارے سامنے آتا ہے جب ولیم جیمس فکری توجہات کی تقسیم کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم مردہ اور دوسری زندہ ہے اور مردہ توجہ کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے یہ وہ ہے جس میں محقق کے لئے کوئی کشش نہ پائی جاتی ہو اور اس کی مثال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے جب کسی کو مسیحی یا لادری بن جا کہنے کی بجائے صوفی یا مسلمان بن جا کہا جائے کیونکہ صوفی یا مسلمان بننے کی طرف نہ رغبت پائی جاتی ہے نہ اس کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔ اس لئے اس میں بحث و تحقیق کرنا بھی باطل ہے۔

(لاحظہ ہو ولیم جیمس کی کتاب عقل و دین۔ ص ۵۴)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس منہج کو ولیم جیمس کے علاوہ بھی بہت سارے دیگر مغربی مفکرین نے بھی اختیار کیا ہے اگرچہ کچھ لوگوں نے اس منہج کی مخالفت بھی کی ہے۔ تاہم ان موافقین و مخالفین سب کی مختلف تحقیقات کی واقعیت اس منہج کا مدد بولنا ثبوت ہے جو بلند آواز سے یہ صدا دے رہی ہیں کہ عقیدہ کی بنیاد محض رغبت و خواہش کے ایک بڑے حصہ پر رکھی جانی چاہئے۔ گرچہ ہم یہ نہیں کہتے صرف واحد رغبت پر رکھی جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مغربی مفکرین نے ماسوائے چند لوگوں کے باقی سب کی تحقیقات میں واقعیت و موضوعیت کا کوئی اثر تلاش کرنا بے کار ہے۔ بالخصوص ان کے ہاں اخذ نتیجہ کا طریقہ ہی ایسا ہے جو ہر خواہش و رغبت کو قبول کر لیتا ہے۔ اور ان کے ہاں اس باب میں تحقیقات کا واحد طریقہ یہی ہے جس اور دیگر تمام مغربی مفکرین کے درمیان یہ قدر مشترک ہے کہ وہ سب دینی عقیدہ کے تانے بانے کو ان مختلف دنیاوی مصلحتوں سے حاصل کرتے ہیں جن کو وہ اپنی معیشت اور معاشرت میں محتاج ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے بالطنی افکار و عقول سے تعلق رکھنے والے دینی عقائد کا ان

کی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ اس کے برعکس ان کے عقول اور بالطنی افکار ان کے طرز زندگی اور معاشرتی احوال سے متاثر ہوتے ہیں۔ دیکھئے کہ برطانوی مفکر "اس فکری منہج کا اتنے واضح الفاظ میں اظہار کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے وینداری عمل دنیاوی منفعت کے تقاضوں کے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ وینداری کو اگر موثر تسلیم کیا جائے تو وہ جزاء و سزا سے مرکب ہوتی ہے اور اس کے سزا کے پہلو کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ فقط ہیئت اجتماعیہ کو نقصان پہنچانے والے اعمال پر مرتب ہو اور اس کی جزاء کا پہلو صرف ان اعمال پر متوقف ہو جو ہیئت اجتماعیہ کے لئے نفع بخش ہوں اور وینداری کے عمل پر حکم لگانے کا ایک سیاسی علاج و بہبود کی جہت سے دیکھا جائے۔ اور اس کے علاوہ دیگر کسی حیثیت سے اس کی طرف التفات نہ کیا جائے۔

جب ان مغربی مفکرین نے یہ محسوس کیا کہ تحقیق و بحث کے اس منہج سے فطرت عقل عمل طور پر اختلاف رکھتی ہے اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ عقل کو بے مہار چھوڑنا ان کے بہت سارے ان قواعد و احکام فکر یہ کے فساد کا سبب بن جائے گی جن کو انہوں نے اس منہج پر قائم کیا ہے تو ان لوگوں نے ایک ایسے مکتب فکر کے قائم کرنے میں کوئی ہاک محسوس نہیں کیا جس کی بنیاد عقل کی تحقیر اور عقلی دلائل و براہین کے انکار پر قائم ہو۔ اور ان لوگوں نے عقل کی طرف سے دین پر آنے والے مصائب و فسادات سے ایک دوسرے کو رانے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کیا (یہاں پر دین سے مراد وہ دین ہے جس کو انہوں نے اپنے اس منہج کے مطابق سمجھا ہے جس کی ہم نے وضاحت کر دی ہے)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبوت

نبوت و رسالت کے معنی کی تحقیق اور ان میں سے ہر ایک کی تعریف نبوت کا کلمہ لہذا معنی خبر سے ماخوذ ہے اور نبوت کا معنی ہے بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر کا اس ذات تک پہنچنا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے اس کے قبول کرنے کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ اس معنی کا پیش نظر کلمہ نبوت نبی اور اللہ تعالیٰ کے مابین تعلق کی تفسیر ہوگا اور وہ تعلق وحی اور انبیاء کا ہے۔

اور کلمہ رسالت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں میں سے کسی کو معین شریعت یا معین حکم دوسروں تک پہنچانے کا مکلف بنانا۔ اس معنی کے پیش نظر کلمہ رسالت نبی اور دیگر انسانوں کے مابین تعلق کی تفسیر ہوگا اور وہ تعلق بعثت و رسالت کا ہے۔ لہذا نبی میں جب اس حالت کا اعتبار کیا جائے جو اللہ تعالیٰ اور نبی کے درمیان ہے تو وہ نبوت ہوگی اور اگر نبی اور دیگر انسانوں کے درمیان جو حالت ہے اس کا لحاظ کیا جائے تو وہ رسالت ہوگی۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسالت سے نبوت افضل ہے کیونکہ رسالت اس تعلق کا اظہار ہے جو رسول اور دیگر انسانوں کے درمیان ہے اور نبوت اس تعلق کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اور پیغمبر کے درمیان ہے۔

نبوت و رسالت میں فرق

یہاں ایک اجتہادی بحث ہے جس کا حقائق قطعیہ متفقہ سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے اس میں علماء کرام کے درمیان اختلاف بھی پایا جاتا ہے اور وہ بحث یہ ہے کہ کیا رسول اور

نبی دونوں کلموں کا اطلاق ایک مدلول پر ہوتا ہے یا کہ دو مختلف مدلولوں پر تا آنکہ یہ جائز ہو کہ انسان نبی تو ہو اور رسول نہ ہو؟

علماء کی ایک جماعت کا مذہب ہے کہ یہ دونوں کلمے مترادف ہیں اور دونوں کا مدلول ایک ہی ہے، لہذا ہر رسول کو نبی اور ہر نبی کو رسول کہا جائے گا البتہ رسول اس تعلق کے پیش نظر کہا جائے گا جو نبی اور دیگر انسانوں کے درمیان ہے اور نبی اس تعلق کے پیش نظر کہا جائے گا جو نبی اور اس کے رب کے درمیان ہے۔ لہذا یہ دونوں کلمے باہمی لازم و ملزوم ہیں یہ مذہب مالکی علماء میں سے قاضی عیاض وغیرہ کا ہے اور علماء کی کثرت کا مذہب یہ ہے کہ ان دونوں کلموں کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے اس لئے کہ نبی اس ذات کو کہا جاتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کسی امر کی وحی فرمائے خواہ اس کی تبلیغ کا مکلف بنائے یا نہ۔ پس اگر انسانوں تک اس کی تبلیغ کا مکلف بھی بنائے یا اس طور کہ اس ذات پر کسی شریعت یا کتاب کی وحی فرمائی ہو تو وہ ذات رسول بھی ہوگی۔ اس مذہب کے مطابق ہر رسول نبی ہے کیونکہ انسانوں تک پیغام الہی پہنچانا اللہ تعالیٰ کی جانب سے وصول خبر کی فرع ہے اور ہر نبی رسول نہیں کیونکہ کبھی جس ذات اللہ اس پر وحی کی جاتی ہے، اس ذات کو اس کی تبلیغ کا مکلف نہیں بنایا جاتا۔

فریقین میں سے ہر ایک کے پاس ظاہر کتاب و سنت سے دلائل موجود ہیں اس لئے میں ہمیں ان دلائل میں سے کسی دلیل کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی دونوں میں سے کسی کے موقف کو ترجیح دینے کے لئے بحث کو طول دینے کی چنداں ضرورت ہے جس تک بحث رہے گی معاملہ آسان ہے جیسا کہ ہم نے آغاز بحث میں کہا تھا کہ اس بحث کا ضروریات دین سے کوئی تعلق نہیں اس کا تعلق فروع اجتہادیہ سے ہے۔

نبی اور رسول میں سے ہر ایک کی تعریف

اس سابقہ بحث کی روشنی میں ہم نبی اور رسول میں سے ہر ایک کی تعریف کرتے

ہیں کہ وہ انسان ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کے واسطے سے وحی فرمائی ہو کہ تعریف اختراع کی ہے اس سے فریب نہیں کھاؤ گے۔ اس تعریف کو علامہ استاذ مصطفیٰ صبری نے شرح عقائد جلالی پر محمد عہدہ کی تعلیقات کے صفحہ ۳ سے نقل کیا ہے۔ جہاں پر وہ کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ کبھی نبی کی تعریف کی جاتی ہے۔ وہ انسان جس کی تخلیق علم و عمل کے لحاظ سے حق پر کی گئی ہو، یعنی بایں طور کہ وہ سوائے حق کے نہیں جانتا اور سوائے حق کے عمل نہیں کرتا جو نقصانے حکمت کے موافق ہوتا ہے اور یہ چیز فطرت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے یعنی وہ اس بارے میں تعلیم الہی کے سوا نظر و فکر کا محتاج نہیں ہوتا۔ پس اگر اس کی تخلیق انسانوں کو اپنی فطرت کی جانب دعوت دینے کے لئے بھی کی گئی ہے تو وہ رسول بھی ہے۔ معنی نبوت کی گزشتہ اس تعریف کے بعد جس پر کتاب و سنت کے دلائل دلالت کرتے ہیں اور جس پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہو چکا ہے۔ تمہارے لئے نبوت کے معنی کی اس عجیب و غریب اختراعی تعریف پر کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں اور تمہیں اس بات کی بھی ضرورت نہیں کہ میں اس راز سے پردہ اٹھاؤں جو نبی کی تعریف میں کلمہ وحی کہ جس پر تمام مسلمان زمانہ نبوت سے لے کر اس وقت تک نبی کی تعریف میں بنیادی قید کے طور پر استعمال کرنے میں متفق ہیں، کی بجائے کلمہ فطرت کو استعمال کرنے کا مقتضی ہے اس کے باوجود ہم حیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں وحی کے متعلق مختصر کام مناسب سمجھتے ہیں تاکہ اس میں غور و فکر کے بعد تمہیں وہ غرض معلوم ہو جائے گی جس کے لئے طہ اور دین میں تفکیک پیدا کرنے والے لوگ وحی کی عقدہ کشائی کے اثنا میں جس غلط و خطا اور اضطراب کا شکار ہوئے ہیں اور تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ علمی بحث کی تمام صورتوں سے اپنا دامن کیسے بچاتے ہیں اور ہر اس وہم و حدس اور تخمین کو جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اعتراف سے انہیں دور رکھے اس کو کیسے بسر و چشم تسلیم کر لیتے ہیں ہم چاہتے ہیں آپ اس بحث اور اس کی

حقیقت میں اور دشمنان اسلام کی اسلامی عقیدہ کے بارے میں فریب دہی کی کیفیت پر غور کریں اور ہمارا اس سے صرف یہ مقصد ہے کہ آپ حریت عقلی جو ہر قسم کی تقلید و غرض اور خواہش نفس سے پاک ہو کو اختیار کریں۔

حقیقت وحی

وحی وہ بنیاد اول ہے جس کی حقیقت پر رسالت و نبوت کا معنی قائم ہے اور جو تمام اخبار غیبیہ، امور اعتقاد یہ اور احکام شرعیہ کا منبع اول ہے۔ کیونکہ حقیقت وحی ہی وہ واحد التیازی لفرق ہے اس انسان کے درمیان جو اپنے پاس سے گھڑتا اور اپنی عقل و رائے سے قانون بناتا ہے اور اس انسان کے درمیان جو اپنے رب کی جانب سے ملنے والے احکام کی بغیر کسی تہدیلی اور بغیر کسی کمی و زیادتی کے تبلیغ کرتا ہے۔ اس لئے دشمنان اسلام سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں وحی کے موضوع کا مقابلہ کرنے میں پریشان ہیں اور وحی کی حقیقت کو مشتبہ بنانے اور وحی اور الہام اور حدیث نفس بلکہ مرگی کے دورے کے درمیان تک اختلاط ثابت کرنے کے لئے اپنی تمام تر فکری کوششیں صرف کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ وہ اس لئے کر رہے ہیں کہ انہیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ہاں سے جو کچھ بھی لے کر تشریف لائے ہیں اس پر مسلمانوں کے ایمان و یقین کا منبع صرف وحی ہی ہے اگر حقیقت وحی کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالا جاسکے تو انہیں وحی سے ماخوذ تمام عقائد و احکام کے انکار پر آمادہ کرنا بھی ممکن ہو جائے گا اور انہیں یہ نظریہ باور کرنا بھی ممکن ہوگا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مہادی احکام کی دعوت دی ہے وہ ان کی ذاتی فکر کا نتیجہ ہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے فکری جنگ کے پیشہ ور جس طرح وحی کی اس کی ظاہری حقیقت سے مجروح کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح وحی کی تاویل اور اس کو جس صفت کے ساتھ سوزر حین اور صحیح احادیث نے نقل کیا ہے اسے بعید ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے ان میں سے ہر

ایک نے اپنے تصورات و خیالات کے مطابق راہ اختیار کی ہوئی ہے۔

ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غور و فکر کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ دائمی تدبیریں کشف کے ذریعہ ان کی ذات میں وہ عقیدہ پیدا ہو گیا جس کو وہ بت پرستی کے خاتمہ کا ضامن سمجھتے تھے اور کچھ لوگ اس سے بھی بڑھ کر اس قول کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و اسلام کے مبادی کا علم بحیرا راہب سے حاصل کیا اور کچھ لوگ کہتے ہیں یہ دونوں باتیں نہیں بلکہ نعوذ باللہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا تو ایک متعصب شخص تھے یا مرگی کے مریض تھے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) میرا عقیدہ ہے کہ ان لوگوں سے وہ علمی دلیل دریافت کرنے کا ہر فکرمند حق رکھتا ہے جس کی بنیاد پر وہ وحی اور اس کی حقیقت کے بارے میں اپنے ان خیالات کا اثبات کرتے ہیں۔ خصوصاً یہ وہ لوگ ہیں جو ہم پر الزام تراشی کرتے ہیں کہ ہم اپنی دینی مباحث کو صرف عقیدے کی بنیاد پر قائم کرتے ہیں جس طرح تم بخوبی جانتے ہو پس وہ علم یا علم کی صورت ان کی اپنی بحث میں کہاں ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ حیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کلمہ وحی کے وجود کا مصدر وہ خبر ہے جو قرآن، سیرت اور صحیح احادیث کے ذریعہ ہم تک منقول ہوئی ہے۔ ان مصادر کے واسطے سے یہ کلمہ اگر ہم تک نہ پہنچتا تو اس کا وجود نہ ہمارے افکار میں ہوتا نہ ہی دشمنان اسلام کے تصورات میں ہوتا نہ ہی اس کی بابت کوئی بحث ہوتی اور نہ ہمارے ہاں اور نہ دشمنان اسلام کے ہاں نظریات میں سے کسی نظریہ اور معانی میں سے معنی کے ذریعہ اس کی تفسیر کی جاتی۔

اس گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی نسبت تمام مباحثین کے ہاں اتفاقی و اجتماعی امر ہے۔ ان مباحثین میں مستشرقین اور دشمنان اسلام بھی شامل ہیں اور وہ لوگ بھی جو ان کی تقلید میں آوازیں بلند کرتے ہیں۔

اس پر اتفاق کا سبب تاریخ ہے اور تاریخ بھی، وہ جو قرآن اور صحیح حدیث اور

سیرت نبوی کی صورت میں ہے۔ ان سب میں نمایاں آغاز وحی کا وہ واقعہ ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے۔

ہماری یہ گفتگو واضح اور ہر شبہ سے بالا ہے۔ لہذا جب ہم وحی کی تفسیر معلوم کرنے کے لئے ان تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ بات کسی صورت میں بھی قرین عقل نہیں کہ ہم حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اثبات وحی کے لئے تو ان تاریخی نصوص سے استدلال کریں اور انہیں صحیح بھی تسلیم کریں جب یہی نصوص ہمارے سامنے وحی کی تفسیر و توضیح پیش کریں تو ہم ان سے یکسر اعراض کر بیٹھیں۔

ہر ذی شعور انسان جانتا ہے کہ اس بارے میں بحث کرنے والے کے سامنے دو ہی راستے ہیں جن میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑے گا۔ یا تو وہ پوری تاریخ اور ان ہماری نصوص کا انکار کر دے جو اس بارے میں وارد ہیں اگر واقعی ایسا کر گزرے تو پھر حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وحی نام کی کسی شے کے متعلق گفتگو ہی نہ کرے کیونکہ جب یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں وحی کا وجود ہی نہ تھا، یا وہ ان تاریخی مصادر اور ان نصوص پر اعتماد رکھے اور اپنے اندر ان سے انکار کی گنجائش نہ پائے تو اس صورت میں اس پر لازم ہے کہ وہ ان تمام حقائق و وقائع کو بھی تسلیم کرے جن کی شہادت یہ نصوص پیش کر رہی ہیں۔

اس لئے ہمارا یہ کہنا درست ہے اور حقیقت چھپائی بھی نہیں جاسکتی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن، نصوص سنت اور سیرت کی جانب رجوع کرتے ہیں اور ان میں سے کلمہ وحی کو ہر اس تفسیر و توضیح سے مجرد اور چھٹا کر نکال لیتے ہیں جو خود ان نصوص سے پیش کی ہیں تاکہ اس کلمہ کو ایسی تاویلات اور معانی پر محمول کیا جاسکے جو ان معانی کے مغائر ہوں جن میں تاریخ اور نصوص نے بیان کیا ہے۔

ہم کہتے ہیں یہ حقائق سے مذاق کرنے والے صرف علم کے دشمن نہیں بلکہ عقل کے بھی دشمن ہیں کہ عقل کے مقتضیات بدھیہ میں سے واضح ترین مقتضی کی مخالفت کر

رہے ہیں۔

ہم نے جب ان فیصلہ کن نصوص کی وحی کی جو تفسیر کی ہے اور ان تفسیرات کا باہمی موازنہ کرتے ہیں جو ان مستشرقین اور دشمنان اسلام نے عجیب خیالی امور سے کہی ہیں تو ہر ذی شعور ان تفسیروں کے قول کی اشاعت و فروغ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اقرار سے گریزی سمجھے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے آغاز کا وہ واقعہ جو امام بخاری وغیرہ کی مروی حدیث میں وارد ہے اس سے ہم بڑی وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کا ادراک کر سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ حضرت جبرائیل کو اپنی آنکھوں سے کیوں دیکھا؟ جبکہ یہ بھی ممکن تھا کہ پہلے پردہ سے وحی کی جاتی؟

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں رعب اور حیرت کیوں ڈالی گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، آپ کی حفاظت کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ کے قلب اقدس میں اللہ تعالیٰ اطمینان پیدا فرماتا اور آپ کے دل کو مضبوط فرماتا کہ آپ نہ خوف محسوس فرماتے اور نہ ہی آپ کے جسم پر کسی کپکپاہٹ طاری ہوتی.....؟ اس کے بعد عرصہ دراز تک آپ سے وحی کا سلسلہ کیوں منقطع رہا؟ اور جس کے سبب آپ بہت زیادہ پریشان کیوں رہنے لگے؟

آغاز وحی کی صورت سے متعلق یہ بنیادی سوالات ہیں جن کے جوابات میں غور کرنے سے ہم اس صورت کو ایک حکمت پر مشتمل پاتے ہیں اور وہ حکمت یہ ہے کہ ایک دیاندار مفکر اس صورت کو جو علمی یقینی نیچ پر قائم ہے، کو ایک ایسی خالص حقیقت جو فکری جنگ کے پیشہ ور لوگوں کے شرک میں پڑنے اور ان کے من گھڑت باطل خیالات کے قبول کرنے سے محفوظ رکھنے والی پائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جبریل امین کو اپنی آنکھ سے اپنے سامنے دیکھتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر رہے ہیں ”اقراء“ پڑھئے تاکہ یہ حقیقت

کوب واضح ہو جائے کہ وحی آپ کا ذاتی اور داخلی معاملہ نہیں جس کا تعلق صرف حدیث نفس سے ہو بلکہ وہ ایک خارجی حقیقت کے قبول کرنے کا معاملہ ہے جس کا ذات اور ایمان ذات سے کوئی تعلق نہیں اور جبریل تین مرتبہ آپ کو پکار کر بھیجتے اور چھوڑتے اور ہر مرتبہ آپ سے یہ کہتے ”اقراء“ اس تلقی خارجی کی تاکید اور اس چیز کی نفی میں مبالغہ شمار کیا جائے گا جس کا کبھی تصور کیا جاسکتا تھا کہ یہ معاملہ صرف داخلی خیال کے سوا کچھ نہیں ہے۔

آپ نے غار حرا میں جو کچھ سنا اور دیکھا اس کے سبب آپ پر رعب اور خوف طاری ہو گیا حتیٰ کہ آپ غار حرا میں غلوت گزینی منقطع کر کے اس حال میں گھر کو پلٹے کہ آپ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا یہ سب کچھ اس لئے ہوا تا کہ ہر عقل والے پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے کہ وحی کسی ایسی چیز کی موافقت یا تکمیل کے لئے نہیں آئی جس کا تصور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے کر دکھایا تھا یا جس کا منصوبہ آپ کے دل پر کھٹک رہا تھا بلکہ یہ آپ پر اچانک طاری ہوئی تھی۔ یقیناً اس شخص کا حال ایسا نہیں ہو سکتا جو تدبیرچی طور پر فکر کرتا رہتا ہے تا آنکہ اس کی ذات میں دائمی تدبیرچی کشف کی وجہ سے ایسا عقیدہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کی دعوت دینے پر یقین کر لیتا ہے۔

نیز الہام، حدیث نفس اور اشراق روحی، تاملات علویہ کے حالات میں سے کوئی حالت بھی خوف، رعب اور رنگت کی زدوی کا باعث نہیں بنتی جس پر ایسا قیاس یقینی دلالت کرتا ہے جو ان تمام حالات اور ان کے مشابہ احوال کے نتیجے پر قائم ہے اور نہ ہی ایک جانب تدبیرچی تفکیر اور دوسری جانب اچانک خوف و رعب طاری ہونے کے درمیان کوئی مطابقت پائی جاتی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ تمام مفکرین اور متاملین اچانک لاحق ہونے والے خوف اور رعب سے بچنے کی تدابیر میں لگے رہیں۔

اور تم بخوبی آگاہ ہو کہ خوف، رعب جسم کا کانپنا اور رنگ کا متغیر ہونا یہ تمام خارجی اثرات ہوتے ہیں جن کے تھنوع اور تصویر میں انسان کو کوئی دخل نہیں ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ان کے مشابہ تصویر اور تصنع کے صدور کا امکان بھی فرض کر لیں تو ہم ایک امر محال کو فرض کر رہے ہوں گے کہ آپ کی وہ معروف طبع (جو بعثت سے قبل صدق و امانت جیسے اعلیٰ اوصاف سے متصف تھی) کو اس کے بالکل برعکس بدلنے کو فرض کر رہے ہوں گے۔

اور اس اچانک پیش آنے والے خوفناک حادثہ کے متعلق حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی صفات حمیدہ بیان کر کے اطمینان دلانے میں اس حقیقت کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ وہی آپ کا داخلی معاملہ نہ تھا۔

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو مضبوط فرماتا ہے اور آپ کی ذات اقدس کو مطمئن فرماتا کہ آپ سے ہم کلام ہونے والا جبریل اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو آپ کو یہ بتانے آیا ہے کہ آپ انسانوں کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ آپ کی بعثت سے قبل کی شخصیت اور بعثت سے بعد کی شخصیت میں واضح فرق اور اس بات کا اظہار ہو جائے کہ عقیدہ اسلامی یا شریعت اسلام میں سے کوئی چیز بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کا اختراع نہیں کہ جس کی دعوت دینے کا آپ نے پہلے سے سوچ رکھا تھا۔

اور پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل (جو یہودیت و نصرانیت کے عمر رسیدہ عالم تھے) کے پاس لے جانے اور ان پر واقعہ پیش کرنے کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے الہام میں اس بات کی ایک طرح کی تاکید تھی کہ وہ حادثہ جو آپ کو اچانک پیش آیا ہے وہ وحی الہی ہے جو انبیاء سابقین پر بھی نازل ہوتی رہی ہے۔

اور اس کے بعد سلسلہ وحی کا انقطاع اور آپ کا چھ ماہ یا اس سے زائد عرصہ تک انتظار (اس بارے میں اختلاف معروف ہے) عجیب معجزہ الہی کی مثل پر مشتمل ہے

کیونکہ اس میں فکری جنگ کے پیشہ ور لوگوں کی اس تفسیر کا کہ وحی نبوی ایک اشراقی روحی تھا جو طویل غور و فکر کی وجہ سے آپ کی ذات میں پیدا ہوا تھا اور ایک ایسا امر داخلی تھا جو آپ کی ذات کی گہرائیوں سے ظاہر ہوا تھا، کا مبلغ ترین رد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو جسے پہلی مرتبہ آپ نے غار حراء میں دیکھا تھا ایک طویل مدت تک آپ سے مخفی رکھا جس کی وجہ سے آپ کی ذات میں اضطراب پیدا ہوا حتیٰ کہ آپ نے محسوس فرمایا کہ دنیا تنگ ہو رہی ہے، یہاں تک کہ آپ نے دوسری مرتبہ اسی فرشتے کو دیکھا جس کو پہلی مرتبہ غار حراء میں دیکھا تھا جو آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا آپ سے کہہ رہا تھا ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں“ آپ یہ دیکھ کر دہشت زدگی کی حالت میں گھر کو چلے جہاں آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ کلام نازل ہوتا ہے:

یا ایہا المدثر ۝ قم فاعلم ۝ (المدثر: ۱)

اے بالاپوش اوڑھنے والے، کھڑے ہو جاؤ پھر ڈرناؤ۔

یہ حالت جس سے آپ گزرے وحی کو الہام نفسی قرار دینے والے نظریہ کو ایک قسم کا جنون قرار دیتی ہے کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ الہامات نفسیہ اور تاکلات فکریہ والے لوگوں کے الہام اور ان کی فکر کو اس طرح کے حالات سے سابقہ نہیں پڑتا۔

اس طرح آغاز وحی کی حدیث جو صحیح حدیث کے قواعد کے مطابق وارد ہے ہر اس شبہ کے ازالہ پر مشتمل ہے جس کو تشکیک والے وحی اور نبوت کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں ڈالنے کا ارادہ کرتے ہیں اور ان سب کا ازالہ لزوم بین اور قیاس یقینی میں سے ہر ایک کے ذریعہ کرتی ہے یہ دونوں دلیلیں استقرائہ نام پر قائم ہیں، کیونکہ اس نص کے ثبوت کے باوجود اگر تم وحی کی ان خیالی تفسیرات کو اختیار کرو گے تو چند ایسے نتائج لازم آئیں گے، جو سب کے سب باطل اور عقل کا انہیں تسلیم کرنا ممکن نہیں۔

ہاں تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میں اپنے خیال کے مطابق اس نص کے ثبوت کو تسلیم نہیں

کرتا (اگرچہ یہ کہنا خبریقینی کی تکذیب میں مکابرہ ہے) تو ہم آپ کو جواب دیں گے کہ اگر یہ نص ثابت نہیں تو حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کلمہ وحی کا وجود کہاں سے آیا؟ اور جب ان نصوص کو جو اس کلمہ وحی کی بنیاد اور منبع ہیں، کو تسلیم نہیں کرتے ہو تو پھر خواہ مخواہ وحی کی من پسندیدہ تفسیروں کی بحث کی مشقت میں کیوں پڑتے ہو؟ اور کبھی سائل یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت سارے صحابہ کرام کے پاس تشریف فرما ہوتے تھے اور اس حال میں آپ پر وحی کا نزول ہوتا تھا لیکن فرشتے کو آپ کے سوا دوسرا کوئی نہیں دیکھتا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وجود موجودات کے لئے آنکھ سے دیکھنا کوئی شرط نہیں کیونکہ ہمارے اندر دیکھنے کا ذریعہ ایک معین حد کے ساتھ محدود ہے اور اگر وجود موجودات کے لئے دیکھا جانا ضروری ہوتا تو ہر اس چیز کا معدوم ہونا لازم آتا جو آنکھ سے اتنی دور ہو کہ دیکھا نہ جاسکے۔ نیز اللہ تعالیٰ جو دیکھنے والی آنکھوں کا خالق ہے اس کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ بعض آنکھوں کی قوت میں اضافہ فرما دے حتیٰ کہ وہ آنکھیں وہ کچھ دیکھ لیں جس کو دوسری آنکھیں نہ دیکھ سکیں۔

مالک بن نبی اسی بارے میں کہتے ہیں:

میرے چچا میرے سامنے مختلف رنگوں کی ایسی حالت پیش کرتے تھے کہ بعض رنگ ہر آنکھ کو نظر نہیں آتے تھے اور روشنی کی شعاعوں کا ایک مجموعہ بھی پیش کرتے تھے ان میں سے سوائے سرخ رنگ کی روشنی اور بنفشی رنگ کی روشنی کے ہم نہیں دیکھ سکتے تھے اور عملی طور پر بھی ثابت نہیں کہ یہ معاملہ تمام آنکھوں کو پیش آتا ہے ممکن ہے کہ آنکھوں میں سے کچھ آنکھیں زیادہ حساس ہوں اور کچھ کم حساس ہوں۔

وحی کا اس کے بعد دائمی تسلسل بھی اس حقیقت کی دلیل ہے کہ وحی محض ایک نفسی امر نہیں تھا جیسا کہ تھیک ڈالنے والوں کا خیال ہے۔ ہم اس استدلال کا ذیل میں اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) قرأت وحدیث میں واضح امتیاز کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو فورا لکھنے کا حکم فرماتے تھے جبکہ حدیث کے لئے صحابہ کرام کے حافظہ پر سپردگی کافی سمجھتے تھے، یہ اس لئے نہیں کرتے تھے کہ حدیث ان کا اپنا کلام ہے اور اس کا نبوت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ اس لئے کرتے تھے کہ قرآن اپنے الفاظ اور حروف سمیت بواسطہ جبریل آپ کی جانب وحی کیا جاتا تھا اور حدیث کا معنی اللہ کی طرف سے آپ پر وحی کیا جاتا تھا لیکن اس کے الفاظ اور ترکیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہوتے تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیث محسوس فرماتے تھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو جبریل کے ذریعہ سے آپ کو ملا ہے آپ کے اپنے کلام سے مخلوط نہ ہو جائے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض امور کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا جواب نہیں دیتے تھے، کبھی آپ کے اس سکوت پر ایک طویل مدت گزر جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اس سوال کے بارے میں قرآن کی کوئی آیت نازل ہو جاتی تب آپ اس سائل کو طلب فرما کر اس کے سوال کے بارے میں جو آیت نازل ہو چکی ہوتی اس پر تلاوت فرماتے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض امور میں کسی وجہ معین پر تصرف فرماتے تو قرآن کریم کی آیت نازل ہو کر اس وجہ معین پر تصرف سے باز رکھتی اور کبھی وہ آیت عتاب پر بھی مشتمل ہوتی تھی۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے اور یہ ممکن نہیں کہ انسان مکافضہ نفس کے ذریعہ تاریخی حقائق معلوم کر سکے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا وہ واقعہ کہ جب انہوں نے نومولود کو دریا کی موجوں کے سپرد کر دیا تھا اور فرعون کا قصہ یقیناً یہ آپ کے امی ہونے کی حکمتوں میں سے ایک حکمت تھی۔

وما كنت تتلو من كتاب ولا تحطه بيمينك اذا لارتاب
المبطلون (النبوت ۴۸)

اور اس سے قبل آپ کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ
لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک کرتے۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چالیس سال تک اپنی قوم میں صدق سے متصف اور
مشہور ہونا اس بات کا مقتضی تھا کہ آپ پہلے اپنی ذات کے متعلق صادق
ہوتے.....

سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں وحی کی حقیقت سمجھنے میں وحی کی حقیقت سمجھنے
کے بارے میں جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے اس کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے اس بارے میں ہمارے پاس خبر یقینی موجود ہے جو ہم تک تو اتر
سے پہنچی ہے اور تو اتر کی معروف شروط پر مشتمل ہے۔

وہ خبر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی گئی ہے اور اسی سے ہم نے زیر
بحث مسئلہ سمجھانے کی نصف مسافت طے کر لی ہے۔

جب ہم نے اس حقیقت کی عقدہ کشائی کرنے کا ارادہ کیا جس کے سبب حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کو اضطراب لاحق ہوا تھا تو اسی خبر نے ہمارے سامنے بہت سارے
واقعات اور احداث معینہ بیان کر دیئے۔ پس جب ہم نے اصل وحی کے اثبات میں
اس خبر کی تصدیق کی ہے تو اب ضروری ہے کہ اس خبر کے پیش کردہ واقعات کی تصدیق
بھی کی جائے اور ان واقعات کی تصدیق کے باوجود اگر وحی کو ان امور میں سے کوئی
امر فرض کر لیا جائے جن کے منکرین نبوت قائل ہیں تو اس مفروضہ سے ایسے باطل
نتائج لازم آتے ہیں جنہیں کوئی عقل تسلیم نہیں کرتی۔

الہام والے اور شعراء جب کسی شے میں تفکر کرتے ہیں تو ایک لمحہ کے لئے بھی
جسم کی کپکپاہٹ اور رنگ کی زردی میں مبتلا نہیں ہوتے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی

امانت اقدس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ بیک وقت صدق و
امانت کی صفات کے اعلیٰ مرتبہ اور وجل و فریب اور کذب کے ادنیٰ ترین مظاہر سے
متصف ہوں۔

جب ان نتائج کا ہر عقل کی میزان میں باطل ہونا ثابت ہوا تو اس مفروضہ کا
اطلاق بھی واضح ہوا جس سے یہ نتائج لازم آرہے تھے اور جب مفروضہ باطل ہو گیا
تو..... وقائع اور نصوص جس چیز پر دلالت کر رہے ہیں وہ ثابت ہو گئی۔ یعنی حضور صلی
اللہ علیہ وسلم پر وحی کا القاء ایک ایسی حقیقت تھی جو آپ کی ذات و ارادہ سے خارج تھی
اور نہ ہی جس کا آپ نے پہلے ہی سے تصور کر رکھا تھا۔

(۲) انبیاء کرام پر ایمان کی کیفیت

جب تم نے یقین کر لیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی گئی ہے اور اس قطعی دلیل کی بناء پر (جس کی ہم نے وضاحت کر دی ہے) وحی کے معنی کا بھی یقین کر لیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر تمہارا یقین رکھنا ضروری ہوگا، ہاں طور پر کہ تمہارا اس بات پر ایمان ہو کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی گئی ہے۔ پس جب قرآن کے بارے میں تمہارا یہ ایمان ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام (عنقریب قرآن، اعجاز قرآن اور اس کے من عند اللہ ہونے کی دلیل پر مزید بحث آئے گی) ہے تو اس بات کا تقاضا ہے کہ تمہیں انبیاء کرام و رسل عظام پر ایمان کے بارے میں درج ذیل امور کی معرفت ہو۔

(۱) سب سے پہلے نبی کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے وحی اور احکام کی تائید کے ساتھ بھیجا وہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ سب سے آخر میں تشریف لانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ جن کے بعد کوئی نبی نہیں حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت اس صریح خبر سے ثابت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی تخلیق کے واقعہ اور آپ کو زمین میں اتارنے اور اس ہدایت (جو عنقریب آپ کو اور آپ کی اولاد کو ملنے والی تھی) کے مکلف بنانے کے بارے میں دی ہے (حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کو آپ سورہ بقرہ، سورہ اعراف، سورہ کہف، سورہ طہ میں پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا کتاب اللہ اور سنت مطہرہ کی واضح اور صریح نصوص سے ثابت ہے

کتاب اللہ کی نصوص سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

مَا كَانَ كَمَا نَ مُحَمَّدًا اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَّسُوْلَ اللّٰهِ
وَخَاتَمُ النَّبِيِّیْنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا (احزاب: ۴۰)
محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ تعالیٰ کے رسول
ہیں اور سب نبیوں میں سے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

سنت کی نصوص میں سے آپ کا وہ ارشاد جو متفق علیہ حدیث میں مروی ہے کہ:
مِثْلُیْ وَمِثْلُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمِثْلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَهُ وَاَ
جَمَلَهُ اِلَّا مَوْضِعَ لَبَنَةٍ مِنْ زَادٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ
وِیَقُوْلُوْنَ هٰذَا لِلْبَنَةِ فَاِنَا الْبَنَةُ وَاِنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ
میری اور ان انبیاء کی مثال جو پہلے گزر گئے ہیں، ایسی ہے جیسے ایک شخص
نے ایک مکان بنایا اور اس کو بہت عمدہ اور خوبصورت بنایا اور اس کے ایک
گوشہ میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس مکان میں جاتے تو
تعجب کرتے اور کہتے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ آپ فرماتے
تھے کہ وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

یہ ان بدیہات میں سے ہے جن پر عقیدہ رکھنا ایمان اور اسلام کو دل میں راسخ
کرنے کے لئے ضروری ہے اور یہ حقیقت قیام قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کے نزول کے خلاف نہیں جو دلائل سے ثابت ہے۔ ”عنقریب ہم نبیات کے
انسان کے تحت اس بارے میں گفتگو کریں گے“ کیونکہ نزول عیسیٰ سے مراد یہ نہیں کہ وہ
اللہ تعالیٰ کے ہاں سے وحی اور جدید شریعت کے ساتھ تشریف لائیں گے۔ یعنی ان کا یہ
تشریف لانا ایسے نبی کا تشریف لانا نہیں، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو
منسوخ کر دیں بلکہ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تاکید و تقریر کرنے والے
اور آپ کی شریعت کی تکفید کرنے والے بن کر تشریف لائیں گے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں پچیس انبیاء مرسل کے اسمائے گرامی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ لہذا ان انبیاء کرام کی نبوت پر تفصیلی اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ملک کے لئے یہ جائز نہیں کہ جب انبیاء کرام (کہ جن کی نبوت پر قرآن کریم نے نص فرمائی ہے) میں سے کسی کے بارے میں دریافت کیا جائے تو وہ اس نبی کی ذات یا اس کے نبی ہونے کے بارے میں لاعلم ہو اور وہ انبیاء کرام حضرت آدم، حضرت اوریس، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسمعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت شعیب، حضرت ایوب، حضرت ذوالکفل، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت سلیمان، حضرت داؤد، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت یونس، حضرت زکریا، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

ان کے علاوہ بھی انبیاء کرام ہیں جن کا قرآن کریم نے تفصیلی تذکرہ نہیں فرمایا اور ان کے احوال میں سے کسی شے کو ہم پر بیان نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کے بارے میں ہمیں اجمالی طور پر خبر دی ہے۔ اسی لئے ان انبیاء کرام پر ایمان بھی اجمالی طور پر رکھنا واجب ہے۔ یعنی ہم یہ یقین رکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور رسل عظام کی ایک کثیر تعداد مختلف زمانوں اور مختلف خطوں میں ہر جماعت اور ہر امت کے پاس بھیجی تھی یہاں سے آپ اس شخص کی جہالت کا ادراک بھی کر لیں گے، جس کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جزیرہ عرب اور اس کے ارد گرد کے خطہ کو انبیاء کرام اور رسل عظام کے ساتھ خاص فرمایا تھا۔ کیونکہ وہ انبیاء کرام جو اس خطہ عالم میں مبعوث ہوئے ہیں ان کی تعداد ان انبیاء کرام کے مجموعہ کے مقابلہ میں بہت کم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے شرق و غرب میں بسنے والی مختلف انسانی جماعتوں کی طرف بھیجا تھا۔ اس کے اثبات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَرَسُولًا قَدْ قُصِّصْنَا هُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرَسُولًا مِمَّنْ نَفَعْنَاهُمْ

عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا (۱۲۳:۱۲۴)
اور ایسے رسول کہ جن کا ذکر اس سے پہلے آپ پر کر چکے ہیں اور ایسے رسول جن کا ذکر آپ پر نہیں فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے حقیقتاً موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان من امة الاخلا فيها نذير (۲۴:۲۵)

ہر گروہ میں ایک ڈر شانے والا گزرا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُوا

عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَ أَهْلِهَا ظَالِمُونَ (۵۹:۶۰)

(قصص: ۵۹)

اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے اصل مرجع میں رسول نہ بھیجے جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے مگر جب کہ ان کے ساکن ختم گار ہوں۔

اس لئے گزشتہ زمانوں میں انبیاء کرام کی تعداد کا ہزاروں سے تجاوز ہونا ضروری ہے۔ بعض علماء نے انبیاء کرام کی تعداد کی تحدید ایک لاکھ چوبیس ہزار کے ساتھ کی ہے لیکن ہمیں کتاب و سنت یا قابل اتباع اشرع میں ایسی کوئی دلیل نہیں ملی جو انبیاء کرام کی تعداد یا اس کے علاوہ کسی دیگر تعداد کے ساتھ تحدید کے التزام پر ہمیں مجبور کرتی ہو۔ لہذا کہ ہم علماء کرام بھی اس کے قائل ہیں بلکہ قرآن حکیم کے بیان اور اس پر عمل کا التزام اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد و رسالہ سے ہمہ تن گوش رہیں۔

اور تعداد کے ذکر پر یقین نہیں رکھا جائے گا جیسا کہ ۔۔۔ تقی نے فرمایا ہے کہ ہو سکتا

ہے کہ انبیاء کرام میں کوئی ایسا شخص داخل ہو جائے جو نبی نہ ہو یا وہ ذات خارج ہو جائے جو ان میں شامل ہے۔

(۳) ہمارے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء سابقین میں اہم امتیاز یہ ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانیت کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آپ کا ارشاد ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اعطيت خمسا لم يعطهن احد من قبلي كان كل نبى بعث الى قومه خاصة وبعث الى كل احمص و اسود و احلت لي الغنائم و لم تحل لاحد من قبلي و جعلت لي الارض طيبة و طهورا و مسجدا فايما رجل ادر كنه الصلوة صلى حيث كان و نصرت بالرعب بين يدي مسيرة شهر و اعطيت الشفاعة۔

مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی کو بھی نہیں ملی ہیں ہر نبی کو اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور مجھے ہر سرخ و سیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور غنائم میرے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں حالانکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے حلال نہ تھے اور میرے لئے روئے زمین کو پاکیزہ اور پاک کرنے والی اور سجدہ گاہ بنایا گیا۔ جس شخص کو بھی جہاں نماز کا وقت آجائے وہاں نماز ادا کر لے اور ایک ماہ کی مسافت سے طاری ہونے والے رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور مجھے مقام شفاعت کے درجہ پر فائز کیا گیا ہے۔

(۴) تمہارا اس بات کو جاننا مناسب ہے کہ وہ نبوت جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو شرف فرمایا ہے وہ حقیقت واحدہ ہے جو انبیاء کرام کے درمیان مختلف و متفاوت نہیں اسی لئے اس جہت سے انبیاء کرام کے درمیان تفریق جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ کے

اس فرمان کا مقصود بھی یہی ہے۔

امن الرسول بما انزل اليه من ربه و المؤمنون كل امن بالله و ملائكته و كتبه و رسله لا تفرق بين احد من رسله

(البقرہ: ۲۸۵)

رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کے پاس سے اس پر اترا اور ایمان والے، سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے کہ:

لا تخبروني على موسى ولا تفصلوني على الانبياء
مجھے موسیٰ پر ترجیح نہ دو اور مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔

البتہ مرتبہ کے اعتبار سے قطع نظر اس معنی نبوت کے جو تمام انبیاء کرام میں قدر مشترک ہے یقیناً ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً تمام مخلوق سے افضل ہیں جس پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے۔ اس لئے آپ کی بعثت تمام انسانوں کے لئے ہے۔ اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انا اكبرهم الاولين والاخرين على الله ولا فخر

میں اللہ کے ہاں اگلوں اور پچھلوں میں زیادہ عزت والا ہوں اور میں اس پر فخر نہیں کرتا۔

اور اسی بیان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كنتم خير امة اخرجت للناس (آل عمران: ۱۱۰)

تم بہتر ہواں امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس امت کی فضیلت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

وفضلیت کے تابع ہے۔

(۵) ان کتب پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے، جن کے ساتھ انبیاء کرام کو اپنی قوموں اور جماعتوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا تھا۔ ہم ان کتب پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں جن کی تفصیل اور اسماء کا ذکر وارد نہیں ہوا ہے اور ان کتابوں پر تفصیلی ایمان رکھتے ہیں جن کی شان میں تفصیل وارد ہوئی ہے جیسا کہ تورات، انجیل، زبور اور وہ صحیفے جو بعض انبیاء کرام پر نازل کئے گئے تھے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر۔ ان کتابوں پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات پر اعتقاد رکھا جائے کہ وہ کتابیں اللہ تعالیٰ کی وحی ہیں ان قوموں کے لئے جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا تھا جنہیں ان کتابوں کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا تھا اور یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان کتابوں کا منشی آج بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں سے حق ہے بلکہ واقعی یقینی بات ہے کہ طول زمانہ اور اغراض کثیرہ مختلفہ کی خاطر اللہ تعالیٰ کے دین میں خیانت کرنے والوں کے فعل کثیر کی وجہ سے تجدیلی اور تحریف میں سے ہر ایک ان کتب میں واقع ہو چکی ہے۔

اس کی بہترین تاریخچہ اور واضح مثال وہ ہے جو یوس نے انجیل کے ساتھ کھیل کھیلا ہے اور اس کے حقائق کو تبدیل کر دیا اور اپنی ناپسند کو ضائع کر دیا اور اپنی ناقص رائے اور باطل اختراع کے مطابق جس کو داخل کرنا چاہا داخل کر دیا اور ان کتب پر ایمان رکھنے کی ضرورت اس بات کو مستلزم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان کے احکام تشریع پر عمل اور ان کی تفسیر بھی ضروری ہو۔ کیونکہ ان کتب کا تشریحی حصہ شریعت اسلامیہ سے منسوخ ہو چکا ہے جیسا کہ تم جانتے ہو۔

لہذا ان میں سے کسی چیز کی تطبیق نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان پر اعتقاد کیا جائے گا حتیٰ کہ ان کتب میں تحریف اور تجدیلی واقع نہ بھی ہوتی جب بھی ان کے احکام تشریع پر عمل نہ کیا جاتا خلاصہ یہ ہے کہ کتب سماویہ پر ایمان ضروری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ

کتب دراصل اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی کی گئی تھیں اور ہمیشہ باقی رہنے والے خاص مفیدہ توحید پر مشتمل تھیں جیسا کہ احکام تشریع پر مشتمل تھیں خواہ وہ احکام قلیل تھے یا کثیر۔ لیکن ان کا بڑا حصہ ان کے بعد آنے والی شریعت سے منسوخ ہو چکا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۱) خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطلقہ تمام سابقہ شریعتوں کی راسخ ہے اور شریعتوں سے مقصود جیسا کہ تم جانتے ہو وہ احکام عملیہ ہیں جن کا عبادات مختلف معاملات سے تعلق ہے۔ لہذا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں سمجھا جائے گا جب تک آپ کی شریعت کا انبیاء سابقین کی شریعتوں کے لئے ناسخ ہونے کا ایمان شامل نہ کیا جائے اور یہ حقیقت بے غبار اور واضح ہے ان احکام کے بارے میں جن کا ایسے مسائل اور امور سے تعلق ہے جنہیں قرآن و سنت نے جدید حکم کے لئے پیش کر دیا ہے لہذا وہ حکم جدید اس حکم کے لئے ناسخ ہوگا جو اس سے پہلے تھا اور وہ احکام اور مسائل سابقہ جن کے بارے میں کتاب و سنت میں کوئی بحث نہیں آئی ہے ان میں علماء تشریع کا اختلاف ہے ان میں سے بعض علماء قائل ہیں کہ سابقہ شریعت ہمارے لئے اس وقت تک شریعت معتبر رہے گی جب تک اس کی ممتنع کے لئے کوئی چیز وارد نہ ہو اور بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ سابقہ شریعت مطلقہ ہمارے لئے شریعت نہیں رہی ہے کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو سابقہ تمام شریعتوں کا نسخ سمجھا جائے گا۔ اس مسئلہ کی تحقیق کا مقام علم اصول فقہ ہے اس لئے ہم اس بارے میں بحث کو طول نہیں دینا چاہتے۔

شریعتوں کی تعداد اور اختلاف کی وجہ سے تمہارا یہ کہنا درست ہوگا "الشرائع السماویہ" اور دین میں تعداد اور اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے "الادیان السماویہ" کہنا درست نہ ہوگا، البتہ دین کا جب مجازاً شریعت پر اطلاق کیا جائے تو تب ایسا کہنا صحیح ہو

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کو کوئی شریعت منسوخ نہیں کرے گی کیونکہ شریعت کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے، جب وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے وحی ہو اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں لہذا آپ کی شریعت کو منسوخ کرنے والی کسی شریعت کے آنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ایسے احکام موجود ہیں۔ جن میں سے بعض نے بعض کو عظیم حکمتوں کی وجہ سے منسوخ کیا ہے۔ جیسا کہ تم جانتے ہو یہاں پر ان احکام کی تفصیل کی گنجائش نہیں اس امر کی تفصیل کا مقام علم اصول الفقہ ہے۔

انبیاء کرام کی صفات لازمہ

انبیاء کرام کی صفات سے ہماری مراد وہ ہیں جو ان شرائط نبوت کو شامل ہوں جن جن کا انبیاء کرام میں ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ اکثر علماء متکلمین نے شرائط سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ صفات لازمہ اور شرائط ایک شیء ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

انبیاء کرام کے لئے چار صفات ضروری ہیں

پہلی صفت

ذکورۃ یعنی مرد ہونا ہے۔ نبوت و رسالت عورت کے لئے نہیں ہے جس پر ہماری دلیل وہ تمام واقعات ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی وہ خبر دلالت کرتی ہے جو گزشتہ زمانوں میں مبعوث انبیاء و رسل کے بارے میں ہے اور وہ صفت کمال جس کا انبیاء کرام اور رسل عظام میں پایا جانا ضروری ہے وہ انوشت کے منافی ہے جیسا کہ معلوم ہے اور جمہور مسلمین کے نزدیک اس صفت کو شرط قرار دینے میں کوئی اختلاف نہیں اور وحی کی وہ نسبت جو قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف ہے وہ اس حقیقت کے منافی نہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واوحینا الی اُمّ موسیٰ ان ارضعیه (قصص: ۷)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلا۔

اور نہ ہی امر الہی کی وہ نسبت اس حقیقت کے منافی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔

فناداها من تحتها الاتحزلی (مریم: ۲۴)

تو اسے اس کے نیچے سے پکارا کہ غم نہ کھا.....

کیونکہ جس وحی کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف ہے وہ الہام کے معنی میں ہے اور الہام انسانوں کے درمیان قدر مشترک ہے اللہ تعالیٰ نے الہی وحی کی نسبت شہد کی مکھی کی طرف بھی فرمائی ہے۔

فرمایا:

واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من العجیل بیوتا ومن

الشجر ومما یعرشون ۵ (نحل: ۶۸)

اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور چھتوں میں۔

اور وہ امر جس کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف کی گئی ہے ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام کی طرح کسی فرشتے کی نداء ہو اور اس قسم کی نذر و نداء سے نہ نبوت مراد ہوتی ہے اور نہ ہی نبوت کو مستلزم ہوتی ہے۔

دوسری صفت ”امانت“ ہے

اور اس سے صدق اور عصمت انبیاء کرام کے ظاہر و باطن کو کسی بھی منہی عہد کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ کا محفوظ رکھنا مراد ہے کیونکہ اگر انبیاء کرام صادق اور معصوم نہ ہوں تو انسانوں کی طرف ان کی بعثت بے فائدہ ہوگی اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر محال ہے جس طرح کہ تم جانتے ہو اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام کذب سے معصوم

ہوتے ہیں بالخصوص ان چیزوں سے جن کا تعلق امور شرعیہ اور تبلیغ احکام اور ارشاد امت سے ہوتا ہے۔ عدا ارتکاب کذب سے بالا جماع معصوم ہوتے ہیں اور جمہور مسلمین کے نزدیک سہواً بھی ارتکاب کذب سے معصوم ہوتے ہیں۔

تیسری صفت ”گناہوں سے معصوم ہونا“ ہے

اس صفت میں کچھ تفصیل ہے جس کی تکمیل ضروری ہے اور وہ تفصیل یہ ہے کہ گناہ ممنوعیت میں مختلف ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ ممنوع کفر ہے۔ اسی لئے انبیاء کرام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد بالا جماع معصوم ہوتے ہیں اور عداً کہاؤں سے بھی نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد بالا جماع معصوم ہوتے ہیں البتہ وہ صفائے جو نہ مروت میں نخل ہوتے ہیں اور نہ ہی خست کو مستلزم ہوتے ہیں علماء کے درمیان نخل اختلاف و بحث ہیں اور یہ بحث ان امور اجتہادیہ میں داخل ہے۔ جن پر ایسے دلائل قاطعہ قائم ہیں جو ان میں اختلاف کی سطح کئی کر دیں اگرچہ جمہور اہل سنت و جماعت کا میلان اس قول کی جانب ہے کہ انبیاء کرام کے حق میں صفائے بھی متعین ہیں خصوصاً بعثت کے بعد ہم نے اس کتاب میں ایسے قول کی تفصیل کا التزام کیا ہے جو ایسے یقینیات کے بارے میں ہو جو دلائل قطعیہ پر قائم ہوں اس لئے ہم ایسے خلافیات فرعیہ (کہ جن میں دلائل حتمیہ کے پیش نظر مجتہد کے لئے ایک حکم سے زائد کی طرف میلان رکھنا جائز ہے) میں کھوج لگانا لازم نہیں سمجھتے۔ تمہارے لئے یہ یقین اور اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ انبیاء کرام کفر اور کہاؤں سے بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد یقینی طور پر معصوم ہوتے ہیں اور جمہور کے مذہب کے مطابق صفائے سے بھی معصوم ہوتے ہیں اور جان لو کہ خطا اجتہادی ان گناہوں میں داخل ہی نہیں جن سے انبیاء کرام کی عصمت ثابت ہے کیونکہ اجتہاد ایسی عبادت ہے جس پر مجتہد کو ثواب ملتا ہے مصیب ہو خواہ عقلی اور انبیاء کرام کے حق میں تو یہ ثابت ہے کہ انہیں خطا اجتہادی پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ ان کے پاس ایسی وحی کا آنا ضروری ہے جو اللہ کے علم کے مطابق ہو اکمل، اصوب، اتم

کمال عقل کا قبول کرنا اور جس کی اتباع کرنا واجب ہے۔

چوتھی صفت ”کمال عقل ضبط اور عدالت“ ہے

یہ کہ جس رسالت کی تبلیغ کا مکلف بنایا جاتا ہے ان ہستیوں کا کمال اس فریضہ کی تکمیل کے مستزات میں سے ہے۔ رسول اس رسالت کی تبلیغ کا مکلف ہونے کے بعد جس کا مدار عقل و ضبط اور عدالت کے کمال پر ہے اپنی عقل یا ضبط یا عدالت میں نقص ہونے کا امکان اصل رسالت کے منافی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر عبث و محال ہے۔ وہ چاروں صفات جن کا نبی اور رسول میں ہونا ضروری ہے ان پر عقلی اور سمعی دلیل میں سے ہر ایک دلالت کر رہی ہے سمعی دلالت تو وہ ہے جسے ہم نے قرآن و سنت میں انبیاء و رسل سابقین کی صفات کے بارے میں سنا ہے اور عقلی دلیل وہ ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے کہ ان کے سپرد فریضہ رسالت کی ادائیگی کے لئے یہ صفات لازم ہیں اور اس فریضہ کی ادائیگی کا مدار ان پر ہے۔

جب تم پر یہ واضح ہو گیا کہ یہ وہ شرائط و صفات ہیں جن کا تخصص انبیاء اور رسل میں ضروری ہے تو تم یہ یقین کر لو کہ وہ سارے انسانوں کی طرح انسان ہی ہیں جو کھاتے ہیں پیتے ہیں نکاح کرتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور انہیں جن خواہشات انسانی لاحق ہوتی ہیں۔ انہیں بھوک لگتی ہے تو کھانے کی خواہش کرتے ہیں اور پیاس لگتی ہے تو پانی کی طلب کرتے ہیں اور تھکاوٹ ہوتی ہے تو آرام کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور جب انہیں ایذا پہنچائی جاتی ہے تو دیگر سب انسانوں کی

طرح درد و الم محسوس کرتے ہیں اور ان کے قلوب کو وہ تمام عارض غوارض ہوتے ہیں جو انسانوں کے قلب کو عارض ہوتے ہیں یعنی احساس محبت، نفرت اور بغض و رحمت جب تک ان میں سے کوئی شے موجب گناہ نہ بنے اور مذکورہ چاروں صفات میں سے کسی کے خلاف کو مستلزم نہ ہو اور ان کے اجسام کو ہر وہ مرض و سقم اور درد لاحق ہوتا ہے جو باعث نفرت نہ ہو اور ان کے اجسام پر بھی موت طاری ہوتی ہے۔ بحث کرنے والے ذی عقل کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ان میں سے کسی شے کو محل نظر نقص سمجھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت متفطنی تھی کہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ہی کسی کا انتخاب فرماتے جو اللہ تعالیٰ کے پیغام کو انسانوں تک ان ہی کے راستے سے پہنچاتے اور نہ ہی نبوت سے متصف ہونے والے انسان کی فطرت اور اس کی انسانی صفات میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا ہونا نبوت کے مستلزمات میں سے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے تمام تصرفات، اپنی صفات اور اپنے مشاغل و علامات میں انسان ہی رہے سوائے ان مذکورہ صفات کے جن کا انبیاء کرام میں پایا جانا ضروری ہے۔

اس حقیقت کے بیان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما ارسلنا قبلك من المرسلين الا انهم لياكلون الطعام
يمشون في الاسواق و جعلنا بعضكم لبعض فتنة اتصبرون و
كان ربك بصيرا (الفرقان: ۲۰)

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ایسے ہی تھے کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لئے جانچ بنایا ہے۔ اے لوگو! کیا تم صبر کرو گے اور اے حبیب تمہارا رب دیکھتا ہے۔

اسی حقیقت کو ایک دوسرے اسلوب میں یوں بیان فرماتا ہے۔

وما منع الناس ان يؤمنوا اذ جاءهم الهدى الا ان قالوا بعث
السله بشرا رسولا ۝ قل لو كان في الارض ملائكة يمشون

مطمئنين لنزلنا عليهم من السماء ملكا رسولا ۝ (الاسراء: ۹۳، ۹۵)
اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت
آئی مگر اس نے کہہ دیے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا تم فرماؤ اگر
زمین میں فرشتے ہوتے، چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتے
اتارتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا معاملہ

ہم آپ پر اس حقیقت کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں جو کتاب مبین کی واضح آیت
کریمہ میں معروف ہے تاہ اس وضاحت کے بعد وہ عجیب خیال منکشف ہو جائے
کے بعض محققین مرتکب ہوئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان خواتین کے ساتھ
نکاح کا مسئلہ جو آپ کے عقد زوجیت میں تھیں محتاج بیان مشکل ہے اور ان کے خیال
کے مطابق یہ معاملہ اس مقام نبوت و عصمت دونوں کے مخالف ہے جن سے اللہ تعالیٰ
نے اپنے نبی کو مشرف فرمایا تھا۔

(۱) اس کا مقام نبوت و عصمت کے مخالف ہونے سے کیا مراد ہے؟

(۲) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات سے نکاح کو گناہ سمجھا جائے گا؟

(۳) یا انبیاء کرام کی ذات میں شرط امانت، صدق اور پاکیزگی کے لئے عیب شمار کیا
جائے گا؟

(۴) اگر اس کو گناہ فرض کر لیا جائے تو اس کے گناہ ہونے پر کیا دلیل ہے؟

(۵) کیا قرآن حکیم جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے اس
کے علاوہ کوئی ایسا مصدر تشریف ہے جو حلال و حرام اور فرائض و واجبات کے تمام
احکام پر حاوی ہو؟

اور امر واقعی یہ ہے کہ قرآن کریم مصدر تشریف ہے۔ تو ہم اس معاملے کو حرام و
حلال کیسے کہہ سکتے ہیں جبکہ قرآن کریم کی سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی اس معاملہ میں تائید و تقریر فرمائی ہے اور آپ کو یہ اختیار دیا ہے کہ ان ازواج مطہرات میں جسے چاہیں اپنے قریب کر دیں اور جسے چاہیں الگ رکھیں اور جسے چاہیں طلاق دے دیں اور اسی سے اس بات کی بھی وضاحت فرمادی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے بارے میں ایسے حکم سے تخصیص فرمائی ہے جو آپ کے سوا تمام انسانوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان امور کے متعلق صراحتاً ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ ابْنُورْهَن وَمَا مَلَكَتْ بِمِثْنِكَ مِمَّا آفَا اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالَكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالَكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ الْوَحْشَىٰ هَاجِرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْهَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝
تَرْجَىٰ مِنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتَوَّىٰ إِلَيْكَ مِنْ تَشَاءُ وَمِنْ ابْتِغَايَتِ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكَ إِنْ أَدْنَىٰ أَنْ تَقْرَأَ عَيْنَهُنَّ وَلَا يُحْزَنَ وَ يَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلَّهُنَّ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ۝ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ وَلَا أَنْ تَبْدُلَ بِهِنَ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حَسَنَهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ بِمِثْنِكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ۝ (الاحزاب: ۵۰: ۵۵)

اے نبی ہم نے تمہارے لئے وہ تمہاری بیویاں حلال کر دیں جن کے مہر تم نے ادا کر دیئے ہیں اور تمہاری کنیزیں جو اللہ نے بطور غنیمت تمہیں عطا

کی ہیں اور وہ چچا زاد اور پھوپھی زاد اور ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے اور مومن عورت جو اپنی جان نبی کی نذر کرے اگر نبی اسے نکاح میں لانا چاہے یہ خالص تمہارے لئے دوسرے مؤمنوں کے لئے نہیں۔ ہمیں معلوم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی بیویاں اور کنیزوں کے بارے میں تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ دور ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو اور اپنے ساتھ رکھو جسے چاہو۔ جسے تم نے کنارے کر دیا تھا اسے تمہارا جی چاہے تو اس میں بھی تم پر کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ امر اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کریں اور تم انہیں جو کچھ عطا فرماؤ اس پر وہ سب کی سب راضی رہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم سب کے دل میں ہے اور علم و حلم والا ہے اور اس کے بعد دوسری عورتیں تمہیں حلال نہیں اور نہ ہی اس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی پسند ہو۔ بجز کنیزوں کے اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

یہ وہ کلام ہے جس کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا گیا ہے اگر تم میری کتاب کے مطالعہ میں صرف ان فقرات پر مطمئن نہیں تو پھر ابھی تک تمہارا اللہ تعالیٰ اور نبی کی نبوت اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر ایمان مکمل نہیں۔ لہذا تمہارے لئے اس مسئلہ فرحیہ کی بحث میں پڑنا مناسب نہیں کیونکہ تمہیں ابھی تک اس کے اصول کی سمجھ نہیں تم یقین کر لو کہ تمہارے ذہن کی مشکل درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا مسئلہ نہیں بلکہ تمہارے ذہن کی مشکل اللہ تعالیٰ کے وجود اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کے متعلق ایمان کا نہ ہونا۔ تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم اپنی ذات کو مغالطہ مت دو ورنہ تمہاری سب سے

بڑی مشکل نظر و بحث سے رہ جائے گی اور تم اس فرعی امر کے متعلق دریافت کرتے پھر و گئے اور تم پوری عمر بھی اس فرعی امر کی دریافت میں لگے رہو تو تب بھی کوئی جواب تمہیں اس بارے میں مطمئن نہ کروا سکے گا بلکہ تم وجود خالق اور اس کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مختلف معجزات کہ جنہیں عنقریب ہم بیان کریں گے، کے بارے میں نظر و فکر کروا اور جب تمہارا اللہ تعالیٰ پر ایمان مضبوط ہو جائے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمہارے ہاں ثابت ہو جائے اور تمہارا اس بات پر ایمان صادق ہو جائے کہ قرآن حکیم کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مناسب نہیں بلکہ یہ اس ذات کا کلام ہے جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا اور اس کے بعد انہیں اپنی مخلوق میں سے منتخب فرمایا، اپنی رسالت اور اپنے کلام کے لئے خاص فرمایا تو اس وقت تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ازدواجی امر میں کوئی ایسی مشکل نہیں پاؤ گے جو محتاج بحث و نظر ہوگی۔ ہدینا اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چند ایسے احکام کے ساتھ تخصیص فرمائی ہے جو آپ کی ذات کے ساتھ خاص تھے۔

آپ پر نماز تہجد فرض فرمائی جب کہ دوسرے کسی انسان پر فرض نہیں فرمائی۔ آپ پر زکوٰۃ، صدقات لینا حرام فرمایا جبکہ زکوٰۃ و صدقات کے مستحقین میں سے کسی پر بھی ان کا لینا حرام نہیں فرمایا اور آپ کے وصال کے بعد آپ کے مملوک مال میں وراثت کو ممنوع قرار دیا جبکہ انبیاء کے سوا کسی کے مال میں ممنوع قرار نہیں دیا اور آپ کے لئے خواتین کی اس تعداد کو نکاح میں جمع کرنے کو مباح قرار دیا جو تعداد آپ کے نکاح میں تھی جبکہ دوسرے انسانوں کے لئے بیک وقت چار تک کی اجازت ہے اور لوگوں پر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا جب کہ آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں کی عورتوں کے ساتھ یہ حکم نہیں دیا گیا۔ پس اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں میں سے کسی کو بعض احکام کے ساتھ خاص فرمانے میں کون سا اشکال ہے؟

البتہ اس صورت میں اشکال قائم رہتا ہے کہ اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ازواج کے معاملہ کو آپ کی کسی جنسی خواہش کے پیچھے دوڑنے یا مانگنے ہونے یا آپ کے کسی ممنوع یا آداب و اخلاق کے خلاف کسی امر کے ارتکاب پر دلالت کرنے والا سمجھتے۔ پس کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا ہے؟ کیا تمہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال میں سے کوئی ایسی صحیح چیز ملی ہے؟ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شہوانی شخص تھے جنہوں نے خواہش نفس کی خاطر اپنے فرائض و اقدار میں سے کسی شے کو قربان کر دیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر دن خواہ بعثت سے قبل کا ہو یا بعثت کے بعد کا بڑی وضاحت سے یہ بیان کر رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواہشات نفسانیہ سے مکمل طور پر پاک و منزہ تھے اور اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے انسان تھے کہ جن میں وہ تمام بنیادی انسانی طبائع و عادات موجود تھیں جن پر انسان کی تخلیق کی جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان بنیادی انسانی طبائع و عادات کے باوجود وہ تمام فضائل و کمالات موجود تھیں کہ کسی انسان میں جمع ہونا ممکن ہے، شہوانی شخص ایسے معاشرہ میں اپنی عمر کے انیس برس تک پاکدامن نہیں رہ سکتا ہے جس معاشرے میں خواہش نفس کے زمرے سے تعلق رکھنے والی کسی بھی شے کی طرف میلان پر عتاب یا ملامت مروج بھی نہ ہو۔ جس میں بری عادت کثرت سے موجود ہو اور جسے چاہے حقیر سے بدلے پر قبول کرتی ہو۔ ایسا شہوانی شخص اس کے باوجود جب شادی کرنا چاہے تو یقیناً ایسی عمر رسیدہ عورت سے شادی نہیں کرے گا جو اس سے قبل دو مرتبہ شادی کر چکی ہو۔

جب کہ وہ شخص اپنے ارد گرد کنواری عورتوں میں سے جسے چاہے جتنے مال پر چاہے کسی مشقت و تکلیف کے حاصل کر سکتا ہے اور شہوانی شخص اس کے بعد اپنی عمر بھر اس تک اپنی اس عمر رسیدہ بیوی پر قانع نہیں رہتا۔

اور تم جانتے ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس برس تک کی عمر میں سوائے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کسی سے نکاح نہیں فرمایا اور ان کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد دوسرا نکاح فرمایا حالانکہ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچاس برس سے زائد ہو چکی تھی۔

شہوانی مرد تو اپنی بیویوں کو دسترس زینت سے الگ نہیں رکھتا اور نہ ہی انہیں ان نعمتوں سے کم از کم لطف اندوز ہونے سے محروم رکھتا جن کے ساتھ دیگر عورتیں لطف اندوز ہوتی ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو ان مذکورہ صفات کے مالک ہیں، جن پر آپ کے ماننے اور آپ کا انکار کرنے والوں سب کا اتفاق ہے۔ تو کیا آپ ان صفات کے خلاف نفسانی خواہش کے پیچھے دوڑنے والے اور حرام لذتوں کی جانب مائل ہونے والے ہو سکتے ہیں؟

میرے مفکر دوست جو شخص اس بات کا قائل ہے اس کی ذات صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے ان ثمرات و نتائج جو انسانیت کی سعادت کی صورت میں روئے زمین کے مشرق و مغرب میں پھیلے ہوں، کے خلاف جملن و کینہ سے بھری ہوئی ہے اور وہ اپنی اس جملن سے اپنے اس طعن میں ایک ذات کے بارے میں بحث کر رہا ہے اور اس جملن کا درحقیقت ازواج سے کوئی تعلق نہیں۔

اور تم بخوبی آگاہ ہو کہ ہماری یہ بحث صرف اہل عقل کو اتباع حق کی تنبیہ پر مشتمل ہے کینہ و رنفوس کو کینہ کے مرض سے شفا دینے کے فوائد پر مشتمل نہیں ہے۔

اُم المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور قرآن کے کلام ہونے پر ایمان رکھنے والے کے نزدیک جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ازدواجی معاملہ میں کوئی اشکال نہیں ایسے ہی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طلاق

کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں اپنے حلال عقد میں لانے کے واقعہ میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ زید بن حارثہ جیسا کہ تمہیں علم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ”لے لیے“ تھے لوگ انہیں زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سمجھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے معاشرے میں متغنی بنانے کی رسم عام تھی اور ان لوگوں کے اس متغنی ان ہی نتائج و ثمرات کا مستحق ہوتا تھا جن نتائج و ثمرات کی حقیقی اولاد مستحق ہوتی تھی۔ اسی سبب سے اپنے متغنی کی مطلقہ سے نکاح کو شدید ترین عیب سمجھا جاتا تھا۔ لوگ ایسا کرنے والے کو اسی نظر سے دیکھتے تھے جس نظر سے اپنی بیٹی سے نکاح کرنے والے کو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متغنی سے شدید محبت فرماتے تھے اور اہل جاہلیت و پسند سے اپنی قریبی خواتین میں سے ایک کے ساتھ اپنے متغنی کی شادی کر دیتی تھی اور حضرت زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور اس خاتون کے درمیان نکاح کرنے کے بعد ایک مدت گزر گئی اس مدت کے دوران وہ اس خاتون کے ساتھ رہے اور اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے میں متغنی بنانے کی رسم سے ان تمام عادات و تقالید کو جن کی جڑیں عرب معاشرے میں صدیوں سے رائج ہو چکی تھیں انہیں لغو قرار دینا چاہا۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمتوں اور اس کی تدابیر میں سے اپنے احکام تشریعیہ، تدبیریہ کو ایسے حادثات جو واقع ہو چکے ہیں اور ایسی مشکلات جو طاری ہو چکی ہیں پر قائم فرماتا ہے تاکہ ان میں سے ہر حکم ایسی چیزوں سے متصل ہو جو معاشرے کی بنیاد اور اس کی عظمت تک پہنچنے والی ہوں تاکہ جذبات و عادات اور تقالید مہلکہ میں سے کوئی شے ابھی باقی نہ رہے اس پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کی سنت اپنے احکام تشریعیہ کو قائم کرنے میں اب تم ہی بتاؤ کہ کونسا بنانے کی رسم اور اس ملکات کو ایسے نسخ کے لئے کہ جس کے بعد دوبارہ کبھی اس کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا جائے کون سا طریقہ ہو سکتا تھا؟

وہ طریقہ وہی ہو سکتا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا کھڑے حضرت زینب

(رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی زندگی میں تلخی پیدا ہو جائے اور حضرت زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) انہیں طلاق دے دیں اور اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت زینب کے ہمراہ نکاح کرنے کی استعداد و آمادگی ڈال دے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی صریح اور واضح آیت کے ذریعے حضرت زینب کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم وحی فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نکاح فرمائیں تو اس نکاح کا واقعہ عرب میں پھیل جائے اور اس واقعہ کے ساتھ ساتھ وہ آیت کریمہ بھی پھیلتی جائے جو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تبلیغ کر رہی ہو جو جاہلی معاشرے کی اس رسم کو باطل کرنے اور غیر معتبر قرار دینے پر مشتمل ہو اس پر تمہارے نزدیک کون سی قابل عقاب بات ہے؟ یہ وہ طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ وہ رسم جاہلیت جس کی جڑیں معاشرہ جاہلیت میں گہری ہو چکی تھیں، کو اس طرح باطل قرار دینا کہ اس کا کوئی مشتاق باقی نہ رہے اور نہ ہی زمین کا کوئی ایسا خطہ چھوڑے کہ جس میں دوبارہ وہ پرورش پاسکے تمہارے نزدیک اس سے بہتر کون سا طریقہ ہو سکتا ہے اور مجھے یقین نہیں کہ کوئی عقلمند اس کے خلاف ایک کلمہ بھی ادا کر سکتا ہو، یہ ہے وہ حادثہ جو رونما ہوا کہ حضرت زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور حضرت زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے درمیان زندگی تلخ ہو گئی تعلقات انتہائی کشیدہ ہو گئے۔ حضرت زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بارے میں درست کلامی، نافرمانی، اذیت لسانی اور خاندانی شرافت کا تفوق و عظمت جتانے کی بار بار شکایت پیش کرتے رہے اور کئی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو طلاق دینے کی اجازت طلب کرتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مرتبہ ان سے فرماتے:

امسك عليك زوجك و اتق الله

تو اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر۔

اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بسا اوقات حضرت زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی طرف تلخی تھی۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی جانب حرکت کرنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل میں سبحان اللہ مقلب القلوب کہتے ہوئے ان سے اپنا چہرہ اقدس پھیر لیا، روایات اس قبیل کی کچھ شے بیان کرتی ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ اس روایت کو قبول کرنے میں کون سا حرج ہے یا کون سا اشکال ہے یا

کون سی مخالفت ہے؟

اللہ کی پختہ نظر اس شخص کے ساتھ ہے جو اس روایت سے استدلال کرنا چاہتا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور علامہ طبری غیثا پوری کی روایت اور علامہ بیضاوی و علامہ ابن جوزی کے اسے ذکر کرنے کی وجہ سے تسلیم کرنا ہے تو ہم ایسے شخص کے لئے واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اس روایت کو صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو یہ بھی یہ روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں کسی قسم کے نقص کو ثابت کرنے کے لئے قابل اعتناء نہیں رہتی۔ حالانکہ محدثین اور آئمہ تفسیر کی ایک بڑی جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور وہ اس لئے ہیں اس بارے میں صحیح قائل اعتبار روایت وہ ہے کہ حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے مروی کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دے چکا تھا کہ حضرت زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے اور زینب اس کے بعد اللہ کے حکم کے مطابق آپ کی ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی۔ حضرت زید نے آپ سے زینب کے اخلاق کی شکایت کی کہ وہ ان کی اطاعت نہیں کرتیں اور آپ سے طلاق دینے کے ارادے کا اظہار کیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ازواجہ المطہرات و خیر خواہی کے لئے اس قول میں اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو نہ چھوڑو، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ عقربہ کے درمیان مفارقت ہو جائے گی اور آپ زینب کو اپنے حرم میں لائیں گے، یہ وہ چیز تھی جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر مخفی رکھا ہوا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عقاب کیا۔

و تعلم فی نفسك ما الله مبديه

تم اپنے دل میں دیکھتے تھے وہ جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا۔

ہم نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ہم اس روایت سے اعراض نہ کریں جیسے طبری، اور دیگر حضرات نے کیا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کی رائے ہے "بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس تہمت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھیں جو مستشرقین کا ایک گروہ اور فطری جنگ کے پیشرو رکھتے ہیں حتیٰ کہ اگر اس تہمت کی فرض کر لی جائے تب بھی یہ روایت ہر حال میں آپ کے اخلاق (بائی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) حکمت تشریہ معینہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کو ان کے منتہی کی مطلقہ سے نکاح کے ارادہ میں اس کے لئے معروف انسانی راہ ہموار کرنے میں کون سا اشکال یا شبہ ہے بلکہ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت زینب کے بارے میں میلان کے پیدا ہونے میں کیا قباحیت ہے؟ قلوب کا میلان کون سا ایسا فعل ہے کہ جس کے ساتھ احکام شریعت میں سے کسی حکم کا تعلق ہوتا ہے جبکہ تمام دنیا جانتی ہے میلان قلبی کا تعلق انفعالات قسریہ "خارجی اثرات" سے ہے اور افعال کسبیہ اختاریہ سے اس کا تعلق نہیں ہے؟

میں دوسری مرتبہ تذکرہ کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے نکاح میں آنے سے پہلے دیکھ چکے (بقیہ حاشیہ نوشتہ سے) کی بلندی اور آپ کی ذات میں عظمت میں اضافہ کرے گی۔ نبی کی مصرت کو اس روایت سے جہالت برحق کی بنیاد پر یا اس روایت کے باطل ہونے کے یقین پر بیان کرنا زینب نہیں دینا کیونکہ اس طرح تو ہم سائل کو یہ یاد کروا رہے ہو کہ علامہ طبری یا ان کی مثل وہ بزرگ جنہوں نے اس روایت کو ضعیف قرار نہیں دیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کریم میں نقص لاحق کرنے میں کوئی پروا نہ کرتے تھے حالانکہ وہ اس سے بہت دور اور محفوظ ہیں بلکہ اس طرح تو دوسروں والے اور کثرت ایمان والے لوگوں کے شکوک میں اضافہ ہوگا کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس ایسے ذریعے کی کمی نہیں کہ جس کے سبب وہ اس روایت کے ان مصادر پر آگاہی حاصل کریں جنہوں نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور نہ ہی اس کے باطل ہونے پر کوئی بحث کی ہے تو ان میں سے کچھ رسول اللہ کی ذات میں عیب لگانے لگیں گے اس گمان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عیب لگانا طبری اور ان کی مثل دیگر آئمہ کے نزدیک معمولی سی بات ہے یا اپنے بحث باطن سے یہ گمان کرتے ہوئے احتمال ضعیف کی وجہ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر عیب لگائیں گے۔ اس جہالت کے مظاہرہ کی سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ یہ تماطل ان کثرت ایمان لوگوں کے دلوں سے اعتماد و وثوق کا سبب نکال پیچک رہا ہے اور ان لوگوں کو یہ تصور دے رہا ہے کہ اس دین کا مدار اس کے مشائخ و بزرگوں کے ہاتھوں میں ہے کہ جب انہیں دین کی کوئی چیز پسند آتی ہے تو اس میں وارد احادیث کا سہارا لیتے ہیں اور جب پسند نہیں آتی تو اس میں تہمیت و انکار اور وضع احادیث کے دعویٰ کے سبب اختلاف کی راہ کھولتے ہیں۔

تھے۔ اگر مسئلہ ان کے بارے میں خواہش کا ہوتا تو آپ کے لئے ان سے نکاح کرنے میں کون سی چیز مانع تھی؟ اگر آپ نکاح کرنا چاہتے تو رسوم جاہلیت کی مشقت اٹھائے علیہ نکاح کر سکتے تھے۔

اور زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی طرف سے پیش آنے والے امور پر قوت برداشت ختم ہونے کے بعد جب حضرت زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان کو طلاق دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کریمہ کی وحی نازل ہوئی۔

وَاذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لَكَ لَا يَكُونُ عَلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا أَهْلَهُمْ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا

(اب: ۲۷: ۳۷)

اور جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بیوی اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈرا اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے وہ جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعن کا اندیشہ تھا اور اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی تاکہ مسلمانوں پر کوئی حرج نہ رہے اور ان کے لئے پالکوں کی بیویوں میں جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔

اب تم پر ان دو سوالوں کا جواب دینا لازم ہے

اگر اللہ تعالیٰ کا وہ حکم جو اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کے بارے میں نازل فرمایا ہے نہ ہوتا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ضرورت پڑتی تھی (بے

شک اس کا سننا آپ پر گراں ہے) کہ آپ کسی چیز کی پرواہ کئے بغیر اہل عرب کی اہم ترین رسم کی مخالفت کرتے اور اپنے آپ کو مشقت میں اڑاتے اور ان کی باتوں اور ان کی جھڑکیوں سے بے پرواہ اپنے متنفذ کی مطلقہ سے شادی کرتے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کہ آیت اور وضع انسانی دلالت کر رہی ہے اس امر الہی کی تعمید میں ان لوگوں کی باتوں کی وجہ سے جنہیں اس سے اچانک سابقہ پڑنا تھا، ہچکچاہٹ محسوس کرنی چاہئے تھی کیونکہ آپ ان کی رسوم میں محبوب ترین امر میں مشغول ہو رہے تھے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سی ضرورت نے اس آیت کریمہ کو قرآن حکیم میں شامل کرنے پر مجبور کیا تاکہ تمام لوگ اس کو پڑھیں؟ حالانکہ یہ آیت کریمہ اپنے حرف اول سے لے کر حرف آخر تک آپ کے حق میں شدید عتاب اور اس امر کے انکشاف پر مشتمل ہے جس کو آپ مخفی رکھ رہے تھے اور وہ امر اس بات کی معرفت تھی کہ آپ زید کے طلاق دینے کے بعد زینب سے نکاح کریں گے یا حضرت زینب کی طرف سے میان قلبی تھا اور پھر اپنے متعلیٰ کی مطلقہ سے نکاح کرنے کے اقدام میں قوم کی جن باتوں سے آپ ہچکچاہٹ محسوس فرماتے تھے یہ آیت کریمہ ان باتوں کا بیان بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی وضاحت بھی ہے جس کا آپ کی ذات اقدس میں نفاذ ضروری تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خالق کا کلام نہ ہوتا جس نے آپ کو ایک حرف بھی مخفی رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے مجبور کیا تھا کہ آپ اس آیت کو قرآن میں شامل فرماتے اور ہمیشہ کے لئے محفوظ فرماتے؟

اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے اس ارشاد میں فرماتی ہیں جس کو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

لَوْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاتِبًا شَيْئًا مِنَ الْوَحْيِ لَكُنْتُ هَذِهِ الْآيَةَ

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالفرض وحی سے کسی شے کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو ضرور چھپاتے۔

مجھے اپنے خالق کی قسم ہے کہ میں نے سیرت نبوی کے واقعات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اس حادثہ سے زیادہ دلالت کرنے والا کوئی واقعہ نہیں پایا اور قرآن مجید میں اس بات پر کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جس کے ایک حرف میں بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس آیت کریمہ (جو اس حادثہ کے سبب زل ہوئی ہے) سے زیادہ دلالت کرنے والی کوئی آیت نہیں پائی۔

ہر عقل رکھنے والے کے بس میں ہے کہ وہ اس چیز کو دیکھے جس کو ہم نے دیکھا ہے لیکن جیسا کہ میں نے آپ سے کہا ہے کہ ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں کہ ہم ان حقائق میں سے کسی شے کے ذریعہ کینہ وروں کی جلن اور تعصب رکھنے والوں کی مصیبت اور کڑھن رکھنے والوں کی کڑھن کا علاج کر سکیں۔ ہم شہادت دیتے ہیں ہمارے پاس کوئی اختیار نہیں سوائے اس کے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمام لوگوں کے لئے سند عقل کے سوا ہر سند سے آزادی کی توفیق مانگیں اور اس بات کی معرفت کی توفیق طلب کریں وہ عمر کہ جس کا گزرنا ہمیں تیزی کے ساتھ موت کے قریب کر رہا ہے اس کو موت اور موت کے بعد پیش آنے والے امور سے ہمارا جلنا، تعصب کرنا اور اپنی فکر کو جلن و تعصب کی شاخوں کے تلے رکھنا نہیں چکا سکتا۔

البتہ وہ چیزیں جو اس بارے میں مفید ہو سکتی ہیں وہ یہ کہ ہم اس حق کی معرفت حاصل کریں جو حق ہے اور پھر ہم اس کو مضبوطی سے تھامے رکھیں کسی غرض کے لئے نہ تھا بلکہ اس لئے کہ وہ حق ہے۔

(۳) معجزات

معجزہ کی تعریف

معجزہ ہر وہ مخالف عادت امر ہوتا ہے جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر منکرین کے چیلنج کے وقت اس طرح ظاہر ہو کہ دعویٰ نبوت کی صداقت کو بیان کر دے ہمارا "مخالف عادت" کہنا اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ معجزہ صرف عادت و مانوس کے مخالف ہوتا ہے عقل اور امکان کے مخالف نہیں ہوتا اور ہمارا کہنا کہ "وہ مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو" اس سے وہ خوارق نکل گئے جو کبھی بعض مقررین بارگاہ الہی اور صالحین کے لئے ثابت ہوتے ہیں جنہیں کرامت کا نام دیا جاتا ہے اور "منکرین کے چیلنج کے وقت" کہنے سے ان خوارق سے احتراز ہو گیا جو کبھی اتفاقاً واقع ہوتے ہیں نہ تو چیلنج کے خلاف واقع ہوتے ہیں اور نہ ہی دعویٰ نبوت کے صدق کے اظہار کے لئے۔ اس صورت میں وہ اکرام الہی کی قسم سے ہوں گے۔ ابدت معجزہ کے لئے صراحۃً چیلنج کا ہونا شرط نہیں بلکہ قرائن احوال بھی کافی ہوتے ہیں اور "دعویٰ نبوت کی صداقت بیان کر دے" کہنے سے وہ خارق عادت نکل گیا، جو دعویٰ نبوت کی تکذیب کے لئے آتا ہے۔ مثلاً جہاد کلام کرے اور مدعی نبوت کی تکذیب کا اعلان کر دے۔

جیسا کہ تمہیں معلوم ہو گیا کہ معجزہ صرف خوارق عادت امور میں ہوتا ہے تو تمہیں اس بات کا ادراک بھی ہو گیا ہو گا کہ عقل معجزہ کے امکان وقوع کو محال نہیں سمجھتی کیونکہ موجودات خارجیہ کا اپنی اس مانوس ترتیب پر قائم رہنا جس کو ہم دیکھ رہے ہیں کوئی ایسی ضروری شے نہیں کہ جس کو عقل ضروری قرار دیتی ہو۔ ان کی یہ مانوس ترتیب تو وہ

ہے جس کو عادت نے بنا ہے اور جو اسباب جلیہ کے اثر سے پیدا ہوئی ہے۔ ان خوارق سے تعجب اور ان کا انکار صرف ان کے مشاہدہ اور مانوس سے بعید ہونے کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔

معجزہ پر اعتقاد کا حکم

مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو ایسے معجزات عطا فرمائے تھے، جو ان کے دعویٰ نبوت کی صداقت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے تعلق اور اللہ کی طرف سے ان کے تائید یافتہ ہونے کو بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایسے معجزہ سے نوازا ہے کہ جو لوگوں کو اللہ پر ایمان کی ضرورت اور ہدایت الہی پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرنے کی تہیہ کرتا ہے۔

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وما من نبی الا وادعی ما مثلہ امن علیہ البشر وانہا کان الذی اوتیتہ وحیا اوحی الی فانما ارجو ان اکون اکثرہم تابعا یومہ القیامۃ ۵

انبیاء میں سے ہر ایک نبی کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر معجزات عطا فرمائے، جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لاتے لیکن جو معجزہ مجھے مرحمت ہوا وہ وحی "قرآن" ہے جس کو اللہ تعالیٰ مجھ پر اتارتا ہے، اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

اور وہ قرآنی آیات جو انبیاء کرام کے معجزات پر دلالت کرتی ہیں کثیر اور معروف ہیں جن کو یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

جس چیز کی یہاں تفصیل مراد ہے وہ ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

معجزات میں بحث کرنا اور ان پر اعتقاد کے واجب ہونے اور نبوت کے معنی و حقیقت کے اظہار میں ان کی اہمیت بیان کرنا۔

آپ کے معجزات میں سے پہلا معجزہ ”قرآن“ ہے

تمام انبیاء کرام کے معجزات میں سب سے بلیغ و عظیم معجزہ قرآن کریم ہے کیونکہ یہ ایسا معجزہ ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ہر زمان و مکان میں اعلان کرنے والا ہے جب کہ سب انبیاء کرام کے معجزات ختم ہو چکے ہیں اور ایسی تاریخ اور ایسی خبریں بن چکے ہیں جن کا تذکرہ ہی کیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے انبیاء سابقین کے قرآن کا معجزہ عطا فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ تمام انبیاء سابقین کی رسالت انبیاء سابقین کی رسالت و نبوت ان کے بعد تشریف لانے والے نبی کی بعثت تک محدود ہوتی تھی۔ جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔ اس لئے ایسے معجزے کی ضرورت تھی جو تمام زمانوں میں آپ کی رسالت کی شہادت دیتا رہے۔

اعجاز قرآن پاک کی وجہ بہت ہیں لیکن ان کے مجموعہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک وہ حصہ جو تمام انسانوں کے لئے عام ہے۔ اس کی مثال سابقہ امتوں اور ان کے واقعات اور ان غیبی امور کی خبر ہے جو ابھی واقع نہیں ہوئے تھے اور بعد میں ان کا وقوع خبر کے مطابق ہوا۔ ایسے ہی اس کی مثال قرآن کے وہ احکام تشریع ہیں جو ہر زمان و مکان کے لئے صلاحیت رکھتے ہیں باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئی تھے جو کہ ظاہری خواند و نوشت سے پاک تھے چہ جائے کہ آپ نے کسی سے شریعت و قانون کو سیکھا ہو اور نہ ہی فارس و یونان کی تہذیب میں سے کسی شی کا اہتمام کیا گیا تھا، ایسے ہی قرآن کریم کا اپنے قواعد و مباحث علمیہ پر مشتمل ہونا کہ جس کے اکتشاف و توقف پر محققین ہمیشہ سے آج تک مصروف ہیں۔

یہ وہ وجہ اعجاز ہیں جنہیں عرب و غیر عرب کا ہر عقل سلیم رکھنے والا سمجھ سکتا ہے،

صرف اہل عرب کے ساتھ خاص ہے، وہ قرآن کریم کا ایسی عجیب نظم پر مشتمل ہونا ہے۔ جو نہ تو نثر اور اس کی معروف و متعین اسالیب اور طریقوں کے موافق ہے اور نہ ہی شعر اور اس کی معروف بحر و قوافی کے موافق ہے نیز بلند و بلاغت اور ایسے عجیب و غریب اسلوب پر مشتمل ہے کہ جس سے استفادہ میں انسانوں کا ہر طبقہ یکساں ہے خواہ عوام ہوں یا اہل علم یا خواص حتیٰ کہ اس کی مثل پیش کرنے پر مختلف اسالیب کے ذریعہ بار بار کے چیلنج کے باوجود زمانہ نبوت سے آج تک تمام اہل بلاغت و بیان اس کی مثل پیش کرنے سے عاجز رہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ عربوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا معجزہ پیش کرنے کا مطالبہ کیا، جو آپ کے دعویٰ نبوت و رسالت کی صداقت کی دلیل بنے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ قرآن ہی وہ عظیم معجزہ ہے جو ان کی مراد پر دلالت کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَالُوا لَوْلَا انْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَ
إِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ
يَتْلُو عَلَيْهِمْ أَنْ فِي ذَلِكَ لِرَحْمَةٍ وَذِكْرٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

(احکاموت: ۵۰-۵۱)

”اور کہنے لگے کیوں نہ اتاریں کچھ نشانیاں ان پر ان کے رب کی طرف سے تم فرما دو نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور بے شک میں واضح ڈرانے والا ہوں اور کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں رحمت و نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے۔“

لیکن کافر اپنی ضد اور انکار پر قائم رہے، انہوں نے قرآن کی کسی بھی آیت کو آپ کی نبوت کی صداقت کے دعویٰ پر دلیل تسلیم کرنے سے انکار کیا اور یہ کہتے ہوئے

قرآن سے اعراض کیا:

قد سمعنا لو نشاء لقلنا مثل هذا ان هذا الا اساطير الاولين ۝

(الانفال: ۲۱)

”ہاں! ہم نے سنا ہم چاہتے تو ایسا ہم بھی کہہ دیتے یہ صرف انگوں کے قصے ہیں۔“

اس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں چیلنج دیا۔ ”اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو“ انہیں قرآن نے چیلنج دیا کہ تم اس کی مثل ایک سورت تو پیش کرو اور اس چیلنج کو لفظ و اسلوب کے مختلف قالب میں ڈھال کر پیش فرمایا، انہیں چیلنج کے مقابلہ کے لئے جھڑکی کی دینے، جوش دلانے اور چیلنج کی مختلف شکلوں کو اختیار کیا۔ کبھی ان سے فرمایا:

و ان كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا فاتوا بسورة من مثله و ادعوا اشهداءكم من دون الله ان كنتم صادقين ۝ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة اعدت للكافرين ۝ (البقرہ: ۲۴۳)

”اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے بندہ خاص پر اتارا ہے تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ لاسکو اور ہم بتا دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لاسکو گے تو ڈر اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کر رکھی ہے کافروں کے لئے۔“

اور کبھی ان سے فرمایا:

قل لئن اجتمعت الانس والجن على ان ياتوا بمثل هذا

القران لا ياتون بمثله و لو كان بعضهم لبعض ظهيرا ۝

(الاسراء: ۸۸)

”تم فرما دو اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کی مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کا مددگار ہو۔“

اور انہیں جھڑکی اور چیلنج دیتے ہوئے فرمایا:

امر يقولون تقوله بل لا يؤمنون ۝ فليأتوا بحديث مثله ان

كانوا صادقين ۝ (الطور: ۲۴)

”یا کہتے ہیں انہوں نے یہ قرآن بنا لیا ہے، جب کہ وہ ایمان نہیں رکھتے تو اس جیسی ایک بات تو لے آئیں اگر سچے ہیں۔“

اور ان کے دعوے

ان کی معروف باغث اور ان کے دعوے ”اگر ہم چاہیں تو اس کی مثل کہہ سکتے ہیں“ اور قرآن کے بارے میں ان کے سینوں میں بھری ہوئی طعن و نفرت اور ان کا ہمیشہ ایسے ذریعہ کی تلاش میں رہنا کہ جو آپ کے مقصد کو فاسد کر دے اور آپ کی دعوت کو کامیابی کی راہ سے روک دے۔ ان سب کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے کلام تبلیغ کے فیصلہ کن حصہ کے ذریعہ قرآن کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے جس طرح کہ وہ اپنی ادبی محفلوں میں کلام کی مختلف اصناف میں شعر گوئی اور شعر خوانی کا مقابلہ کیا کرتے تھے اس طرح وہ قرآن کے خطرے کو اپنے سے دور کر دیتے اور ہر اس شخص کے سامنے جو اس سے دھوکہ کھا سکتا تھا اعلان کرتے کہ... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز ان کے سامنے پیش کی ہے۔ وہ اس کی مثل یا اس سے بہتر پیش کر چکے ہیں لیکن وہ ان تمام کے برعکس کچھ نہ کر سکے اور نہ ہی کسی صورت میں قرآن کے چیلنج کا جواب دیا بلکہ وہ اپنے سابقہ قول

لو نشاء لقلنا مثل هذا

”اگر ہم چاہیں تو اس کی مثل کہہ سکتے ہیں“

سے اپنے اس زعم کی طرف پھر گئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے جو چیز پیش کی وہ تو جادو یا کہانت ہے یا نفیس شعر ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿۲۰﴾ (الزمر: ۲۰)

”اور جب ان کے پاس حق آیا تو بولے یہ جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔“
یہ آیات تحدی کتاب اللہ میں ہمیشہ سے محفوظ ہر زمانے میں مختلف مذاہب کے شعراء ادباء اور بلغاء کے کانوں کو کھکا رہی ہیں، مگر ان میں سے کسی کو اس چیلنج کے بارے میں ایسے عمل کو ثابت کرنے کی طاقت نہیں ہوئی کہ جس کے متعلق کہا جاسکتا کہ اس نے اس کے ذریعہ قرآن کا مقابلہ کیا اور ایک اچھی چیز پیش کر دی۔

قرآن کے وصف اعجاز میں تجربہ اور مشاہدہ کے تمام دلائل سے واضح ترین دلیل یہ امر واقع ہے اور یہ ایک ایسی دلیل ہے جو پوری تاریخ اور تمام زمانوں میں موجود ہے۔

اس کے بعد ہم اس حقیقت پر استقراء تام کی دلیل بھی منطبق کرتے ہیں کہ تمام اہل عرب کا اس کی مثل پیش کرنے سے عاجز رہنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مثلاً ورقہ بن نوفل یا بحیرہ راہب وغیرہ میں سے کسی انسان کی تالیف ہونا ناممکن ہے کیونکہ یہ احتمال اس دلیل اعجاز کے مخالف ہیں جس پر تجربہ اور مشاہدات دلالت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن میں ایسے واقعات پر تعلق موجود ہے جو واقعات ورقہ بن نوفل اور بحیرہ راہب کی موت کے بعد رونما ہوئے۔ تو اس تعلیق کے باوجود قرآن کا ان کا الہام یا ان میں سے کسی کی تالیف ہونا کیسے ممکن ہے؟

پھر ہم فرض بھی کرتے ہیں کہ قرآن آپ پر جنوں کی طرف سے القاء کیا گیا ہے اگرچہ یہ مفروضہ بھی نتائج باطلہ کو مستلزم ہے۔ جن کے باطل ہونے کی وضاحت کی جا رہی ہے وہ الفاظ کہ جنہیں جن نے آپ پر القاء کئے تھے یقیناً وہ القاء ایسا ہوگا کہ جس

کی مثل پر جن قدرت رکھتے ہوں گے اور کسی صورت میں یہ ممکن نہیں ہے کہ اس جن کی مثل دوسرا کوئی جن اس پورے عرصہ میں اس کے مقابلے کے لئے تیار نہ ہوتا جو اس پوری مدت میں اس کی مثل قرآن کا ان لوگوں میں سے کسی پر القاء کرتا جو لوگ اس کی مثل تالیف کرنے کی شدید خواہش رکھتے ہیں لیکن اپنے اندر اس کی طاقت نہیں پاتے باوجود یکہ انہیں یہ علم بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کے ساتھ انسانوں کو چیلنج دیا ہے ایسے اس کے ساتھ جنوں کو بھی چیلنج دیا ہے۔

مثلاً ان آیات کو پڑھ لو:

وَمَا تَنزَّلَتْ بِهِ الشَّيْطَانُ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَلْعِمُونَ ﴿۱۰﴾ انہم

عن السمع لم يعزولون ﴿۱۱﴾ (الشعر: ۱۰-۱۱)

”اور اس قرآن کو شیطان نے لے کر نہیں اترے وہ اس قابل نہیں نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں وہ تو سننے کی جگہ سے دور کر دیئے گئے ہیں۔“

جس طرح انسانوں میں حق کو جاننے کے بعد حق کے خلاف کینہ و عداوت والے موجود ہیں جن کی تمنا ہے کہ کاش قرآن کی صفت اعجاز کو کسی بھی ممکنہ ذریعہ سے فاسد کرنے پر انہیں طاقت ہوتی، اس طرح جنوں میں بھی قرآن کے بارے میں کینہ رکھنے اور اس طرح کی تمنا رکھنے والے موجود ہیں۔

لہذا ہم نے جب انسانوں میں کسی ایسے انسان کو نہیں دیکھا کہ جس کی طرف جنوں کی طرف سے قرآن کی مثل القاء ہوتی ہو تو ہمیں دلیل تجربہ سے بھی معلوم ہوا کہ قرآن نہ تو جنوں کی تالیف ہے اور نہ ہی ان کی جانب سے القاء ہے اور یوں اس بات پر استقراء تام کی دلیل مکمل ہوتی ہے۔

کہ وہ قرآن جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا نہ ہی آپ کے زمانے میں موجود لوگوں میں سے کسی کی تالیف ہے اور نہ ہی کسی جن کی تالیف ہے کہ اس نے آپ کی ذات میں پھونک دیا ہو یا آپ کی جانب القاء کیا ہو۔

اسی لئے قرآن نے خود جو کچھ فرمایا یا جو کچھ ثابت کیا ہے اس پر ایمان رکھنے کی ضرورت پر عقل مجبور ہوتی ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کو جبریل علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر اترا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہوں پس ثابت ہوا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

فان لم يستجيبوا لكم فاعلموا انما انزل بعلم الله وان لا اله الا هو وهل النظم مصلوبون ○ (سورہ ۱۳)

”تو اگر وہ اس کا جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کے علم ہی سے اترا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں تو کیا اب تم مانو گے۔“

حقیقت اعجاز کی بحث، اس کے اطراف کا بیان طویل گفتگو کا متقاضی ہے اور ہمارا اس تفصیل میں پڑنا ہمیں اپنے اس مقصد سے نکال دے گا جس کے ہم درپے ہیں اور تم جانتے ہو کہ قرآن کریم کی بلاغت و اعجاز کی مخصوص کتب موجود ہیں۔ اگر تم اس کی تفصیل سے آگاہ ہونے کی خواہش رکھتے ہو تو ان میں سے جس کتاب کو پسند کرو مطالعہ کرو۔^۱

جب یہ ثابت ہوا کہ قرآن مجزوی بلاغت اہل عرب کے خلاف حجت ہے اور اہل عرب اپنے فن میں تمام لوگوں پر حجت ہیں۔

کیونکہ جب عجیبوں نے دیکھا زور سنا کہ اہل عرب فصاحت و بلاغت میں قرآن کی مثل کسی کتاب کی تالیف پر قادر نہ ہوئے اور نہ ہی اس کی کسی ایک سورۃ کی مقدار تالیف کرنے پر قادر ہوئے تو اسی سے انہوں نے معلوم کر لیا کہ قرآن کریم معجزہ ہے، وہ کسی انسان کا کلام نہیں۔

۱ (اگر تم اعجاز قرآن کی مکمل بحث چاہتے ہو تو ہماری کتاب ”دلائل القرآن“ کا مطالعہ کرو جس میں اس بحث کی تفصیل ہے)

پس یہ کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے عظیم ترین معجزہ ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر معجزات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کریم کے علاوہ دیگر بہت سارے معجزات ہیں جو خبر صحیح کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اور ان معجزات کے مجموعہ کے اعتبار سے نقل حدیث سے زائد ہے۔

ان معجزات میں سے اسراء معراج کا معجزہ ہے جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ جمہور مسلمانوں کا اجماع ہے کہ معراج جسم اور روح دونوں کے لئے ایک ساتھ ہوتی ہے۔ ان میں سے اشتقاقی قمر کا معجزہ ہے، جسے قرآن نے بیان کیا ہے:

اقتربت الساعة والشق القمر ○ وان يروا آية يعرضوا ويقولوا سحر ○ مستنبر ○ (قمر: ۲۱)

”پس آئی قیامت قریب اور چاند شق ہو گیا اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھیں تو کہتے ہیں، جادو ہے چلا آتا۔“

اشتقاقی قمر کے بارے میں حدیث پاک طرق کثیرہ کے ساتھ وارد ہے، محققین، محدثین کے نزدیک یہ سندیں حدود تو اتر میں سے اعلیٰ ترین حد کو پہنچی ہیں اور ان میں سے آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی جاری ہونے کا معجزہ ہے۔ امام بخاری و امام مسلم نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و حانت صوة العصر فالتبس الناس وضوء فلم يجدوه فأتى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يوضوء في اناء فوضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم في ذلك الاناء يده ثم امر الناس ان يتوضؤوا قال انس فرأيت الباء يتبع من تحت أصابعه فتوضاء الناس حتى توضؤوا من عند آخرهم۔

”میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ نماز عصر کا وقت قریب ہو چکا تھا پس لوگ وضو کے لئے پانی تلاش کر رہے تھے، انہیں پانی نہ ملا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن میں تھوڑا سا پانی پیش کیا گیا تو آپ نے اپنا دس اقدس اس برتن میں ڈال دیا، پھر آپ نے لوگوں کو اس سے وضو کرنے کا حکم فرمایا، حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے نیچے جاری ہو رہا تھا۔ پس لوگوں نے وضو کیا حتیٰ کہ آخری آدمی نے بھی وضو کیا۔

روایات صحیحہ کے مطابق انگلیوں سے پانی جاری ہونے کا معجزہ ایک سے زائد مرتبہ واقع ہوا ہے۔

ان معجزات میں سے بھی ہوئی زہر آلود بکری کا آپ سے کلام کرنے کا معجزہ ہے۔ یہ وہ بکری تھی کہ جس میں مشکم بن سلام کی یہودی بیوی نے زہر ملا کر آپ کے پاس بھیج دی تھی۔ آپ نے اس کا ایک لقمہ چکھا اور ابھی نگلا نہ تھا کہ یہ کہتے ہوئے پھینک دیا کہ یہ بڑی مجھے بتا رہی ہے کہ اسے زہر آلود کر دیا گیا ہے، اس حدیث کو امام بخاری نے روایت فرمایا ہے۔

اور ان میں سے وہ معجزات جو صحیح سندوں کے ساتھ وارد ہیں کہ آپ کی برکت سے طعام میں زیادتی اور کھجور کے خشک تنے کا آپ کے ساتھ اشتیاق اور برص کے مریضوں کا آپ کے چھونے سے صحت یاب ہونا وغیرہ۔

خوارق کثیرہ جنہیں حدیث و سیرت نبویہ کی کتب ایسی صحیح سندوں سے روایت کر رہی ہیں جو محدثین کے نزدیک ہر عیب و نقص سے پاک ہیں، معجزات و خوارق جن سے اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا اور جو ہم تک بطریق تو اتر معروف و مشفق علیہ ہے۔

ان میں گفتگو کے دوران ہمارے پاس چند ایسی باتیں ہیں جن کا پوری

یا ابتداری اور آزادی کے ساتھ اس قدر اظہار ضروری ہے، جو اس حقیقت اور اس کے ساتھ جو چیز متصل ہو رہی ہے اور جو چیز اس کے متصل ہو چکی ہے، کے پہلوؤں کو آشکار کر دے۔

ہم اپنی عقلوں کو ہر ایک پر ہر اس چیز کے بدلے جو ”کلمہ ایک“ کا عموم و شمول ہے فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

اور یہ واضح بات ہے کہ اس شمول میں جو لوگ داخل ہوں گے ان میں سب سے پہلے داخل ہونے والا ہر شخص ہوگا جو ہمارے اور کسی بھی حقیقت کے درمیان اپنی غرض و فائدہ کی نہ طر تاریکی حائل کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ ہماری عقلیں کسی ایسے جال کا شکار نہ ہوں، جسے وہ ہمارے سامنے پھیلا رہا ہے۔

مناسب ہے کہ ہم ایک سرسری نظر کے ذریعہ ان معین تاریخی حادثات کو مختلف کریں جو غیبات پر ایمان کے بارے میں عموماً اور معجزہ پر ایمان کے بارے میں خصوصاً ایک بڑے عرصہ تک رونما ہوتے رہے تاکہ ہم واضح کر دیں ان کے اسباب و مواضع اور ظاہر کر دیں اس چیز کو جو ان کے پس منظر میں ہے ان میں عقلی آزادی کے جال کی غرض کو اور اس کے بعد ہم علم و عقل کے ترازو میں معجزہ کے بارے میں گفتگو کریں گے کہ کیا وہ ممکنات میں سے ہے یا کہ مختیلات میں سے؟ پھر دین اور قرآن کے ترازو میں معجزہ کی بحث کریں گے اور اس کے بعد ہم عقل سلیم کے فیصلے کو خاموشی سے سنیں گے کہ جو بھی اس کا فیصلہ ہوگا اس پر عمل اور اس کی اتباع کریں گے۔

مختصر سی گفتگو (تاریخی حادثات کے بارے میں) جو معجزہ کے مفہوم کے بارے میں ایک عرصہ تک رونما ہوتے رہے

اس صدی کے اوائل میں ہمارے عالم عرب میں ایسے محققین و مفکرین کا ظہور ہوا جو معجزات کی بحث اور معجزات کے بارے میں خصوصاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بارے میں مسلمانوں کے لائق موقف کے بیان میں ایک جدید رائے کی

طرف مائل ہو گئے۔ اس رائے کا خلاصہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سوائے ایک معجزہ کے کچھ نہیں اور وہ واحد معجزہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے۔ وہ قرآن کریم ہے جو آپ پر نازل ہوا ہے، لیکن وہ خوارق جو انبیاء سابقین کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے تھے، جنہیں عقل نہ سمجھ سکتی ہے اور نہ ان کا ادراک کر سکتی ہے۔ اس لئے عقل ان کی منکر ہے، ان کو غیر معتبر سمجھتی ہے اور نہ ہی ان کا مطالبہ کرنے والوں کی طرف التفات کرتی ہے وہ بار بار اس بات کو دہراتے ہیں کہ عقل ہمیشہ یہ تاکید کرتی ہے کہ معجزات و خوارق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے تعلق نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کے بارے میں آپ کو کوئی اختیار تھا۔ اس پر اس آیت کریمہ سے بکثرت شہادت پیش کرتے ہیں۔

قُلْ إِنَّمَا الْإِنبَاءَ عِنْدَ اللَّهِ (الانعام ۱۰۹)

”آپ فرمادیجئے کہ معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔“

اور ان کا دُعا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ایسا خطاب ہی نہ فرماتے تھے، جسے لوگ سمجھ نہ سکتے ہوں اور نہ ہی ان کے سامنے ایسا عمل فرماتے تھے جو اس علم کی حدود سے بالا ہوتا ہے جسے انسان ادراک کر سکتے ہیں۔ یقیناً تم اس بات کو آج کی اکثر جدید کتب میں پڑھو گے اور ان میں اس رائے کو پاؤ گے۔

اس رائے کو اپنانے سے پہلے اور اپنانے کے بعد ایسے چند گئے چنے افراد تھے جنہوں نے اس رائے کی دعوت و تبلیغ کو اپنایا اسی لئے ان کے نام اسی دن سے اس اصلاح دینی جو مخصوص اطہاب کی وجہ سے مشہور ہوا تھا، کے شعار کے ساتھ مرتبط ہو گئے۔

اب ہم اس رائے کے آغاز اور اس کے دور رس مقصودی اسباب کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں اور اس کے بعد علم و عقل کی غور و بین کے تحت اس کا مناقشہ کریں گے اور اس کو خود تاریخ کے دلائل پر پیش کریں گے۔ ہمارے عالم اسلامی میں اس رائے کا

اہم مصر پر برطانیہ کے قبضہ کی تاریخ کی طرف لوٹتا ہے۔

جس دن برطانیہ نے مصر پر قبضہ کیا تھا، اسی دن سے برطانیہ کو یقین تھا کہ اس کا صرف عسکری قوت پر اعتماد و انحصار نہ مصر میں اس کے استقرار کے لئے مفید ہو سکتا ہے اور نہ ہی مقبوضہ ملک میں اسے قدم جمانے پر قدرت دے سکتا ہے۔ خصوصاً اس حال میں کہ اسلامی دنیا اسلامی خلافت کی شکست و ریخت کے زمانے کے قریب تھی اس لئے اس نے سوچا ”جیسا کہ ہمیشہ سے اس کی عادت رہی ہے“ کہ ایسے نظریاتی و فکری طریقہ سے مدد لینا ضروری ہے، جو مسلمانوں کے فکر و نظریات میں اس درجہ تبدیلی پیدا کر دے کہ انہیں دین کے ساتھ شدید وابستگی اور دین کے لئے قربانی پیش کرنے اور صرف دین پر اعتماد سے بہت دور کر دے اور انہیں اپنی زندگی کے مختلف گوشوں میں مغربی فکر کو وسیع پیمانے میں قبول کرنے کے لئے تیار کر دے۔ اس مقصد کی خاطر برطانیہ نے اس چیز کی تخلیق کی تیاری کر دی جس پر دینی و اجتماعی اصلاح کا اطلاق کیا جاتا تھا اور اس اصلاح کا سب سے پہلا میدان جامعہ ازہر تھا جو اپنے درسی منہج اور طریقہ فکری میں عموماً کی حیثیت رکھتا تھا۔ کیونکہ اس وقت پوری قیادت جامعہ ازہر کے ہاتھ میں تھی اس کی کریمیں بہت سارے دیگر اسلامی خطوں تک پھیل رہی تھیں اور کوئی علمی مسئلہ ہو یا دینی یا کوئی فکری مشکل ہو یا معاشرتی جامعہ ازہر اس کا رئیس، مدبر اور مفکر اور اس کا محرک ہوتا تھا اس لئے کسی قسم کی اصلاح برطانیہ کے نظریہ کے لحاظ سے دینی ہو خواہ فکری اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی تھی، جب تک اس کی ابتداء ازہر سے نہ کی جائے۔

ہم یہاں پر یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ جن بدعات و واقعات تاریخیہ کو ہم نقل کریں گے ان میں سے رو قبول کے اس طریقہ کو اختیار نہیں کریں گے جس کو اہل مغرب دوسروں کے متعلق اختیار کرتے ہیں خصوصاً جس کو انہوں نے ہماری تاریخ اور ہمارے اسلام کے بارے میں اختیار کیا ہے بلکہ ہم اس خالص علمی طرز کو اختیار کریں

گئے جس کی ہم نے وضاحت کر دی ہے اور جس کا اپنے پر التزام کیا ہے۔

ممکن ہے کہ تم یہ سوال کرو کہ ہم نے یہ کہاں سے معلوم کر لیا کہ برطانیہ نے یہ اپنے لئے خاکہ وضع کیا تھا اور ہم نے یہ کہاں سے معلوم کر لیا کہ وہ اسلام اور جامعہ ازہر کی وجہ سے پریشان تھا؟

تو سن لو لارڈ لویڈ کی اس بات کو جو اس نے اپنے ایک مذاکرہ میں کہی، جس کو اس نے مصر کرومر کے زمانے سے (Egypt Since Cromer) کا نام دیا ہے۔ ان دنوں اس کو مصر کے لئے شکاری بنا کر بھیجا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب انگریز نے مصر میں قدم رکھا تو اس وقت ملکی تعلیم جامعہ ازہر کے قبضہ میں تھی، جو دین کے ساتھ شدید وابستگی رکھتا تھا اور اس کی خشک اسالیب کسی بھی تعلیمی اصلاح کی راہ میں بڑی رکاوٹ تھیں اور جو طلبہ اس جامعہ سے فارغ ہوتے تھے وہ اپنے ہر ادینی تعصب کی بیہودہ باتوں کی بڑی تعداد اٹھائے ہوئے ہوتے تھے (اس کلام کے معنی پر اچھی طرح غور کریں) اگر ازہر میں تبدیلی ممکن ہوتی تو یہ ایک بڑا روشن قدم ہوتا لیکن ازہر جب تک اپنی ان خشک اسالیب پر کاربند تھا ہمارے لئے کسی بھی ترقی کا سوچنا آسان نہ تھا اور جب یہ ظاہر ہوا ہے کہ ہمارے لئے اس قسم کا قدم اٹھانا آسان نہیں تو اس وقت امید صرف اس لادینی تعلیم کی ایجاد پر محصور ہو گئی جو ازہر کا مقابلہ کرے حتیٰ کہ اس کو پھیلنے اور کامیاب ہونے کا موقع ملے۔

اس تبدیلی و اصلاح نے اپنے پھیلنے میں مسلمانوں کی کمزوری اس نقطہ کا سہارا لیا جسے وہ یورپ کی علمی ترقی و انکشاف اور وہ علمی ترقی جو اس سے قبل کبھی نہ ہوئی تھی، کی بدولت یورپ کے اطراف میں موجود ایجادات کے مقابلے میں محسوس کرتے تھے اور اس دور میں یہ اصلاحی منصوبہ اسلامی و عربی فکر کے قائدین کے لئے تنبیہ تھا کہ دنیائے اسلام میں اس طرح کی ترقی کا وجود اس طریقہ کی تبدیلی پر موقوف ہے جس کے ذریعے دین اور اسلامی عقیدے کا فہم مکمل ہوتا ہے اور یہ تبدیلی اس صورت میں ہو کہ

عربی فلسفہ فکر کے ساتھ اتفاق رکھے۔

اس سے مراد وہی فکر کو ہر ایسی فہمی حقیقت سے جدا کرنے کی ضرورت تھی جو حقیقت کبھی نہ جاتی ہو یا علم جدید کے قوالب میں داخل نہ ہوتی ہو اور اس دعوت کو مدد ملے جن لوگوں نے قبول کیا یہ وہ لوگ تھے جو یورپ کی جدید علمی ترقی اور مغربی لادینیت و تمدن کے دیوانے اور دلدادہ تھے جن میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جن کے دلوں میں نہ ایمان راسخ تھا اور نہ ان کی عقلوں میں اس کے حقائق پختہ تھے۔ اس جدید دیوانگی اور اس پر سابق ایمانی کمزوری کی وجہ سے یہ یقین کرنے لگے کہ یورپ کی طرح ترقی کے لئے صرف ایک ہی وسیلہ ہے کہ اسلامی عقیدہ سے متعلق بہت سارے ایمانی دینی امور سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

برطانیہ کے خفیہ اشارے نے عرب مفکرین کی ایک لکھن تعداد تیار کر لی تھی۔ اس لئے برطانیہ کو اس منصوبے کے پیچھے زیادہ مشقت اٹھانے کی ضرورت نہ تھی وہ تو اس بات سے مطمئن تھا کہ یہ لوگ خود اس عمل مطلوب کو انجام دیں گے۔

البتہ برطانیہ نے ان لوگوں کو اپنا قرب بخشا اور انہیں ازہر میں فکری عمل کی قیادت تفویض کی تاکہ وہ اس منصوبے کی مناسبت کو خوب تقویت پہنچائیں اور وہاں سے تمام اسلامی فکر و نظریات تک اس وہاء (اصلاح جدید) کو پھیلادیں۔

(اصلاح) کے لئے محمد عہدہ کو لایا گیا اور انہیں کلیدی عہدہ دیا گیا تاکہ وہ ازہر کے میدان میں اس بنیاد کے تابع رہ کر جس کی ہم نے وضاحت کر دی ہے۔ مکمل اصلاح عام کا کام کریں اور شیخ مصطفیٰ المراغی کو ازہر کا شیخ الجامعہ اور محمد فرید وجدی کو ازہر کے مجلہ (نور الاسلام) کا مدیر اعلیٰ مقرر کرنا بھی اسی کا نتیجہ تھا۔ جبکہ محمد فرید وجدی سے پہلے اس مجلہ کے مدیر اعلیٰ علامہ محمد انصر حسین مرحوم تھے۔ (اس زمانے میں یہ کثیر الاشاعت مجلہ تھا)۔

ان لوگوں کو یا ان کے علاوہ دیگر لوگوں کو ان جدید مراکز کا سوچا جانا ہی تھا کہ

اسلامی عقیدہ کے فہم میں جدید منہج کی تبلیغ شروع ہوگئی، یہ وہی منہج تھا جس کا ہدف ان تمام غیبی مسائل سے غفلت و تجاہل برتنا تھا، جو تخریبی علم کے تحت واقع نہ ہوئے تھے اور ان غیبی مسائل کی سب سے پہلی صف معجزات کی تھی۔

ہم نے دیکھا کہ فرید و جدی نے اپنے ان جری مقالات کا سلسلہ کیسے جاری کیا، جن کو اس نے لوگوں کے سامنے:

”السيرة المحمدية تحت ضوء العلم والفلسفة“ کے عنوان کے تحت پیش کیا ان میں جس چیز کو نمایاں حیثیت دی ہے اس کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ”ہمارے قارئین نے ملاحظہ کر لیا ہوگا کہ جو کچھ ہم اس سیرت کے بارے میں لکھیں گے اس میں ہماری خواہش ہے کہ کسی گوشہ میں بھی گوشہ اعجاز کی طرف نہیں بڑھیں گے، جب تک اس کے اسباب عادیہ کے ذریعہ علت بیان کرنی ممکن ہو اگرچہ تھوڑا تکلف کیوں نہ کرنا پڑے۔“

ہم شیخ محمد عبدہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ مسائل عقیدہ کے بارے میں لکھتے ہوئے عجیب و غریب طریقہ کو اختیار کرتا ہے کہ جس میں وہ مسلمانوں کے اجماع اور اسلامی عقیدہ صحیحہ کی بدیہات کی مخالفت کرتا ہے اور یہ مخالفت اس وقت ہوتی ہے، جب وہ شرح عقائد جلالی پر اپنی تعلیقات میں نبی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ”میں کہتا ہوں کہ کبھی نبی کی تعریف کی جاتی ہے کہ نبی وہ انسان ہوتا ہے۔ جس کی تخلیق علم و عمل کے لحاظ سے حق پر کی گئی ہو یعنی وہ مقتضی حکمت کے مطابق سوائے حق کے نہیں جانتا اور سوائے حق کے عمل نہیں کرتا اور یہ چیز فطرت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ نبی وہ حق میں فکر و نظر کا محتاج نہیں ہوتا۔ اگر اس کی فطرت میں انسانوں کو اپنی جبلت کی طرف دعوت دینا بھی رکھا گیا ہے تو وہ رسول بھی ہے ورنہ صرف نبی ہے۔“

اور ہم انہیں دیکھتے ہیں کہ سورۃ لیل کی تفسیر میں آیت کی صریح تاویل کیسے کرتے

ہیں کہ طہراً ابابیل اور حجارۃ من سبعیل سے مراد چپک کی وبا ہے۔^۱ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں سیرت نبوی کے بیان میں حسین بیگل کی ایک جدید کتاب حیات محمد کے نام سے سامنے آتی ہے جس کے مقدمہ میں حسین بیگل کہتے ہیں ”میں نے سیرت و حدیث کی کتب میں جو کچھ بیان کیا ہے اس سے اخذ نہیں کیا کیونکہ میں نے اس بحث میں طریقہ علمیہ پر چلنے کو ترجیح دی ہے۔“

ہم اس زمانے کے شیخ الازہر مصطفیٰ المرغنی کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس کی تقدیم و تقریب کی طرف یہ کہتے ہوئے کیسے مائل ہوئے ہیں؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ قرآن ہی ہے اور وہ معجزہ عقلیہ ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت، وحی اور رسالت کی صفات کی جگہ عبقریت، عظمت، قیادت اور ان کی مثل صفات کیسے مروج ہونے لگیں ان صفات پر پردہ ڈالنے اور فکر کو ان سے دور کرنے کے لئے ایسا کیا گیا۔

یوں اس جدید رائے اور اس کے اختیار کرنے سے ایک جدید مکتب فکر وجود میں آ گیا۔ جس نے ازہر کے منبر سے اس جدید رائے کے فلسفہ کو نشر کرنا شروع کر دیا اور برطانیہ کے اس قبضہ کے منہج سائے میں اس کے متوسط و متوقع اثرات میں سے پہلا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد ازہر کے گرد ایسے طویل معرکے پھاڑنے لگے کہ جنہیں یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ تم مجھ سے سوال کرو گے کہ برطانیہ نے اس غرض کے حصول اور اس طور پر دینی فکر کو لوگوں کے ذہنوں میں تبدیل کرنے سے کیا فائدہ حاصل کیا؟

برطانیہ نے اس کے ذریعے ان لوگوں کے دلوں میں دینی جذبہ کمزور کرنے کا (تفسیر محمد عبدہ جزم۔ سورۃ لیل کے ان صریح الفاظ میں تامل کرو کہ جس کا معنی واضح ہے پھر تم مجھے بتاؤ کہ جو شخص قرآن میں منصوص کا ارادہ کرے اور طہراً ابابیل اور حجارۃ کی چپک کی پاری سے تاویل کرے، اس کا قرآن کے ان مضامین جو قصہ لیل سے زیادہ عجیب و غریب ہیں پر ایمان کیسے ممکن ہے)

فائدہ حاصل کیا جن کے ہاں سب سے بڑا محرک اور ہر معاملہ میں سب سے بڑی سند دین ہی تھا جیسا کہ لارڈ لویڈ بھی اپنی اس گفتگو میں جس کو ہم نے ابھی نقل کیا ہے، میں اس کا اعتراف کرتا ہے۔ کیونکہ جب عقیدہ اسلامی کو معجزہ کے نظریہ سے خالی کر دیا جائے تو وہ اہل عقیدہ کی غیر شعوری حالت میں اپنے مجموعہ میں انکار پر منتج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسلامی عقیدہ اپنے مجموعہ میں ایک عظیم معجزہ کی بنیاد پر قائم ہے اور وہ معجزہ وحی ہے جیسا کہ تم جانتے ہو۔ لہذا جو شخص خوارق عقلیہ کو محال سمجھنے لگے اور ان کا انکار کرنے لگے یا ان کی تاویل کرنے لگے تو وہ یقیناً وحی کی حقیقت کو بھی محال سمجھے گا۔

کیونکہ وحی سب معجزات میں ممتاز ترین معجزہ ہے، یہ وہ چیز ہے جس کو محمد عہدہ نے نبوت کی تفسیر میں شامل کر دیا ہے اور ایسی تفسیر کی ہے جو نبوت کو وحی سے مکمل طور پر دور کر رہی ہے۔ جیسا کہ تم ان کی نبی کے بارے میں کی ہوئی تعریف میں دیکھ چکے ہو۔

برطانیہ مصر میں اپنے قدم مضبوط کرنے کی راہ میں پیش آنے والی کسی دشواری سے اتنا پریشان نہ تھا جتنا کہ وہ دینی تعصب کی دشواری سے پریشان تھا۔

(لارڈ لویڈ کی تعبیر کے مطابق جس کو تم نے ملاحظہ کر لیا ہے)

پس اس نے اس مقصد کے حصول کے لئے اس مشکل کو اپنی راہ سے اکھیر پھینکا اور اس کے بعد برطانیہ یورپ کی عقلیت (جو کہ غیروں سے اپنی طرف منقول کی گئی تھی) کو اسلامی عقلیت (جو کہ اسلامی منہج سے تقویت یافتہ تھی) کی جگہ رکھنے اور زندگی کے عملی طور طریقوں کو جس طرح چاہتا اس کے مطابق بدلنے پر کامیاب ہو گیا جب کہ زندگی کے عملی طور طریقوں سے دین کی گرفت ختم ہو چکی تھی یا اس حد تک کمزوری پیدا ہو چکی تھی کہ اسلام صرف ایک خالی ڈھانچہ بن چکا تھا۔

تمہارے سامنے یہ حقیقت معروف انگریز مستشرق (جب) کی اس بات سے خوب واضح ہو گئی جو اس نے اپنی انگریزی زبان میں لکھی ہوئی کتاب Wheither Islam میں کہا ہے۔

تعلیمی اور ثقافتی نظام مدارس جدیدہ و صحافت اور ہماری خاص تعلیمات کے ذریعہ مسلمانوں میں (اگرچہ ان کی غیر شعوری حالت میں) ایسا اثر چھوڑنے میں کامیاب ہو گیا کہ مسلمان اپنے عام حالات میں حد بعید تک لادین ظاہر ہونے لگے۔

مغرب نے عالم اسلام کو اپنی تہذیب و تمدن قبول کرنے کے لئے جتنے بھی ہتھکنڈے استعمال کئے ان ہتھکنڈوں کے چھوڑے ہوئے تمام آثار میں یقیناً یہ خالص پھل موجود ہے۔

امرواقعی یہ ہے کہ اسلام نے عقیدہ ہونے کے طور پر اگرچہ اپنی اہمیت میں قلیل حصہ کھودیا مگر معاشرتی زندگی اور حیات اجتماعی پر اپنے تسلط و اقتدار کی ساری اہمیت بھی کھودی ہے۔

تم پر واضح ہے جیسا کہ ہر محقق پر واضح ہے کہ اس مکتب اصلاحی کے ارباب و مبلغین کسی قسم کی سائنسی ترقی تو حاصل نہ کر سکے جس طرح یورپ نے حاصل کی تھی جیسا کہ ان کا وہم تھا اور برطانیہ نے انہیں جس طرح وہم میں مبتلا کر رکھا تھا۔ برطانیہ تو مکر، دھوکہ اور منقلوں کے ساتھ کھیلنے کے فن کا ماہر تھا۔

کاش وہ عقلیں مسلمانوں کی عقلیں نہ ہوتیں

پس اس اصلاح دینی کے ہاتھوں نے جو کچھ پھل چنا وہ صرف ان دونوں حقیقتوں کا بیک وقت فقدان تھا۔ نہ وہ لوگ اپنی دینی حقیقت پر باقی رہے اور نہ ہی سائنسی ترقی پر مطلع ہو سکے۔

معجزہ میزان علم میں

اس کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ برطانیہ نے جو کچھ کیا ہے وہ دھوکہ ہی جیسا کہ (اس اصلاح دینی کی حقیقت اور اس کے پس پردہ محرکات پر دلالت کرنے والی بڑی علامات میں سے یہ ہے کہ اسلام کی ہر مخالف اور دشمن جماعت کو اس (اصلاح دینی) پر راضی اور اس کے ارباب کی تحریف کرتے ہوئے پاؤ گے۔)

ہم نے اس کی وضاحت کر دی ہے لیکن کیا ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ ہم صرف فعل کے رد کی راہ کو اختیار کرتے ہوئے معجزہ پر ایمان رکھیں کہ وہ جیسا بھی ہے اور عقل و علم کا اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ ہے؟

نہیں ہمارے لئے ہرگز جائز نہیں کہ ہم ایسی راہ اختیار کریں، جیسا کہ عقل والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر تقلید اور صرف رد فعل کی بنیاد پر ایمان رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس قسم کے ایمان کی کوئی قدر نہیں۔

بے شک ہر حال میں میزان محکم عقل سلیم ہی ہے اور یا کہو۔ میزان محکم وہ علم یقینی ہے، جس میں وہم کی ذرہ بھر آمیزش نہیں ہوتی نتیجہ ایک ہی ہے۔

اور ہم جب معجزہ اور اس کے امکان کے بارے میں علم سے اس کا فیصلہ دریافت کرتے ہیں تو اولاً علم سے ہماری مراد علم کا وہ خاص اطلاق ہوتا ہے، جس کا اطلاق مختلف سائنسی علوم کے ماہرین کرتے ہیں اور اس کے بعد علم سے مراد علم کا اطلاق عام ہوتا ہے۔ یعنی شے کا دلیل کے ساتھ اور اک جس طرح وہ نفس الامر اور واقع میں ہے۔ لہذا علم اپنے معنی اول کے اعتبار سے معجزہ اور اس کے امکان وقوع کے بارے میں کیا فیصلہ کرتا ہے۔

علم اپنے معنی اول کے اعتبار سے جواب دیتا ہے کہ خوارق اور ان کے امکان میں تحقیق کرنا اس کا کام نہیں کیونکہ علم اپنے اس اطلاق خاص کے اعتبار سے صرف تجربات خارجہ کی ایسی مشق ہے جو اپنے پہلے مرحلے میں عقل و تفکر کے راز سے دور ہوتی ہے۔ جس کا صرف مخصوص موضوعات مادیہ سے تعلق ہوتا ہے، وہ مشق اپنے آپ کو مشاہدہ اور تجربہ کی دلیل کے مطابق عقل پر پیش کرتی ہے اور اس کے بعد عقل کا صرف یہ کام ہے کہ وہ اس کی تفسیر و تشریح اس طرح کرے جس طرح وہ واقع میں ہے۔

اگر تم اس علم "اس مخصوص مشق" سے معجزہ کے بارے میں اس کی رائے دریافت

کرنے کی خواہش رکھتے ہو تو زبان حال سے تمہیں جواب دے گا کہ معجزہ ہماری تحقیق کا موضوع ہی نہیں۔ لہذا میں اس پر کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتا، البتہ جب میرے سامنے کوئی مخالف عادت امر واقع ہو جائے تو اس صورت میں وہ نظر و تجربہ اور تفسیر و تشریح کے لائق موضوع ہوگا اور میرے لئے اس وقت کوئی فیصلہ دینا ممکن ہوگا، وہ گئی یہ بات کہ میں ذہن میں کوئی حالت مخصوص فرض کروں۔ مثلاً آگ کا جلانے کی قوت سے جدا ہونے کی حالت کو فرض کروں، اس کے بعد اس پر کوئی حکم لگاؤں یعنی اس کی تشریح کروں جیسا کہ میرا عمل اور میری روش ہے۔ ایسا کرنا تو میری فطرت اور میرے انصاف کے متقاضی ہے اور جس چیز پر میں محصور ہوں اس کے متقاضی ہے۔

اس جواب کے ملنے پر تم علم (دوسرے معنی عام کے اطلاق کے اعتبار سے) سے معجزہ کے بارے میں اس کی رائے اور فیصلہ دریافت کرو گے تو وہ تمہیں کہے گا۔ تم مجھ سے اس معجزہ کے امکان کے بارے میں دریافت کرتے ہو جو خارق عادت امر ہے حالانکہ تم نے کچھ دیر پہلے مجھ سے وجود باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا تھا۔ تو میں نے تمہیں جواب دیا تھا کہ وہ واجب الوجود ہے اور اس کی ذات میں کوئی شک و شبہ نہیں؟ تو کیا تم میرے بارے میں یہ رائے رکھتے ہو (حالانکہ میں نے اس سے قبل تمہارے لئے دلائل قطعیہ اور براہین ساطعہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وجود کی وضاحت کر دی ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اشیاء اور ان کے اسباب اور ان کے انتظامات کا وہی خالق ہے) کہ میں اپنی ذات کی مخالفت کروں گا کہ میں کہوں معجزہ (جو زیادہ سے زیادہ خارق عادت امر ہے) محال کی ایک قسم ہے جس کا وقوع ناممکن ہے تم علم سے کیسے یہ امید لگائے ہوئے ہو کہ وہ اپنی مخالفت کرے گا کیونکہ کبھی تو وہ ثابت کر رہا ہے کہ اللہ ہی اسباب کا مسبب ہے اور وہی اسباب اور ان کے مسببات کے درمیان ربط فرمانے والا ہے اور وہ دوسری مرتبہ اس کی نفی کرتے ہوئے کہے کہ اسباب و مسببات کے درمیان انقطاع ناممکن ہے۔ تم یہ علم سے کیسے امید رکھتے ہو کہ وہ تم سے کہے گا کہ

عالم وجود کا نظام ممکن سے تعلق رکھتا ہے اور پھر تمہیں کہے گا کہ یہ ممکن نہیں، واجب ہے؟
ہاں تو ان واضح اور مختصر کلمات میں علم کا جواب ہے اور یہ ایسا جواب ہے جس کو ہر
ایسا انسان جو روئے زمین پر علم کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے سنے گا اور یاد رکھے گا۔
مال برائش فلسفی کہتا ہے۔

ہم بے درپے حادثات کو دیکھتے ہیں لیکن ہمیں ایسا کوئی رابطہ نظر نہیں آتا کہ جس
نے طرفین میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ مربوط کیا ہو ہم سے یہ رابطہ کیوں مخفی
ہے؟

اس لئے کہ یہ ایک شیء الہی ہے جس کی مثل مخلوق میں نہیں پائی جاتی اور انگریز
دانشور ”ولیم جونز“ کو بھی سن لو وہ کہتا ہے:

جس قدرت نے جہاں کو پیدا کیا ہے وہ اس سے کسی شیء کو حذف کرنے یا اس
میں کسی شیء کا اضافہ کرنے سے عاجز نہیں اس کے بارے میں یہ کہنا آسان ہے کہ یہ
عقل کے ہاں غیر متصور ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ غیر متصور ہے، درست نہیں کیونکہ یہ وجود
عالم کے درجہ کا غیر متصور نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس جہاں کی کوئی جز بھی موجود نہ ہوتی تو کسی ایسے
شخص کو جو معجزات کا انکار کرتا ہے اور ان کے وجود کا قائل نہیں کہا جاتا کہ عنقریب فلاں
شکل کا ایک جہاں وجود میں آنے والا ہے تو وہ فوراً کہتا کہ یہ تو غیر متصور ہے۔ اس
معجزے کی نفی سے جس کا وہ منکر ہے اس کی زیادہ سختی سے نفی کرتا۔ حالانکہ اس کے
موجود ہونے کے بعد اس کی عقل میں دہشت یا تعجب میں سے کئی چیز بھی نہیں پائی جاتی
اور اس عالم کو دیکھ رہا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہتا کہ اس شیء کا وجود غیر ممکن ہے یا غیر متصور
ہے اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے وجود پر بالکل ایمان نہیں رکھتے ہو تو تمہیں معجزات کے انکار
کرنے اور ان کے وقوع کا تصور نہ کرنے میں پورا حق ہے لیکن اس وقت تمہیں ان
کے بارے میں علم سے سوال کرنے یا علم کا نام لینے یا اس سے کسی شیء کو روایت کرنے

کا حق حاصل نہیں کیونکہ علم تو اپنی پہلی ملاقات میں بغیر کسی تاخیر کے تمہیں بتائے گا یہ
جس کو تم اشیاء میں دیکھتے ہو جسے نظام حسیت کا نام دیا جاتا ہے رابطہ مطرودہ سے
جس کو کوئی چیز نہیں جس کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اور یہ بہت بعید بات ہے یہ
نظام استمرار کے وجوب اور انفکاک کے محال ہونے کو مستزوم ہو۔ کیونکہ جس صورتی
رابطہ اور تلازم کو تم دیکھ رہے ہو مسبب اول اس کو باطل کرنے سے عاجز نہیں۔ اگرچہ
طول انس اور استمرار اتصال تمہارے اندر حیرانگی اور تعجب پیدا کر دے گا۔

بلکہ علم تو تم سے کہہ رہا ہے کہ اگر تم غور و فکر کرو تو تمہیں عالم وجود کے مظاہر میں
سے مانوس اور غیر مانوس اس وقت تک حقیقت میں معجزہ نظر آئیں گے جب تک تم
عظیم خالق پر نگاہ رکھنے سے غافل ہو۔ پس یہ پیارے معجزہ ہیں۔ افلاک کی حرکت معجزہ
ہے کشش ثقل کا قانون معجزہ ہے، نباتات معجزہ ہیں، انسانی عقل معجزہ ہے، انسان میں
ہشوں کا مجموعہ معجزہ ہے انسان میں خون کا دوران معجزہ ہے اور انسان اپنی ذات میں
معجزہ ہے۔ البتہ تم طول انس اور دائمی رویت کی وجہ سے ان سب میں وجہ معجزہ بھول
رہے ہو اور جہالت اور تکبر کی وجہ سے گمان کر رہے ہو کہ معجزہ صرف تمہاری وہ معتاد اور
مانوس چیز ہے جو الٹ پلٹ اور تبدیل ہو کر اچانک تمہارے سامنے آگئی ہے۔

اور علم تم سے کہہ رہا ہے کہ اس عقل کی کون سی قدر ہے جو اپنے معتاد دیکھنے کو اشیاء
پر ایمان اور ان کے انکار کے لئے مقیاس بناتا ہے؟ بے شک یہ انسان کی عجیب
جہالت ہے جب کہ وہ اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ تہذیب و تمدن اور ثقافت و فہم کی
باندیوں پر چڑھ رہا ہے۔ تمہیں حق پہنچتا ہے کہ تم سوال کرو کہ اصلاح دینی کے مرکزی
افراد میں سوائے معجزہ قرآن کے تمام معجزات کا انکار کیسے کیا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی
ذات پر ایمان رکھتے ہیں؟

جواب

ان میں سے کوئی بھی قابل عمل علمی و عقلی فکر کے ذریعہ اس انکار تک نہیں پہنچا

بلکہ وہ اس انتہاء تک اس خواہش نفسانی کی وجہ سے پہنچے جو انہیں بہا کر یہاں تک لائی تھی اور ان پر مغربی تہذیب و تمدن کا منظر غالب آچکا تھا اور انہیں اپنی جانب دیکھنے سے اندھا کر چکا تھا اور وہ اس وقت کلمہ ”علم“ کی دیوانگی میں مبتلا ہو چکے تھے جب کہ وہ اس کے معانی کی کسی مفید مقدار کے مالک ہی نہ تھے اور انگریز نے ان میں یہ حالت داخل کر دی تھی اور انہیں سمجھا دیا تھا کہ علمی ترقی صرف معجزات و معنیات کے انکار ہی سے ممکن ہے تو انہوں نے علم کے کلمہ سے ایسا صابون تیار کر لیا جس کے ساتھ اپنے ذہنوں اور اپنی تحقیقات سے ہر اس چیز کو دھو ڈالا جس کا معجزہ یا خارقہ نام تھا۔

تو کون سا ایسا ذی علم ہے جو ان کے ان کھوکھلے متناقض افکار کی خیر خواہی کرے گا۔ جب وہ ان افکار کو ان کی کتب میں پڑھے گا، جو کلمات علم سے بھری پڑی ہے۔ لیکن علم سے خالی حتیٰ کہ علم کے سایہ سے بھی خالی ہیں۔

حسین ہیکل کی کتاب ”حیات محمد“ کا مقدمہ پڑھو وہ اپنی عزت و عظمت کے اظہار کی خاطر بار بار یہ کہتے ہوئے نظر آئے گا۔

”سیرت و حدیث کی کتب نے جو کچھ محفوظ کیا ہے ان میں سے میں نے اخذ نہیں کیا۔ کیونکہ میں نے اس تحقیق میں صرف علمی طریقہ کو اختیار کرنے کو ترجیح دی ہے“ بلکہ تم دیکھو گے کہ وہ اپنے علم کی عظمت کی حفاظت کرتے ہوئے اس حد تک تمہیں مطمئن کروا رہا ہوگا کہ اس نے کوئی چیز اخذ نہیں کی حتیٰ کہ بخاری و مسلم میں جو کچھ موجود ہے، اس سے بھی کچھ اخذ نہیں کیا۔

تو وہ کون سا انہاں ہوگا، جو ایسے محقق کی عقلیت سے خوف زدہ نہ ہو جو بخاری کی وہ مرویات جو قابلِ فخر و اعتزاز علمی احتیاط کی خوب صورت و عجیب قیود پر مشتمل ہیں کو راہ علم سے انحراف سمجھتا ہو جب کہ یہی محقق نتائج اخذ کرنے اور تخمینہ لگانے اور فراست و ذرائع میں اہل مغرب کے طریقہ کی پیروی کر رہا ہو۔

اگر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سمجھنے کے لئے اہل مغرب کا

طریقہ، طریقہ علمی اور حق تک پہنچانے کا طریقہ ہے تو جیسا کہ حسین ہیکل کا خیال ہے کہ وہ طریقہ جس کی ابتداء ہمارے مسلمان اسلاف نے کی ہے تو معاملے کا دو نتیجوں میں سے ایک پر منتہی ہونا ضروری ہے۔ یا تو اہل مغرب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر حسین ہیکل اس طریقہ کو حق سمجھتا ہے تو یا حسین ہیکل آپ کی نبوت کا انکار کر رہا ہے۔ اگر وہ اس طریقہ کو حق نہیں سمجھتا تو..... ہم دیکھتے ہیں کہ اس سال رمضان پاک میں اسرائیلی نشریات نے سیرت کے فقرات نشر کرنے کے لئے سیرت کی دیگر کتب کے موصاف اسی کتاب کو کیسے پسند کیا۔

کیا پسندیدگی اس لئے تھی کہ اسرائیلی نشریات کی بڑی خواہش تھی کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت و حیات میں سے ایسی چیز نشر کرے جو خالص علمی بنیادوں پر ہو؟ تمہارے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو بیان کرنے والی کتاب کی بلند علمی معیار کا یقین کرنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس کتاب سے یہودی اہل اسلام کے دینی پروگراموں کو چھپانے کی خاطر اپنی وجیہ نشریات میں استفادہ کریں۔

ہر تفکر کرنے والا جانتا ہے کہ یہ کتب اصلاحی صرف ایک ستون کے سہارے قائم تھا اور وہ ستون کلمہ ”علم“ کو اچھے اسلوب میں بیان کرنے اور اس کے مضمون کی جانب متوجہ ہونے کا تھا۔ اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ علم نے بذات خود کتب اصلاحی کو عقل و تحقیق کی راہ سے اٹھا کر پھینک دیا ہے اور علم و معجزہ کے درمیان کی بصیرت اپنی گزشتہ حالت سے نکھر کر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئی، کمزوری اور ضعف کا زمانہ اختتام پذیر ہو گیا اور آٹھ اپنی تمام تر طاقت کے ساتھ روشنی دیکھنے کی طرف لوٹ آئی ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ حقیقت محمد فرید و جدی کی اس پیشین گوئی کا مذاق اڑا رہی ہے جب کہ اس نے کلمہ ”علم“ کے ساتھ اپنے پوشیدہ جذبات میں سے ایک جذبہ کا (پر رمضان ۱۹۶۸ء کی بات ہے)

اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔ ”کہ مشرق اسلامی نے جب دیکھا کہ اس کا دین ان بے مقصد باتوں کے دیس میں جنہیں تمام ادیان نے اس میں شامل کر دیا تھا۔ جدید مغربی علوم کے ہاتھ مٹ رہا ہے تو اس نے کسی روئل کا اظہار نہ کیا۔ کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ معاملہ مقابلے کی حد سے بڑھ گیا ہے لیکن اس نے اپنے اندر الحاد چھپائے رکھا اور اس یقین کے ساتھ اس پر کاربند رہا کہ اس کے دیگر تمام دوست (اسلامی خطے) اس کے درجہ علمی تک رسائی حاصل کریں گے تو ان کا بھی یہی انجام ہوگا۔“

اگرچہ کلمہ علم اس کی زبان پر اس کے جذبات کے تحت اس حدیان کا نطق کر رہا تھا، مگر آج حقیقت علم وجود کی بلند چوٹیوں سے بلند تر چوٹی کے اوپر با آواز بلند یہ اعلان کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام حقائق کی حقیقت ہے اور اس کا دین حق ہی پورے وجود کا راز ہے۔

معجزہ اسلام اور قرآن کی میزان میں

کبھی کوئی سوال کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ قرآن میں تو ایسی دلیل موجود ہے جو

(۱) یہ حصہ فرید وجدی کے اس مقالہ سے لیا گیا ہے جو اس نے سورہ ۱۹۴ء، ۸-۳۰ کے احوال میں علامہ مصطفیٰ مبرری کے لکھے ہوئے ایک مقالے کے رد میں شائع کیا تھا۔ تم ان دونوں مقالوں کا حال۔ کتاب ”موقف الحق والعدل“ میں ملاحظہ کر سکتے ہو اور یہ اس زمانے کی بات ہے جس زمانے میں فرید وجدی کو الزہر کے معروف مجلہ ”نور الاسلام“ کے مدیر اعلیٰ کا منصب تفویض نہیں ہوا تھا اور یہ ان کے دہائی افکار تھے۔ جنہوں نے ان کو علامہ خضر حسین کے بعد اس منصب کے لائق بنا دیا تھا۔ گویا یہ اس اصلاح کی کامیاب پالیسیوں کا حصہ تھا، جو برطانوی سامراج نے الزہر کے بارے میں بالخصوص اور مغربی معاشرے کے لئے باحیثیت شعاع کی تھیں۔

فرید وجدی نے اپنے افکار عظیم اسلامی مجلہ الزہر کے نام سے معروف تھا کہ مدیر اعلیٰ مقرر ہونے کے بعد پوشیدہ رکھے اور اپنی زبان کے نیچے کچھ عرصہ تک محفوظ رکھے، جب کہ اس عرصہ کے دوران کارنیل دیگر ابحاث و مقالات میں مشغول رہے مگر تھوڑے عرصہ بعد ”السيرة المحمدية تحت ضوء العلم والفلسفہ“ کے عنوان کے تحت ان مقالات کی سلسلہ اور اشاعت شروع کر دی۔ ان میں لوگوں کو اس بات کی دعوت دی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اس طرح سے سمجھیں، جس طرح اہل یورپ اس کو ہر مجرم اور خارق عادت سے معید سمجھتے ہیں اگر اس نوع کی کوئی چیز ہو تو بھی۔

ی ہے کہ لوگوں کے سامنے معجزات پیش کرنا رسول کی شان نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا مان ہے:

قل انما الايات عند الله و انما انا نذير مبين (التكوير: ۵۰)
”تم فرماؤ کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں میں تو نہر حال صاف ڈرسانے والا ہوں۔“

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا او
تكون لك جنة من نخيل وعنب فتفجر الانهار خلالها
تفجيرا او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا او تاتي بالله
والبلنكة قبلا او يكون لك بيت من زخرف او ترقي في
السماء و لن نؤمن لرقبك حتى تنزل علينا كتاب نقرؤه قل
سبحان ربى هل كنت الا بشرا رسولا (الاسراء: ۹۰-۹۳)

”اور بولے ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ بہا دو یا تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو پھر تم اس کے اندر بہتی نہریں رواں کرو یا تم ہم پر آسمان گرا دو جیسا تم نے کہا ہے کھڑے کھڑے یا اللہ اور فرشتوں کو ضامن لے آؤ یا تمہارے لئے طلائی گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تم ہم پر ایک کتاب نہ اتارو جو ہم پڑھیں۔ تم فرماؤ پاکی ہے رب میرے کی میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔“

تو کیا ان آیات کے باوجود خوارق و معجزات کا قول قرآن میں موجود صراحت کے مخالف نہیں؟

جواب:

یہ آیات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرکین کے تمسخر کو دور کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں ان سے کسی صادق ظاہر شدہ سوال کے خلاف جواب کے لئے نازل نہیں ہوئیں، جیسا کہ تم آیات کے نسیق اور ان کے اسلوب کو دیکھ رہے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ حضور سے استہزاء کرنے اور اپنے کفر و عناد کی گہرائی میں پہنچنے کی وجہ سے ان آیات کا بغیر سوچے سمجھے مطالبہ کریں گے اور ان آیات کا نزول ان مشرکین کی ہٹ دھرمی کو بیان کرنے کے لئے ہوا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی پیغام کو اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک کوئی آسمانی فرشتہ ان کے پاس اسے لے کر نہ آئے نہ کہ ان کی مثل زمین میں کوئی انسان اور اگر اللہ کے علم میں ان کی نیت درست ہوتی اور ان کی طلب سچی ہوتی اور ان کا اس میں مائل ہونا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت کی تاکید کے ارادے سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے وہ چیز ثابت فرماتا، جو انہیں اس بارے میں مطمئن کر دیتی۔ لیکن ان کا معاملہ تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس بیان کے مطابق تھا، جس کو دوسری آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے۔

ولو فتحنا عليهم بابا من السماء فظلوا فيه يعرجون ۝ لقالوا

اننا سكرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون ۝

(الحجر: ۱۵، ۱۶)

”اور اگر ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں کہ دن کو اس میں چڑھتے جب بھی یہی کہتے کہ ہماری نگاہ باندھ دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو ہوا ہے۔“

قرآنی آیات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے معجزہ ثابت نہ ہونے کا کیسے فیصلہ کر سکتی ہیں، جب کہ قرآن حکیم خود آپ کے معجزہ اسراء کو بیان فرماتا ہے۔

سبحان الذي اسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام الى

المسجد الاقصى (الاسراء: ۱)

”پاکی ہے اس کے لئے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔“

اور اشتقاقی قمر کے معجزہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اقتربة الساعة و انشق القمر ۝ وان يروا اية يعرضوا ويقولوا

سحر مستحبر ۝ (القمر: ۲۵)

”پاس آگئی قیامت اور شق ہو گیا چاند اور اگر دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے چلا آتا۔“

اور غزوہ بدر میں فرشتوں کے اتارے کا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اذ تستغيثون ربكم فاستجاب لكم اني مبدكم بالف من

الملككة مردفين ۝ (الاعمال: ۹)

”جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے، تو اس نے تمہاری سہیلی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار فرشتوں کی قطار سے۔“

جب تم نے سب معلوم کر لیا ہم کہتے ہیں کہ ہم عقیدہ کے ان امور کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جن کا براہین یقینیہ پر قائم ہونا ضروری ہے اور ہم ان معجزات کی تصدیق کو اپنے پر لازم قرار دیتے ہیں جن کی خبر ہمارے تک ایسی نقل کے ذریعہ پہنچی جو روایت کی شروط معروضہ کے مطابق متواتر ہو اور معجزات کا وہ مجموعہ جس کو علماء سیرت اور محدثین نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرمایا ہے۔ جن میں سے بعض کا ہم نے آپ کے سامنے تذکرہ کیا ہے، وہ حد تو اتار سے بھی زیادہ متجاوز ہے۔ لہذا ان معجزات کے مجموعہ کا انکار بالا جماع کفر اور اسلام سے خروج ہے لیکن ان معجزات میں سے جو روایت احاد کے طریق کے ساتھ ثابت ہے اس کا انکار تکفیر نہیں اگرچہ وہ صحیح احادیث میں ثابت ہو۔ البتہ یقیناً اس کو فسق کے شواہب میں سے ایک شاہد سمجھا

جائے گا، معجزات کی بحث میں اس قدر گفتگو ہمارے لئے کافی ہے اور اللہ ہی ہر توفیق کا مالک ہے۔

نبوت محنت سے نہیں ملتی

یہ آخری مسئلہ ان سابقہ چاروں مسائل کا واضح نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب وحی ہی نبوت کی اساس ہے جیسا کہ تمہیں معرفت ہو چکی ہے اور معجزہ اللہ تعالیٰ کی ان مؤیدات میں سے ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و ارادے سے انبیاء کرام کی تائید فرماتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت محض اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کے اختیار سے ملتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (النمل: ۱۸)

”اللہ خوب جانتا ہے کہ جہاں اپنی رسالت رکھے۔“

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اللّٰهُ يَصْطَلِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا مِّنَ الْغَاسِّ (الحج: ۷۵)

”اللہ چن لیتا ہے، فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے۔“

لیکن ہم نے اس کے باوجود اس عنوان کے تحت الگ بحث کو ترجیح دی تاکہ ہم پڑھنے والے کو ایک مضبوط علمی فرق بتا سکیں۔ جو نبوت کے اس حقیقی معانی جس پر عقل و علم دلالت کرتے ہیں جیسا کہ ان دونوں نے وجود باری تعالیٰ پر دلالت کی ہے کے درمیان اور نبوت کے اس معانی کے درمیان جو معانی ان لوگوں کے اوحام میں قائم ہیں کہ جن کا خیال ہے کہ نبوت ایک پیشہ ہے جو کہانت یا نجوم یا سحر کے بازار میں پایا جاتا ہے اور یہ اس بازار ہی کے پیشوں میں سے ایک پیشہ ہے۔ البتہ نبوت ان میں سے زیادہ مشکل ہونے کی بنا پر ممتاز ہے۔

ان لوگوں میں سے بعض کا مذہب ہے کہ ماضی کی تاریخ میں کہانت زندگی کا ایک مقدس پیشہ تھا، وہ پھر عقل انسانی کی ترقی کے ساتھ ترقی کر کے نجوم میں تبدیل ہو گئی

پھر علمی و عقلی ترقی کی وجہ سے اس نے مزید ترقی کی اور جادو میں بدل گئی۔ اس کے بعد اپنے خوبصورت ادوار کی بلندی تک اس وقت پہنچی جب وہ اس نبوت کے روپ میں ظاہر ہوئی، جو اہل نبوت کے قلوب پر خلوت و اشراق روحی کے محرابوں میں بہتی

لیکن یہ کڑیاں ایک دوسرے سے کیسے پیدا ہوئیں، وہ کون سا تعلق تھا، جس نے ان میں سے ایک کڑی کو دوسری کڑی کے ساتھ ملا دیا تھا اور تحقیق علمی اور تاریخ میں اس پر کون سی دلیل پائی جاتی ہے۔ یہ ایک دوسری چیز ہے جس کی طرف یہ لوگ نہ کبھی توجہ اور نہ کبھی اس کی تحقیق کی؟

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے تصور میں نبوت ایک ایسی حد ہے، جس تک محنت و مشق سے پہنچا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ جادوگر محنت و کوشش سے جادو تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں، ان لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کو اگر سمجھا ہے تو صرف اس بنیاد پر سمجھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام تر کوشش صرف کی اور اجمالی محنت کی حتیٰ کہ آپ اس کی بدولت نبی بن گئے ان لوگوں کے اوحام میں نبی اس حد و صلاح کے جو اکثر ان کی زبانوں پر چڑھتا رہتا ہے اس کا ردیف نام ہے۔

اور یہ لوگ اس بارے میں لوگوں کو دھوکہ دینے سے پہلے اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، یہ لوگ اس لئے قرآن کا غیر نبی کا کلام ہونے کی تصدیق کو پسند نہیں کرتے اور نہ ہی اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ قرآن آپ کو بطور معجزہ دیا گیا تھا جو آپ کے ہاتھوں پر ظاہر ہوا اور نہ ہی وحی کو فکر و تامل سے بڑھ کر کوئی چیز سمجھنے کو پسند کرتے ہیں۔ یہ سب اس لئے کرتے ہیں کہ تاکہ نبوت کے بارے میں ان کا جو تصور ہے یہ ایک ناقابل معنی ہے اس تصور کو تسلیم کر لیا جاسکے حالانکہ یہ معانی خود ان کے ہاں بھی کسی قابل تصور بیان کے ساتھ سمجھا نہیں جاتا لیکن اس کا ہر صورت میں ان کے تصور کے مطابق معنی کسی کے ساتھ موصوف ہونا ہی کافی ہے اور ہم جب وحی کی حقیقت اور اس

کے متعلق علمی تحقیق نے جو کچھ انکشاف کیا ہے۔ اس کے بعد معجزہ کے بارے میں جو کچھ برہان یقینی نے بیان کیا ہے، اس کی بحث اور اس سے قبل واجب الوجود اور اس کے متعلق جو کچھ برہان یقینی نے واضح کیا ہے، میں گفتگو سے گزر کر آگئے ہیں تو اب ہم پر لازم ہے کہ ہم اس نتیجہ پر یقین رکھیں جو تمام مسائل میں ظاہر ہونے والے حق نے دیا ہے اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ نبوت صرف وحی ہے، جسے اللہ اپنے بندوں میں جس کو چاہے عطا فرماتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو قیامت کے روز سے ڈرائے اور انہیں وہ چیز یاد دلائے، جو اس سے قبل ان کے اسلاف کو یاد دلائی گئی تھی۔ یعنی وہ چیز کہ جس کے ساتھ عنقریب موت کے بعد انہوں نے ملاقات کرنی ہے اور وہ ان کے خالق کے حقوق ہیں جو ان پر لازم ہیں۔ اس بات پر ہم یقین رکھیں کہ نبوت کا کہانت، نجوم، سحر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، نہ ہی نبوت ایسی چیز ہے کہ لوگ اس حد تک حیلہ و محنت اور کوشش سے پہنچ سکتے ہیں۔

تم یقین کر لو کہ اس حق سے اس کلام بے سند کی طرف سوائے اللہ کے منکر کے کوئی مائل نہیں ہوگا، وہ شخص اس سے پہلے زمانے کے حادثات جنہیں وہ دیکھ رہا ہے یا تاریخ سے سن رہا ہے کی اپنے موافق سابقہ امور کے ساتھ تاویل کرے گا تاکہ اس میں اللہ کے وجود کا انکار پکا ہو جائے، لیکن ان میں سے کوئی تاویل بھی اس کے خیال کے موافق نہیں ہوگی۔



(۴) خاتمہ

ایمان و اسلام میں فرق

اب ہم نبوت کے حصہ سے متعلق حقائق کی تشریح سے فارغ ہو گئے، اسی تشریح کے ساتھ ہی ہم اسلام کی شہادت کے دوسرے رکن کے بیان سے بھی فارغ ہو گئے اور وہ رکن ثانی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اللہ کی جانب سے رسول ہونے کی شہادت کے اقرار سے مسلم کا اسلام مکمل ہوتا ہے اس کے دو ارکان کی تشریح سے بھی فارغ ہو گئے۔

جب تم الہیات سے متعلق بحث اور حقائق پر ایمان رکھو گے اور نبوت سے متعلق مذکورہ حقائق پر ایمان رکھو گے اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ فرائض ان کی فرضیت اور ضروری ادائیگی کا یقین، اللہ تعالیٰ کے حکم کی تنفیذ کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اللہ تعالیٰ کے لئے اظہار کرتے ہوئے اطاعت کرو گے تو تمہارے ہاں اس اسلام کے ارکان مکمل ہو جائیں گے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بالعموم ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالخصوص مبعوث فرمایا ہے۔

شاید کہ تم سوال کرو گے کہ کیا اسلام کی حقیقتوں میں کوئی فرق ہے؟ اور کیا ان دونوں کی شرطوں میں کوئی تغاّر ہے؟

جواب

اسلام و ایمان میں سے ہر ایک کا مصداق الگ ہے، البتہ واقع میں ان دونوں کے درمیان تلازم ہے۔

اسلام مذکورہ دونوں شہادتوں اور مذکورہ فرائض کی اطاعت کا نام ہے، جس میں نطق باللسان ضروری ہے۔ شہادتین کے نطق میں "اشہد" "میں شہادت دیتا ہوں" کلمہ سے تعبیر لازمی ہے اور فرضیت فرائض کی اطاعت صریح لفظ کے ساتھ ضروری ہے۔

لہذا انسان کے ظاہر کی اطاعت اسلام اور اسی پر دنیا میں اسلامی احکام کا اجراء موقوف ہے، یعنی خون کی حفاظت، مناکحت کا حصول ہونا اور توریث کی مشروعیت وغیرہ۔

لیکن ایمان ان سب کی ایسی تصدیق قلبی کا نام ہے کہ دل میں مذکورہ حقائق میں سے کسی کے متعلق ذرہ بھر شک باقی نہ رہے اور قیامت کے دن نجات اسی پر موقوف ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان پر دنیا و آخرت دونوں کے احکام اسی وقت جاری ہوں گے، جب وہ ایمان اور اسلام دونوں سے متصف ہو۔ یعنی دل سے تصدیق کرنے زبان سے اس کا اعتراف کرے اور انسان زبان سے شہادتین کا جتنا بھی نطق کرے۔ یہ اس کے لئے اس وقت تک مفید نہیں جب تک وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں ان کا یقین نہ رکھے۔ البتہ دنیاوی احکام ظاہر پر ہی جاری ہوں گے کیونکہ باطن پر اطلاع ممکن نہیں۔ نیز زبان کو کلام میں محمول صدق پر محمول کرنے کی وجہ سے بھی یہ دنیاوی احکام اس پر جاری ہوں گے۔

لیکن آئمہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص صرف دل سے مومن ہو تو کیا یہ ایمان اس کو قیامت کے دن نجات دے گا یا یہ کہ یہ ایمان اس کے لئے کافی اس وقت ہوگا، جب تک وہ زبان سے اس کا اقرار و اعتراف بھی کرے۔

امام نووی نے علماء کی ایک جماعت سے نقل فرمایا ہے کہ صرف یقین قلبی قیامت

دن نجات کے لئے کافی نہیں جب کہ اقرار اور تلفظ باللسان ممکن ہوں۔
دن جبر نے اربعین کی شرح میں جمہور مشاعر اور بعض احناف کے مذہب کو راجح دلی ہے کہ اقرار باللسان صرف دنیاوی احکام کے اجراء کے لئے شرط ہے لیکن اہل سنت کے دن یقین قلبی ہی کافی ہے۔



(۵) تمہید

(۱) کونیات

کونیات سے ہماری مراد موجودات کی ہر وہ صفت کہ جو قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو جس کی معرفت اور جس کے وجود پر اعتقاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

انسان، جن، فرشتے اور تمام مخلوقات اور دیگر کونیاں یعنی آسمان، افلاک، زمین، سمندر وغیرہ سب کو موجودات شامل ہیں، کیونکہ یہ سب اسباب و مسببات اور مختلف حرکات کوئیہ کو متضمن ہیں۔

پس ان تمام اشیاء پر مسکون یا کون کا اطلاق ہوتا ہے۔ آپ کو اسی سے معلوم ہوا ہوگا کہ کلمہ ”کون“ سے ہماری مراد وہ معنی نہیں جس کو بعض تہذیب و تمدن کے بارے میں گفتگو کرنے والے موجودات کو تین عناصر ”انسان، حیات، کون“ کی طرف تقسیم کرتے ہوئے مراد لیتے ہیں، ان کے نزدیک کون سے مراد انسان اور حیات کے سوا دیگر موجودات ہیں خواہ وہ متحرک ہوں یا جامد۔

اور ہم کون کو اس قدر معنی کیساتھ خاص کرنے کی کوئی لغوی مناسبت نہیں پاتے کیونکہ معروف یہ ہے کہ کلمہ ”کون“ کلمہ ”وجود“ کے مترادف ہے، لہذا ضروری ہے کہ ”کون“ ہر اس کو شامل ہو جس کو موجود کیا جاتا ہے۔ اسی لئے اس حصہ کی بحث درج ذیل موجودات کے متعلق حقائق سمجھنے پر مشتمل ہوگی۔

(۱) انسان (۲) جن (۳) فرشتے (۴) کون میں قانون مسیب

ان موجودات کے صرف وہ حقائق ہمارے مقصود ہیں، جن کی معرفت اور ان پر

انسان کے سوچنے پر اعتقاد رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں مکلف بنایا ہے اور دیگر کونیات کا بعض اشیاء کی حقیقتوں اور ان کی ترکیب یا ان سے کسی مجہول کو معلوم کرنے کے لئے اس میں ہیں یقیناً ایسے حقائق سے ہمیں کوئی سروکار نہیں، کیونکہ ان میں تحقیق کی ضرورت اور ارادہ، اظہار سے بڑھ کر کسی دینی حکم کا تعلق نہیں۔

(۲) انسان

مسلمان پر انسان اور انسان کی حقیقت سے متعلق درج ذیل حقائق کا جاننا اس کے بعد ان کا اپنے دل میں یقین رکھنا اور ان پر اپنے ایمان کی حقیقت کو قائم کرنا لازم

(۱) انسان اشرف المخلوقات ہے۔

(۲) انسان جنس کے اعتبار سے مٹی کے عنصر سے پیدا کیا گیا ہے اور انسان مصدر کے اعتبار سے انسان اول حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متکاثر ہے۔

(۳) انسان اپنی ابتدائی تخلیق سے ہی بہترین صورت پر پیدا کیا گیا ہے اور اپنی تخلیق کے دوران اس میں کبھی بھی ایسا نوعی انقلاب واقع نہیں ہوا کہ جس کی وجہ سے اس نوع سے دوسری نوع کی طرف ترقی کی ہو ہم دوبارہ ان تینوں میں سے ہر حقیقت کی الگ سے وضاحت کریں گے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے

یہ حقیقت دو دلیلوں سے ثابت ہو رہی ہے۔ ایک دلیل یعنی خبر صادق ہے اور دوسری نقلی دلیل ہے۔ خبر صادق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (۱۱۸: ۷۰)
”اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستمگری چیزیں روزی دیں اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے

افضل کیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ابَىٰ
وَالسُّكْبَرَ دَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ (البقرہ: ۳۴)

”اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔“

دونوں آیتوں میں دلیل مطلوب پر واضح دلالت کر رہی ہے۔ انسان کا سوائے فرشتوں کے سب مخلوق سے افضل ہونے کی معرفت میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ دو آیتیں اور ان کے علاوہ بہت ساری دیگر آیات اس کی تصریح کر رہی ہیں لیکن اس کے حکم کی اس حد تک تعیم کہ اس میں فرشتے بھی داخل ہوں اس تعیم میں اختلاف واقع ہے۔ اس میں احتمال اور مشکل کا سبب اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد ہے، جو مذکورہ پہلی آیت کریمہ کے آخر میں واقع ہے۔

وَفَضَّلْنَا هُمَ عَلٰی كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝

کیونکہ مفہوم مخالف سے استدلال کرنے والوں کے نزدیک یہ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ کچھ مخلوق ایسی بھی ہے جس پر انسان کو فضیلت نہیں دی گئی۔ یقیناً اس بعض مخلوق کا فرشتے ہونا ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید اور صحیح احادیث میں ان کی فضیلت اور ان کے بلند مراتب کا بیان ہے۔

جو لوگ مفہوم مخالف سے استدلال نہیں کرتے، بلکہ صرف منطوق قرآن سے استفادہ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ کلمہ کثیر کو کلمہ کل کی جگہ استعمال فرمایا گیا ہے اور یہ استعمال اس بات پر دلالت نہیں کر رہا کہ قلیل کا حال متضاد ہے۔

اور یہ لوگ آیت کو تمام مخلوقات پر انسان کی فضیلت کے عموم پر جاری رکھتے ہیں۔ انسان پر فرشتوں کی مطلقاً فضیلت کے قائلین میں سے حضرت عبداللہ بن عباس

فرماتے تھے ابھی ہیں اور یہی قول واحدی کی روایت کے مطابق زجاج کا مختار ہے اور ان لوگوں نے مذکورہ آیت کریمہ کے آخری حصہ اور اللہ کے اس فرمان سے جو فرشتوں کے لئے ہے۔ اس سے استدلال کیا ہے۔

إِنَّ عِبَادَ مَكْرَمُونَ ۝ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يُعْمَلُونَ
(الانبیاء: ۲۲، ۲۳)

”بلکہ بلند ہیں عزت والے، بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں۔“

اور اللہ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں۔

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ (الفرج: ۲)

”جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔“

اور حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مروی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

مَنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَاءَ ذَكَرْتَهُ فِي مَلَاءَ خَيْرٍ مِنْ مَلَأَهُ
”جو مجھے کسی مجلس میں یاد کرتے ہیں تو میں اس کو اس کی مجلس سے بہتر میں یاد کرتا ہوں۔“

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث فرشتوں کی فضیلت میں نص ہے۔

جمہور اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ خواص بشر یعنی انبیاء کرام اور صدیقین

اور اہل بیت سے افضل ہیں، خواص ملائکہ وہ فرشتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جنہیں اپنی کتاب کریم

کی انوار کے خاص فرمایا ہے اور عوام بشر یعنی مسلمان صالحین ملائکہ سے افضل ہیں۔

ان کے دلائل میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝

(البقرہ: ۷۷)

”بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہی تمام مخلوق میں بہتر ہیں۔“

اور اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جو امام ابو داؤد وغیرہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے۔
آپ کا ارشاد ہے:

ان الملائكة لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم

”فرشتے طالب علم کی رضا کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں۔“

یہ حضرات اس بات پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسے امور کا مکلف بنایا ہے کہ جن کی ادائیگی سے وہ ثواب و اجر کا مستحق بن جاتا ہے اس کی ترکیب میں اللہ تعالیٰ نے خواہشات اور شہوات رکھی ہیں، جن کے مقابلے اور جن پر غلبہ حاصل کرنے کے سبب ایسے اجر کا مستحق ہوتا ہے جس کے فرشتے مستحق نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ خواہشات اور شہوات سے پاک ہیں۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام کے فرشتوں سے افضل ہونے کی قطعیت کا کوئی ذریعہ نہیں اور نہ ہی فرشتوں کی انبیاء پر فضیلت پر کوئی ذریعہ ہے کیونکہ اس بارے میں ان میں سے کوئی چیز بھی وارد نہیں۔

عقلی دلیل

برہان عقلی کو درج ذیل امور میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۱) نفس انسانی دیگر تمام نفوس اور موجودات سے خالق اشیاء کو ادراک کرنے والی قوت عاقلہ کی وجہ سے ممتاز ہے یہی قوت عاقلہ کائنات کے بہت سارے مظاہر کو انسان کے لئے مسخر اور انہیں انسان کے زیر تسلط کرنے کی پہلی کلید ہے، اسی قوت کے خصائص میں سے ہے کہ اس میں اللہ کی معرفت کا نور روشن ہوتا ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی روشنی پھوٹتی ہے اور انسان کو اپنے خالق کی عبودیت کے اظہار کے لئے

مائل ہے۔ پس انسان اسی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا مظہر اول بن جاتا

ہے۔ حقیقت ایسی ہے تو یقیناً اس کے واضح لوازم میں سے انسان کا عالم میں وجود تمام نفوس سے اشرف ہونا ہے۔

اب کہ ہم نے فرشتوں کو ان سے متعلق استشہاد کے اعتبار سے مستثنیٰ قرار دے دیا

(۲) اللہ تعالیٰ کے فرمان:

وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً ھذہ (البقرہ: ۱۳)

”اور تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ

زمین میں اپنے حکم سے۔“ (سورہ البقرہ)

کی صداقت کے جو دلائل ہم تجربہ اور مشاہدہ سے دیکھ رہے ہیں یہ سب انسان کی عظمت پر دلالت کر رہے ہیں کیونکہ تم دیکھ رہے ہو فلک کی حرکت، موجودات کا نظام و ملک مکونات کے اعمال و آثار سب کے سب انسان کی ضرورت اور خدمت کے لئے جاری ہیں، اس میں انسان کی مثال اس وجود کی سی ہے، جس کے گرد دائرہ کا غلبہ ہوتا ہے کیونکہ مختلف دیگر موجودات اپنے چکر اور دائی سعی میں انسان ہی کی طرف مائل چلے جا رہے ہیں تاکہ اس کی باعزت زندگی کو قائم رکھنے والے اسباب تیار کریں اور اس کے مطالبات و ضروریات مہیا کریں۔ جس طرح تم دیکھ رہے ہو کہ جس وجود کا دیگر موجودات کے ساتھ اس طرح کا تعلق ہو اور دیگر موجودات کا اس موجود کے ساتھ اس طرح کا تعلق ہو اس کے لوازم میں سے ہے کہ وہ موجود مطلقاً تمام موجودات سے افضل ہو۔

(۳) جو صفات اللہ تعالیٰ نے انسان کی ترکیب میں رکھی ہیں۔ وہ سب صفات

الوہیت کے فیوضات میں۔ مثلاً علم، قدرت، تکبر اور غلبہ و سلطنت کا مشتاق ہونا وغیرہ

جب تم گہرائی سے فکر کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان ان صفات کے واسطے سے رکھتا ہے، جو صفات اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہیں اور انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و اہلال سے بھر پور اپنی صفات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ انسان اپنے محدود جزوی علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وسیع غیر محدود علم کا تصور کرتا ہے اور اپنی چھوٹی ملکیت سے اللہ تعالیٰ کی وسیع سلطنت کہ جس میں ما مکان و ما یکون داخل ہے، کا تصور کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

جب انسان اپنی حقیقت میں صفات رب العزت کے فیوضات کا امین ہے تو اس کا اشرف الخوقات ہونا کیا ہی اچھی تخلیق ہے۔

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ انسان کی تمام مخلوقات پر (سوائے فرشتوں کے) افضلیت قطعی طور پر ثابت حقیقت ہے۔ جس پر خبر صادق متواتر اور صحیح برہان عقلی کی دلیل ہے۔ لہذا مسلمان پر اس کا عقیدہ واجب ہے لیکن فرشتوں پر انسان کی افضلیت امر احتمالی ہے کیونکہ دلائل ظنیہ ہیں۔ اس لئے اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے شاید اس میں محفوظ ترین راہ یہ ہے کہ ہم حقیقت امر کو اللہ تعالیٰ کے علم پر چھوڑ دیں۔

انسان باعتبار جنس مٹی سے پیدا کیا گیا اور باعتبار مصدر انسان اول آدم علیہ السلام سے متکاثر ہے۔

اس حقیقت کی دلیل خبر متواتر، صادق پر منحصر ہے کیونکہ یہ حیات سے تعلق رکھنے والے مسائل میں سے نہیں تاکہ اس پر تجربہ، مشاہدہ کے دلائل پیش کئے جاسکیں۔ یہ تو صرف تدبیر تارن بخشنے والی خبر سے ثابت ہے۔ اس خبر سے اس حقیقت کا ثبوت خود اس خبر میں تحقیق سے زیادہ اہم نہیں۔

باعتبار جنس انسان کے مٹی سے پیدا ہونے پر کتاب اللہ کی بہت ساری صریح آیات دلالت کرتی ہیں ان میں سے اللہ کا یہ فرمان ہے:

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَ فِيهَا نُعِيدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى (طہ: ۵۵)

”اے آدم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔“
اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَالْقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ (نور: ۲۶)
”اور بے شک ہم نے آدمی کو بھتی ہوئی مٹی سے بنایا جو اصل میں ایک سیاہ بدبودار گار تھی۔“

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (طہ: ۷۰)
”اس نے آدمی کو بنایا بھتی مٹی سے جیسے ٹھیکری۔“

صلصال وہ خشک مٹی جو ٹھیکری کی مانند آواز دے اور حماء وہ بدبودار گار، جس کی سیاہی مائل ہو۔ مسنون، یعنی جس کو صورت انسان پر نقش کیا گیا ہے، صلصال اس مٹی کی تفسیر ہے اور ”حمام مسنون“ صلصال کی تفسیر ہے۔ جیسا کہ تم کہتے ہو اس لئے یہ چیز شامی، عربی مرد سے لی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام انسان اول ہیں، انسان آپ سے کثرت پذیر ہوا۔ اس ہی قرآن کریم کی بہت ساری صریح آیات دلالت کرتی ہیں۔ ان آیات کو حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نزول کی کیفیت اور زمین کے جس بقعہ پر آپ تشریف فرما ہوئے مٹی سے ہے کہ جنس مٹی سے آدم کے مطابق قرآن مجید میں ناقص تلاش کرنے کے تو انہیں ناقص مگر قرآن انسان کی تخلیق کے بارے میں بھی کہتا ہے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور بھی کہتا ہے صلصال انسان کی مانند ٹھکانے والی خشک مٹی سے پیدا کیا گیا ہے بھی کہتا ہے۔ سیاہی مائل گارے سے پیدا کیا گیا ہے ناقص ہے۔ جب انسان اپنی آزادی سے محروم ہو کر اپنے آقاؤں کا عاصم بن جاتا ہے تو اس کا اپنی عقل سے محروم ہو کر دوسروں کی خواہش کے مطابق سوچنے میں توب کی کوئی بات نہیں۔

لائے اس کی تحقیق اور حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام سے نسل کی کثرت کی کیفیت کے متعلق بحث سے ہمیں کوئی سروکار نہیں کیونکہ ان امور کا احکام ثابتہ قطعیہ پر قائم عقیدے سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان میں گفتگو بے سود ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت میں ان کے بارے میں کوئی دلیل قطعی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان میں کسی معین شی پر عقیدہ رکھنے کا مکلف نہیں بنایا۔

بعض متصفوفین کی اس بات پر ہرگز کان نہ دھرتا جن کا خیال ہے کہ جس آدم قصہ قرآن میں ہے۔ اس آدم سے قبل کئی آدم گزرے ہیں اور وہ اس بات کی تفصیل کی خاطر خیال دوڑاتے رہتے ہیں، کیونکہ یہ دعویٰ صرف خیال پر مبنی ہے۔ اس کی تائید خبر صادق کرتی ہے اور نہ ہی نظر علمی کی کوئی دلیل یقینی کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کے ساتھ ادب کا تقاضا ہے کہ جس پر کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمایا ہم اس کو ان ہی کے علم پر چھوڑ دیں۔ البتہ وہ چیزیں جو بحث و مباحثہ اور تحقیق کے لائق ہیں ان میں بحث و تحقیق کی جاسکتی ہے کیونکہ قرآن حکیم نے ہمیں ان کی حقیقت کی تحقیق اور دل میں یقین کے حصول کی دعوت دی ہے۔

انسان اپنے آغاز ظہور سے ہی مکمل شکل اور

بہترین صورت پر پیدا کیا گیا ہے

انسان کے آغاز ظہور کی بات سے تجربہ اور مشاہدہ محسوسہ کے دلائل قبول نہیں کرتی، کیونکہ یہ ایک خالص تاریخی بات ہے۔ جس میں نظر و فکر سوائے فراست دوڑانے اور تخمینہ لگانے کے کوئی عمل نہیں کر سکتی۔ فراست دوڑانا اور تخمینہ لگانا دونوں وہی دلیلیں ہیں جیسا کہ اس کی وضاحت گزر چکی ہے اور کسی قطعی عقیدے کو ان کے نتائج میں سے کسی شیء پر قائم کرنا محال ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ اس بارے میں کچھ بیان نہ فرماتا تو ہم اس کے بارے میں کسی حکم کی قطعیت اور اعتقاد کا التزام نہ کرتے۔

لیکن خبر متواتر صادق ہمیں ایسی حقیقت کے سامنے پیش کرتی ہے جس میں شک ان کی کوئی گنجائش نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ (اتین: ۴)

”بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔“

”الانسان“ پر داخل ”أل“ استغراق کا ہے جو انسان کے تمام افراد کو شامل ہے۔

اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ ۝

فَسُوكَ فَعَدَلَكَ (الانفطار: ۷۰)

”اے آدمی! تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے جس

نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا۔“

قرآن کریم کی اس ثابت فرمودہ حقیقت کے مؤکدات میں سے سمجھیں کی وہ

جس سے بھی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ

”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت پر پیدا فرمایا

ہے۔“

حضرت آدم علیہ السلام کی صورت اپنی پیدائش کے وقت ہی کی صورت ہے جس

پر وہ قائم تھے اور جس کے ذریعے پہچانے جاتے تھے۔

ان کی پرورش ایک صورت سے دوسری کی طرف منتقل ہونے کی حالت میں نہیں

ہوتی۔

صورتہ کی ضمیر حضرت آدم کی طرف راجع ہے۔ یہاں پر ایک دوسری رائے بھی ہے کہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور صورت سے مراد صفت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو عالم، مرید، حکیم، سمیع، بصیر پیدا فرمایا ہے اور یہ صفات اللہ کی ہیں۔

ضمیر کو خواہ حضرت آدم کی طرف لوٹاؤ جیسا کہ جمہور کی رائے ہے اور جس پر ظاہر کی دلالت بھی ہے۔ خواہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف لوٹاؤ ہر دو صورتوں میں حدیث پاک، قرآن مجید میں موجود دلالت قطعیت کی تاکید ہے۔

کیونکہ بحث کا تعلق اس بیان سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو آغاز تخلیق سے ہی مکرم بنایا تھا۔ جب امر واقعی ایسا ہے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم یقین کر لیں کہ انسان اپنی پوری تاریخ میں کسی قسم کے تغیر نوعی سے نہیں گزرا کہ جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ وہ اس تغیر کی وجہ سے ایک کنبہ سے دوسرے کنبہ کی طرف اور شکل و ہیئت کی ایک نوع سے دوسری نوع کی طرف بڑھا ہے۔

اور یہ حکم انسان کے متعلق ہمارے ذکر کردہ تینوں امور کا قطعی نتیجہ ہے اور وہ تینوں امور درج ذیل ہیں۔

(۱) انسان تمام مخلوق سے اشرف اور افضل ہے۔

(۲) انسان یا اعتبار جنس مٹی سے پیدا کیا گیا اور اس کا نکلا حضرت آدم سے خواہ ہے۔

(۳) وہ اپنے آغاز ظہور سے ہی مکمل اور بہترین صورت پر پیدا کیا گیا ہے۔

اس حقیقت کے مقابلے میں نظریہ ارتقاء کا انجام

جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ قطعی حقیقت جس پر مسلمان کا عقیدہ رکھنا واجب ہے۔ اس نظریہ ارتقاء کی کلی طور پر متناقض ہے۔ نظریہ ارتقاء انسان کے بارے میں ایک فرضی تاریخ پر مبنی ہے۔ جس کے مطابق انسان مسلسل نوعی تغیر کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے اور اپنی شکل اور دماغ دونوں کے ساتھ ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف اور

بلندی کی طرف بڑھتا رہا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تناقض کے بارے میں مسلمانوں کا کیا موقف ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں مسلمان کا وہی موقف ہونا چاہئے جو کسی بھی عقل مند آدمی کا حقیقت علمی اور نظری مسئلہ کے متناقض ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں یقیناً حقیقت علمی کے مقدر میں بقا ہے اور نظریہ جب حقیقت علمی کے متناقض رہے اور اس کا حقیقت علمیہ کے ساتھ جمع ہونا غیر ممکن ہے تو ایسے نظریہ کا باطل ہونا لازمی امر ہے۔

انسان کے متعلق ہم نے جو حکم بیان کیا ہے۔ دو ثابت علمی حقیقت ہے جب کہ انسان کے تغیر نوعی کا حکم صرف ایک نظریہ بلکہ مفروضہ ہے جس پر کوئی علمی دلیل نہیں ہے۔

اولاً تم یہ سمجھ لو کہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے نہیں، جن کا محسوسات اور مشاہدات سے تعلق ہوتا ہے۔ لہذا اس بارے میں کسی تجربہ محسوسہ اور مشاہدہ کی دلیل سے بحث ممکن نہیں کیونکہ تحقیق کا تعلق موجودہ انسان کے ساتھ نہیں تاکہ موضوع مشاہدہ اور تجربہ کے تابع ہوتا، بلکہ اس کا تعلق انسان کی گزشتہ تاریخ کے ایک گوشہ کے انکشاف سے ہے۔

اس تحقیق میں انسان اور دیگر حیوانات کے درمیان جتنے بھی وجوہ شبہ سے مدد لینی ممکن ہے سب کے سب بحث استرداوی کے وسائل اور فرضی تخمینہ لگانے کے طریقے ہیں اور ان وسائل اور تجربہ و مشاہدہ کی برہان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ یہ مسئلہ نہ ہی کسی ایسے قانون ملازم یا قیاس سنج جو استقرائے تام پر قائم ہوں اس کو قبول کرتا ہے کیونکہ اس کا تعلق ایسی قدیم تاریخ کی وضاحت سے ہے جس کے اور ہمارے درمیان کوئی قطعی یقینی دلیل نہیں پائی جاتی۔

اگر یہ مسئلہ اس حد تک موقوف ہوتا تو ہم اپنی عقلوں کو خطا و صواب کے احتمال

رکھنے والے مفروضے یا نظریے کے تابع کے بغیر شک یا ظن کا التزام کر لیتے۔ لیکن مسئلہ اس حد تک موقوف نہیں، کیونکہ متواتر خبر یقینی نے اس کی وضاحت کر دی ہے اس خبر کے بیان سے ہم فارغ ہو چکے ہیں۔

اور تم جانتے ہو کہ اس خبر کا مصدر قرآن کریم کا صریح کلام ہے گزشتہ اوراق میں تمہیں برہان یقینی کے ذریعہ معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس سے قبل وجود باری تعالیٰ پر قائم برہان یقینی تمہیں معلوم ہو چکی ہے۔ لہذا قرآن کریم نے جو خبر دی ہے۔ اس کے حق ہونے کا یقین ضروری ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ بذات خود مخلیق انسانی کی کیفیت بیان فرما رہا ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ انسان کی اصلیت کے متعلق اسلام کا موقف علمی قطعی حقیقت ہے۔ جب کہ ڈارون کا نظریہ ایک مفروضے کے سوا کچھ بھی نہیں جس کا خود ڈارون کو بھی اعتراف ہے۔ اس کے موافقین اور مخالفین اہل علم کا بھی اس بات پر اتفاق ہے۔ ڈارون کا نظریہ ارتقاء اصل انواع کے بارے میں ان مختلف آپس میں ملتے جلتے نظریات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو فرض کرتے ہیں کہ حیات روئے زمین پر ارتقاء پذیر رہی ہے۔ اب ہم ان نظریات میں سے اہم نظریات کو پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد غور کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی پیدائش کیسے ہوئی اور پھر معتد علیہ دلائل کی کھیتی میں ان کی نشوونما کیسے ہوتی رہی اور اس کے بعد ہر طرف سے ان پر برسنے والے اعتراضات و تنقیدات کی وجہ سے رجعت قہقری اختیار کرتے ہوئے ضعف و کمزوری میں کیسے جا گئے۔

(۶) لامارکیہ

ان نظریات میں سب سے پہلا نظریہ تصنیفی عالم ”لامارک“ کا نظریہ ہے ”لامارک“ کے خیال میں انواع کا اپنے حال پر قائم رہنا چند ایسے عوامل کی وجہ سے ہے جن کے ساتھ انواع کا سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ مثلاً ملک، غذا، طرز حیات اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف انتقال کی فطرت وغیرہ۔ ان اسباب میں سے کسی سبب کا اختلاف عادات کے مختلف ہونے پر اثر ڈالتا ہے اور عادات کا دائمی اختلاف اعمال و آہر کے اختلاف میں موثر ہوتا ہے اور اعمال و آثار کا اختلاف زمانے کی رفتار کے ساتھ شکل و اعضاء کے اختلاف میں اثر ڈالتا ہے۔

”لامارک“ نے اپنے اس نظریہ میں چند ایسی جائیداد مثالوں کا سہارا لیا ہے جو اس کی اس دانست کی حمایت کرتی ہیں۔

ریڑھ کی ہڈی رکھنے والے وہ حیوانات جو غذا کھاتے وقت اپنے دانتوں کو سوزوں کے نیچے چھپا لیتے ہیں اور غذا کو چبانے کے بغیر ہی کھا لیتے ہیں۔

چھلی اور ساتھ (چیونٹی خور) اس کی بہترین مثالیں ہیں ایسے ہی چھچھو ندرتاری کی میں رہتا ہے اور انتہائی دو چھوٹی سی آنکھوں سے متمتع ہوتا ہے، لیکن دونوں آنکھیں کسی عمل کی ادائیگی کی صورت نہیں رکھتی ہیں۔

”لامارک“ کی یہ تشریح بھی اس کے مفروضہ ارتقاء کی تفسیر کی مانند بہت کم کامیابی حاصل کر سکی کہ کچھ عرصہ تک لوگوں کے ذہنوں میں رہی، لوگ اس کو ارتقاء کی

بہتر تفسیر سمجھتے رہے اور یہ نظریہ "لامارک" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ لوگ اس پر "لامارکیہ" کا اطلاق کرنے لگے لیکن جب اس نظریہ کو تحقیق و تنقید اور تجربہ و استقراء کے دلائل پر پیش کیا گیا تو اس کی روشنی بجھ گئی اور اسے پاؤں لوٹ گیا اور لوگوں کے ذہنوں پر اس کا جو تسلط تھا ختم ہو گیا۔

لامارکیہ پر تنقید

اب ہم ایسے اعتراضات پیش کرتے ہیں جو لامارکیہ کے نظریہ پر وارد ہوتے ہیں، لامارک کے اس نظریہ کا تقاضا ہے کہ سفر ارتقاء حیوان کے فائدے اور حیوان کے اپنے عمل معین پر قائم رہنے کی ضمانت، احوال طبیعت اور حیوان کے درمیان نظم و نسق کی ایک بڑی مقدار کی مداخلت اور حفاظت کا سبب ہونا چاہئے۔ جیسا کہ گزشتہ مثالوں میں ہم نے ملاحظہ کیا ہے۔

(۱) لیکن مشاہدہ اس سفر کے دوام کو ثابت نہیں کر رہا کیونکہ حیوانات کی بہت ساری انواع احوال طبیعیہ کے تحت معدوم ہو چکی ہیں، حالانکہ لامارک کے نظریہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ حیوانات کم از کم اپنے لئے بقاء نوعی کے دوام کی محافظ ہوئیں۔

(۲) ارتقاء کی وہ مثالیں کہ جنہیں لامارک نے اپنی تحقیق کی بنیاد اور اپنے مفروضے کی میزان قرار دی ہیں۔ ان میں سے اکثر سلسلہ افراد میں سبب موروثیت کی وجہ سے جاری ہیں، یعنی یہ اشکال حیوان میں اس وقت سے موجود ہوتی ہیں۔ جب کہ حیوان کا ابھی تک ماحول یا ایسے عوامی و احوال سے تعلق ہی پیدا نہیں ہوتا، جو اس کے موافق کسی شکل و تغیر کو قبول کرنے پر مجبور کریں۔

بچے کے پاؤں کے تلوے پر جلد کی تختی اس کی پیدائش کے وقت سے ہی ہوتی ہے اور اونٹ کا وہ حصہ جو بیٹھنے کے وقت زمین پر لگتا ہے، بچے کی پیدائش کے وقت سے ہی

تحت ہوتا ہے اور انسانی بچے کی ران کی ہڈی کا پھیلاؤ ایسے ہی ہوتا ہے جیسے مکمل بالغ انسان کے ران کی ہڈی کا ہوتا ہے۔

اس طرح کے احوال میں یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی ایسی سابق کیفیت کو معلوم کر کے اسے قرار دیں جو اسباب و احوال سے متاثر ہوتی ہو۔

بالخصوص علم وراثت سے یہ بات خوب واضح ہو چکی ہے کہ زندہ شے کا بنیادی احوالہ عوامل خارجیہ سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر ایک نوع کے لئے نسلوں اور رنگوں کے ملاپ کے مطابق اصل ذاتی ہوتا ہے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ گزشتہ زمانوں میں یہ اس صورتی طریقے پر نہیں ہوتا تھا۔ یہ دعویٰ دائمی مشاہدہ میں آنے والے امر واقعی کے خلاف خاص فیہی زعم ہے۔

(۳) اس مفروضہ پر وارد ہونے والے تمام اعتراضات سے قطع نظر یہ مفروضہ ہماری تحقیق کے موضوع سے بھی زیادہ مشکل مسئلہ کو پیش کر رہا ہے وہ مسئلہ یہ ہے جو حیوان کے مکمل نوعی ارتقاء کی حد صرف حیوان کی شکل اور اعضاء اور رنگوں کا تبدیل ہونا نہیں، بلکہ یہ حیوان کی پوری تخلیق پر وارد ہوتا ہے طبیعت و فکر سے لے کر، شکل، بال، پنچے اور ناخنوں تک ہوتا ہے اور یہ ارتقاء ایسے عوامل کے ضمن میں ہوتا ہے، جن کے اور انقلاب نوعی کے درمیان کسی قسم کی کوئی موافقت نہیں ہوتی۔ نظریہ "لامارک" کی تشریح ظاہر اشکال اور اعضاء جزئیہ کے ساتھ کرنے سے یہ تشریح بحث کے بنیادی موضوع کے ایک معمولی سے حصہ کو شامل ہوتی ہے۔ حالانکہ موضوع اپنی تشریح کا مطالبہ کر رہا ہے، جو اس بارے میں بہت سارے پیش آنے والے سوالات کا جواب بن سکے۔

داروینی نظریہ ارتقاء

دارون نے ۱۸۵۹ء میں اپنی مشہور کتاب "اصل الانواع" تصنیف کی، جس

میں اس نے ارتقاء کو خالص تدریجی تغیر قرار دیتے ہوئے اسباب غائیہ سے حتی المقدور دور رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے باوجود قانون بقاء اصل یعنی وہی چیز باقی رہتی ہے، جس میں باقی رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے، کو بقاء کا سبب قرار دیا ہے۔

ڈارون نے اپنا نظریہ اقتصادات کے معروف عالم ”مالٹھیس“ کی کتاب ”آبادی“ سے اخذ کیا۔ مالٹھیس کا خیال تھا کہ شرح آبادی میں اضافہ نسبت ہندسہ (عددی) کے تحت ہوتا ہے، جب کہ معاش کی شرح میں نسبت حسابیہ کے تحت اضافہ ہوتا ہے۔ یعنی وسائل معاش کے مقابلے میں آبادی بڑی تیزی سے بڑھتی ہے۔ جس کی بناء پر افراد کے درمیان حصول معاش کی خاطر باہمی کشش کی وجہ سے معدوم اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ”مالٹھیس“ کے زعم میں چند ایسی صفات و خصوصیات ہیں، جو بظاہر اتنی اہمیت کی حامل نہیں ہوتی ہیں اور افراد ان کے ساتھ انصاف میں متفاوت ہوتے ہیں۔ لیکن جن افراد میں یہ خصوصیات اور صفات پائی جاتی ہیں، ان کی محافظت اور ان کی بہتری میں یہ صفات اہم کردار ادا کرتی ہیں اور افراد جب زندگی کی خاطر طبیعت کا مقابلہ کرتے ہیں تو انتخاب طبعی کا قانون (یعنی جو چیزیں باقی رہنے کی صلاحیت رکھتی ہیں طبعی طور پر بقاء کے لئے انہی کا انتخاب ہوتا ہے) جاری ہوتا ہے اور یہ قانون انتخاب انہیں افراد کو بقاء کے لئے منتخب کر لیتا ہے، جو ان صفات و خصوصیات سے متصف ہونے یا ان کے اعلیٰ مراتب کے حامل ہونے کی وجہ سے مداخلت اور بقاء کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔

”ڈارون“ ”قانون انتخاب“ کے حق ہونے پر ان مہلک اسباب سے استدلال کرتا ہے، جن کی وجہ سے مرور زمانہ کے ساتھ موجودہ جاندار اشیاء کی بہت ساری پیداوار ہلاکت کا شکار ہوتی ہے۔

وہ ہماری توجہ مبذول کراتے ہوئے، بطور مثال پیش کرتا ہے کہ ایک ہتھنی اپنی نازلی زندگی میں چھ بچے جنم دیتی ہے اس بنیاد کے تحت ہم غور کریں تو ایک ہاتھی اور ایک ہتھنی کی

اس سے سات سو سال کے عرصہ میں اٹھارہ ملین پیداوار ہوتی چاہئے، لیکن مشاہدہ اور امر عام اس حساب سے کہیں دور ہے۔

یوں ہی حیوان نوع ہونے کی حیثیت میں دیگر انواع اور فرد ہونے کی حیثیت میں دیگر افراد پر جس تفوق سے متمتع ہو رہا ہے، وہ تفوق اسے ”اصل وجود میں ہی نہیں بلکہ اساس وجود میں بھی“ دوسروں سے اخذ کرنے اور اپنے اندر پائی جانے والی مفید خصوصیات کی وجہ سے ممکن ہوا ہے وہ مقابلہ جو قدیم ترین زمانے میں ذی حیات اشیاء میں عمل ہو چکا ہے۔ اس مقابلے کی سختی اور افراد میں پائی جانے والی خصوصیات کے لحاظ سے ”جو اس مقابلے کی واحد طاقت ہے“ نتیجہ میں تدریجی ارتقاء کی سیڑھی کا ظہور ہوا، جس نے ذی حیات اشیاء کو مختلف اور متفاوت انواع میں تقسیم کر دیا۔

نوع واحد کے دائرے میں حیوانات کے جس گروہ کے مابین مقابلہ ارتقاء کا آغاز ہوا تھا ان میں صرف انسان ہی ہے کہ جس نے اپنی پوشیدہ صفات و خصوصیات کے سبب اسی مقابلہ کی دوڑ جیت کی اور مراتب حیات میں بلند ترین مرتبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈارون نے انسان کے بارے میں یہ نظریہ اختیار کرنے میں کون سی دلیل پر اعتماد کیا ہے کہ انسان دیگر حیوانات کے ساتھ نوع واحد میں شریک تھا اور اس نے اس نوع سے تدریجاً ارتقاء حاصل کر لیا؟

ڈارون نے اپنے اس نظریہ پر تقابلی مطالعہ اور اجنبہ (ماں کے پیٹ میں موجود بچوں) سے متعلق علوم اور انسان میں موجود مخصوص تراکیب سے استدلال کیا ہے۔ مثلاً اس کے خیال میں انسانی جسم کے اجزاء کا دیگر حیوانات میں ان کی شکل پائے جانے والے اجزاء کے درمیان تقابل ممکن ہے، ایسے ہی گوشت اور پٹھوں کے نظام حتیٰ کہ گودے اور اس کے اجزاء کی ترکیب و ساخت کا انسان اور حیوان کے درمیان تقابل ہو سکتا ہے۔ اس طرح انسان و حیوان کے درمیان بہت ساری دیگر وجوہ مماثلت کے استخراج ممکن ہے۔

علم الہی کی رو سے ذارون کا خیال ہے کہ انسان میں جنین کی تخلیق کا عمل انسان سے کم مرتبہ رکھنے والے حیوانات میں موجود مراحل حیات ہی کا اعادہ ہے جیسا کہ جنین کے ابتدائی مراحل ارتقاء انسان اور حیوان میں بہت ساری مشابہت رکھتے ہیں۔ مثلاً اس کے خیال میں انسان اور کتے میں سے ہر ایک کے جنین میں پچھلا دھڑم کی مثل ایک شیء پر ختم ہو جاتا ہے اور جنین کے ارتقاء کے سبب انسانی جنین میں یہ دم مٹتی ہو جاتی ہے اور کتے میں باقی رہتی ہے۔ اس طرح ذارون نے انسان اور بعض حیوانات کے درمیان پائے جانے والے وجہان و شعور اور انفعالات نفسیہ کے مظاہر سے بھی استدلال کیا ہے۔^۱

ذارون نظریہ پر تنقید

ڈاکٹر عبدالحلیم سویدان کہتے ہیں، ذارون نظریہ نے بہت سارے اعتراضات باقی چھوڑے ہیں، ان اعتراضات میں سے چند اعتراض پیش کرنے کے بعد ان کے بارے میں کہتے ہیں، یہ ذارونی نظریہ وارد ہونے والے اعتراضات کا معمولی سا حصہ ہیں۔ ہم ڈاکٹر سویدان کے ان پیش کردہ اعتراضات سمیت دیگر چند اعتراضات کو تیزی سے صرف شمار کریں گے اور ان مشکلات کو بھی پیش نظر رکھیں گے جن کا خود ذارون نے اپنے نظریہ کے متعلق اظہار کیا ہے۔ جن میں سے اکثر کے بارے میں ذارون نے لاپختل ہونے کا اعتراف کیا ہے اور اسی لئے اس نے ان کا حل پیش کرنے یا ان کا جواب دینے سے خاموشی اختیار کی ہے۔

(۱) مشاہدہ میں آنے والا امر واقعی ذارون کے خود ساختہ قانون انتخاب اور بقاء اصلح کا منافی ہے کیونکہ دنیا اپنی طویل عمر کا اتنا بڑا حصہ بسر کرنے کے باوجود حیوانات کی مختلف اقسام، اصلح، صالح اور غیر صالح سے بھری پڑی ہوئی ہے۔ جن میں جنگل کی ہرنوں سے لے کر بندر اور پھر انسان تک ہر قسم کے جاندار موجود ہیں۔

(۲) ذارون کی کتاب اصل الانواع، فصل ۸، ص ۵۴-۵۵ اور فصل ۱۱، ص ۵۹، ۶۲ کو ملاحظہ کریں۔ نیز ڈاکٹر انور عبدالحلیم کی کتاب "نقد و نظر" ص ۶۸ کو ملاحظہ کریں۔

اگر ذارون کا قانون درست ہوتا تو اس کا واضح ترین تقاضا تو یہ تھا کہ حرکت و ارتقاء جتنی بھی مست رفتار فرض کر لی جاتی اس کے باوجود باہمی ارتقاء کا مقابلہ کرنے والے حیوانات کا گرو کم از کم نقطہ آغاز سے متجاوز ہوتا لیکن وہ تو اسی طرح نقطہ آغاز میں ہی اپنی ضعیف و ناتواں حیوانیت پر برقرار رہیں اور ہو بہو اپنی حیات اور اپنے جسمانی خصائص سے اسی طرح متنوع ہو رہے ہیں جس طرح آگے بڑھنے والے متنوع ہو چکے ہیں۔

(۳) اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حیوانات کی ہر نوع پر مروج زمانہ کے ساتھ فطری عوامل کی وجہ سے بڑے بڑے نقصانات طاری ہوتے رہتے ہیں۔ یہ مشاہدہ میں آنے والی حقیقت ہے۔ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

البتہ انتخاب اصلح پر منحصر ہونے والے باہمی مقابلہ کے نتیجہ میں موت کا واقعہ ہونا بالکل الگ مسئلہ ہے جیسا کہ ڈاکٹر عبدالحلیم سویدان کہتے ہیں کہ موت اور موت سے نجات میں سے ہر ایک زیادہ تر سبب محض اتفاق ہوتا ہے، موت اور نجات کا فرد کی مخصوص حالات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

پس پانی کا وہ عظیم تالاب جو خشک ہو جاتا ہے اور وہ خطرناک موج جو ریت پر گرتی ہے دونوں اپنے پیچھے ہزاروں لاشیں چھوڑتے ہیں۔ ایک دوسرا گروہ موت سے محفوظ رہتا ہے۔

موت نے نہ اپنے لئے کمزوروں کا انتخاب کیا ہے اور نہ ہی نجات نے اپنے لئے طاقتور چیزوں کو چنا ہے بلکہ موت و نجات کا تمام معاملہ اتفاقی ہے۔

(۴) ذارون کی رائے ہے کہ فطرت جاندار اشیاء کے ساتھ قانون و انتخاب اور بقاء اصلح کے مطابق گھومتی ہے۔ موت ذارون کی اس رائے کی کلی طور پر مخالف ہے کیونکہ اصلح کے لئے کون سی بقاء حاصل ہے جب کہ موت اس کا انتظار کر رہی ہے نیز اعداد و شمار کا وہ مطالعہ جو شریات کے علماء نے جمع کیا ہے اس بات کی وضاحت کر رہا

ہے کہ موت اول امر میں ان لوگوں کا چچھا کرتی ہے جو عادی روش سے بلند ہوئے ہیں کہ جہاں پر متوسط اور اس سے کم روش باقی رہ جاتی ہے یہ نتیجہ ڈارون کے نظریہ اور اس کے دعوؤں کی مخالفت کر رہا ہے۔ قانون انتخاب کا عمل حرکت تدریجی نہیں، خواہ ہم اس کو مصنوعی انتخاب سمجھیں یا فطری بلکہ یہ عمل مقصد تک پہنچنے کا وسیلہ ہے اور کسی بھی مقصد تک پہنچنے کی کوشش فہم و ادراک کا مشکل ترین عمل سمجھا جاتا ہے لہذا اس عمل کو فطرت کی طرف کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے۔

انتخاب اصلح کا کسی ایسے قانون پر سہارا ضروری ہے، جو اصلح کو غیر اصلح سے ممتاز کر دے اور اس کی علت اور وجہ بتائے۔ یہاں پر فطرت نے اپنے انتخاب میں کس قانون کا سہارا لیا ہے اور وہ کون سی علت ہے، جس کو فطرت نے انتخاب کے لئے مقرر کر کے پھر اس کے ساتھ متاثر ہوتی رہی ہے؟

(۴) صفات صالحہ نہ رکھنے والے ضعیف سے حیات کو بچانا فطرت کے ہاتھ میں ہوتا تو یہ کام فطرت کے لئے بہت ہی آسان تھا کہ وہ بس ایسے ضعیف سے غفلت برتنی۔ حتیٰ کہ اگر ضعیف حیات میں داخل ہو کر اس سے اپنا حصہ اخذ کر لیتا اور اپنی نظائیر کے ساتھ شریک ہو کر وظائف حیات ادا کرنے لگتا تو فطرت فوری طور پر اس کی جانب متوجہ ہوتی اور اس کو اس کی تمام حیوانات کے درمیان سے اٹھالیتی تاکہ اس کے خاتمہ اور اس کو صفحہ ہستی سے مٹا کر اپنی اس غلطی کی تصحیح کر لیتی جس غلطی کا ارتکاب اس کے مناسب نہ تھا۔

اگر پیچھے رہنا اس ضعیف ہی کے مقدر میں تھا ”کیونکہ زوال صالح اور اصلح کسی قسم سے تعلق نہیں رکھتا“ تو فطرت نے اس کو پیدا ہی کیوں کیا کہ آج اس کے خاتمہ یا اس کو قافلے سے پیچھے رکھنے کا ارادہ کر رہی ہے؟

اگر ہم اس کا جواب یہ دیں کہ ضعیف کی ایجاد سے فطرت کا کوئی تعلق نہیں تو پھر ضعیف کو معدوم اور اس کے وجود کی غلطی کا خاتمہ کر کے جہاں کی کانت چھانٹ کا معاملہ

اگر اس کے ہاتھ میں نہ ہونا زیادہ مناسب ہے۔

(۵) اگر انتخاب طبعی کا قانون جاندار اشیاء میں ارتقاء کا باعث ہے اور اس ارتقاء کا دائمی تعلق اصلح سے ہی ہے تو پھر ہم بہت سارے حیوانات میں بہت سی دیگر حیوانات کے قوی عاقلہ کا زیادہ ارتقاء کیوں نہیں پاتے جب کہ ارتقاء مجموعہ حیوانات کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے۔ مثال کے طور پر بندر نے قوی عاقلہ کی وہ بلند مقدار کیوں حاصل نہیں کی جو انسان نے حاصل کی ہے؟

اس مشکل کا ڈارون کو سامنا ہوا ہے جس کا وہ اپنی کتاب میں کثرت سے تذکرہ کرتا ہے لیکن اس کا کوئی جواب نہیں دے سکا ہے۔ البتہ یہ حاشیہ لکھا ہے کہ اس سوال کا کوئی محدود معین جواب دینا ہم پر لازم نہیں، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ہم یقیناً اس سے کم درجہ دشوار سوال کا جواب دینے سے عاجز ہیں۔ دوسری مرتبہ ایک اور اسلوب کے تحت اس مشکل کا اظہار کیا ہے اور ایک مقام پر اس کا جواب دینے سے اپنی بے بسی کا اقرار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

بسا اوقات بعض محققین سوال کرتے ہیں کہ اگر انتخاب طبعی کے قانون کا اثر جب اپنی دور تک پہنچا ہوا ہے تو پھر اس نے مخصوص انواع میں نئی ساخت کیوں نہیں پیدا کی۔ اگر ان میں نئی ساخت پیدا ہوتی ہے تو ان کے حق میں بڑی مفید ہوتی؟ لیکن جب ہم ہر نوع کی تاریخ سے متعلق اپنی لاعلمی تسلیم کرتے ہیں تو اس قسم کے سوالات کا جواب دینا بدابہت عقل کے خلاف ہے۔

(۶) مطالعہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مصر کی بہت ساری نباتات اور حیوانات کئی صدیوں کے دوران اپنی ساخت پر قائم ہیں، جس کی وضاحت پالتوں نسلوں کے ان مجسموں سے ہوتی ہے جو مصر کے بعض آثار قدیمہ میں پائے جاتے ہیں یا جنہیں جنوب کے ذریعہ محفوظ رکھا گیا ہے، کیونکہ وہ مجسمے آج کی موجودہ صورتوں سے مکمل مشابہت رکھتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ذرہ بھر فرق نہیں پایا جاتا۔

بلکہ بہت سارے ایسے حیوانات موجود ہیں جن کی ساخت پر عہد جاہلا کی کے آغاز سے آج تک کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ باوجود یہ کہ وہ بہت ساری تاثیرات کے تحت تبدیلی مقام کا نقصان اٹھا رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سارے حیوانات نے روئے زمین پر دور دراز مقامات سے ہجرت کی ہے اس کا خود ڈارون کو بھی اعتراف ہے۔

پس اس امر واقعی یقینی کا ارتقاء کے مفروضہ سے کیا تعلق ہے؟

(۷) آخر میں ہم کہتے ہیں کہ ڈارون نے جس چیز کا سہارا لیا ہے، وہ صرف مشاہدات و صفیہ کی قسم ہے۔ یعنی اس نے حیوانات میں پروان چڑھنے کی ظاہری مشابہت کا اعتبار کیا ہے، جو پہلے غلیہ سے لے کر حیوانات کی اعلیٰ نوع انسان تک پائی جاتی ہے۔ لیکن سلسلہ حیوانات میں پائی جانے والی اس مشابہت کا اس دعویٰ کہ ”تمام حیوانات ایک ہی اصل حیوانی سے جدا ہوئے ہیں، سے کیا تعلق ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ مثلاً انسان اور دیگر حیوانات کے درمیان فرق مابیت کے اختلاف سے پیدا ہونے والا فرق ہو؟ یہ کہ ارتقاء کے اختلاف سے پیدا ہونے والا اگرچہ ان دونوں کے درمیان کچھ مشابہت کا گمان ہوتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ زندہ کائنات کی مشابہت میں داخل یہ سلسلہ اسی مشابہت ہی پر اس وقت سے ہی قائم کیوں نہیں، جس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا فرمایا ہے؟

اگر اس پر تجر بہ اور مشاہدہ کی کوئی دلیل ہوتی تو ڈارون کے لئے اس سوال کا بنیاد سے ہی خاتمہ کرنا اور ہمارے سامنے اس مسئلہ پر قول پیش کرنا آسان تھا۔ لیکن نہ ہی ڈارون نے اور نہ اس کے بعد میں آنے والے یا اس سے پہلے گزرنے والے ارتقاء کے قائلین اہل علم نے تجر بہ و مشاہدہ سے تعلق رکھنے والی کسی دلیل سے ہماری مدد کی۔

جدید ڈارونی نظریہ

ڈارونی نظریہ کی عمارت کو گرانے میں اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کا حصہ بننا حصہ ہے لیکن محققین کے ایک گروہ نے اس کے ٹوٹے ہوئے حصوں کو جوڑ کر ایک نیا نظریہ تشکیل دیا ہے۔ جس پر جدید ڈارونی نظریہ کا اطلاق ہوتا ہے اور اس جدید نظریہ کو ڈارونی نظریہ کے صحیح شدہ نسخہ کی جگہ سمجھا گیا ہے۔

ہاینڈ کے عالم (Hugo de vexies) نے ان محققین کی مدد کی اور اس کے بعد علمائے حیاتیات کے ایک گروہ نے اس کی پیروی اور مدد کی، جن میں اکثریت ان لوگوں اور امریکیوں کی ہے۔

یہ جدید نظریہ جس پر قائم ہے، اس کی اہم چیز اور نظریہ ڈارون نے اس کو ممتاز کرنے والا بنیادی فرق ان علماء کی وہ غالب رائے ہے کہ ارتقاء طفرہ ”جست“ کی ہمارے قائم ہے، جو اچانک اور اتفاقی طور پر پیدا ہوا ہے نہ کہ ڈارون کی رائے کے مطابق انتخاب اصلح کی بنیاد پر قائم ہے۔

اور یہ لوگ کہتے ہیں تغیرات اچانک مکمل ہونے کے بعد فوراً موروثی ذخیرہ میں جمع ہوتے رہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ مذہب انتخاب اصلح کے اس نظریہ کو قبول نہیں کرتا، جس کی اہمیت میں ڈارون نے بہت کوشش کی ہے، بلکہ یہ مذہب انواع کے وجود اور ان کے کنارے میں اتفاق کو مرکزی حیثیت دیتا ہے۔

جدید ڈارونی نظریہ پر تنقید

ڈارون کے مذہب کا یہ صحیح شدہ نسخہ بہت سارے اعتراضات کا ہدف بن چکا ہے اور ایسی تقینوں کے تحت واقع ہو چکا ہے کہ جن سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں پاتا ان میں سے بعض آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) وہ فرضی ارتقاء جو اصل بحث ہے۔ تقدیمی ارتقاء ہے ”آگے بڑھنے والا“ جس میں کوئی شک نہیں، کیونکہ وہ حیوانات کی انواع کا آہستہ آہستہ آگے بڑھنے کی تعبیر ہے، تو کیا اس تقدیمی ارتقاء پر مشتمل ہونا طفرہ کی خاصیت رکھتا ہے؟ معروف تو یہ ہے کہ طفرہ دائرہ انتقاصی و اضطراب کی صفات پر مشتمل ہوتا ہے۔ موت اور موت سے پہلے آنے والے اسباب و مقدمات طفرہ کے واضح ترین آثار ہوتے ہیں؟ تو اس انتقاصی مضطرب عامل کی بنیاد پر آگے بڑھنے والے ارتقاء کی تفسیر کیسی کی جاسکتی ہے؟

اس بات کی ایک دوسری تعبیر یوں کی جاسکتی ہے کہ: طفرہ حیوانی قافلہ کے ساتھ اپنی رفتار میں مشقت اور جان فشانی سے آگے بڑھنے کی بجائے کسی دن الٹ کر پیچھے کی جانب کیوں نہیں متوجہ ہوتا ہے؟ ان سوالات کے خلاف کسی بھی جواب پر اعتماد اس نظریہ کو بنیاد ہی سے گرانے کا ضامن ہے۔

(۲) جب طفرہ ہی زندہ شے میں تغیر و ارتقاء کے طاری ہونے کے سبب ہے، تو پھر زندہ کائنات کا اصل واحد سے پیدا ہونے کے مفروضہ کے لئے کون سا سبب باقی رہ جاتا ہے، کیونکہ یہ تو معلوم ہے کہ یہ مفروضہ اس کے قائلین کے ہاں اس بناء پر درجہ مقبولیت حاصل کر سکا ہے۔ انہوں نے کائنات کے درمیان آگے بڑھنے والی مشابہت کا اعتبار کیا ہے اور اسی اعتبار نے انہیں انتخاب اصلح کے قانون کے قائل بنایا تھا۔

طفرہ فرض کرنے کی وجہ سے جب اس قانون کی عمارت منہدم ہوگئی تو حیوانات کے درمیان آگے بڑھنے کی محسوس کی جانے والی ظاہری مشابہت سے غفلت برتنا بھی ضروری ہو۔ لہذا اب اصل حیوانی کی وحدت فرض کرنے کے لئے کوئی قابل قبول وجہ

نہ ملے گی۔

جس میں طفرہ کا نظریہ اپنے پوشیدہ امور میں نظریہ ارتقاء کی دھجیاں بکھیرنے کے عمل کو اٹھائے ہوئے ہے۔

(۳) سب طفری فرض کرتا ہے کہ حیوان اپنی نوعی یا نسلی عمر کے کسی حصہ میں ارتقائی جست سے گزرا ہے، لیکن اس جست پر کوئی دلیل پیش نہیں کرتا۔ لہذا اس سبب طفری کے لئے موروثیت کے قانون کا قول کرنا اس رائے کی کمزوری کو موروثی نظام کے پردے کے پیچھے چھپانے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ یہ طفری جج ہے کہ اس کے متعلق تحقیق کرنے والا ضرور ایسی علامت کا مطالبہ کرے گا، جو تاریخ کے اس حصہ کی نشان دہی کرے کہ جس میں کسی قسم کا طفرہ کسی بھی حیوان کے لئے ثابت ہوا ہو۔ یعنی موروثی غیب کے پردہ میں پوشیدہ ہونے سے پہلے یہ سب کچھ ان باہمی متناقض و متضاد مذاہب جدیدہ اور آراء کا خلاصہ ہے۔ جو جاندار ہی کے متعلق بالعموم اور انسان کے متعلق بالخصوص ارتقاء کی فرضیت پر قائم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان سب کے بعد علمی فکر کی میزان نے موضوع کے لئے کیا ثابت کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ علمی فکر کی میزان نے موضوع سے متعلق سرسری طور پر ذیل نقاط ثابت کئے ہیں۔

(۱) نظریہ ارتقاء اور اس کے تابع قانون انتخاب اصلح وغیرہ سب کے سب فرضیت کے اس مرحلہ سے آگے نہیں بڑھتے۔ جہاں پر شواہد اور مقابض استدلالات میں کش مکش اور تضاد پایا جاتا ہے۔ اس بارے میں جو کچھ کہا یا لکھا گیا ہے وہ سب کی سب بے فائدہ کوششیں اور ناکافی بحثیں ہیں جو مشکلات دور کرنے کی بجائے مزید پیچیدگیوں کا اضافہ کر رہی ہیں۔

(۲) اور یہ باہمی مخالفت کی فطرت پیچیدہ موضوع میں اضطراب و حیرت میں مبتلا

ہونے والی فطرت ہے۔

(۳) اسی لئے ان بحوث و آراء کی بناء پر کسی علمی حکم کو ثابت کرنا جائز نہیں ہے ان وارد ہونے والے اعتراضات و تنقیدات کا سلسلہ اس بات پر بہترین شہادت ہے۔

تمام تفصیلی نظریات پر تنقید کرنے کے بعد ارتقاء فی الجملہ کو کیوں اپناتے ہیں؟

لیکن تم سوال کرو گے کہ جب معاملہ اس طرح کا ہے تو محققین اور ناقدین کو کیا ہوا ہے کہ وہ ارتقاء فی الجملہ کے "یعنی قطع نظر ان مذکورہ مذاہب میں سے کسی مخصوص مذہب کی اتباع کے" نظریہ کو قبول کرتے ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان محققین کے آغاز میں اس مسئلہ سے تعلق رکھنے والے تمام احتمالات کو نظر و تحقیق کی ایک خوردبین کے تحت نہیں رکھا۔ ان میں سے اپنے ناپسندیدہ احتمال میں پشت پھینک کر اس میں کسی قسم کی فکر و تامل کی ضرورت محسوس نہیں کی اور وہ احتمال حقیقت کا اسی طرح ہونا تھا کہ جس طرح کائنات کے خالق نے خاتم الانبیاء پر اپنی نازل فرمودہ کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے آپ کو ہی تنگ دائرے میں محصور کر دیا اور اسی محصور حالت میں نشاۃ اولیٰ، واصل خلق اور انسان اور دیگر حیوانات کے درمیان تحقیق کرنے لگے۔

لہذا انہوں نے اپنے خلاف اس فکری قید کا فیصلہ کر لیا تو اب ان کے لئے دو راستوں میں سے ایک کو اختیار کرنا لازم تھا۔ یا تو اپنے پاس موجود جوابات اور حلوں میں سے قریب ترین جواب اور حل کو اختیار کرنا تھا اور قریب ترین جواب اور حل نہ پانے کی صورت میں ان پر ہر حال میں اپنی تحقیقات سے خالی افکار لے کر نہیں لوٹنا چاہئے تھا۔

یہی علمی فکوک و شبہات سے معمور امر کو فرض کرنے میں سلبی موقف کو اختیار کرنے کو اختیار کرنا تھا۔

لیکن اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہونا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔
انسان و دیگر حیوانات کی حیات میں ارتقاء فرض کرنے والے کسی مذہب کو اختیار کرنا تشادات اور مشکلات سے بھرا ہوا ہے (قبول کرنا فکری علمی کے ہاں زمین یا آسمان کے اچانک ریزہ ریزہ ہو جانے کے قول سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ جب ان ریزہ ریزہ کے اپنے آپ کو اس مشکل میں محصور دیکھا کہ جس سے نکلنے کے دو ہی راستے تھے۔ ایک تو اس نے بعض نے راہ اول کو اس کی کمزوری کے باوجود اختیار کرنے کی کوشش کی۔ دوسری تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اختیار منطق کی طرف منسوب ہے لیکن وہ ایسی فرضی منطق کی طرف منسوب ہے، جو اس شخص کی عقلیت کی موافقت کر رہی ہے۔ جس نے اپنے آپ کو عقل و دماغ کے دائرے میں محدود کر رکھا ہے یا اپنی فکر کی مسدود راہ میں محصور کر رکھا ہے۔ اس لئے وہ شخص جو اپنے اس قید خانے میں یہ کہتا ہے کہ میں نے جو کچھ پیش کیا ہے اس کو اسے تسلیم کرنا پڑے گا تو اس وقت اپنے آپ کو منطقی اور اپنی ذات کو سچا تصور کرتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ بہت بڑی جہالت اور استغناء نام کے مقابلے میں

لیکن ہم نے اپنی تحقیقات اور اپنے علمی مطالعہ جات میں استغناء نام کے قانون تمام احتمالات و مفروضات کو پرکھنے اور ان سب کو نظر و تحقیق کی ایک ہی خوردبین کے تحت رکھنے کا التزام کیا ہے۔ یقیناً ہمیں ان احتمالات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، جن کی اصلیت خالق کائنات کے اس معاملہ کی تفسیر کو شامل بیان سے ثابت ہے۔

ہم نے نظریہ ارتقاء والوں کے مفروضہ احتمالات کو پیش کر کے دیکھا کہ ان سب مفروضات وارد ہو رہے ہیں اور وہ سب باہمی ایک دوسرے کی مخالفت اور ایک دوسرے کو باطل کر رہے ہیں جیسا کہ آپ نے ہماری سرسری طور پر پیش کردہ صورت میں ملاحظہ کر لیا ہے۔

اس صورت حال میں ہم پر خالق کائنات کے ارشاد کی طرف متوجہ ہونا لازم ہے جو ہمیں اس معاملہ کی تفصیل اور حقیقت بیان فرما رہا ہے۔ جب کہ ہمیں اپنے مطالعہ جات میں مختلف علمی، قطعی دلائل کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے وجود کا مکمل یقین حاصل ہو چکا ہے ایسے ہی انبیاء کرام و رسل عظام بشمول حضرت خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی صورت میں نازل شدہ کتب یقین حاصل ہو چکا ہے۔ ان سب پر وہ علمی، منطقی دلائل قائم ہیں، جن کی تشریح اپنی جگہ مکمل ہو چکی ہے۔

پس ہم خالق کائنات کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ بیان فرما رہا ہے کہ اس نے انسان بہترین صورت پر پیدا کیا ہے اور انسان کا تکاثر اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام (جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا اور جنہیں اوراک کی قوت و دیعت فرمائی جنہیں بیان فرمایا) کے اشیاء کو ان کے اسماء سے تعبیر کا طریقہ سکھایا جن اسماء کو اللہ تعالیٰ نے ان پر الہام فرمایا تھا) کی نسل سے ہوا اور ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس ارشاد میں ان لوگوں کے متعلق بیان فرما رہا ہے جو اپنی تخلیق کی کیفیت اور اپنے خیال کے مطابق انسانی ارادہ کی قابل اعتناء تشریح کے بارے میں باہمی جھگڑتے ہیں اور خود خالق کائنات نے اس بارے میں جو کچھ بیان فرمایا ہے، اس سے اپنے کان بند کر لیتے ہیں؟

ہم دیکھتے ہیں کہ خالق کائنات ان کے بارے میں رعب و جلال ربوبیت سے پر اسلوب کے ساتھ یہ کہتے ہوئے بیان فرما رہا ہے:

مَا أَشْهَدُهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُمْ مَسْئُولِينَ عَصِدًا ۝ (الہک: ۵۱)

”نہ میں نے آسمانوں اور زمینوں کے بناتے وقت انہیں سامنے بٹھالیا تھا، نہ خود ان کے بناتے وقت نہ میری شان ہے کہ گمراہ کرنے والوں کو بازو بناؤں۔“

جس ہم نے تحقیق کی اور تہہ تک پہنچ گئے۔ پس ہم کون سے احتمال پر ایمان رکھیں؟

یہاں ہم آنکھ اور سوچ کو بند کر کے ان مذکورہ مذاہب میں سے کسی ایک پر ایمان رکھیں اور ہم عقل کو اس کو فرض کرنے اور پھر اس کی تصدیق پر مجبور کریں؟ یا خود خالق کائنات کے بیان پر ایمان رکھیں جب کہ ہم اس کی ذات اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں اور اس کے قرآن پر ایمان لائے ہیں؟

کوئی بھی شریف عقلمند ایک لمحہ کے لئے بھی تردد نہیں کرے گا کہ ہمارے اللہ اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لانے کے بعد مضطربین اور حیرت میں مبتلا ہونے کی حیرت کو اٹھا کر دور پھینکنا اور اس کے بعد ہم تک تو اتر کے ذریعہ پہنچنے والی خبر عقل کی تصدیق کرنا لازم ہے۔ یہ سب کچھ ہم انسان کی تخلیق کے اس واقعہ کے بارے میں کہہ رہے ہیں، جس کی تشریح اللہ کے کلام میں ایسی قطعی صریح عبارت کے ساتھ درج ہے، جو کسی قسم کے شبہ اور تاویل کا احتمال نہیں رکھتی۔

لیکن دیگر حیوانات کے جن کی تخلیق کے بیان سے قرآن نے اعراض فرمایا ہے ان کی تخلیق کے معاملہ میں ہر ذی عقل چاہے تو تحقیق کر سکتا ہے۔ مگر اپنی فکر کو بے سند اور بے دلیل لیٹی فرضیات میں پریشان نہ کرے، صرف انہیں چیزوں پر یقین رکھے جن پر ہم عقلی کے دلائل پائے جاتے ہیں اور اس بارے میں اس اصل کو اپنے پر لازم سمجھے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر لازم قرار دیا ہے کہ:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝ (اسرا: ۳۷)

”اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں ہے شک کان اور آنکھ اور دل سب سے سوال ہوتا ہے“

نظریہ ارتقاء اور اجناس کے درمیان موجود ترتیبی اتصال دوالگ چیزیں ہیں

یہ بات ذہن میں رہے کہ ہمارے پاس مذکورہ بیان کا تعلق انسان کی ابتدائی تخلیق کے بعد اس کے ایک کنبہ حیوانیت سے دوسرے کنبہ کی جانب ارتقاء کے مفروضہ سے ہے۔

لیکن باہمی ترتیبی اتصال جو اصل تکوین میں جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات تک اور حیوانات سے انسان تک جلوہ گر ہے۔ جو قدیم ترین زمانہ سے لے کر آج تک ثابت ہے، جس کا کوئی چشم بینا انکار نہیں کر سکتی چہ جائے کہ عقل و فکر اس کا انکار کر سکے۔

اقسام موجودات کے سلسلہ میں پایا جانے والا نظم و نسق جو اس سلسلہ کو ہار کے ان منکوں کی طرح بنا دیتا ہے جو ہار کے جمال و یکنائی میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ خالق کے وجود اور اس کی عجیب و غریب ایجاد کی واضح ترین برہان پر دلالت کرنے والے اس ترتیبی اتصال کو تمام علماء نے بیان کیا ہے۔

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں۔

پھر عالم تکوین کو دیکھو کہ کس طرح معاون سے ابتداء فرمائی پھر نباتات اور پھر حیوانات کو اتصال کی عجیب و غریب صورت کے ساتھ لایا گیا کہ معاون کی آخری کڑی نباتات کی پہلی کڑی سے متصل ہے۔ جیسا کہ خشک گھاس اور وہ نباتات جن کی افزائش نہیں ہوتی اور نباتات کا آخری کنارہ جیسا کہ سمجور کا درخت اور انگور کی نیل حیوانات کی ابتدائی حد سے متصل ہے۔ جس طرح حلزون (ساحل سمندر اور دریاؤں کے کناروں پر پتھروں میں پایا جانے والا ایک کیڑا) اور صدف (سیپ میں پایا جانے والا کیڑا) کہ ان پر دو جسم کے کیڑوں میں صرف قوت لمس پائی جاتی ہے۔ ان موجودات میں اتصال کا مطلب یہ ہے کہ ان کا آخری کنارہ اپنے بعد والے کا ابتدائی بننے کی صلاحیت رکھتا

اور عالم حیوان میں اس درجہ وسعت آگئی ہے کہ اس کی متعدد انواع بن گئی ہیں وہ درمیانی تکوین میں فکر و بصیرت والے انسان پر جا کر مکمل ہو گیا۔^۱ ارتقاء اور ابن مسکویہ کہتے ہیں کہ:

ان موجودات کا باہمی اتصال جن کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ان میں حکمت نے انہیں مقصد شہود پر جلوہ گر فرما کر خالق کائنات واحد لا شریک کی محکم تدبیر کو ان سب میں ظاہر فرمایا، یہاں تک کہ ہر نوع کی آخری کڑی دوسری نوع کی پہلی کڑی سے متصل ہو گئی ہے۔

ہیں یہ اس طرح بن گیا، جس طرح ایک لڑی میں متعدد جواہرات کو سلیقہ کے ساتھ پرو دیا جائے کہ جن سے ایک عمدہ اور خوبصورت ترین ہار بن جائے۔ پس یہ وہ اتصال ہے جس پر ہم اللہ تعالیٰ کی عنایت و مدد سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔^۲

اس کے بعد ابن مسکویہ نے ابن خلدون کی طرز پر اس اتصال کی تشریح و توضیح کی ہے۔ لہذا یہ ایک وصفی اور مشاہدہ میں آنے والی حقیقت ہے، جو انسان کی یادداشت میں محفوظ زمانوں میں سے قدیم زمانے سے ثابت ہے۔ جس کو تمام اہل علم مشاہدہ کر رہے ہیں اور جس کے بارے میں بحث و تمحیص کر رہے ہیں بلکہ اسے ہر دیکھنے والا صاحب عقل دیکھتا اور تعجب کرتا ہے۔

لیکن اس حقیقت کا ڈاروینی نظریہ ارتقاء سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ ڈاروینی نظریہ ایک باطل اور بے اصل فرضی نظریہ ہے جیسا کہ آپ کو قتل ازیں معلوم ہو چکا ہوگا۔

مجاہد میں سے ایک مجاہد یہ بھی ہے کہ بعض وہ لوگ جو اہل مغرب کے افکار و نظریات سے دلی لگاؤ رکھتے ہیں، وہ ہر مغربی سکالر کے پیش کردہ نظریہ کی تائید قرآن و

^۱ علامہ ابن خلدون، ص ۴۷، ۴۸ طبعہ بولاق

^۲ (الطور الاصل لابن مسکویہ ص ۹۰)

سنت اور علماء اسلام کی مدونات و تصنیفات میں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جب ان لوگوں نے نظریہ ارتقاء کے بارے میں سنا تو فوری طور پر کسی بھی اسلامی مصدر میں اس کی تائید تلاش کرنے لگے۔ حتیٰ کہ جب انہیں ابن خلدون اور ابن مسکویہ جیسے مسلمان سکالر کا یہ قول ملا تو خوشی سے بغلیں بجانے لگ گئے گویا کہ انہوں نے کوئی قیمتی خزانہ دریافت کر لیا ہو اور نہایت مسرت و ہشاشت سے یہ کہنے لگے کہ مسلم سکالر نے ڈارون سے سینکڑوں سال پہلے یہ نظریہ پیش ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض کسی مسلم محقق نے ڈارون سے پہلے یہ نظریہ (نظریہ ارتقاء) پیش کیا ہے تو یہ بات صرف اور صرف ان مسلم سکالر کی ڈارون پر یادہ گوئی اور حماقت میں سبقت حاصل کرنے پر دلالت کر رہی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے (باطل اور حماقت سے) پناہ مانگتے ہیں۔

بدترین ظلم یہ ہے کہ صحیح و درست کلام کو اہل باطل کے وسوسوں کی تائید اور ان کی تقلید و اتباع میں پختگی اور ان کے پیچھے شتر بے مہار کی طرح چلنے کے لئے چاہے وہ جلدھر بھی جائیں اس کے صحیح معنی سے خالی کر کے اس کے ساتھ باطل کو چمٹا دینا ہے۔



(۷) ملائکہ

فرشتوں اور جنوں سے متعلق بحث کو ہم نے کونیات کے حصہ میں شامل کیا ہے۔ اگرچہ خیال تو یہ آتا ہے کہ انہیں ان غیبیات میں شامل ہونا چاہئے جن کا ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے جن کے متعلق ہم صرف اتنا کچھ جانتے ہیں جتنا کتاب اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ مگر ہم نے انہیں کونیات میں اس لئے شامل کیا ہے کہ کونیات سے ہماری مراد ہر وجود اور ثابت ہے اور غیبیات سے مراد ہر وہ شے ہے جس کا ابھی تک کلی طور پر وقوع نہیں ہوا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے فرشتے ان کی طرح کونیات میں داخل ہیں، کیونکہ وہ مخلوق ہیں اور وجود سے متصف ہیں۔ بعض فرشتوں کو انبیاء کرام علیہم السلام نے دیکھا بھی ہے عام لوگوں کا فرشتوں کو نہ دیکھ سکرنا موضوع کے لئے اشکال کا باعث نہیں، کیونکہ ہمارے مذکورہ بیان سے تمہیں معلوم ہو چکا ہوگا کہ موجودات، مشاہدات سے عام ہیں۔

اس جگہ ہماری گفتگو کا تعلق ملائکہ کے وجود اور ان کی صفات اور ان کے فرائض سے ہے۔

وجود ملائکہ

فرشتوں کے وجود پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر اتنی متواتر دلالت کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

امن الرسول بما انزل الیہ من ربه و الیومنون کل امن

بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ (البقرہ: ۸۵)

”رسول اس ہدایت پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ ایمان والے ہیں یہ سب دل سے مانتے ہیں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو۔“ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَنْزِلُ الْمَلَائِكَةُ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِنَّ الَّذِينَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ (الحج: ۲)

”اللہ تعالیٰ فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہے اتارتا ہے کہ ڈرنا کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں تو مجھ سے ڈرو۔“

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی معروف حدیث وارد ہے کہ جس میں جبریل امین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ تَوَكُّنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتَوْكُّنَ بِالْقَدَرِ خَيْرٌ وَشَرٌّ (مسلم، بخاری، ترمذی)

حقیقت ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر یقین رکھے اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھے۔

قرآن حکیم اور سنت صحیحہ میں سے ہر ایک میں دیگر بہت ساری ایسی نصوص موجود ہیں جو صراحتاً ملائکہ کے وجود کی خبر دے رہی ہیں۔ اسی سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کا وجود ہر شک و شبہ سے بالاتر دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ اس بناء پر ان کے وجود کا انکار بالاجماع کفر ہے، بلکہ ان کے وجود کا انکار قرآنی نص کی رو سے کفر ہے، اللہ تعالیٰ

فرمان ہے:

وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء: ۱۳۶)

”اور جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کو نہ مانے تو وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور نکل گیا۔“

علاوہ ازیں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ پر نزول قرآن کے بارے میں ایمان فرشتوں پر ایمان کو مستلزم ہے لہذا ان کے وجود کا انکار نبوت اور قرآن دونوں کا انکار ہے۔

صفات ملائکہ

فرشتوں کی صفات کے متعلق تفصیل ممکن نہیں کیونکہ صفات کی معرفت کا واحد ذریعہ خبر صادق ہے، فرشتوں کے احوال اور ان کی صفات مختلفہ کو تفصیل سے بیان کرنے والی اخبار متواترہ ہم تک نہیں پہنچیں۔ اس لئے مسلمان ان میں سے کسی شے پر ایمان لانے کے لئے اس کی تحقیق کا مکلف نہیں۔ اگر بعض احادیث اور آثار میں انہیں پائے تو بھی ان سے ثابت ہونے والے امور پر اعتقاد رکھنا واجب نہیں کیونکہ اعتقاد صرف ان امور پر رکھنا ضروری ہے جس کی دلیل دین سے قطعی طور پر ثابت ہو۔

لیکن صفات کی اجمالی معرفت اور ان پر اجمالی طور پر اعتقاد رکھنا ہمارے لئے ممکن ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور اس اجمالی معرفت و اعتقاد تک قرآن میں وارد خبر متواترہ کے ذریعہ ہماری رسائی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ إِنْ يَكُونُ عَبْدُ اللَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ

المقبرون (النساء: ۷۸)

”مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا اور نہ مقرب فرشتے۔“

جہنم اور داروعدہ جہنم کے وصف میں ارشاد ہے:

عليها ملائكة غلاظ شديد لا يعضون الله ما امرهم
ويفعلون ما يؤمرون ۵ (مريم: ۶۵)

”اس پر بے تدبیر، سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم کی نافرمانی
نہیں کرتے اور انہیں جو ارشاد فرمایا جاتا ہے وہی بجالاتے ہیں۔“
اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحانه بل عباد مكرمون ۵
يسبقونه بالقول وهم باهرة يعبدون ۵ (الانبیاء: ۲۶، ۲۷)

”اور وہ کہتے ہیں رحمان نے بیٹا اختیار کیا۔ پاک ہے وہ تو بندے ہیں
جنہیں عزت دی گئی ہے، اس کے حضور سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے
حکم پر کار بند ہوتے ہیں۔“

رب کائنات کا قول ہے:

الحمد لله فاطر السموات والارض جاعل الملائكة رسلا اولي
اجنحة مثنى وثلاث ورباع يزيد في الخلق ما يشاء ان الله
على كل شئ قدير ۵ (فاطر: ۱۰)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین (کی تمام
سعتوں) کا پیدا فرمانے والا ہے، فرشتوں کو جو دو دو اور تین تین اور چار
چار پرؤں والے ہیں، قاصد بنانے والا ہے، اور تخلیق میں جس قدر چاہتا
ہے اضافہ (اور توسیع) فرماتا رہتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر بڑا قادر
ہے ۵

اور ان اخبارِ صادقہ میں ہے: ”حادثہ بھی ہیں، جو بتا رہی ہیں کہ
فرشتوں کو مشکل دینے اور مختلف اشکال میں ظاہر ہونے کی قدرت عطا فرمائی گئی ہے۔“
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا
بَشَرًا سَوِيًّا ۵ (مريم: ۱۷)

”مریم نے ان سے پردہ کر لیا، تو ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو
(فرشتے کو) بھیجا تو وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کی شکل میں
 نمودار ہوا۔“

ان کے علاوہ مختلف احادیث کثیرہ بھی وارد ہوئی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے
کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت جبریل علیہ السلام کو مرد کی صورت میں دیکھا
کرتے تھے اور اکثر اوقات جبریل امین حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں
نمودار ہوا کرتے تھے۔

پس یہ آیات مقدسہ اور ان کی مؤید صحیح احادیث کثیرہ مسلم پر فرشتوں کے درج
ایل صفات سے متصف ہونے کا عقیدہ لازم رکھنے کو لازم قرار دیتی ہیں۔

(۱) فرشتے اللہ کے بندے ہیں، وہ نہ تو اللہ کی اولاد ہیں اور نہ ہی اس کے شریک۔
(۲) فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام پر کار بند ہیں۔ نہ اس کے کسی حکم کی نافرمانی کرتے
ہیں نہ ہی کسی ممنوع کے ارتکاب کی جانب مائل ہوتے ہیں اور ہمیشہ اللہ کی
عبادت میں مصروف ہیں، اللہ کی یاد کرنا اور اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی
بیان کرنا ان کی عادت اور دائمی عمل ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق فرشتوں کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر ہیں
ہم پر ان پرؤں کی تفصیلی صفات اور ان کی کیفیت جاننا لازم نہیں۔ کیونکہ فرشتے
اللہ کے حکم و ارادے کے مطابق ہم سے مستور اور مخفی ہیں اور نہ ہی قرآن حکیم
نے اس بارے میں کوئی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

(۴) فرشتوں کی تخلیق آنکھ سے نہ دیکھے جانے والے نور سے ہونے کے باوجود اللہ
تعالیٰ نے انہیں متشکل ہونے اور مختلف اجسام کفیفہ کے روپ میں نمودار ہونے

کی قدرت بخشی ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والا ان مذکورہ صفات میں سے کسی کا انکار نہیں کر سکتا جو ان صفات کا یا ان میں سے کسی شے کا انکار کرے تو وہ بالاجماع اس کے سبب کافر ہو جائے گا۔

فرائض ملائکہ

تمام فرشتوں کے فرائض کی تفصیل تو ممکن نہیں کیونکہ اس بارے میں ایسی کوئی یقینی خبر وارد نہیں جو یقین کا قاعدہ دے، لیکن قرآن حکیم نے ان صفات میں سے بعض کو بیان فرمایا ہے، لہذا قرآن کی خبر اور بیان کے مطابق ان پر ایمان رکھنا واجب ہے، جیسا کہ قرآن مجید نے بعض فرشتوں کے اسماء کا تذکرہ فرمایا ہے اسی لئے ان فرشتوں پر ان اسماء کے ساتھ ایمان رکھنا ضروری ہے۔

فرشتوں کے ان فرائض میں سے ایک فریضہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے احکام کو رسولوں تک پہنچانا ہے جس کا ثبوت اللہ کے اس فرمان سے ہوتا ہے۔

نَزَّلِيَ بِهِ الرُّوحَ الْأَمِينُ ۝ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝

(اشعراء: ۱۹۳-۱۹۴)

”اے روح الامین لے کر اتر تمہارے دل پر تاکہ تم ڈرناؤ۔“

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُلْقِي الرُّوحُ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ

التَّلَاقِ ۝ (البص: ۱۰)

”وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح نازل کرتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔“

جنت اور اہل جنت کی حفاظت و نگہبانی بھی فرشتوں کے فرائض منصبی میں شامل ہے اور اس امر کو انجام دینے والے فرشتوں کو قرآن حکیم نے خزندہ (داروغے) کا نام

دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا هَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۝ (مزم: ۷۲)

”اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے، انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور اس کے دروازے پہلے کھولے جائیں ہوں گے تو منتظمین جنت ان سے کہیں گے سلام ہو تم پر، مثبت اچھے رہے داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ کے لئے۔“ اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

جَنَّتِ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا ۖ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجِهِمْ ۖ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ۖ وَالْبَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (الرحم: ۲۳-۲۴)

”ہمیشہ بسنے کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو لائق ہوں، ان کے باپ، دادا اور بیویوں اور اولاد میں اور ہر دروازے سے فرشتے ان پر یہ کہتے ہوئے آئیں گے سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔“

جہنم اور اہل جہنم کے امور کی انجام دہی بھی فرشتوں کے سپرد ہے اور اس کام کو انجام دینے والے فرشتوں کو قرآن حکیم نے ”زبانیہ“ (سخت پکڑ والے) کا نام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کی تعداد انہیں بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا أُدْرِكُ مَا سَفَرٌ ۖ لَا تَبْقَىٰ وَلَا تَزِرُ ۖ لَوْحَةٌ لِلْبَشَرِ ۖ عَلَيْهِمَا تِسْعَةُ عَشْرَ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمُ إِلَّا ثَلَاثَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ

(المدثر: ۴۷-۴۸)

”اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے۔ آدمی کی کھال اتار لیتی ہے۔ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں، اور ہم نے آگ کے داروغے فرشتے ہی مقرر کئے ہیں، اور ہم نے ان کی تعداد کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنایا ہے جنہوں نے کفر کیا۔“

فرشتوں کے فرائض میں مکلفین کے اعمال، ان کے تصرفات کی نگہبانی کرنا اور ان کے نامہ اعمال لکھنا بھی شامل ہے۔ اس فریضہ کو انجام دینے والے دونوں فرشتوں کی قرآن حکیم نے ”رقیب“ اور ”عتید“ دو صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک انسان کے دائیں اور دوسرا بائیں ہوتا ہے، دائیں طرف کا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف کا بدیاں لکھتا ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ اس کو بیان فرما رہی ہے:

اذ يتلقى المتلقيان عن اليمين وعن الشمال قعيد ۝ ما يلفظ
من قول الا لديه رقيب عتيد ۝ (ق: ۱۷-۱۸)

”جب اس کے اعمال کو لے لیتے ہیں، دو لینے والے ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے، وہ زبان سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان تیار بیٹھا ہوتا ہے۔“

انسانی زندگی کے دوران پیش آنے والے تمام مختلف امور میں انسان کی حفاظت کا فریضہ بھی فرشتوں کے سپرد ہے۔ اس خدمت کو انجام دینے والے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے معقبہ اور حفظہ کا نام عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

له معقبات من بين يديه ومن خلفه يحفظونه من امر
الله (الرعد: ۱۱)

”آدمی کے لئے بدی والے فرشتے ہیں اس کے آگے پیچھے کہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔“

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وهو القاهر فوق عباده ويرسل عليكم حفظة (الانعام: ۶۱)

”اور وہی غالب ہے، اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے۔“

ارواح کو قبض کرنے کا فریضہ بھی فرشتوں کے سپرد ہے۔ اس امر کو انجام دینے والی فرشتوں کی ایک جماعت ہے یا کہ صرف ایک فرشتہ اس پر مامور ہے؟ قرآن کریم نے اس کی کوئی قطعی وضاحت نہیں فرمائی، قرآن پاک کی ایک آیت دلالت کر رہی ہے کہ یہ کام فرشتوں کی ایک جماعت انجام دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حتى اذا جاء احدكم الموت توفته رسلنا وهم لا يفرطون ۝

(الانعام: ۶۱)

”یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ قصور نہیں کرتے۔“

اور دوسری آیت کریمہ بتا رہی ہے کہ یہ فریضہ صرف ایک فرشتے کے سپرد ہے۔

قل يتوفكم ملك الموت الذي وكل بكم ثم الي ربكم

ترجعون ۝ (السجده: ۱۱)

”تم فرماؤ موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہیں وفات دیتا ہے،

پھر تم اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے۔“

بہر حال مذہب ہے کہ ملک الموت ایک ہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت سے اس کو اعزاز بخشا ہے اور اس کی ملک الموت کے ساتھ وہی حیثیت ہے جو لشکر کی سپہ سالار کے ساتھ ہوتی ہے۔

تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ فرائض جن فرشتوں کے سپرد کئے ہیں سوائے حضرت جبریل کے ان کے ناموں کی وضاحت نہیں فرمائی ہے لہذا مسلمان پر

صرف یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مختلف فرشتوں کی جماعتوں کے سپرد فرمائے ہیں، ان کے نام اور ان کی خصوصیات کو وہی خوب جاننے والا ہے۔ ملک الموت کا نام عزرائیل ہونے سے متعلق مختلف آثار دلالت کر رہے ہیں لیکن وہ آثار قوت کے اس درجہ کے حامل نہیں کہ جن پر اعتقاد واجب ہو۔

ممکن ہے کہ تم ہمارے اس مذکورہ بیان کے بعد یہ سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ کا ان اہم کاموں کو فرشتوں کے سپرد کرنے کا مطلب اور اس میں حکمت کیا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ان کاموں کی انجام دہی میں عاجز نہیں کہ یہ تصور کر لیا جائے کہ وہ بعض امور کی انجام دہی میں مددگار اور معاون کا محتاج ہے۔

اس کا مختصر سا جواب تو یہ ہے کہ ان امور کو فرشتوں کے سپرد کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و تصرف اس کی عظیم ملکیت کا مظہر ہے، اس سے مقصود اللہ کی معنوی قدرت کو انسان کے تصور اور اس کے مانوس کے موافق حسی مظہر میں ظاہر کرنا ہے۔

لیکن اس کا مفصل جواب "قانون السببیت فی الکون" کی بحث کے دوران آئے گا، جس میں ہم عنقریب بحث کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔



(۸) جنات

یہاں پر جنوں کے وجود اور ان کے اصل کے بارے میں بات ہوگی جس سے ان کی تخلیق ہوئی ہے اور اس کے سوا ان کی صفات و اغراض اور ان کے خصائص تفصیلیہ کو بیان کرنا ہمارے مقصد سے تعلق نہیں رکھتا کیونکہ ان میں بحث و تحقیق کا تعلق اخبار احاد اور نفی احتمالی دلائل سے ہے، جن کی اکثریت میں اختلاف ہے اور تم بخوبی جانتے ہو کہ عقائد کا دلائل قطعیہ یقینیہ سے ثابت ہونا ضروری ہے، غنون اور قیاسات سے ثابت امور کے انکار سے انسان کا فرت نہیں ہوتا۔

وجود جنات

جنات کا وجود دلیل قطعی سے ثابت ہے اور دلیل قطعی قرآن کریم کی خبر صادق ہے۔ قرآن حکیم نے بہت سارے مقامات میں جنوں کے وجود کی خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما خلقت الجن و الانس الا ليعبدون (الذاریات: ۵۶)

”اور میں نے جن اور انسان اس لئے پیدا کئے ہیں کہ میری بندگی کریں۔“

واذ صرفنا اليك نفر من الجن يستمعون القرآن (الاحقاف: ۲۹)

”اور ہم نے تمہاری طرف کتنے جن بھیجے جو کان لگا کر قرآن سنتے۔“

خلق الانسان من صلصال كالفخار (الرحمن: ۱۵)

مارج من نار (الرحمن: ۱۵)

”اس نے انسان کو بنایا کبھی مٹی سے جیسے ٹھیکری ہے اور جن کو آگ کے لو کے سے پیدا فرمایا۔“

احادیث کثیرہ مختلفہ بھی جنوں کی حقیقت اور ان کے وجود کی خبر دے رہی ہیں۔ ان میں سے امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ اور بہت سارے علماء سیرت کی مروی یہ حدیث ہے۔ (الفاظ بخاری کے ہیں)

انه صلى الله عليه وسلم انطلق في طائفة من اصحابه عامدين الى سوق عكاظ و قد حيل بين الشياطين و خبر السماء و ارسلت عليهم الشهب فرجعت الشياطين فقالوا ما لكم قد حيل بيننا و بين خبر السماء و ارسلت علينا الشهب قال ما حال بينكم و بين خبر السماء الا ما حدث، فاضربوا مشارق الارض و مغاربها فانظروا ما هذا الامر الذي حال بينهم و بين خبر السماء قال فانطلق الذين توجهوا نحو تهامة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم بنخله وهو عامد الى سوق عكاظ و يصلي باصحابه صلوة الفجر فلما سبعا القرآن تسبعوا له فقالوا هذا الذي حال بينكم و بين خبر السماء فهناك رجعوا الى قومهم فقالوا يا قومنا اننا سمعنا قرانا عجباً يهدي الى الرشاد فامنا به ولم نشارك به احداً

(صحیح بخاری ص ۸۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ سوق عکاظ کے قصد سے روانہ ہوئے شیاطین اور آسمان کی خبر کے درمیان حجاب ہو چکا تھا۔ (یعنی آسمان کی خبروں کا ملنا موقوف ہو گیا تھا) اور ان پر چنگاریاں چمکنی جانے لگیں، جب شیاطین اپنی قوم کے پاس واپس ہوئے تو ان

لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی ہے اور ہم پر چنگاریاں چمکنی باقی ہیں۔ اس نے کہا تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی ہے اس لئے زمین کے مشرق و مغرب میں چل کر دیکھو کون سی نئی بات ان کے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہو گئی ہے۔ (ابن عباس کا بیان ہے) کہ وہ لوگ جنہوں نے تہامہ کا رخ کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نخلہ میں پہنچے اس وقت لوگ سوق عکاظ کا قصد کر رہے تھے آپ صحابہ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے جب انہوں نے قرآن سنا تو اس کی طرف کان لگایا۔ یہ لوگ آپس میں کہنے لگے یہی حال ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہے۔ یہاں سے ہی یہ لوگ اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے اور کہا کہ اے ہماری قوم! ہم نے عجیب قرآن سنا ہے، جو نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ پس ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔

اس مخلوق کا وجود کتاب اللہ میں وارد ان اخبار یقینیہ سے ثابت ہے جن کی تفصیل احادیث کر رہی ہیں اور اس مخلوق کا معاملہ اخبارات الہیہ سے یقینی طور پر معلوم ہے۔ جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جنات کے وجود پر ایمان رکھنا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھنے کے بنیادی مسئلہات میں سے ہے اور جنات کا انکار یا ان کے وجود میں شک روت اور خروج از اسلام کو مستلزم ہے۔

جنات کے انکار سے دو نتیجے لازم ہیں۔

- (۱) جنات کے انکار سے ایسی شے کا انکار لازم آتا ہے جس کا دین میں سے ہونا یقینی طور پر معلوم ہے۔
- (۲) جنات کے انکار سے اللہ کی طرف وارد خبر یقینی متواتر کی تکذیب لازم آتی ہے

اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی ذات اور قرآن کریم پر ایمان کی متقاضی ہے۔
اور یہ دونوں نتیجے اسلام اور مقومات ایمان کے قستانی ہیں۔

اصل جنات

جنات کی اصل یعنی وہ پہلا عنصر ہے جس سے یہ مخلوق وجود میں آئی ہے، اس کی معرفت کا ذریعہ صرف خبر یقینی ہے خبر یقین کا فائدہ اس وقت دیتی ہے جب وہ خود خالق کائنات کی جانب سے وارد ہو۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں خبر وارد ہے۔

وہ خلق الجنان من مارج من نار ۵ (النہن: ۱۵)

مارج اس صاف شعلہ کو کہا جاتا ہے جو دھوئیں سے خالی ہو۔

اس خبر واضح کے یقینی طور پر ثابت ہونے کی وجہ سے اس کے مضمون کی معرفت اور اس سے ثابت شدہ امر پر ایمان رکھنا ہم پر واجب ہے۔

جنات کے وجود کا انکار ایسی حماقت ہے جس نے اپنے اوپر الفاظِ عمل کا خلاف چڑھایا ہوا ہے

جب یہ حقیقت تمہارے سامنے عیاں ہو چکی ہے تو یہ یقین کر لو کہ ہماری اس مذکورہ وضاحت کے خلاف کوئی بھی صاحب عقل غفلت و جہالت کا مظاہرہ یہ کہتے ہوئے نہیں کرے گا کہ میں تو صرف اس چیز پر ایمان رکھتا ہوں جو علم کے موافق ہوگی اور وہ اس بات پر فخر کرتے ہوئے گزر جائے گا کہ میں جنات کے وجود پر اس لئے اعتقاد نہیں رکھتا کہ وہ مشاہدہ میں نہیں آتے۔

بڑی واضح بات ہے کہ اپنے آپ کو علم کے روپ میں ظاہر کرنے والی اس طرح کی جہالت ایک سبب کی وجہ سے بہت سارے موجودات بھیہیہ کے انکار کا تقاضا کر رہی ہیں اور وہ سبب واحد عدم امکان رویت ہے، کوئی بھی صاحب عقل اس مذہب کو اختیار نہیں کر سکتا۔

ہر صاحب عقل کو جو علم سے آشنا ہے وہ اس مشہور علمی قاعدے سے بھی واقف

ہے کہ:

عدم الوجدان لا يستلزم عدم الوجود

عدم وجدان عدم وجود کو مستلزم نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شے کے بارے میں تم تحقیق کر رہے ہو، اس شے کو تمہارا نہ دیکھ سکتا اس کے معدوم ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ موجودات مشاہدات سے عام ہیں اس لئے کہ تم موجودات حاسہ رویت یا مطلق حواس کے تابع نہیں۔ ورنہ تو مثال کے طور پر انسان کا اپنے سامنے کھڑی موٹر کار کے وجود کو اس وقت تک تسلیم کرنا لازم ہوتا جب تک وہ اس کے سامنے کھڑی ہے اور جب ڈرائیور اس کو وہاں سے چلا کر لے جائے حتیٰ کہ وہ مشاہدہ اور دیگر حواس کی قدرت سے نکل جائے تو اس کے وجود کا انکار ضروری ہوتا۔

بعض لوگوں کے ذہنوں سے یہ چیز مخفی رہی ہے کہ جس طرح شے کے وجود پر ایمان اسی وقت جائز ہے جب اس کے وجود پر علمی دلائل قائم ہوں اسی طرح شے کے معدوم ہونے پر ایمان رکھنا اسی وقت جائز ہے جب اس کے عدم پر علمی دلائل قائم ہوں اور جب شے کے وجود اور عدم میں سے کسی پر دلائل قائم نہ ہوں اس حالت میں انسان کو جاہل کہا جاتا ہے اور انسان کا کسی شے سے جاہل ہونا نہ اس شے کے عدم کو مستلزم اور نہ وجود کو، کیونکہ یہ ایک ایسی صفت ہے جس کا تعلق انسان کی ذات سے ہے نہ کہ اس شے سے جس کی تحقیق کی جا رہی ہے۔

جب انسان کے سامنے شے کے وجود یا عدم پر قطعی علمی دلیل قائم ہو جائے تو اس وقت قطعی علمی دلیل کا اپنی سابقہ جہالت سے مقابلہ کرنا عبث اور بے سود ہے۔

ملائکہ اور جنات کے وجود پر خبر متصل متواتر وارد ہے جیسا کہ تم جانتے ہو کہ فرشتوں اور جنات کے وجود کی قرآن کریم خبر دے رہا ہے لہذا اس خبر کے قرآن مجید

میں موجود ہونے کا عقیدہ و یقین رکھنا ضروری ہے جیسا کہ احادیث اور نقلی دلائل بحث میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔

قبل ازیں دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی تالیف نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس سے قبل اللہ تعالیٰ کے وجود پر بھی برہان قطعی قائم ہو چکی ہے لہذا براہین قطعہ کے اس سلسلہ کے ثبوت کے بعد ان کے موجب اور ان سے ثابت شدہ امر پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے، اس کے مقابلے میں جہالت کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اس کلام سے تمہیں یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ فرشتوں اور جنوں کے وجود پر قائم خبر متواتر متصل کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کتنی شے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھنے سے ماخوذ ہے۔ لہذا جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان نہیں رکھتا اس کو بیک وقت خبر کو اس کے مصدر کی طرف منسوب ہونے کی تصدیق اور پھر خود کو مصدر کی تکذیب کرنے سے کوئی شے مانع نہیں۔

یعنی وہ کلام قرآن کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے تکذیب کر رہا ہے بلکہ فطری بات ہے کہ وہ شخص جب تک اس مسئلہ کے پورے سرچشمہ پر ایمان نہیں رکھتا تو ایسا ضرور کرے گا لیکن عجیب حماقت تو اس شخص میں پائی جاتی ہے جو اپنے آپ کو مسلم اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان رکھنے والا بھی کہلائے اور تمہارے ساتھ مثال کے طور پر جنوں کے وجود کے بارے میں مجادلہ کرے بلکہ اس کی صحیح ترین تعبیر تو یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کے ساتھ اس بارے میں مجادلہ کرے۔ اس کے پاس پیش کرنے کے لئے دلیل تو کوئی نہیں صرف یہ کہتا ہے کہ وہ جنات کا مشاہدہ نہیں کر رہا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کے پاس دلیل تو کوئی نہیں صرف اپنی جہالت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

یہ مسئلہ دراصل اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت میں فکری جنگ کے پیشہ ور لوگوں کی صرف تقلید اور نقالی ہے۔ ان لوگوں نے فکری جنگ کے پیشہ ور لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جنات اور شیاطین اور فرشتوں کے متعلق عقیدہ رکھنا اہل عرب کی ان

حکامات میں سے ہے جب ان کے ہاں قابل فخر تھیں اور اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اور اسلام کے نام سے اس کی دعوت دی ہے۔

جب ان لوگوں نے یہ سنا کہ اپنا سر تسلیم اس کے سامنے ختم کرتے ہوئے اس ہمہ کی دلیل، اس کے اسباب اور اس کے علمی دلائل پر غور و فکر کرنے سے اپنی آنکھیں اور اپنی عقلوں کو بند کر لیا اور اس کلام کو اپنے آقاؤں کی آواز سے کسی اختلاف کے بغیر دہراتے رہے ان کے یہی آقا جب ارواح اور ان سے ہم کلام ہونے اور انہیں حاضر کرنے سے متعلق باتیں کرنے لگے تو یہ لوگ پھر ان کی باتوں کو غور سے سننے لگے۔ پردہ عقل کو کسی تامل یا علمی دلیل کے لئے مشکف کئے بغیر اپنے سروں کو جھکائے ہوئے اس پر ایمان و اعتقاد رکھنے لگے اور ارواح پر اعتقاد رکھنے اور لوگوں کے ارواح کو حاضر کر سکتے، ان سے ہم کلام ہونے، ان سے واسطے سے ماضی بعید اور مستقبل بعید کے حقیقی گوشوں کو دریافت کرنے کا طریقہ سکھانے لگے۔

یہ ایسی حماقت ہے کہ جس کی مثال اس سے بدترین صورت میں پیش کرنا ممکن نہیں۔

جب تم ان لوگوں میں سے کسی کے سامنے علمی دلیل کو اس کے ہار یک ترین طرز و (ارواح کو حاضر کرنے اور اس کے متعلق ہر پ اور اس کے بعد عالم عرب کے بہت سارے مقامات میں پھیل ہوئی خبر کے بارے میں تم ضرور اسلامی عقیدے کا موقف دریافت کرو گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں مختلف ارواح سے مجرا پڑا ہے لیکن ہمارے لئے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ روحوں کو حاضر کرنا، ان سے ہم کلام ہونا ان امور میں سے ہیں جو جس کے تابع ہیں۔ اس لئے ان کی دلیل کا بھی حصہ ہونا ضروری ہے جس کا بیان اس کتاب کی تمہید میں کر دیا گیا ہے۔ لہذا جب تجربہ اور مشاہدہ کی برہان کے ذریعہ تمہارے سامنے امر حایت ہو جائے تو پھر اس کی تصدیق سے کوئی شے مانع نہیں بلکہ اس صورت میں اس کے تصدیق کے سوا کوئی چارہ کار نہیں لیکن اس کے باوجود بھی روح اور اس کی اہمیت و حقیقت بھول ہی رہے گی اور روح کا بولنا یا لکھنا یا کسی ذریعہ سے یہ گمان کرنا کہ یہ فاسان انسان کی روح ہے اور نفع جہالت کے لئے کافی نہیں کیونکہ یہ ایک خبر ہے، جو صدق و کذب کا اجمال رکھتی ہے اور صدق پر کوئی کذب نہیں پائی جاتی۔ نیز جس طرح انسانوں میں اثر ارواح موجود ہیں کہ جن کا لوگوں کی عقلوں سے کیا اور جنوں کا ہونا وغیرہ ہے ایسے جنات میں بھی اثر ارواح موجود ہیں۔ لہذا کیسے معلوم ہو گا کہ جو چیز تم سے سرگوشیاں کر رہی یا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طریقہ کے مطابق پیش کرو گے تو وہ علم کے نام اور علم کی دلیل کا انکار کرتے ہوئے لو محسوس کرے گا، اسی شخص کے سامنے اہل مغرب کے متکبرین اور مستشرقین کے خالی دعوے پیش کرو گے تو تم دیکھو گے کہ وہ ذلت کی وجہ سے سکڑنے اور شکست خوردگی میں رہ جھکانے لگے گا۔ وہ کون سا علم ہے جو اس شخص کے دماغ میں گھوم رہا ہے اور جس کی وجہ سے آپ کے سامنے فخر کر رہا ہو؟ حالانکہ علم تو دور کی بات ہے اس کو تو ابھی تک وہ مستقل شخصیت بھی حاصل نہیں کہ جس کی وجہ سے وہ اپنی عقل سے سوچنے پر قادر ہوتا؟

اللہ تعالیٰ اس عربی پر رحم فرمائے، جس نے اس طرح کے لوگوں میں مرض کی پوشیدہ وجہ اس دن دریافت کی تھی، جس دن اس نے کہا تھا۔

است فی الباء و راس فی السماء^۱ سرین پانی میں اور سر آسمان پر

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے) تمہارے سوالات کا لکھ کر جواب دے رہی ہے؟ وہ واقعی روح ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی سرکش جن ہو جو تمہارے دین کو تم پر مشکوک بنا رہا ہو اور تمہیں فریب دے کر تباہ کر رہا ہو اور تم سے جھوٹ بول کر لطف اندوز ہو رہا ہو۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جن مرتد اور پاگل لوگوں نے اپنے بارے میں انبیاء یا بزرگ ہونے کا دعویٰ کیا ان میں پانی جانے والی سماعت کے اکثر اسباب انہیں شیاطین کے ڈالے ہوئے دوسرے تھے کہ ان شیاطین نے ان کے دلوں میں یا کانوں میں ایسے پردے یا بات ڈال دی تھی کہ تم اللہ کے محبوب اس کی بارگاہ میں معظم، بزرگ ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم سے تکالیف شریعہ ختم فرما کر تمہیں عزت بخش دی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی شریا نہیں پھولنے لگیں اور ان کے خالی سر فریب کی وجہ سے بوجھل بننے لگے اور ان کے پہلو حرکت کرنے لگے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے نائب اور وزیر اور لوگوں کے لئے رہبر ہیں اور ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان پاکیزہ ارواح کا واسطہ ہے، جو ان سے گفتگو کرتی ہیں حالانکہ وہ سرکش شیاطین کی حقیر روئیں تھیں جو عقل و افکار کی بند یوں سے اخلاقی اعتبار سے گری ہوئی تھیں اور وہ عقل و افکار کو گمراہ کرنے اور ان سے کھیلنے کا مشغلہ رکھتی تھیں۔ ارواح کے وجود میں کوئی شک نہیں لیکن ان کا سچا ہونا ضروری نہیں۔ جب تم سے کوئی روح کہے کہ میں حقان نبی کی روح ہوں، پھر وہ ایسے ہونے پر تمہارے سامنے دلائل پیش کرے اور اصلاح اخلاق کی باتیں کرنے لگے، بے شک وہ کوئی شریر روح ہوگی جو تمہیں دھوکہ دے کر اپنا دل بہا رہی ہے۔

۲۔ (یہ ایک عربی ضرب المثل ہے، جو اس شخص پر بولی جاتی ہے جو اس چیز پر فخر کرے جس کا وہ اہل نہیں۔)

(۹) عالم وجود میں قانون سیئیت

اس بحث کی تشریح اور اس بارے میں جس چیز پر اعتقاد واجب ہے، اس تک رسائی کے لئے درج ذیل امور کی توضیح و تشریح ضروری ہے۔

- (۱) عالم وجود میں قانون سیئیت کی مکمل وضاحت۔
- (۲) سیئیت ہمارے اس علم کے ساتھ کہ تمام عالم از قبیل ممکنات ہے، سے کیسے متفق ہو سکتا ہے؟

(۳) وجود کا قانون سیئیت کے تابع ہونے میں حکمت

(۴) اس بنا پر مسلمان کو جس چیز کا عقیدہ رکھنا واجب ہے۔

عالم وجود میں قانون سیئیت کی وضاحت

ہم اس مسئلہ اول سے آغاز کرتے ہیں یعنی عالم وجود میں قانون سیئیت کی وضاحت سے ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک کو یہ معلوم ہے کہ ہر شے غیر کی محتاج ہے اور ہر انسان اپنے آپ کو اور اپنی امثال و نظائر کو بعض امور کے محتاج ہونے اور بعض دیگر امور سے بے نیاز ہونے کا تصور رکھتا ہے۔

شےء کے وجود میں جو چیز محتاج الیہ (جس کی طرف احتیاجی ہو) بنے اس کو علت یا سبب کہا جاتا ہے اور جو چیز محتاج ہو اس کو معلول یا مسبب کہا جاتا ہے۔^۱

(موانع اور اس پر علامہ سبکی کی کھسی ہوئی شرح ملاحظہ کریں۔ ہم اس مقام پر علت اور سبب میں فرق کرنا نہیں چاہتے کیونکہ اس بحث میں ہمارا جو مقصد ہے اس میں دونوں برابر ہیں۔)

یہ بات جب تم پر واضح ہو جائے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ہرشیء ایک جہت سے اپنی مثل دوسری شیء کی مسبب ہے اور دوسری جہت سے غیر کے لئے سبب ہے۔ اس کی مثال تم انسانوں کے والد و تناسل، ناکثر، زمانوں، موسموں کے اختلاف، زراعت و تعمیر کرنے اور تعمیر کروانے کے طریقوں کے اختلاف سے دے سکتے ہو بلکہ اس کی مثال انسانوں کی معاش اور ان کے رجحانات و عبادت اور قومی استعدادات کے اختلاف سے بھی بیان کر سکتے ہو۔

لیکن تمہارے سامنے ظاہری اسباب کی تعداد باہم متناقض ہیں، لیکن تم جب اس درخت کے تنے کو قریب سے دیکھو گے تو وہ سب شاخیں اس میں مجتمع ہوں گی۔ ایسے ہی تم جب غور و فکر سے کام لو گے اور اسباب کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کرو گے تو تم ان مختلف اسباب کو ایک مرکزی سبب میں مجتمع پاؤ گے اور وہ مرکزی سبب واجب الوجود اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کا مفصل بیان قبل ازیں ہو چکا ہے۔

پس یہ وہ حقیقت ہے جس کو ہم وجود میں محسوس کرتے ہیں، جس کے انکار کی گنجائش نہیں اور اسی کو ہم قانون سببیت کہتے ہیں۔

ہمارے اس علم کے ساتھ کہ تمام عالم از قبیل ممکنات ہے،

سے قانون سببیت کیسے متفق ہو سکتا ہے؟

سب سے پہلے اس اشکال کی تصویر پیش کرنی ضروری ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بڑی واضح بات ہے کہ کسی شیء کو دوسری شیء کے لئے سبب اسی وقت قرار دیا جاسکتا ہے جب وہ دوسری شیء کو وجود بخشنے یا اس کو معدوم کرنے یا اس کے احوال و اوصاف میں تغیر پیدا کرنے میں موثر ہو اور جب تک موثر سبب رہے اس وقت تک یہ تاثیر حتمی بھی ہو ورنہ اس کا سبب ہونا منتزع ہوگا اور ہماری سابقہ وضاحت اور اس کے درمیان تقاض واقع ہوگا کہ ہم نے بتایا ہے کہ عالم وجود میں بالہدایت قانون سببیت موجود ہے جس کو حس تسلیم کرتی ہے۔

جب معاملہ ایسا ہے تو پھر یہ کہنا ضروری ہوگا کہ موجودات یا کم از کم ان کا ایک بڑا حصہ واجب الوجود ہے کیونکہ عالم وجود کا اس روش پر جاری رہنا ضروری ہے جس کو ہم دیکھ رہے ہیں، اس لئے کہ یہ ان مختلف اور مخصوص اسباب کا نتیجہ ہے جن کا اسباب ہونا حس اور مشاہدہ سے ثابت ہے اور یہ بات اس ثابت شدہ حقیقت کے مخالف و متناقض ہے کہ موجودات سب کے سب از قبیل ممکن ہیں۔ ان کے عدم یا ان میں سے بعض کے عدم کی فریضیت سے کوئی خرابی اور محال عقلی لازم نہیں آتا۔

جواب:

اگر ہم موجودات میں پھیلے ہوئے اسباب کو اسباب حقیقیہ قرار دیتے ہیں کہ ان اسباب کی تاثیر ذاتی ہے اور اپنے اندر تاثیر کو پیدا کرنے والی ذات کے محتاج نہیں تو یہ معاملہ حقیقتاً مشکل بننا حالانکہ ہم اس کے قائل نہیں کیونکہ ہمیں علم ہے کہ ان میں صفت حدوث بعد العدم پائی جاتی ہے اور اس کے باوجود ان کا ذاتی طور پر موثر ہونا از قبیل مستحیل ہے ان میں تاثیر ان کے جوہر ذاتی سے کیسے پھوٹ سکتی ہے جب کہ یہ جوہر خود کچھ عرصہ قبل معدوم تھا اور کسی دوسرے سبب کی تاثیر سے معرض وجود میں آیا ہے؟

اور یہی بات اس دوسرے سبب اور اس کے علاوہ دیگر بہت سارے مختلف اسباب کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔

جب معاملہ ایسا ہے تو ان امور کا اسباب ہونا چہ معنی دارد؟

اس کا معنی و مطلب اس بات میں محصور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ اور اپنی قدرت سے ان امور اور دیگر امور کے درمیان ربط اور تعلق پیدا فرما دیا ہے اور ان کے اس باہمی ربط و تعلق کا تسلسل و استمرار ہمارے سامنے سببیت اور تاثیر کے روپ میں ظاہر ہونے لگا تو ہم نے یہ دونوں کلمے (سببیت و تاثیر) اس ربط کے لئے بطریق مجاز استعمال کر دیئے۔ تم بخوبی جانتے ہو کہ دو چیزوں کے درمیان عدم و وجود میں طول اتران بسا اوقات ذہن میں ارتباط سمی کا خیال پیدا کر دیتا ہے اگرچہ نفس الامر میں

ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا تعلق نہ بھی پایا جاتا ہو۔

اس کی مزید وضاحت اس چیز سے ہوتی ہے جس کو علماء نفسیات رد فعل شرطی کہتے ہیں یعنی ماہرین نفسیات کے ہاں تجربہ سے یہ ثابت ہے کہ نفس میں اثر کرنے والے مختلف موثرات میں سے کسی موثر کے وجود کا نگر کسی امر کے ایک ساتھ ہوا اگرچہ ایسا محض اتفاقی کیوں نہ ہو تو ایسی صورت میں موثر کے تکرار وجود کے ساتھ وجود میں آنے والا یہ امر نفس کے اندر موثر کی قوت کا کچھ اثر ضرور پیدا کرنے لگے گا اور موثر ہی کا عمل کرنے لگے گا اور اس کا نتیجہ پاس کے نتیجہ کے قریب نتیجہ دینے لگے گا۔

اور اس کی مثال ”بالوف“ کے ایک تجربہ سے دی جاتی ہے اور وہ تجربہ یہ ہے کہ وہ بھوکے کتوں کے ایک گروہ کے سامنے کھانا اس وقت ڈالتا جب ان کے کانوں میں مخصوص قسم کی ایک گھنٹی بجائی جاتی تھی۔ وہ اس عمل کو مسلسل ایک مدت تک دہراتا رہا اور وہ کتے جب بھی کھانا دیکھتے تو اس کا اثر یہ ہوتا کہ کتوں کے منہ سے رال پھٹنے لگتی۔ اس کے بعد بالوف نے ان کے سامنے کھانا ڈالے بغیر گھنٹی بجنائی شروع کی تو ان میں وہی اثر ظاہر ہونے لگا جو کھانا دیکھنے کے وقت ظاہر ہوتا تھا یعنی گھنٹی بجانے سے ہی ان کے منہ سے رال پھٹنے لگی۔

جو چیز ہمارے پیش نظر ہے اس کے لحاظ سے اس کی وضاحت یہ ہے کہ کتوں نے اپنے سامنے کھانے کے ظہور کے وقت گھنٹی کی آواز کی مقارنت دیکھی اور یہ مقارنت جو چیز ہمارے پیش نظر ہے اس کے لحاظ سے اس کی وضاحت یہ ہے کہ کتوں نے اپنے (بالوف ایک روسی عالم ہے جس کو غیر مسلم علماء نفسیات رد فعل شرطی کے نظریہ کو سب سے پہلے دریافت کرنے والا قرار دیتے ہیں، اہل عرب میں سے ان کے ظاہر بھی ان کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ بالوف کی حمایت اور اس کو اس نظریہ کا سب سے پہلا انکشاف کرنے والا قرار دینے میں بڑے مہافت سے کام لیتے ہیں حالانکہ یہی نظریہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”المصلىٰ اور تہافت الفلاسفہ میں بڑی وضاحت اور نہایت متواضعانہ عبارت کے ساتھ موجود ہے، جو قاری ہے کہ یہ نظریہ اپنی معرفت سے صاحب بصیرت عالم کو عاجز نہیں کر سکا۔ (ملاحظہ ہو المصلىٰ ج ۵، تہافت الفلاسفہ ص ۲۲۵)

سامنے کھانے کے ظہور کے وقت گھنٹی کی آواز کی مقارنت دیکھی اور یہ مقارنت ان کے سامنے ایک عرصہ تک مسلسل جاری رہی تو یہ ارتباط ان کے تصور میں راسخ ہو گیا، اس نے ان کی ذات میں ایک مخصوص اثر پیدا کیا۔ اگر ہم کہتے کہ کتوں میں ان کے درجے کے مطابق عقل ہے جس سے انہوں نے سوچا، تو کہتے ہیں کہ انہوں نے اس طول مقارنت کی وجہ سے یہ گمان کر لیا تھا کہ کھانے کے ظہور اور موجودگی کے لئے گھنٹی ہی مؤثر ہے۔

انسان کی حالت وجود کے سامنے ایسی ہی ہے جیسے کتوں کی حالت گھنٹی اور کھانے کے سامنے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ارادے کا تعلق ہے کہ زمین سے گھاس کا ظہور بادلوں سے بارش کے برسنے کے بعد ہو اور بارش کے قطرولوں کا نزول رطوبت کے مخصوص درجہ کی مقدار میں بادلوں کے تکاثف کے بعد ہو اور ایسے اللہ تعالیٰ کے ارادے کا تعلق ہے کہ تو والد و تاسل کا سلسلہ جوڑوں کے ملاپ کے وقت ہو۔ یونہی دیگر امور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان امور کے درمیان تفریق فرما دیتا، ان کے درمیان تعلق کو قطع فرما کر ان میں سے ہر ایک کو اپنی روش پر چھوڑ دیتا اور وہ ایک دوسرے سے الگ تھلک، بے نیاز نظر آتے۔

لہذا معاملہ جب اس طرح کا ہے تو ہم جس کو قانون سنیت فی الکلون قرار دیتے ہیں وہ درحقیقت خالص مقارنت کا قانون ہے۔ ہم نے اس کو یہ نام اس لئے دیا ہے کہ وہ ہمارے سامنے سنیت کے روپ میں ظاہر ہوا ہے اور ایسے ہی ہمارے خیالات میں راسخ ہو چکا ہے لیکن اس کا یہ نام رکھنا حقائق علم اور نفس الامر کے موافق نہیں جیسا کہ تم جانتے ہو۔ اسی لئے علماء نے ان اسباب کو شیہ پر اسباب جلیہ کا اطلاق کیا ہے یعنی یہ ایسے امور ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے محض مقارنت کی وجہ سے اسباب بنا دیا ہے لہذا وہ اسباب مجہولہ ہیں نہ کہ اسباب ذاتیہ مؤثرہ اور ان میں تاثیر و علیت کی جو علامات پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت ایسی نہیں ہیں بلکہ وہ صرف مقارنت ہی ہیں۔

لیکن امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اسباب کو یہ کہ معلیہ ہونے اور ان میں ایسی تاثیر کے ہونے میں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان میں رکھ دیا ہے اور جب چاہے ان سے مسلوب فرمائے، اس کے درمیان کوئی منافات نہیں سمجھتے اور وہ اسی بات کو حق قرار دیتے ہیں۔ پس مسئلہ گھنٹی اور طعام کی مقارنت کی طرح خالص مقارنت کا نہیں بلکہ یہاں سبب معاون میں تاثیر پوشیدہ ہے لیکن یہ تاثیر اس کی ذات سے نمودار نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے اندر ودیعت رکھی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ جب سبب کو سببیت سے معطل کرنا چاہے تو اس میں رکھی ہوئی قوت کو اس سے زائل فرما دیتا ہے۔

امام غزالی کی یہ تحقیق اشیاء کے ظاہر اور ان کی ایجادات کی علمی عظمتیں بیان کرنے کے ساتھ موافقت کے زیادہ قریب ہے، اگرچہ جمہور کے مسلک اور متفق علیہ مذہب سے بعید ہے۔

ہمارے خیال میں یہ اختلاف غور و فکر کے چند آسان مراحل طے کرنے کے بعد اتفاق پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ اختلاف لفظی اختلاف ہے کیونکہ اسباب کو یہ کہ تاثیر سے حتمی تاثیر مراد نہیں کیونکہ یہ تاثیر تو محض اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی وجہ سے ہے اور یہ ایسے امور ہیں، جن کا حقیقت میں اپنے سوا کسی سے کوئی تعلق نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ان اشیاء کے لئے اسباب بنایا ہے۔ خواہ ہم کہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے قوت مؤثرہ رکھی ہے یا کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں قوت مؤثرہ نہیں رکھی۔

وجود کا قانون سببیت کے تابع ہونے کی حکمت

جس سوال کا اس مقام پر اظہار ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہ اسباب معلیہ ہیں جیسا کہ تم کہتے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا کیوں اور ان مجتمع امور کے درمیان تفریق کیوں نہیں فرمائی اور ان کو ایک دوسرے سے الگ کیوں نہیں فرمایا تاکہ لوگ ان سے (الصلحی ج ۲ ص ۹۸) لیکن امام غزالی اپنی کتاب حفاظت اطفال میں اس طرف مائل ہیں کہ یہ صرف مقارنت ہے اور طول انحراف کی وجہ سے لوگ کسی قدر وجود کا تاثیر خیال کرتے ہیں۔

کے اسباب مؤثرہ ہونے کے وہم میں مبتلا ہو کر فریب نہ کھاتے۔ حالانکہ درحقیقت وہ اسباب مؤثرہ نہیں ہیں؟

جواب:

خالق کائنات کے وجود پر عالم وجود کے دلالت کرنے والے مظاہر میں سے واضح ترین مظہر اس کا خوبصورت نظم و نسق ہے۔ (جیسا کہ سابقہ صفحات میں تفصیل گزر چکی ہے) اور نظم و نسق کا مطلب سوائے اس سببیت اور علیت کے کچھ نہیں جو عالم وجود کی تمام صورتوں اور اجزاء میں جاری و ساری ہے۔ پس عالم وجود کا اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے کے لئے منظم و متنسق ہونا ہی مناسب ہے اور اس میں نظم و نسق کی تکمیل کے لئے اس کے بعض حصوں کا بعض حصوں پر مرتب ہونا مناسب ہے، بایں طور پر کہ یہ حصہ محتاج ہو اور وہ حصہ محتاج الیہ ہوتا کہ اپنے درمیان پائی جانے والی ضرورت و حاجت کے مطابق دونوں آپس میں جڑے رہیں، جب عالم وجود کا یہ نظم و نسق تم پر مکمل طور پر منکشف ہو جائے تو جو کچھ ہم نے کہا ہے اس پر تم مطلع ہو جاؤ گے۔ یعنی آپس میں مرتب و منظم مسائل کی علتوں میں تمہیں باہمی تاقض نظر آئے گا اور جب تم غور و فکر کرو گے تو ان علل و معلومات کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کرو گے اور اسی طرح سوچتے چلو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ یہ تمام علل مختلفہ ایک بہت بڑی علت پر جا کر ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ ہر اس علت کے پیچھے غنی ہے جس کو تم دیکھ رہے ہو، وہ علت کبریٰ واجب الوجود ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

یقیناً جو شخص مخصوص بکھرے ہوئے پروں اور منتشر آلات کو دیکھے تو ممکن نہیں کہ وہ ان سب کو ایک شخص کے تیار کردہ تسلیم کرے اور اس کو ان کا موجد قرار دے، لیکن جب وہ ان میں غور و فکر کرے گا اور دیکھے گا کہ ان میں سے بعض پرزے بعض کو مکمل کرنے والے ہیں اور جوڑنے کی صورت میں مخصوص نوعی عمل کو انجام دینے میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں اور جوں جوں ان کے باہمی نظم و نسق سے متعلق معرفت میں

اضافہ ہوتا جائے گا اور نظم و نسق کی باریکیوں تک رسائی حاصل ہوتی جائے گی۔ اسی قدر ان کے بنانے والے کی وحدت پر یقین میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

گویا کہ وہ ان منتشر پرزوں کو آپس میں صحیح طور پر جوڑنے لگا تو اچانک وہ اس کے ہاتھ میں ایک گھڑی کی صورت میں تبدیل ہو گئے اور وہ گھڑی وقت بتانے لگ گئی اور ایک مخصوص و معروف کارخانہ کی صنعت نظر آنے لگی۔

یوں ہی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت و یکتائی اور تمام عالم وجود کا خالق و موجد ہونے پر عالم وجود ہی سے فصیح ترین بیان مطلق اور شہادت دینے والا بنائے۔

پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سارے مخصوص امور کا مسلسل محتاج رکھا اور تمہارے ان امور کے درمیان واسطوں اور اسباب کی کڑیاں رکھی ہیں۔ جب بھی تم ان کڑیوں میں سے ایک سے دوسری جانب بڑھو گے تو تمہیں عالم وجود کے اجزاء اور اس کی جزئیات میں نظم و نسق کی ایک نئی حقیقت نظر آئے گی اور تم اپنے مقاصد اور ضروریات کے حصول کے دوران ان کے درمیان باہمی تعاون و مشارکت پر آگاہ ہوتے جاؤ گے۔ حتیٰ کہ تمہیں آخر میں یہ یقین ہو جائے گا کہ اس تمام عالم وجود کے پیچھے ایسی ذات موجود ہے جو اس کو اس طرح کا نظم و نسق بخش رہی ہے۔ اس طرح اس کو قائم فرمائے ہوئے ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ تمہیں ہر شے سے بے نیاز پیدا فرماتا اور تمام کائنات کو بھی ایسے ہی بے نیاز پیدا فرماتا تو (وہ ذات ایسا کرنے پر قادر ہے) تمہارے لئے کائنات میں پائے جانے والے نظم و نسق کی حقیقت کو دریافت کرنے کا کوئی موقع نہ ہوتا۔ جس کی وجہ سے تم عالم وجود میں اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی سب سے واضح ترین علامت کو مفقود پاتے۔

جب اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اپنے بندوں پر رحمت کا تقاضا ہوا اور جب انسان

اپنی زندگی میں اسباب و وسائل کے نظام سے مانوس ہوا اور انسان کا ذہن ان امور کو ان کے مقدمات و وسائل سے ہی وابستہ سمجھنے لگا تو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ اللہ تعالیٰ اخبار غیبیہ کو بھی اسباب کے نظام پر قائم فرمائے تاکہ انسان ان کو اپنے مانوس اور اپنے فکر و خیال کے معاد کے مطابق سمجھنے لگے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو خبر دی ہے کہ وہ دنیا میں انسان کے تمام اعمال و تصرفات کی نگہبانی فرماتا ہے تو انسان کے لئے اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نگہبانی دو ایسے فرشتے کے ذریعہ مکمل ہوتی ہے جو انسان کے اعمال و تصرفات کی نگہبانی کرتے ہیں، اس کی تمام حرکات و سکنات کو شمار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتایا کہ جس کی نیکیاں اس کی رائیوں پر غالب ہوں گی تو وہ قیامت کے روز کامیاب لوگوں میں سے ہوگا، اس کی وضاحت فرمائی کہ اس کا انکشاف ایسے ترازو کے ذریعہ ہوگا جس میں اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جہنم اور اس کے دار و نحوں کے بارے میں بتایا کہ دار و نحوں جہنم کی گہرائی اور کافروں کو اس میں عذاب دینے پر مامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ کچھ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور کچھ فرشتے انسان کی حفاظت پر مامور ہیں اور ایک فرشتہ ارواح کو قبض کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

اور یہ بات بالہدایت معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان فرشتوں کی تخلیق فرمائی اور انہیں یہ طاقت بخشی ہے اور وہ کسی چیز میں بھی ان کے واسطے اور سہولت کا محتاج نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اپنی قوت و طاقت کا اپنے بندوں کے سامنے اس صورت کے ساتھ اظہار فرمائے جس سے وہ اپنی زندگی میں مانوس ہیں اور جو ان کے خیالات و افکار کی معاد ہے۔ اس کی قریب ترین مثال قرآن کریم کا وہ صریح ارشاد ہے کہ جس میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کافروں کی زبانوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں کو حکم دے گا کہ تو وہ ان کے اعمال کی شہادت دیں گے،

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اليوم نختتم على الفواهم و نكسنا ايديهم و نشهد ارجلهم
بما كانوا يكسبون (نہین: ۶۵)

”آج ہم ان کے منہ پر ہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے
کئے ہوئے کی گواہی دیں گے۔“

ہاتھوں اور پاؤں کی اپنی ذات کے لطف یا نقصان کے لئے شہادت دینے کا کیا
مطلب ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہر غفلت پر آگاہ ہے؟

اس کا مطلب اس میں محصور ہے کہ یہ شہادت انسان پر یہ واضح کر دے گی کہ اس
مقام پر اس کے دنیا میں جتنے بھی مقام مختلف واسطے، حیلہ سازیاں اور چھپنے کے گرتے،
ان میں سے کوئی صورت بھی ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ان سب کو ان کی مثل کے ذریعہ
باطل کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے حضور جھوٹ بولو گے، تو اللہ تعالیٰ
تمہارے جسم کے کسی دوسرے حصے کو گویا عطا فرمائے گا، جو تمہاری زبان کے جھوٹ
کو ظاہر کر دے گا۔



(۱۰) جس کا عقیدہ رکھنا مسلمان پر واجب ہے

یہ آخری مسئلہ ہمارے ذکر کردہ سابقہ تینوں مسائل کا ثمرہ ہے۔ مسلمان کو اس
بات پر غیر متزلزل عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ عالم وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مؤثر
نہیں، اسباب و علل کے جو مظاہر ہمیں نظر آتے ہیں وہ سب کے سب اسباب اور علل
علیہ ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بنایا ہے۔

بعض دفعہ ان میں تحقیق کرنے والا ایسی چیزیں محسوس کرتا ہے، جنہیں علم
سبب و اثر اور عوامل قرار دیتا ہے تو وہ صرف ظاہری اعتبار سے مؤثرات و عوامل ہیں کیونکہ
ہم اشیاء کو اسی طرح بیان کرتا ہے جس طرح وہ اپنے باریک ترین مظہر میں ہوتی ہیں
اور پھر اس بیان کی واقع متکرر میں تجربہ کے ذریعہ مشق کی جاتی ہے۔ علم صرف واقع کو
بیان کرتا ہے اور مزید کسی چیز کو بیان نہیں کرتا اور یہ واقع صرف مسلسل مقارنت کو بیان
کرتا ہے۔ لیکن امکان انفصال تو یہ ایک الگ چیز ہے اور یہ بہت بعید بات ہے کہ علم
کی رسائی اس حد تک ہو کہ اسباب کی اپنے مسببات کے ساتھ مقارنت امر حتمی ہے اور
ان کے درمیان تلازم کے سوا کوئی چارہ اور ان کے درمیان انفکاک کا کوئی حیلہ نہیں
ہے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے، اس پر قطعی دلیل کے قائم ہونے کی وجہ سے اس کا
انکار بالاجماع کفر ہے اور اس کے انکار کے بعد نہ ہی اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے اثبات

کا کوئی معنی رہتا ہے اور نہ ہی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مجربات و خوارق
ایمان رکھنے کا کوئی معنی رہتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹکڑا نہ
جانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باپ کے واسطے کے بغیر ولادت اور آپ کا ہاتھ
اندھوں کو بینا کرنا، برص والے کو درست کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا۔ ان سب مجربات
پر قرآن کریم کی واضح نصوص دلالت کر رہی ہیں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے ان سب
اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان جامع ہے:

انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون ○

”بے شک اسی کا حکم ہے جب کسی چیز کا یہ کہتے ہوئے ارادہ کرتا ہے کہ ہو
جاتو وہ (فورا) ہو جاتی ہے۔“

صحت عقیدہ کی صورت میں ایسے الفاظ کے استعمال میں کوئی حرج
نہیں جو بعض اشیاء کی بعض کے لئے سینیت پر دلالت کرتے ہیں
اس کے بعد تم مسلمان کے ان الفاظ کے استعمال کا حکم دریافت کرو گے، جو بعض
اشیاء کی سینیت اور ان کی تاثیر کو تعبیر کرتے ہیں اور ان کا یہ استعمال طول افس اور اس
کے اسباب ذاتیہ موثرہ کے روپ میں ظاہر ہونے کے سبب ہوتا ہے جیسا کہ کہا جا
ہے، مجھے اس دواء نے فائدہ دیا اور مجھے اس طبیب نے شفاء دی اور کھیتی کی بارش کی
کثرت نے بڑھا دیا اور ایسے مسلمان انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے توسل کرتے
ہیں اور ان کے آثار و بقیات سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔

جواب:

اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کے لئے ذاتی تاثیر کا اعتقاد رکھے تو بالاتفاق یہ کفر
ہوگا جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔ لیکن اگر عقیدہ یہ ہو کہ ان میں موثر تو صرف اللہ تعالیٰ کی
ذات ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ تعبیر جس قانون سینیت جعلیہ پر عالم وجود

ہم اس کے ظاہر کے موافق ہے۔

صل و نظام اور انبیاء کرام سے توسل میں بدرجہ اولیٰ کوئی حرج نہیں
یہ بات جب دواء طبیب اور بارشوں کے حق میں ہے کہ ان کے بارے میں
الفاظ استعمال کرنے میں کوئی حرج و نقصان نہیں تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
کے حق میں کسی قسم کا حرج و نقصان کا نہ ہونا بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ مثلاً ان سے توسل کرنا اور
ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنایا ہے۔ جس کا صریح بیان اپنی کتاب
میں فرمایا ہے۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين ○ (انبیاء: ۱۰۷)

”اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

پس اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کی رحمت کے لئے نبی بنایا
ہے پھر مسلمان کا اس ذات سے (کہ جس کو یہ شرف بخشا ہے اور تمام مخلوق کے لئے
رحمت بنایا ہے) توسل کرنے میں کیا حرج ہوگا؟

تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اس معنی کا شعور کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا تھا
بلکہ انہوں نے بہت سارے مختلف مواقع میں توسل اور آپ کے آثار و بقیات سے
تبرک حاصل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہ بہت ساری صحیح احادیث سے ثابت
ہے کہ جن تک وہم و گمان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

تعبیر تو ان لوگوں سے ہے جو امور کو ان کے صورتی اسباب کی طرف منسوب
کرتے رہتے ہیں بلکہ بہت سارے اسباب کو ایسے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں جو انہی
اسباب کے موثر ہونے پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ شفاء کی نسبت دواء کی طرف کرنا یا
شفاء کو طبیب سے طلب کرنا، پھر تم ان لوگوں کو دیکھو گے کہ لوگوں کی جانب کان لگائے
رہتے ہیں حتیٰ کہ جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل یا تبرک کا کوئی کلمہ کسی سے

مٹتے ہیں تو فوراً اس پر شرک و کفر کا حکم دماغنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں حالانکہ انہیں
کرنے والے نے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف تاثر کی نسبت کی ہے
اور نہ ہی اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس سے زیادہ کچھ کہا ہے
لوگ جو اپنے طبیبوں اور ان کی جزی بوٹیوں کے حق میں کہتے ہیں تو کیا شفاء کے لئے
دعاء کی سیرت، رحمت و برکت کے لئے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے
زیادہ ہے؟

لیکن ہم وہاں نہ سیرت کے قائل ہیں اور نہ یہاں، البتہ دوا اور طبیب میں پائی
جانے والی سیرت جعلیہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں مغفرت، رحمت اور
برکت کے لئے پائی جانے والی سیرت جعلیہ کے دسویں حصہ تک بھی پہنچنا ناممکن اور
بعید از عقل ہے۔

عقل کو حیرت زدہ کرنے والی عجیب بات تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں کو یہ کہتے ہوئے
دیکھو گے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل اس لئے کیا تھا کہ آپ
اس وقت حیات ظاہری کے ساتھ موجود تھے لیکن آپ کے وصال فرمانے کے بعد آپ
سے توسل باطل ہو گیا اس کا حکم لغو ہو گیا اور اب شرک و کفر بن گیا ہے۔

یہ بات تو وہی آدمی کہہ سکتا ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات
اور اپنی جسمانی قوت سے اپنے متوسلین و متبرکین کے لئے وسیلہ تاثر بن جایا کرتے
تھے۔ جب آپ کا وصال ہوا تو وسیلہ تاثر بھی ختم ہو گیا اور اب آپ سے توسل، ایسی
ذات سے توسل کرنا ہے جو کسی قسم کی تاثر کی مالک نہیں، یہ تو کفر محض ہے جس چیز سے
فرار اختیار کرنا چاہتے تھے اس سے زیادہ بری چیز میں گرنا ہے۔ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو کسی چیز میں بھی ذاتی تاثر حاصل نہیں، نہ ہی حیات میں اور نہ ہی بعد از وصال
اور جو اس کے برعکس عقیدہ رکھے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر
ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل و تبرک کا مدار تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف

ہے آپ کی تکریم اور آپ کو بندوں کے لئے وسیلہ رحمت بنانے کا ہے یہ تکریم و شرف
آپ کی ذات سے وصال کی وجہ سے منقطع اور جدا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ لمحہ بہ لمحہ
آپ کے شرف و علوم میں اضافہ فرماتا رہتا ہے جیسا کہ معلوم ہے۔

خلاصہ کلام مسلمان پر یہ جاننا لازم ہے کہ تمام اسباب کا مسبب اللہ تعالیٰ ہی ہے
اور یہ تمام اسباب صرف اسباب صوری ہیں، ان کی ذات کا کوئی دخل نہیں۔ پس اس
عقیدے کے بعد اگر کسی شیء میں ایسی تعبیرات کو استعمال کرے، جو عالم وجود کے
اسباب علیت و سیرت پر قائم ہونے کی وجہ سے اس کے صوری نظام کے ساتھ متفق
ہوں۔ اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہی واحد مسبب ہے تو کوئی حرج نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل اس عموم میں داخل ہے، لیکن دیگر مظاہر
کو یہ کو سبب قرار دینے سے ممتاز ہے کیونکہ آپ سے توسل اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل
کرنے کا ذریعہ اور عمل ثواب بھی ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک جانب سے عمل صحابہ کرام کی
اتباع ہے تو دوسری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

عالم وجود کے امور اور مظاہر سے متعلق جو عقیدہ رکھنا واجب ہے یہ اس کا خلاصہ
اور اجمالی بیان ہے، جس سے متعلق علمی براہین کی ہم نے وضاحت کر دی ہے۔

مظاہر کائنات کی تسخیر

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے کہ اس کے دوران تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ
کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اس عالم وجود کی سیادت انسان کو بخشی جائے اور عالم وجود
کے وہ مختلف مظاہر جو انسان کے گرد و پیش ہیں وہ اس کی خدمت کے لئے مسخر اور اس
کے مصالح کے حصول کے لئے رواں دواں رہیں۔ اس کے لئے اس کی عقل (عقل وہ
حقیقت قدسیہ ہے، جو انسان کے سوا کسی کو عطا نہیں کی گئی) میں ایسی چیز ہو جو اس کو
عالم وجود کے بہت سارے امور پر اپنے ارادے سے اپنا غلبہ و تسلط قائم کرنے اور ان
میں تصرف کرنے پر قادر بنادے۔

انسان سے ہماری مراد انسان کی حقیقت و ماہیت ہے، قطع نظر عموم افراد کے، کیونکہ انسان سے اگر مراد عموم افراد یا جس ہوتا تو یہ کلام صادق نہ رہے گا جیسا کہ ظاہر ہے۔

خالق کائنات کا کلام اسی حقیقت کو ایسی صورت کے ساتھ بیان فرما رہا ہے، جس نے کسی قسم کا شبہ اور انہما ہائی نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

الْعَمَلُ تَرَوْنَ اِنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّبِينٍ (آدمان ۲)

”کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی ساری چیزیں تمہارے لئے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں؟ اس پر حال یہ ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو یا ہدایت، یا کوئی روشنی دکھانے والی کتاب ہو۔“

جب تم نے اس حقیقت کا اور اک کر لیا ہے تو یقین کر لو کہ انسان کا غور و فکر کے ذریعہ عالم وجود کے بہت سارے ان مختلف حقائق جو اس کے گرد و پیش، قریب یا بعید ہیں، کی معرفت تک رسائی حاصل کرنے میں کوئی دینی خطرہ نہیں پایا جاتا ہے جیسا کہ بعض جہال کا وہم و خیال ہے اور نہ ہی اس کے بعد ان حقائق تک حس و مشاہدہ کے ذریعہ رسائی میں کوئی دینی مانع پایا جاتا ہے۔ مثلاً فضاء کے طبقات کو عبور کرنے اور سیارات قریب و بعید یہ کو در یافت کرنے بلکہ ان تک چڑھنے اور ان میں قیام کرنے میں بھی اگر ایسا ممکن ہو تو، اور ایسے ہی مسلمان کا ان امور میں سے کسی کے معرض وجود میں آنے کی خبر کی تصدیق کرنے میں بھی کوئی دینی مانع نہیں پایا جاتا۔

کیونکہ یہ تمام امور اس تسخیر کے معنی کے ضمن میں داخل ہیں جس کے ساتھ قرآن کریم نے تعبیر فرمائی ہے، بلکہ یہ کلمہ واضح اعلان کر رہا ہے کہ اگر انسان اپنی مکمل عقل و

عقل کو استعمال کرے تو وہ بہت سارے حقائق کو نیپے کی گھرائیوں کو پرکھ اور ان تک فکر و مشاہدہ اور لمس کے ذریعے رسائی حاصل کر سکتا ہے ورنہ کلام تسخیر اپنی حقیقت پر قائم نہ رہے گا اور نہ ہی اپنے مکمل معنی کو شامل ہوگا۔

اگر تعجب آئے تو مشرق و مغرب کے ان غلاموں سے تعجب آئے جنہیں تم دیکھو گے کہ اپنی باچھیں کھولے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ فضاء کے زمانہ نے دین کو منسوخ کر دیا ہے اور علمی و سائنسی ترقی نے پرانی کہانیوں اور قصوں کے نقاب ہٹا دیئے ہیں۔ یہ ایسے نشے اور مستی میں کہتے ہیں جو ان کے پہلوؤں کو حرکت دے رہا ہوتا ہے۔ گویا کہ یہ وہی لوگ ہیں، جو فضاء پر مکند ڈال رہے ہیں اور سیاروں کے گرد و پیش گھوم رہے ہیں یا گویا کہ یہ آواز ان کے پہلوؤں میں ایسے دو پر لگا رہی ہے جو انہیں گمنامی کی جگہ سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک یا ستاروں اور افلاک کی گردش کی جگہ تک پہنچا دیں گے۔ یا گویا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ساری سلطنت و بادشاہت کو چھانٹ مارا ہے جس کے سبب انہوں نے یقین کر لیا کہ نہ کوئی خالق ہے اور نہ ہی کوئی معبود مجھے اپنے خالق کی قسم کہ ہر شیء سے جاہل انسان سے زیادہ ذلیل وہ انسان ہے جس کا معمولی سا علم اس کو اس کی بڑی جہالت و نادانی سے غافل و مدہوش کر دے اور ان دونوں سے بھی زیادہ ذلیل وہ جاہل اور کامل انسان ہے جو دوسروں کے علم اور ان کی محنتوں پر فخر کرتا ہے۔

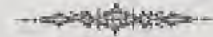
میرے عقل مند بھائی تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ عالم وجود اپنی باریکیوں میں ہم سے صرف جہالت کے پردوں کی وجہ سے محبوب ہے۔ پس جو بھی شخص اپنی عقل کو فکر و علم کے لئے تیار کر دے اور اس کی راہ کو عبور کرنے میں صابر رہے۔ اس کے لئے اس کی کتاب کشائی ممکن ہے اس میں مومن و کافر اور صالح و فاجر برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی اعضاء سب میں برابر تقسیم فرمائے ہیں اور سب کو عقل و فکر بخشی ہے۔ اگر یہاں پر کوئی فرق ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ مومن کو اپنے ساتھ مخصوص جذبہ ایمانی کے ساتھ اس دریافت کی محبت کے جذبہ کے ذریعہ عالم وجود کے حقائق کی گہرائی تک رسائی اور اس کی

نقاب کشائی کی دعوت دی گئی ہے۔ جس میں تمام اہل عقل شریک ہیں۔
اور مومن جب بھی یہ آیت کریمہ تلاوت کرتا ہے تو یہ جذبہ اس کے اندر ابھرتا رہتا ہے۔

قل انظروا ماذا فی السموات والارض (یونس: ۱۰۱)

”فرما دیجئے کہ جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اس میں غور و فکر کرو۔“

اس کی مش بہت ساری آیات قرآن کریم میں موجود ہیں اور یہ خالی پروپیگنڈہ کرنے اور اقتدار جمانے کی دوز میں آگے بڑھنے اور طغیان و سرکشی کے اسباب قائم کرنے کی خاطر غیر مہذب مقابلہ و منافہ کے لئے نہیں بلکہ خالق کائنات کے لئے مکمل عبودیت کے سائے میں رہ کر تمام انسانیت کی سعادت کو قائم کرنے والے اسباب کی زیادتی کے حصول کی خاطر جس کی بھی تسخیر ممکن ہو، اس کی تسخیر کرنے کے لئے ہیں۔



(۱۱) الغیبات

مقدمہ

غیبات سے کیا مراد ہے؟

مختصر اور جامع لفظوں میں ہم کہتے ہیں کہ یہاں پر غیبات سے مراد ہر وہ شے ہے جس پر ایمان کا ذریعہ صرف خبر یقینی ہو۔ لہذا بریں پہلی تینوں قسموں (الہیات، نبوت اور کونیات) کی تحقیق کے دوران جو حقائق ہم نے پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی شے غیبات میں داخل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کی معرفت نظر و عقل کے ذریعہ آسان تر ہے بہ نسبت خبر یقینی کے اور ایسے ہی انبیاء کرام کی نبوت، جو کچھ انہیں دے کر مبعوث فرمایا گیا ہے ان پر بھی ایمان عقل و نظر کے ذریعہ ممکن ہے اور کونیات کی تحقیق کے دوران جو حقائق ہم نے پیش کئے، وہ بھی حکم عقل کے تابع ہیں کیونکہ ان حقائق کا تعلق ایسی اشیاء کے ساتھ ہے جو مخلوق اور موجود ہیں، صرف اخروی امور سے ان کا تعلق نہیں، لیکن یہاں کچھ ایسے امور ہیں جن تک ہماری رسائی سوائے خبر یقینی کے ممکن نہیں، نہ ہی ان کا مضمون اب تک ثابت ہوا ہے اور وہ ہم سے محبوب اور مخفی ہیں، ان کا وجود صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ان کی مثال وہ اخبار یقینیہ ہیں جو علامات قیامت اور انسان کے مرنے کے بعد جن امور سے اس کا سابقہ پڑنا ہے۔ ان امور پر (لیکن قرآن مجید میں غیب سے مراد ہر وہ شے ہے جو عوام سے غائب ہو۔ اس بنا پر وہاں اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان اور فرشتوں اور جنوں پر ایمان غیب میں داخل ہے۔)

کے بارے میں وارد ہیں اور ایسے ہی وہ اخبار بقیہ، جو قیام قیامت اور اجساد کا ارواح سمیت اٹھائے جانے اور حساب، میزان اور پل صراط، جنت و دوزخ کو بیان کر رہی ہیں۔ پس یہ امور ایسے ہیں اگر خبر یقینی ان کے وقوع کی خبر نہ دیتی تو نہ عقل ان کا تصور کر سکتی ہے اور نہ ہی ان پر ایمان لانے کا کوئی ذریعہ تھا ان امور کے بارے میں وارد خبر یقینی بھی عقل کو ان امور کے احساس یا ان میں سے کسی کے تشیل پر قادر نہیں بنا سکی کیونکہ وہ ابھی تک موجود ہی نہیں، نہ ہی انسان کے سامنے ان کا کوئی نمونہ گزرا ہے اور نہ ہی ان کی کوئی مثال و نظیر گزری ہے تاکہ بطریق قیاس معاملے کو سمجھا جاتا، اسی لئے ان امور کو غیبات یا مغیبات کا نام دیا جاتا ہے۔

غیبات کو سمجھنے اور ان پر اعتقاد رکھنے کے بارے میں علمی منہج کیسے منطبق کیا جائے گا؟

ان امور غیبیہ کو پیش کرنے اور ان پر اعتقاد رکھنے کی ضرورت بیان کرنے سے پہلے ہم پر یہ دریافت کرنا لازم ہے کہ غیبات کا جب یہ حال ہے اور جب یہ ان کی حقیقت ہے تو پھر ہمارے لئے عقل و علم کے ہاں مقبول علمی منہج کا کون سا طریقہ اختیار کرنا ممکن ہے جو ان پر اعتقاد رکھنے کا باعث ہو؟

پہلے تمہارے سامنے چند باہم تضادہ مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن میں اس سوال کا جواب تمہیں مل جائے گا۔

(۱) تم اپنے ہاتھ میں پانی سے بھرے گلاس کو پانی پینے کی غرض سے دیکھ رہے ہو اور اس اثناء میں طبیب تم سے کہہ دیتا ہے کہ یہ پانی گدلا ہے، تمہاری زندگی کے لئے سخت نقصان دہ ہے اور طبیب تم سے یہ بات اس حال میں کہہ رہا ہے کہ تم طب اور اشیاء کے عناصر اور ان کے خواص اور طبائع سے بالکل ناواقف ہو۔ پس تم اتنی بات جانتے ہو یہ کہنے والا طبیب حاذق اور سچا ہے۔

(۲) تمہیں یہ خبر پہنچی کہ فلکیات کے ماہرین اور رصد گاہوں کے اہل علم نے یہ اطلاع دی ہے کہ چند دنوں کے بعد فلاں مخصوص رات کے فلاں مخصوص گھنٹے میں چاند گرہن لگنے والا ہے۔ تم نے اس کی تحقیق کی تو تمہیں یقین حاصل ہو گیا کہ یہ محض افواہ نہیں بلکہ سرکاری اداروں کی جانب سے دی گئی خبر ہے، جو مخصوص مصادر سے یقینی ذریعہ کے ساتھ منقول ہے۔

(۳) تمہیں سرکاری باوقوف مصادر سے پتہ چلا کہ بجلی گھر کے ذمہ دار افراد فلاں رات کے فلاں گھنٹے میں برقی رو منقطع کریں گے۔

یقیناً تم مثال اول میں پانی پینے کے نقصان کا یقین کر لو گے، اس کے پینے سے آ جاؤ گے اور مثال ثانی میں تمہیں مخصوص رات کو مخصوص وقت میں چاند گرہن کا یقین ہو گا اور اسی طرح مثال ثالث میں معین گھنٹے کے اندر بجلی کے منقطع ہونے کا یقین ہو گا اور تم اس کے لئے تیاری شروع کر دو گے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمہیں ان امور کا یقین کیوں ہوا اور وہاں کون سی یقینی، علمی برہان تھی کہ جس نے تمہاری عقل کو تصدیق کرنے پر مجبور کر دیا؟

جواب:

تمہاری عقل ان کی تصدیق پر دو برہانوں کی وجہ سے مجبور ہوئی ہے جن میں سے پہلی برہان تو تمہارا یہ یقین ہے کہ طبیب حاذق اور صادق ہے۔ طب ایک ثابت علمی حقیقت ہے، تمہارا ماہرین فلکیات اور خلائی رصد گاہوں کے اہل علم کے بارے میں ہونے والے انقلابات اور سورج گرہن و چاند گرہن وغیرہ امور سے آگاہ رہتے ہیں تمہارا یہ یقین ہے کہ شہر میں روشنی کے نظام کا دار و مدار فلاں مخصوص بجلی گھر سے ہے اور روشنی سے متعلق تمام امور اس کے سپرد ہیں اور دوسری برہان یہ ہے کہ تمہیں طبیب کی گفتگو اور خلائی رصد گاہ والوں اور بجلی گھر والوں کی اطلاع پر یقین ہے کیونکہ یہ ایک ایسی یقینی خبر ہے کہ تمہارے تک سرکاری اداروں کے ذریعہ منقول ہے جس میں کسی قسم

کی تاویل اور جھوٹ کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

لہذا برہان اول کا ثبوت اور برہان ثانی کا اس پر مبنی ہونے نے تینوں خبروں کے یقین کا نتیجہ دیا، اگرچہ ان تینوں خبروں کا مضمون ابھی تک وجود میں نہیں آیا۔ اسی سبب سے ہم انہیں امور غیبیہ کہتے ہیں۔

ہر انسان کو یقین ہے کہ ملک میں جرائم کا قانون ایک علمی حقیقت ہے اور اس الامر اس کو تسلیم کرتا ہے اور اگر وہ ان دو برہانوں پر اعتماد کرنے والا نہ ہوتا تو اس کا ایسا ہونا بھی ممکن نہ ہوتا اور نہ ہی کسی انسان کے لئے کسی غیبی حساب کا گمان کرنا اور جرائم کے ارتکاب کی صورت میں اس کے لئے کسی سزا کے ملنے کا تصور کرنا درست ہوتا اس کی تصدیق اور اس پر یقین رکھنا تو ایک طرف رہا۔

لیکن جب لوگوں کو حکومت کی قوت و تسلط اور اس کے فیصلہ کے بارے میں یقین ہو جائے گا اور اس کے بعد انہیں جرائم و جنایات کے مرتکب افراد کے لئے حکومت کے اپنے اوپر لازم کردہ رویہ کی خبر یقینی طور پر پہنچ جائے گی تو ان کے لئے ان جرائم کے ارتکاب کی صورت میں ان سزائوں کی تطبیق و تصفیہ کا یقین کر لینا ضروری ہو جائے گا۔ لیکن جو شخص شک میں مبتلا ہوگا۔ وہ آپ سے کہے گا کہ میں تو صرف اسی چیز کی تصدیق کروں گا جو تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوگی۔ اس صورت میں آپ کو یا تو اس کے طریقہ، تعلیم اور سوچ کی اصلاح کرنی پڑے گی یا پھر اس کے لئے ایسی راہ کی رہنمائی کرنی پڑے گی جو اس کو برہان تجربہ و مشاہدہ پر پہنچا دے۔ بایں طور کہ وہ اپنے گلے میں پچائی کے پھندے کو دیکھے اور پھر اس کو تجربہ بے جان اور بے حس و حرکت لاشہ بنا کر چھوڑ دے۔

ان واضح حقائق (کہ جن میں کوئی عقل مند شک نہیں کر سکتا) کو پیش کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان نہ رکھتا ہو اور انبیاء و رسولوں کی بعثت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کو تسلیم نہ کرتا ہو ایسے شخص سے غیبی حقائق سے متعلق

کچھ کہنا بے سود مضحکہ خیز بات ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے تم فوجداری قانون کی کسی دفعہ کے بارے میں کسی ایسے شخص سے گفتگو کرو جو حکومت کا مطلب ہی نہ سمجھتا ہو اور نہ ہی اس بارے میں کسی ذمہ دار ذات کے وجود کو تسلیم کرتا ہو۔ یا اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر ہمارے گھر میں سے متعلق ایسے انسان سے باتیں کرو جو کسی ایسی چیز کے وجود کو تسلیم نہ کرتا ہو جس کا نام خلائی رصد گاہ ہے اور نہ ہی کسی ایسے علم کے وجود کو تسلیم کرتا ہو جس کا نام فلکیات ہے۔ لہذا جس شخص میں اس قسم کی بات سمجھنے اور یقین کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو اس کے ساتھ اس طرح کی بات کرنا ہی بے سود ہے۔

لہذا اس قسم کے منکر کو ہم الشہیات کے حصہ میں پیش کئے گئے واضح حقائق کی طرف رجوع کرنے کا کہیں گے اور اس کے بعد نبوات کے حصہ میں پیش کردہ واضح حقائق کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرنے کا کہیں گے حتیٰ کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لے آئے، اس کے بعد رسولوں اور نبیوں پر اور قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لے آئے گا اور ان حقائق کو قبول کرنے اور ان کی تصدیق کرنے میں صرف اتنا عرصہ صرف کرے گا کہ آیا ان کی اطلاع دینے والی خبر قطعی ہے اور یقینی خبر کی تمام معروف حقیقتات پر مشتمل ہے یا کہ نہیں۔ جب اس کو خبر کی قطعیت اور جملہ شرائط کی جامعیت یقین ہوگا تو بغیر کسی تردد کے ان امور کی تصدیق کر لے گا۔

لیکن تمہارا کسی ایسے انسان پر مطلع ہونا جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان نہ رکھتا ہو، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر بھی ایمان نہ رکھتا ہو اور اس کے باوجود کتاب اللہ میں بعثت غیبی یقینیات میں سے کسی کا انکار کرتا ہو۔ پس یہ ایسی چیز ہے جس کا وقوع ناممکن ہے اور جو ان میں سے کسی شے کا انکار کرتا ہے تو وہ صرف اسی لئے انکار کرتا ہے کہ وہ اگلی تک سابقہ عظیم حقائق پر ایمان نہیں رکھتا، اگرچہ وہ لوگوں کو یا اپنی ذات کو اپنے ایمان ہونے کے وہم میں مبتلا کر رہا ہو۔

جب یہ بات تم پر واضح ہو چکی ہے تو اب ہم ان غیبی حقائق کو پیش کرتے ہیں کہ

جن کو تسلیم کرنا عقل کے لئے ان سابقہ حقائق کے تسلیم کرنے کے بعد ضروری ہے اور ہم ان میں سے ہر ایک کے دلائل کو ذکر کر کے کلام کو طویل نہیں کریں گے جس طرح کہ سابقہ مباحث میں ہم نے کیا تھا کیونکہ ان کے دلائل صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے بارے میں خبر یقینی کا درود ہی ہے اور جب ہم نے فکر کی تو ہمیں معلوم ہوا کہ ان میں وارد خبر کی سند متصل اور نہ اس میں کوئی شذوذ ہے اور نہ کوئی علت ہے۔ اس کے باوجود وہ خبر ایسے طرق کثیرہ سے منقول ہے کہ جن کی وجہ سے درجہ ثواب تک پہنچتا ہے۔ عقل کو اس کی تصدیق اور اس پر یقین رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

یہ حقائق غیبیہ درج ذیل تین امور میں منحصر ہیں۔

(۱) وہ حقائق جن کا تعلق موت سے ہے۔

(۲) علامات قیامت

(۳) روز قیامت اور اس کے حوادث

موت سے متعلق حقائق

موت کو ہر انسان جانتا ہے کہ وہ مشاہدہ میں آنے والی ایک محسوس حقیقت ہے اور یہ غیبی امور میں سے کسی میں داخل نہیں۔ موت ہی اس عالم وجود کی سب سے بڑی حقیقت کا حال ہے، موت ہی وہ حقیقت ہے کہ جس کے سامنے سنگبرین کا تکبر اور ملحدین کا عناد، باغیوں اور الوہیت و خدائی کے دعویداروں کی سرکشی کا نور بن جاتی ہے اور موت ہی وہ حقیقت ہے جو صفحہ ہستی پر انتہاء و فنا کی چادر کھینچ دیتی ہے، تمام انسانی حیات کو آسمان اور زمین کے بادشاہ و خالق کے لئے فروتنی و خاکساری اور عبودیت کے رنگ میں رنگ دیتی ہے اور موت ایسی حقیقت ہے جس کو بخوشی یا بہ مجبوری نافرمان و فرماں بردار، رؤسا و خدائی کے دعویدار، رسل عظام و انبیاء کرام، مقررین و صوفیاء، انبیاء و فقراء، اہل علم و اہل باب اختراع پہنچتے ہیں۔

موت ایسی حقیقت ہے، جو ہر زمان و مکان میں اور ہر سامع کے کان اور ہر نظر

میں اعلان کرتی ہے کہ الوہیت و معبودیت صرف اسی ذات کے لئے ثابت ہے۔ یہ وہ ذات ہے جس کے فیصلے کو ٹالنے والا کوئی نہیں، جس کی سلطنت کی کوئی حد نہیں، جس کی حکومت سے کوئی خارج نہیں اور جس کے امر کو کسی طالب نہیں۔

یہ ہے موت کی حقیقت جو مشاہدہ میں آنے والا محسوس امر ہے جس کا غیبیات کوئی تعلق نہیں، لیکن یہاں چند ایسے امور ہیں، جنہوں نے موت کو ہر طرف سے احاطہ کیا ہوا ہے اور ان کے بارے میں وارد خبر یقینی کے سوا ان کو جاننے کا کوئی دیگر چارہ نہیں۔

یونکہ حسی طور پر ان امور کا انکشاف صرف اسی شخص کو ہوتا ہے، جس پر حالت طاری ہو چکی ہے جو سکرات موت کی مشقت میں مبتلا ہو چکا ہے اور جو موت سے پہلے کے موت کے بعد والی حیات برزخیہ تک پہنچ چکا ہے۔ اسی لئے یہ امور اس وقت تک مغیبات ہیں جب تک ہم اس دنیا کی گزر گاہ سے گزر رہے ہیں اور جب تک ہم اس انتہاء کو نہیں پہنچتے جس تک ہر زندہ مخلوق نے پہنچنا ہے۔

اور وہ امور غیبیہ درج ذیل ہیں۔

(الف) ملک الموت اور اس کا ارواح کو قبض کرنا

(ب) سوال قبر

(ج) قبر کا عذاب اور اس کی راحتیں

اب ہم ان میں سے ہر ایک کو الگ سے بیان کرتے ہیں۔

(۱) ملک الموت

یقیناً مرنے اور جلانے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے اور وہی جب اسے ارواح کو قبض فرماتا ہے اور موت دیتا ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان

اللہ یعوفی الانفس حين موتها۔ (الزمر: ۴۲)

”اللہ ہی جانوں کو وفات دیتا ہے، ان کی موت کے وقت۔“

لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ وہ قبض ارواح کا کام اپنے مقرر فرشتوں میں سے کسی کے سپرد فرمادے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی مخلوق کے وجود کو ان اسباب جلیبہ سے متعلق فرمادے جنہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنی مشیت سے مربوط فرمایا ہے۔

اور اس پر ایسی خبر یقینی دلالت کر رہی ہے جس میں کوئی احتمال نہیں اور اللہ تعالیٰ فرمان ہے:

قل يتوكلون على الملك الموت الذي وكل بكم ثم الي ربكم

ترجعون ۝ (البقرہ: ۱۵۷)

”فرما دو کہ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

اور یہ فرشتہ بڑی عظمت والا فرشتہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو ملک الموت کا نام دیا ہے (جیسا کہ آیت کریمہ سے تمہیں معلوم ہو چکا ہے) اور بعض آثار میں ان کا نام عزرائیل وارو ہے جس کا معنی عبد الجبار ہے اور وہ اسی عزرائیل کے نام سے مشہور ہے۔ مجاہد حضرت عزرائیل کے بارے میں کہتے ہیں کہ تمام روئے زمین ان کے لئے سمیٹ دی گئی ہے حتیٰ کہ وہ ان کے لئے ایک طشت کی مانند بن چکی ہے اور جب چاہتے ہیں اس سے اٹھا لیتے ہیں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اس کو زہیر بن محمد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت کیا ہے اور ابن عباس نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ لیکن اس مقام پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ملک الموت کے مددگار فرشتے بھی ہیں جو ارواح کو اجساد سے جدا کرنے میں مدد کرتے ہیں یا سارا معاملہ تنہا ملک الموت ہی کے سپرد

کتاب

یہ مسئلہ حیز اجتہاد میں داخل ہے۔ جمہور کا مذہب ہے کہ بہت سارے فرشتے ملک الموت کے مددگار ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کے ساتھ اس کام کی انجام دہی سپرد فرمایا ہے۔ اس کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

ان الذين تتوفهم البلائكة ظالمی انفسهم قالو فيم كنتم

(النساء: ۹۷)

”وہ لوگ جن کی فرشتے جان نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے پر ظلم کرتے تھے فرشتے ان سے کہتے ہیں تم کا ہے میں تھے۔“

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حتى اذا جاء احدكم الموت توفته رسلنا وهم لا يفرطون ۝

(الانعام: ۶۱)

”یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح کو قبض کرتے ہیں اور وہ قصور نہیں کرتے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو پیدا فرمایا، ارواح کو قبض کرنے، ان کو اجساد سے الگ کرنے اور نکالنے کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے لشکر کو بھی پیدا فرمایا ہے جو ملک الموت کے ہمراہ ہوتا ہے اور اس کے حکم سے اس کے عمل کو انجام دیتا ہے۔ پس ملک الموت روح کو قبض کرتا ہے اور مددگار فرشتے اس عمل کو انجام دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ روح نکالتا ہے۔

مختلف احادیث و آثار بتا رہے ہیں کہ جب انسان اپنی زندگی میں اچھے اور صالح حال والا ہوتا ہے تو ملک الموت اس کے ساتھ زیادہ نرمی کا برتاؤ کرتا ہے۔ موت اس پر زیادہ آسان ہوتی ہے، اگر انسان اپنی زندگی میں برائی اور نافرمانی میں منہمک رہتا

ہے، تو ملک الموت اس کی روح قبض کرنے میں سختی سے پیش آتا ہے۔ موت اس زیادہ شدید ہوتی ہے۔ لیکن یہ کوئی دائمی قانون نہیں۔ پس یہ موت سے متعلق غیبی حقائق میں سے پہلی حقیقت ہے۔ مسلمان پر اس کے بارے میں پختہ عقیدہ رکھنا لازم ہے کیونکہ اس کے متعلق خبر یقینی وارد ہے۔

(۲) سوال قبر

جب انسان پر موت واقع ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ڈراؤنی اور خوفناک شکل کے دو فرشتوں کو بھیجتا ہے جو اس میت سے اس کے اس نظام حیات کے بارے میں سوال کرتے ہیں جس پر اس نے اپنی زندگی بسر کی ہوئی ہوتی ہے۔ اس شخصیت کو جاننے کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ جس شخصیت کے بارے میں اس نے سنا ہوتا ہے اور وہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ پس جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے قول ثابت پر استقامت نصیب فرمائی ہو، جس کی موت حق پر آئی ہو اور جس کا خاتمہ بالخیر ہوا ہو، اس کو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سوال کا جواب الہام فرمادیتا ہے اور اس پر فرشتوں کے خوفناک منظر کا خوف بھی طاری نہیں ہوتا، جو انسان اپنی دنیاوی حیات میں ایمان کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے والا نہ ہو اور جس کی موت غفلت اور نافرمانی اور حق سے روگردانی کی حالت میں آئی ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو فرشتوں کے خوف سے بھر دیتا ہے اس کی فکر سے جواب مطلوب عائب ہو جاتا ہے اور وہ فرشتوں کے سوال کا درست جواب نہیں دے سکتا۔

یہ ان غیبی حقائق میں سے ایک حقیقت ہے جنہیں وہی انسان محسوس کر سکتا ہے جو اس انجام تک پہنچ چکا ہو (مغریب ہم میں سے ہر ایک نے اس انجام تک پہنچنا ہے) اس پر بہت ساری صحیح احادیث دلالت کر رہی ہیں، جو اپنے مجموعہ کے اعتبار سے حد تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اسی لئے خبر یقینی کے مدلول کے مطابق اس پر ایمان رکھنے سے متعلق تمام مسلمانوں کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

اس بارے میں وارد احادیث میں حضرت امام بخاری و حضرت امام مسلم وغیرہما کی حدیث بھی ہے جس میں ہے کہ:

ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس صلوۃ الکسوف مرة ثم قام فحمد الله و الثنی علیہ ثم قال ما من شیء کنت لہ ارحہ الا قد رایتہ فی مقامی ہذا حتی الجنة والنار وقد اوحی الی انکم تنفتنون فی القبور مثل او قریبا من فتنة الدجال یوتی احدکم فیقال لہ ما علیک بهذا الرجل؟ فاما المؤمن او المؤمن فیقول هو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاءنا بالبینات والہدی فاجبنا و امننا و اتبعنا فیقال لہ ثم صالحا قد علمنا ان کنت مومنا واما المنافق والنیرتاب فیقول لا ادری سمعت الناس یقولون شیئا فقلتہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ لوگوں کو سورج گرہن کی نماز پڑھانے کے بعد کھڑے ہو گئے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی اور پھر فرمایا جس چیز کو بھی میں نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ میں نے اس جگہ دیکھ لی ہے حتیٰ کہ جنت و دوزخ کو بھی میں نے دیکھ لیا اور مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تم قبروں میں دجال کے فتنہ کی مثل پاس کے قریب فتنہ میں مبتلا کئے جاؤ گے۔ تم میں سے ہر ایک کو لایا جائے گا اور اسے کہا جائے گا اس مرد کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ پس مؤمن یا یقین رکھنے والا (یہ تدرید راویان حدیث میں سے کسی کی جانب سے ہے) کہے گا وہ تو حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ہمارے پاس واضح دلیلیں اور ہدایت لے کر تشریف لائے تھے تو ہم نے قبول کیا اور ایمان لائے اور اتباع کی۔ تو اس کو کہا جائے گا آرام سے سو جا ہمیں تیرا مؤمن ہونا معلوم تھا لیکن منافق یا

شک کرنے والا (یہ تردید بھی راوی کی ہے) کہے گا، میں نہیں جانتا لوگوں کو
میں نے کچھ کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی اس کو کہہ دیا۔
انہی احادیث میں سے شیخین یعنی حضرت امام بخاری و حضرت امام مسلم رحمہما
تعالیٰ کی وہ مروی حدیث ہے جس کو انہوں نے اپنی اپنی سنہ کے ساتھ روایت فرمایا ہے۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ان العبد اذا وضع في قبره و
تولى عنه اصحابه و انه يسمع قرع نعالهم فياتيهم ملكان
فيقعدان له ما كنت تقول في هذا الرجل قال فاما
الذي من فيقول اشهد انه عبد الله و رسوله قال فيقال له انظر
مقعدك من النار قد ابدلك به مقعدا من الجنة قال النبي
صلى الله عليه وسلم فيراهما جميعا واما المنافق والكافر
فيقال له ما كنت تقول في هذا الرجل؟ فيقول لا ادرى كنت
اقول ما يقول الناس فيقال لا دريت ولا تليت و يضرب
ببطارق من حديد ضربة فيصيح صيحة يسمعها من تليه غير
الثقلين۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور
اس کے دوست احباب اس کو چھوڑ کر لوٹ آتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں
کی چاپ کو سنتا ہے۔ پس اس کے پاس دو فرشتوں کی آمد ہوتی ہے جو اس
کو ہٹاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں تو اس مرد کے متعلق کیا کہا کرتا تھا؟
پس ممکن کہتا ہے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے
رسول ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت سے کہا جاتا ہے جہنم
میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ کہ اللہ نے اس کے بدلے تجھے جنت میں ٹھکانہ

دیا (مایا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پس مومن دونوں کو دیکھتا
ہے مگر منافق یا کافر ہو تو اس کو کہا جاتا ہے تو اس مرد کے بارے میں کیا کہا
کرتا تھا؟ تو وہ کہتا ہے مجھے کچھ پتہ نہیں میں وہی کچھ کہتا تھا جو لوگ کہتے
تھے۔ نہ میں نے جانا اور نہ اتباع کی اور اس پر لوہے کے گرز سے ایسی
ضرب لگائی جاتی ہے کہ جس کے سبب ایسی چیخ مارنے لگتا ہے جس کو
انسان اور جن کے سوا ہر قریب والی چیز سنتی ہے۔

ایسی احادیث میں سے وہ حدیث بھی ہے، جس کو امام بخاری اور امام مسلم وغیرہما
حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا ہے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المسلم اذا سئل في
القبر شهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله فذلك
قوله جل جلاله يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت في
الحياة الدنيا وفي الآخرة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا
جاتا ہے تو وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی
اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بھی یہی
مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو یہی بات (یعنی شہادت) سے دنیا و
آخرت دونوں میں مضبوط رکھتا ہے۔

اور بھی بہت ساری احادیث مختلف اشاد کے ساتھ حضرت علی، حضرت زید بن
عبد اللہ، حضرت ابن عباس، حضرت براء بن عازب، حضرت ابو ایوب، حضرت انس،
حضرت عائشہ، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، جو سب کی سب عذاب قبر
کے بارے میں وارد ہیں۔

پس یہ وہ دلیل تو اتر ہے کہ جس میں کوئی شک و احتمال نہیں۔

سوال کی نسبت قبر کی طرف تغلیب کی بنا پر ہے، کیونکہ مرنے والوں کی اولاد کو قبور میں دفن کیا جاتا ہے، جن سے فرشتوں کا سوال قبر میں ان کے احباب سے لوٹنے کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ پس نسبت قبر کی طرف تغلیب کی بنا پر کی گئی ہے، ورنہ سوال ہر مرنے والے کے لیے ثابت ہے، خواہ قبر میں دفن کیا گیا ہو یا سمندر میں غرق ہو گیا ہو یا درندے کھا گیا ہو یا آگ نے جلا کر بھسم کر دیا ہو۔

اگر تم کہو کہ ان تمام احوال میں موت واقع ہونے کی صورت میں سوال وجواب ہو سکتا ہے؟

جواب:

ایسا ہونا ممکنات میں داخل ہے، از قبیل مستحیلات نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ ممکنات میں کچھ امور ایسے ہیں جنہیں ہم مشاہدہ نہیں کر پاتے نہ ہی ہم ان تصور، ان کی کیفیت معلوم کرنے کے عادی ہیں اور کچھ امور ایسے ہوتے ہیں جو مسلسل روایت کے تابع ہوتے ہیں۔ پس جس کے سبب انسان پہلی مرتبہ گواہی دے گا اور کوئی دیکھنے لگتا ہے اور صرف گروپ ثانی کو ممکن سمجھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اسی جسم کے ذرات پر دوسری مرتبہ حیات لوٹانے میں کوئی مشکل نہیں خواہ وہ ذرات کسی قبر میں مجتمع ہوں یا کسی صحرا میں بکھرے ہوئے ہوں یا درندے کے پیٹ میں متفرق ہوں۔ پس اس کے سبب وہ سوال و جواب پر غور کرتا ہے اور کلام کرنے اور سوال کرنے والے فرشتے کو دیکھتا ہے لیکن تمہارا اس کیفیت پر مطلع ہونا ممکن نہیں کیونکہ موت سے بعد کے حقائق ایک دوسرے نظام سے تعلق رکھتے ہیں جو اس عالم کے دکھائی دینے والے نظام سے بالکل مختلف ہے۔

اب ہم اس مسئلہ کے بارے میں امام غزالی رحمہ اللہ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے اس کو نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

اگر ملکوتی امور کے مشاہدہ کی صلاحیت نہیں رکھتی اور جس چیز کا بھی آخرت میں کوئی حقیقت ہے وہ عالم ملکوت میں سے ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو کچھ اصل علیہ السلام کے نزول پر ایمان رکھتے تھے حالانکہ وہ حضرت جبرائیل کا واسطہ نہیں کرتے تھے انہیں اس بات پر ایمان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ لہذا اگر تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے ہو تو پھر تم پر ایمان اور وحی سے متعلق اصل ایمان کی صحیح زیادہ لازم ہے اگر تم اس بات پر ایمان رکھتے ہو اور چاہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کچھ مشاہدہ فرماتے تھے، جس کو مشاہدہ نہیں کر سکتی ہے تو پھر یہ بات میت کے حق میں کیوں جائز نہیں ہوتی؟

(۲) قبر کا عذاب اور تنعیم

قبر کا عذاب اور تنعیم ان غیبی حقائق میں سے ہیں جن پر خبر یقینی کی دلیل قائم ہے۔ اب ہم قبر کے عذاب اور تنعیم میں وارد اخبار میں سے بعض بیان کریں گے کیونکہ احادیث میں ہمارے موقف کے اصل دلائل یہی اخبار ہیں۔ مغیبات میں مشاہدہ اور اصل کو کوئی دخل نہیں۔

(۱) ولو تری اذا الظالمون فی عذرات الموت والبلانکة

باسطوا ایدیہم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب

الہون۔ (الانعام: ۹۳)

اور کاش تم دیکھو جب ظالم موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں اور فرشتے ہاتھ بڑھا

دے ہوں اور کہیں کہ نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

(۲) فکیف اذا توفتهم البلائکة یضربون وجوہہم و ادبارہم

(محمد: ۲۷)

کیسا ہوگا جب فرشتے ان کی روح کو قبض کریں گے ان کے مونہوں اور ان کی بینچوں پر مارتے ہوئے۔

یہاں پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان دونوں آیتوں کی دلالت عذاب قبر پر نہیں ہو رہی بلکہ ان کی دلالت دفن سے قبل کے عذاب پر ہو رہی ہے کیونکہ عذاب قبر سے مراد روز قیامت سے قبل واقع ہونے والا ہر عذاب ہے اور عذاب کی نسبت قبر کی طرف صرف اس لئے کرتے ہیں کہ اس عذاب کا بڑا حصہ قبر میں ہی واقع ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی وضاحت کی ہے۔^۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۳) و حاق بال فرعون سوء العذاب النار يعرضون عليها غدوا وعشيا و يوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشدا لعذاب (البقرہ: ۱۰۵-۱۰۶)

فرعون والوں کو برے عذاب نے گھیرا آگ جس پر صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ حکم ہوگا فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔

اس آیت کریمہ کی عذاب قبر پر دلالت اس بناء پر ہے کہ اس میں "یوم تقوم الساعة" کا عطف "غدوا وعشيا" پر ہے۔ جس سے ہمیں یقینی طور پر معلوم ہوا کہ جو عذاب انہیں صبح و شام دیا جا رہا ہے وہ متغائر ہے اس عذاب کے جو قیامت کے روز دیا جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صبح و شام دیا جانے والا عذاب موت اور قیامت کی درمیانی مدت میں واقع ہونے والا عذاب ہے۔^۲

(۳) حضرت امام بخاری و حضرت امام مسلم وغیرہا نے حضرت ابن عباس رضی

۱ (فتح الباری ج ۲ ص ۱۵۱)

۲ (مواقف اور شرح مآثر ج ۱ ص ۳۳-۳۵)

اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

(۴) ان النبي صلى الله عليه وسلم مر على قبرين فقال انهما ليعذبان وما يعذبان في كبير ثم قال بلى اما احدهما فكان يسعى بالنبيمة واما الآخر فكان لا يستقر من بوله ثم اخذ عودا رطبا فكسره باثنين ثم غرز كل واحد منهما على قبر ثم قال لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا ان دونوں قبروں والوں کو عذاب ہو رہا ہے کسی بڑے گناہ کے سبب عذاب نہیں ہو رہا۔ پھر فرمایا ہاں ان میں سے ایک چغل خوری کیا کرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچا کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک تر ٹہنی لی اور اس کے دو حصے کئے پھر ان میں سے ہر ایک کو قبر پر گاڑ دیا، اس کے بعد فرمایا امید ہے کہ ان کے شک کے ہونے تک ان سے عذاب کی تخفیف ہوگی۔

حضرت امام بخاری و حضرت امام مسلم وغیرہا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت فرمائی ہے کہ:

(۵) ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان احدكم اذا مات عرض عليه معقده بالخدا والعشي ان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان كان من اهل النار فمن اهل النار يقال له هذا معقدهك حتى يبعثك الله يوم القيامة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم میں سے جب کوئی فوت ہو جاتا

۱ (اکثر روایات میں یونہی "لا يستقر" کے لفظ سے وارد ہے۔ جس کا مطلب ہے وہ اپنے اور پیشاب کے

درمیان کوئی آؤٹس رکھتا تھا۔ امام مسلم اور امام بخاری کی روایت میں "لا يستقر" کا لفظ ہے اور ابن

عباس کی روایت میں "لا يستقر" کا لفظ آیا ہے۔ سب کا معنی ایک ہی ہے یا قریب قریب ہیں۔)

ہے تو اس پر صبح و شام اس کا مقام پیش کیا جاتا ہے، جنتی ہے تو جنت کا اور
دوڑنی ہے تو دوڑخ کا اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے تا آنکہ روز
قیامت اللہ تعالیٰ تجھے اس کی طرف اٹھائے گا۔

اس پیشگی اطلاع میں یقیناً جنتی کے لئے راحت و تعمیم اور جہنمی کے لئے عذاب
ہے یہ مذکورہ اخبار کتاب و سنت میں قبر کے عذاب و تعمیم میں وارد نصوص کا بعض ہیں
اور اس بارے میں وارد نصوص اپنے مجموعہ میں مضمون پر قطعی دلالت کی مطلوبہ حد تو از
سے متجاوز ہیں۔ اسی لئے مسلمانوں کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ میت کو اس کے حسب
حال قیامت سے پہلے عذاب یا تعمیم کے پیش کیا جاتا ہے جیسا کہ مسلمانوں کا ملک
الموت کے روح کو قبض کرنے اور موت کے بعد فرشتوں کے سوال پر اجماع منعقد
ہے۔

جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ:

عذاب قبر کا سرے سے انکار کرنا کفر تک پہنچانے والی بات ہے کیونکہ اس پر قطعی
دلیل قائم ہے لیکن اصل عذاب کا اقرار ہو اور اس کے صرف روح کو ہونے یا روح اور
جسم دونوں کو ہونے یا روح اور جسم کے بعض اجزاء کو ہونے میں تردد ہو تو اس میں تحقیق
کرنے والا جس جانب مائل ہو کفر کا سبب نہیں کیونکہ عذاب کا صرف روح کو ہونے یا
روح اور جسم دونوں کو ہونے میں تحقیق قابل نظر ہے جس طرح اصل عذاب اور تعمیم
میں قطعی دلائل قائم ہیں اس میں۔ اس طرح کے دلائل قائم نہیں۔ لیکن جمہور اہل سنت و
جماعت اور جمہور مسلمین، روح اور جسم دونوں کو عذاب ہونے کے قائل ہیں کیونکہ ایسا
ہونا از قبیل ممکن ہے (جیسا کہ ابھی وضاحت گزر چکی ہے) اور اس میں وارد نصوص
کے ظاہر کا تقاضا بھی یہی ہے۔ جس میں کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں۔ صحیح حدیث
میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے روز اس کو نکس پر کھڑے ہو گئے
جس میں مشرکین کی لاشیں پھینکی گئی تھیں اور ان سے یہ کہتے ہوئے فرمانے لگے۔

اَنَا قَدْ وَجَدْنَا وَعْدَ رَبِّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا
بے شک ہم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا کیا تم نے بھی اپنے رب کے
وعدہ کو سچا پایا؟

اگر آپ کو یہ علم نہ ہوتا کہ یہ لاشیں بذات خود آپ کے کلام کو سن رہی ہیں تو آپ
اپنے خطاب میں ان کی جانب متوجہ نہ ہوتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب آپ
کے اجساد سے خطاب فرمانے کی وجہ سے تعجب لاحق ہوا تو آپ ان سے یہ نہ فرماتے:

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا أُنْتُمْ بِأَسْمِعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ
قسم ہے، اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میرے کہنے کو تم
ان سے زیادہ سننے والے نہیں۔

اور چھوٹے سے گروہ کا خیال ہے کہ عذاب اور تعمیم سب کا تعلق صرف روح سے
ہے جمہور کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس تخصیص اور تاویل پر کوئی دلیل نہیں لہذا جو شخص
قبر میں روح کے لئے اصل عذاب اور تعمیم پر یقین رکھتا ہے اس کے لئے روح اور جسم
دونوں کے لئے عذاب اور تعمیم کے ہونے پر ایمان رکھنا چاہئے کیونکہ تاویل اور تخصیص
پر کوئی دلیل وارد نہیں اور تاویل و تخصیص کا قول بلا دلیل ہے۔

بطلان تنازع

مغیبات کے دوسرے حصے کی بحث سے قبل ہم سوال نکیرین اور عذاب قبر جس
امر کو مستلزم ہیں اس کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

سوال نکیرین اور عذاب قبر میں سے ہر ایک بعض لوگوں کے اس توہم کے باطل
ہونے پر بڑی صراحت کے ساتھ دلائل کر رہے ہیں جن کا خیال ہے کہ ارواح اجسام
(ہم نے اپنی کتاب فقہ السیرۃ میں حیات برزخیہ کے بارے میں اس حدیث میں جو کچھ بیان کیا ہے، اس کو
حفظ کر لیں)

(شرح مواقف ج ۲ ص ۳۰۱ ملاحظہ ہو۔)

میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، جب بھی کوئی روح کسی بدن کو چھوڑتی ہے تو دوسرے بدن میں منتقل ہو جاتی ہے اور یونہی کیے بعد دیگرے اجسام میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

اس شکل کے ساتھ تنازع ارواح کا نظریہ بعض قدیم یونانیوں میں سرایت کردہ توہمات میں سے ہے، اہل یونان میں بہت سارے مختلف بے اصل نظریات سرایت کئے ہوئے تھے جن سے یونان کی تہذیب معروف تھی جیسا کہ بہت سے فرعون مصر بھی اس کے ساتھ ملتے جلتے توہمات سے معروف تھے۔

البتہ اس قسم کے تخیلات و توہمات کی فطرت کو ہر زمانے میں ایسے کمزور اذہان ضرور ملتے رہے ہیں، جن پر وہ اپنا مکمل تسلط قائم کرتی رہی ہے یا جن کے گرد منڈلاتی رہی ہے ان دوسووں اور توہمات سے اذہان کو بچانے والی چیز ماسوائے علم اور دین حق اور آزادی از اندھی تقلید و بے اصل موروثات کے کچھ نہیں ہے۔

ہم نے ابھی بتایا ہے کہ انسان کی موت کے بعد اس کے پاس اللہ تعالیٰ دو فرشتے بھیجتا ہے جو اس سے اس کے نظام حیات اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کرتے ہیں اور اس کے بعد میت کو عذاب یا راحت پر پیش کیا جاتا ہے اور ہم نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ ان پر علمی دلیل و علمی دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے پر قائم ہے۔

اور ان سب پر ایمان و یقین رکھنے کے بعد عقل صرف قرآن یا سنت تک متصل الشد خبر کی محتاج ہے جو اپنے تعدد طرق کے سبب توازن تک پہنچتی ہو تاکہ وہ فیصلہ عقل میں قطع و یقین کا درجہ حاصل کر سکے۔ آپ نے قرآن و سنت کی خبر متواتر کو سوال قبر اور عذاب قبر میں سے ہر ایک کے ثبوت کا فیصلہ کرنے والی پائی ہے لہذا الہیات و نبوات کے حصے میں مذکور امور پر ایمان رکھنے کے بعد تمہارے لئے ان متواتر اخبار کے مضمون پر ایمان رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ سوال اور عذاب

میت کی روح پر یقینی طور پر وارد ہوتے ہیں کیونکہ روح کے بغیر کسی قسم کے خطاب یا عذاب یا راحت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ پس اس صورت حال کے سبب روح اپنے جسم میں مشغول اور اس کے نفع یا ضرر کے لئے مجبوس رہتی ہے، جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

کل نفس بما کسبت رھینۃ ۝ (الذہر ۲۸)

ہر جان اپنے اعمال کی ضامن ہے۔

روح کا اپنے جسم سے اعراض کرنا ممکن نہیں تاکہ وہ دوسرے جسم میں جاے جہاں نئے طرز اور جدید وجود کا سامنا کرنے لگے۔

کسی بھی صاحب عقل کے لئے اپنے ذہن میں تنازع پر ایمان اور موت کے بعد سوال و عذاب پر ایمان یکجا کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ واضح طور پر آپس میں متناقض ہیں۔ پس یقیناً ان میں سے ایک پر ایمان دوسرے کے انکار کا مظہر ہے۔

یہ بطلان تنازع پر کتاب و سنت کی دلیل خبری ہے۔

لیکن عقلی و علمی دلیل تنازع کے تصور کا ایسی شے ہے جس کا تعلق غیبی امور سے ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ غیبی امور پر عقل کو اس وقت تک کوئی دسترس حاصل نہیں ہوتی جب تک اس کے اور ان امور کے درمیان حجاب حائل رہتا ہے اور جب تک تجربہ یا مشاہدہ یا استقرار تمام پر قائم قیاس اولیٰ اور لزوم ثنیں وغیرہ میں سے کوئی عقلی برہان ان تک رسائی حاصل نہیں کرتی۔ خیال تو ان مغیبات کے تصور میں ہر راہ کو اختیار کر لیتا ہے لیکن عقل ان میں سے کسی راہ کی تصدیق اس وقت تک نہیں کرتی جب تک اس پر مسلم برہان قائم نہ ہو جائے۔ بعض مغیبات کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یقینی متواتر اخبار وارد نہ ہوتیں تو عقل کا ان کے بارے میں بھی یہی موقف ہوتا۔ یعنی جب تک برہان قائم نہ ہوتی ان کا انکار کرتی، لیکن جب اس ذات کی جانب سے کہ جس کے وجود اور صدق پر علمی برہان قائم ہے خبر یقینی وارد ہے یہ تصدیق و اذعان کا موجب و سبب ہے کیونکہ یہ خبر بذات خود اس

حال میں مشکل میں علمی قطعی برہان ہے۔
پس یہ موت سے متعلق لمبی حقائق ہیں جنہیں ہم نے ان کی براہین کی وضاحت
کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ اس کے بعد ہم متصل بحث کا آغاز کرتے ہیں۔ (یعنی علامات
قیامت کی بحث سے)۔

(۱۲) علاماتِ قیامت

روزِ قیامت کا وقت مجہول ہے جس کی معرفت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ روز
قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ”الساعة“ ہے۔ قیامت کا دن سب سے بڑا عالمی
حادثہ ہے جس میں آسمان وزمین سمٹ کر رہ جائیں گے اور عالم کا یہ نظام ورہم برہم ہو
جائے گا۔

البتہ اس حادثہ کے رونما ہونے کی تاریخ اور اس کا زمانہ اور وہ وقت کہ جس میں
اس نے واقع ہونا ہے یہ ایسا امر ہے جس کے علم کو اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں سے مخفی رکھا
ہے۔ جن میں رسل اور انبیاء کرام بھی ہیں۔ کسی کے پاس بھی خواہ کوئی بھی ہو دنیا کی
آئی ماندہ عمر کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

قرآن کریم نے اس کی بار بار تاکید طوری پر صراحت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا
ارشاد ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مَرْسُهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا
يَجْلِيهَا لَوْحَتٌ أَلَهٌ لَّهُ تَفْلُتُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمُ الْ
بَغْتَةُ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِىٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ
وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۱۱۷: اعراف)

”اے محبوب تم سے قیامت کا سوال کرتے ہیں کہ وہ کب کو ٹھہری ہے۔ تم
فرماؤ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے وہی اس کے وقت پر ظاہر

کرے گا۔ بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں تم پر نہ آئے گی مگر اچانک۔ تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے۔ تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت لوگ جانتے نہیں۔“ اور کہی فرماتا ہے:

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ (الک: ۲۱، ۲۲)

اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا، اگر تم سچے ہو تم فرماؤ یہ علم تو اللہ کے پاس ہے اور میں تو بھی صاف ڈرسانے والا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح متفق علیہ حدیث میں اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ جب حضرت جبرائیل امین نے آپ سے سوال کیا کہ ”متی الساعة“ کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ۔ یعنی جس سے قیامت کے وقت کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ جانتے والا نہیں۔

پس تم اگر کسی کو زمانے کے لئے کسی خاص عمر کی تحدید یا قیامت کے روز کے لئے کسی مخصوص وقت کی تعیین کرتے ہوئے سنو تو یقین کر لو کہ وہ یا تو دین کے بارے میں نری جہالت میں ڈوبا ہوا ہے یا وہ جھوٹا، مکار آدمی ہے، جس نے اسلام کی مخالفت اور اس کے ساتھ مکاری و فریب کے لئے اپنے سامنے کوئی مخصوص راہ متعین کی ہوئی ہے۔

قیامت کی علامات کبریٰ

قیامت کے قیام سے قبل رونما ہونے والی قیامت کی علامات کو کتاب و سنت نے بیان فرمایا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان علامات کا مجموعہ بالیقین دین میں سے ہے۔ مسلمان کے لئے ان کا انکار یا ان میں شک کسی صورت جائز نہیں گرچہ یہ ان نبی حقائق میں سے ہر ایک کی تفصیلی بحث کا تقاضا ہے کہ ہم ان کو دو حصوں میں تقسیم کر

دیں۔ حصہ اول وہ جو قطع و یقین کی مفید خبر متواتر سے ثابت ہے اور حصہ ثانی وہ جو اس سے تک اخبار احاد کے ذریعہ منقول ہے۔ ہم دوسرے حصہ سے بحث نہیں کریں گے اگرچہ اس حصہ میں شامل بہت ساری علامات صحیح اسناد کے ساتھ وارد ہیں جن کی حاکمیت پر اتفاق ہے، مگر وہ بہر حال ظنیات کی حدود سے متجاوز نہیں جب کہ ضرورت اقتضا کے لئے دلیل قطعی کا قائم ہونا شرط ہے جیسا کہ تمہیں بخوبی معلوم ہے پس ہم مسائل میں بحث کریں گے جس میں دلیل قطعی وارد ہے، جس کے سبب ان پر ایمان لانا واجب ہے۔

(۱) ظہور دجال

دجال اس شخص کا لقب ہے جو آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا یہ لقب اس کو اس کے لدت و جل و جھوٹ اور حق کو باطل کے ذریعہ چھپانے کی خلاف عادت قدرت کی بنا پر ملا ہے۔ یہ شخص یہودی الاصل ہوگا اور اس کا ظہور مشرق کی جانب سے ہوگا۔ لوگوں میں اصلاح و اشتقاق کا دعویٰ کرے گا اور اس کے بعد الوہیت کا دعویٰ کرنے لگے گا بہت سارے لوگ اس کی دعوت کو قبول کرنے میں اس کی پیروی کریں گے جن میں اکثریت یہودی ہوگی۔

تمام کتب سنت و دجال سے متعلق احادیث بیان کرتی ہیں۔ کہیں اس سے ڈرایا گیا ہے، کہیں کہیں اس کی اطلاع دی گئی ہے اور کہیں اس کی علامات بتائی گئی ہیں۔ ہم ان احادیث کا مختصر سا حصہ نقل کریں گے۔

(۱) حضرت امام بخاری و امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی جس کا وہ سزاوار ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہیں دجال سے ڈراتا ہوں، ہر نبی نے اپنی قوم کو ڈرایا ہے لیکن میں تمہیں اس بارے میں وہ بات بتاؤں گا جو کسی نبی نے

اپنی قوم کو نہیں بتائی۔ بے شک دجال کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام نہیں۔

(۲) شیخین وغیرہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (لفظ مسلم) کہ حضرت عقبہ نے ان سے کہا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دجال کے متعلق جو سنا ہے، وہ مجھے بتاؤ۔ تو انہوں نے فرمایا کہ دجال اس حال میں نکلے گا کہ اس کے ہمراہ پانی اور آگ ہوگی۔ جس کو لوگ ظاہر میں آگ سمجھیں گے وہ درحقیقت جلانے والی آگ ہوگی اور جس کو ظاہر میں پانی سمجھیں گے وہ درحقیقت ٹھنڈا اور شیریں پانی ہوگا۔ پھر تم میں سے جو کوئی یہ موقع پائے اس کو چاہئے کہ وہ جو آگ معلوم ہو اس میں گر پڑے اس لئے کہ وہ شیریں پاکیزہ پانی ہے۔ عقبہ نے حذیفہ کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ میں نے بھی یہ حدیث سنی ہے۔

(۳) مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ و احمد وغیرہم نے دجال اور جو کچھ اس کے زمانہ میں رونما ہوگا کے بارے میں ایک طویل حدیث روایت کی ہے ہم اس کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ نو اس بن سمعان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز صبح کے وقت دجال کا تذکرہ فرمایا تو کبھی پست آواز سے گفتگو کی اور کبھی بلند آواز سے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ دجال ان درختوں کے جھنڈ میں آگیا ہے۔ جب پھر ہم شام کو آپ کے پاس گئے تو آپ نے ہمارے چہروں پر اس کا اثر معلوم کیا (یعنی ڈر اور خوف) فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے دجال کا ذکر کیا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ دجال کچھوروں کے ان درختوں میں موجود ہے (یعنی اس کا آنا بہت قریب ہے) آپ نے فرمایا: مجھے دجال کے سوا دیگر باتوں کا تم پر بہت خوف ہے (فتنوں اور آپس کے درمیان لڑائیوں کا)۔ اگر دجال میری موجودگی میں نکلا تو میں تم میں سے پہلے اس کو الزام دوں گا۔ اس کے شر کا دفاع کروں گا اور

اگر وہ نکلا اور میں تم میں موجود نہ ہوں تو پھر ہر آدمی اپنے سے اس کے شر کا دفاع کرے گا۔ اللہ تعالیٰ میرا نگہبان ہے ہر مسلمان پر، البتہ دجال کو جو ان گھٹکر یا لے بالوں والا ہوگا، اس کی آنکھ ابھری ہوئی ہے نور ہوگی گویا میں اس کو عبدالعزیٰ بن قطن سے تشبیہ دیتا ہوں۔ تم میں سے جو دجال کو پالے اس کو چاہئے کہ وہ اس پر سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔ وہ عراق اور شام کی درمیانی راہ سے نکلے گا پس وہ داہنے اور بائیں فساد ڈالے گا۔ اے خدا کے بندو! ایمان پر ثابت رہنا، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ زمین پر کتنی مدت رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس دن تک رہے گا، ان میں ایک دن ایک سال کے برابر اور دوسرا ایک مہینے برابر اور تیسرا ایک ہفتے کے برابر ہوگا اور باقی دن جیسے تمہارے دن ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو دن سال بھر کے برابر ہوگا اس دن ہمارے لئے ایک دن کی نماز کفایت کرے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں تم اس کے لئے اندازہ کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! زمین میں اس کی تیز رفتاری کیسے ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اس مہینہ کی طرح ہوگی جس کو ہوا پیچھے سے اڑاتی ہے۔ پس وہ ایک قوم کے پاس آئے گا تو ان کو کفر کی طرف بلائے گا وہ اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی بات کو قبول کر لیں گے۔ وہ آسمان کو حکم کرے گا تو وہ پانی برسا دے گا، زمین کو حکم دے گا، تو وہ گھاس داناج اگا دے گی اور پھر ایک جوان مرد کو بلائے گا اور اس کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دے گا جیسا کہ نشانہ دو ٹوک ہوتا ہے پھر اس کو زندہ کر کے پکارے گا تو وہ چمکتا دمکتا چہرہ لے کر ہنستا ہوا سامنے آئے گا، پھر دجال اسی حال میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو بھیجے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زرد رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے دمشق کی مشرقی جانب سفید مینار کے پاس اتریں گے۔ جب حضرت عیسیٰ

علیہ السلام اپنا سر جھکا نہیں گئے تو پینہ چپکے گا اور جب اپنا سر اٹھائیں گے تو مولیٰ کی طرح بوندیں بہیں گی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ وہ اس کو باب لد میں پائیں گے (فلسطین میں بیت المقدس کے قریب ایک معروف شہر ہے)۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کر دیں گے۔

(۴) امام مسلم وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں مجھے ابن صائد نے کہا جس کا نام صاف تھا اور وہ یہودی الاصل تھا اور کہانت کیا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں مدینہ میں مشہور تھا کہ ہو سکتا ہے کہ دجال وہی ہو۔ میرے متعلق تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال یہودی ہوگا اور میں اسلام لا چکا ہوں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے بارے میں فرمایا کہ اس کی اولاد نہیں ہوگی حالانکہ میرے ہاں اولاد ہے اور اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مکہ حرام فرما دیا ہے اور میں حج ادا کر چکا ہوں۔ ابوسعید خدری فرماتے ہیں: وہ اس طرح باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ قریب تھا اس کی بات مجھ پر اثر کرتی۔

دجال کے حق میں وارد مختلف احادیث کا مجموعہ بنا رہا ہے کہ وہ بہت ساری امتیازی علامات والا ہوگا۔ وہ یہودی الاصل ہوگا، اس کا ظہور مشرق کی جہت سے ہوگا اور اس کی وہابی آنکھ کافی، ابھری ہوئی اور بے نور قائل نفرت شکل کی ہوگی، اس کے ہاں اولاد نہیں ہوگی، مکہ اور مدینہ میں داخل ہونے پر قدرت نہیں رکھے گا، اس کی پیشانی پر کافر لکھا ہوگا جس کو ہر مسلمان پڑھ لے گا اور اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اگر تم یہ سوال کرو کہ دجال کے ہاتھ پر مردوں کو زندہ

کرنے جیسے خوارق عادت امور کو اللہ تعالیٰ کیوں کر جاری فرمائے گا حالانکہ یہ تو عظیم عجولت میں سے ہے جو صرف انبیاء کرام کے ہاتھوں پر صادر ہوتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دجال کے ہاتھوں ان امور کا ظہور صرف بندوں کی آزمائش و امتحان کے لئے ہوگا جب کہ لوگوں کے پاس دجال کے اپنے دعویٰ میں مطلق ہونے پر دلیل موجود ہوگی اور وہ دلیل اس کا کاٹنا ہونا اور اس کی پیشانی پر کافر لکھا ہونا ہے جس کو ہر مسلمان پڑھ لے گا۔ پس اس کا دعویٰ علامت کفر اور ذات دمرتہ میں عیب و نقص کے عیب باطل ہوگا کیونکہ اگر وہ معبود ہوتا تو اس عیب کو اپنی ذات سے دور کر لیتا اور انبیاء کرام کے معجزات تو معارضہ سے محفوظ ہوتے ہیں۔ لہذا انبیاء کرام کے معجزات اور یہاں کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے خوارق عادت امور آپس میں ہرگز مشابہ نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد ابن حجر فرماتے ہیں علاوہ ازیں دجال کی ذات میں اس کے جھوٹ و واضح دلیل ہوگی جو ہر صاحب عقل پر ظاہر ہوگی کیونکہ وہ اجزاء مرتبہ سے مرکب ہوگا، اس میں خلق و صنعت کی تاثیر آنکھ میں بے نوری کی آفت کے ظہور سمیت ظاہر ہوگی اور وہ جب اپنے رب ہونے کا دعویٰ کرے گا تو بدترین حال میں ہوگا جو بھی صاحب عقل دیکھے گا تو جان لے گا کہ یہ دوسروں کو خلق بخشنے اور ان کی شکل و صورت کو حسین بنانے والا نہیں اور نہ ہی اپنے سے عیب کو دور کرنے والا ہے تو کم از کم وہ یہ ضرور کہے گا۔ اے آسمانوں اور زمینوں کے خالق ہونے کا گمان کرنے والے! اذرا اپنی شکل و صورت کو درست کر لو اور اپنی ذات سے عیب کو ہٹا دو اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ رب اپنی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا تو کم از کم اپنی آنکھوں کے درمیان لکھے ہوئے کو تو مٹا دو۔

تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دجال کے ظہور کو لوگوں کے لئے بہت بڑا امتحان بنایا ہے (جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور اس سے ڈرایا ہے) اگر اللہ تعالیٰ اس کو بعض خوارق عادت امور پر قدرت نہ دیتا اور بہت سارے ارزاق و خیرات کی چابیاں اس کے سپرد نہ فرماتا تو اس کا ظہور امتحان اور آزمائش نہ بنتا۔

یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ اس انسان کی شخصیت کو سمجھنے اور سمجھانے میں سوا اس کے کہ جس کی خبر نصوص صحیحہ نے دی ہے عقلی تحقیق کے ہاں کوئی ذریعہ نہیں کیونکہ اس کے بارے میں کسی چیز کو سمجھنے کے لئے واحد عقلی راہ صرف خبر یقینی ہے۔ اگر یہ خبر وارد ہوتی تو ہم اس وجود کا تصور بھی نہ کر سکتے، اس پر اعتقاد اور اس کے ظہور پر ایمان رکھنا دور کی بات تھی۔

البتہ جب اس کے ظہور کا وقت آئے گا (اس وقت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے) بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ وہاں کے واقعہ کا کوئی حصہ قرآن مجید میں کیوں نہیں؟ اور اس میں کیا ہے کہ اس کے متعلق تمام خبریں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں حکمت کا ہونا بعید نہیں کہ وہاں، اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ذلیل اور قابل لغت ہونے کے سبب اس لائق ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے کام کو اپنی کتاب اور اپنے کلام قدیم میں شامل فرماتا اور لوگوں کی زبانیں اس کو ہر مقام و ہر زمان میں پڑھتیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے اپنے اسلوب اور اپنی اختیارات میں اہل اکرام اور اہل عقائد اور بعض ان سرکشوں کے اسماء کے جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول بھیجے ان کے سوا اسماء کا ذکر نہ کرنے کا انداز اختیار فرمایا ہے۔ تو کیا صرف وہاں کو ذکر اور تعین کے ساتھ خاص فرماتا؟ یہ بھی حکمت ہو سکتی ہے کہ وہ خبر صادق کہ جس کے سبب پر اعتقاد رکھنا لازم ہے وہ صرف قرآن میں محدود نہیں بلکہ وہ جس طرح قرآن کریم میں موجود ہے ایسے سنت میں بھی موجود ہے بشرطیکہ اسناد صحیحہ متواتر کے ذریعہ تک منقول ہو۔

لیز بعض فقہاء کا دعویٰ کرنے والے وہ منافقین جو کہتے ہیں اور دل میں کچھ کہتے ہیں کہ درمیان ہجرت مشہور ہے اس کو حج وین سے اکھیر پھینکنے کی حکمت بھی ہو سکتی ہے۔ ان منافقین کے ہاں مشہور یہ ہے کہ وہ شریعت کے اجمالی احکام میں سے کسی حکم سے چٹ کر آپ سے مطالبہ کریں گے کہ آپ اس پر صرف قرآن اور قرآن سے ہی نص پیش کریں ورنہ وہ اس حکم کو غیر معتبر سمجھیں گے۔ اسی لئے تم ان میں سے بعض کو اس قسم کے سوال کرتے ہوئے پاؤ گے حالانکہ وہ نہ نماز روزہ کی ادائیگی کرتے ہیں اور نہ ہی اسلام کے شعائر میں سے کسی التزام کرتے ہیں۔ ان کا اندر یہ ہے کہ قرآن نے ان کے لئے نماز روزہ اور باقی احکام شریعت کی کیفیت بیان نہیں کی۔ ان کی اس منطق کا تقاضا ہے کہ وہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل قرآن کو چھوڑ دیں صرف اس قرآن پر اعتماد کریں جو ان میں سے ہر ایک پر براہ راست نازل ہوگا جو حلقہ و شبہ کو زیادہ ختم کرنے والا ہوگا۔

اور لوگوں کے سامنے ظاہر ہوگا جو اس وقت اس کا معاملہ خالص فقہی مسئلہ کی بجائے واقعی محسوس امر میں بدل جائے گا اور اس وقت تمام دیگر مشاہدات و محسوسات کی طرح قابل نظر و تحقیق بن جائے گا۔

(۲) حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہا السلام) کا نزول

حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول قیامت کی اہم علامت اور قیامت سے قبل رونما ہونے والے حادثات میں سب سے بڑا کھلاؤ ہے۔ آپ کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ اس تمام تر طویل عرصہ میں ملکوت کے کسی مقام میں روپوش رہنے کے بعد زمین پر تشریف لائیں گے اور اپنی اسی سابقہ حیات (جو حیات اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی اور رسول ہونے کے وقت عطا فرمائی تھی) سے مستمتع ہوں گے اور آپ نزول کے بعد ایک عرصہ تک زمین پر قیام فرمائیں گے اور اسی اسلامی عقیدہ کے ارکان کو قائم فرمائیں گے جس کے قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور تمام انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا تھا۔ تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کرنے والی شریعت کی (جس کے ساتھ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تھا) تحفیذ فرمائیں گے۔ اس عرصہ میں آپ پر اللہ کی جانب سے کوئی جدید وحی نازل نہیں ہوگی۔

(دشمنان مملکت و ہمدون میں سے ایک وہابی اس بحث کی مناسبت سے اپنے ایک حاشیہ میں لکھتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہماری شریعت اور قرآن و سنت کے متعلق کے مطابق احکام صادر فرمائیں گے نہ کہ شریعت کے سوا انجیل یا فرقہ فتنی کے مطابق۔ تم کہہ رہے کہ یہ شخص قدح فتنی کا مذاقی اڑانے کے درمیان صریح عبادت کے ساتھ اس بات کا اثبات کر رہا ہے کہ فرقہ فتنی اسلامی شریعت کے مغاثر ہے اور جس کو آج تورات یا انجیل کہا جاتا اس کی شمس کوئی شہ ہے۔ اس شخص کے خیال میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اسلامی شریعت میں پشت پھینکنے اور اس کی بجائے فرقہ کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والا کوئی شخص اس طرح کی کالیانہ اور گستاخانہ بات اس امت کے سلف اور علماء مسلمین کے آئینہ میں سے کسی امام کی شان میں لکھنے کی جرات کر سکتا ہے؟

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء اور آخری نبی ہونے کے متناقض نہیں جس طرح کہ ان کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تمام شریعتوں کی ناسخ اور روز قیامت تک باقی رہنے کے متناقض نہیں۔

اس پر کتاب وسنت میں سے ہر ایک میں یقینی طور پر دلیل موجود ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سے) ہم جانتے ہیں کہ اس عجیب اختراع پر مشتمل کتاب کا معنی اور مفسر عالم اسلامی کے اطراف میں رہنے والے علماء مسلمین کی جانب سے اس ہے جو وہ بات کی تردید سے واقف ہونے کے باوجود حق پر کان دھرنے کی بجائے تعصب پر اڑے ہوئے ہیں۔ اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ائمہ و علماء کا جنہوں نے کتاب وسنت سے احکام کے اختراع میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، کا انتظام لے۔ پس ان کے اجتہادات ان کے اپنے حق میں اور ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے ان ائمہ کرام کے علم سے ہدایت پائی اور ان کی تہذیب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہیں اس سلسلہ میں ان کے تمام اجتہادات مساوی ہیں خواہ ان میں صواب تک پہنچے ہوں یا غلط واقع ہوتی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہوں کہ وہ ہمیں ان تمام مسلمان بھائیوں سے حدود و احکامات کے مرض سے محفوظ فرمادے۔ آمین مسلمین، سلف صالحین کی شان تو بہت ہی بلند و بالا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان لوگوں کی صفات سے مصف ہونے کی توفیق عطا فرمائے کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

والذين جاءوا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولا حلوانا الذين سبقونا بالايان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين امنوا ربنا انك رؤوف رحيم

(الحشر: ۱۰)

اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھے۔ اے رب ہمارے بے شک توفیق نہایت مہربان رحم والا ہے۔

شك منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقينا ۝ بل رفعه الله اليه و كان الله عزيزا حكيما ۝ وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته و يوم القيامة يكون عليهم شهيدان (النساء: ۱۵۷، ۱۵۹)

اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھا سکتے بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہ کا ایک بنادیا گیا اور جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ ضرور اس کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں اس کی کچھ خبر نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ گمان کی پیروی کرتے ہیں اور بے شک انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور کوئی ایسا نہیں ہوگا اہل کتاب میں سے مگر وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔

محل استشہاد "وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته" ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد اہل کتاب میں کوئی بھی باقی نہیں رہے گا مگر ان کی موت سے قبل ان پر ایمان لائے گا۔ "قبل موته" کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

جیسا کہ سیاق آیت سے واضح ہے اور یہ اس بات پر نفص ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی تک موت واقع نہیں ہوئی ہے۔

حضرت علامہ ابن کثیر اس آیت کریمہ کی اس انداز میں تشریح کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ آیت کریمہ کا یہی مطلب صحیح ہے کیونکہ یہود کا حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے اور سولی چڑھانے کے دعویٰ کے بطلان اور اس امر سے ناواقف

نصاری کا ان کی تصدیق کے اثبات میں آیت کے سیاق سے یہی مقصود ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ معاملہ ایسا نہیں ہوا ہے بلکہ ان کے لئے حضرت عیسیٰ کی شبیہ بنائی گئی اور انہوں نے اس شبیہ کو قتل کیا اور وہ اس کو پہچان نہیں سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب اٹھا لیا اور وہ زندہ اور باقی ہیں، روز قیامت سے قبل زمین پر تشریف لائیں گے جیسا کہ متواتر احادیث دلالت کر رہی ہیں جنہیں ہم عنقریب نقل کریں گے۔ حضرت عیسیٰ اپنے نزول کے بعد دجال و خنزیر کو قتل کر دیں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے اور بزیہ کو ختم کر دیں گے یعنی اہل ادیان میں سے کسی سے بزیہ قبول نہیں فرمائیں گے بلکہ صرف اسلام یا تلواریں قبول کریں گے۔ لہذا اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ پر اس وقت تمام اہل کتاب ایمان لائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی آپ کی تصدیق کئے بغیر نہیں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ولما ضرب ابن مريم مثلا اذا قومك منه يصدون وقالوا
ءالھتنا خیرا امر هو ماضی وہ لك الا جدلا بل هم قوم
خصمون ○ ان هو الا عبد انعبنا علیہ و جعلناه مثلا لبني
اسرائيل ولو نشاء لجعلنا منكم ملائكة في الارض يخلفون ○
وانه لعلم للساعة ولا تترن بها واتبعون هذا صراط
مستقیم ○ (الزمر: ۵۵-۶۱)

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی جائے جب ہی تمہاری قوم اس سے
بڑے لگتی ہے اور کہتے ہیں کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ وہ آپ سے اس
مثال کو صرف کج بحثی کے لئے بیان کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ بڑے
جھگڑالو ہیں۔ نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے تو ان پر انعام فرمایا ہے
اور ہم نے انہیں ایک نمونہ بنا دیا ہے بنی اسرائیل کے لئے اور اگر ہم

چاہتے ہیں تو ہم تمہارے بدلے زمین میں فرشتے بھاڑیں، جو تمہارے
جانشین ہوتے اور بے شک وہ ایک نشانی ہیں قیامت کے لئے۔ پس ہرگز
شک نہ کرنا قیامت میں اور میری پیروی کرنا اور یہ سیدھی راہ ہے۔

آیت کریمہ میں محل استشہاد ”وانه لعلم للساعة“ ہے۔ جس کا مطلب ہے
کہ حضرت ابن مریم علیہ السلام قیامت کی دلیل ہیں اور آپ کا قیامت پر دلیل
ہونا آسمان سے عادل حکمران بن کر نازل ہونے کے سبب ہوگا۔

آیت کریمہ میں ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے۔

اس پر قرأت صحیح میں سے ایک دوسری قرأت بھی دلالت کر رہی ہے۔ جس میں
ہے: ”انہ لعلم للساعة“، یعنی حضرت عیسیٰ قیامت کا اشارہ و رمز ہیں۔ کیونکہ علم بطبع
اللام علامت کے معنی میں ہے۔ آپ کا اس کے سوا کوئی دوسرا مطلب مناسب ہی نہیں
اور اس معنی پر عام مفسرین کرام متفق ہیں۔

اس بارے میں احادیث تو بہت وارد ہیں مگر ان میں سے چند احادیث نقل کی
جاتی ہیں

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے
عنقریب تمہارے اندر امن مریم عادل حکمران بن کر نازل ہوں گے۔ پس
صلیب کو توڑ ڈالیں اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور بزیہ اتار دیں گے اور مال کی
کثرت ہوگی کوئی شخص بھی مال کو قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ نماز کا ایک سجدہ
دنیا و مانیہا سے بہتر ہوگا۔ اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے اگر تمہیں
شک ہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھ لو:

وان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته و يوم القيامة

يكون عليهم شهيدا ○

اور اہل کتاب میں سے کوئی نہیں ہوگا مگر ان پر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے روز ان پر گواہ ہوں گے۔

(۲) حضرت حذیفہ ابن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اس اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا باتیں کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کی کہ ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہیں دیکھ لو گے۔

پھر آپ نے دھویں^۱ (۱) کا ذکر کیا (۲) دجال کا (۳) زمین کے جانور کا۔ (۴) آفتاب کا مغرب^۲ سے طلوع ہونے کا۔ (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا۔ (۶) یا جوج ماجوج اور تین جگہ خف ہونے کا یعنی زمین کے دھنسے کا۔ (۷) ایک (۸) جمہور مفسرین کہتے ہیں یہ وہی دھواں ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

ع۔ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوگا پس جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو سب لوگ ایمان لے آئیں گے مگر یہ وقت ایسا ہوگا کہ اس وقت کا ایمان لانا کسی کو مفید نہ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۝

(الانعام: ۱۵۹)

کسی جان کو ایمان لانا کام نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لائی تھی یا اپنے ایمان میں بھلائی نہ کرائی تھی۔

قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ دو آدمیوں نے اپنا کپڑا خرید و فروخت کے لئے کھولا ہوگا۔ پس وہ نہ اس کی خرید و فروخت کر سکیں گے اور نہ ہی لپیٹ سکیں گے اور قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر لوٹ رہا ہوگا لیکن اس کو نوش نہیں کر سکے گا اور ایک آدمی اپنے پانی کے حق کو درست کر رہا ہوگا لیکن اس سے پانی پی نہیں سکے گا اور تم میں سے ایک آدمی لقمہ اپنے منہ کی طرف اٹھا رہا ہوگا وہ اس کو کھا نہیں سکے گا۔

مشرق میں (۸) دوسرے مغرب میں۔ (۹) تیسرے جزیرہ عرب میں۔ (۱۰) اور ان سب نشانیوں کے بعد ایک آگ پیدا ہوگی، جو لوگوں کو یمن سے نکالے گی اور ہانکتی ہوئی محشر کی طرف لے جائے گی۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ يَفْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ اَلِيمٌ (الدخان: ۱۰، ۱۱)

تم اس دن کے منتظر رہو جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا کہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ یہ ہے دردناک عذاب۔

یہ وہی دھواں ہے جس کی وجہ سے مومن میں رکام کی سی کیفیت پیدا ہوگی اور کافرو منافق کے منتوں اور کانٹوں اور بدن کے سوراخوں سے دھواں داخل ہوگا اور وہ گرمی اور لو کی شدت کے سبب آگ پر بجھنے ہوئے سر کی مانند بن جائیں گے اور حرارت و لو کی سختی سے ان کا دماغ ابلنے لگے گا۔

(۳) حضرت نواس ابن سمران رضی اللہ عنہ کی دجال کے بارے میں مروی وہ حدیث جس کو ہم نے ابھی نقل کیا ہے۔ اس میں ہے کہ دجال اسی حال میں ہوگا کہ ناگاہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم علیہم السلام کو بھیجے گا پس آپ دمشق شہر کے مشرق کی جانب سے سفید مینار کے پاس زرد رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوئے اتریں گے، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنا سر جھکا نہیں گے تو پسینہ چپکے گا اور جب اپنا سر اٹھائیں گے تو موتی کی طرح بوندیں بہیں گی۔ جس کافر کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اس کو ان کے دم کی بھاپ لگے گی اور وہ مر جائے گا اور ان کے دم کا اثر وہاں تک پہنچے گا جہاں تک ان کی نظر پہنچے گی، پھر حضرت عیسیٰ دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ اس کو باب لہ پر پائیں گے اور اس کو قتل کر دیں گے، پھر حضرت عیسیٰ ان لوگوں کے پاس تشریف لائیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے دجال

سے بچایا ہوگا، شفقت سے ان کے چہروں کو سہلا دیں گے اور انہیں بہشت میں ملنے والے درجات سے آگاہ فرمادیں گے۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کرام آپس میں سوتیلے بھائی ہیں۔ جن کی مانگیں مختلف اور دین ایک ہے اور میں لوگوں میں سب سے زیادہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں، بے شک وہ نازل ہوں گے جب تم انہیں دیکھو تو پہچان لو کہ وہ میانہ قد، سرخی اور سفیدی مائل ہوں گے اور ان پر زرد رنگ کے دو کپڑے ہوں گے گویا ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اگرچہ انہیں کسی قسم کی تری نہیں پہنچی ہوگی۔ پس آپ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور اہل ذمہ سے جزیہ قبول نہیں کریں گے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں تمام ملتوں کو سوائے اسلام کے ہلاک کر دے گا اور مسیح و جال کو ہلاک فرمادے گا۔

ان چاروں حدیثوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو بیان فرمایا۔ اس بارے میں ان کے علاوہ بہت ساری احادیث ہیں جن کو یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث منقول ہیں۔ جنہیں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن مسعود، حضرت عثمان بن ابی العاص، حضرت ابو امامہ، حضرت نو اس ابن سمعان، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت مجمع بن حارثہ، حضرت حذیفہ ابن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت فرمایا ہے۔

قل ازیں تم کتاب اللہ کی ان آیات سے آگاہ ہو چکے ہو، جو ان احادیث کے (علامہ ابن اثیر لہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اولادِ اہل بیت علیہم السلام کا جانا ہے، جن کی مانگیں مختلف اور ہاپ ایک ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے انبیاء کرام کی دین ایک ہے اور شریعتیں مختلف ہیں۔)

علوم کی مثل کو بیان کر رہی ہیں اس لئے مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے آخر زمانے میں نزول پر اس طرح اعتقاد رکھنا ضروری ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، اس بات پر بھی مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے جسم سمیت زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صراحتاً بیان فرمایا ہے۔

جب تمہیں یہ امر واضح ہو گیا ہے تو اب ہم دو مسئلے بیان کرتے ہیں جن کا تعلق ان بحث سے ہے، جن میں علم + حقیقت کے اس گوشہ کی وضاحت کریں گے جس کے سوا کسی دوسری جانب رجوع مناسب نہیں۔

(۱) شیخ محمد عہدہ کے مدرسے کے طلباء میں ہے بعض مضمون نگار حضرات نے عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے جسم سمیت آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ کے آسمان کی جانب زمین پر نزول کا بھی انکار کیا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں شیخ محمود دھلتوت نے مجلہ ”الرسالہ“ کے شمارہ نمبر ۴۶۲ میں ایک مقالہ تحریر کیا۔ اس کے بعد اسی بحث میں دوسرے کئی مقالات تحریر کئے اور ان مقالات میں وہ جس نتیجہ پر پہنچا وہ صرف اس بارے میں وارد آیات کی تاویل احادیث کی تاویل اور احادیث صحیحہ سے اس بنا پر اعراض ہے کہ یہ احادیث اخبار احاد ہیں جن پر کسی عقیدہ کی بنیاد رکھنی درست نہیں ہے۔

نبوت کی بحث میں معجزہ کی نسبت علم و عقل کے موقوف کے سلسلہ میں جو کچھ ہم نے تحریر کیا ہے امید ہے کہ تم نے وہ پڑھ لیا ہوگا۔ وہاں پر آپ دین کا صراحتاً انکار کی بجائے معجزہ کا انکار کرنے والے مکتب فکر کے حال، اس مکتب فکر کے قیام کے مضمرات اور اس کو تشکیل دینے والے اسباب و محرکات سے مطلع ہو چکے ہوں گے۔

پس جو کچھ ہم نے وہاں بیان کیا اس کو تم اپنے ذہن میں حاضر کر لو گے۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر نصوص قطعہ قائم ہونے کے باوجود اس

کا انکار اس مکتب فکر کی طبعی حدائے بازگشت ہے یہ ایسا نتیجہ ہے جو اس مکتب فکر کے اصول و مبادی سے مکمل طور پر متفق ہے۔

اس مکتب فکر کے داعی اور اس کی پیروی کرنے والے حضرات اضطراب و سرگرمی اور اندھی ڈنگا ہٹ میں پڑنے سے کوئی ہاک محسوس نہیں کرتے۔ اس کی مثال اسلام اور انکار معجزات کے عقیدہ کو باہم جمع کرنے اور ان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کے حیلہ کو قرار دیا جاسکتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ صرف ظاہری اعتبار سے حیلہ ہے جسے مسلمانوں کی ناراضی سے بچنے اور مذہبی طور پر خاموشی سے اپنے باطنی عقائد تک رسائی کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔

یہ وہی ڈنگا ہٹ ہے جس نے ایک شخص کو شیخ ہشتوت بنا دیا۔ جو خوارق و معجزات کے انکار کے عقیدہ کو تسلیم کرانے کی غرض سے ستر احادیث کی ان کے راویوں سمیت تکذیب کرنے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے لے کر اپنے استاذ کے مکتب کے ظہور تک کتاب اللہ کے جمہور مفسرین کو خطا پر ٹھہرانے میں کوئی ہاک محسوس نہیں کر رہا اور تعجب انگیز بات تو یہ ہے کہ یہ شخص احادیث کے بغیر کسی حقیقی دلیل یا صورت دلیل کے تکذیب کر رہا ہے مفسرین کو بغیر کسی حقیقی دلیل یا صورت دلیل کے خطا پر ٹھہرا رہا ہے۔ ہاں البتہ اس کے پاس ایک دلیل ضرور ہے اور وہ دلیل معروف اسباب و محرکات کی بناء پر قائم ہونے والی اس قلیل جماعت کا شند و دہے، جو معجزات کا انکار کرتی ہے۔ پس یہ وہ دلیل ہے جو نصوص سنت اور دلالت کتاب اللہ کو ان کی جڑوں اور بنیادوں سے اکھٹرنے اور ان سے اجمالاً و تفصیلاً اعراض برتنے کو چارہ قرار دے رہی ہے۔

سنت کا مختصر سا حصہ ہم نے آپ کے سامنے نقل کر دیا ہے جس کی صریح دلالت سے تم واقف ہو چکے ہو اور کتاب اللہ کی آیات بھی نقل کی ہیں جن میں سے ہر آیت اس معنی پر واضح دلالت کر رہی ہے جس کو جمہور مفسرین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختیار فرمایا ہے لیکن قلیل جماعت اپنی تمام تر کوشش کے ساتھ آیت رفع کی

تادیل اور اس کو رفع روح یا رفع درجہ کے معنی کی جانب لے جانے پر ڈٹی ہوئی ہے ان کا خیال ہے کہ تادیل کا طلاء جب رفع کی نصوص پر قائم ہو جائے تو اس کے بعد تادیل کی نصوص پر باسانی قائم ہو جائے گا لیکن اس کا یہ مقصد کبھی بھی پورا نہیں ہوگا۔

اور اس سلسلہ میں وہ اکثر قرآن کریم کی آیت اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی مصوفیک ورافعک الی و مطہرک من الذین کفروا (آل عمران: ۵۵) کے کلمہ ”مصوفیک“ کو پیش کرتے ہیں ان کے خیال میں ”مصوفیک“، ”مصیتک“ کا مترادف ہے حالانکہ علماء لغت میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں بلکہ ”تسوفی“ کا معنی کسی شیء کو پورا پورا لینا اور قبضہ کرنا ہے۔ اس کا مترادف استیفاء ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں ”استوفیت حقہ و توفیتہ“ یعنی میں نے اپنا پورا حق قبضہ کر لیا۔ لیکن امانت جس کا معنی روح کا لینا ہے یہ توفی کے معنی کی انواع میں سے ایک نوع ہے توفی روح کے لینے کو بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ کو بھی شامل ہے۔ ان لوگوں کو عوام الناس کا اس کلمہ کو صرف موت کے معنی میں کثرت سے استعمال کرنے اور اس کے اصلی لغوی معنی سے غفلت برتنے کی وجہ سے وہم لگا ہے۔

اگر یہ لوگ لغت کی جانب رجوع کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ ”تسوفی“ کے دوسرے موت کی تعبیر دلالت لغویہ کا دوسرا مرتبہ ہے جیسا کہ علامہ مصطفیٰ صبری کہتے ہیں اسی لئے علامہ زمخشری نے اپنی کتاب ”اساس البلاغہ“ میں بیان کیا ہے کہ موت کی تعبیر وفات سے کرنا مجاز ہے اور آیت کریمہ کے ”کلمہ مصوفیک“ میں مجاز کے احتمال کی نفی دوسری آیت کریمہ کی قطعی دلالت کر رہی ہے جس میں کسی قسم کی تاویل ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وقولہم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ ما لهم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوه

یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزاً حکیمًا۔

اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی پر چڑھا سکتے بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہ کا ایک شخص بنا دیا گیا اور جنہوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ ضرور اس کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں اور انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی کہ گمان کی پیروی۔ بے شک انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

عربی کلام کو عربی لغت کے قواعد اور اس کی لغوی دلائلوں کے مطابق سمجھنے والا صاحب عقل اللہ تعالیٰ کے فرمان: ”وما قتلہوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ“ سے سمجھ لیتا ہے کہ اپنے نبی کو آسمان کی طرف اٹھا کر ان سے پوشیدہ فرمایا جس کے سبب وہ ان کے قتل اور سولی چڑھانے پر قادر نہیں ہو سکے۔

اس معنی پر آیت کے الفاظ اور ان کی لغوی دلائلیں اور ”کلمہ بل“ کے ماقبل اور مابعد کے درمیان پائے جانے والے مناسب تقابل کی ضرورت بھی دلالت کر رہی ہے۔ تمہارا عربی ہونے کی صورت میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ ”ولا لست جاعلاً بل انا مضطجع میں بھوکا نہیں بلکہ میں لیٹنے والا ہوں“ بلکہ تم یہ کہو گے ”لست جاعلاً بل انا شعبان میں بھوکا نہیں بلکہ میں سیر ہوں اور تمہارا یہ کہنا بھی درست نہیں ہوگا ”مامات خالد بل هو رجل صالح خالد پر موت واقع نہیں بلکہ وہ تو نیک بندہ ہے“ بلکہ تم یہ کہو گے کہ ”مامات خالد بل ہم حسی خالد پر موت واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ تو زندہ ہے“ اور ایسے تمہارا یہ کہنا بھی درست نہیں ہوگا ”ما قتل الامیر بل هو ذو درجۃ عالیۃ عند اللہ بادشاہ قتل نہیں کیا گیا بلکہ وہ تو اللہ کے ہاں بلند مرتبہ والا ہے“ کیونکہ اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مرتبہ والا ہونا اس کے قتل کئے جانے کے منافی نہیں

بلکہ ”کلمہ بل“ اپنے مابعد کی دلیل کے سبب اپنے ماقبل کو باطل کرنے کے لئے آتا ہے۔

اس لئے آیت کریمہ کا معنی یقیناً یہ ہوگا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے درمیان سے بہت کر آسمان کی طرف اٹھا لیا ہے لیکن شیخ شلتوت اصرار کر رہے ہیں کہ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ یہودیوں نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مرتبہ اپنے تک بلند کیا ہے، یہ معنی قواعد عربیہ اور ان کی لغوی دلائلوں کے بھی مخالف ہے اور اہل عرب اور تمام مفسرین کی تصریحات کے بھی مخالف ہے۔

تم شیخ شلتوت کی طرح کے ان لوگوں سے جو آیت کریمہ کی تفسیر میں اس مذہب کو اختیار کرتے ہیں یہ دریافت کر سکتے ہو کہ رفع سے جب رفع مرتبہ مراد ہے تو آیت کریمہ میں ”الیہ“ کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی مثل اللہ اور معبود بنا لیا ہے؟ کیونکہ تمہارے اس کہنے کا ”ان اللہ رفع مقام فلان الیہ اللہ نے فلاں کے مرتبہ کو اپنے تک بلند فرمایا ہے“۔ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اپنے مرتبہ میں رکھا ہے یعنی اس کو اپنا ہم مرتبہ بنایا ہے؟

اور اگر رفع سے مراد رفع درجہ ہے تو پھر رفع کو قصد قتل یا صلیب (سولی چڑھانے) کے حال سے منقید کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا درجہ کی بلندی اس سے قبل نہیں ہو سکتی تھی؟

یہ ایسے سوالات ہیں جن کا کوئی جواب نہیں سوائے اس بے معنی تاویل کے جو اپنے دلوں میں انکار معجزات و خوارق کے جاگزیں مرض کی خدمت کی خاطر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے یہ ضرب المثل ایجاد کی ہے کہ: ایک

آدمی نے ایک موٹے تازے گدھے کو دیکھا اور اس کا گوشت کھانے کی شدید رغبت پیدا ہوئی تو اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوا کہ تعجب ہے کہ اس کے کان خرگوش کے کانوں کی مانند ہیں۔^۱ (خوئے بدرابہاندہ بسیار است)

انسان کی حالت بھی کتنی عجیب ہے کہ جب تک صحت مند اور طاقتور ہوتا ہے ہر طرف سے نعمتوں میں ڈوبا ہوتا ہے تو دھوکے میں مبتلا رہتا ہے اور اپنے عناد میں ہر راہ کو اختیار کرتا ہے اور حق سے اندھا رہتا ہے لیکن جب کوئی دائمی مرض لاحق ہوتا ہے یا خالق کی طرف سے کوئی اور پریشانی گھیر لیتی ہے تو تائب ہو جاتا ہے اور عاجزی و زاری کرنے لگتا ہے۔

کیا انسان کے لئے یہ زیادہ بہتر نہیں کہ وہ اس حالت تک بالفعل پہنچنے سے پہلے پہنچنے کی تدبیر کر لے تاکہ لوگوں کے دھوکے میں مبتلا ہونے اور ان پر امر کے اشتباہ و اختلاط کا سبب نہ بنے؟ کتنے لوگ حالت نزع میں تائب تو ہو چکے مگر ان کے تحریر شدہ وسوسے اور پراگندہ خیالات لوگوں کے ذہنوں میں اپنا اثر کرتے رہے۔

(۳) قادیانی فرقہ کی گمراہی

(۲) دوسرا مسئلہ جس کی جانب آپ کو متوجہ کرنا ضروری ہے وہ اس فرقہ کی احمقانہ سوچ ہے جس نے اپنی عقلیں انگریزوں کے واضح منصوبہ اور کھلی سازش کی خاطر فروخت کر دی تھیں اس فرقہ کا سربراہ یہ دعویٰ کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر جس شخصیت کے ظہور کا وعدہ فرمایا ہے وہ حضرت عیسیٰ امین مریم نہیں بلکہ ان کا پیشی ہے۔ مثل عیسیٰ کا ظہور زمین میں ہی ہوگا آسمان سے اس کا نزول نہیں

۱ (شرح عقائد آخری ایام میں جب اپنے جسم کے شل ہونے کی مشقت اٹھا رہے تھے۔ اس دوران ان کے ہمراہ رہنے والے چند علماء اذہر نے یہ روایت کی ہے کہ شیخ علقموت نے ان تمام کتب اور صفحات کو جلا ڈالا تھا جن میں بعض شاذ و نادر تحریر تھیں اور ان آراء میں سب سے مقدم حضرت عیسیٰ امین مریم کا مسئلہ تھا، ان علماء کو شیخ علقموت نے مخاطب کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ تم گواہ رہو کہ میں نے اس عقیدے سے تو بہ کر کے جمہور مسلمین اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کی طرف رجوع کر لیا ہے۔

ہوگا جس مثل عیسیٰ کے ظہور کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے وہ میں ہی ہوں اور میں ہی مسیح موعود ہوں۔ کچھ عرصہ بعد اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ دعویٰ کرنے لگا کہ میں مستقل نبی اور رسول ہوں مجھے شریعت دی گئی ہے اور پھر اپنے لئے اور معجزات گھڑنے لگا۔ جن کے متعلق اس کا زعم تھا کہ یہ اس کی مؤیدات ہیں اور شہر قادیان میں اپنے لئے ایک عبادت خانہ تعمیر کیا جس کا نام مسجد اقصیٰ رکھا اور اپنے شہر کو مکہ مسیح کا نام دیا اور قبرستان کی ایک جگہ بنائی، اس کو مقبرہ جنت یعنی جنتی قبرستان قرار دیا، اس میں مدفون ہونیوالے کو جنتی قرار دینے لگا اور اپنی بیویوں کو امہات المؤمنین کہلوانے لگا، ہر حیلہ و ذریعہ سے اپنے پاس حمایتیں اور بیروؤں کو جمع کرنے لگا، برطانوی استعمار اس کی پشت پر اس کا دفاع کرتا رہا اور اس کو پروان چڑھاتا رہا اور اس کے بعد اس نے اعلان کر دیا کہ کتاب اللہ اور سنت کے ظاہر سے جو سمجھا جاتا ہے وہ مراد نہیں بلکہ یہ کنایات و استعارات اور مجاز ہیں۔ کتاب و سنت کے احکام میں جس طرح چاہا تحریف کر دی، ان جملہ تحریفات میں سے ایک یہ ہے کہ عام کافروں کے حق میں بالعموم اور انگریزوں کے حق میں بالخصوص جہاد کو منسوخ قرار دیا۔ اس پر دلیل یہ دی کہ انگریزوں کا مسلمانوں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ نہایت ہی عمدہ ہے اور مسلمانوں کے بارے میں ان کا موقف بہت ہی اچھا ہے۔

اس حال پر قائم نبوت کا دعویٰ کرتا رہا، اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام پر افتراء و باندھنارہا اور اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے مسیح عیسیٰ امین مریم علیہا السلام کے قائم مقام ظاہر کرتا رہا یہاں تک کہ ہیضہ کی مرض میں مبتلا ہو کر مراد بیت الخلاء میں اونڈھے منہ گر کر نہایت ہی برے منظر میں اس کی موت واقع ہوئی اس کی یہ موت اہل بصیرت کے لئے عبرت کا باعث ہے۔ یہ غلام احمد قادیانی تھا جس کی پیدائش ۱۲۵۲ھ میں ہوئی اور موت ۱۳۲۶ھ کو واقع ہوئی اس گمراہ کن دجال کے نائب اپنے اس جھوٹے نبی کی

گمراہیوں اور ضلالتوں کو مختلف شہروں اور ملکوں میں پھیلائے اور نشر کرنے لگے۔ آپ نے جگہ جگہ ان کے گروہوں اور گروپوں کے بارے میں ضرور سنا ہوگا اور برطانیہ کے ان کو اپنے شہروں میں جو رعایت و عزت دی ہے اس کے متعلق بھی سنا ہوگا۔ برطانیہ کے شہروں میں ان کے مخصوص عبادت خانے ہیں، انہیں اپنے جھوٹ کو پھیلائے اور گمراہیوں کو پروان چڑھانے کے لئے وہ سب سہولیات میسر ہیں، جو ان کے سوانحی بھی حاصل نہیں۔

اس گمراہی سے آپ کو آگاہ کرنے سے ہمارا مقصد اس کا منکشف کرنا اور اس کے باطل ہونے پر دلائل پیش کرنا نہیں کیونکہ اس کی کمزوری واضح اور ظاہر ہے، بحث و فکر کی محتاج نہیں لیکن اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ تمہیں یہ معلوم ہوتا چاہئے کہ اسلام دشمن ہر جھوٹے مذہب اور باطل دعوت کے پس پشت کیسے اپنا کام کر رہا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ برطانیہ اسلام کو نقصان پہنچانے میں اس ذریعہ سے اتنا کامیاب ہوا کہ اسلام اور مسلمان کا کوئی دوسرا دشمن اس درجہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔

اگر آپ کو برطانیہ کی مسلمانوں کے ساتھ باعموم اپنے نوآبادیاتی اسلامی خطوں کے ساتھ بالخصوص تاریخ اور اس کے ماضی سے واقفیت حاصل ہو جائے تو آپ کو ایسا امر معلوم ہوگا جو دماغوں میں دہشت پھیلاتا ہے اور عقلموں میں عبرت پیدا کرتا ہے۔

(۴) یاجوج و ماجوج کا ظہور

قرآن کریم نے یاجوج و ماجوج کے کلمات سے انسانوں کی ایک بڑی جماعت کو تعبیر فرمایا ہے جن سے دنیا کو اچانک سامنا کرنا پڑے گا اور دنیا میں ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوئے ظاہر ہوں گے اور بڑی خوفناک اور ہیبت ناک صورت میں زمین کے اندر فساد اور تباہی پھیلا دیں گے۔

قرآن حکیم نے ان کے ظہور کے وقت کو لوگوں سے مخفی رکھا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن ان کے ظہور کو قرب قیامت کی علامات میں سے ایک

علامت قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں ان کے بارے میں ہے۔

حتى اذا فتحت ياجوج و ماجوج وهم من كل حدب ينسلون ۝ واقرب الوعد الحق فاذا هي شاحصة ابصار الذين كفروا يويلنا قد كنا في غفلة من هذا بل كنا ظالمين ۝ (النہار: ۹۶-۹۷)

یہاں تک کہ جب کھولے جائیں گے یاجوج و ماجوج اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوں گے اور قریب آیا سچا وعدہ (یعنی قیامت) تو جیسی آنکھیں پھٹ کر رو جائیں گی کافروں کی کہ ہائے ہماری خرابی بے شک ہم اس سے غفلت میں تھے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

قالوا يا ذوال القرنين ان ياجوج و ماجوج مفسدون في الارض فهل نجعل لك خرجا على ان تجعل بيننا و بينهم سدا ۝ قال ما مكني فيه ربي خيرا فاعينوني بقوة اجعل بينكم وبينهم ردما ۝ اتوني زبر الحديد حتى اذا ساوى بين الصدفين قال انفخوا حتى اذا جعله نارا قال اتوني افرغ عليه قطرا ۝ نبا استطاعوا ان يظهروه وما استطاعوا له نقبا ۝ قال هذا رحمة من ربي فاذا جاء وعد ربي جعله دكا و كان وعد ربي حقا ۝ و تركنا بعضهم يومئذ يموج في بعض

(النہار: ۹۸-۱۰۱)

انہوں نے کہا بے شک یاجوج و ماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ مال مقرر کر دیں اس پر کہ آپ ہم میں اور ان میں ایک

دیوار بنا دیں تو کہا وہ جس پر مجھے میرے رب نے قابو دیا ہے بہتر ہے تم میری مدد طاقت سے کرو میں تم میں اور ان میں ایک مضبوط آڑ بنا دوں میرے پاس لوہے کے تختے لاؤ یہاں تک کہ جب دیوار دونوں پہاڑوں کے کناروں سے برابر کر دی تو کہا دھونکو یہاں تک جو اسے آگ کر دیا کہا لاؤ میں اس پر گلا ہوا تانبہ اٹھیل دوں تو یا جوج و ما جوج اس پر نہ چڑھ سکے اور نہ اس میں سوراخ کر سکے۔ کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا اسے پاش پاش کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔ اور اس دن ہم انہیں چھوڑ دیں گے کہ ان کا ایک گروہ دوسرے پر ریلا آئے گا۔

ان کے بارے میں احادیث بھی ہیں جو ان کے بارے میں وارد قرآن کی جڑوں کی تائید کر رہی ہیں۔

امام بخاری و امام مسلم وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے اور فرمایا: لا الہ الا اللہ خرابی ہے عرب کی اس آفت سے جو نزدیک ہے۔ آج یا جوج و ما جوج کی آڑ اتنی کھل گئی ہے اور سفیان نے جو اس حدیث کے راوی ہیں دس کا ہندسہ بنایا یعنی انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے حلقہ بنایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم تباہ ہو جائیں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب برائی زیادہ ہوگی۔

امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام احمد بن حنبل نے حضرت نو اس ابن سیمان رضی اللہ عنہ سے وہ طویل حدیث روایت کی ہے جس کو ہم نے سابقہ صفحات میں نقل کیا ہے، جس میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام اور دجال کی خبر دی گئی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ یا جوج و ما جوج کو بھیجے گا اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں

گے، ان کا پہلا حصہ طبرستان کے دریا سے گزرے گا اور جتنا پانی اس میں ہوگا پلے گا اور جب ان کا آخری حصہ وہاں سے گزرے گا تو کہے گا کبھی اس دریا میں پانی بھی تھا۔ امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ابن اسید غفاری سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم باتیں کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت قائم ہوگی جب تک دس نشانیاں اس سے پہلے نہیں دیکھو گے پھر آپ نے دھونیں کا، دجال کا، زمین کے جانور کا، آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اترنے کا، یا جوج و ما جوج نکلنے کا اور تین جگہ نصف ہونے یعنی زمین دھنسنے کا ذکر فرمایا ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرہ عرب میں اور ان سب نشانیوں کے بعد ایک آگ پیدا ہوگی جو بہمن سے نکلے گی اور سب لوگوں کو ہانکتی ہوئی مہشر کی طرف لے جائے گی۔

لہذا یہ آیات اور احادیث زمین میں فساد مچانے والے اس گروہ کے ظہور کو قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہونے پر قطعی دلالت کر رہی ہیں پس اس پر اعتقاد کتاب و سنت پر ایمان رکھنے کی ضروریات میں سے ہے۔ رہا ان کی صفات کی تفصیلات ان کی کیفیات اور ان کے احوال کی تفصیل کا علم تو عقائد کے باب میں ان میں سے کسی کو جاننا لازم نہیں بلکہ ان کے احوال و صفات اور ان کے اجسام کی اشکال وغیرہ کی تفصیلات کا زیادہ تر حصہ لوگوں نے احادیث ضعیفہ یا منکرہ یا باطلہ کے ذریعہ نقل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں غور و خوض کی بہ نسبت قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد احادیث کی صراحت سے ثابت شدہ قطعی دلالت کی حدود پر توقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس کے بعد حقیقت اور تفصیلات کی معرفت کے لئے خود ان کے وقوع کے زمانے کا انتظار کیا جائے جو ان کے متعلق تمام تفصیلات سے آگاہ کر دے گا کیونکہ

یا جوج و ماجوج قطعی امور میں سے ایک غیب ہے۔ قیامت سے پہلے جن کے ظہور کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اطلاع دی ہے اور ابھی تک ان کا ظہور نہیں ہوا اور ابھی تک ان کا معاملہ غیب کے پردوں میں چلا آ رہا ہے۔ صرف قرآن و سنت کی اخبار اجمالی طور پر ان کے متعلق اطلاع دے رہی ہیں جب کہ ان کی وہ تفصیلات جو اسناد باطلہ یا ضعیفہ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے ان میں غور و خوض کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور ان کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے سوائے انکل پچھ کے کوئی ذریعہ نہیں۔

اس سے آپ نے معلوم کر لیا ہوگا کہ بعض لوگوں کا قیاس و اجتہاد سے یہ کہنا کہ یا جوج و ماجوج تاری اور منگول تھے جو آئے اور ختم ہو گئے۔ یہ غیر معتبر بات ہے اور نہ ایسی بات کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس کا کوئی سبب ہے بلکہ یہ ان احادیث صحیحہ کے بھی مخالف ہے جو یہ بتا رہی ہیں کہ یا جوج و ماجوج کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانہ میں دجال کے ظہور کے بعد ہوگا۔

ہمارے لئے ان کے بارے میں اتنا جانتا کافی ہے کہ یہ گروہ جب ظاہر ہوگا تو اس کا ظہور اپنا تمام لوگوں سے متعارف کروادے گا جس میں نہ کسی شک و شبہ کی گنجائش ہوگی اور نہ ہی کسی قیاس و اجتہاد کی ضرورت رہے گی۔

(۵) دابة الارض کا ظہور

دابة الارض (زمین کا جانور) ایک ایسے حیوان کی قرآنی تعبیر ہے جس کی نوع، شکل اور ہیئت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، یہ حیوان قیامت سے تھوڑی دیر پہلے ظاہر ہوگا اور لوگوں سے ہم کلام ہوگا اور ہر انسان کے ایمان اور کفر کو بیان کرے گا، کافر پر کفر کی علامت لگا دے گا اور مومن پر ایمان کی مہر ثبت کر دے گا اور اس وقت کسی انسان کو ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دے گا جب کہ پہلے سے ایماندار نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

و اذا وقع القول عليهم اخرجنا لهم دابة من الارض تكلهم

ان الناس كانوا باياتنا لا يوقنون (نمل ۸۲)

اور جب بات ان پر آ پڑے گی ہم زمین سے ان کے لئے ایک چوپایہ نکالیں گے جو لوگوں سے کلام کرے گا اس لئے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے

(۱) حضرت امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث یاد رکھی ہے جس کو میں کبھی نہ بھولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت لوگوں پر زمین کے جانور کا نکلنا ہے جو نشانی ان دونوں میں سے پہلے ہو تو دوسری بھی اس کے بعد جلدی ظاہر ہوگی۔

(۲) امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ چیزوں سے پہلے نیک اعمال کرنے میں جلدی کرو ایک دجال، دوسرا دھواں، تیسرا زمین کے جانور اور چوتھا آفتاب کا مغرب سے نکلنا، پانچواں قیامت اور چھٹا موت یعنی جب یہ باتیں آجائیں گی تو نیک اعمال پر قدرت نہ رہے گی۔

(۳) ابھی ہم نے حضرت امام مسلم اور دیگر محدثین کے حوالہ سے حدیث نقل کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ تم کیا باتیں کر رہے ہو؟ تو صحابہ نے عرض کیا کہ قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں جس پر آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم اس سے قبل دس نشانیاں

نہ دیکھ لو اور ان دس نشانیوں میں زمین کے جانور کا بھی شمار فرمایا۔

(۶) آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا

آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا قیامت کی ان نشانیوں میں سے ہے جسے صرف سنت نے صراحتاً بیان فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامات قیامت کے سلسلہ میں ایک طویل حدیث نقل فرمائی ہے جس میں ہے قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک آفتاب مغرب سے طلوع نہ ہوگا جب آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا تو لوگ اس کو دیکھیں گے اور سب ایمان لائیں گے لیکن اس وقت کسی کو ایمان لانا فائدہ نہیں دے گا جب کہ وہ پہلے سے ایماندار نہ ہوں یا اپنے ایمان میں خیر کا کسب نہیں کیا ہے تو۔

اور دلیہ الارض کے سلسلہ میں جو احادیث ہم نے نقل کی ہیں وہ بھی اس طرح آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کو قیامت کی نشانی قرار دے رہی ہیں۔

آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس روز سورج اپنے معمول کے مطابق مشرق سے طلوع ہونے کی بجائے مغرب سے طلوع ہوتے ہوئے ظاہر ہوگا۔ گویا اس روز اللہ تعالیٰ زمین کی گردش کو الٹ دے گا، زمین کی گردش کے ساتھ لوگوں کو آفتاب کی سیر بھی برعکس نظر آئے گی۔

اِس سے ہمارا مقصد اس ذریعہ اور وسیلہ کو بیان کرنا نہیں جس کے سبب سورج مغرب سے طلوع ہوگا اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے بلکہ ہمارا مقصد صرف اس پر ایمان رکھنے کے وسیلہ تک قریب کرنا اور یہ بتانا مقصود ہے کہ آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا کائنات، اللہ کی مشیت سے جس نظام پر قائم ہے اس کے بعض حصہ کی تبدیلی سے خارج نہیں۔

رہا زمین کی حرکت و سکون کی تحقیق کا مسئلہ تو اس کا دینی مفاد سے کوئی تعلق نہیں لہذا جز زمین کے متحرک یا ساکن ہونے میں تردد ہے وہ اس کے سبب کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہو رہا کیونکہ زمین کی حرکت و سکون کا معاملہ ان دنیاوی امور سے تعلق رکھتا ہے جن کو در یافت کرنے کی اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بحث و نظر کی قوت رکھی ہے۔ تجربہ اور حسن کے تحت آنے والے ان امور کے سلسلہ میں قطعی، علمی و دلیل جو کچھ بھی انکشاف کرے اس پر یقین رکھنا ضروری ہے اور جن کی حقیقت قطعی دلیل کے ذریعہ منکشف نہ ہو ان میں انسان کے لئے بہتری اسی میں ہے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔

پس یہ تمام امور جن کا بیان سابقہ صفحات میں ہو چکا ہے قیامت کی ان اہم علامات میں سے ہیں جن کا علم ہم تک فخر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہنچا ہے اور ان کے وجوب اعتقاد پر مسلمانوں کا اجماع ہے، ان کے علاوہ بھی قیامت کی بہت ساری نشانیاں ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہت ساری احادیث میں بیان فرمایا ہے اور ان علامات میں کافی ساری علامات اس طرح ظاہر ہو چکی ہیں جس طرح آپ نے بیان فرمایا تھا جنہیں اس مقام پر ذکر کرنے اور بحث کو وسعت دینے کی گنجائش نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۳) روز قیامت اور اس کے حادثات

تمہید

جب قیامت کی مذکورہ بالا علامات مکمل ہو جائیں گی اور وہ معین لمحہ آجائے گا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں معلوم اور تمام بندوں سے مخفی ہے۔ (یہ وہی لمحہ ہے جس میں دنیا و مافیہا کی عمر اختتام پذیر ہو جائے گی) تو اس وقت جو شے بھی اس روئے زمین پر اور کائنات کے دیگر حصوں میں ہے اس کی حیات ختم ہو جائے گی اور کائنات کا سارا نظام ایک لمبی مدت تک اپنے مالک کی خدمت میں جاری رہنے اور اس کے وضع فرمودہ طریقہ پر کار بند رہنے کے بعد اس معین لمحہ میں درہم برہم ہو جائے گا اور نظام حیات کائنات کی متعین ڈیوٹی اس لمحہ میں اپنے انجام کو پہنچ جائے گی۔ اس کے بعد خلق و تکوین اور نظام کائنیا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

پس یہ وہ حد ہے جہاں کائنات سے حیات معدوم ہو جائے گی اور نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا، اس کے آثار بدل جائیں گے اور اس کے اجزاء بکھر جائیں گے یہ اسی روز کا آغاز ہے جس کو قرآن کریم ساعت اور یوم قیامت قرار دیتا ہے یہ سلسلہ حشر اجساد اور ان میں ارواح کے اعادہ اور طول حساب، میزان اور پل صراط کے عبور کرنے سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور جہنمیوں کے جہنم میں استقرار تک پھیلا ہوا ہوگا۔

کی مت کیسے قائم ہوگی اور حیات کیسے معدوم ہوگی؟

اس بارے میں جس چیز کا آپ کو جاننا ضروری ہے اس کی معرفت کے لئے قرآن حکیم کی درج ذیل آیات کو پڑھنا کافی ہے۔

(۱) ونفخ فی الصور لنصعق من فی السموات و من فی الارض
الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخری فاذا هم قیام بنظرون ۵
(نور: ۶۸)

اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے آسمان میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں مگر جسے اللہ چاہے پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جب ہی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

قیامت کے دن جدید ایٹمی اسلحہ کے استعمال کا کوئی تعلق نہیں

آپ کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ قیامت کو قائم کرنے اور حیات کو ختم کرنے میں انسانوں کے باہمی حملوں اور امتوں اور قوموں کی باہمی جنگوں اور ان میں دھماکہ خیز اور ہلاکت انگیز اسلحہ کے استعمال کو کوئی دخل نہیں لیکن بعض وہ حضرات جو اشیاء میں ہتھیاروں کے دوران اپنے اپنے خیالات کے مطابق رکھنا پسند ہے انہیں جدید ایٹمی اسلحہ کو قیامت کی کیفیت کی تفسیر قرار دینا اچھا لگتا ہے ان کے خیال میں یہ تفسیر ملحدین اور کفر میں مبتلا لوگوں کو قیامت پر ایمان رکھنے میں آسانی پیدا کر دے گی لیکن یہ ایسی جہالت میں مبتلا ہونا ہے جو کسی حال میں بھی مناسب نہیں اور یہ ایسے معاملہ میں اجتہاد ہے جس میں اجتہاد و نظر کی گنجائش ہی نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات نصوص قرآن کے بالکل مخالف ہے نیک نیتی اور حسن باطن سے اس بات کی جرأت کرنے والے ان حضرات سے یہ امر مخفی ہے کہ جس صور کے پھونکنے کی اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے اس کے سبب تمام روحیں بے ہوش ہو جائیں گی جن میں زعموں مردوں، انسانوں، فرشتوں اور جنوں سب کی ارواح شامل ہیں۔ ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں کی ہلاکت انگیزی

اور بتائی کتنی بھی سیوں نہ ہوں میں یہ اثر کہاں ہے کہ وہ ان تمام ارواح کو بے ہوش
کیں؟ فرشتوں اور مردوں کی روحوں پر ان کا کون سا اثر یا تسلط قائم ہے؟

(۲) وما ينظرون الا صيحة واحدة تاخذهم وهم يخصمون

ولا يستطيعون توصية ولا الى اهلهم يرجعون (النہن: ۵۰، ۵۱)

راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چیخ کی کہ انہیں آلے گی جب وہ دنیا کے بھڑے
میں پھنسے ہوں گے نہ تو وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر پلٹ کر جا سکیں
گے۔

اس کی معرفت کے بعد تمہارا اللہ تعالیٰ کی اطلاع کے مطابق اس پر ایمان رکھنا
لازم ہے۔

قیامت کے روز صور پھونکا جائے گا اور صور سے مراد بگل ہے جس وقت صور پھونکا
جائے گا اس وقت تمام ارواح بے ہوش ہو جائیں گی سوائے ان ارواح کے جن کے
بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ وہ بے ہوش نہ ہوں احتمال ہے کہ ان سے مراد
انبیاء کرام اور شہداء کی ارواح ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان سے مراد حضرت اسماعیل و
حضرت میکائیل و حضرت جبرائیل اور ملک الموت حضرت عزرائیل کی مثل بعض فرشتے
ہوں۔ اس سلسلہ میں بعض احادیث بھی وارد ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہی اپنی مراد کو خوب
جاننے والا ہے) رہ گئی یہ بات کہ صور کہاں ہے اور اس کی شکل و ہیئت کس قسم کی ہے اور
وہ کون سی چیز ہے جو پھونکنے سے اس میں پیدا ہوگی جو اس قسم کا عجیب و غریب اثر
چھوڑے گی؟ ان سب امور کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے ہاں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان میں سے
کسی کی حقیقت ہم پر منکشف فرماتا تو ہم جانتے لیکن عقل کے بس میں نہیں کہ وہ اس
سلسلہ میں کسی چیز کو معلوم کر سکے، اللہ تعالیٰ نے یہ علم بندوں سے مخفی رکھا ہے۔

قیامت سے قیام پر دلائل

برادر مسلم یہ بات ذہن نشین کر لو کہ اللہ تعالیٰ نے جن نبی اخبار کے متعلق اطلاع

ہی ہے ان میں مطلقاً سب سے اہم ترین اور عظیم ترین قیامت کا قائم ہونا ہے، اس کی
اہمیت و عظمت زیادہ غیر مانوس ہونے اور انسان کے مالوف و مقاد اور انسانی
سورات سے بعید ہونے کی وجہ سے بھی ہے اور اس لئے بھی ہے کہ انسان اس وقت
کا ہکا کرنے والے اس عذاب کا انتظار کر رہا ہے جس کا تصور ممکن نہیں یا اس دائمی نعمت
کا غلط ہے جو ایسی چیز پر مشتمل ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کان نے سنا نہ کسی
دل پر اس کا گزر ہوا ہے اور قیام قیامت اس حیثیت سے بھی عظیم تر اور اہم تر ہے کہ
اس روز انسان اپنے خالق حقیقی کے حضور ذلت و عاجزی کی حالت میں حاضر ہوگا اور
اس کا مالک حقیقی اس سے ہم کلام ہوگا اور اس کا محاسبہ فرمائے گا اور ہر چھوٹی اور بڑی
چیز کے متعلق اس سے دریافت فرمائے گا۔

اور قیامت کا قائم ہونا اس لئے بھی زیادہ اہمیت و عظمت کا حامل ہے کہ انسان
کے وجود کا تمام تر دار و مدار اسی روز پر ہے کہ کیونکہ آج کی انسانی حیات اور اس میں
موجود محنت و مشقت، حصول رزق و تمام دوڑ و دوپ، عقل و شہوات اور تمام خواہشات
یہ سب امور اس روز اپنے خالق کے ساتھ ملاقات کرنے کی تیاری اور تمہید ہیں ان
تمام جہات سے اس عظیم حادثہ کی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم بار بار غیر منقطع تاکید
کے ذریعہ انسان کو اس کی اطلاع دیتا رہتا ہے اور اس کی ہولناکیوں سے ڈراتا رہتا ہے
اور اس عظیم کتاب کے ہر صفحہ میں تمہیں قیامت کے متعلق بیان اور اس کی جانب
انسان کو متوجہ کرنے والی بات ضرور ملے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید میں
موجود یہ ڈرانے اور تنبیہ کرنے والی نصوص قیامت کے قائم ہونے اور اس کے بعد
رودنا ہونے والے امور پر عظیم ترین دلائل اور براہین ہیں۔

قرآن کریم میں جس طرح مختلف اسالیب عربیہ کے ساتھ خبر قیامت کی تاکید کی
گئی ہے تمہیں قرآن میں اس کی مانند کوئی دیگر خبر نہیں ملے گی اور انسانوں کو اس روز کی
عظمت اور اہمیت سے آگاہ کرنے کے لئے نظم و اسلوب کا جو عجیب انداز اختیار فرمایا

گیا ہے وہ نہیں اس کے علاوہ کہیں نہیں ملے گا یہ سب اس لئے کہ انسان جہاں موجود ہے اور جس کو دیکھ رہا ہے اور جسے محسوس کر رہا ہے قیامت کا قیام اس سے بالکل بعید و مختلف ہے۔ قیامت انسان کی دنیاوی زندگی میں مخفی غیوب میں سے ایک غیب ہے۔ یہ غیب جب منکشف ہوگا تو انسانی آنکھ وہ سب کچھ دیکھ لے گی جن کے جوہر انکار کے قریب تھی اور انسانی نگاہ ان سب پر تیزی سے پڑے گی جن کا دنیا میں انکار کرتی تھی اور اب ان میں سے کسی کا انکار نہ کر سکے گی اور ان کے بارے میں اسے یقین ہو جائے گا اور یقیناً یہ وہ پردہ ہے جس کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے:

لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ
الْيَوْمَ حَدِيدٌ (۲۴: ۲۳)

بے شک تو اس سے غفلت میں تھا تو ہم نے تجھ سے پردہ اٹھا دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔

ہمیں ان آیات کے کسی حصہ میں قلب بے دار اور عقل متدبر کے ساتھ غور و فکر کرنا چاہئے اور ان آیات میں موجود مختلف وجوہ اور اسالیب سے کی گئی تاکید کے ان مختلف انداز پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے جو انسانی عقل و وجدان اور حواس سے خطاب کر رہے تھے تاکہ انسان اس کے سبب اس حقیقت پر غالب آسکے جس نے تمام انسانی خیالات کو اپنے اندر محصور کر دیا ہے اور انسان اپنی دنیا کے اس جیل خانہ سے آزادی حاصل کر سکے جس میں اس کی زندگی کے قیمتی ایام بے کار بیت رہے ہیں اور ان خوابوں سے بیدار ہو سکے جن میں کروٹیں لے رہا ہے تاکہ اچانک عنقریب آنے والے حساب کے لئے اپنی تیاری مکمل کر سکے۔

اس آیت کریمہ میں غور کرو اور ان شدید تاکیدات کو دیکھو گویا کہ آیت کریمہ کو تاکیدات میں ڈبو دیا گیا ہے۔

اللہ لا الہ الا هو لیجمعنکم الی یوم القیامۃ لاریب فیہ و من

اصدق من اللہ حدیثاً (۸۷: ۸۷)

اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور وہ تمہیں قیامت کے دن ضرور اکٹھا کرے گا جس میں کوئی شک نہیں اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔ درج ذیل ان دوسری آیات میں غور کرو کہ قیامت کے امکان وقوع سے متعلق انسانی ذہن میں گھومنے والے شکوک و شبہات کا کیسا قلع قمع کر رہی ہیں۔ یہ آیات بے اسلوب معجز پر مشتمل ہیں جس میں قدرت ربوبیت عیاں ہوتی ہے۔ اسی تاکید کو عادی ہیں جسے آپ نے سابقہ آیت کریمہ میں دیکھا تھا۔

و یقول الانسان ءاذا مامت لسوف اخرج حیاً
الانسان انا خلقناه من قبل ولم یك شیئاً (۲۴: ۷۹-۷۸)

اور انسان کہتا ہے کیا جب میں مر جاؤں گا تو ضرور عنقریب جلا کر نکالا جاؤں گا اور کیا انسان کو یاد نہیں کہ ہم نے اس سے پہلے اس کو پیدا کیا ہے؟ حالانکہ وہ کچھ نہ تھا تو تمہارے رب کی قسم ہم انہیں اور شیطانوں سب کو گھیر لائیں گے اور انہیں دوزخ کے آس پاس حاضر کریں گے۔

ذرا ان آئندہ آنے والی آیات میں بھی غور کرو جنہیں خالق کائنات نے ایسے انداز کے ساتھ بیان فرمایا ہے جن میں ان انسانوں پر حسرت و افسوس کا اظہار ہوتا ہے جنہیں ان کے دنیاوی امور نے عنقریب سابقہ پڑنے والے امور کی حقیقت سے غافل کر رکھا ہے پس انہیں نہ کسی نصیحت و موعظت نے فائدہ دیا اور نہ کسی تذکرہ و یاد دہانی نے کوئی اثر کیا۔

اقترب للناس حسابہم وہم فی غفلة معرضون (۸۷: ۸۷)
من ذکر من رہم محدث الا استمعوه وہم یلعبون (۸۷: ۸۷)
قلوبہم (الانبیاء: ۲۱)

لوگوں کا حساب قریب آگیا ہے اور وہ عظمت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں جب ان کے پاس ان کے رب کے ہاں سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے نہیں سنتے مگر کھیلتے ہوئے ان کے دل کھیل میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایک اور آیت کریمہ کو بھی دیکھو کہ جس میں اللہ تعالیٰ عقل کو کیسے آگاہ فرما رہے ہیں کہ عقل دنیا و مافیہا کے لئے جس عظمت کا تصور کر رہی ہے وہ تو صرف ناتواں انسان کی قدرت و طاقت کے اعتبار سے عظمت ہے جو عظمت درحقیقت ضعیف و کمزور انسان کے لحاظ سے عظمت ہے۔ عقل کے لئے ایسی عظمت کو انکار قیامت پر دلیل قرار دینا ہرگز مناسب نہیں۔

یوم نظوی السماء کھلی السجل للکتاب کما بدانا اول خلق

نعبده و عدا علینا انا کما ناعین ○ (انبیاء: ۱۰۳)

جس دن ہم آسمان کو لپٹیں گے، جیسے گل فرشتہ نامہ اعمال کو لپیٹتا ہے جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتداء کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے یہ ایک وعدہ ہے ہمارے ذمے اور یہ کام ہمیں ضرور کرنا ہے۔

کبھی ان تمام اسالیب کی بجائے ایک اور رہنمائی کرنے والے اسلوب کا اظہار ہوتا ہے اور یہ اسلوب علمی فکر کا اسلوب ہے جو عقل کو اس کے مناسب غور و فکر کے طریقوں کی جانب تعلیمی قالب میں متوجہ کرتا ہے اس کے بارے میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ عظیم معبود برحق کا اپنے بندوں کو خبردار کرنا نہیں بلکہ ایک مشفق استاذ کا اپنے شاگردوں کے لئے ہیکچر اور درس ہے۔

یا ایہا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقۃ ثم من مضغة مخلقة و غیر مخلقة لنبین لکم ونقر فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمی ثم نخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ومنکم من یتوفی

ومنکم من یرد الی ارض العبر لکی لا یعلم من بعد علم شینا و تری الارض هامدة فاذا انزلنا علیہا الباء اھتزت و ربت و انت من کل زوج بھیج ○ ذلک بان اللہ هو الحق و انه یحیی الموتی و انه علی کل شیء قدير ○ و ان الساعة اتیة لا ریب فیہا و ان اللہ یربعث من فی القبور ○ (الحج: ۵-۷)

اے لوگو! اگر تمہیں قیامت کے دن جینے میں کوئی شک ہو تو یہ غور کرو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر لطف سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کی ہونی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی تاکہ ہم تمہارے لئے اپنی نشانیاں ظاہر کریں اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک وقت خاص تک رحمتوں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تمہیں ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں تاکہ اپنی پوری جوانی کو پہنچو اور تم میں کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی سب میں علمی عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے اور تم دیکھتے ہو کہ زمین مرجھائی ہوئی ہے اور پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا کہ وہ یکا یک تروتازہ ہوئی اور ابھر آئی اور ہر رونق دار جوڑا اگلا لائی۔ یہ سب کچھ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس لئے کہ قیامت کی گھڑی آ کر رہے گی اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں اور اللہ ضرور ان لوگوں کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔

اور بہت سارے دیگر حالات میں روز قیامت اور اس کے حادثات کا بیان تصویری اسلوب پر مشتمل ہوتا ہے۔ روز قیامت اور لوگوں کے درمیان حائل پردوں کو ہٹانا اور ان کی مسافتوں کو سمیٹنا اور لوگوں کو روز قیامت کی فضاء میں منتقل کرنا، اس اسلوب کی خصوصیت ہے۔ اس اسلوب سے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا لوگ حادثات قیامت کو اپنی

آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں دنیاوی زندگی کے ایام کو اپنے پیچھے چھوڑ چکے ہیں اور
ندامت منکرین کے دلوں کو بغیر کسی فائدے کے جھٹا رہی ہے۔

ولا تحسبن الله غافلا عما يعمل الظالمون انما يؤخرهم ليوم
تشخص فيه الابصار ○ مهطعين مقنعي رء وسهم لا يرتد
اليهم طرفهم و اللذنتهم هواء ○ وانذر الناس يوم ياتيهم
العذاب فيقول الذين ظلموا ربنا اخرنا الى اجل قريب نجب
دعوتك ونتبع الرسل اولم تَكُونُوا اقْسِمْتُمْ مِنْ قَبْلِ مَا لَكُمْ مِنْ
ذَوَالِ ○ (ایم: ۴۱-۴۲)

اور ظالموں کے کام سے اللہ کو ہرگز بے خبر نہ جانتا انہیں ایسے دن کے لئے
ڈھیل دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔ بے تحاشا دوڑتے
ہوئے ٹپکیں گے اپنے سراٹھاتے ہوئے، ان کی پلک ان کی طرف نہیں
لوٹے گی اور ان کے دلوں میں کچھ سکت نہ ہوگی اور لوگوں کو اس دن سے
ڈراؤ جب ان پر عذاب آئے گا پس ظالم کہیں گے اے ہمارے رب!
ہمیں تھوڑی دیر مہلت دے تاکہ ہم تیری دعوت کو قبول کریں اور رسولوں
کی پیروی کریں ان سے کہا جائے گا کیا تم نے پہلے قسم نہیں کھائی تھی کہ
ہمیں دنیا سے ہٹ کر کہیں نہیں جانا۔

ونفخ في الصور فاذا هم من الاجداث الى ربهم ينسلون ○
قالوا يا ويلنا من بعثنا من مردننا هذا ما وعد الرحمن
وصديق المرسلون ○ ان كانت الا صيحة واحدة فاذا هم جميع
لدينا محضرون ○ (نہج: ۵۱-۵۲)

اور پھونکا جائے گا صور جیسی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے
چلیں گے۔ کہیں گے ہائے ہماری خرابی کس نے ہمیں سوتے سے جگا دیا۔

یہ ہے وہ جس کا رحمن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا۔ وہ تو نہ ہو
گی مگر ایک چنگھاڑ جیسی وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر ہو جائیں
گے۔

تاکید، بیان اور تصویر کے ان تمام اسالیب کے بعد کبھی قرآنی نظم قیامت کو اس
طرح جلالت کے انداز میں بیان کرتی ہے۔ جس طرح ڈر سنانے والا شخص بیان کرتا
ہے۔ اس کو اس بات کی پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ آیا منکرین نے اس بات پر یقین کیا ہے
یا کہ نہیں، کیونکہ ان کے پاس ڈرانے والا آچکا ہے اور بات واضح ہو چکی ہے۔ اتنی ہی
بات ان کے لئے کافی ہے۔

اپنے دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور کرو۔

لکل نباء مستقر وسوف تعلمون ○ (الانعام: ۶۷)

ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان جاؤ گے۔

يسئلونك عن الساعة ايان مرسها ○ فيم انت من ذكرها ○

ای ربك منتها ايانا انت منذر من يحشاها ○ كانهم يوم

يرونها لم يلبثوا الا عشية او ضحی ○ (الانعام: ۳۳-۳۴)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی

اس کے بیان سے آپ کا کیا تعلق؟ آپ کے رب تک اس کی انتہاء ہے۔

آپ ضرور خبردار کرنے والے ہیں، ہر اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہے۔ گویا

وہ جس روز اس کو دیکھیں گے، انہیں یوں محسوس ہوگا کہ وہ دنیا میں نہیں

تھہرے مگر ایک شام یا ایک صبح۔

۲ وہ قرآنی آیات جو انسان کو اپنے تمام اعضاء و جوارح اور اپنی عقل و وجدان کے

ساتھ قیامت کی اہمیت و عظمت کی جانب متوجہ رہنے اور اس کے لئے اپنی تیاری مکمل

کرنے پر اصرار کر رہی ہیں، ان کا شمار کرنا بڑا طویل کام ہے آپ پر بس کتاب اللہ کی

جانب متوجہ اور قیامت کے قیام اور اس کے حادثات کے متعلق جو کچھ وہ بیان کرے۔ اس غم و تامل کرنا اور قیام قیامت کی تاکید اور اس کے بارے میں انسان کو کسی بھی فریب دینے والے کے فریب سے بچانے کے لئے قرآن کریم نے جو مجراۓ اسالیب اختیار کئے ہیں ان میں غور و تدبر کرنا لازم ہے۔

انسان مرنے کے بعد اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا

قیام قیامت کی دلیل ہی انسانوں کے مرنے کے بعد اپنے رب کی بارگاہ میں دلیل ہے۔ یہ دلیل ہماری اس سابقہ وضاحت کے تابع ہے جہاں ہم یہ بتا رہے ہیں کہ انسان کا قصہ غلاف ولادت سے شروع ہو کر غلاف موت تک ختم ہو جائے گا، ہاں! البتہ اگر ہم یہ تصور کر لیں کہ جس ذات نے انسان کو پیدا کیا تھا اور اس کو زندگی میں آزادی دی تھی اس ذات نے ہم بے نتیجہ اور عبث کیا ہے لیکن تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لحاظ سے عبث و بیهوده محالات کی صورتوں میں سے واضح ترین صورت ہے۔

دیوان زندگی میں انسانی قصہ تو چند بکھرے ہوئے مقدمات ہیں جو اپنے نتائج کی تلاش میں ہیں انسانی قصہ ایک مکمل راستہ کے چھوٹے سے کلوئے کی مانند ہے لہذا وہ شخص جس نے اپنی تمام زندگی فحش و فجور اور سرشی و طغیانی کی حالت میں بسر کی ہو اور وہ شخص جس نے اپنی زندگی کمزوری و بے کسی کی حالت میں گزاری ہو، جس کو ہر طرف دھکا لٹ اور گول کے پیچیدوں اور ظلم کا سامنا کرنا پڑا ہو وہ شخص جس نے اپنی زندگی کا کڑھ جہاں مرض میں مبتلا ہونے کی حالت میں گزارا ہو اور لوگوں کو اس سے لطف اٹھاتے دیکھتا رہا ہو اور خود ان نعمتوں سے محروم رہا ہو۔

بے شک ان تمام افراد نے اپنے وجود کا ایک مختصر اور معمولی سا حصہ گزارا ہے۔ ان پر موت کا پردہ کھینچ لیا گیا ہے جو انسانی قصہ کے دو حصوں کے درمیان جدائی پیدا کرتا ہے۔ لہذا وہ انسان جو دنیا کے محکمات کے لئے والا سے اور نہ ہی اس

کو قسم کرنے والا ہے البتہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود پر یقین و ایمان نہ رکھتا ہو اس کے لئے انسانی قصہ کے دوسرے حصہ (آخری حیات) پر ایمان نہ رکھنا زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ اس کے لئے روئے زمین پر انسانی قصہ کو عبث تصور کرنا کوئی بڑی بات نہیں جب کہ وہ پوری کائنات کے وجود کو اس پر قائم دلائل اور انبیاء کرام کی بعثت اور اس پر قائم دلائل کو تسلیم کرنے میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ جو شخص اس بحث کی اصل میں مذکور امور کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کے لئے اس مقام پر ہماری گفتگو کو سننا کوئی فائدہ نہ دے گا۔

حشر اجساد اور ان میں اعادۂ ارواح کی کیفیت

علم کے بس میں یہ بات نہیں کہ وہ حشر اجساد کی کیفیت بیان کرے یا اس دنیاوی حیات میں انسان جس علمی طریقہ کی مشق کرتا ہے اس علمی طریقہ کے مطابق حشر اجساد کی تعریف و توضیح اور اس کی علت بیان کرے۔

ہم نے سابقہ بیان کیا ہے کہ علم تو صرف ان موضوعات میں بحث کرتا ہے جو تجربہ خارجیہ میں آتے ہیں اور عقل اور تفکر محض کے دائرہ سے بعید ہوتے ہیں اور پھر وہ موضوعات بذات خود تجربہ اور مشاہدہ جس چیز پر دلالت کرتے ہیں اس کے مطابق اپنے آپ کو عقل کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد عقل ان کی صرف تشریح و توضیح کرتی ہے۔

معاد جسمی ابھی تک محقق نہیں ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تک وہ موضوع ہی موجود نہیں جس میں علم بحث و تحقیق کر سکتا ہے۔ لہذا اس موضوع میں ہم جو کچھ تحقیق کر سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ کیا معاد جسمی اجساد کے بالکل معدوم ہونے کے بعد ہوگا یا ان کے اجزاء اور اجزاء کے اجزاء زمین کے گوشوں اور مچھلیوں کے پیٹوں اور سمندروں کی گہرائیوں میں بکھر جانے کے بعد ہوگا؟

اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی قطعی خبر وارد نہیں اس لئے ہم پر نہ یہ یقین رکھنا واجب ہے کہ قیامت سے پہلے تمام اشیاء کو عدم مطلق لاحق ہوگا اور نہ ہی

اس کے برعکس یقین رکھنا واجب ہے ہاں! البتہ یہ یقین رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز قیامت سے پہلے اپنی حقیقت میں ہلاک و عدم کو قبول کرنے والی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر شے کا وجود خارج سے وارد ہے، اس کی حقیقت اور جوہر سے نہیں پھوٹا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز قیامت سے قبل عدم کو قبول کرنے والی ہے اور اس کے بعد خواہ اسے عدم مطلق لاحق ہو یا افتراق و فساد لاحق ہو کوئی فرق نہیں۔

لیکن جمہور علماء کرام نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے یعنی اجزاء کے بکھرنے اور متفرق ہونے کو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

کل شیء ہالک الا وجہہ (القصص: ۸۸)

ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرامہ ۵

(الرحمن: ۲۶-۲۷)

زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات جو عظمت اور بزرگی والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قد علمنا ما تنقص الارض منهم و عددنا کتاب حفیظہ ۵ (ن: ۴۰)

ہم جانتے ہیں جو کچھ زمین ان میں سے گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک یاد رکھنے والی کتاب ہے۔

شیء کے ہلاک ہونے کا اطلاق شیء کے فاسد ہونے اور جس طرح قابل اشتغاع تھی اس طرح قابل اشتغاع باقی نہ رہنے پر ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "ہلک فلاں" یعنی مسات (فلاں ہلاک ہو گیا) اور ہلکت الدار اس وقت کہا جاتا ہے جب مکان ٹوٹ

پھوٹ جائے اور رہائش کے قابل نہ رہے۔ اطلاق ہلاک کے لئے کلی طور پر معدوم ہونا شرط نہیں ایسے ہی فناء کے اطلاق کے لئے بھی کلی طور پر معدوم ہونا ضروری نہیں۔ جیسا کہ فلسفی الثوب والعظم (کپڑا اور ہڈی فنا ہو گئے) اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ان کے اجزاء بکھر کر کسی کام نہ آئیں۔

فنا سے مقصود اجزاء کے متفرق ہونے کی تائید قرآن کریم فرما رہا ہے بلکہ فنا سے خاص کر موت مقصود ہونے کی تائید فرما رہا ہے کیونکہ کل من علیہا فان سے مراد ہر چیز ہے جو روئے زمین پر ہے، یعنی جو بھی روئے زمین پر ہیں ان سب کے لئے فنا ہے لہذا قرآن کریم نے فنا کا حکم روئے زمین پر موجود تمام جانداروں پر لگایا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔

اسی سے معلوم ہوا کہ فنا سے مراد موت ہے۔ روئی خود زمین اور وہ اشیاء جو زمین کے حکم میں ہیں وہ اس معنی کے لحاظ سے پہلے سے ہی فانی ہیں۔

دوسری آیت کریمہ کی دلالت بایں طور کہ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کی تردید فرما رہی ہے جو بعد از موت حشر کو مشکل سمجھتے تھے اور کہتے تھے: اذا متنا و کنا ترابا ذلک رجع بعید کیا ہم مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے۔ یہ پلٹنا دور ہے۔ ان کے اس انکار اور ان کے اس کو مشکل سمجھنے کا جواب دیا گیا کہ ان کے جسم کے جو حصے گوشت، خون، ہڈیاں وغیرہ زمین میں پکھل چکے ہوں یا کسی اور جگہ ہوں اللہ تعالیٰ ان کے ٹھکانوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا رجسٹر ہے جو مختلف مقامات میں بکھرے ہوئے ذرات کو محفوظ رکھے ہوئے ہے، جس میں یہ بھی مکتوب محفوظ ہے کہ کون سا ذرہ کون سے جسم کا ہے۔

۵ (من ذوی العقول کے لئے آتا ہے، اس جگہ من کا استعمال ذوی العقول کو فناء کے ساتھ خاص کر کے کے لئے نہیں کیا گیا بلکہ خوف سے فائدہ اٹھانے والے ذوی العقول ہی ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر کے ساتھ انہیں ہی خاص فرمایا ہے۔

لہذا ان کو دوبارہ جمع کرنے میں کون سی تعجب کی بات ہے؟ مثلاً طیس کے کڑے سے مٹی میں ملے ہوئے لوہے کے برادے اور ذرات کو جمع کرنے میں کون سی مشکل ہو گی؟

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اجسام کا حشر متفرق اور بکھرے ہوئے ذرات کو جمع کرنے کی صورت میں ہو گا نہ کہ عدم مطلق سے ایجاد کی صورت میں۔

اس معنی پر قرآن کریم کی یہ آیت بھی دلالت کر رہی ہے۔

ایحسب الانسان ان نجعل عظامہ ۝ ہلی قادرین علی ان نسوی بنانہ ۝ (النبیہ: ۲-۳)

کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہم ہرگز اس کی ہڈیاں جمع نہ فرمائیں گے؟ کیوں نہیں ہم قادر ہیں اس کے پور ٹھیک بنادیں۔

اسی سے معلوم ہوا کہ جمع کرنے اور زندہ کرنے میں انسان کے جن حصوں کا اعادہ ہو گا وہ جسے بعینہ انسان کے وہ اجزاء ہوں گے جن کے ساتھ دنیا میں زندگی بسر کی تھی بعینہ اجزاء سے مراد انسان کے وہ اصلی اجزاء ہیں جن کے سبب انسان نے حیات قبول کی تھی لیکن وہ اجزاء جن کا اضافہ حیات قبول کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ ان اجزاء کا بذاتہ اعادہ شرط نہیں۔ اس بحث میں علماء عقائد اور متکلمین نے طویل گفتگو فرمائی ہے۔ حقیقت میں اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ ہمارے لئے ان غیوب میں سے کسی کو بیان کرنا ممکن نہیں جن سے خالق کائنات نے ابھی تک اپنے غیب کا پردہ نہیں اٹھایا۔

۱۔ (اس بارے میں صاحب موافق نے ج ۲، ص ۴۳۲ میں اور علامہ سعد الدین کفازانی نے عقائد بنیہ کی شرح کے ص ۴۰۰ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کو ملاحظہ کیجئے۔

حساب

بندوں نے اپنی دنیاوی زندگی میں جو کچھ تصرفات فعلیہ، قولیہ اور اعتقادیہ کئے ہوں گے، خواہ ان تصرفات کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے میدان محشر میں اللہ تعالیٰ بندوں کو ان تصرفات کا گاہ فرمادے گا، اسی آگاہی کا نام حساب ہے۔

یہ اظہار اور تمام اہل محشر کے سامنے ہو گا اور یہ ان امور میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے بندوں کو ڈرایا ہے اور جن کا آخرت میں یقیناً تحقیق ہو گا۔

خبر این بتا رہی ہے کہ قیامت کے روز انسان جن حادثات کو دیکھے گا ان میں سب سے زیادہ اہمیت و عظمت والا حادثہ یہی حساب ہو گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے روز قیامت پر یوم الحساب کا اطلاقی فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم

هَذَا صَاحِبُ عَدْوَنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ (س: ۵۲)

یہ ہے وہ جس کا تجھیں وعدہ دیا جاتا ہے، حساب کا دن۔

ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لہم عذاب شدید بئسوا یومر الحساب ۝ (س: ۲۵)

بے شک وہ لوگ جو اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے، اس لئے کہ وہ حساب کے دن کو بھول بیٹھے ہیں۔

قال موسیٰ انی عذت بربی و ربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب ۝ (الزمر: ۱۶)

اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں تمہارے اور اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں، ہر متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا۔

قیامت کے روز بندوں کے محاسبہ پر قطعی صورت کے ساتھ واضح ترین دلالت

کرنے والی آیات میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

(۱) ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه یحاسبکم به اللہ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء (البقرہ: ۲۵۳)

اور اگر ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپائے رہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا پھر جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔

(۲) فاما من اوتی کتابہ ببینہ ۝ فسوف یحاسب حسابا یسیرا ۝ ینقلب الی اہلہ مسرورا ۝ و اما من اوتی کتابہ وراء ظہرہ ۝ فسوف یدعوا ثبورا ۝ ویصلی سعیرا ۝

(الانشاق: ۵-۱۲)

پس جس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے تو اس سے آسانی سے حساب لیا جائے گا اور وہ شادمان و فرحان اپنے گھر والوں کی طرف واپس لوٹے گا اور جس بد نصیب کو نامہ اعمال پس پشت سے دیا جائے گا تو وہ عنقریب موت مانگے گا اور پھر کئی آگ میں داخل ہوگا۔

ان کے علاوہ بہت ساری آیات ہیں ان کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ ان آیات کی روز قیامت کے حساب پر دلالت قطعی ہے جس پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے البتہ حساب کا انسان پر طویل و مختصر ہونا اور مشکل و آسان ہونا یہ انسانوں کے اختلاف اور ان کے مراتب و درجات کے تفاوت کی وجہ سے مختلف ہوگا۔ بعض لوگوں کے حساب میں ایک اونٹنی دوہنے کے لئے جتنا وقت لگتا ہے اس سے زیادہ وقت نہیں لگے گا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور بعض لوگوں کے حساب کی مدت لمبی ہوگی اور ان پر حساب دشوار ہوگا اور یہ لوگ بھی اپنے دنیاوی احوال کے مطابق مختلف ہوں گے۔

اور تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ حساب پر ایمان رکھنا اعمال ناموں پر ایمان رکھنے کو مستلزم ہے اور اعمال نامے وہ رجسٹر ہیں جو ہر انسان کے نام سے الگ الگ ہوں گے اور قیامت کے روز ہر انسان کو واقعی جانب سے یا بائیں جانب سے دیئے جائیں گے، ان میں وہ سب کچھ منسوب ہوگا جو کچھ اچھائی یا برائی انسان نے دنیا میں کی ہوگی۔ ان اعمال ناموں کی کیفیت ان کی نوعیت اور ان پر محفوظ کی گئی کتابت کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جو حالت اللہ تعالیٰ نے اپنی قطعی اطلاع کے ذریعہ ہمیں بتائی ہے وہ صرف یہ ہے کہ جس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ سعادت مند اور نیک بخت لوگوں میں سے ہوگا، جس کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ بد بختوں اور گمراہوں میں سے ہوگا۔

اس بارے میں تمہارے لئے اس آیت کریمہ کا سننا اور پھر اس کے مضمون پر یقین رکھنا پس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وللہ ملک السموات والارض و یوم تقوم الساعة یومئذ یخسر البطلون ۝ وترى کل امة جائیة کل امة تدعی الی کتابہا الیوم تجزون ما کنتم تعملون ۝ ہذا کتابہا ینطق علیکم بالحق انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون ۝ (الحاقہ: ۲۵-۲۷)

اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز سخت نقصان اٹھائیں گے باطل پرست اور تم ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھو گے۔ ہر گروہ کو نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا اور آج تمہیں تمہارے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ ہمارا یہ نوشتہ تم پر حق بولتا ہے ہم لکھتے رہے تھے جو تم نے کیا۔

قیامت کی ہولناکی

میدان قیامت میں لاحق ہونے والے خوف کی حقیقت کو بیان کرنے اور اس کی

حقیقی منظر کشی میں نہ کوئی تحریر مفید ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی تقریر کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک مخصوص وقت تک مخفی رکھا ہوا ہے۔ اس بارے میں تمہارے لئے صرف یہ بات کافی ہے کہ میدان قیامت میں لاحق ہونے والا خوف تمام ہولناکیوں میں سب سے بڑی ہولناکی، تمام مشکلات میں سب سے بڑی مشکل اور دشواری ہوگی اس کی عظمت سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو اپنے ذہن میں مختصر کر لو۔

يا ايها الناس اتقوا ربكم ان ذلزلت الساعة شيء عظيم ۝ يوم ترونها تذهل كل مرضعة عما ارضعت و تضع كل ذات حمل حملها وترى الناس سكرى وما هم بسكرى ولكن عذاب الله شديد ۝ (سجہ ۲۰۰)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے جس دن تم اسے دیکھو گے۔ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور حمل والی اپنا حمل گرا دے گی اور تم لوگوں کو دیکھو گے جیسے نشہ میں ہیں اور نشہ میں نہ ہوں گے مگر اللہ کا عذاب سخت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کرو:

فاذا جاء ت الساعة ۝ يوم يفر البراء من اخيه ۝ و امه وابنيه ۝ و صاحبته و بنيه ۝ لكل امرئ منهم يومئذ شأن بلغه ۝ (ص: ۲۷۳-۲۷۲)

پھر جب آئے گی وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ اس دن آدمی بھائے گا اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور بیوی اور بیٹوں سے۔ ان میں سے ہر شخص کو اپنی ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے سب سے بے پرواہ کر دے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان قیامت میں لاحق ہونے والے خوف کا کچھ حصہ بیان فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ لوگ جیسا کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں ایسے ہی ننگے میدان محشر میں ہوں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب کے سامنے ننگا ہونے سے کیسی شرم آئے گی ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اس وقت لوگ الی مصیبت میں اس قدر گرفتار ہوں گے کہ ایک دوسرے کو دیکھنے کی مہلت ہی نہ ہوگی سب کی آنکھیں اوپر کو لگی ہوئی ہوں گی۔ اس وقت آفتاب لوگوں کے سروں کے قریب آجائے گا، ہر شخص اپنے اعمال بد کی بقدر پسینے میں غرق ہوگا، کسی کا پسینہ پاؤں تک پہنچا ہوگا، کسی کا پنڈلی تک، کسی کا پیٹ تک، کسی کا منہ تک آیا ہوگا۔

اس دن لاحق ہونے والے خوف کا اندازہ اس سے لگائیں کہ لوگ اس خوف سے بچنے کی تمنا کریں گے اگرچہ دوزخ میں جانا کیوں نہ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو نوع اکبر فرمایا ہے، مگر انبیاء کرام اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے، اولیاء و صالحین اس خوف سے محفوظ رہیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان الذين سبقنا لهم منا الحسنی اولئك عنها مبعدون ۝ لا يسمعون تحسيسها وهم فيها اشتهت الفسهم خالدون ۝ لا يحزنهم الفزع الاكبر و تتلقاهم الملائكة هذا يومكم الذي كنتم توعدون ۝ (النجم: ۲۵-۲۴)

بے شک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں وہ اس کے جوش کی آواز بھی نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے اور انہیں غم میں نہ ڈالے گی، وہ بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے۔ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔

صحیح حدیث کے بیان کے مطابق قیامت کے روز فزع اکبر کی پریشانی اور اس

دن کے روزے۔ آپ سے سات قسم کے لوگ محفوظ رہیں گے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "انہم بظلمہ اللہ فی ظلمہ یوم لا ینزل الا ظلمہ" اللہ ہیث۔ یعنی جس روز اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اس روز اللہ تعالیٰ ان سات قسم کے لوگوں کو اپنے سایہ رحمت میں لے گا۔

اے دانش مند انسان! عمر کی مہلت کو غنیمت سمجھ کر محنت و کوشش کر کہ تو ان لوگوں میں سے ایک بن جائے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فروغ اکبر انہیں غم میں مبتلا نہ کر سکے گا تمہیں اپنے اخلاق و عادات، اپنے بود و باش، اپنے مقام زندگی اور اپنے رب کے حقوق کی ادائیگی کے سبب کوشش کرنی چاہئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ان مقبول بندوں میں شامل ہو جاؤ۔ اس سلسلہ میں طویل امیدیں اور خواہشات و شہوات کا قلب تمہیں فریب میں مبتلا نہ کرے۔

قسم بخدا! تم اس منظر کو اپنی آنکھوں سے ضرور دیکھو گے۔ جب بعید قریب آ جائے گا اور مشکوک متحقق ہو جائے گا اور مہلت ختم ہو جائے گی تو مدامت کوئی فائدہ نہ دے گی۔

جب تم اس روز کے متعلق بے پرواہی برتنے والے ہو اور اس کو ایک وہم سمجھنے والے ہو اور اس سے اعراض کرنے والے ہو اس وقت تک تمہیں اس گفتگو کو سننا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اگر کوئی شخص تمہارے سامنے دنیا کے عجائبات کا تذکرہ کرتا اور تم نے انہیں دیکھا نہ ہوتا تو تم ان کا شدت سے انکار کرتے اور ان کو ایک وہم سمجھتے۔

یقیناً دن و رات کی سواری تمہیں دنیا کی گزرگاہوں سے لے کر گزر رہی ہے۔ عنقریب تم اس دنیا سے جدا ہو کر اس ہولناکی تک پہنچ جاؤ گے جس کی تمہیں پرواہ ہی نہیں۔ رات اور دن کی اس سواری کو روکنا تمہارے بس میں نہیں، تمہارے لئے یہ بہتر ہے تم اغراض و خواہشات سے پاک فکر کے ساتھ غور و تامل کرو۔ کسی عقل مند کی عقل اس کو میرے اس کلام سے زیادہ بصیرت بخشے والی نہیں۔

وزن اور میزان

وزن اور میزان دونوں کو قرآن مجید نے صریح عبارت کے ساتھ بیان فرمایا ہے جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں۔ لہذا یہ دونوں امور برحق ہیں اور ان پر ایمان رکھنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْوِزْنُ یَوْمَئِذٍ الْحَقُّ (الاعراف: ۸)

اور اس دن تول ضروری ہے۔

لَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِینُهُ فَأُولَئِکَ هُمُ الْبَاسِحُونَ ۝ وَمَن خَفَّتْ

مَوَازِینُهُ فَأُولَئِکَ الَّذِینَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِی جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝

(المومن: ۱۰۳-۱۰۴)

اس وقت جن کے پلڑے بھاری ہوں گے، وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے، وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھائلے میں ڈال لیا وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

و نضع الموازین القسط لیوم القیامۃ (الانعام: ۶۷)

اور ہم قیامت کے دن عدل کی ترازو رکھیں گے۔

اس میزان کی نوعیت اور اس کی حقیقت و کیفیت کی تعیین ہماری رسائی سے باہر ہے اور ہم یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ تمام مخلوق کے لئے ایک ترازو ہوگا یا متعدد کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی قطعی دلیل نہیں پائی جاتی، البتہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی اطلاع اور خبر کے مطابق ایمان رکھنا اور اس خبر کو اسی طرح بیان کرنا واجب ہے۔ ہم نہ اس سلسلہ میں وارد آیات کو مجاز یا استعارہ وغیرہ پر محمول کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں کسی قسم کی تاویل کرتے ہیں۔

رہ گئی اعمال کے وزن کی کیفیت تو اعمال اعتباری امور ہیں۔ ان کے متعلق ایسے

دلائل وارد ہیں جو یہ بتا رہے ہیں کہ اعمال کو اجسام میں تبدیل کیا جائے گا اور اس کے بعد ان کا وزن ہوگا۔ ان دلائل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:

حتى اذا جاء نفهم الساعة بغتة قالوا يا حسرتنا على ما فرطنا فيها وهم يحملون اوزارهم على ظهورهم الاساء ما يزدون (الانعام: ۳۱)

یہاں تک کہ جب ان پر اچانک قیامت آگئی۔ بولے ہائے افسوس اس کوتاہی پر جو ہم سے اس زندگی میں ہوئی اور وہ اپنی پشتوں پر اپنے بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں ارے کتنا برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھائے ہوئے ہیں؟

اس وزن کی کیفیت اور اس کے تفصیلی علم کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سپرد کرتے ہیں۔ اسی لئے ہم اس کی تحقیق میں غور و خوض کی ضرورت محسوس نہیں کرتے جیسا کہ معتزلہ نے کی ہے اور ہم اس میں کسی قسم کی تاویل بھی نہیں کرتے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وزن کیا ہوگا اور اس کی ضرورت کیا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ اعمال اور ان کی مقدار و اہمیت سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کی تعظیم اسباب و مسببات کے نظام پر فرمائی ہے اور عقل کو ہر اثر اپنے مؤثر کے ساتھ اور ہر موجود کو اپنی علت کے ساتھ مربوط ہونے کا عادی بنایا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اخروی زندگی کے حوادث بھی اس نظام پر قائم فرمائے تاکہ انسان ان کی خبر کو اپنے مانوس و مألوف طریقہ کے مطابق با آسانی سمجھ سکے۔ اگر انسان کو یہ بتایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ سب کو جزاء یا سزا اپنے علم کے مطابق دے گا۔ اللہ تعالیٰ کو ہر انسان کو اعمال سے نہ آگاہ کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے سامنے پیش کر کے ان کی یاد دلائی جائے گی تاکہ وہ اپنے اعمال اور ان کے نتائج کے درمیان مطابقت کا اندازہ لگا سکے تو یہ حقیقت واضح نہ ہوتی۔

اس لئے حسی میزان قائم کرنے اور اعمال کو اجسام میں تبدیل کر کے ان کا وزن

کرنے یا اعمال ناموں کے ذریعہ ان کا وزن کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ ہے لہذا اعضاء و جوارح اپنے کئے ہوئے گناہوں کو بیان کر دیں گے۔ حتیٰ کہ یہ اعمال خود بدل و جزاء کی حقیقت اور دنیاوی حیات کے مقدمات کا اخروی حیات کے نتائج کے ساتھ مرتب ہونے کو بیان کر دیں گے۔

پس صراط اور اس کا عبور کرنا

صراط کا اطلاق دو حقیقتوں پر ہوتا ہے۔ ایک حقیقت کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسری کا تعلق آخرت سے ہے۔ دنیا سے تعلق رکھنے والی حقیقت اللہ تعالیٰ کا وہ نظام ہے جس کو اپنے بندوں کے لئے دنیا میں قائم فرمایا کہ اس کی اتباع و التزام کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے مراد یہی حقیقت ہے۔

و ان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه (الانعام: ۱۵۳)

اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو۔

اهدنا الصراط السقيم (الاحقر: ۵)

ہم کو سیدھا راستہ چلا۔

اور آخرت سے تعلق رکھنے والی حقیقت قیامت کے روز جہنم کی پشت پر نصب کیا جانے والا وہ پل ہے جس کو لوگ اپنے مذاہب کے اختلاف اور درجات و مراتب کے تفاوت کے مطابق عبور کریں گے۔ کچھ لوگوں کے لئے تلوار کی دھار سے زیادہ باریک بن جائے گا جس کے سبب وہ اس کے اوپر سے کھل کر جہنم میں جا گریں گے اور کچھ لوگوں کے لئے وہ پھیل کر وسیع و عریض بن جائے گا اور وہ اس کو عبور کر کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے:

(۱) وان منكم الا وادها كان على ربك حتما مقضيا (۵)

نہجی الذین اتقوا و نذر الظالمین فیہا جثیا (مریم: ۷۷)

اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر روزِ رخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے، پھر ہم ڈروالوں کو بچالیں گے اور نکالوں گے اس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے۔

(۲) وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّى يُبْصِرُونَ ۝ (نجم: ۲۱)

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں مٹا دیتے پھر پک کر رستہ کی طرف جاتے تو انہیں کچھ نہ سوجھتا۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہنم کے اوپر پل صراط رکھے گا، میں اور میری امت سب سے پہلے اسے عبور کریں گے۔ اس روز انبیاء کرام اور رسل عظام کی زبان مبارک پر یہ دعا ہوگی ”اللھم سلم سلم“ اے اللہ! سلامتی عطا فرما“ اور اس پر سعدان (ایک خادوار پودے کا نام ہے) کے کانٹوں کی طرح آگ کے کانٹے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا: کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟ تو صحابہ نے عرض کیا ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے دیکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ کانٹے سعدان کے کانٹوں کی مثل ہوں گے، لیکن ان کی کی ضخامت و عظمت کی مقدار اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پس یہ کانٹے لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب اپک لیں گے۔ ان میں سے کچھ تو اپنے اعمال کے سبب ہلاک ہو جائیں گے اور کچھ اس میں گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور اس کے بعد انہیں نجات مل جائے گی۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ پل صراط پر گزریں گے اور اس پر آگ کے کانٹے ہوں گے جو لوگوں کو دائیں اور بائیں سے اپک لیں گے اور پل صراط کے

دونوں کناروں پر فرشتے ہوں گے جو ”الھم سلم سلم“ کی صدا کہیں بلند کر رہے ہوں اور لوگوں میں سے بعض بچلی کی مانند گزریں گے اور کچھ ہوا کی طرح گزریں گے اور بعض گھڑ سوار کی مانند عبور کریں گے کچھ دوڑتے ہوئے آدمی کی طرح اور کچھ معمول کی رفتار سے پیدل چلنے والے آدمی کی طرح گزریں گے، کچھ لوگ چوڑوں کے بل گھسیٹتے ہوئے گزریں گے، کچھ لوگ زنانوں کے بل گھسیٹتے ہوئے گزریں گے مگر چٹنی نہ مریں گے اور نہ جٹیں گے لیکن وہ لوگ جو گناہوں کی وجہ سے ماخوذ ہوں گے وہ جل کر کوئلہ بن جائیں گے، تو اس کے بعد ان کے حق میں شفاعت کی اجازت مل جائے گی۔

اس حقیقت کو خوب ذہن نشین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنے بندوں کو جس نظام کی اتباع کا حکم دیا ہے کل قیامت کے روز اسی نظام کی حقیقت کو جسمانی عطا فرما کر پل صراط کی صورت میں تبدیل فرما دے گا لہذا جو اس دنیا میں زندگی کی راہوں کو اپنے اوپر تنگ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ اور اسلامی شریعت کی حدود کی پابندی کرے گا، کل قیامت کے روز جہنم کی پشت پر بچھائے جانے والا پل اس کے لئے وسیع و عریض راہ کی صورت اختیار کرے گا جو دنیا میں زندگی کی راہوں کو اپنے پر کشادہ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑے گا اور اس کے احکام کی نافرمانی کرے گا کل قیامت کے روز بچھائے جانے والا پل اس کے لئے تنگ ہو جائے گا۔ اس حقیقت کے بیان میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو کچھ فرمایا ہے اسے ہم آپ کے لئے نقل کرتے ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو دنیا میں صراط مستقیم پر گامزن و ثابت قدم رہے گا وہ کل قیامت کے روز پل کو آسانی سے عبور کر کے نجات حاصل کرے گا اور جو دنیا میں صراط مستقیم سے اعراض کرے گا اور گناہوں سے اپنی پشت بھاری بنا دے گا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا

ایسا شخص کل قیامت کے روز پل صراط پر قدم رکھتے ہی پھسل کر جہنم کی گہرائی میں گرے گا اور ہلاکت و بربادی اس کا مقدر بن جائے گی۔

اس روز اپنے دل پر طاری ہونے والے خوف پر ذرا غور کر لو کہ جب پل صراط اور اس کی بارگی و تیزی تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوگی اور تمہاری نگاہ پل صراط کے اوپر سے اہل جہنم پر پڑ رہی ہوگی۔ جہنم کے بھڑکنے اور جوش مارنے کی آوازیں تمہارے کانوں سے گھرا رہی ہوں گی اور تمہیں تمہاری حالت کی کمزوری، دل کے اضطراب، قدموں کی ڈگمگاہٹ اور گناہوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی پشت کے باوجود اس کو عبور کرنے کا حکم دیا جا رہا ہوگا تمہارے دائیں بائیں مخلوق پل صراط سے پھسل کر جہنم میں گر رہی ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رب مسلم مسلم کی صدائیں بلند فرما رہے ہوں گے اور جہنم میں مخلوق اس کثرت سے گر رہی ہوگی جس کے سبب اس کی گہرائی سے ہلاکت و موت کو پکارنے کی آوازیں تمہیں سنائی دے رہی ہوں گی۔

اگر تمہارا قدم پھسل جائے اور تمہارا پشیمان ہونا تمہیں کوئی فائدہ نہ دے اور تمہاری زیر کی تمہارے لئے سودمند نہ ٹھہرے جس کے سبب تم موت و ہلاکت کو پکارنے لگو اور یہ کہنے لگو اسی سے تو میں ڈرا کرتا تھا ہائے افسوس میں نے اس زندگی کے لئے کچھ نیک اعمال بھیجے ہوتے، کاش کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی راہ کو اپنایا ہوتا، ارے افسوس میں نے فلاں کو اپنا رفیق نہ بنایا ہوتا، کاش کہ میں مٹی ہوتا ہائے افسوس میں کچھ نہ ہوتا، ہائے افسوس میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا، اس وقت تمہاری کیسی حالت ہوگی یہ خطرات تمہارے سامنے ہوں گے اور اس حال میں تمہاری عقل کیا سوچے گی۔

اگر تم قیامت پر یقین و ایمان رکھنے والے نہیں ہو گے تو تمہارا قیام کفار کے ساتھ ہوگا اور اس قیام کی طوالت بڑی ہی تعجب انگیز ہے۔ اگر تم قیامت پر ایمان و یقین رکھنے کے باوجود اس سے غفلت برتتے رہے ہو اور اس کے لئے تیاری کرنے میں سستی و کاہلی

سے کام لیتے رہے ہو تو پھر تم بڑے خسارے اور نقصان میں پڑ گئے ہو۔ اس خسارے کی عظمت نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔

اگر تمہارے ایمان نے تمہیں اطاعت اور ترک معصیت کے سبب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا طلب کرنے پر آمادہ نہیں کیا تو تمہیں اس ایمان نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔^۱

اللہ ہمیں اپنی دیاوی زندگی میں اپنے دین کی جانب اچھی طرح مائل ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اس عظیم دن اپنی طرف ہمارا لوٹنا بہتر بنائے اور اپنے فضل سے ہمیں اپنے عذاب سے محفوظ رکھے یا رب العالمین آمین۔

شفاعت

شفاعت میدان قیامت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ اپنے بندوں میں جسے چاہے گا اس کے حق میں شفاعت قبول فرمائے گا اور یہ مظہر مختلف صورتوں میں ظاہر ہوگا۔ ایک صورت تو یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان اور گناہگار بندوں میں جسے چاہے اس کی بخشش فرمادے گا، بشرطیکہ وہ اہل کفر و شرک میں سے نہ ہو اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے:

ان الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء
بے شک اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ان کی امت کے حق میں قبول فرما کر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کا اظہار فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی بہت ساری اقسام ہیں اور سب سے بڑی شفاعت آپ کی وہ شفاعت ہے جو تمام اہل محشر کے حق میں ہوگی، کہ

تمام اہل محشر انتظار حساب کی طوالت اور میدان قیامت کی ہولناکی سے آپ کی شفاعت کی بدولت نجات پائیں گے اور آپ کی شفاعت کی ایک قسم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی کثیر تعداد کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرمائیں گے اور ایک شفاعت کی صورت میں جہنم میں داخل ہونے کے مستحق افراد کو جہنم میں داخل ہونے سے بچالیں گے۔ ایک اور شفاعت کے ذریعہ مومنوں کو جہنم میں داخل ہونے کے بعد جہنم سے نکال لیں گے۔ ان آخری دو قسم کی شفاعت میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ ان میں تمام انبیاء کرام اور فرشتے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک ہوں گے۔

جس مقام محمود کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے یہ وہ مقام ہے جو تمام مختلف شفاعات کا جامع ہوگا۔ ابن جریر فرماتے ہیں: اکثر اہل تاویل نے فرمایا ہے کہ مقام محمود وہ مقام ہے جہاں قیامت کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی شفاعت کے لئے جلوہ افروز ہوں گے، آپ کی شفاعت کی بدولت اللہ تعالیٰ اس دن کی سختی میں گرفتار لوگوں کو نجات عطا فرمائے گا۔

اس تاویل کے مطابق مقام محمود وہ مقام ہوگا جہاں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کرنے کے لئے ٹھہرائے گا اور مذکورہ شفاعت میں سے کسی مخصوص شفاعت کا نام مقام محمود نہیں بلکہ تمام شفاعات کا نام مقام محمود ہے جس پر تمام مخلوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشک کرے گی اور تمام اہل محشر کو میدان قیامت کی سختی سے بچانے کے لئے آپ کی جو شفاعت ہوگی وہ اس مقام محمود کی پہلی شفاعت ہوگی، جیسا کہ علامہ لقانی نے جوہرۃ التوحید کی شرح میں فرمایا ہے۔

(اعسی ان یعتلک ربک مقاما محمودا کی تفسیر میں ابن جریر اور ابن کثیر نے جو کچھ بیان کیا اسے ملاحظہ کریں۔)

ع (عبد السلام لقانی کی جوہرۃ التوحید پر شرح کے ص ۴۴۲ کو ملاحظہ کریں۔)

شفاعت کو بیان کرنے والی آیات و احادیث بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

لَا یَسْلُکُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا (مریم: ۸۷)
لوگ شفاعت کے مالک نہیں، مگر وہی جنہوں نے رحمن کے ہاں عہد کر رکھا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (نور: ۱۰۹)

اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی، مگر اس کی جسے رحمن نے اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی ہے۔

اور انہی میں سے شیخین کی مروی وہ طویل حدیث بھی ہے جس میں ہے کہ لوگ قیامت کے روز یکے بعد دیگرے انبیاء کرام کے پاس جائیں گے اور ان سے اپنے حق میں شفاعت کی توقع لئے ہوں گے۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو آپ مؤمنین کی ایک بڑی جماعت کے حق میں شفاعت کریں گے۔ شفاعت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے جس کے ذریعہ انبیاء کرام اور رسل عظام اور بعض صالحین کی عزت و عظمت کا اظہار ہوگا۔

حوض کوثر

حوض کوثر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ حوض کوثر کا آپ کو مرحمت فرمایا جانا اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی بہت بڑی عزت و عظمت کا اظہار ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

إِنَّا اعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ

الْأَبْتَرُ ۝ (کوثر: ۱-۳)

اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بے شک جو تمہارا دشمن ہے وہ ہر خیر سے محروم ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں ہمارے درمیان تشریف فرما تھے اسنے میں اچانک آپ پر اونگھ طاری ہو گئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم فرماتے ہوئے اپنا سر اقدس اٹھایا تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے مسکرانے کا کیا سبب بنا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر ابھی ایک سورۃ نازل ہوئی ہے پھر آپ نے سورۃ کوثر تلاوت فرمائی اور اس کے بعد فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک نہر ہے، جس کا میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے جس پر خیر کثیر ہے اور وہ ایک حوض ہے جس پر قیامت کے روز میری امت پانی پینے کے لئے آئے گی، اس کے جام آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے ان میں سے ایک شخص کو روک دیا جائے گا تو میں کہوں گا: اے پروردگار! یہ میری امت میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد کیا کیا ہے؟

حضرت امام مالک نے مؤطا میں اور حضرت امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ایماندار گھروں والو! تم پر سلامتی ہو، ہم بھی تمہارے ساتھ انشاء اللہ ملیں گے اور میں آرزو کرتا ہوں کہ کاش اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ آپ نے فرمایا تم تو میرے رفقاء اور ساتھی ہو، ہمارے بھائی میری امت کے وہ لوگ ہیں جو ابھی تک دنیا میں نہیں آئے ان کا میں

عرض پر انتظار کروں گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں سے بعد میں آنے والوں کو کیسے پہچان لیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟ اس شخص کے بارے میں کہ جس کے بیچ کلیان (جن کی پیشانی اور چاروں پاؤں سفید ہوں) گھوڑے ہوں اور وہ خاص سیاہ یک رنگے گھوڑوں کے درمیان ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچان سکے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ضرور اپنے گھوڑوں کی پہچان کر لے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت قیامت کے میدان میں جب آئے گی تو ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کے آثار کے سبب چمکتے ہوں گے اور میں حوض پر ان انتظار کرنے والا ہوں گا۔ پس کچھ لوگوں کو میر حوض سے دھتکارا جائے گا جیسا کہ گم شدہ لونٹ کو دھتکارا جاتا ہے۔ میں انہیں آواز دوں گا کہ ادھر آؤ، ادھر آؤ تو کہا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے بعد دین کے اندر تہدیلی کر دی تھی پس میں کہوں گا دوری ہو دوری ہو مقام رحمت سے ان لوگوں کی جنہوں نے دین میں میرے بعد تہدیلی پیدا کر دی تھی۔

ہمارے اس مذکورہ بیان سے آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ کوثر اور حوض ایک ہی چیز ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی سابقہ حدیث نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حوض کا منبع جنت میں ہے اور اس منبع سے جو پانی جنت کے اندر جاری ہے وہ کوثر کا پانی ہے جو اس منبع سے ٹپک کر جنت کے خارج میں بہہ رہا ہے، وہ حوض کا پانی ہے اس حوض پر وہ اہل ایمان پانی پینے کے لئے حاضر ہوں گے جنہوں نے دین میں کسی قسم کی تہدیلی نہ کی ہوگی اور حوض پر ایمانداروں کا یہ ورود جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہو گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوض پر مومنوں کے منتظر ہوں گے۔

حوض کے بارے میں بہت ساری احادیث وارد ہیں، جو حد تو اترا سے زیادہ ہیں حوض کوثر بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کی عزت و عظمت اور اپنے بندوں پر رحمت کے مظاہر

میں سے ایک مظہر ہے۔

جنت اور دوزخ

جنت و دوزخ وہ انجام ہے، جن میں سے ایک تک انسان کو ضرور پہنچنا ہے۔ یہ وہی دائمی اور آخری انجام ہے جس کے بعد کوئی انجام نہیں۔

جہنم کی ہولناکی اور اس کے عذاب اور جنت کی نعمتوں اور اس میں موجود اسباب سعادت کو بیان کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ جنت و دوزخ کی ہر شئی دنیا میں تمام لوگوں پر اس وقت تک غیب ہے جب تک وہ دن نہیں آتا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں معین و محدود ہے۔

اس مقام میں ہماری گفتگو کا تعلق دو حقیقتوں سے ہو گا جن پر پختہ یقین رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

(۱) جنت اور دوزخ، دو مادی حسی چیزیں ہیں

ان دو حقیقتوں میں سے ایک حقیقت یہ ہے کہ جنت و دوزخ مادی، حسی چیزیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا روح اور جسم دونوں سے ایک ساتھ تعلق ہو گا۔ جنت و دوزخ محض وہم نہیں جو صرف نفس یا صرف روح کے گرد گھومتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر معاد جسمانی کا کوئی مطلب نہ ہوتا۔ (جس کو ہم نے سابقہ بیان کیا ہے) حالانکہ معاد جسمانی کے بیان اور اس کی تاکید اور اس سے ڈرانے والی آیات و نصوص قاطعہ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب بھری ہوئی ہے یہ بڑی واضح حقیقت ہے کہ جنت و دوزخ کی مادیت کا انکار وہی آدمی کرے جو اس سے قبل حشر اور اور معاد جسمانی اور ارواح کا اپنے اجسام میں لوٹنے کا منکر ہو گا۔

جنت و دوزخ کی مادیت پر واضح ترین دلیل قرآن کریم کا وہ اسلوب ہے جو جنت و دوزخ کے بیان میں قرآن کریم نے اختیار فرمایا ہے یہ وہی اسلوب ہے جو بعض لوگوں کے ہاں اس بات کے استفسار کا باعث بنتا ہے کہ قرآن کریم نے جنت و

دوزخ کے بیان میں اس اسلوب کا التزام کیوں کیا ہے اور اس کی حکمت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس اسلوب میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ یہ اسلوب اس کے بعد درج ذیل آیات میں تدریج کریں جو جہنم اور اہل جہنم کے احوال بیان کر رہی ہیں۔

وجوه يومئذ خاشعة ○ عاملة ناصبة تصلي ناراً حامية ○
تسقي من عين انية ○ ليس لهم طعام الا من ضرير ○ لا
يسمن ولا يغني من جوع ○ (الاحقاف: ۲-۷)

کتنے چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے۔ مشقت میں مبتلا تھکے ماندے داخل ہوں گے، دکتی ہوئی آگ میں انہیں پلایا جائے گا، کھولتے ہوئے چشمہ سے انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا، بجز خاردار جھاڑ کے جو نہ فرہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا۔

ثم انكم ايها الضالون المكدبون ○ لاكلون من شجر من
زقوم ○ فبالثون منها البطون فشاربون عليه من الحميم
فشاربون عليه من الحميم فشاربون شرب اليهم هذا نزلهم
يوم الدين ○ (الواقف: ۵۱-۵۶)

پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والو! اے جھٹلانے والو! کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے پس تم بھر دو گے اس سے اپنے پیٹوں کو پھر پینا پڑے گا اس پر کھولنا پانی اس طرح پو گے جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن۔

ان المجرمين في ضلال وسمر ○ يوم يسحبون في النار على
وجوههم ذوقوا مس سقر ○ (الفرقان: ۳۷-۳۸)

بے شک مجرم گمراہی اور پاگل پن کا شکار ہیں۔ اس دن انہیں گھسیٹا جائے

گا آگ میں نہ کے بل، انہیں کہا جائے گا اب آگ میں جلنے کا مزہ چکھو۔

ان الذین کفروا بآیاتنا سوف نصلیہم نارا کلما نصیحت جلودہم بدنہا ہم جلودا غیرہا لیدوقوا العذاب ان اللہ کان عزیزا حکیمًا (النار: ۵۲)

جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہے عنقریب ہم انہیں آگ میں داخل کریں گے جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل دیں گے کہ عذاب کا مزہ لیں بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس حقیقت کا بیان ہے کہ جنت کی نعمتیں حسی اور مادی ہیں جن سے روح اور جسم دونوں بیک وقت لطف اندوز ہوں گے۔ اس انداز کے ساتھ جنت و دوزخ کو بیان کرنا درحقیقت اسالیب عربیہ میں سے قوی ترین اسلوب ہے ساتھ اس حقیقت کی تاکید کرنا مقصود ہے۔

ان آیات میں غور کریں جو جنت اور اہل جنت کے اوصاف بیان کر رہی ہیں:
وجوہ یومئذ ناعیة ۵ لعیہا راضیة ۵ فی جنة عالیة ۵ لا تسعم فیہا لاغیة ۵ فیہا عین جاریہ ۵ فیہا سرر مرفوعة ۵ واکواب موضوعة ۵ ونبارق مصفوفة ۵ وذرابی مبثوثة ۵

(القاشیہ: ۱۶، ۸)

کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے۔ اپنی کادشوں پر خوش ہوں گے عالی شان جنت میں کہ اس میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ اس میں چشمہ جاری ہوگا۔ اس میں بلند تخت بچھے ہوں گے اور ساغر قرینے سے رکھے ہوں گے اور گاؤں کیے قطار در قطار لگے ہوں گے اور قیمتی قالین بچھے

ہوں گے۔

و اصحاب الیمین ۵ ما اصحاب الیمین ۵ فی سدر منضود ۵ وطلح منضود ۵ وظل مہدود ۵ وظل مہدود ۵ وفاکھة کلیرة ۵ لا مقطوعة ولا منبوذة ۵ و فرش مرفوعة ۵ (الواقعة: ۳۲)

اور دائیں ہاتھ والے۔ کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی؟ بے خار پیرپوں میں اور کیلے کے پتھوں میں اور لمبے لمبے سایوں میں اور پانی کے آبشاروں میں اور پتلوں کی بہتا میں۔ نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا اور بستر بچھے ہوں گے اونچے اونچے پتنگوں میں۔

جنت اور اس کی نعمتوں کی ان تمام جزئیات کو بیان کرنے میں کیا حکمت ہے جب کہ ہم جانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نعمت کے کسی مظہر کو بیان کرنا چاہے تو وہ ان تمام باریک جزئیات کو شامل کرنا ضروری سمجھے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام جزئیات کو بیان کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جنت کی نعمتیں حسی اور مادی ہیں اور جنت میں انسان اپنے تمام ظاہری اور باطنی حواس سمیت زندگی بسر کرے گا۔ اس مقصد کی تاکید کے لئے عربی اسلوب کا جن امور پر مشتمل ہونا ممکن تھا ان جزئیات کا بیان اس امکان کی انتہائی صورت ہے۔

جنت کی نعمتیں صرف روحانی حقیقت نہیں جیسا کہ ایمان والہ اللہ کے درمیان ایک نئی راہ تلاش کرنے والوں کا خیال ہے۔ حقیقت میں یہ اللہ ہی ہے جو اس درمیانی راہ کے کمر درنگ میں رنگا ہوا ہے۔

اس تفصیلی بیان میں کون سی حکمت مخفی ہے؟ اس تفصیلی بیان سے لوگوں پر اس حقیقت کی وضاحت مطلوب ہے کہ جہنم کا عذاب محسوس اور مادی ہے جس میں کافروں

کے اجسام اور ۔۔۔ ظاہری و باطنی تمام حواس جھٹکا ہوں گے۔ عذاب جہنم صرف روح سے تعلق رکھنے والا غم و کرب نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے جنہیں غور و فکر کی اس کرسی پر چڑھنا اچھا لگتا ہے جو کرسی انہوں نے اپنی مختصر عمر کے چند سالوں میں اپنی محدود فکر سے قائم کی ہے تاکہ وہ اس تکبر و غرور کی کرسی سے تمام کائنات اور موت، حیات اور ان کے بعد والے احوال اور جنت و دوزخ اور عذاب و حساب کی حقیقت سے متعلق خبریں نشر کریں، گویا کہ وہ تہذیب کائنات میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں حالانکہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی کروڑوں کی تعداد رکھنے والی اس مخلوق سے ہے جس نے زمانے کی عمر کا ایک لمحہ گزرا جبکہ وہ اس سے قبل زمین کے گوشوں میں معدوم تھی اور اس لمحہ کو گزارنے کے بعد قیامت کے انتظار میں زمین کے باطن میں خالی ڈھانچے کی صورت میں تبدیل ہو چکی ہے۔

(۲) جنت اور دوزخ دائمی ہیں، ان کی کوئی انتہاء نہیں

دوسری حقیقت یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں باقی رہنے والی ہیں اور ان کی کوئی انتہاء نہیں اسی طرح دوزخ کا عذاب بھی ہمیشہ رہنے والا ہے اس کی کوئی انتہاء نہیں اس حقیقت کی بہت ساری آیات اور احادیث وضاحت کر رہی ہیں۔

ان آیات میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(۱) ان الذین امنوا و عملوا الصالحات کانت لهم جنات

الفرحون ۵ نزلوا خالدين فیها لا یغفون عنها حولا ۵

(الکہف: ۱۰۷-۱۰۸)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے۔ وہ ہمیشہ ان ہی میں رہیں گے ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔

(۲) ان المحرمین فی عذاب جہنم خالدون ۵ لا یغفر عنهم

و هم فیہ مہلسون ۵ (الزمر: ۷۳-۷۵)

بے شک مجرم دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ وہ ان پر سے ہلکانہ پڑے گا، وہ اس میں بے آس رہیں گے۔

(۳) و نادوا یا مالک لیقض علینا ربک قال انکم ماکثون ۵

(الزمر: ۷۷)

اور پکاریں گے اے مالک تیرا رب ہمیں موت دے وہ فرمائے گا تم نے تو ٹھہرنا ہے۔

احادیث میں اس حقیقت کی مزید تاکید فرمائی گئی اس تاکید پر مشتمل متعدد احادیث میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مروی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے اور جہنمی جہنم میں تو موت کو لایا جائے گا اور جنت و دوزخ کے درمیان اس کو ذبح کر دیا جائے گا اور پھر ایک آواز دینے والا آواز لگائے گا۔ اے جنت والو! اب موت نہیں اور اے جہنم والو! اب کسی کو موت نہ آئے گی یہ منظر دیکھ کر جنتیوں کی خوشی دو چند ہو جائے گی اور دوزخ والوں کے غموں میں اضافہ ہو جائے گا۔ (بخاری مسلم)

حدیث پاک میں موت کو ذبح کرنے سے مراد خواہ ذبح کا حقیقی معنی ہو یا اس طور کہ موت کو جسم کی صورت میں تبدیل کر کے ذبح کیا جائے یا یہ موت کی حقیقت کے خاتمے اور اس کے صفحہ ہستی سے مٹانے سے کہنا یہ ہو، ہر دو صورتوں میں حدیث جنت و دوزخ میں غلو و دوام کی حقیقت پر دلالت کرنے والے مبلغ ترین اسلوب پر مشتمل ہے نیز ہمارے خیال میں ظاہر حدیث میں کسی قسم کی تاویل کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

البدنہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے کافروں کے تمام مختلف گروہ اور طبقات ہوں گے جن میں مشرک، ملحد اور اہل کتاب جو تمام انبیاء کرام کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتے

ہیں۔ وغیرہ شامل ہیں۔

وہ گئے گنہگار مومن تو ان پر عذاب جتنا بھی طویل ہو مگر آخر کار ان کا انجام اللہ تعالیٰ کی بخشش اور جنت ہی ہے۔

اس بارے میں بسا اوقات اس آیت کریمہ کو سمجھنے میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔
فاما الذين شقوا ففي النار لهم فيها ما دامت السموات
والارض الا ما شاء ربك ان ربك فعال لما يريد O واما الذين
سعدوا ففي الجنة خالدين فيها ما دامت السموات والارض
الا ما شاء ربك عطاء غير مجذوذ (مر: ۱۰۶-۱۰۸)

تو وہ جو بد بخت ہیں، وہ تو دوزخ میں ہیں۔ وہ اس میں گدھے کی طرح
ریگیں گے وہ اس میں رہیں گے، جب تک آسمان و زمین ہیں مگر جو تمہارا
رب چاہے۔ بے شک تمہارا رب جو چاہے کرنے والا ہے اور جو خوش
نصیب ہوئے۔ وہ جنت میں ہمیشہ اس میں رہیں گے جب تک آسمان و
زمین ہیں مگر جو تمہارا رب چاہے۔ یہ بخشش ہے کبھی ختم نہ ہوگی

اس آیت پاک کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ الا ما شاء ربك کا استثناء ظہور

لے حاشیہ شروع (اپنے ذہن کو اس حقیقت سے بچائے رکھو جس کے بعض نادان اور متناقض لوگ مرتکب ہوئے
ہیں۔ جن کا خیال ہے کہ اہل کتاب ایمان دار ہیں اور یہ کافروں میں داخل نہیں۔ اس لئے اہل کتاب کا اہم
کفار کے اہم کی طرح نہیں ہوگا اور وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے ان کا یہ خیال سرسبز قرآن کریم کے اس
ارشاد کے مخالف ہے۔

ان الذين كفروا من اهل الكتاب والمشرکین فی نار جہنم خالدين فيها
اولئك هم شر البریة (المیة: ۶)

بے شک جتنے کافروں کتابی اور مشرک سب جہنم کی آگ میں ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے
وہی تمام مخلوق میں بدتر ہیں۔

آیت کریمہ نے کافروں کو دو گروہوں اہل کتاب اور مشرکین میں تقسیم کیا اور پھر ان سب کو اس عظیم دہی
میں شامل کیا ہے۔

سے ہے اور یہ مفہوم دیگر آیات اور تمام مسلمانوں کے ہاں متفقہ صحیح احادیث کے منافی ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ الا ما شاء ربك کا استثناء ظہور سے نہیں بلکہ پہلی آیت
کریمہ میں الذين شقوا سے اور دوسری آیت میں الذين سعدوا سے استثناء ہے
جس کا مطلب ہے تمام استثناء ہمیشہ جہنم میں رہیں گے مگر ان میں سے وہ لوگ جن کے
متعلق اللہ کی مشیت ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہیں اور یہ لوگ گنہگار اہل ایمان ہیں
جیسا کہ بہت سارے دلائل اس پر دلالت کر رہے ہیں اور دوسری آیت کا معنی ہوگا
تمام اہل سعادت و خوش بخت جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، مگر ان میں سے وہ
لوگ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ وہ اس سے قبل کچھ مدت تک جہنم
میں رہیں اور یہ لوگ وہ مومن ہوں گے جن کی زندگی گنہگاروں سے آلودہ رہی ہوگی اور
جن کے لئے اولاً شفاعت نہ کی گئی ہوگی۔

آیت کریمہ میں استثناء الا من شاء ربك کے صیغہ کی بجائے الا ما شاء ربك
صیغہ کے ساتھ کی گئی ہے حالانکہ ظاہر استثناء کا تقاضا الا من شاء ربك ہے۔ اس کی وجہ
یہ ہے کہ یہاں مستثنیٰ منہ سے مراد افراد و اشخاص نہیں بلکہ صرف عدد مراد ہے۔ اس لئے
اس میں کلمہ من کے ذریعہ عقل کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنی و ثلاث و رباع "میں النساء کی
تعبیر لفظ سے کی گئی ہے کیونکہ یہاں النساء میں بھی فرد و شخص کے اعتبار کی بجائے عدد کا
لحاظ کیا گیا ہے۔

یہ خلاصہ ہے ان تمام فقہی حقائق کا جن پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور اس کی
کتابوں پر ایمان لانے کے بعد پختہ یقین رکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

اور عقلاً ایمان باللہ کا ایمان بالمغیبات سے انفکاک ناممکن ہے کیونکہ یہ باہمی لازم و
ملزوم ہیں اور ان کا تلازم ہر صاحب عقل و خرد پر روز روشن کی طرح آشکارہ ہے۔

غیبات کی بحث بجز اللہ تعالیٰ مکمل ہوگئی۔

(۱۴) ارتداد اور اس کے اسباب

اس کتاب میں مذکورہ سابقہ چاروں حصوں کے مطالعہ سے آپ کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام کے کچھ بنیادی ارکان و لوازم ہیں جن سے اسلام کا وجود مکمل طور پر معروف ہوتا ہے اور ان ارکان سے مراد وہ امور ہیں جن کا دین میں سے ہونا یقینی طور پر معروف ہے اور آپ نے یہ بھی ملاحظہ کر لیا ہو گا کہ یہ ارکان و لوازم کتاب میں مذکور چاروں حصوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔

یہ بڑی واضح حقیقت ہے کہ اسلام کا فقدان بھی ان میں کسی ایک مفقود ہونے سے ہو گا اور ان ارکان و لوازم میں سے کوئی چیز اگر بنیادی طور پر ہی مفقود ہو (یعنی اس سے قبل اس کا یقین نہ پایا جائے) تو یہ کفر اصلی ہو گا۔ کفر اصلی اور اس کے مرتکب کے مخصوص احکام ہیں جو اسلامی فقہ کی کتابوں میں اپنے مقام پر معروف ہیں۔

اگر ان ارکان و لوازم میں سے کسی چیز کا فقدان بنیادی نہ ہو بلکہ طاری ہو یعنی اس پر یقین مکمل ہونے کے بعد مفقود ہو تو یہ ارتداد ہے اور اس وقت ہماری اس بحث کا موضوع یہی ہے۔ اس بحث میں ہم ارتداد کے احکام بیان نہیں کریں گے کیونکہ یہ احکام کتب فقہ میں بیان کئے جاتے ہیں۔ ہم اس وقت صرف ارتداد کے اسباب و موجبات بیان کریں گے۔

اسباب ارتداد کا مدار

ارتداد کے جمیع اسباب ایجاباً و سلباً دو میزانون کے گرد گھومتے ہیں۔

میزان اول، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء

(النساء: ۴۸)

بے شک اللہ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخش

دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو چاہتا ہے۔

میزان ثانی یہ ہے کہ قرآن و سنت کے ارشادات کی روشنی میں دنیا کے اندر قضاء کے احکام صرف واضح شہادتوں اور بیانات پر قائم کئے جائیں گے اور ان کے علاوہ کسی امر پر اعتماد کرنے کی اجازت نہیں۔ اسی لئے کسی انسان کو دوسرے کے مخفی معاملات پر کوئی حکم لگانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک ان پر قرآن یا سنت کی رو سے قیل اعتماد و لائل و شہادات قائم نہ ہو جائیں۔

میزان اول

میزان اول ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی ذات اس کی صفات ربوبیت میں سے کسی صفت کے اندر شریک ہونے سے تعبیر کیا جائے وہ مکفرات میں (کافر بنانے والے امور) داخل ہیں اور یہی مکفرات ہی قیامت کے روز انسان کو دائمی عذاب میں مبتلا کرنے کے اسباب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار اور وہ امور جو اس انکار میں داخل ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی ایسے نقص و عیب کا الحاق جو واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے منافی ہو۔ یہ سب امور بھی مکفرات کے حکم میں داخل ہیں۔

بلکہ خالق کے وجود کا انکار اور اس کی ذات سے صفت کمال کی نفی خود اسی آپ کریمہ کی دلالت کے تحت داخل ہے۔ آیت کا آخری حصہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر معصیت کے لئے بخشش و مغفرت کا دروازہ کھول رکھا ہے بشرطیکہ وہ اشراک باللہ سے کم درجہ کا خطرناک ہو، رہ

کئے وہ گناہ جو برائی کے لحاظ سے شرک سے بدتر ہوں یا اس کے ساتھ ملتے جلتے ہوں وہ شرک ہی کے حکم میں داخل ہیں اور وہ گناہ جو شرک سے زیادہ برے یا شرک سے ملتے جلتے ہیں وہ سرے سے ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار اور اس کی ذات کے ساتھ کسی نقص کو لاحق کر دینے میں محصور ہیں۔ مثلاً جھوٹ، عجز، ظلم، موت وغیرہ نقص و عیوب کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ لاحق کرنا۔

لہذا اس جامع آیت کریمہ کی میزان کے مطابق وہ تمام آیات کریمہ کہ جن کا ظاہر بعض کبار کے مرتکب افراد کے دائی جہنمی ہونے پر دلالت کرتا ہے ان کے عموم میں تخصیص ہوگی۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَدِلًا فَبِئْسَ أَجْرُهُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (النساء: ۹۳)
اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے۔ اس میں ہمیشہ رہے گا اور غضب ناک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس پر اور اسے اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (الأنعام: ۴۴)
اور جو اللہ کے اتارے پر فیصلہ نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔
اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَمَنْ خَفِيَ مَوَازِينَهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ (المؤمن: ۴۴)

اور جن کی میزانیں ہلکی پڑیں وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانیں گھانے میں ڈالیں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

پہلی آیت کریمہ میں قاتل سے وہ قاتل مراد ہے جو قتل کو حلال و جائز سمجھنے والا اور اپنے اس عقیدے پر بغیر توبہ کے اصرار کرنے والا ہے۔

اور دوسری آیت کریمہ ان لوگوں کے بارے میں بیان کر رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے بطور انکار و جحود اعراض کرنے والے ہیں اور تیسری آیت کریمہ میں وہ لوگ مراد ہیں جن کی موت شرک کی کسی حقیقت پر آئی ہو یا شرک سے بھی کسی بدتر حالت میں آئی ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے وجود کے انکار کی حالت میں آئی ہو۔



میزان ثانی

میزان ثانی، میزان اول کو تمام انسانوں پر منطبق کرنے میں انسان (حاکم ہو یا قاضی یا مفتی یہ صلاحیتوں کی حدود معلوم کرنا ہے) دیکھا جائے گا کہ وہ کون سے دلائل و شواہد ہیں۔ جن پر قاضی یا حاکم کا کسی انسان کے کفر یا ارتداد کے متعلق فیصلہ کی بنیاد رکھنا جائز ہے۔ یہ میزان ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اس خطرناک فیصلے اور اس کے تابع اور دیگر خطرناک احکام کے متعلق قطعی رائے قائم کرنے میں جن دلائل پر اعتماد جائز ہے۔ وہ صرف صریح قطعی دلائل ہیں۔ اس باب میں ظن و تخمین، فراست و انکل پیچ کے دلائل کی کوئی وقعت نہیں۔ نہ ہی لزومی دلائل کی کوئی قدر ہے۔ ہاں اگر ان میں لزوم قطعی ہو۔ جن میں لازم سے ملزوم کا تخلف ممکن نہ ہو تو ایسے دلائل پر اعتماد جائز ہے۔

گناہوں سے گناہگار کے کفر یا مرتد ہونے پر استدلال نہیں کیا جائے گا چاہے گناہ کتنے بڑے ہوں اور گناہگار کتنا ہی ان پر اصرار کرے۔ کیونکہ اس صورت میں دلیل مدعا سے زیادہ عام ہے۔ اس لئے کہ بعض لوگ نفس کی سرکشی اور اپنی حماقتوں کی تابعداری اور بے پرواہی کی وجہ سے گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کا عقیدہ صحیح و سالم ہوتا ہے اور اس کے ایمان و اسلام کے بنیادی ارکان اور دھوکہ و فریب کی علامات و نفاق کے مظاہر (جتنی طرح کے ہوں اور جتنے عرصہ سے جاری ہوں) سے دنیا میں عدالتی فیصلہ کے مستوجب بننے والے کفر پر استدلال نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کے کافر ہونے کے متعلق اعتقادی جزم و یقین تک

کرنا جائز نہیں۔ گو اس پر عدالتی فیصلوں کی حقیقت نہ بھی ہو۔ لیکن اگر یہ فریب کا ریا منافق اس چیز کا ارتکاب کرے جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفر، بواحاً (ظاہر و واضح) سے موسوم فرمایا ہے۔ تو اسی صورت میں اس کے کفر یا ارتداد کا فیصلہ دیا جائے گا۔

اس قاعدہ پر سب سے زیادہ واضح دلیل وہ حدیث پاک ہے جسے امام مسلم، ابن ماجہ، امام احمد اور ابو داؤد نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ”سرّیہ“ میں بھیجا۔ پس میں نے ایک مرد کو پایا تو وہ لا الہ الا اللہ پڑھنے لگا۔ میں نے اس کو نیزہ مار دیا۔ پس اس کے بارے میں میرے دل میں تردد سا ہوا تو میں نے اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس نے لا الہ الا اللہ پڑھا تھا؟ اور تو نے اس کو قتل کیا۔ حضرت اسامہ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے اسلحہ کے خوف سے پڑھا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کیا تو نے اس کے دل کو نہیں چیرا تا کہ تجھے معلوم ہوتا کہ اس نے پڑھا تھا یا نہ؟ پس آپ اس کا تکرار فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں آج اسلام لایا ہوتا۔

اور اسی کی مثل وہ حدیث ہے جس کو حضرت امام مالک نے مؤطا میں عطاء بن یزید لیشی سے اور انہوں نے عبید اللہ بن عدی بن النخیر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں بات کی۔ ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے کیا بات کی۔ حتیٰ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلند آواز سے بات فرمائی۔ پس وہ شخص ایک منافق کو قتل کرنے کے بارے میں آپ سے مشورہ کر رہا تھا۔ پس آپ نے فرمایا۔ کیا وہ لا الہ الا اللہ کی شہادت نہیں دیتا؟ اس شخص نے عرض کیا۔ ہاں لیکن اس کی کوئی شہادت نہیں۔ حضور نے فرمایا کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ اس نے عرض کیا ہاں لیکن

اس کی کوئی نماز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہی لوگ ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منع فرمایا ہے۔ انہی دلائل میں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ فرمان بھی ہے۔ جن کو شیخین نے روایت فرمایا ہے۔ (یہ لفظ بخاری کے ہیں) میں بشر ہوں اور تم میرے پاس مقدمات لاتے ہو۔ شاید تم میں سے بعض اپنی دلیل کو بعض کی نسبت زیادہ واضح طور پر پیش کرنے والے ہوں۔ پس میں جو کچھ سنتا ہوں۔ اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ لہذا جس کے لئے میں اس کے بھائی کے حق میں کسی چیز کا فیصلہ کروں تو وہ اسے نہ لے۔ میں تو اس کے لئے آگ کا حصہ کاٹ رہا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ میں اس قاعدے کی تطبیقات میں سے آپ کا منافقین کے ساتھ برتاؤ ہے۔ منافقین کے ساتھ آپ کا برتاؤ ان کے ظاہری علامات و آثار پر مبنی تھا۔ جو ان میں پائی جاتی تھیں۔ اور اسی حد پر آپ کا وقوف تھا۔ ان کے باطن کی کھوج نہ لگاتے تھے۔ چاہے باطن کے آثار جتنے بھی واضح ہوتے۔

ان دونوں میزانون کی تطبیق

وہ تصرفات جو ان دونوں میزانون کی بنا پر مستوجب ارتداد ہیں۔ وہ یا تو اقوال ہوں گے یا افعال ہوں گے یا ان کا ستھرا و تحقیر کی فہرست میں داخل ہونا ممکن ہوگا۔

اقوال

اقوال سے مراد ہر وہ قول ہے جو اسلام یا ایمان کے کسی رکن کے انکار کی یا ان اسلامی احکام میں سے کسی حکم کے انکار کی واضح تعبیر ہو۔ جن احکام کا دین سے ہونا بالبدہا بہت معروف ہے۔

جیسا کہ زنا کو مباح قرار دینا۔ یا قتل نفس کو بغیر کسی حق کے یا سود کے عمومی طور پر ایسی صریح عبارت کے ساتھ مباح قرار دینا جو اس پر قطعی دلالت کر رہی ہو۔ پس یہ اقوال یا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے معنی میں داخل ہوں گے۔ جیسا کہ وہ

قول جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے بھی زیادہ برا ہوگا۔ جیسا کہ وہ قول جو خالق کے وجود کا انکار کر رہا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے برابر ہوگا۔ جیسا کہ وہ قول جو کتاب اللہ کے قطعی صریح اور مشہور احکام کا انکار کر رہا ہے۔ کیونکہ ان کا انکار نفس قرآن کے انکار ہی کے سبب ہو سکتا ہے۔

افعال

ان سے مراد ہر وہ فعل جس میں کسی ایسی شے پر دلالت قطعی پائی جاتی ہو۔ جو شے ایمان یا اسلام کے کسی رکن کے تناقض ہو جیسا کہ کسی بت کے لئے سجدہ کرنا اور جیسا کہ وہ لباس پہننا جو لباس دوسرے ادیان والوں کے ساتھ خاص ہیں اور جن کی دلالت دینیہ معروف ہے۔ اور جیسا کہ ان عبادات کی کسی چیز کا کرنا۔ جن عبادات کی مشق ادیان باطلہ میں سے کسی بھی دین والے کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے افعال کی دلالت واضح ہوتی ہے جو نطق کی دلالت سے کم نہیں ہوتی۔ اور ان کے مدلولات ایمان و اسلام کے ارکان کے اذعان و یقین اور ہر اس چیز کے اذعان و یقین کے تناقض ہوتے ہیں۔ جو دین سے بالضرورت ثابت ہے۔

استہزاء و تحقیر کے دائرے میں آنے والے امور

استہزاء و تحقیر کے دائرے میں آنے والے امور درحقیقت اقوال یا افعال کے زمرہ میں داخل ہیں۔ لیکن علماء نے انہیں ایک الگ نوع میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ ان میں وہ سنجیدگی نہیں پائی جاتی جو سابقہ دونوں میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس امر کا تقاضا تھا کہ اس نوع کے حکم اور اس کے آثار کو مستقل طور پر بیان کیا ہے۔

ارتداد کا مستوجب استہزاء یا تحقیر کا ضابطہ

اس کا ضابطہ اسلام یا ایمان کے کسی رکن اور ان اسلامی احکام میں سے کسی حکم کا

استہزاء ہے جو احکام سب کو بالبداهت والضرورہ معلوم ہیں۔ یا ان مذکورہ امور میں سے کسی امر کی وسائل تحقیر میں سے کسی واضح وسیلہ کے ساتھ حقارت کرنا ہے۔ لہذا ہر وہ امر جس کی تعبیر واضح، سنجیدہ قول کے ساتھ ارتداد کا موجب ہے۔ اس کا ارتکاب استہزاء یا تحقیر کے ساتھ کرنا اسی نتیجہ (ارتداد) کا موجب ہوگا۔ جیسا کہ نماز یا حج یا زکوٰۃ یا جنت یا دوزخ کا استہزاء یا کسی قول یا فعل کے ساتھ قرآن کریم کی واضح تحقیر کرنا یا اسلامی فقہ کی عمومی طور پر تحقیر کرنا۔ یا اسلام کے مشہور شعائر میں سے کسی شعار کی تحقیر کرنا جیسا کہ اذان، مساجد، اذکار اور غیرہ۔

اور تمہارا یہ معلوم کرنا بھی اہمیت کا حامل ہے کہ تمام وہ چیزیں جو کافر بنانے والے افعال کے دائرہ میں یا کافر بنانے والے استہزاء و تحقیر کے دائرے میں داخل ہیں۔ ان کے ذریعہ ارتداد کے ثبوت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ انسان محض اپنے ارادہ و اختیار سے ان میں سے کسی شے کا ارتکاب کر دے۔ خواہ ان کے بدولوات اس کے ذہن میں موجود ہوں یا نہ۔ (یہ حکم اس میزان ثانی پر عمل کا نتیجہ ہے جس کی ہم نے وضاحت کر دی ہے) کیونکہ تمام افعال مکفرہ اور ارکان دین میں سے کسی شے کی تحقیر کے مظاہر اسلامی عقیدہ کے متناقض امر پر صریح اور واضح دلالت کرنے والے ہیں۔ گرچہ دل ان امور کی مخالفت کرنے والے امور پر مشتمل ہو۔ یا دین کے ساتھ تحقیر کے مظاہر جن امور پر دلالت کر رہے ہیں۔ ان کی مخالفت کرنے والے امور پر مشتمل ہو۔ کیونکہ ان کا تعلق باطنی امور سے ہے۔ جن پر عدالتی احکام کو کوئی قدرت حاصل نہیں۔ اس لئے ہم اس شخص کے ارتداد کا فیصلہ کریں گے جو اسلام کے کسی رکن یا اسلام کے مشہور شعائر میں سے کسی کی تحقیر کرے گا۔ اور اس کے باطن کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں گے۔ ہاں البتہ اگر وہ اپنے باطن میں پوشیدہ اسلام و ایمان اور اس عقیدہ کی صراحت کر دے یا عقیدہ اس امر کے ظاہر کی نفی کر دے یا ہو جس امر پر اس کی تحقیر دلالت کر رہی ہے یا جس کی تعبیر اس کا فعل کر رہا ہے۔ پس اس کی یہ تعبیر اس ارتداد تو بہ کے قائم مقام ہو

گی۔ جس کا اس نے ارتکاب کیا تھا۔ اور اس کے ظاہر کو قبول کیا تھا اور باطن پر دیا جائے گا جب تمہیں یہ ضابطہ معلوم ہو گیا تو اب اس کی بہت ساری جزئیات میں تمہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ کیونکہ تم ہماری اس وضاحت کے مطابق پرکھو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ان میں سے کون سی جزئی ارتداد کی موجب ہے اور کون سی نہیں۔ ہم ان جزئیات کثیرہ میں سے صرف ایک جزئی کی بحث کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں لوگ کثرت سے غور و غوض کرتے ہیں اور آج کل لوگوں کے درمیان اس کے حکم سے متعلق اکثر سوال کیا جاتا ہے اور وہ جزئی اللہ تعالیٰ کی شریعت سے ہٹ کر کسی دوسرے قانون کے تحت فیصلہ کرنا ہے۔

سوال

وہ شخص جو اپنے حق میں یا اپنے خاندان کے کسی فرد کے حق میں یا جن پر اسے اقتدار حاصل ہے۔ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جیسا کہ قبیلے کا سردار اپنے قبیلہ میں اور حکمران اپنی رعیت میں اس طرح کا فیصلہ کرے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس فیصلے کے ساتھ کوئی ایسی دلیل قطعی موجود ہے جو یہ بتائے کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو کسی دوسرے قانون کے ساتھ اس لئے تبدیل کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہے یا اس لئے تبدیل کیا کہ وہ اپنے اسی خیال کا اظہار کرنا چاہتا ہے کہ اسلامی قوانین و احکام ضابطہ حیات بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یا اسی لئے تبدیل کیا کہ وہ اسلامی قوانین و احکام کی حقارت کرنا چاہتا ہے۔ اگر ان امور میں سے کسی امر کی وجہ سے اس نے اسلامی قوانین کو کسی دوسرے قانون سے تبدیل کر کے فیصلہ کیا ہے تو ایسا کرنا اس کے ارتداد کا موجب ہوگا۔ بشرطیکہ اسلام کا وہ حکم جس کی بجائے اس نے دوسرے قانون

کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ اس کا دین میں سے ہونا تمام لوگوں کو بالبدہایت معلوم ہو۔ ایسا شخص گرچہ اسلام کی بار بار شہادت دیتا ہو۔ اور عبادات مثلاً نماز وغیرہ کی ادائیگی بھی کرتا ہو۔ تب بھی وہ مرتد ہے۔ جب تک وہ اس سبب سے اپنے آپ کو جدا کر کے توبہ نہیں کرتا اور جب اپنے آپ کو اس سے بالکل الگ کر کے توبہ کر لے اور جو کچھ اس سے صادر ہوا ہے۔ اس کی مخالفت کا اعلان کر دے اور یہ اعلان کر دے کہ پوری اسلامی شریعت ضابطہ حیات بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور یہ اعلان کر دے کہ اس نے غیر شرعی قانون کے ساتھ جو فیصلہ کیا تھا۔ وہ باطل قانون کے ساتھ کیا تھا۔ اور سبکی ثابت حق وہی ہے جو اسلام بتاتا ہے۔ تو اس کی توبہ مقبول ہوگی۔ اور اگر اس فیصلہ کے ساتھ انکار یا اشتہار پر دلیل قطعی نہیں پائی جاتی۔ بلکہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنے سے مانع اس کی لاپرواہی ہے۔ یا نفس کی حماقتوں اور خواہشات کی تابعداری ہے۔ یا اسلامی شریعت کی قیود کی پابندی سے فرار کی خاطر ایسا کیا ہے تو اس سبب اس کی تکفیر جائز نہیں۔ اس مذکورہ احتمال کے دلائل جتنے بھی ضعیف ہوں اس کے باوجود اس کی تکفیر جائز نہیں۔ اس لئے کہ کفر و اسلام میں سے ہر ایک کے اصل میں مدار امر اعتقاد ہی ہے۔

قول یا فاضل پر تکفیر کا حکم جب بھی لگتا ہے تو اسی لئے لگتا ہے کہ اس قول یا فاضل کی کافر بنانے والے نظریہ پر دلالت قطعی ہوتی ہے۔ لیکن اگر دلالت قطعی نہ ہو تو پھر اس کی وجہ سے ارتداد یا کفر کا حکم لگانا جائز نہیں ہوتا اور اس کی دلالت فسق و معصیت پر منحصر ہو جاتی ہے۔ اور باطن اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی وضاحت اپنے اس قول سے فرمائی ہے:

اگر کوئی شخص شراب کو حلال کہہ دے تو وہ کافر ہو جائے گا اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر توبہ کر لے تو فیحاً ورنہ اس کی گردن مار دی جائے گی۔ یہ حکم اس شخص پر معمول ہے جس کی مانند پر شراب کی حرمت مٹتی نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص خنزیر یا مردار کا گوشت کھا لے یا شراب نوشی کرے تو اس کے صرف اس فعل کی وجہ سے اس کے مرتد

ہونے کا حکم نہ لگایا جائے گا۔ خواہ اس نے یہ کام دارالحرب میں کیا ہو۔ یا دارالاسلام میں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے یہ ارتکاب ان چیزوں کی حرمت کے اعتقاد کے باوجود کیا ہو۔ جیسا کہ وہ دیگر محرمات کا ارتکاب ان کی حرمت کے اعتقاد کے باوجود کرتا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ۔ ج ۸، ص ۵۴۹)

ارتداد اور اس کے موجبات کے بارے میں جس چیز پر اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے۔ یہ اس کا خلاصہ ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ ہی جمہور علماء اسلام ہیں۔ خوارج اور وعید یہ فرقہ ان سے خارج ہے۔ خوارج ارتکاب کبائر کی وجہ سے تکفیر کرتے ہیں۔ اور فرقہ وعید یہ فاسقوں کے لئے جہنم میں خلود کا قائل ہے۔ اس بارہ میں ان کا اعتقاد ان بعض آیات کے ظاہر پر ہے جن آیات اور

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
(المائدہ ۴۷) کے درمیان ساہا ہم نے تطبیق بیان کر دی ہے۔

(درج ذیل آیات کریمہ کے تحت تفسیر ابن کثیر اور تفسیر کبیر کا مطالعہ کیا جائے)

۱- إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَالْآيَةُ

۲- وَمَنْ لَمْ يَتُوبْ يَكُنْ مِنَ الْكَافِرِينَ

اور درج ذیل کتب کو مطالعہ کیا جائے۔

۱- کتاب الامار امام شافعی۔ ج ۷-۷-۱۶۹۲

۲- الفرق از قرانی۔ ج ۳-۳-۱۱

۳- تاشیہ ابن عابدین۔ ج ۳-۳-۲۹۱

۴- المغنی لابن قدامہ۔ ج ۸، ص ۵۴۹

۵- الاطلاح فی توابع الاسلام لابن حجر

حاکمیت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے

اور انسان کا کام اللہ تعالیٰ کے احکام کو زمین میں نافذ کرنا ہے

دو حقائق جن کے بیان سے ہم فارغ ہو چکے ہیں اور جن کو علمی منہج کی میزان پر پیش کیا گیا اور عقل کے مطلوبہ براہین و دلائل کے ذریعے ان کی قوت کا اظہار کیا گیا۔ ان تمام حقائق کا تمہیں یقین حاصل ہو گیا۔ اور پھر تمہیں اس یقین کی بدولت یہ یقین بھی حاصل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو بیکار و عبث پیدا نہیں کیا اور عبث کسی حال میں بھی اس کی شان کے لائق نہیں۔ اور تمہیں یہ یقین بھی ہو گیا کہ دنیا میں مخلوقات کی ساری انسان ہی کو حاصل ہے اور انسان کا کسی خاص ذمہ داری و فریضہ کے ساتھ مکلف ہونا ضروری ہے۔ اور اس کا اس فریضہ کی ادائیگی میں اپنے خالق و مالک کے سامنے جواب دہ ہونا ضروری ہے۔

اور اس کے بعد تم نے زمانہ کی تاریخ اور اس کے حوادث میں غور و فکر کیا تو تمہیں ان انبیاء کرام کی نبوت کا یقین حاصل ہوا جنہیں اس عرصہ میں دنیا کے اندر مبعوث فرمایا گیا۔ اور اس کا تقاضا ہے کہ تم دنیا اور دنیاوی زندگی کے متعلق ان تمام امور و احکام کا بھی یقین رکھو جن کے ساتھ انبیاء کرام کو انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔ یعنی دنیا اور دنیاوی زندگی سے متعلق حقائق اعتقادیہ اور وہ احکام شرعیہ جن کو دنیا میں نافذ کرنا مطلوب ہے۔ اور ان میں سے کسی بھی چیز سے روگردانی اور اعراض کرنے کی صورت میں اس عذاب

عالم کا یقین رکھنا جس کے بارے میں قیامت کے روز دُعا کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جب کہیں ان تمام امور کا یقین حاصل ہو گیا تو اس کے بعد میں اس بات میں ذرہ بھر بھی شک ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی واحد ذات ہی حکم ہے۔ اور اس جہان میں قانون سازی کا اختیار اسی کو حاصل ہے؟ اور کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو اور کیا یہ گمان کر سکتے ہو کہ اس دنیا میں حاکمیت انسان ہی کے لئے حاصل ہے اور وہی اپنے لئے قانون ساز ہے؟ اور اگر تم اس انکار اور مذکورہ تمام حقائق پر ایمان کو یکجا کر سکتے ہو؟ میں تمہیں اس مکابرہ پر فائدہ نہیں سمجھتا کہ تم یہ دُعا کرو کہ میں اس انکار اور اس ایمان کو یکجا کر سکتا ہوں اور نہ میں کسی بھی صاحب عقل کے بارے میں یہ گمان کر سکتا ہوں کہ وہ ایسا کرے گا۔ لہذا یقیناً حاکمیت صرف اللہ ہی کے لئے ثابت ہے اور اسی کی ذات اپنے بندوں کے لئے ان کے دنیا و آخرت سے متعلق مختلف امور میں قانون ساز ہے۔ اور وہی ان کی مشکلات میں سے ہر مشکل اور ان کی حیات کے لئے ہر حظیم و دستور قائم کرنے میں مرجع ہے۔ اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والا ہے۔ گرچہ وہ اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کا دعویٰ کرتا ہو۔ نماز پڑھتا ہو، حج کرتا ہو اور روزہ رکھتا ہو۔ اس پر کتاب و سنت کے دلائل عقلیہ اور نقلیہ اور اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اس بارے میں ان آیات کریمہ میں غور کرنا ہمارے لئے کافی ہے۔

أَلَمْ نَرَأِىَ الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ وَمَا أَنزَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ط وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۖ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۖ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ لَمْ جَاءُوكَ يَخْبِفُونَ مِمَّا بَالِغٌ أَنْ أَرْدُنَا إِلَّا إِنْصَارًا

وَتَوَفَّيْنَاهُ ۖ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ دَعْظُهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۖ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۖ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحِثَّوْكَ فَيَكُنَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (النساء: ۶۵-۶۷)

”یا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اتر اور اس پر جو تم سے پہلے اتر چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں۔ حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔ کیسی ہوگی جب ان پر کوئی اتار پڑے بدلہ اس کا جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔ پھر اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اللہ کی قسم کھاتے کہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل تھا۔ ان کے دلوں کی بات تو اللہ جانتا ہے۔ ان سے قرض مت کرو اور انہیں سمجھا دو اور ان کے معاملہ میں ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔ ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر جب وہ اپنی جان پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ

ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں“

اللہ تعالیٰ کی مشیت کا تقاضا تھا کہ وہ اس جہاں میں اپنی الوہیت و صفات کا مظہر بناتے۔ پس اس نے اس کائنات میں سے بعض کو صرف خلق و ایجاد کے سبب مظہر بنانے کا فیصلہ فرمایا جیسا کہ وہ چیزیں جنہیں ہم دیکھتے ہیں یعنی آسمان و زمین کی تخلیق اور انسان اور جو عقل و فکر اس میں رکھی گئی ہے اس کی تخلیق وغیرہ اور کائنات میں بعض کو امر و تکلیف کے واسطے اپنی الوہیت و صفات کا مظہر بنایا۔ اور یہ امر و تکلیف اللہ تعالیٰ کی وہ شریعت اور وہ نظام ہیں کہ جن کے ذریعہ اس نے اپنے بندوں پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی حکومت کو ان دونوں کی بنیاد پر قائم کریں۔

اور کائنات کی یہ دونوں قسمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت، عدالت اور علم اور اس کے شدید العقاب ہونے اور اس کی بہت ساری دیگر صفات کا مظہر ہیں۔

دنیا میں جو کچھ بھی قتل، غارت گری، ظلم و ستم، بدبختی و..... اور ہلاکت و بربادی رونما ہو رہی ہے یہ صرف اور صرف انسان کے اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے نظام شریعت سے اعراض کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظام شریعت اور احکام الہیہ کو انسان کے پاس ودیعت رکھا تھا اور اس کو ان پر ائین بنایا تھا تا کہ وہ زمین کی حکومت کو ان کی اساس پر قائم کرے اور عالم کا نظام و تدبیر ان کے تقاضوں کے مطابق چلائے۔

انسان کا فریضہ

اس مذکورہ حقیقت کے مقابلے میں انسان کا فریضہ کیا ہے؟ انسان کا فریضہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی تعمید ہے اللہ تعالیٰ نے جو قانون و ضابطہ حیات انسان کی طرف اتارا ہے اس کے ہر حرف کی تعمید انسان پر لازم ہے اور اس کے بارے میں جواب وہ ہے۔ اور جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو اجتہاد کرنے کا حکم دیا ہے صرف وہاں پر اجتہاد کا

مجاز ہے۔ اور رائے و فیصلے میں مشاورت کی صرف اس مقام پر اجازت ہے جہاں کتاب و سنت میں کوئی صریح نص موجود نہیں اور جہاں اجماع موجود نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے پختہ بندگی و عبودیت سے مراد یہی فریضہ ہے۔ اور اس کی مخالفت اور اس سے خروج اور اس کے خلاف سرکشی و بغاوت بھیجہ معبود بننا اور حد و تجاوز کرنا ہے کیونکہ انسان جب اپنے اس وظیفہ تنفیذ یہ سے اعراض کرتا ہے اور اسے سامنے کوئی دوسرا قانون وضع کرنے کے درپے رہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سے بغاوت کر رہا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو اس کی بندگی سے آزاد کرنا چاہ رہا ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ اپنے آپ کو قانون سازی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا رہا ہوتا ہے۔

اس بارے میں منافقین کی عجیب و غریب روش

اس بارے میں منافقین مختلف حیلے، بہانے تراشتے رہتے ہیں کوئی کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو صرف محبت و عدل کی شریعت قائم کرنے اور ظلم و جور کے مقامات سے دور رہنے کا مکلف بنایا ہے ان مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے طریقہ اختیار کرنا ہمارا کام ہے۔ جس طرح ہم چاہیں اور احوال و ظروف اور مصالح جس طرح کا تقاضا کریں اس طرح اس طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف مقصد، غایت کا مکلف بنایا ہے۔ رہ گیا اس مقصد تک رسائی کا وسیلہ تو اس کے اختیار اور وضع کرنے کا اختیار ہمیں حاصل ہے۔

قسم بخدا اس سمجھ کی بنیاد پر تو زمین کے مشرق و مغرب میں بسنے والے تمام اقوام اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے والی اور اس کے امر کو قائم کرنے والی ٹھہریں گی۔ کیونکہ ہر قوم خواہ مومن ہو یا کفر وہ یہی گمان کرتی ہے کہ وہ اپنے نظریہ اور اپنی قانون سازی کے ذریعہ نہایت ہی اچھے انداز میں عدل قائم کر رہی ہے اور نہایت ہی اعلیٰ طرز پر امن و سلامتی کے ستون تعمیر کر رہی ہے ان سب میں ایک دوسرے سے امتیازی فرق

صرف وسائل و مناج کے اختیار کا فرق ہے۔

ان منافقین کا خیال ہے کہ عدل و سلامتی کی تنفیذ و اقامت کے لئے وسائل و مناج کا اختیار اللہ تعالیٰ نے بندوں پر چھوڑ دیا ہے۔ لیکن سچا مسلمان ایسی بات نہیں کر سکتا۔ بلکہ تصور بھی نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غایات جہاں لازم قرار دی ہیں۔ وہاں ان کے وسائل بھی لازم قرار دیئے ہیں اور اہداف کا مکلف وہاں بنایا ہے۔ جہاں ان کے مناج کا مکلف بنایا ہے۔ انسان اپنے ہی اختیار کردہ وسائل سے جس چیز کا انزع کرتا ہے۔ وہ عدل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عدل تو وہ غایت ہے جس تک انسان اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے احکام کی اتباع کے ذریعے پہنچتا ہے۔

یاد رکھئے کہ انسان کا زیادہ عبادت گزار بننا کثرت سے نمازیں ادا کرنا اور نوافل پڑھنا اور کثرت سے اذکار میں مشغول رہنا اس کو اس فریضہ کی ادائیگی کی ذمہ داری سے نجات نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ سب کچھ اس وقت بے قدر ذرات بن جاتے ہیں جب اس کا نظریہ یہ ہو کہ وہ اپنے لئے جو چاہے قانون بنا سکتا ہے۔ یا اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اوامر اس زمانے میں قابل عمل نہیں رہے ہیں۔

قطعی دلائل کی بناء پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس طرح کا نظریہ رکھنے والا انسان مرتد اور وائرہ اسلام سے خارج ہے۔

جھوٹی معذرت

کچھ لوگ شریعت الہی سے اعراض کا یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اسلامی شریعت تنفیذ کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور تاریخ نے اس کی ناقابل تطبیق ہونے کو ثابت کر دیا ہے۔ اور اپنی اس تاریخی دلیل کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام جس طرح اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح کا اسلامی معاشرہ پوری تاریخ میں ماسوائے متفرق زمانوں کی ایک قلیل مدت کے آج تک قائم نہیں ہو سکا۔ اور وہ قلیل مدت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے آخری چند سالوں سے لے کر حضرت عمر بن

خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کے اختتام تک اور پھر حضرت عمرؓ کے عہد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے چند سالوں پر مشتمل ہے۔ لیکن اس کے درمیان اور اس کے بعد اسلام اپنے آپ کو پیش کرنے اور اپنا غلبہ قائم کرنے سے عاجز رہا ہے۔ ان لوگوں کا یہ جھوٹا عذر ہے۔ حقیقت و واقعیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسلام کا قابل تحفید ہونا ان لوگوں سے اس لئے مخفی رہا کہ وہ اسلام کو ایک دن کے لئے بھی قابل تطبیق دیکھنا نہیں چاہتے۔

وہ کسی تحقیق و معذرت سے پہلے ہی اسلامی منہج کے ساتھ نفرت رکھتے ہیں جس وقت وہ یہ معذرت پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ اس حال میں بھی ان سے یہ کہا جائے کہ اسلامی نظام کو عنقریب نافذ کر دیا جائے گا اور عنقریب اس پر بغیر کسی مشکل و حرج کے عمل کیا جائے گا تو وہ ہلاکت و بربادی کا شور مچانے لگتے ہیں۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اس صورت میں اسلامی نظام عملی طور پر قابل تطبیق بن جائے گا اور وہ صرف ایک نظریہ نہیں رہے گا جیسا کہ وہ اظہار کرتے ہیں۔ بہر حال ان کے اس عذر کا جھوٹا ہونا واضح ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ اسلامی معاشرہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا ہے۔ اس وقت سے لے کر اسلامی تاریخ کے غالب حصہ تک قائم رہا ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے میں اور امویوں کے عہد اور اس کے بعد عباسیوں کے زمانہ تک اسلامی حکومت اور اسلامی معاشرہ دونوں قائم رہے۔ اور اس کے بعد اسلامی حکومت خلافت عثمانیہ کے ابتدائی دور تک رہی۔ اس عرصہ میں بغیر کسی انقطاع کے یہ سلسلہ جاری رہا۔ البتہ اسلامی معاشرے کا قیام اور چیز ہے۔ اور گناہوں سے بچنا دوسری چیز ہے۔ اسلامی معاشرے کا قیام تو یہ ہے کہ اس میں عام عدلیہ کا نظام اسلامی احکام و شریعت کی بنیاد پر قائم ہو۔ اور اسلامی رنگ معاشرے کے اطراف و اکناف اور اس کے بازاروں اور مظاہر میں جھلکتا ہو کہ جس میں سودی کاروبار

کتاب نہ ہوتا ہو۔ اور اسلام کے شعائر بلا روک ٹوک قائم ہوں اور یہ تمام امور جس تاریخ کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔ اس میں مکمل طور پر منطبق رہے ہیں۔ اور اس بات کو ہر وہ شخص جانتا ہے جسے ہماری اسلامی تاریخ اور اس کے واقعات سے معمولی سی بھی ثقافتی بصیرت حاصل ہے۔

لیکن گناہوں سے محفوظ رہنا یہ تو ایک ایسی چیز ہے جو صحابہ کے دور میں بھی ثابت نہیں۔ نہ تابعین کے دور میں اور نہ اس سے قبل کسی زمانے میں اور نہ اس کے بعد کسی زمانے میں ثابت ہے۔ اور یہ ایسی چیز ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اسلامی حکومت قائم کرنے اور اسلامی شریعت نافذ کرنے کے لئے شرط قرار نہیں دیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا اقتضاء ہے کہ انسان خطا کار اور غیر معصوم رہے۔ (ماسوائے انبیاء کرام اور رسل عظام کے کبھی انحراف کرے اور اس کے بعد تائب ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر پردہ ڈالے۔ کبھی انحراف کرے اور اس کا معاملہ ظاہر ہو جائے۔ اس پر حد قائم کی جائے یا اس پر قصاص کا حکم نافذ کیا جائے۔ خود صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں سے لغزش صادر ہوئیں۔ پس ان پر حد و قائم کی گئیں۔ تابعین اور امویوں اور عباسیوں کے دور میں بھی کچھ ایسے لوگ تھے جو ارتکاب معاصی کی طرف مائل ہوئے اور ایسے لوگ بھی موجود تھے جو لذات دنیا اور خواہشات نفس کی طرف مائل رہے اور تاریکی کے پردے میں بعض گناہ ہوتے رہے لیکن ان سب کا سبب یہ ہے کہ وہ تمام لوگ خواہ بادشاہ تھے خواہ رعایا۔ غیر معصوم تھے۔ اور اس کا سبب اسلامی حکومت کا قائم نہ ہونا اور اسلامی شریعت کا نافذ نہ ہونا تھا۔

جھوٹی تاریخ سے دلیل

مذکورہ عذر پیش کرنے والے لوگوں نے بہت سارے خلفاء یا ان کے عہد کے تعارف میں پائی جانے والی معلومات پر اعتماد کیا ہے۔ حالانکہ ان کا اکثر حصہ مختلف جھوٹی باتوں پر مشتمل ہے۔ جس کو ہمارے دین اور ہماری اسلامی تاریخ کے دشمنوں

نے سوچی کبھی سازش کے تحت داخل کیا ہوا ہے تاکہ وہ مقصد حاصل کر سکیں جس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو ملازم بنایا ہوا ہو۔ انہوں نے اپنے آپ کو ہماری اسلامی تاریخ کو اپنے وضع کردہ خطوط کے مطابق لکھنے اور پڑھانے کے لئے ملازم بنا ہوا ہے۔

کون سا عربی ہے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، بشرطیکہ وہ اپنے ساتھ انصاف کرنے والا ہو اور غیر کی غلامی سے آزاد ہو۔ پھر وہ ہماری تاریخ اور ہمارے خلفاء کے تعارف میں طبری، ابن اثیر، مسعودی اور ابن خلدون روایت و سند کے منہج کے مطابق جو کچھ بیان کرتے ہیں۔ اس سے اعراض کرے اور فلپ حشلی، فان فوٹن، گولڈزیبر اور فون کریمر وغیرہ غیر مسلموں نے اس بارہ میں جو کچھ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کو قبول و تسلیم کرنے کے لئے کان دھرے۔

اس وقت ہمارے خلفاء کا جو تعارف اور ہماری تاریخ کی جو صورتیں اور جن سے یہ باطل پرست لوگ استدلال کرتے ہیں، ان کا اکثر حصہ انہی دشمنوں کا بنا ہوا ہے۔ اور انہی کے افتراءات ہیں۔ تم جتنا بھی اصل عربی مصادر میں ان کی بنیادیں اور شواہد تلاش کرنا چاہو تو تمہیں کوئی چیز نہیں ملے گی۔ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان اختلافات کی خبریں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے متعلق واقعات کو تم تاریخ کی اصلی عربی کتابوں میں پڑھو اور اس کے بعد ان کو جس طرح مستشرقین اور یورپین نے گھڑا اور لکھا ہے ان کو پڑھو تو تمہیں حیران کن نقائص اور عجیب افتراء نظر آئے گا۔ ہارون الرشید کا تعارف تاریخ طبری، مسعودی اور ابن اثیر میں پڑھو گے تو تم اپنے آپ کو عابد، زاہد اور اللہ کی راہ میں جہاد اور اللہ کی حکومت کو زمین پر قائم کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کا عہد کرنے والے ایسے شخص کے سامنے پاؤ گے جو ایک سال غزوہ کرتا ہے اور ایک سال حج ادا کرتا ہے۔ اور جب تک کسی بیماری میں مبتلا نہیں ہوتا۔ یا کسی غزوہ میں مشغول نہیں ہوتا تو دن

ات میں سو رکعات نفل ادا کرتا ہے۔ جب کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو اس کو سب سے پہلے علماء کے آگے رکھتا ہے۔ اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم معلوم کر کے امینان حاصل کرنے کے بعد فیصلہ کرتا ہے اس سب کچھ کے باوجود تم اس کو غیر معصوم پاؤ گے کہ کبھی اجتہاد کرتا ہے تو غلطی کر بیٹھتا ہے اور کبھی غصہ ہوتا ہے تو گناہ کر بیٹھتا ہے اور پھر توبہ کر لیتا ہے اور اس کے بعد تم اس کا تعارف ان مذکورہ معاندین و ملازمین کی کتابوں میں پڑھو تو اسے ایک دوسرا شخص پاؤ گے۔ جسے غفلت و لاپرواہی، ہنسی مذاق اور کھیل و تماشا سے فرصت ہی نہیں۔ جو اپنے اوقات شراب کے مشکوں کے درمیان بسر کر رہا ہے اور ہمیشہ آسودگی و خوشحالی کی زندگی سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

(تھیں ان میں سے کوئی چیز بھی اصلی عربی تاریخی مصادر میں سے کسی مصدر میں نہیں ملے گی۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس پاؤ گے۔ یہ یورپین جنہوں نے ہارون الرشید کی سیرت کی یہ تصویر کشی کی ہے وہ مکمل طور پر معذور ہیں کیونکہ یہ لوگ ان رومیوں کے پوتے ہیں جن کے مکرو فریب کو خائب و خاسر کرنے اور جن سے اسلامی ریاست کے احکام تسلیم کروانے کے لئے ہارون الرشید اپنی پوری زندگی کے خلاف لشکر کشی کرتے رہے ہیں۔ یہ لوگ ان رومیوں کے اور اس بادشاہ (فقور) کے پوتے ہی تو ہیں۔ جس بادشاہ نے ہارون الرشید کے عہد میں اسلامی ریاست کے اثر و نفوذ اور اس کے احکام کے خلاف سرکشی کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور ہارون الرشید کو راستے سے ہٹا دیا۔ پس پیغام بھیجا تھا۔ پس ہارون الرشید نے اس کی طرف گھسٹا تھا۔

"اس کا جواب وہ ہے جو تو دیکھے گا وہ نہیں جو تو سنے گا"

اس کے بعد ہارون الرشید اس کی طرف ایک لشکر جہاد لے کر ایسے راستے پر چل پڑے جو برف سے ڈھکا ہوا اور برف بکولوں سے پر تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہر قل کے دروازے پر اپنے اوٹ بٹھا دیے۔ پس دروازہ کھولا، غیبت حاصل کی اور لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ فقور نے شکست تسلیم کر لی اور ان سے ہر سال خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ جب ہارون الرشید واپس لوٹے اور مقام "رقہ" تک پہنچے تو فقور نے عہد توڑ ڈالا اور وعدے میں خیانت کردی۔ اس کا خیال تھا کہ ہارون الرشید اب دربار لوٹ کر نہیں آسکے گا۔ کیونکہ سردی شدید تھی اور غویل راستے پر برف جمی ہوئی تھی۔ یہ خبر جب ہارون الرشید کی اطلاع تک پہنچی تو انہوں نے اس کو ہارون الرشید سے پوشیدہ رکھا کیونکہ وہ ہارون الرشید کو بھی اور اپنے آپ کو بھی راستے کی تکلیف و مشقت سے بچانا چاہتے تھے لیکن آخر کار ہارون الرشید کو اس کا علم ہو ہی گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ واقعی فقور نے ایسا کیا ہے؟ اور دروازہ شدید مشقت اور بڑی تکلیف کے ساتھ واپس لوٹے۔ پھر اس وقت (باقی شاید اگلے صفحہ پر)

پس ان دونوں میں سے کس کی تصدیق کی جائے گھر والے کی یا گھر میں پیشہ
طریقہ سے گھس کر چوری کرنے والے کی؟ عقل، علم، کرامت، شرف سب کا یہ فیصلہ
ہو گا کہ تصدیق اسی کی ہونی چاہئے جو گھر کا مالک ہے۔ مگر جہالت، رذالت اور حقارت
سب کہیں گے کہ تصدیق اس چور کی ہونی چاہئے جو خفیہ طور پر گھر کے صحن میں اتر
ہے۔

یہ ایک چیز تھی جس کا بیان ہوا اور یہ ایک دوسری چیز ہے جسے ہم آپ سے کہنا
چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ہم ایک دوسری تاریخ کے مالک
ہیں۔ جو اس عقلمندانہ تاریخ کے علاوہ ہے۔ جس کے ہم مالک ہیں۔ اور ہم فرض کر لیتے
ہیں کہ اس متوہم تاریخ کے لوگوں نے اسلامی معاشرہ بھی قائم نہیں کیا اور نہ ہی اللہ کی
شریعت اور اس کے احکام نافذ کئے۔ تو اس میں کون سا شبہ ہے جو اس حق کو عیب دار بنا
دیتا ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت اور انبیاء و رسل کے
ارسال اور ان کے ذریعے انسانوں کا اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع اور اس کی شریعت
کے التزام کے مکلف ہونے پر عقل کی دلیل اور اس کی برہان قاطع قائم ہے۔ اور ہم
فرض کرتے ہیں کہ تم نے ایسی کسی برہان قاطع کے ذریعے کسی حقیقت کا انکشاف کر لیا
ہو۔ جس برہان کو رو نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کے بعد تم نے اپنے ارد گرد تمام لوگوں کو
دیکھا کہ وہ نہ اس کو سمجھتے ہیں اور نہ اس کا یقین کرتے ہیں۔ تو کیا ان لوگوں کا تمہارے
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۱ سے) تک جہاد کرتے رہے۔ جب تک اپنے مقصد کو حاصل نہ کر لیا۔ پس یہ وہ آدمی اور
غوثی ہے جسے عربی تاریخ ہارون الرشید کے تعارف کے بیان میں پیش کرتی ہے۔ تو آپ کا کیا خیال ہے۔
آج فقور کے ہاتھوں کی زبان پر اس خلیفہ کا تعارف کیسا ہونا چاہئے تھا؟ جو کچھ وہ آج کہہ رہے ہیں کون سا
صاحب عقل ان سے ہارون الرشید کے خلاف اس سے کم درجہ افتراء پر داذی کی توقع رکھ سکتا ہے؟ مگر تعجب تو
ان لوگوں پر ہوتا ہے جو قومیت اور وطنیت یا عربیت پر فخر کرتے ہیں لیکن اس کینہ کے اثر کو قبول کرنے کے لئے
اپنا سر اور اپنی عقلیں جھکا دیتے ہیں۔ جس اثر کو فقور کے ہاتھوں نے اس زمانے میں عربی تاریخ اور مصر مہاسی
کے خلفاء میں سے عادل ترین خلیفہ پر ڈالا ہے۔)

ارد گرد ہونا تمہارے اس علم کے لئے ابطال و نسخ بن جائے گا۔ جو علم تمہارے دماغ میں
موجود ہے؟ اس زمانے میں ہم اپنے ارد گرد بہت ساری اقوام کو دیکھ رہے ہیں جو
اسلام کو تسلیم کرنے پر راضی نہیں۔ بلکہ وہ اسلام کے ساتھ برائی سے پیش کرنے اور اس
کی جاہی و بربادی کی منتظر رہنے کو پسند کرتی ہیں۔ تو کیا اس کو نفس اسلام میں عیب تصور
کیا جائے گا؟ اور اس کو اس کی تنفیذ کی عدم صلاحیت پر دلیل سمجھا جائے گا؟ یا اس شخص
کا عیب سمجھا جائے گا جس نے کفر کیا اور اسلام کو معطل سمجھا اور اسلام کے ساتھ برائی
سے پیش آیا؟

عقل اپنا مختصر سا فیصلہ سناتے ہوئے کہے گی۔ قطعی دلیل کے ساتھ اسلامی عقیدہ
کی صداقت کے واضح ہونے کے بعد کفر کرنے والے اور اسلام کے ساتھ برائی سے
پیش آنے والے ہی میں عیب ہے۔ اور صاحب عقل پر لازم ہے کہ وہ اس برائی کے
مظاہرہ کو ناپسند کرے اور اس پر تنفیذ کرے اور لوگوں کو اس کے جال میں پھنسنے سے
بچائے۔

پس یہ جھوٹا عذر پیش کرنے والوں کی حالت اس بھیگی آنکھ والے کی حالت کی
مانند ہے۔ جو دیکھتا تو ظلم کی طرف ہے مگر اپنی غفلت میں مظلوم پر برس پڑتا ہے اور
آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا تو برائی کرنے والے کی طرف ہے۔ مگر جلدی سے گریبان
اس شخص کا بکڑ لیتا ہے۔ جس کے ساتھ برائی کا سلوک ہوا ہے۔

پس یہ جھوٹی معذرت اس حقیقی بھیگاپن کی وجہ سے ہے جو آنکھ اور عقل دونوں
میں سے ایک ساتھ پایا جاتا ہے۔ یا اس مصنوعی بھیگاپن کی وجہ سے ہے جو تسلی و تشفی
کی تلاش اور دل میں مستحکم کینہ و نفاق پر پردہ ڈالنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن
اس جھوٹی معذرت کا کیا فائدہ؟ اس کا کیا نتیجہ؟ حالانکہ مسئلہ اپنی جگہ مکمل طور پر اہمیت کا
حامل ہے۔ اور معاملے کا تعلق انجام سے ہے اور انجام واحد وہی ہے جو ہر فرد بشر کی
موت کے پس پردہ مخفی ہے۔ یہ معذرت عبث و بے فائدہ ہے۔

لیکن یہ بحث بچوں اور پاگلوں کا عبت نہیں

اور یہ غفلت ہے لیکن یہ غفلت مدہوش و حیران شخص کی غفلت نہیں۔ ”راہ ایک ہی ہے، اور انجام ایک ہی ہے، انتہا یقینی اور قریب ہے۔ اس معاملہ کی اہمیت سمجھنے کی ایک ہی راہ ہے اور وہ صرف اور صرف عقل کی آواز پر کان دھرنا ہے۔

اپنے اندر موجود لذات دنیاوی اور خواہشات نفسانی کے شور و غل اور معاشرے اور خاندان اور رسوم و تقالید کی آواز نفسانی مقاصد کی پراگندگی، کسر و غرور اور عصبیت کی چیخ و پکار سے الگ تھلک ہو کر عقل کی آواز کو غور سے سننے کی پوری کوشش کرو۔ اور اگر اس شور و غل کے ازدحام میں صرف عقل کی آواز واضح ہو جائے تو پھر یہ سمجھو کہ یقیناً اشکال ختم ہو گیا۔ پردہ زائل ہو گیا اور حقیقت کبریٰ منکشف ہو گئی۔ اور اس کی اہمیت کا تمہیں شعور حاصل ہو گیا۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو پھر تم کسی طرف متوجہ ہوئے بغیر راہ حق میں سبک رفتاری کے ساتھ چلنے لگو گے۔ اگر تم اس شور و غل کے سامنے جھک گئے۔ جو تمہارے کانوں کے پیچھے گونج رہا ہے اور جس کا زنگ تمہارے باطن کو متاثر کر رہا ہے اور یہ شور و غل تمہارے پہلو میں بلند ہونے والی خواہش اور فعل کا وہ کھوٹ ہے۔ جس کے آثار تمہاری فطرت میں پائے جاتے ہیں۔ اور خاندان و معاشرہ کی وہ رسوم و تقالید ہیں جو تمہارے گرد طواف کر رہی ہیں اور وہ مستحکم عصبیت ہے جو تمہاری داخلی فکر کو آلودہ کر رہی ہے۔ پس تم کچھ دن اسی غفلت کی حالت میں فریب دینے والی ان آوازوں کو سنتے ہوئے گزار دو گے۔ پھر تمہیں جلدی اچانک ایک لمحہ میں ہوش آ جائے گا۔ جبکہ ساری آوازیں ختم ہو چکی ہوں گی۔ اور تمہارے ارد گرد شور ساکن ہو چکا ہو گا۔ تم نگاہ ڈالو گے۔ لیکن اوقات ضائع ہو چکے ہوں گے اور فرصت تمہارے ہاتھ سے نکل چکی ہوگی۔ اے میرے برادر انسان! خالص عقل کے ساتھ میری ان باتوں پر غور کرو اپنے نفس میں موجود خواہشات کے آثار اور معاشرے کی رسوم اور وہ تقالید جو تمہارے ارد گرد موجود ہیں۔ اور وہ نفسانی جذبات جو تمہاری تلقیر پر چھائے ہوئے

ہیں۔ ان سب سے اپنے آپ کو چند لمحات کے لئے الگ کر کے میری ان باتوں پر غور کرو۔ جب تم ایسا کرو گے تو تمہیں ان تمام باتوں پر یقین آئے گا جو میں نے اس کتاب میں پیش کی ہیں۔ اور تمہیں یقین ہو گا کہ یہ تمام باتیں ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا اور بے غبار ہیں۔ اور تمہیں یہ بھی یقین ہو گا کہ تم پر ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا لازم ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ تم یہ عذر پیش کرو کہ میں تو ایسا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ میرا نفس مجھ پر غالب ہے۔ اور میں اپنے نفس پر قابو پا نہیں سکتا۔ تو اس کا صل آسان ہے۔ آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ پس تم ذرا اس خالق و مالک کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ جس کے وجود پر تم ایمان رکھتے ہو۔ پس اس کے حضور اپنی عاجزی و کنزوری پیش کرو۔ اور اس بات کی مت پرواہ کرو کہ تم گناہوں کی میل و پھیل سے آلودہ ہو چکے ہو۔ کیونکہ وہ کریم، غفور اور کثرت سے عطا فرمانے والا ہے۔ اپنی صداقت و خشوع والی دعا میں ایسی خلوت میں کہ تیرے اور اس کے درمیان کوئی نہ ہو۔ یوں عرض کرو۔

اے میرے معبود اور میرے خالق۔ میں طویل دوری اور بڑی نا فرمانی کے بعد تیری عظیم بارگاہ میں حاضر ہوں۔ تو بہ کی امید کرتا ہوں۔ اور اپنی عاجزی کی شکایت پیش کرتا ہوں۔ مغفرت کی امید رکھتا ہے اور پاک ہونے کا شوق رکھتا ہوں۔ حالانکہ میں گناہوں سے آلودہ ہو چکا ہوں۔ میرا تیری ذات پر ایمان، مجھے تیرے دربار میں لے آیا ہے۔ اور تیری مغفرت کی امید نے تیرا باب کرم کھلکانے کے لئے مجھے آمادہ کیا ہے۔ اے میرے معبود! میں تیری الوہیت اور تیری عظیم قدرت کی ہدایت پانے کے بعد اپنی بندگی و مسکنت کی طرف لوٹ آیا ہوں۔ پس دکھ ہے ان بیڑیوں سے، جو مجھے اطاعت گزار لوگوں کے قافلے سے روکتی رہیں۔ اور مجھے ہلاک و گمراہ ہونے والوں کی وادی کی طرف کھینچتی رہیں۔ مجھے سب سے زیادہ خوف تیرے عذاب کے گھیرنے کا ہے۔ تو نے مجھے انتہا و نصیحت کی ہدایت سے نوازا ہے۔ اس کے باوجود میں نسیان کی گمراہی کی طرف لوٹوں تو پھر میں اس کے بعد اس برے انجام سے دوچار ہو جاؤں گا۔

جس کو نالہ والے کو۔ اے میرے معبود میں تیری بارگاہ میں حاضر ہو کر تجھ سے تیری ہی پناہ مانگوں۔ اور میں تیری اس عظیم رحمت کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ جس کا تو اہل ہے۔ تیرے اس دردناک عذاب سے جس کا میں اہل ہوں۔ میں اپنے نفس کی برائی سے خوفزدہ ہو کر تیرے لطف و کرم کی طرف بھاگ آیا ہوں۔ اور میرے تیری طرف لوٹنے سے مجھے تیرے سوا ہر ایک سے دور کر دیا ہے۔

اے میرے اللہ اور میرے خالق اپنے سامنے تضرع کرنے والی میری عیوب و جہت کو تیرے حق میں مجھ سے جو عظیم کوتاہی ہوئی ہے۔ اس کے لئے سفارشی بنا اور تیری بارگاہ میں فریاد کرنے والے میرے دل کو درد و آلام کو میری اس برائی کا کفارہ بنا جس کا ارتکاب میں نے تیری ہدایت سے روگردانی کی صورت میں کیا ہے۔ اور اپنے لطف و کرم کے ساتھ میرے اس تذلل پر نگاہ ڈال۔ جو میں تیری بارگاہ میں پیش کر رہا ہوں۔ اور اپنے جود و کرم کے ساتھ میرے ہاتھوں کی کپکپاہٹ پر نظر ڈال جو تیری بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں۔ پس تو مجھے اپنی بارگاہ سے نہ دھتکار۔

اے اللہ! تو ہی مصطر کی دعا قبول فرماتا ہے اور برائی کو دور کرتا ہے۔ اور تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ یا ارحم الراحمین۔

اور میں اپنی گفتگو کو خالق جل جلالہ کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے اور اس کے باب کرم کے سامنے تضرع و عاجزی کرتے ہوئے ختم کر رہا ہوں کہ وہ اس دعا کو میرے حق میں اور تیرے حق میں اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنے والے ہر بندے کے حق میں قبول فرمائے۔ اور میں اس کی بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ وہ رب کریم ہے کہ وہ مجھے اور تجھے زندگی کے بقیہ ایام اسی عقیدہ پر ثابت و قائم رکھے اور مجھے اور تجھے اسی پر سکرات موت کے وقت استقامت نصیب فرمائے۔ اور موت کے بعد اس کو ہمارا وارث بنائے۔

اے اللہ میں ان حقائق کو تیرے پاس دو بیعت رکھتا ہوں۔ جن کو میں تسلیم کرتا

ہوں اور جن کی میں اطاعت کرتا ہوں۔ ان کی حفاظت فرما میرے لئے اور ہر مومن و مومنہ کے لئے۔ موت کے وقت اور موت کے بعد۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر کسی حیثیت سے اس کی طرف التفات نہ کیا جائے۔

جب ان مغربی مفکرین نے یہ محسوس کیا کہ تحقیق و بحث کے اس منہج سے فطرت عقل مکمل طور پر اختلاف رکھتی ہے اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ عقل کو بے مہار چھوڑنا ان کے بہت سارے ان قواعد و احکام فکر یہ کے فساد کا سبب بن جائے گی۔ جن کو انہوں نے اس منہج پر قائم کیا ہے تو ان لوگوں نے ایک ایسے مکتب فکر کے قائم کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا جس کی بنیاد عقل کی تحقیر اور عقلی دلائل و براہین کے انکار پر قائم ہو اور ان لوگوں نے عقل کی طرف سے دین پر آنے والے مصائب و فسادات سے ایک دوسرے کو ڈرانے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کیا۔ (یہاں پر دین سے مراد وہ دین ہے جس کو انہوں نے اپنے اس منہج کے مطابق سمجھا ہے جس کی ہم نے وضاحت کر دی ہے)

لہذا اس مکتب فکر کا شعار ہی دین کو عقل سے جدا کرنا بن گیا جنہیں مغربی علم ہے اس عجیب و غریب انداز تحقیق و منہج پر عمل کرنا اس مکتب فکر سے تقاضا کر رہا ہے جن عقائد و نظریات کو ان لوگوں نے دنیاوی مصلحتوں اور مختلف منہجوں کے تحت قائم کیا ہے۔ ان کے متعلق عقل خالص کی جانب التفات نہ کیا جائے اور اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ ہر اس فہم کو بھی نیست و نابود کر دیا جانا چاہئے جو ایسے نظریات و عقائد کی حامل ہے۔ جو نظریات و عقائد ان کی دنیاوی مصلحتوں سے ہم آہنگ نہیں۔ خواہ عقل کے ساتھ ان کا تعلق کتنا گہرا کیوں نہ ہو اور خواہ بداہت کے کتنے ہی قریب کیوں نہ ہو اسی لئے تم ان مغربی مفکرین کو بیک وقت ایک طرف اپنی عقلوں پر بیڑیاں ڈالے ہوئے اپنے مخصوص دنیاوی مفادات کے زیر سایہ قائم کئے ہوئے عقائد و نظریات پر عقل خالص کی طرف سے پڑنے والی زد سے ڈرتے ہوئے دیکھو گے تو دوسری جانب

ہمارے ان عقائد پر حملہ آور دیکھو گے جنہیں عقل خالص اپنے علمی منہج کے مطابق تسلیم کرتی ہے۔ یہ سب کچھ وہ حریت فکر اور آزادی عقل کے دعویدار بن کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ خود جانتے ہیں کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں بچے نہیں۔ ان کا آزاد عقلی تحقیق کے پردے میں مستور یہ حملہ درحقیقت اس منہج کی قبولیت ہے جس کا انہوں نے التزام کر رکھا ہے کیونکہ جب کوئی عقیدہ و نظریہ ان کی دنیاوی مصلحتوں اور خواہشات نفس اور مختلف توقعات کے ساتھ اتفاق نہیں رکھتا تو وہ اس لائق ہے کہ اس کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی جائے۔ خواہ اس کی دلیل کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو۔

میں اس وقت قارئین کے سامنے چند ایسی مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے دو چیزیں ایک ساتھ ثابت ہوتی ہیں۔

- ۱۔ اخذ نتیجہ کا ایسا طریقہ جو ہر قسم کے ثبوت اور استقراء سے خالی ہے۔
 - ۲۔ مخصوص مقصد کے دفاع میں خواہش کا اثر اور اسی بنیاد پر عقیدہ کی تعمیر۔
- مثال: فون کریم اور گولڈ زھر دونوں معروف مغربی مفکر ہیں ان دونوں نے نقل کیا ہے کہ لوگوں نے ایک عجیب موضوع پر بحث کی ہے اور وہ موضوع یہ ہے کہ کیا عجمی لوگ جنت میں عرب خواتین سے نکاح کریں گے؟

اس بات کو نقل کرنے میں ان کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلامی فتوحات کے پس پردہ عربی سیادت کا جذبہ کارفرما تھا۔ (سیرۃ العربیہ از فان مولن)

جو شخص بھی ان کی یہ مذکورہ عبارت پڑھے گا یقیناً وہ سمجھے گا کہ یہ موضوع لوگوں کے اکثریتی طبقہ کے زیر بحث رہا ہے اور اس میں بحث کرنے والوں میں فقہاء اسلام پیش رے ہوں گے کیونکہ یہ موضوع دوسرے لوگوں کی نسبت ان کے زیادہ متعلق ہے لیکن اگر تم اس واقعہ کے مصدر اور اس کی سند، اس کی حقیقت تلاش کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جن لوگوں نے غیر عربوں کا عربی خواتین کے ساتھ جنت میں شادی کی بحث کی وہ صرف ایک اعرابی ہے جو کسی دیہات سے آیا تھا جسے اصمعی نے دوسرے

سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ عجمی لوگ جنت میں ہماری خواتین کے ساتھ نکاح کریں گے؟ تو دوسرے نے یہ سن کر جواب میں کہا تھا۔ میرے خیال میں اللہ کی قسم عمل صالح کی برکت سے ایسا ہوگا۔

اس واقعہ کو میر نے اپنی کتاب ”اکمال“ میں روایت کیا ہے۔

(اکمال المبرور، ج ۲، فصل المروانی عن العرب)

غور کیجئے اس خبر کو اس کے مصدر سے جدا کر کے صیغہ تقسیم کے ساتھ کیسے پیش کیا گیا ہے اور اس خبر سے حقیقت پسند پاکیزہ ذہن، صاحب علم محقق کو جو شہادت مطلوب ہے۔ اس کے بیان سے کیسے اعراض کیا گیا ہے۔

۲۔ ایک دوسرے مغربی مفکر نے اپنی کتاب ”فلسفۃ الفکر الدینی بین الاسلام و المسيحۃ“ میں لکھا۔

حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنے عہد خلافت میں قرآن کریم کو سورتوں اور بیات میں تقسیم کیا اور سورتوں کی ترتیب میں ان کی طوالت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر طویل سورت کو پہلے اور اس کے بعد اس سے کم درجہ طویل کو رکھا۔ یوں تمام سورتوں کو ترتیب دیا۔ (مذکورہ کتاب ص ۱۸۴)

اولاً تم اس دعویٰ یا مفروضہ کے اثبات کے لئے اختیار کئے جانے والے منہج میں غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہاں سرے سے منہج ہی مفقود ہے۔ ان لوگوں نے ہمارے سامنے صرف دعویٰ پیش کیا ہے تاکہ ہم اپنی آنکھیں بند کر کے اس کو جیسے ہے اسی طرح قبول کر لیں گے۔ شاعر کے اس قول کو بھول جائیں گے۔

والد عادی ان لم یقیموا علیہا بینات ابناؤھا اذعیاء
دعویوں پر اگر تم شہادت پیش نہ کر سکو تو پھر ان کے بیٹے مٹیں (منہ بولے بیٹے) ہی ہو سکتے ہیں۔

کون سے استقرائی، استدلالی یا استنتاجی مصدر سے ثابت ہے کہ قرآن کریم کو

سورتوں اور آیات میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقسیم کیا ہے اور آپ نے اپنی خواہش کے مطابق ترتیب دیا ہے کہ ان کی خواہش نے انہیں لمبی سورت سے آغاز کرنے پر آمادہ کیا اور یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ سورت لمبی ہے اور یہ چھوٹی ہے؟

ہمیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت صحیح روایت کے مطابق یہ معلوم ہے کہ آیات اور ان کی ترتیب اور سورۃ اور ان کی تقسیم و ترتیب کا معاملہ توقیفی تھا جس میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کوئی اختیار نہ تھا۔ اس پر ہماری دلیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مروی وہ حدیث ہے جس کو انہوں نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان سے عرض کیا کہ سورہ بقرہ کی یہ آیت کریمہ

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ذُرِّيَّةً لَّا زَوَاجَهُمْ

مَتَّاعًا إِلَى الْغَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ (البقرہ: ۲۴۰)

اس کو دوسری آیت کریمہ نے منسوخ کر دیا ہے۔ پس آپ اسے کیوں لکھ رہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا اے میرے بھتیجے میں کسی چیز کو اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کر سکتا۔

علامہ قرطبی وغیرہ نے حضرت سلیمان بن بلال سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کو کیوں پہلے رکھا گیا حالانکہ ان دونوں سے پہلے ۸۰ سورتیں نازل ہوئی ہیں یہ دونوں سورتیں تو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں؟

تو حضرت ربیعہ نے فرمایا ان دونوں کو پہلے اس لئے رکھا گیا کہ قرآن کریم کی ترتیب اس ذات کے علم کے مطابق ہے جس نے اس کو نازل فرمایا ہے۔

۳- اب یہ مثال بھی تمہارے سامنے پیش ہے۔

مشہور مستشرق سب اپنی کتاب ”اسلام میں دینی فکر کی تغیر“ میں کہتا ہے۔
اسلام دین کو اس قدیم عربیت کے احیاء پر قائم کرنے کے لئے آیا ہے جس کو عرف ماحول نے تیار کیا تھا جبکہ سیدنا حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے علیحدگی اختیار کرنا ممکن نہ ہوا۔ یہ بات وہ ایک عجیب انداز سے بیان کرتا ہے جہاں وہ اسے احتیاج بلکہ اکثر اوقات خالص گھان میں داخل کر لیتا ہے۔ لیکن اس کی یہ تمام باتیں اس کے درج ذیل قول کی نسبت نہایت ہی چھوٹی ہیں۔ سب اپنی اس کتاب کے مقدمہ میں کہتا ہے۔

جن افکار پر میں نے ان فصول کی بنیاد رکھی ہے وہ میرے دماغ کی اختراع نہیں بلکہ مجھ سے پہلے مفکرین کی ایک جماعت نے ان امور کی نشاندہی کی ہے جن میں مسلمان مفکرین کی ایک طویل فہرست بھی شامل ہے۔ میں بطور مثال ایک شخصیت کے تذکرہ پر اکتفا کرتا ہوں اور وہ شخصیت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ہے۔

اور اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے چند حروف عبارت قوسین کے مابین نقل کرتا ہے۔

میں اس عبارت کو قارئین کے سامنے نقل کرتا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسی بعثت کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا جو ایک دوسری بعثت کو مضمّن ہے اور پہلی بعثت بنی اسماعیل کی طرف تھی اور یہ بعثت اس بات کو لازم قرار دیتی ہے کہ آپ کی شریعت کا مادہ وہی کچھ ہو جو کچھ بنی اسماعیل کے ہاں خواہ وہ شعائر ہوں یا عبادات کے طریقے ہوں۔ ارتقا قات کی وجہ کیونکہ شریعت، جو کچھ بنی اسماعیل کے پاس تھا، اس کی اصلاح کا نام ہے اور ان کو ایسے امور کے مکلف بنانے کا نام شریعت نہیں جن کو وہ سرے سے جانتے بھی نہ ہوں۔

ہم کہتے ہیں کہ سب کی نگاہ یقیناً اس عبارت کے سیاق و سباق پر ضرور پڑی ہوگی ایسا نہیں ہو سکتا کہ سیاق و سباق کے بغیر صرف اس عبارت پر اس کی نظر پڑی ہو کیونکہ

یہ عبارت اپنے ارد گرد طویل کلام میں پوشیدہ ہے جس کا پتہ اس مقام سے ہی مل سکتا ہے۔

تحقیق و نقل میں پائی جانے والی اتنی بڑی خیانت پر افسوس ہے۔ یہ تو کلام کی تحریف اور صاحب کلام پر ایسا بوجھ ڈالنا ہے جس کو اس نے اٹھایا ہی نہیں اور اس کے ذمہ ایسی بات لگانا ہے جس سے وہ بری ہے۔

تعب انگیز بات یہ ہے کہ اگر ہم علماء سابقین کی تصانیف میں سب کی کتاب میں بیان کردہ خیالات کے مکمل رد کو تلاش کرنا چاہیں تو ہمیں شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب ”حجتہ اللہ البالغہ“ میں پائے جانے والے رد سے زیادہ بلیغ اور مکمل ترین رد کہیں نہیں ملے گا اور یہ وہی کتاب ہے جس کی کتاب سے سب نے مذکورہ عبارت نقل کی ہے تاکہ وہ اپنے قول پر بطور شہادت پیش کر سکے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ پر الہام فرمایا تھا کہ وہ اس شخص کا راستہ پہلے ہی بند کر دیں جو ان کے بعد آ کر ان کے کلام کو اس امر پر محمول کرنے کی کوشش کرے گا جس کا انہوں نے مقصد ہی نہیں کیا۔ یا ان کے کلام سے اس امر کو ظاہر کرنے کی کوشش کرے گا جس کا آپ کے کلام سے ظہور ہی نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ یہ ہے جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حنفیہ اسماعیلیہ کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اس میں پائی جانے والی کجی کو درست کریں اور اس میں پائی جانے والی تحریف کا ازالہ فرمائیں اور اس کی نورانیت کی اشاعت کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

جِلَّةَ آيَاتِهِمْ اِنَّزَاوَاهُمْ (الحج: ۷۸)

ترجمہ: تمہارے باپ ابراہیم کا دین۔

جب معاملہ ایسا تھا تو اس ملت کے اصول تسلیم کرنا اور اس کے طریقے ثابت رکھنا واجب تھا کیونکہ جب کسی نبی کی بعثت ایسی قوم کی طرف ہو جس میں سنت راشدہ باقی ہے تو اس کو تہدیل کرنے کا کوئی مطلب نہیں بلکہ اس کو باقی رکھنا ضروری ہے کیونکہ

وہ اس قوم کے ہاں زیادہ قابل قبول ہوتی ہے اور ان کے خلاف حجت قائم کرنے کے لئے زیادہ مفید ہوتی ہے۔

بنی اسماعیل اپنے جدا امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے طریقہ پر قائم تھے اور وہ اسی شریعت پر عمل پیرا تھے۔ یہاں تک کہ عمرو بن لُحی نے اس شریعت میں اپنی فساد رائے کے ذریعہ بہت ساری اشیاء داخل کر دیں جس کی وجہ سے وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔ اس نے بنوں کی عبادت کا آغاز کیا اور سائبر و بحیرہ کی رسم ایجاد کی۔ پس یہاں سے دین باطل ہو گیا اور صحیح فاسد کے ساتھ مخلوط ہو گیا۔

اور ان پر جہالت، شرک اور کفر غالب آ گیا۔ ان کی کج روی کی درستگی اور فساد کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شریعت پر غور و فکر کیا۔ اس کا جو حصہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے منہاج سے اتفاق رکھتا تھا۔ یا جو چیزیں شعائر اللہ میں سے تھیں۔ انہیں باقی رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے جس حصہ میں تحریف واقع ہوئی تھی۔ یا فساد پایا گیا تھا۔ یا شرک و کفر کی علامات پائی گئی تھیں۔ اس کو باطل فرما دیا اور اس کے باطل ہونے پر مہر ثبت فرمادی۔ (حجتہ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۹۷، ۹۸، ۹۹)

مسئر سب نے جن جملوں کو نقل کیا ہے۔ یقیناً وہ ان جملوں کے بعد والی عبارت سے بھی واقف ہوں گے اور یہ عبارت ان منقولہ جملوں کی تفسیر اور ان کے مضمون کی تشریح ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس عبارت سے ناواقف رہا ہو۔ اپنے افکار کا ثبوت شاہ ولی اللہ دہلوی کی طرف منسوب بھی کر دیا ہے۔ حالانکہ شاہ ولی اللہ وہ شخصیت ہیں جو ان خیالات کی منہج کئی فرما رہے ہیں۔

یہ ہے وہ علمی منہج جسے مغربی مفکرین کی اکثریت دوسروں کے ساتھ علمی مناقشہ و مباحثہ کے وقت اختیار کرتی ہے یا کسی مفروضہ یا کسی حقیقت کو ثابت کرنا چاہتی ہے۔ یا کسی نھن اور تاریخی وثیقہ سے علم حاصل کرنا یا یقین کا ادراک کرنا چاہتی ہے تو اختیار

کرتی ہے۔

ان کا یہ علمی منہج اولاً طریقہ، استنتاجیہ اور ثانیاً تحقیق کو اپنے ارادے اور خواہش کے تابع کرنا اور چلنا نقول و نصوص کی تحریف پر مشتمل ہوتا ہے۔

جس وقت ہم ان حقائق اور ان کی بہت ساری مثالوں میں سے چند پر واقف ہوتے ہیں تو عبدالرحمان بدوی جیسے محقق کا شکر یہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی کتاب میں اہل مغرب کے ہاں پائے جانے والے استزادوی منہج پر گفتگو کرنے کے بعد ہمیں اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ ہم جب کسی تاریخی واقعہ کی تشریح کرنا چاہیں تو اس زمانے کی لغت میں اس کی تشریح کریں جس میں تاریخی واقعہ لکھا گیا ہے۔ اس لغت کے علاوہ کسی دوسری لغت میں نہ کریں اور سیاق و سباق سے غفلت نہ برتیں۔ کسی اشارہ یا عبارت کا جو مفہوم پوری عبارت کے سیاق سے نکلتا ہے۔ اس کے سوا انداز سے کوئی مفہوم اخذ نہ کریں۔ (منہج البحث الفی فی عبدالرحمان بدوی ص ۳۰۷، ۳۰۸)

لیکن ان کے اسی کلام سے یہ حیرت ہوتی ہے کہ وہ یہ نصیحت مسلمان علماء کو کر رہے ہیں جنہیں اس باریک بینی اور امانت داری پر متنبہ ہونے اور اس پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کا طرہ امتیاز حاصل ہے۔ عبدالرحمان بدوی یہ نصیحت ان مغربی مفکرین کو نہیں کر رہے جن کے بارے میں انہوں نے بڑی طویل گفتگو کی ہے اور ان کے اس طریقہ تحقیق کا تذکرہ کیا ہے جس کی افسوسناک مثالیں ابھی ہم نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ اس کی بجائے وہ مسلمان علماء کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔

مغربی محققین کو انداز تحقیق اختیار کرتے ہیں۔ عبدالرحمن بدوی نے اس سے تجاہل برتا ہے۔ میں عبدالرحمان بدوی سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ مسلمان علماء میں سے کسی محقق کی کوئی ایک ایسی مثال پیش کریں جس نے کوئی نص نقل کر کے اس میں تحریف کی ہو یا حقائق علمیہ کا انتہائے کسی ایسے طریقہ استنتاج سے کیا ہو جس کی تقویت صرف اس کے فکر کے ذریعہ ہوتی ہو۔

جو کچھ ہم نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔ اس کے استعیاب کے بعد تمہیں محض کے بارے میں تعجب ہونا چاہئے۔ جو ان دینی حقائق کو اعتقادات کا نام دیتا ہے۔ جن حقائق تک مسلمان محققین نے اپنے اس علمی منہج کے ذریعہ رسائی حاصل کی ہے۔ (جس منہج کی ہم نے وضاحت کر دی ہے) اور ان علماء اسلام کو اعتقادین کے نام سے موسوم کرتا ہے اور جس کا تصور مغربی فلاسفہ اور مغربی طحہ پیش کرتے ہیں۔ اس علم کے نام سے موسوم اور ان لوگوں کو علمین کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ یعنی مسر کہب نے جس طرح دین کو بغیر اس کے منہج کے سمجھا ہے وہ علم ہے اور اس کی تفہیم علمی ہے۔ لیکن مسلمان علماء نے جس طرح دین کو اس کے علمی منہج کے مطابق سمجھا ہے وہ تو صرف ایک اعتقاد ہے اور ان کی تفہیم محض ایک اعتقادی عمل ہے۔

اہل مغرب کے ہاں منہج تحقیق کے اضطراب کا مرکزی سبب

ان لوگوں میں پائی جانے والی اس عجیب حقیقت کا سبب عمیق میں آپ سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اہل مغرب سچی دین کے بارے میں دو قسموں میں تقسیم ہیں۔

۱۔ متذہبین (دیندار طبقہ) جو دین کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے تمام مضامین و احکام پر ایمان رکھتے ہیں۔

۲۔ مفکرین جو نہ اس کو دین تسلیم کرتے ہیں اور نہ اس کی اتباع و اطاعت کرتے ہیں۔

ان میں سے پہلی قسم کے لوگ اپنے دینی عقائد اور ان کے تمام ارکان کو علم و عقل کے ذریعہ ثابت نہیں کر سکتے۔ (کیونکہ عقل و علم اپنے بہت سارے مقتضیات میں سچ دین کو ایسا صریح جواب دیتے ہیں جس میں تاویل و توفیق کا کوئی احتمال پایا نہیں جاتا) لیکن اس کے باوجود انہوں نے دیکھا کہ انسانی فطرت انہیں اپنے دین اور اپنے معبود کے بارے میں بحث کرنے پر مجبور کرتی ہے اور انہیں یہ بھی یقین ہے کہ بہت ساری اخلاقی قدروں کی تحقیق کی ضمانت صرف دین اور دین کا لغوس پر قائم غلبہ و

اقداری فراہم کر سکتا ہے۔ تو اب ان کے سامنے فقط دو ہی راستے تھے۔ ان کے پاس تیسرا کوئی راستہ نہ تھا۔ یا تو وہ دین باطل کو چھوڑ دیں یا عقل صحیح کو چھوڑ دیں۔ انہوں نے عقل صحیح کو تو چھوڑ دیا اور دین باطل کے ساتھ چمٹے رہے۔ پس اس نے حقیقتاً اعتقادِ بین بن گئے اور ان میں سے جو منکرین تھے انہوں نے دین باطل کے ترک کو عقل صحیح کے ترک پر ترجیح دی۔ لیکن ان لوگوں نے بھی عقل صحیح کے منقطع ہونے سے اپنے ہاں کے دین کو تباہ کرنے اور اس کی اپنے خیالات کے مطابق تادیب کرنے میں اتفاق کیا۔ اس دین حق کی طرف التفات نہ کیا جس کے تمام مبادی احکام کے سامنے عقل و علم سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

دین حق کی طرف التفات سے روکنے والی چیز اہل مغرب کی عصبيت اور اہل مفاد اور ان کا وہ دائمی ڈر ہے کہ کہیں مسلمان دوبارہ اسی طرح عالم کی سیادت کے مالک نہ بن جائیں جیسا کہ وہ ماضی میں تھے۔ پس ان لوگوں پر علمین کا اطلاق کیا گیا۔ جنہیں معلوم ہونا چاہئے کہ عربوں اور مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں تم بظاہر بولنے والے سمجھنے والے انسان سمجھو گے لیکن وہ درحقیقت پھیلے ہوئے سائے ہیں جو یورپ کی حرکات اور یورپ کے افکار اور فلسفہ سے متحرک رہتے ہیں۔ ان لوگوں نے جب دیکھا کہ یورپ میں دین کے بارے میں دو قسم کی تفسیر پائی جاتی ہے۔ ایک ایجابی جو درحقیقت محض اعتقادی تفسیر ہے اور دوسری سلبی جسے وہ لوگ خالص علمی تغیر سے موسوم کرتے ہیں۔ تو ان لوگوں نے یورپ سے دین کے متعلق پر تفسیر حاصل کیں اور ان دونوں تفسیروں کا دین اسلام پر اطلاق کرنے لگے اور ایسا کرنے میں ان کا صرف یہ مقصد ہے کہ اہل یورپ کی تابعداری اور ہر جہت میں ان کی اندھی تقلید مکمل ہو سکے۔ ان لوگوں کے ہاں پائی جانے والی اس عجیب حقیقت کا سبب عیسوی مذہب ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا معاملہ مطلقاً ہماری پریشانی کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اس تمہید میں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں غور و فکر کرنے والے ہر صاحب عقل پر واضح ہو جائے

کہ ان معتقدات کے بارے میں اہل یورپ عقل سے الجھ رہے ہیں۔ وہ معتقدات اسلام کے مقصد و نہیں۔ اسلام کے تمام مبادی اعتقادات و قیام پاکیزہ علمی مروج پر قائم ہیں۔ اس میں صرف عقل خالص کو دسترس حاصل ہے۔ اس میں نہ کسی عصبيت کو غلبہ حاصل ہے اور نہ کسی اعتقاد میں کسی خواہش یا تقلید و اتباع کو دخل ہے۔

وہ کون سی چیز ہے جس نے انسان کو عالم وجود، حیات اور اس کے مقتضیات کے بارے میں صحیح عقیدہ رکھنے کا حاجت مند بنا دیا ہے۔

بعض لوگ جن کے ہاں اسلامی ثقافت مکمل طور پر راسخ نہیں۔ وہ سوال کیا کرتے ہیں کہ وہ کون سی ضرورت یا حاجت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اس کے دین کے مطابق عبادت کریں اور دین جن عقائد، عبادات، احکام پر مشتمل ہے ان سب کو ہم اپنے اوپر لازم قرار دیں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آزاد کیوں نہیں چھوڑا تا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کریں اور اپنی زندگی کو اس طریقے پر منظم کریں جسے وہ پسند کرتے ہیں؟ بعض لوگوں کے ساتھ یہ سلسلہ سوال اس حد تک دراز ہو جاتا ہے کہ وہ نہایت ہی گلی اور تعجب میں جا کر سوال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم اپنی تمام عمر اس کی عبادت کے پابند رہیں اور اگر ہم ایسا نہ کریں تو اس کا کیا نقصان ہے یا اس کو کون سا ضرر پہنچتا ہے؟

اسلامی عقیدہ کی کسی بھی بحث سے قبل اس سوال کا کافی و شافی جواب دینا ضروری ہے کیونکہ افہام و عقول توحید کے حقائق اور دین کے عقائد کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جو اللہ کی ذات کے افکار سے متفرق ہوتے ہیں۔ بہر تو یہ ہے کہ ان کا جواب ہی نہ دیا جائے۔ کیونکہ مسائل کے ذہن میں جب تک یہ سوال قائم ہے اس کو کسی بھی جواب کے ساتھ مطمئن کرنا محال ہے۔ اس لئے اس سوال کو ترک کر کے اصل موضوع یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں بحث کی طرف رجوع کرنا چاہئے تھا۔ لیکن اس کے باوجود میں نے چاہا کہ اس کا جواب آئندہ آنے والی مباحث کے مقدمہ میں دے دیا جائے تاکہ تحقیق کرنے والے مومن کے ذہن میں نورانیت کا باعث ہے۔ اس جواب کا مقصد مسئلہ محال کو مطمئن کرنا نہیں۔

قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ جب تک ان کے سامنے رویت صاف و شفاف نہیں ہوتی اور ان تک رسائی کا راستہ تمام شبہات، اعتراضات اور رکاوٹوں سے پاک نہیں ہوتا۔

لہذا اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس جہاں کو اس کے موجودات کی اجناس و انواع سمیت کرنا چاہا تو اس کی حکمت باہرہ مقتضی ہوئی کہ ان موجودات کی ایک نوع (انسان) کا انتخاب کر لیا جائے اور اس کو کائنات کی سیادت عنایت فرمائی جائے اور کائنات تمام مظاہر موجودات کو اس کے لئے مسخر کر دیا جائے تاکہ وہ سب اس نوع کی خدمت گاری انجام دیں اور اس نوع کو عالم کی تعمیر و تنظیم کا معاملہ سپرد کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں خلافت کا یہی مفہوم ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرہ: ۲۵)

ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں استعمار سے مراد بھی یہی ہے۔

هُوَ اَنْشَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (ممر: ۶)

ترجمہ: اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمہیں بسایا۔

انسان کو اہم ترین صفات و ملکات سے نوازا گیا ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی صفات و ملکات سے نوازا ہے جن کا انسان میں نہایت ضروری تھا کیونکہ ان کی وجہ سے ہی اس عالم میں نظام چلانے اور اسے آباد کرنے اور اس سے خدمت لینے پر انسان کو مکمل طور پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان میں صفت عقل اور اس سے متفرع ہونے والی صفات علم اور اک قدرت وغیرہ رکھیں اور اس میں انسانیت (خودداری) کی صفت اور اس سے

متفرع ہونے والی صفت یعنی ترجیح اور ملکیت کی طرف میلان بھی رکھا۔ قوت کے اسباب اور تدبیر کے مقدمات بھی رکھے اور ان دونوں سے متفرع ہونے والی چیز اقتدار، عظمت اور مرتبہ کی طرف میلان بھی رکھا پھر اللہ تعالیٰ نے انسان میں ان جذبات، اشتیاقات، انفعالات کا مجموعہ بھی رکھا۔ جو ان مذکورہ صفات کے اللہ اور ان کے فوائد کی تکمیل کرتے ہیں جیسا کہ محبت، نفرت، غصہ وغیرہ۔

انسان اس جہاں میں موجود کسی شے کی تسخیر یا شعبہ ہائے حیات اور اس کے مظاہر میں سے کسی مظہر پر اقتدار و غلبہ حاصل کرنے کے قابل اسی دن ہوا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے اس کو ان صفات و ملکات سے نوازا ہے۔ لیکن ایک طرف ان صفات میں بہت سارے شر اور بہت ساری آفات بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ دودھاری اسلحہ ہے۔ اگر اس کی ایک جانب استعمال کی جائے تو یہ جہاں کی عظیم نظام اور انسانیت کے لئے بہت خیر و فلاح کا باعث بنتی ہے۔ اور اگر اس کی دوسری جانب استعمال کی جائے یا دونوں کو ایک ساتھ استعمال کیا جائے تو پھر یہ بڑی مصیبت کا باعث بن جاتی ہیں اور انسانیت کو سوائے بدبختی کے اور کسی چیز کا مالک نہیں بناتیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اس اسلحہ کو کہ جس پر اس نے اس مخلوق کو امین بنایا ہے۔ امانت سے موسوم کیا ہے اور اس کی اہمیت و عظمت شان بیان فرمائی ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَ عَلٰی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَابْتٰیۡنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ. اِنَّهٗ لَخٰنٌ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا

ترجمہ: بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر۔ تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے، اور آدمی نے اٹھا لی۔ بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا

نادان ہے

ان صفات کے اہم و خطرناک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ درحقیقت صفات ربوبیت ہیں۔ دیکھئے کہ علم، قوت، سلطنت، غلبہ، مملکت و جبروت، سب کے سب الوہیت کے مقومات اور رب کی صفات ہیں۔ یہ صفات جب انسان میں پائی جاتی ہیں تو وہ انسان کو مست المست بنا دیتی ہیں اور اس کو اپنی حقیقت فراموش کرا دیتی ہیں اور الوہیت و ربوبیت کی بلند یوں تک چھوٹنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ اگرچہ انسان درحقیقت ان صفات کے پر تو اور آثار کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ حقیقت میں ان پر صرف صفات الوہیت کے اسم ہی کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان صفات کی خطرناکی کے متنازع یہ ہیں کہ وہ انسان کو صفت قوت کو دوسروں پر ظلم کرنے کے لئے استعمال کرنے اور صفت اقتدار و غلبہ کو کمزور لوگوں پر نافذ کرنے اور صفت مملکت کو دوسروں کے اسواں سلب کرنے اور اس کے ذریعہ فساد برپا کرنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ اور پھر اس کے نتیجہ میں انسانوں کی مختلف جماعتوں کے درمیان سلطنت، جاہ و مرتبہ، قیادت و حکمرانی اور مملکت کی خاطر خونی معرکے شروع ہو جاتے ہیں۔ تاریخی واقعات اس حقیقت پر شاہد و عادل ہیں۔ پس یوں یہ صفات حیات انسانی میں اضطراب و بدبختی کے سبب میں بدل جاتی ہیں حالانکہ ان صفات کو انسان کے اندر اس لئے رکھا گیا کہ وہ سعادت و ترقی، نظم و ضبط کا سبب بنے۔ پس اس لئے ایک دوسری قوت کی ضرورت ہے جو ان صفات کو درست سمت متوجہ رکھے اور انسان کو ان صفات کے اسلحہ کی صرف اس جانب کو استعمال کرنے کا پابند کرے جو جانب نفع بخش اور مفید ہے۔ پس یہ ایسی قوت ہونی چاہئے جسے ان تمام انسانی ملکات و صفات پر تسلط و غلبہ حاصل ہو اور ان کو صرف راہ راست کی جانب گامزن رکھنے پر قدرت حاصل ہو اور دین حق ہی وہ ٹیکل ہے جو انسان کو ان صفات کے خطرات سے بچاتا ہے۔ اسی لئے تمام انسانیت دین (یعنی انسان، عالم اور حیات اور اس کے علاوہ تمام اور میں صحیح عقیدہ) کی محتاج ہے اور صحیح عقیدہ جس کی رہنمائی عقل و علم کرتے

ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان اور اس بات کا یقین حازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی حاکم و سلطان نہیں اور اس کی قوت قاہرہ کے سوا کوئی حقیقی قوت نہیں۔ اس کی ملک کے سوا کوئی حقیقی ملک نہیں۔ اس کے سوا ہر چیز اس کی مخلوق ہے۔ وہ جہاں چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور جہاں سے چاہتا ہے سلب فرماتا ہے۔

اور اپنے تمام بندوں پر نگہبان ہے۔ اور عقریب موت کے بعد دوبارہ اٹھائے گا اور ہر ایک کی اچھائی برائی کا حساب لے گا۔ پس جو ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ اس کی جزا پالے گا اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا۔ وہ اس کی سزا بھگتے گا۔

انسان جب ان تمام باتوں میں غور و فکر کرے اور ان پر خالص عقلی تحقیق پر مبنی یقین حاصل کرے تو وہ اپنے شعور کی گہرائی سے یہ یقین کر لے گا کہ وہ اس عظیم معبود واحد کا بندہ ہے اور یہ خطرناک ترین صفات جن سے وہ متمتع ہو رہا ہے وہ حد عبودیت سے متجاوز ہونے کی اہلیت نہیں رکھتی ہیں۔ تو پھر وہ صفات اس کے لئے اس حیثیت سے کہ وہ فرد ہے اور اس کی جنس کے لئے اس حیثیت سے کہ وہ جماعت ہے سعادت کا وسیلہ عظمیٰ بن جاتی ہیں۔ اور انسانوں کے درمیان اخوت و مساوات کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل انہی لوگوں کے درمیان غیر اخلاقی مسابقت و منافست کا میدان گرم ہونے کی وجہ سے آپس میں تصادم پیدا ہو چکا تھا۔ اور ضعیف انسان قوی کی ریشہ دوانیوں سے اور اس کے جنون کے نشہ کی بھیجٹ چڑھا ہوا تھا۔ پس اب انسان میں تمکک کا جذبہ حیات عادلہ اور آسودگی کے قیام کے لئے فطری وسیلہ بن گیا ہے جس میں آباد کاری کا قیام اور ان کے درمیان باغات و مملکتان کی شادابی نظر آتی ہے اور جن کے پہلو میں بھلائیاں ہی بھلائیاں نمودار ہو رہی ہیں۔

اور قوت و سطوت، حقوق و انصاف کی حفاظت و حمایت اور اقتدار فاصلہ کے دفاع کا باعث بن جاتی ہے۔ اور علم و ادراک کا جذبہ ایسا نور بن جاتا ہے جس کے سبب انسان کے لئے کائنات کی مزید خدمات کا انکشاف ہوتا ہے اور علم ایسے رہنما چراغ

میں تبدیل ہو جاتا ہے جو انسان کو ہمیشہ ذات الہیہ کے وجود کی تاکید کرتا رہتا ہے اور اس کو دلائل اس بات سے ڈرتا رہتا ہے کہ مہادالہ اپنی عبودیت کے حدود فراموش کر کے کفر یا سرکشی میں مبتلا نہ ہو جائے۔

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی عقیدہ کی شان یہ ہے کہ وہ الوہیت کے دعویداروں اور متکبروں کو بلندی و جبروت سے نیچے اتارتا ہے۔ اور دوسروں پر ظلم و ستم کرنے سے روکتا ہے اور انسانیت کے کمزور دنیا تو اس طبقہ کو اس ذلت و حقارت کی پستی سے بلندی بخشتا ہے جو ذلت و حقارت ان کے لئے لازم کر دی گئی ہے اور انہیں حریت و عزت کی بلندی کے ساتھ آزادی بخشتا ہے اور ان کے اندر عزت و خودداری کا شعور لوٹا دیتا ہے۔ اسی عقیدہ کی بدولت انسانیت کے یہ دونوں طبقے آپس میں مساوی بن جاتے ہیں اور کسی قسم کی جانبداری یا خیانت کا موقع یا کسی کو غلام بنانے کا وسیلہ باقی نہیں رہتا۔ تاریخی واقعات و حوادث اور اس اسلامی معاشرہ کے نمونے جو اس سرزمین پر قائم رہا ہے اور اس بدیہی اور واضح حقیقت پر بہترین مثال ہے۔

اس حقیقت کی واضح مثال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں نظر آتی ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف ہادی و منذر بنا کر بھیجے جانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا آلِهَتَهَا شِيعًا يَتَّبِعُونَ طَائِفَةً مِنْهُمْ يَتَّبِعُ آلِهَتَهُمْ وَيَسْتَخِي إِيَّاهُمْ. إِنَّهُمْ يَكْفُرُونَ بِالْمُفْسِدِينَ. وَ يُرِيدُونَ أَنْ تَكُونَ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضَعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ آيَةً. وَ نَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ وَ نَمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِي فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ جُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ.

(قصص ۶۰، ۵۹)

ترجمہ: بے شک فرعون نے زمین میں غلبہ پایا تھا اور اس کے لوگوں کو اپنا

تابع بنایا ان میں ایک گروہ کو کمزور دیکھتا ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا۔ بے شک وہ فسادی تھا اور ہم چاہتے تھے کہ ان کمزوروں پر احسان فرمائیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کے ملک و مال کا انہیں کو وارث بنائیں اور انہیں زمین میں قبضہ دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی دکھا دیں جس کا انہیں ان کی طرف سے خطرہ ہے۔

پس یہاں سے ثابت ہوا کہ تمام انسانیت اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی واحدانیت پر اعتقاد جازم رکھتے ہوئے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی محتاج ہے اور اپنی زندگی کے تمام طور طریقوں میں اسی رب واحد کے لئے مطلق بندگی کرنے کی حاجت مند ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی اطاعت و بندگی اور تعمیل حکم کا ہرگز محتاج نہیں لیکن ہماری اخروی سعادت کے علاوہ دنیاوی سعادت بھی اسی کے لئے اطاعت و بندگی کرنے کی محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي. مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَ مَا أُرِيدُ أَنْ يُطِيعُونِي. إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْكَبِيرِ. (الذاریات ۵۶، ۵۷، ۵۸)

ترجمہ: میں نے جنات اور انسان کو محض اس لئے پیدا کیا کہ میری بندگی کریں نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا دیں۔ بے شک اللہ ہی بڑا رزق دینے والا، قوت والا، قدرت والا ہے۔

اسلامی عمارت کے مجموعہ میں عقیدے کا مقام اسلامی عمارت تین عناصر کے مجموعہ سے مرکب ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا
أَنَا فَاعْبُدُونِ - (انبیاء: ۲۵)

ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف
وحی فرماتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم مجھ ہی کو پوجو۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقْبِلُوا الدِّينَ وَلَا
تَتَفَرَّقُوا فِيهِ - (اشوری: ۱۳)

ترجمہ: اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے
کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی
کی۔ اور جس کا تاکید ہی حکم ہم نے ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام)
کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

بلکہ تم جب قرآنی آیات کا تتبع کرو گے تمہیں معلوم ہوگا کہ اسلام اسی قدیم اور
داغی عقیدے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور کریں۔

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا
مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ - (آل عمران: ۶۷)

ترجمہ: ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ ہر باطل سے جدا مسلمان
تھے اور مشکوکوں سے نہ تھے۔

اور اللہ تعالیٰ فرعون کے جادوگروں کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

قَالُوا إِنَّا رَبُّنَا مُنْقَلِبُونَ وَمَا نَقُفُّمْ مِنْهَا إِلَّا أَنْ أَمَّا بِآيَةٍ وَرَبُّنَا
جَاءَ لَنَا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَقَّعْنَا مُسْلِمِينَ - (اعراف: ۱۲۵، ۱۲۶)

ترجمہ: بولے ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں اور تو نے ہم میں

کون سا عیب دیکھا ہے بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان
لائے۔ جب وہ ہمارے پاس آئیں اے ہمارے رب ہمارے اوپر صبر کا
فیضان فرما اور ہمیں مسلمان اٹھا۔

تعالیٰ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے متعلق فرماتا ہے:

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ
الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ بِأَنَّكَ مُسْلِمُونَ -
(آل عمران: ۵۲)

ترجمہ: پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو بولے اللہ کی راہ میں
میری مدد کرنے والا کون کون ہے؟ حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کی راہ
کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم
مسلمان ہیں۔

یہاں سے ثابت ہوا کہ دین حق ایک ہی ہے جس میں تعدد نہیں۔ آج کل عوام
س کی زبانوں سے ادیان سماویہ کا کلمہ بکثرت سنا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ کلمہ غلط ہے۔
ونکہ آسمانی دین حق تو صرف ایک ہی ہے جس کی رسل عظام اور انبیاء کرام علیہم
سلام والسلام نے یکے بعد دیگرے دعوت دی ہے اور اسی کے ساتھ ان کو مبعوث کیا
گیا ہے۔

انبیاء و مرسلین کی مبارک زبانوں سے دین حق کا متعدد اور متخالف ہونا کیسے ممکن
ہے کیونکہ دین کا اطلاق تو عقیدہ پر ہوتا ہے۔

اور عقیدہ کے مقولات ہمیشہ از قبیل اخبار ہوتے ہیں (جیسے کہ واضح ہے) اور خبر
واحد میں یہ ممکن نہیں کہ وہ متعدد ایسی صورتوں اور متعدد ایسی وجوہ سے منقول ہو جو آپس
میں ایک دوسرے کی مخالف ہوں اور اس کے باوجود وہ سب کی سب متخالف صورتیں اور
وجوہ، اخبار صحیحہ، سماویہ، صدقہ ہوں؟

ہاں البتہ جس چیز میں زمانے کے بدلنے اور انبیاء و رسول کی بعثت کے تسلسل۔ تبدیلی اور تغیر واقع ہوا ہے، وہ شریعت ہے۔ شریعت کی عبادات وغیرہ میں اختلاف ہوتا رہا ہے اور اس میں یہ حکمت کارفرما تھی کہ شریعت ایسے احکام کو قائم کرنے کا کام ہے جس سے معاشرے اور فرد کی حیات میں نظم پیدا ہو سکے اور یہ بدیہی امر ہے کہ زمانے کے تغیر اور امتوں و قوموں کے اختلاف کا شریعتوں کے تغیر میں اثر نمایاں ہوتا ہے کیونکہ نظریہ شریعت کی بنیاد ہندوں کے دنیاوی و اخروی مصالح کے تقاضوں کے مطابق قائم ہوتی ہے۔ اور ان مصالح میں زمانوں اور مکانوں کے اختلاف کی وجہ سے بہت زیادہ اختلاف واقع ہوتا رہتا ہے۔

مثلاً حضرت موسیٰ کی بعثت بنی اسرائیل کی طرف ہوئی۔ بنی اسرائیل میں اس وقت پائی جانے والی حالت کا تقاضا تھا کہ ان کی شریعت زیادہ سخت ہو اور مجموعی طور پر رخصتوں کی بجائے عزیمتوں پر قائم ہو اور جب زمانہ گزر گیا اور ان میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو وہ بہت ہی آسان اور سہل شریعت لے کر تشریف لائے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کریں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ادا کروایا گیا۔ وہ بنی اسرائیل کو خطاب فرماتے ہیں۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَلِأَجْلِ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي
خُذْتُمْ عَلَيْهِ كُفْرًا (آیہ آل عمران۔ ۵۰)

ترجمہ: اور میں تو رات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ جو میرے سامنے ہے اور میں اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ اس میں آپ نے بنی اسرائیل کو بتایا کہ عقیدہ سے تعلق رکھنے والے امور میں تو جو کچھ تورات میں ہے اس کی تصدیق و تاکید فرمانے والا ہوں اور اسی کی جانب دعوت کی تجدید کرنے والا ہوں۔ رہ گیا شریعت اور

حلال و حرام کے احکام کا معاملہ تو ان میں بعض تبدیلیوں اور بعض آسانوں کے ایجاد کا مجھے مکلف بنایا گیا ہے۔

نیز شریعتوں کا تعلق افشاء سے ہے۔ اس لئے زمانے کی تبدیلی سے ان میں تغایر پایا جائے تو کوئی حرج نہیں اور نہ ہی مدقوں کے گزرنے کی وجہ سے ان میں عقلی طور پر نسخ پائے جانے سے کوئی اسر مانع ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ہر رسول کی بعثت دو چیزوں کو شامل ہے۔

۱۔ عقیدہ ۲۔ شریعت

عقیدہ کے بارے میں ہر رسول کا عمل اپنے سے قبل مبعوث ہونے والے رسول کے بتائے ہوئے عقیدہ کی تاکید کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس میں نہ کوئی تبدیلی کر سکتا ہے اور نہ کسی قسم کی مخالفت۔

اور ہر رسول کی شریعت سابقہ شریعت کے لئے ناسخ ہوتی ہے۔ سوائے اس کے کہ بعد میں آنے والی شریعت اس کی تائید کر دے یا اس کے بارے میں سکوت اختیار کر لے۔ (یہ ان لوگوں کے قول کے مطابق ہے جو کہتے ہیں ہم سے پہلی شریعت ہمارے لئے شریعت ہے جب تک اس کی مخالفت کرنے والی کوئی چیز وارد نہ ہو) لہذا جس وقت ہم عقیدہ کے امور اور اس کے دلائل کی بات کرتے ہیں تو درحقیقت ان حقائق کی بات کر رہے ہوتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی بعثت سے لے کر قیام قیامت تک ایمان و اعتقاد رکھنا لازم قرار دیا ہے۔ اسلامی عقیدے اور جو کچھ تمام انبیاء و رسول لے کر تشریف لائے ہیں ان کے درمیان یہی وہ تعلق ہے۔

اور اہل کتاب اس تعلق کو بھی جانتے ہیں اور انہیں دین کی وحدت کا بھی علم ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے ہر ایک دوسرے کی تصدیق کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس کے باوجود ان کے لئے مناسب نہیں تھا کہ وہ متضاد و متخالف عقائد اختیار کر کے متفرق ہوتے۔ لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور

تفرقہ بازی کا شکار ہو گئے اور انبیاء کرام کے ساتھ اختلاف کیا اور یہ سب کچھ اللہ
نے علم کے بعد بغاوت کے طور پر کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا خَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَةِ اللَّهِ
فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (آل عمران: ۱۹)

ترجمہ: بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے اور اہل کتاب نے
اپنے پاس علم آ جانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بناء پر ہی اختلاف
کیا ہے اور جو اللہ کی آیتوں کا منکر ہو تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔



قسم اول

الہیات

وجودِ باری تعالیٰ

مقدمہ

اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان عقیدہ کے تمام مسائل کی اساس و بنیاد ہے۔ اسی سے باقی وہ تمام اعتقادی امور متفرع ہوتے ہیں جن میں غور و فکر کے لئے عقل کا استعمال واجب ہے۔ اور اس کے بعد ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

دوسرے لفظوں میں اس کی تعبیر ہم یوں کر سکتے ہیں۔ عالم کے وہ تمام حقائق جو تمہیں نظر آرہے ہیں وہ سب کے سب ایک بہت بڑی حقیقت کا فیضان ہیں۔ اور وہ بڑی حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور یہ ناممکن بات ہے کہ تم چھوٹے چھوٹے متفرع ہونے والے حقائق کی ماہیت کو ان کے منبع اور اصل اول کی ماہیت کے ادراک سے قبل ادراک کر سکو۔ اس لئے ضروری ہے کہ تمہارے اندر عالم کی معرفت حاصل کرنے کی استعداد کے لئے پہلے عالم کے خالق کی معرفت حاصل ہو۔

اگر تم یہ کہو کہ میں تو خالق پر ایمان نہیں رکھتا۔ تو تمہارے لئے میرا جواب ہوگا کہ تم پر لازم ہے کہ خالق کے وجود کے موضوع کی خوب اچھی طرح تحقیق کر لو اور اپنے عدم ایمان کے نظریہ کی بھی خوب تحقیق کر لو۔ تاکہ کہیں تمہیں بالآخر علم کے سمجھنے اور عالم میں تمہارے اپنے وجود کی حقیقت کو سمجھنے میں کوئی غلطی واقع نہ ہو جائے۔

اب ہم بحث کا آغاز اسی منہج کے مطابق کرتے ہیں جس کی ہم نے سابقہ وضاحت کر دی ہے۔

وجود باری تعالیٰ ایک علمی دعویٰ ہے جس کا تعلق علم سے ہے جو تجربہ و مشاہدہ کے تحت نہیں آتا۔ اس لئے اس میں تحقیق کے لئے دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کو اختیار کیا جائے گا۔

۱۔ طریقہ اول یہ ہے کہ وجود باری تعالیٰ میں تحقیق اس منہج کے مطابق کی جائے جس کا تذکرہ ہم نے مشاہدہ کے تحت نہ آنے والے قضایا علمی میں کیا ہے اور جب یقینی براہین کے ذریعے وجود باری تعالیٰ ثابت ہو جائے گا۔ تو یہ امر ہماری رہنمائی کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہاں میں کوئی بھی چیز بیکار پیدا نہیں کی۔ اور یہ امر ہماری رہنمائی کرے گا۔ انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام جن احکام و تکالیف کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے تھے وہ ان میں سچے تھے اور یہ بات ہماری رہنمائی کرے گی کہ انبیاء و رسل اور آسمانی کتابوں اور قرآن کریم پر ایمان لانا ضروری ہے اور کلام اللہ پر ایمان ہمیں ان تمام اخبار، احکام اور مختلف اوامر و نواہی پر ایمان لانے کی رہنمائی کرے گا جس پر یہ کلام اللہ مشتمل ہے۔ اس طریقہ کو ہم طریقہ تدریج من الاعلیٰ کہتے ہیں۔ یعنی اوپر سے نیچے کی طرف آنا۔

۲۔ طریقہ ثانی یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ میں بحث نہ کی جائے بلکہ وہ کتاب پاک جو ہمارے پاس موجود ہے جس کا نام قرآن کریم ہے اس کی حقیقت کے بارے میں ہم تک منقول خبر میں غور و فکر سے آغاز کیا جائے۔ جب ہمیں اخبار و نقل کی تحقیق سے تعلق رکھنے والی یقینی برہان کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ کتاب کریم ہم تک حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہنچی ہے۔ تو ہم اس دعویٰ سے اتفاق رکھنے والے علمی براہین کے ذریعے وحی کی حقیقت میں اس طرح تحقیق شروع کر دیں گے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر فرمائی ہے اور یہ براہین برہان لازم ہیں اور قیاس اولیٰ مع اپنے استقراء تام

وغیرہ سابقہ شروط کے ہیں۔

اور جب ہمارے سامنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی صداقت ثابت ہوگئی کہ حقیقت وحی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی وحی کا آپ کے شعور باطن سے کوئی تعلق ہے۔ تو اس کے بعد ہم نے استقراء تام پر مبنی برہان تلازم کے ذریعے وحی کے مصدر کی تحقیق کی تو ہمیں معلوم ہوا کہ وحی کا نازل فرمانے والا اللہ ہی ہے۔ اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ پھر اس امر نے ہمیں اللہ کے وجود کی رہنمائی کی اور اس بحث سے جتنے مراحل ہمارے مقصود تھے ان سب پر ہمارا ایمان مکمل ہو گیا۔ اس طریقہ کو ہم طریقہ تدریج من الادلی کا نام دیتے ہیں۔ یعنی نیچے سے اوپر کی جانب ترقی کرنا۔ اب ہم طریقہ اول سے آغاز کرتے ہیں۔

طریقہ تدریج من الاعلیٰ

ہر علمی حقیقت بالآخر کسی ایسی بدیہی حقیقت پر مبنی ہوتی ہے جو کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوتی۔ کیونکہ ورنہ تحقیق کرنے والا دلیل پر دلیل تلاش کرتے ہوئے غیر متناہی سلسلہ میں الجھا رہے گا۔ اس طرح نہ جہالت ختم ہوگی اور نہ علم حاصل ہوگا۔ لہذا وہ حقائق بدیہیہ کون سے ہیں جو کسی دلیل و برہان کے محتاج نہیں اور جن کی طرف وجود باری تعالیٰ کی دلیل منسوب ہے؟

اس کے جواب میں ہم تمہارے سامنے وہ تمام فطری حقائق و مبادی پیش کرتے ہیں جن کے بدیہی ہونے میں تمام اہل علم کا اجماع ہے اور اس بات پر بھی تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ یہ حقائق خود ہی اپنی ذات کے دلائل و براہین ہیں۔ اور ہم دالالت تلازم بالبین کے ذریعے ان حقائق پر ایسی برہان پیش کریں گے جو اللہ تعالیٰ کے وجود پر بھی دلیل ہوگی۔ اور وہ مذکورہ حقائق درج ذیل ہیں۔

۱- تدریج بلا مرجع کا بطلان

۲- تسلسل کا بطلان

۳- دور کا بطلان

۴- قانون علیت

۱- تدریج بلا مرجع کے باطل ہونے کی دلیل

تدریج بلا مرجع کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شے ایک معین نظم و نسق کے تحت رواں ہوا اور پھر وہ شے بغیر کسی مغير اور بغیر کسی تبدیلی کرنے والے کے اپنے اس خاص نظم و نسق سے ہٹ جائے اور تغیر کا شکار ہو جائے اور ایسا ہونا واضح البطلان امور میں سے ہے کیونکہ تمام اہل عقل اس اصول کو بخوبی جانتے ہیں کہ جو چیز جیسی ہے ویسے ہی رہے گی۔ اس کو سابقہ حالت سے تبدیل کرنے کے لئے کسی ایسے مغير و موثر کا ہونا ازہم ضروری ہے جو اس کی سابقہ حالت کو منسوخ کر کے نئی حالت پر لے آئے۔ پس جب تمہیں اس کی معرفت حاصل ہوگی تو اب تم اس برہان کو وجود باری تعالیٰ کے مسئلے پر منطبق کر دو۔

ذہن میں فرض کئے جانے والے تمام امور اور تمام اشکال درج ذیل تین اوصاف میں سے کسی ایک وصف کے ساتھ یقیناً متصف ہوں گے۔

۱- وجوب ۲- استحالة ۳- امکان

وجوب سے متصف وہ چیز ہے عقل جس کے عدم کو محال سمجھے۔ اور استحالة سے متصف وہ امر ہے عقل جس کے وجود کو محال سمجھے اور امکان سے متصف وہ امر ہے جس پر یہ اشکال پیش کیا جاسکتا ہے کہ بہت سارے لوگ حتیٰ کہ اہل علم نے بھی یہ مذکورہ اصطلاحات اور مذکورہ احوال سمجھنے نہیں ہیں۔ لہذا ہم یہ کیسے تصدیق کر سکتے ہیں کہ یہ اصطلاحات واسماء ان فطری حقائق پر مشتمل ہیں جن کی معرفت تمام اہل عقل کو حاصل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تعبیرات و اصطلاحات تو جدید اور غیر مانوس ہو سکتی ہیں لیکن ان کے مسا میں تو تمام لوگوں کے ذہنوں میں منقش و محفوظ ہیں جیسا کہ مختصر یہ تمہیں معلوم ہوگا۔

کے وجود اور عدم دونوں کو عقل محال نہ سمجھے۔

مجموعی طور پر یہ عالم جسے تم دیکھ رہے ہو، ممکن کی قسم ہے یعنی عقل جس کے بارے میں یہ یقین رکھتی ہے۔ اس کے معدوم ہونے کی صورت میں کوئی محال لازم نہیں آتا۔ اور عقل کے ہاں ایسے اسباب پائے جانے ممکن ہیں جو اسے سرے سے معدوم کر دیں اور اس سے کوئی ایسا محال لازم نہ آئے جس کو عقل قبول نہ کرتی ہو۔

لہذا اس صورت حال کے پیش نظر عالم کے وجود اپنی ذات کے اعتبار سے ضروری ہے اور نہ ہی لازم ہے اور ہر وہ چیز جس کی یہ شان ہے اس کے لئے کسی خارجی موثر کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ اس میں امکان کی ایک جانب کو ترجیح دے اور دوسری جانب کو اس سے دور کر دے۔ لہذا یہ عالم جو کہ اپنے اصل کے اعتبار سے عدم و وجود دونوں کے قابل ہونے کے برابر ہے۔ اس کے لئے کسی ایسی قوت کا ہونا ضروری ہے جو اس سے خارج ہو اور اس میں موثر ہوتا کہ اس کو جانب وجود کے ساتھ خاص کر دے اور وہ قوت صرف اللہ تعالیٰ کی قوت ہے۔

اگر تم یہ کہو میں فرض کرتا ہوں کہ یہ جہاں خود بخود وجود میں آیا ہے۔ اس کے وجود میں کوئی خارجی قوت موثر نہیں۔ تو تمہارے اس مفروضہ قول سے ترجیح بلا مرجع لازم آئے گی۔ جیسا کہ تم جانتے ہو کہ ترجیح بلا مرجع باطل ہے۔ لہذا تمہارا وہ مفروضہ بھی باطل ہو گیا۔ جس سے ترجیح بلا مرجع لازم آتی تھی۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ یقیناً ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ جہاں کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ آج جہاں وجود ہے اس میں وہاں عدم مطلق پھیلا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت عدم کا پلڑا رائج تھا اور یہ معاملہ یونہی رہا اور اس کے بعد اس کے برعکس ہو گیا۔ کہ عدم مطلق کے پلڑے پر وجود کے پلڑے کو ترجیح حاصل ہو گئی۔ پس اگر تم یہ کہو کہ یہ عالم کسی موجد کے محتاج ہوئے بغیر اپنے اندر پائی جانے والی قوت کی وجہ سے وجود میں آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم یہ کہنا

چاہتے ہو کہ وجود کے پلڑے کو عدم کے پلڑے پر بغیر کسی سبب ترجیح کے ترجیح ملی ہے اور جو امر داعماً جاری تھا اس کا انکسار بغیر کسی جدید انکسار کے ہوا ہے۔ حالانکہ یہ ایسا امر ہے جس کے باطل ہونے کی معرفت ہر انسان کو محض فطری طور پر حاصل ہے۔ اگر تم یہ دعویٰ کرو کہ میں نے ترازو کو اس کے باریک حلقہ سے پکڑا ہوا تھا اور اس کے دونوں پلڑوں کا وزن بھی برابر تھا۔ دونوں بالکل مساوی تھے۔ اچانک ان میں سے ایک پلڑا نیچے کو جھکا اور دوسرا اوپر کو بلند ہو گیا اور اس میں کسی خارجی موثر کو بھی کوئی دخل نہ تھا تو لوگ تمہارے اسی دعویٰ کی وجہ سے تمہاری عقل و فکر پر افسوس کرنے لگیں گے۔ پس تمہارے اس کہنے پر بھی کیسے افسوس نہ کیا جائے کہ میں نے ترازو کے ایک پلڑے میں کوئی وزن رکھا اور دوسرا پلڑا خالی رکھا اور اس کے بعد میں نے ترازو کو اس کے حلقہ سے پکڑا تو وزن والا پلڑا وزن کی وجہ سے جھک گیا لیکن پھر معاملہ اس کے برعکس ہو گیا کہ وزن والا پلڑا وزن کے باوجود بلند ہو گیا اور وزن سے خالی پلڑا خالی ہونے کے باوجود جھک گیا؟

داعی عدم مطلق بغیر کسی مسبب خارجی کے اچانک ایسے وجود میں تبدیل ہو گیا کہ جس سے تعامل و توالد کا سلسلہ جاری ہو گیا، کہنا ترازو والے کے مذکورہ دعویٰ سے کم حیرت انگیز اور محال نہیں۔ اس مذکورہ تفصیل سے وہ شخص تو مطمئن ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود میں متردد ہے۔ لیکن عالم کے بارے میں اس کا وہی عقیدہ ہے جو دیگر تمام اہل عقل کا عقیدہ ہے کہ عالم حادث ہے یعنی اس کی عمر کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو اس کے باوصف اس پر عدم ثابت ہے اور وہ مسبوق بالعدم ہے۔

لیکن اس بدیہی حجت کے باوجود اگر کوئی یہ کہہ دے کہ میں تو عالم کو قدیم مانتا ہوں۔ اس کے وجود پر کبھی عدم سابق نہیں رہا۔ اس کے لئے کوئی اول داعی نہیں۔ لہذا یہاں تو صرف ایک ہی پلڑا پایا گیا ہے؟

تو ایسے شخص کو کیا جواب دیا جائے گا۔ تمہاری بیان کردہ مذکورہ دلیل تو اس کو

ساکت نہیں کر سکتی؟

اس صورت میں ہم ایک اور فطری حقیقت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور وہ فطری حقیقت تسلسل کے بطلان کی برہان ہے۔

تسلسل کے بطلان کی برہان

اس شخص کو ہم جواب دیتے ہوئے کہیں گے تمہاری اس قول سے تو یہ ثابت ہونا ہے کہ یہ عالم توالد ذاتی کی وجہ سے قدیم ہے۔ جس کا کوئی اول و آغاز نہیں۔ لہذا تمہارے اس مفروضہ سے امکان تسلسل لازم آتا ہے حالانکہ تمام عقلاء بالبراہت جانتے ہیں کہ تسلسل محال ہے۔ جب تسلسل محال ہے تو اسی سے مذکورہ مفروضہ کا استحالة خود بخود واضح ہو گیا۔

تسلسل کا مطلب

فرض کر لیا جائے کہ تمام مخلوقات غیر متناہی حد تک ایک دوسرے سے بایں طور متوالد ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ماقبل کا معلول اور اپنے مابعد کے لئے علت ہو اور یہ سلسلہ بالآخر کسی ایسی واجب الوجود علت کا فیضان نہ ہو جس نے ان تمام حلقات و کڑیوں میں اثر پیدا کیا ہو۔

یہ مفروضہ باطل ہے۔ عقل اس کو بالبراہت محال سمجھتی ہے۔

کیونکہ ممکنات کا سلسلہ جتنا بھی طویل سے طویل تر ہو۔ اس کے باوجود اس کی طوالت ممکن کو کسی حال میں بھی ممکن ہونے کے دائرہ سے خارج نہیں کر سکتی۔ لہذا ممکنات کی دونوں جانبوں میں سے کسی ایک جانب کو ترجیح دینے کے لئے کسی مرجع کی ضرورت ہے۔ پس یہ طویل ترین سلسلہ (جس کے بارے میں تمہارا کہنا ہے کہ وہ غیر متناہی طور پر جاری ہے) بہر صورت ایسے حلقات سے مرکب ہوگا جس کا ہر حلقہ اپنے وجود میں اپنے سے سابق اس حلقہ کا محتاج ہوگا جس نے اسے وجود بخشا ہے اور جس نے اسے حیات بخشی ہے۔ اور یہ وجود و حیات بخشنے والا حلقہ اسی طرح اپنے سابق حلقے

کا محتاج ہوگا۔ پس اس سلسلہ کی تمام کڑیوں اور حلقہ جات میں ایک کڑی بھی ایسی نہیں اس میں ذاتی تاثیر پائی جاتی ہو۔ خواہ یہ سلسلہ کتنا بھی دراز کیوں نہ ہو۔ پس جب صورت حال اس طرح کی ہے تو اس سلسلہ کے موجود ہونے کی تصدیق کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایسے خارجی موثر کے ظہور کا انتظار کریں کہ جس نے ایسی حیات بخشی ہو ایک کڑی سے دوسری کڑی کی طرف منتقل ہوتی رہی۔ ورنہ دو امور میں سے کسی ایک کا یقین کرنا لازم ہوگا۔ یا تو یہ یقین کرنا ہوگا۔ یہ سلسلہ سب کا سب مفقود ہے کیونکہ اس چیز کا وجود ہی ثابت نہیں جس نے اس میں حیات بخشی ہے۔ یا اس بات کا یقین کرنا ہوگا کہ سلسلہ تو موجود ہے لیکن یہ بالآخر کسی ایسی ذات واجب الوجود کا فیضان ہے جس نے اس کو ایجاد کیا اور اس میں تاثیر پیدا کی ہے اور وہ ذات خود کسی سے متاثر نہیں ہوتی۔

امراول تو واضح البطلان ہے کیونکہ جس و مشاہدہ دونوں اس کی تکذیب کر رہے ہیں اور عالم موجود ہے اور علل کا توالد مرئی اور محسوس شے ہے۔ رہ گیا دوسرا امر کہ ایسے مصدر ذاتی کا ہونا لازم ہے جس نے اس عالم کو حیات بخشی۔ اس سے حرکت و تغیر اور توالد کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ لہذا تسلسل مذکور کا باطل ہونا ثابت ہو گیا۔

اب ہم اس مسئلہ کی چند اور ایسی مثالیں بھی بیان کرتے ہیں جن کا حجم عالم کے حجم سے چھوٹا ہے تاکہ مسئلہ کی مزید وضاحت ہو سکے۔

۱۔ اگر میں تمہارے سامنے ایک ایسی علمی حقیقت کا دعویٰ کروں جس پر میں یقین رکھتا ہوں اور تم جب اس پر مجھ سے دلیل طلب کرو تو میں تمہارے سامنے ایک ایسی دلیل پیش کروں جو بعینہ وہی مجہول دعویٰ ہو۔ اور وہ کسی دوسری دلیل پر موقوف ہو اور یوں یہ سلسلہ غیر متناہی صورت تک دراز ہو جائے کہ یہ تمام دلائل کسی ایسی بدیہی حقیقت پر ختمی نہ ہوں۔ جس کی بداہت معروف ہے۔ تو تم مجھے اس حقیقت کے بارے میں کہے گئے دعویٰ میں جھوٹا سمجھو گے۔ بلکہ سرے سے

ہی اس حقیقت کے وجود کے بارے میں میری تکذیب کرو گے۔ کیونکہ اس پر اب تک کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی اور براہین و دلائل کا وہ سلسلہ جس کو ہم نے غیر متناہی فرض کیا ہوا ہے۔ وہ تو صرف چند سائے ہیں جن کے اصل اول کی انتظار ہے۔ لہذا اگر وہ اصل اول نہ پایا جائے تو یہ سائے خود بخود غیر موجود ہوں گے۔ اسی لئے وہ حقیقت جس کا دعویٰ کیا گیا ہے بھی موجود نہ ہوگی۔

۲۔ جب تم حساب کی ایسی لمبی رقم دیکھو کہ جس میں صفروں کی ایک بڑی تعداد بالترتیب موجود ہو تو تمہاری نگاہ سب سے پہلے اس ذاتی رقم اول کو تلاش کرے گی جس کی دائیں جانب ان صفروں کی قطار لگی ہوئی ہے۔ جب تک تمہاری نگاہ اس رقم پر نہ پڑے گی۔ اس وقت تک تم ان اصفار کی کوئی حسابی قیمت نہ لگاؤ گے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم بخوبی جانتے ہو محض صفر ذاتی طور پر کسی بھی عددی قیمت پر مشتمل نہیں ہوتا۔ بلکہ صفر عددی قیمت اس صفر سے حاصل کر رہا ہے جو اس کی بائیں جانب ہے اور وہ صفر بھی اس تیسرے صفر سے عددی قیمت حاصل کر رہا ہے جو اس کی بائیں جانب ہے۔ اسی طرح چوتھا پانچویں سے اور پانچواں چھٹے سے.....

یہاں تک کہ ان اصفار کا اختتام جا کر کسی رقم عددی پر ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک کا عدد ہے یا اس سے اوپر کا کوئی عدد اور یہ رقم عددی اپنے اندر موجود ذاتی قیمت کی مالک ہوتی ہے اور یہ وہی رقم عددی ہے جس نے اپنی دائیں جانب موجود سلسلہ اصفار کا سلسلہ غیر متناہی ہے جو کسی ایسی عددی رقم پر جا کر ختم نہیں ہوتا جو ذاتی قیمت کی مالک ہے۔ تو یہ اصفار کسی بھی قسم کی قیمت سے خالی ہوں گے۔ بلکہ وجود کے معانی میں سے کسی بھی معنی سے خالی ہوں گے اور ان میں غیر متناہی سلسلہ فرض کرنا نہ ان کی حقیقت حال بدل سکتا ہے۔ نہ ہی ان کو کوئی قیمت دے سکتا ہے۔

۳۔ تم نے اپنے کسی دوست کے گھر ایک خوبصورت کلیوں والی خوشبودار کسی تیل کو دیکھا اور جب تم نے اس دوست سے دریافت کیا کہ اس نے یہ خوبصورت تیل کہاں سے حاصل کی۔ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے یہ شاخ اپنے پڑوسی کے ہاں لگی ہوئی ایک جڑ سے حاصل کی ہے۔ تو تم نے اس کے پڑوسی سے اس کے بارے میں پوچھا کہ اس نے یہ کہاں سے حاصل کی۔ تو اس نے کہا کہ میرے پاس بھی ایک شاخ ہی ہے جو میں نے ایک دوست سے حاصل کی۔ تیسرے نے بھی وہی جواب دیا جو دوسرے کا تھا۔ یونہی چوتھے، پانچویں، چھٹے سب نے یہی جواب دیا۔ پس ہم فرض کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ یونہی جاری رہا کہ ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ میرے پاس تو ایک شاخ ہے جو میں نے دوسرے سے حاصل کی ہے۔ پس تم اس سلسلہ کے ساتھ ساتھ چلتے رہے تاکہ اس کی اصل اور اس کی اس جائے پیدائش کے بارے میں تحقیق کر سکو جس نے اس تیل کو ظہور اور وجود اور قابلیت برحیث بخشی ہے۔ تو تم سے یہ کہا جائے کہ شاخ تراشی کا یہ سلسلہ تو غیر متناہی ہے۔ کہیں جا کر بھی ختم نہیں ہوتا۔ تو اس جواب کے بارے میں معمولی فکر کے بعد تمہاری عقل کیا فیصلہ کرے گی؟ یقیناً وہ اس جواب کے جھوٹ ہونے کا فیصلہ کرے گی۔ کیونکہ شاخ میں جتنا بھی توالد و نکاشر ہوا ہے وہ ضرور کسی ایسے اصل کے وجود کا نتیجہ ہے اور جو خود ثابت ہے۔ اور جس نے ان شاخوں کو وجود یا حیات بخشی ہے اور جب یہ کہا جائے کہ اس کا کوئی اصل موجود نہیں اور ہم اس قائل کو سچا بھی فرض کر لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ تو اس صورت میں ان مفروضہ شاخوں میں سے بھی کسی کا وجود نہیں ہوگا۔ لیکن تم تو اس تیل کی شاخوں کو اپنے سامنے موجود پاتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کوئی اصل ذاتی ضرور موجود ہے جس نے ان تمام فروہات اور شاخوں کو وجود بخشا ہے۔ خواہ یہ اصل کتنا بھی بعید کیوں نہ

ہو۔ لیکن ہوگا ضرور۔

ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ جو عقل اپنے سے سابق علت سے علت حاصل رہی ہیں ان کا تسلسل صفروں اور نیل کی شاخوں اور مذکورہ براہین کے تسلسل کی ہی مانند ہے۔ اسی لئے کوئی عقل مند یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ پورے عالم کا وجود واجب الوجود مؤثر خارجی کے بدون ایسے سلسلے پر قائم ہے۔ جو ایک دوسرے سے متوالد ہیں۔ اگر کوئی ایسی جسارت کرتے ہوئے کہہ دے کہ کروڑوں کی قیمت صرف خالی صفروں سے مرکب ہے۔ کسی ذاتی قیمت رکھنے والے عدد کی محتاج نہیں۔ یا یہ کہ دے کہ گھروں اور باغات میں پائے جانے والے پھولوں کی کوئی اصل نہیں بلکہ یہ ایک دوسرے کی شاخیں ہیں۔ ان کا کوئی بیج اور گٹھلی نہیں۔ جن سے یہ پروان پڑھے ہیں اس کے جواب میں ہم وہی کہیں گے جو علامہ شیخ مصطفیٰ صبری نے اپنی بلند پایہ کتاب ”موقف العقل والعلم والعالم من رب المعلمین“ میں کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

تم جب کسی ملحد سے یہ دریافت کرو کہ وہ موجود جو علت موجودہ کا محتاج ہے۔ اس کی علت کیا ہے؟ اور وہ جواب میں کہے کہ اس کی علت وہ موجود ہے جو اس سے مقدم ہے۔ پھر اس موجود کے بارے میں پوچھو کہ اس مقدم موجود کی علت کیا ہے؟ اور وہ جواب میں کہے کہ اس کی علت وہ تیسرا موجود ہے جو اس پر مقدم ہے۔ یوں یہ سلسلہ جواب کہیں جا کر ختم نہ ہوگا۔ تم سوال میں جتنی طوالت و مبالغہ اختیار کرو گے۔ اس کی طرف سے جواب میں بھی اسی طرح طوالت و مبالغہ ہوتا جائے گا۔ تو تم اس وقت یہ یقین کر لو کہ یہ شخص تمہیں فریب میں مبتلا کر رہا ہے اور تم کو مغالطہ میں ڈال رکھا ہے۔ تمہیں ایسا جواب دے رہا ہے جو درحقیقت جواب ہی نہیں بنتا۔ یہ شخص تمہیں فریب دینے اور مغالطہ میں مبتلا کرنے سے پہلے اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے اور مغالطہ میں مبتلا کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے سوال کا جواب دینے سے عاجز ہے۔ اس لئے وہ

جان بوجھ کر جواب دینے سے راہ فرار اختیار کر رہا ہے۔ اور اپنے اس فرار پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ ایسی ظلمات و تاریکیوں کو سہارا لے رہا ہے جن کا کوئی آغاز ہی نہیں اور وہ یہ بتا رہا ہے کہ ہر علت سے پہلے ایک علت ہے اور وہ اس کے بعد اپنے اس تسلسل کے ذریعے ایک غیر متناہی سلسلہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔

حالانکہ ان میں سے کوئی بھی علت نہیں کیونکہ ان کا نہ کوئی اصل ہے اور نہ کوئی وجود۔

نیز ان مذکورہ تمام دلائل کے علاوہ جس و مشاہدہ سے بھی تسلسل کا بطلان ثابت ہے۔ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ اس جہان میں بہت ساری ایسی مخلوقات کی انواع تھیں جو بعد میں معدوم ہو گئی ہیں اگر بالفرض موجودات کا تسلسل غیر متناہی ہوتا اور ہر کڑی اپنی سابق کڑی کی معلول ہوتی تو یہ انواع دنیا سے معدوم نہ ہوتیں کیونکہ یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مابعد کے لئے علت ہیں۔ حالانکہ جس و مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ان انواع کا وجود دنیا سے ختم ہو چکا ہے اور وہ معدوم ہو چکی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان انواع کی آخری کڑی صرف معلول تھی۔ اپنے سے سابق کڑی کی مانند علت نہ تھی۔

یہ اس غیر متناہی مفروض تسلسل کے باطل ہونے کی بھی دلیل ہے۔ اور اس بات پر بھی دلیل ہے کہ یہاں پر کوئی ایسا مؤثر خارجی موجود ہے۔ جو اس مرتب تسلسل کے نظام سے زائد ہے۔

دور کے باطل ہونے کی دلیل

ہم فرض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وجود میں شک کرنے والے نے خوب غورو فکر کیا اور اس کے بعد اس نے کہا کہ میں بھی اس بات کا قائل ہوں کہ عالم حادثات (موقف العقل ۲-۱۸۴)۔ تم اگر عقیدہ کی تفصیل اور اس کی حلقہ براہین کی مزید تفصیل دیکھنا چاہو تو اس کتاب کا مطالعہ کرو۔ اس کی مثل اس زمانہ میں کوئی کتاب تالیف نہیں ہوئی۔

ہے۔ اس کو عدم سے وجود میں لانے والی علت مؤثرہ موجود ہے۔ لیکن یہ علت مؤثرہ تفاعل ذاتی سے زائد کوئی چیز نہیں۔ یعنی یہ علت مؤثرہ عالم کی اپنی ذات ہی ہے۔ عالم کا وجود سب سے پہلے ایک ہوا کی صورت میں نمودار ہوا۔ جس نے خلا کو پر کر دیا۔ پھر وہ ہوا کائی سے ڈھکے ہوئے پانی میں تبدیل ہو گئی۔ اور اس کے بعد اس پانی سے بخارات بن گئے۔ اور پھر ان بخارات سے حیات کے عناصر اولیه جیسا کہ کاربن، ہائیڈروجن اور آکسیجن وغیرہ وجود میں آئے اور اس کے بعد ان عناصر سے بے شمار مرکبات عضویہ وجود میں آ گئے۔ اس پر کروڑوں سال گزر گئے۔ اس عرصہ میں زمانے کے گزرنے کے سبب وہ ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ بالآخر وہ زندہ موجودات وغیرہ کے عناصر میں تبدیل ہو گئے۔ پس اس لیے عالم حادث ہے۔ لیکن اس کے حدوث کا سبب یہی تفاعل ذاتی ہے۔ جس کا آغاز نہایت ہی چھوٹے سے موجود سے ہوا تھا۔ پھر ترقی کرتے کرتے بلندی تک پہنچ گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مفروضہ سے دور لازم آتا ہے اور دور کی مفروضیت باطل ہے۔ اہل عقل کا اجماع ہے کہ دور متحقق نہیں۔

دور باطل کا مفہوم

دور باطل کا مطلب یہ ہے کہ شے اپنے مطلق وجود یا اپنی معین کیفیت میں کسی دوسری شے پر موقوف ہو۔ مگر یہ دوسری شے اپنے مطلق وجود یا اپنی معین کیفیت میں اسی لمحہ اسی پہلی شے پر موقوف ہو۔ پس اس صورت میں دونوں چیزوں کا وجود محال ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی صاحب عقل یہ کہہ دے کہ ان دونوں چیزوں نے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا۔ پس ہر ایک نے دوسری کو پیدا کر دیا۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ہم فرض کرتے ہیں کہ تم نے اٹلیمنسٹری کا لچ میں داخلہ لینے کا ارادہ کر لیا تو تم سے کہا جائے کہ اس لچ میں داخلہ اس بات پر موقوف ہے کہ تم

کس قومی تدریسی محکمہ میں ملازمت کر رہے ہو اور جب تم نے کسی قومی تدریسی محکمہ میں ملازمت اختیار کرنے کی کوشش کی تو تم سے کہا جائے کہ اس ادارے میں تمہیں ملازمت تب ملے گی کہ تم نے اٹلیمنسٹری کا لچ سے تربیت حاصل کی ہو۔ اس حالت میں واضح ہے کہ تم اپنے دونوں مقاصد میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے ہو جب تک صورت حال ایسی ہی رہے گی۔

اور اس کی مثال یہ بھی ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ انڈے کا وجود مرغی کے وجود پر موقوف ہے اور پھر کہیں گے کہ خود مرغی کا وجود انڈے کے وجود پر موقوف ہے اور ہم فرض کر لیتے ہیں کہ انڈے اور مرغی کے وجود کے لئے سوائے اس طریقہ کے اور کوئی وسیلہ موجود نہیں تو پھر بدیہی بات ہے کہ دونوں چیزیں اس وقت تک معدوم رہیں گی۔ جب تک کوئی مؤثر خارجی آئے اور وہ اس دور کے طوق کو توڑ نہ دے۔

جب تمہیں یہ مذکورہ تفصیل معلوم ہوئی تو اب ہم اس شخص سے کہتے ہیں جو عالم کے حدوث کا تو قائل ہے لیکن اس میں عالم کی ذاتی تاثیر کا قائل ہے۔ ہمیں بتائیے کہ وہ کون سی پہلی گھٹلی یا عالم کے ذرات میں سے وہ کون سا پہلا ذرہ ہے جو سب سے پہلے وجود کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ یہ چیز جو بھی ہوگی ہم پوچھیں گے کہ وہ کون سی علت تھی جس نے اس کو لاشے کے ظلمات سے نکل کر وجود سے ہم کنار کیا اور مدارج وجود میں اول وجود ہونے کا شرف بخشا؟ اور تمہارا یہ قول کہ تفاعل ذاتی علت مؤثرہ ہے۔ یعنی موجود بذات خود اپنی ایجاد میں علت مؤثرہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ (دور کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ مصرحہ۔ ۲۔ مضمر۔ دور مصرحہ یہ ہے کہ مثلاً ہم یہ کہیں کہ "۱" موقوف ہے "ب" پر اور "ب" اسی لمحہ "۱" پر موقوف ہے۔ یا یہ کہ شے ایک اٹھارہواں اپنی ذات پر موقوف ہو۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ "۱" کا وجود موقوف ہے "۲" کے وجود پر جیسا کہ ہم نے عالم کے وجود کا اپنی ذات پر موقوف ہونے کی مثال بیان کی تھی اور دور مضمر یہ ہے کہ مثلاً یہ کہا جائے "۲" موقوف ہے "ب" پر اور "ب" موقوف ہے "ج" پر اور "ج" موقوف ہے "۱" پر۔ پس اس صورت میں دور کے اندر ایک دائرے کا اضافہ ہو گیا لیکن وہ بالآخر پہلی کڑی پر ہی موقوف ہو جاتا ہے۔ پس بطمان کا متعلق ہو گیا۔)

جب وہ عدم مطلق کی ظلمات میں تھا۔ تو اس وقت اس کا وجود اس امر پر موقوف تھا کہ وہ اس عدم کے پیٹ سے خارج میں پیدا ہو۔ پس جب وہ پیدا ہوا اور اس کے وجود کا ظہور ہوا تو وہ اپنے وجود کی بدولت اس قابل بنا کہ اپنے وجود کے لئے علت مؤثرہ بن جائے۔ حالانکہ اس کا یہ وجود تو پہلے ہی حاصل ہو چکا ہے۔ لہذا یہ چھوٹا سا ذرہ پہلے ہی عدم کے پیٹ سے پیدا ہوا اور اس کے بعد اس پیدائش کے سبب اپنی ذات کے ایما کے لئے علت بن گیا اور یہ دور کی واضح ترین شکل ہے۔ پس کیا جس کے سر میں جب تک عقل کا ذرہ بھی موجود ہے۔ وہ اس کلام کی تصدیق کی جسارت کرے گا؟

یہ باطل حق میں تبدیل نہیں ہوگا۔ یا یہ محال ممکن بن جائے گا کہ تم اپنے آپ کا قائل، تو اللہ ذاتی وغیرہ کی مثل عجیب و غریب کلمات استعمال کر کے فریب دے رہے ہو۔ اگر الفاظ و تعبیرات میں حقائق تبدیل کرنے کی قوت ہوتی تو ”طبیعت“، ”انتخاب“، ”طبیعت“ اور ”بقاء للاح“ وغیرہ کلمات تمام بدیہی حقائق کو منسوخ کر دیتے اور علم کو جہالت میں اور جہالت کو علم میں تبدیل کر دیتے اور لوگ علم حاصل کرنے اور حقائق کی تحقیق کرنے کی مشقت اٹھانے سے بے نیاز ہو جاتے۔ کیونکہ لوگوں کے پاس الفاظ کی کثرت بھی موجود ہے۔ اور انہیں الفاظ کو جس طرح چاہیں ڈھالنے کی آزادی بھی حاصل ہے۔ اس لئے وہ غیر ضرورت محنت سے بے نیاز ہو جاتے۔ لیکن تمام اہل عقل جانتے ہیں الفاظ اور صیغے حقائق کے بعد ہوتے ہیں اور حقائق ارادہ الفاظ کے تابع نہیں ہوتے۔ آپ پر واضح ہو گیا کہ عالم بغیر کسی علت مؤثرہ کے حادث ہے۔ کہنے والے کا قول باطل ہے کیونکہ اس سے امر بدیہی کے باطل ہونے کی فرضیت لازم آتی ہے۔ اور وہ ترجیح بلا مرجح کا لازم آتا ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ عالم کو قدیم کہنا بھی باطل ہے۔ کیونکہ اس سے ممکنات کا غیر متناہی تسلسل لازم آ رہا ہے اور تسلسل بھی بالہدایت باطل ہے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم اپنی ایجاد ذات کی خود ہی علت مؤثرہ ہے۔

سے ہے۔ پس کیا باقی رہ گیا؟ باقی یہ بات رہ گئی کہ عالم کے لئے مستقل موجد کا ہونا ضروری ہے۔ جس نے اس کو ایجاد کیا ہو۔ اور یہ موجد اپنی ذات میں اپنے لئے کسی موجد کا محتاج نہیں اور یہ ذات وہ ہے جس کو ہم بالذات واجب الوجود کہتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اب یقیناً اللہ تعالیٰ کا وجود ایسی یقینی دلیل کے ساتھ ظاہر ہوا جو ایسی برہان پر قائم ہے جس کا ارتکاز استقراء تام پر ہے۔

قانون علیت یا علت غائیہ

اس کے بعد ہم برہان تلازم سے قیاس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ہدایت مطلقہ کے ساتھ ثابت شدہ حقائق میں سے ایک حقیقت آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کے ذریعہ ہم وجود باری تعالیٰ پر ایک اور قطعی برہان قائم کرتے ہیں۔ جو استقراء تام پر قائم قیاس یقینی اولیٰ سے ماخوذ ہے۔ اس حقیقت کو ہم علت غائیہ کی دلیل یا حکمت و نظام کوئی کی دلیل کا نام دیتے ہیں۔

الط غائیہ اور علت ہامہ دونوں کا ایک مطلب ہے۔ اس سے مراد تمہارا وہ ارادہ ہے جس نے تمہیں کوئی کام کرنے پر ارادہ کیا ہے۔ اگر یہ ارادہ آپ کے ذہن میں نہ ہوتا تو آپ اس معین کام کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ لہذا تمہارا یہ ارادہ اس عمل کے وجود کی علت ہے۔ علت غائیہ وجود ذاتی میں معلول سے پہلے ہوتی ہے اور وجود خارجی میں معلول کے بعد ہوتی ہے۔ مثلاً دیکھئے طالب علم کی پڑھائی کی علت غائیہ اگر یہی حاصل ہے۔ اور یہ امر پڑھائی سے پہلے طالب علم کے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ لیکن خارج میں اس کا وجود تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد متحقق ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال ہمارا یہ مقصد نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے افعال کو معلل یا غرض ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ کائنات میں موجود کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں معین غائیوں کے ثابت کرنے کی حقیقت کے لئے واسطہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہو تو یہ امر اللہ تعالیٰ کو مجر سے موصوف کر دیتا۔ لیکن اس سے ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ عالم اپنے اور اپنے اجزاء کے وجود میں ایسے خاص نظام پر مرکب ہے جو انسان کے اہم اغراض و مقاصد پر مشتمل ہے اور ہمارا یہ یقین کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا اور ہمیشہ قادر ہے کہ وہ ان مقاصد کو کائنات کی کسی بھی شے کی وساطت کے بغیر بھی ثابت کر سکتا ہے۔ اس بحث کی اس جگہ اتنی تفصیل ہی کافی ہے۔ مغرب ہم اللہ تعالیٰ کی مفت ارادہ کے تحت بھی اس پر بحث کریں گے۔

سب سے پہلے آپ کے سامنے اس حقیقت اور اس کی دلالت کو ایک چھوٹی سی مثال کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور اس کے بعد اس سے ذرا بڑی مثال کے ذریعے وضاحت کی جائے گی۔

۱۔ ہم فرض کرتے ہیں کہ تمہارے سامنے ایک برتن پڑا ہوا ہے۔ تم نے اس میں لگاؤ ڈالی تو تمہیں معلوم ہوا کہ اس میں مختلف چھوٹے چھوٹے پرزے بکھرے پڑے ہیں۔ جب تم نے ان میں غور کیا تو تم نے چاہا کہ ان تمام باریک پرزوں کے درمیان پائے جانے والے تعلق کو معلوم کرنا چاہئے۔ چنانچہ غور و فکر کے بعد تمہیں معلوم ہوا کہ ان تمام پرزوں کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔ پس تم نے ان تمام اجزاء کو جمع کیا اور ان کو جوڑنا شروع کر دیا اور جب اس کے آخری پرزے کو جوڑ کر فارغ ہوئے تو اچانک تمہارے کان میں ایک باریک سی آواز آئی۔ جو ان پرزوں کے اندر جاری حرکت سے پیدا ہو رہی ہے۔ جو ایک مکمل آلہ کی صورت میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ جب تم نے اس پر غور کیا تو پتہ چلا کہ یہ تو وقت بنانے والی گھڑی ہے۔ وہ کون سی چیز ہے جس کا ادراک تمہیں اس پورے عمل کے بعد ہوا؟ یقیناً تمہیں یہ ادراک حاصل ہوا کہ ان چھوٹے چھوٹے پرزوں میں سے ہر ایک پرزے کا ایک خاص جزئی مقصد ہے جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔ اور ان تمام پرزوں کے مجموعے کا بھی ایک مقصد نوعی ہے اور وہ مقصد وقت معلوم کرنا ہے۔ اور تمہیں اس کے علاوہ بغیر کسی شک کے یہ ادراک بھی حاصل ہوا کہ ان باریک باریک پرزوں کے پیچھے کوئی نہ کوئی ان کو اس عظیم مقصد کے حاصل کرنے کے لئے بنانے والا بھی ہے۔

۲۔ ہم فرض کرتے ہیں کہ تم کسی بہت بڑے انٹرنیشنل ایئر پورٹ میں داخل ہو رہے ہو اور تمہارے پاس بیک بھی موجود ہے۔ جسے تم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا ہے۔ جب تم شیشے کے بند دروازے پر آ پہنچے تو اچانک اس کے دونوں

کواڑ خود بخود تمہارے سامنے کھل گئے۔ اور جب تم نے دروازہ عبور کر لیا تو وہ دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اب تم دروازے کی طرف حیرت و دہشت کے ساتھ دیکھتے ہوئے اس خود بخود کھلنے والے عجیب اتفاق کا شکر یہ ادا کر رہے تھے کہ اچانک دروازہ دوبارہ کسی آنے والے کے لئے کھل گیا۔ اب تم نے اپنا بیک نیچے چھوڑ کر سوچنا شروع کر دیا کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ کہ یہ دروازہ جب بھی کوئی لاتا ہے یا ضرورت پڑتی ہے تو خود بخود کھل جاتا ہے۔ جب تم نے اس کی تحقیق شروع کی تو تمہیں معلوم ہوا کہ اس کے نیچے ایسا ترکیبی نظام ہے۔ جب بھی کوئی آدمی اس کے اوپر سے گزرتا ہے تو وہ فوراً متاثر ہو کر دروازے کے دونوں کواڑوں کے کھلنے اور جدا ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔

اب فوراً اس نظام ترکیبی اور اس کی حرکت کی علت غائیہ تمہارے ذہن میں آگئی کہ ان سے مقصود ایسے مسافر کے لئے گزرنے میں آسانی پیدا کرنا ہے۔ جس کے ہاتھ مصروف ہونے کی وجہ سے دروازہ کو دیکھ لیں نہیں سکتے کہ اس کے ہاتھوں نے سامان اٹھایا ہوا ہے۔

جب اس عجیب و غریب انسانی غایت کو ان جادو آلات کی طرف منسوب کرنا ممکن ہیں۔ جس میں نہ کوئی حس ہے اور نہ کوئی بلکہ یہ یقیناً کسی نہ کسی عقل مدبر کی تدبیر سے وجود میں آئے ہیں۔ پس یہ حقیقت جو تمہارے سامنے ان دو مذکورہ مثالوں کے ذریعے واضح ہوئی ہے۔ یہ ان کے مشابہ تمام مثالوں میں منطبق ہو سکتی ہے۔ لہذا کوئی بھی خاص ترکیبی مجموعہ جو کسی خاص مقصد کے پیش نظر کسی خاص نظام کے تحت چل رہا ہے۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی عقل مدبر ضرور ہوتی ہے۔ اس کیلئے آپ تمام مختلف نوعیت کے سامان، ملبوسات، اثاثہ البیت، قالین اور گھر وغیرہ ان تمام اشیاء کو بطور مثال پیش کر سکتے ہیں۔ جنہیں مصنوعات کہا جاتا ہے۔

اس واضح حقیقت پر علت غائیہ کی دلیل یا حکمت و نظام و کوئی کی دلیل کا اطلاق

کیا جاتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلیل کے مسئلہ کی اصل ہے اور یہ اصل استقراء تام سے ثابت علت مؤثرہ پر قائم ہے۔ اس کے بعد جب تم اس جہاں کی عجیب عمارت پر نگاہ ڈالو تو تمہیں اس کے بعض اجزاء کے ساتھ بعض اجزاء کی ترکیب اور اجزاء کے اجزاء کی ترکیب اور اس کے باریک باریک ناقابل تقسیم ذرات میں نہایت ہی باریک مطابقت معلوم ہوگی۔ اور تمہیں معلوم ہوگا کہ اس میں موجود چھوٹے چھوٹے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مخصوص مقاصد انجام دے رہے ہیں اور اس کے بعد اجزاء و جزئیات کے مجموعہ کو دیکھو گے کہ وہ کچھ ایسی باریک شرائط کے تحت بہت ہی اعلیٰ نوعی مقاصد انجام دے رہا ہے۔ اگر ان تمام شرائط میں سے کوئی معمولی شرط بھی نہ پائی جائے تو یہ مقاصد حاصل نہ ہو سکیں گے۔ بلکہ پورے مجموعے میں فساد پیدا ہو جائے گا۔

اگر تم اپنے سامنے دکھائی دینے والے موجودات کے درمیان پائے جانے والے نظم و نسق کے مظاہر معلوم کرنا چاہو تو عمر تمام ہو جائے گی مگر ان کا شمار اور ان کی وضاحت نہ ہو سکے گی اور تمہاری فکر ان میں پائی جانے والی عجیب و غریب تدبیر کی وجہ سے تھک ماند کرواہیں لوٹ آئے گی۔ وہ عجیب تدبیر جس کا آغاز برقی ذرات سے لے کر زمین و آسمان تک ہے۔ پھر زمین میں موجود مختلف مخلوقات سے لے کر آسمان میں موجود تمام افلاک تک ہے۔ یہ سب کے سب ایک مرتب نظام کے تحت چل رہے ہیں اور سب کے سب عجیب و غریب مقاصد کے تحت گھوم رہے ہیں۔ اور ان کا اکثر حصہ انسان کی خدمت اور اس کی مصلحت پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ زمین میں غور کرو تمہیں معلوم ہوگا کہ زمین میں ایک خاص وزن پایا جاتا ہے جو زمین کو کشش ثقل کی ایک خاص مقدار کے مطابق کھینچتا ہے اور کشش ثقل پر غور کرو تو وہ ایک خاص مقدار میں پایا جاتا ہے۔ تاکہ انسان زمین پر ٹھہر سکے۔ اگر زمین کا وزن اس مخصوص مقدار سے زیادہ ہوتا تو اس کے کشش ثقل اور اس کی جاذبت میں بھی زیادتی پائی جاتی۔ پھر انسان اس پر

نہ نہ سکتا۔ بلکہ اس کے ساتھ چٹ جاتا اور اس پر اپنے آپ کو ٹھینٹے ہوئے چلتا اور اگر زمین کا وزن اس مخصوص مقدار سے کم ہوتا تو پھر اس کی جاذبت اور کشش ثقل میں کمی کی ہوتی۔ تو اس صورت میں انسان اس پر اپنی مرضی کے مطابق ٹھہر نہ سکتا۔ یہ نظام تمہیں یہ بتا رہا ہے کہ زمین کی تخلیق کی بھی ایک غایت ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین انسان کے لئے قرار و کچھونے کا کام دے۔ اور انسان اس کو اپنے پر امن مشقر بنا سکے۔ تم ذرا اپنی آنکھ ہی میں غور و فکر کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کی تفسیر رویت کے ایسے باریک ترین قوانین پر قائم ہے۔ جن کو سمجھنے میں اہل علم حیرت زدہ ہیں۔ اور پھر عالم میں پائے جانے والے روشنی کے قوانین پر نگاہ ڈالو کہ جنہوں نے آنکھ کے دیکھنے کے لئے پہلے سے ہی راہ ہموار کی ہوئی ہے۔ بے شک ان دونوں قسم کے قوانین کا اجتماع ایک خاص مقصد کے لئے ہوا ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ ان دونوں سوراخوں (آنکھوں) کے ذریعے تمام دکھائی دینے والے عالم کو دیکھا جاسکے اور یہ حقیقت تمہارے سامنے اس وقت زیادہ واضح طور پر آئے گی۔ جب تم کسی سائنسدان کو آنکھوں کی باریکیاں اور ان کی ترکیبی کیفیت بیان کرتے ہوئے سنو گے۔ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ اپنی گفتگو کے درمیان ہر جملہ کے ساتھ ”لام تغلیل“ استعمال کر رہا ہوگا۔ جب وہ دماغ سے آنکھ تک پھیلے ہوئے پنوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے یہ کہے گا کہ ان کا آنکھ کے ساتھ اتصال اس لئے ہے تاکہ اس میں موجود رطوبت جلد یہ، تک آنے والی صورتوں کی خبریں پہنچائے تاکہ وہ اس میں مرسم ہو جائیں اور پردہ عینیت یہ قرینہ کے نیچے ایک سیاہ رنگ کا پردہ ہوتا ہے۔ تاکہ صاف و شفاف اجسام اس کے پیچھے رک سکیں اور اس میں آنے والی روشنی منتشر نہ ہو سکے۔ اور قرینہ میڑھے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں صورتیں جمع ہو سکیں۔

پس اس طرح تحقیق کرنے والا ”لام تغلیل“ کی استعانت کے بغیر اس کی وضاحت نہیں کر سکتا لیکن وہ کون سی چیز ہے جس نے ہمیں اس تغلیل تک پہنچایا جو ارادہ

و اور اک عملیات میں سے مشکل ترین امر ہے؟ کیا عقل ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور کر سکتی ہے کہ ان ربطات اور لیس 'نماؤں اور پٹھوں کا مجموعہ ہی وہ چیز ہے جو ارادہ کرتی ہے اور خود بخود مربوط ہوتی ہے اور بذات خود واسطہ بنتی ہے اور بذات خود علت بنتی ہے؟

تم ذرا اپنے پیچھے دوں پر غور کرو کہ اس میں اور فضا میں موجود گیسوں کے درمیان کیسی موافقت پائی جاتی ہے۔ اگر ان گیسوں کی مقدار میں زیادتی یا کمی ہوتی تو زندگی کی شرط کامل نہ پائی جاتی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ جب یہ دونوں مظہر آپس میں ملتے ہیں تو زندگی کے کامل اسباب پیدا کرتے ہیں۔

تم ذرا اپنی ذات اور اس میں موجود توانے مدد کر کے پر غور کرو (تم خود بھی تو عالم کا ایک جزو ہو) تو تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہیں ایسا اسلحہ عطا فرمایا گیا ہے۔ جس کے عجائب ختم نہیں ہوتے اور دنیا کے تمام اہل علم کی عقل اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتی۔ اور خوب کرو تو تمہیں معلوم ہوگا اس قوت کا ایک مخصوص مقصد ہے۔ وہ مقصد یہ ہے کہ تم ان کے ذریعہ اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے مظاہر کائنات کی تسخیر کر سکو۔

اور اس کے ذریعے ان مظاہر کائنات سے استفادہ کی کنجیوں کے مالک بن سکو۔ اور ان کی گہرائی معلوم کر کے ان کی تہہ اور ان میں موجود قوت علیہ تک رسائی حاصل کر سکو۔

جو کچھ میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا ہے۔ اسی پر کائنات کے ان مختلف مظاہر کو قیاس کر لو۔ جنہیں تم دیکھ رہے ہو یا جن تک تمہاری فکر کی رسائی ہے۔ پس تمہیں معلوم ہوگا وہ سب کے سب مخصوص مقاصد اور معین نمایات کے تحت رواں دواں ہیں۔ جب تمہیں یہ معلوم ہوا ہے تو اب تمہیں درج ذیل امور پر بھی یقین کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ مختلف انسانی مصنوعات اور مشینوں میں علت غائیہ کا ظہور ان کے اس مدبر اور بنانے والے کے وجود پر دلیل قطعی ہے۔ جس نے ان چیزوں کو

اس مضبوط و پختہ انداز پر بنایا ہے۔ کیونکہ ان جامد اشیاء میں ایسی کوئی صلاحیت موجود نہیں کہ وہ بذات خود ان مقاصد معینہ کے حصول کے درپے ہوں۔ پس یقیناً عظیم عالم میں اس عجیب طریقہ کے ساتھ علت غائیہ کا ظہور بھی اس بات کی دلیل قطعی ہے کہ اس کے پیچھے بھی کوئی ایسا بنانے والا موجود ہے۔ جس نے اس کو ان مقاصد کی راہ پر گامزن کر دیا ہے۔ اور یہ مقاصد و غایات ایسی ہیں۔ اگر تمام انسانی مشینیں اور مصنوعات ان کی مانند مقاصد حاصل کرنا چاہیں تو ان کی مثل حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اور اس کے ذریعے ان مظاہر کائنات سے استفادہ کی کنجیوں کے مالک بن سکو۔ اور ان کی گہرائی معلوم کر کے ان کی تہہ اور ان میں موجود قوت فاعلیہ تک رسائی حاصل کر سکو۔

جو کچھ میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا ہے۔ اسی پر کائنات کے ان مختلف مظاہر کو قیاس کر لو۔ جنہیں تم دیکھ رہے ہو۔ یا جن تک تمہاری فکر کی رسائی ہے۔ پس تمہیں معلوم ہوگا وہ سب کے سب مخصوص مقاصد اور معین نمایات کے تحت رواں دواں ہیں۔ جب تمہیں یہ معلوم ہوا ہے تو اب تمہیں درج ذیل امور پر بھی یقین کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ مختلف انسانی مصنوعات اور مشینوں میں علت غائیہ کا ظہور ان کے اس مدبر اور بنانے والے کے وجود پر دلیل قطعی ہے۔ جس نے ان چیزوں کو اس مضبوط و پختہ انداز پر بنایا ہے۔ کیونکہ ان جامد اشیاء میں ایسی کوئی صلاحیت موجود نہیں کہ وہ بذات خود ان مقاصد معینہ کے حصول کے درپے ہوں۔ پس یقیناً اس عظیم عالم میں اس عجیب طریقہ کے ساتھ علت غائیہ کا ظہور بھی اس بات کی دلیل قطعی ہے کہ اس کے پیچھے کوئی ایسا بنانے والا موجود ہے۔ جس نے اس کو ان مقاصد کی راہ پر گامزن کر دیا ہے۔ اور یہ مقاصد و غایات ایسی ہیں۔ اگر تمام انسانی مشینیں اور مصنوعات ان کی مانند مقاصد حاصل کرنا چاہیں تو ان کی مثل مقاصد حاصل کرنا ناممکن ہے۔

یہ واضح حقیقت جو اللہ کے وجود پر برہان یقینی کی شکل میں ہے جس کو اہل مغرب علت غائیہ کا نام دیتے ہیں اور علم کلام کے علماء حکمت و نسق کی دلیل کا نام دیتے ہیں۔ یہ وہی حقیقت ہے جس کی جانب قرآن حکیم مختلف دگش اسالیب کے ذریعہ لوگوں کو متوجہ کرتا ہے تاکہ لوگ اپنے مراتب اور علم کے مطابق سمجھ سکیں۔ اور یہ وہی برہان ہے جو محمدین کی زبانوں کو گنگ کر دیتی ہے اور ان کے حیلوں بہانوں کے تمام دروازے بند کر دیتی ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا دائمی عذاب ان کو گھیر لے۔ (کیونکہ انہوں نے اس عقل کی نعمت کا شکر یہ ادا نہیں کیا جو ان کے سر میں موجود ہے کہ وہ اس کو آزاد تحقیق میں استعمال کرتے) اللہ تعالیٰ ان قطعی بدیہی براہین کے سامنے ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیتا ہے۔ اسی لئے اگر تم کسی کو یہ کہتے ہوئے سنو تو تعجب نہ کرنا کہ یہ جو کچھ تم کہتے ہو اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ محض اتفاق ہو اور اس کے احتمال کے ممکن ہونے پر یہ دلیل بیان کرتے ہوئے کہہ کہ ہم اگر یہ فرض کریں کہ طباعتی حروف کی ایک بڑی تعداد ایک وسیع سطح کے اوپر اس امید پر بکھیر دی جائے کہ ان سے ایک شعری دیوان مرتب ہو جائے جو ”ہومیروس“ یا ”فلیکٹو رھو جو“ کے دیوان کی مانند ہو اور یہ جیلہ کروڑوں سالوں تک بار بار وجود پذیر ہوتا رہے۔ تو ممکن ہے کہ ہر مرتبہ یا کئی مرتبہ ان حروف کے بکھرنے سے قصائد کی ایک جڑ مرتب ہو جائے اور پھر دوسری جڑ مرتب ہو جائے۔ یوں ہوتا رہے حتیٰ کہ اس طویل عرصہ کے دوران دیوان مرتب ہو جائے۔

تم جب اس کلام میں غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ شخص ہرزہ سرائی کر رہا ہے۔ بلکہ تمہیں تعجب ہوگا کہ یہ شخص بحث و تحقیق کرتے ہوئے ہذیان کی اس حد تک پہنچ گیا ہے۔

اس وقت ہم آپ کے سامنے اس ہذیان کی تصویر کشی میں علامہ استاد مصطفیٰ صبری کا وہ قول نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب موقف الحقل میں اس قائل کا

مخالف کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ اس شخص کا رد کیا جائے گا کہ عدم انتظام خود بخود نظام میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔ مگر چہ اس کے دوام پر کروڑوں سال کیوں نہ گزریں بلکہ اس پہ دوام اس کے اندر مزید چھپیدگیاں اور خرابیاں پیدا کر دے گا۔ ہر زمانے میں شعری دیوان کی ایک جڑ کے مرتب ہونے کے احتمال کا تصور بھی ان لوگوں کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو جڑ مرتب ہو چکی ہے۔ ہم فرض کرتے ہیں کہ وہ محفوظ کر دی گئی ہے اور دوسری مرتبہ حروف کو جب بکھیر دیا گیا تو اس کی دوسری جڑ مرتب ہو گئی۔ پھر اس دوسری کو بھی محفوظ کر دیا گیا اور پھر تیسری جڑ مرتب ہو گئی یوں یہ سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ دیوان مکمل ہو گیا بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ یہ فرض کریں کہ ہر مرتبہ وہ تمام حروف بکھیر دیئے جائیں جو پہلی مرتبہ بکھیر دیئے گئے تھے اور ان حروف میں وہ حروف بھی شامل ہوں گے جو حروف مرتب جڑ کے اندر موجود تھے۔ پس اس فرض کے مطابق دوسری مرتبہ بکھیرنے کی صورت میں پہلی صورت میں جو چیز منظم ہو گئی تھی اس کا نظام بھی ٹوٹ جائے گا۔ مگر چہ یہ تو ممکن ہے کہ دوسری جڑ مرتب ہو جائے اور پھر یہ دوسری جڑ بھی اس وقت ٹوٹ جائے گی جب تیسری مرتبہ حروف کو بکھیر دیا جائے گا۔ اگر اس طرح فرض نہ کیا جائے تو پھر کسی بار بھی مرتب ہونے والی جڑ کا محفوظ ہونا اور ان اجزاء کے بعد باقی رہنے والے حروف میں بکھیرنے کے عمل کا تکرار نظام مقصودی بن جائے گا جس سے خلاف مفروض لازم آئے گا۔ کیونکہ فرض تو یہ کیا گیا تھا کہ یہ نظام اتفاقی ہے جس میں کسی قسم کی نہایت اور کسی قسم کا مقصد نہیں پایا جاتا۔

(موقف الحقل، ص ۲۳۸)

ان لوگوں کے یہ عجیب بکواسات صرف اسی حد تک نہیں بلکہ وہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اس بات کا انکار کر رہے ہیں کہ آنکھیں ہمارے دیکھنے کے لئے اور کان سننے کے لئے اور عقل فکر و فہم کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اگر وہ اس بات کا انکار نہ کرتے تو ان کے خلاف یہ بات لازم آتی کہ ان کی تخلیق علل غائیہ کے لئے کی گئی ہے تو اس

صورت میں اس۔ یہ ثابت ہوتا ہے تو فی اس مذکورہ فائدے کے لئے انسان کے اندر ایسے صنایع کی طرف سے پیدا کئے گئے ہیں جس نے اپنے ارادہ و اختیار سے یہ فعل انجام دیا ہے۔ پس اس لئے وہ اس لزوم سے فراغت اختیار کرتے ہیں۔ اسی لئے تم انہیں یہ کہتے ہوئے دیکھو گے کہ آنکھ کا دیکھنے کے ساتھ اور کان کا سننے کے ساتھ اور سر میں موجود دماغ کا فکر کے ساتھ تعلق محض اتفاقی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ کی قسم یہ ہدیان بذات خود اللہ تعالیٰ کے وجود پر ناطق براہین میں سے بلیغ ترین برہان ہے۔ عقل کا کام اگرچہ اشیاء کا فہم ہے تو پھر اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے سامنے واضح ترین امر کے بارے میں ہدایت حاصل کرنے سے معطل ہو جائے۔ اگر وہ اپنی موجودگی اور سمجھ و بوجھ کے تمام ارکان و شرائط کی موجودگی کے باوجود معطل ہو ہی گئی ہے۔ (کیونکہ صاحب عقل اللہ تعالیٰ کی ذات میں الحاد میں جتنا ہو چکا ہے اور فکر منصف کے ساتھ غور کرنے سے تکبر اختیار کر چکا ہے)

تو یہ اس بات کی بلیغ ترین دلیل ہے کہ یہ قوت (عقل) خالق حکیم کی تدبیر و ایجاد سے تعلق رکھتی ہے۔ جس کو اس خالق حکیم نے اس متکبر کے سر میں نتیجہ سے روک دیا ہے تاکہ یہ اس کے تکبر کی سزا بن جائے اور قیامت کے روز اس کو اپنے دائمی عذاب کا سبب بنا دے۔

جب تم ہماری ان پیش کردہ براہین میں غور و فکر کرو گے تو معلوم ہوگا کہ الحاد کے کلمہ کا مقصد عقل کے ساتھ الجھنے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ خواہ الحاد کی کوئی بھی نوع ہو یا کوئی بھی فلسفہ اور سبب ہو۔ لیکن الحاد کی انواع میں عقل کے ساتھ الجھنے میں سب سے زیادہ جدوجہد کرنے والی نوع وہ ہے جو مادی فلسفہ پر قائم ہے جس کا خیال ہے کہ مادہ ہی وجود کی ماں بھی ہے اور باپ بھی۔ اور کائنات کے تمام مظاہر متضاد و متناقض کے باہم ملنے اور ان کے کشمکش کے سبب ظاہر ہوئے ہیں۔ باری طور کہ افضل غالب آگیا اور غیر افضل جھاگ بن کر بہہ گیا۔ یہ وہی فلسفہ ہے جو کسی زمانے میں دنیا کی جہات

میں سے کسی جہت کے اندر پروان چڑھا اور خوب پھیلا اور پھر ٹھنڈا پڑ گیا۔ پڑمر رہا ہو گیا اور کمزور پڑ گیا اور اس پر قائم فکری عمارت بھی منہدم ہو گئی۔ اب اس کا صرف سیاسی ڈھانچہ ہی باقی ہے۔ جس نے اس کو تھما ہوا ہے۔ اور اس نے اس کو تھما ہوا ہے۔ سیاسی ڈھانچے کو اس لئے تھما ہوا ہے تاکہ وہ اس کو ثابت رکھنے والا رکن بنا رہے اور اسی فلسفہ نے سیاسی ڈھانچے کو اس لئے تھما ہوا ہے تاکہ وہ اس کی تائید کرنے والا ہنگن بنا رہے۔ یہ فلسفہ بھی بہر حال ہمارے ان مذکورہ تمام دلائل و براہین کے سبب مغلوب ہے۔ ان کے علاوہ یہ فلسفہ ان واضح ترین بدیہی مسلمان کی وجہ سے بھی مغلوب ہے جو اس کی مخالفت و مخالفت پر قائم ہیں۔ اس مذکورہ فلسفہ کا ہم اس کی دونوں معروف شاخوں (جدلی مادیت، تاریخی مادیت) کے بارے میں مناقشہ کریں گے۔ اس فلسفہ کی دو معروف شاخیں ہیں۔ جن کا نام جدلی مادیت اور تاریخی مادیت ہے۔

جدلی مادیت

ان میں سے پہلی شاخ کے مناقشہ سے آغاز کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات مسلمات میں سے ہے جس پر عقل یقین رکھتی ہے۔ عقل خواہ کسی سر میں بھی موجود ہو کہ نقیضین ایک وقت میں ایک مکان کے اندر جمع نہیں ہو سکتی ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ پس دیکھئے سواد اور لاسواد دونوں نقیضین ہیں۔ اسی لئے یہ ممکن نہیں کہ یہ دونوں ایک معین وقت میں باہم اس طرح جمع ہو سکیں کہ کسی لمحہ میں اس مکان معین کا ایک ساتھ تاریکی پھیلائے والی سیاہی اور روشنی پھیلائے والی سفیدی کے ساتھ متصف ہونا صادق آجائے۔ اور اسی لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ سواد مظلم، بیاض مشرق کے جوہر سے پیدا ہو سکے۔ کیونکہ اس سے درحقیقت شے کا اپنی نقیض سے پیدا ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ نقیضین کا ایک لمحہ کے لئے باہم ماننا واضح محال ہے۔ اور یہ بات بھی

۱) اس کی تفصیل اس کتاب کے مؤلف کی کتاب "عقل، ادھام الہادیہ الجدیہ" کے ص ۶۶ تا ۷۵ کا مطالعہ کیا جائے۔

واضح ہے کہ مادہ موجود اور بے حس و حرکت جامد ہے اور روح کی نفیض ہے۔ روح موجود ہے اور اپنے حس و شعور رکھتی ہے۔ لہذا اب اگر ہم یہ کہیں کہ کائنات میں موجود حیات کی اصل بلکہ تمام موجودات کی اصل مادہ ہی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ حیات ہمارے اجسام میں جاری ہے۔ وہ اس جامد مادہ سے پیدا ہوئی ہے جو حیات کی نفیض ہے۔ اس کلام کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں۔ ان کے سوا تیسرا مطلب ممکن نہیں۔ یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جامد مادہ اور حیات کے درمیان تناقض تسلیم کرنے کے باوجود یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ ایک ساتھ جمع ہو چکے ہیں بلکہ یہ تسلیم کیا کہ جامد مادہ سے حیات کی پیدائش ہوئی ہے اور اس مطلب کا عقل کے ساتھ منکار بڑا عجیبہ ہونا واضح ہے۔

یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مادہ حیات کی نفیض نہیں بلکہ ان دونوں کا ایک حقیقت جو ہر یہ میں اجتماع ممکن ہے۔ تو پھر یہ مادہ پرست لوگ اس بات پر کیوں اصرار کرتے ہیں کہ حیات کی اصل مادہ ہی ہے۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ مادہ کی اصل حیات ہی ہے جبکہ اس مطلب کے اعتبار سے مادہ حیات کی نفیض نہیں بلکہ ان دونوں کا ایک جو ہر میں اور ایک جگہ میں بیک وقت اجتماع ہو سکتا ہے۔ تو ان مذکورہ دونوں تعبیرات میں کیا فرق ہے؟ اس سوال کا جواب اس وقت تک نہیں بن سکتا۔ جب تک مادہ پرستوں کے ہاتھوں میں یا ان کی فکر میں ایسا کوئی ضابطہ نہیں آجاتا جو اس علت کی تشریح کرے کہ حیات ہی مادہ سے پیدا ہوتی ہے اور اس کا برعکس نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ مادہ حیات کی اصل ہونے کا قول سفید جھوٹ ہے۔ جو کسی دلیل اور مرجع پر قائم نہیں۔ یونہی تمہیں ان مادہ پرست لوگوں کے اس قول کی کمزوری دے ہو گی بھی معلوم ہو گی جو کہتے ہیں کہ تمام موجودات کا مصدر مادہ ہی ہے۔ خواہ اس کا پہلا مطلب بیان کیا جائے یا دوسرا۔ تیسرا تو کوئی مطلب نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ اس فلسفہ کا فساد تجربہ سے بھی ثابت ہے۔ اس لئے کہ جب حیات جامد مادہ کا شمر ہے تو پھر یہ مادہ پرست آج تک حیات کے راز کو کیوں نہیں پاسکے۔

”تعلق کیمیائی کے ذریعے حیات کو کیوں نہیں پاسکے۔ اور ان عناصر مادہ کو کیوں نہیں معلوم کر سکے۔ جن کی تالیف سے خیانت و جودندیم ہوتی ہے؟“

حالانکہ سائنس و علم کے آفاق اس حد تک پھیلے ہوئے ہیں کہ انہوں نے مادہ کی باریکیوں اور اس کے اسرار اور ذرات (آٹمز) حتیٰ کہ سائنس نے خود آٹم کے حقائق و باریکیوں اور ان کی پوشیدگی کی جگہوں تک کی وضاحت کر دی ہے۔ تو ہم یہ کیسے سمجھ سکتے ہیں جبکہ مادہ جو کہ اصل اور فضا ہے۔ اس بارے میں سائنس کی سلطنت اس حد تک پھیلی ہوئی ہے اور دوسری جانب حیات جو کہ مادے کا شمر اور فرع ہے اس کے متعلق اس کی سلطنت بالکل دھکشل رہی ہو۔ کیا کوئی انسان اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے کہ کسی سائنسدان نے درخت کی جڑ سے لے کر پتوں تک ذرہ ذرہ کی تحقیق کی ہو۔ لیکن اس نے جب درخت کے پھلوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں تو وہ ان کے بارے میں کچھ نہ سمجھ سکا؟

شاید تم یہ کہو تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ مادہ پرست لوگوں نے حیات کی تحقیق نہیں کی اور وہ اس بارے میں کچھ بھی معلومات نہیں رکھتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تمام دنیا کے سائنسدان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سائنس حقیقت حیات کی کسی بھی شے کے سمجھنے تک رسائی حاصل نہیں کر سکی ہے۔ روح کا موضوع ان قضا یا غیبیہ کے تحت داخل ہے۔ جن پر علم و سائنس کو کوئی دسترس حاصل نہیں۔ اس جہالت کا اعتراف کرنے والوں میں سب سے پہلا شخص ”ایزیکل“ ہے۔ جو اس مادی فلسفہ کے وضع کرنے اور اس کی ترویج دینے میں ”مارکس“ کا شریک ہے۔ وہ اپنی کتاب ”انتی درہرف“ میں کہتا ہے۔

سائنس ابھی تک حیولی بسطہ اور عناصر کیمیاء میں سے تعلق رکھنے والے دیگر اجسام کا نتیجہ نکالنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ اور اس کے بعد کہتا ہے ابھی تک سائنس کے بس میں یہ بات نہیں کہ اصل حیات (روح) کی خصوصیات میں سے

کسی شے کی تحقیق کر سکے۔

اس کے بعد زمانہ گزرتا رہا اور سائنس میں ترقی ہوتی رہی۔ ۱۹۵۹ء کا سال آدھا مشرق و مغرب سے تعلق رکھنے والے تمام سائنسدانوں میں سے چھ ممتاز سرکردہ سائنسدانوں کی ٹیویارک میں گول میز کانفرنس ہوئی جس کا مقصد حیات کی اصل اور اس زمین پر اس کے ظہور کے متعلق باہم متبادل خیال کرنا اور معلومات حاصل کرنے میں باہم تعاون کرنا تھا۔ ان چھ سائنسدانوں میں روس کا معروف سائنسدان "کسہ" ایضاً نوٹیشن اور ہارین" بھی شامل تھا۔ جو روس کے شعبہ کیمسٹری و بیالوجی کا پروفیسر اور ڈین تھا اور جو نصف حیات کے معاملہ کو سب سے زیادہ اہمیت دینے والا تھا یہ کانفرنس جیسے شروع ہوئی۔ ایسے ہی بغیر کسی پیش رفت کے مزید اس اعتراف کے ساتھ ختم ہوئی کہ حیات کا معاملہ ہمیشہ سے مبہول ہے اور ہمیشہ مبہول رہے گا اور کبھی بھی سائنس کی اس تک رسائی کو کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس امر کی تصدیق کرنے والا سب سے پہلا شخص یہی روسی سائنسدان خود تھا اس کے قول کا خلاصہ جیسا کہ ڈاکٹر عبدالحلیم نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔

یقیناً سائنس ابھی تک اس سرعظم یعنی حیات تک رسائی حاصل نہیں کر سکی۔

اللہ کی عظیم حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ اس حقیقت کی مزید تاکید و تشریح خود روسی سائنسدان کی زبان پر کروائی جائے۔ پس اسی مذکورہ سال ۱۹۵۹ء میں دنیا کی خبر رساں ایجنسیوں نے درج ذیل خبر شائع کی۔ ان ایجنسیوں میں سرفہرست روس کی خبر رساں ایجنسی "ٹاس" تھی کہ

روس کے شعبہ کیمسٹری و بیالوجی کے ڈین کسندر اور ہارین نے مسلسل ۳۷ سال حیات کی اصل کی تحقیق اور تفاعل کیمیائی کے طریقہ سے پہلے خلیہ کی ایجاد کے امکان کے بارے میں تحقیق کرنے کے بعد یہ اعلان کیا کہ

حیات کا عدم سے آغاز یا اس کا تفاعل کیمیائی اور توالد ذاتی سے پیدا ہونا ممکن

نہیں۔ اور سائنس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ مادہ کی حدود سے ماوراء میں ہو و خواص کر سکے۔ تو بتائیے کہ اب اس کلام اور اس سے قبل کی گفتگو کے بعد اس فلسفہ مادیہ کی کون سی حقیقت باقی رہ گئی ہے جس کا "تخیل" "مارکس" نے کسی زمانے میں کسی اتفاقی سبب کے تحت پیش کیا تھا؟

تم دیکھ رہے ہو اس فلسفہ سے اس کا وہی نقاب ہم نے نہیں ہٹایا۔ جس کے پس منظر میں جہالت و وہم کی ایک بڑی تعداد پوشیدہ ہے۔ بلکہ یہ کام کرنے والا خود گھر والا ہے۔

بے شک اس کے گھر والوں میں سے گواہی دینے والے نے گواہی دی ہے۔ (اس گھر کو آگ لگی گھر کے چراغ سے) وکلی اللہ المؤمنین القتال۔ اس فلسفہ کی تفصیلات اور اس کے مقولات و قوانین کا مناقبہ اور ان پر تنقید کرنا اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں۔ بہر حال امن کو علمی براہین کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ تم اگر ان تمام امور کی تفصیل معلوم کرنا چاہو تو ہماری کتاب "نقض اوہام المادیة الجدل لیلہ" کا مطالعہ کر سکتے ہو۔

اب ہم اس فلسفہ کی دوسری شاخ "تاریخی مادیت" کا مناقبہ کرنا چاہتے ہیں۔

تاریخی مادیت

ہم کہتے ہیں کہ اس عنوان سے مقصود یہ دعویٰ کرنا ہے۔ کہ انسانی معاشرے کے اندر پائی جانے والی مختلف اقدار، افکار، لغت اور معارف سب کے سب اقتصادی معاشی حالت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور معاشی حالت خود تمام اسباب کے سبب۔

۱۔ (تاریخی مادیت کا یہ مطلب ہے کہ ہر دور میں انسانی زندگی کا مرکز اور محور اس دور کا نظام پیداوار دولت ہے۔ جس طرح اہل مذہب کا دعویٰ ہے کہ مذہب انسانی زندگی کے تمام پہلو پر اثر انداز ہو کر ان کی تشکیل کرتا ہے اسی طرح پیداوار دولت کا نظام کیونرم کے نظریہ کے مطابق اپنے زمانے کے افکار کی تشکیل کرتا ہے حتیٰ کہ اس دور کا مذہب اور نظام اخلاق بھی اس نظام پیداوار دولت کے تابع ہوتے ہیں۔

پیدا شدہ ہے اور وہ سبب الاسباب ذرائع پیداوار ہیں۔ اس بناء پر حقیقت مطلقہ پورے وجود میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس کی جگہ اور پورے وجود کی وسعت میں نسبت ارتقاء کا قانون پھیلا ہوا ہے۔ کیونکہ خود معرفت اقتصادی ظروف و احوال سے پیدا شدہ ہے۔ تو پھر حقیقت مطلقہ کہاں سے آئے گی۔ ان مادہ پرست لوگوں کا خیال ہے کہ انسانی معاشرہ اقتصادی حالت اور وسائل پیداوار کی سلطنت کے ماتحت ترقی کی مانند ترقی کرتا ہے (پیکاری ارتقاء ہوتا ہے اس کا ذیالکینہی) مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر ترقی کے ایسے اسباب موجود ہیں جو اپنی نقیض کے بیچ اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ ترقی کسی خارجی سبب یا اسباب کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ جیسے کہ علت کا معلول کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے۔ اسی لئے ذرائع پیداوار کی مضبوطی سرمائے کے اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ اور یہ حالت خود اپنے اندر اپنے خلاف انقلاب کے بیج اٹھائے ہوئے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے وسائل پیداوار کا انتقال، پروتاری طبقہ (محت کش) کی جانب ہو جاتا ہے۔ اور وسائل پیداوار اور ملکیت کے تعلقات کے درمیان پیدا ہونے والا یہ تناقض انسانی معاشرے کے اندر کش کا واحد سبب بنا رہتا ہے۔

اور اس کش کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک معاشرے سے ہمیشہ کے لئے طبقاتی نظام منٹ نہیں جاتا۔ اور جب تک دنیا کیونزم کے بڑے مرحلے میں داخل نہیں ہوتی۔ جب ایسا ہو جائے تو پھر کش سرد پڑ جائے گی اور اس کی (اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی تاریخ طبقاتی تصادم کی مسلسل داستان ہے۔ سلی و ایجابی طاقتیں آپس میں ٹکرائی رہتی ہیں۔ اور ان کے پیکار و ٹکرائے سے ایک مثبت نظام پیدا ہو جاتا ہے اور پھر ایک وقت میں جا کر اس میں سلی و ایجابی پہلو پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی پھر تصادم کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ "پیکاری ارتقاء" کا یہ فلسفہ رنگ سے مستعار ہے فرق صرف اتنا ہے کہ جنگل نے اسے ایمان کی دیبا تک محدود کیا تھا مگر کارل مارکس نے اسے سماج پر چسپاں کیا اور تمام تاریخ کو اس فلسفہ کی عینک سے دیکھا۔ اور اس کو ہر دور دیں قوی اور ضعیف، مادی و معنوی، مذہب و زوردار اور نادار، برسرِ پیکار نظر آئے۔ اور اس کے نظریہ کے مطابق یہ کشیں بھی عمل ارتقاء کا انداز ہیں، غرض ہے۔ (ادبیات)

آندھیوں میں سکون آجائے گا اور ہر قسم کے اختلافات و اضطرابات ختم ہو جائیں گے۔ ان افکار کو ہم میزبان ملازم (جس کی وضاحت ہم تحقیق کے منج کے تحت کر چکے ہیں) پر پرکھتے ہیں۔

۱۔ وسائل پیداوار ہی اس عالم میں موجود ہر حقیقت و ہر ارتقاء کا سبب اصلی ہے۔ وسائل پیداوار، انسان اور حیوان کی تاریخ میں ایک ساتھ پیدا ہوئے ہیں۔ انسان میں آغاز پیدائش ہی سے یہ وسائل ہاتھ اور پتھر کی صورت میں ظاہر ہوئے اور حیوان میں پنچے اور نوکیلے دانتوں کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وسائل پیداوار حیوان میں بہ نسبت انسان وسائل پیداوار کے زیادہ قوی ہیں۔ پس اگر یہ فلسفہ صحیح ہوتا تو پھر ان وسائل کی وجہ سے حیوان دنیا میں بھی اسی طرح معارف، زبان، عقل، دین اور اقتصادی نظام پیدا ہوتا چاہئے تھا۔ جس طرح انسانی معاشرے میں پیدا ہوئے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔

انسانی معاشرے اور دیگر حیوانات کی دنیا میں واحد فرق ہے اور وہ فرق عقل و تفکر کا ہے اور یہ فرق دنیا میں پیدا ہونے والے تمام مختلف تغیرات و ارتقائی مراحل میں ہمیشہ قائم رہا ہے۔ اور جب یہ واحد فرق بھی (تمہارے فلسفہ کے مطابق) دونوں مخلوقوں کے درمیان مشترک امر یعنی وسائل پیداوار کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔ تو پھر یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ انسان میں تو اس کا فیصلہ تسلیم کیا گیا کہ وہ اس کے سبب معارف، عقل، لغت، اجتماع اور اقتصادی نظام تک ترقی کر گیا لیکن حیوان میں اس کے حکم سے سرکشی پائی گئی کہ یہ نہ کوئی علم نہ کوئی عقل اور نہ کوئی نظام حاصل کر سکا؟ مادی فلسفہ جب تک اس کا سبب نہیں بتاتا۔ وہ باطل فلسفہ رہے گا۔ جس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔

۲۔ دیا لکتیکی فلسفہ (پیکاری ارتقاء کے ذریعہ) کی سلطنت کا تقاضا یہ ہے کہ انسانی

معاشرہ ہمیشہ تغیر و کشمکش میں مبتلا رہے اور یہ یعنی مطلق کیونزم کا قیام (جو مکمل ترین کیونزم ہوگا) جو اپنے اندر اپنی نقیض کے بیج اٹھائے ہوئے ہوگا۔ اس اعتبار سے کہ انسانیت کی ان ترقیوں میں سے ایک ترقی ہے۔ جو اقتصادی نقطہ کے گرد گھومتی ہیں۔ لیکن دوسری جانب ان لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ ترقی کی حرکت مطلق کیونزم کے پھیل جانے کے بعد مکمل طور پر موقوف ہو جائے گی حالانکہ ان کی یہ بات ان کے پہلے دعویٰ کی صریح مخالف و متناقض ہے۔ کیونکہ ان کے اس کلام کے مطابق دو چیزوں میں سے ایک ضرور ہوگی۔ یا تو یہ نظام دنیا کی رفتار پر حقیقی طور پر غالب رہے گا۔ اگر ایسا ہو تو پھر یہ بات صحیح نہیں کہ ارتقاء و تغیر کا شعلہ مطلق کیونزم کے قیام کے بعد بجھ جائے گا۔ یا دوسری بات صحیح ہے کہ طبقاتی نظام کا زوال ہر قسم کے ارتقاء کو بھی ختم کر دے گا اور ہر قسم کی کشمکش کو بھی۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر ان کا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ دنیا کی رفتار پر دیا لکتیکی فلسفہ (پیکاردی ارتقاء) کی سلطنت قائم ہے۔

۳۔ اگر یہ بات درست ہو کہ اقتصادیات کی مضبوطی اور سرمائے کا اضافہ انقلاب کے چمٹاق کو روشن کرتا ہے اور ذرائع پیداوار کی پرمٹاری طبقہ (محنت کش طبقہ) کی طرف انتقال کا سبب بن جاتا ہے تو پھر لازم تھا کہ اس انقلاب کا ظہور دنیا میں کسی بھی خطے میں ہونے سے پہلے اس کا قیام سوئزر لینڈ، امریکہ اور مغربی یورپ کے ممالک میں ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ اس کا ظہور ان ممالک کی بجائے روس اور چین میں ہوا ہے۔ اور ہوا بھی اس وقت جب ان ممالک میں اقتصادی حالت کمزور اور ہمسامد تھی۔ انقلاب کا چمٹاق وہاں روشن ہوا جہاں نہیں ہونا چاہئے تھا اور اس کے اسباب و عوامل آج تک اس جگہ سونے ہوئے ہیں۔ جہاں انہیں پیدا ہونا چاہئے تھا۔

۴۔ اس مفروضہ سے یہ بات لازم آتی ہے کہ عقل اور عقل کے تابع پیدا ہونے والی

فکر کی جولانیاں انسان کی اس کشمکش کا شمر ہونی چاہئیں۔ جس میں انسان اپنی اقتصادی حالت بہتر بنانے اور وسائل پیداوار کی ترقی کے لئے مبتلا ہوتا ہے۔ اسی لئے تاریخی مادیت کے سایہ میں حقائق مطلقہ ایسے امور نسبیہ ہوتے ہیں جن کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ وہ زمانہ کے ترقی یافتہ تقاضوں کے عکس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوتے۔ جب ہم اس کلام کو صحیح فرض کریں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دیا لکتیکی قانون ایسا کوئی حقیقی قانون ہی نہیں جو تمام تاریخ کا استیعاب اور انسانیت کے تمام تغیرات کا احاطہ کر سکے۔ بلکہ وہ دیگر تمام حقائق مذکورہ کی مانند ایک نسبی امر ہے۔ جس کی اپنی کوئی حقیقت ثابت نہیں۔

اور ہمارا یہ کہنا کہ عقل کے احکام و فیصلے حقائق مطلقہ ثابت نہیں ہیں اور پھر ہم جس چیز کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں یہ سب سے بڑی حقیقت ثابت ہے۔ جو تمام انسانی تاریخ کا استیعاب کرتی ہے۔ اس دعویٰ کے استنباط میں اسی عقل کے احکام و فیصلوں پر اعتماد بھی کرتے ہیں۔ یہ کتنا واضح تناقض ہے جو کسی بھی صاحب عقل پر غلطی نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم صرف یہ سوال کرتے ہیں کہ اجتماعی ترقی کی علت کیا ہے؟

ہر محقق کی زبان پر اس کا واضح جواب یہ ہے کہ اجتماعی ترقی کی علت فکر ہے۔ اس کے بعد ہم سوال کرتے ہیں کہ فکر کے اظہار کا سبب کیا ہے؟ تاریخی مادیت اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس دوسرے سوال کا جواب یہ دے گی کہ اس کے اظہار کا سبب وہ اقتصادی سبب ہے۔ جو ذرائع پیداوار میں پایا جاتا ہے۔ کھانے پینے کی ضرورت کا شعور۔ یہ سبب ہے جس نے عقل و فکر کے پہلے بیج کو حرکت دی۔ اور یہ وہی سبب ہے جس نے زبان کی طاقت اور تعبیر کی قوت کو بھی ظاہر کیا۔

ضروری ہے کہ دنیا میں موجود ہر صاحب عقل یہ سوال کرے گا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ مختلف چوپائے اور درندے اپنے شریک یعنی انسان سے اس منزل میں کیوں پیچھے

رہ گئے۔ جس میں دونوں کی برابری بڑی غنیمت تھی اور جو ایک ہی قانون کے نظام کے تحت تھی؟

دیالکتیک (پیکاری ارتقاء) کی طاقت نے انسان کو اس مقام تک پہنچا دیا جس میں وہ اب موجود ہے لیکن یہی طاقت دیگر تمام حیوانات کو ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھا سکی اس کی کیا وجہ ہے؟ نہ وہ کوئی فکر حاصل کر سکے۔ نہ کوئی لغت حاصل کر سکے اور نہ ان میں معیشت مستحکم ہو سکی۔

اس کا جواب ہر حال میں یہی ہے کہ عقل و فکر وہ مستقل حقیقت ہے جو انسان کے پاس اس کے خالق کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ مادہ یا اقتصادیات یا وسائل پیداوار کی دنیا میں فکر کی جڑیں یا اسباب تلاش کرنا بے سود ہے۔

واضح اور عظیم ترین حقیقت کو یہ پر استدلال کا یہ پہلا طریقہ تھا۔ اور وہ واضح ترین حقیقت وجود باری تعالیٰ ہے۔ اس طریقہ کو ہم نے آپ کے سامنے اس طرح اجمالی طور پر پیش کر دیا جو اس کتاب اور قاری کی طبیعت کے موافق تھا۔

اگر دنیا میں خود غرضیوں اور خواہشات کی چیزوں میں جکڑی ہوئی عقلیں نہ ہوتیں تو آزاد انصاف پسند عقل کے لئے ان تمام مقدمات کی ترتیب اور دلائل و براہین کی ضرورت نہ ہوتی۔ وہ ان سب سے بے نیاز ہے لیکن یہ اغراض کی چیزوں میں جکڑی ہوئی عقلیں آنکھیں بند کر کے شبہات گھڑتی اور مشکلات پیدا کرتی جاتی ہیں اور ان عقلوں کے سر بدیہیات کی خاصیت اور ضروریات کی مناقشت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی لئے وجود باری تعالیٰ کا مسئلہ بہت سارے گروہوں کے درمیان ایسے مشکل علمی موضوع کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جس کو بہت سے شبہات و مشکلات نے گھیرا ہوا ہوتا ہے۔

(اگر ہم ادبی فکر کی غرائز کی تفصیل سے واقف ہونا چاہتے ہو تو مصنف کی کتاب "نقص اوهام العادۃ الجدلۃ" کا مطالعہ کرو۔)

پس یہ وہ حقیقت ہے جو بعض عقول پر دشوار بن چکی ہے اور جس نے ہمیں اس معاملہ کو سنجیدگی پر مجبور کرنے اور بدیہی معاملہ کو نظری اور فطری قضایا کو فکری مشکلات میں کرنے پر مجبور کیا۔ ہم ان لوگوں کے ساتھ اسی انداز سے مخاطب ہوں گے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ فلسفی الحکما اب الہی ماوراء الباب (جھوٹ کو دور وازے کے پیچھے دھکیل دیں گے)

اس لئے ہم اسی طریقہ مذکورہ کے پیش کرنے پر اکتفاء نہیں کریں گے۔ جس کے بیان سے ہم فارغ ہو چکے ہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھتے ہوئے ایک دوسرا طریقہ بھی پیش کریں گے اور یہ وہی طریقہ ہے جس کا آغاز خبریقینی کے مرحلہ سے ہوتا ہے۔ اور جس کا نام ہم نے طریقہ تدریج من الادائی رکھا ہے۔

طریقہ تدریج من الادائی

جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے یہ طریقہ ہمارے سامنے موجود کسی علمی مسئلہ میں غور و فکر سے شروع ہوتا ہے۔ جب ہم اس کی تحقیق و تفصیل سے فارغ ہوتے ہیں تو ہمیں اس کے پس منظر میں ایک دوسرا مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔ جس کا تعلق اسی پہلے مسئلے سے ہوتا ہے اور جب ہم اس دوسرے مسئلے میں بھی غور و فکر کرتے ہیں اور اس کی تحقیق و تفسیر سے فارغ ہوتے ہیں تو ہمیں ایک تیسرا مسئلہ معلوم ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یہ مسائل ہمیں آہستہ آہستہ اسی حقیقت کے اثبات تک پہنچاتے ہیں جس کا ثبوت ابھی ہمارے سامنے ظاہر ہو چکا ہے اور وہ حقیقت باری تعالیٰ کا وجود ہے۔

اب ہم ایک عجیب و غریب کتاب کے سامنے موجود ہیں جس کا نام قرآن کریم ہے۔ جس کو صدیوں کے ہاتھوں نے ایک معین مصدر سے چارے تک نقل کیا ہے۔ اب ہمارے سامنے خبر سے تعلق رکھنے والا ایک مسئلہ ہے۔ جو اس کتاب کی صورت میں متشکل ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق ہم اس علمی منہج کے مطابق کریں جو نقول و اخبار کی تحقیق کے لئے متعین ہے۔ بوقت تحقیق ہمیں یہ معلوم ہو گا کہ یہ کتاب

(ایسی صحیح متواتر سند کے ساتھ جو اپنی روایت میں امکان کذب کو تسلیم نہیں کرتی) ہم تک اس ذات کی طرف سے پہنچی جن کا اسم گرامی محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جن کا ظہور جزیرہ عرب میں چھٹی عیسوی میلادی کے درمیانی عرصہ میں ہوا ہے۔ بوقت تحقیق ہمیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ صحیح متواتر روایت نے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ یہ کتاب نہ ان کی اپنی تالیف ہے اور نہ ہی اس کے کسی حصہ میں ان کے کسب کو کوئی دخل ہے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہے جو جبریل امین علیہ السلام کے واسطے سے آپ تک پہنچی ہے۔ جب ہم ان دونوں خبروں کی تحقیق سے فارغ ہوں گے تو ہمیں ایک اور علمی مسئلہ پیش آئے گا اور وہ اس وحی کا مسئلہ ہے جس کے بارے میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے خبر دی ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور وحی اور الہام نفسی کے درمیان فرق کیا ہے؟ اور اس دعویٰ میں کذب کے احتمالات عقلیہ کی کیا حیثیت ہے؟

اس مسئلے کا نقل سے کوئی تعلق نہیں تاکہ اس میں روایت و سند کے اعتبار سے تحقیق کی جاسکے۔ اور نہ یہ محسوس مادی حقیقت ہے تاکہ اس کی تحقیق تجربہ محسوس کے ذریعے کی جاسکے۔ بلکہ یہ خالق عقلی قضایا سے تعلق رکھتا ہے۔ جن میں تحقیق کا ایک ہی طریقہ متعین ہے اور وہ استقرار تام پر مبنی لزوم بین اور قیاس یقینی اولیٰ کے دلائل قاطعہ کا طریقہ ہے۔

جس وقت ہم اس بنیاد پر وحی کی حقیقت کی تحقیق کریں گے تو ہم اس بات پر یقین رکھنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ وحی ایسا کوئی شعور داخلی نہیں تھا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر پڑا گیا تھا۔ اور اس بات پر یقین رکھنے پر مجبور ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے جو کچھ فرمایا ہے۔ اس میں کوئی خلاف واقع بات بیان نہیں فرمائی۔ اور اس بات پر بھی ایمان رکھنا ضروری ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود لوگوں میں سے کوئی شخص آپ کے پس پشت پوشیدہ نہ تھا کہ جس نے آپ کو

اس چیز کی تعلیم دی ہو۔ جس کے بارے میں آپ فرما رہے تھے کہ یہ اللہ کی جانب سے وحی ہے اور اس بات کا یقین رکھنے پر بھی مجبور کر دے گی کہ ممکن نہیں کہ وحی کسی یا شیطان کا وسوسہ ہو۔ ان مذکورہ احتمالات کی نفی کا یقین رکھنے پر ہم تلازم، قیاس اولیٰ اور یقینی استقرار تام کی دلیل کی وجہ سے مجبور ہوں گے۔

(تم بخوبی جانتے ہو کہ ان براہین و دلائل کی تفصیل اور ان کو پیش کرنے کا مناسب مقام حصہ نبوت کی تحقیق کا مقام ہے جو مقرب انشاء اللہ آنے والا ہے۔ وہاں ہم تفصیلاً گفتگو کریں گے)

جب ہم مذکورہ طرز پر حقیقت وحی کی تحقیق سے فارغ ہوں گے تو ہمارے سامنے اللہ کے وجود پر ایمان کی ضرورت، ارشاد اور تائید کرنے والے معجزات و خوارق کے مطابق (ان معجزات میں خود یہ کتاب سرفہرمت ہے) واضح ہوگی اور جب ہمارا اللہ کے وجود پر ایمان مکمل ہوگا تو اس کے بعد ہمارے سامنے یہ کتاب جن اخبار، ادا، امر، نواہی وغیرہ کے ساتھ مخاطب ہے۔ ان سب پر ایمان کی ضرورت واضح ہوگی۔

یاد رکھیں کہ اس دوسرے طریقہ کے ذریعے تحقیق کرنے والا بالآخر اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان لانے پر اس وقت تک مجبور ہوگا۔ جب تک وہ ان مراحل کو آہستہ آہستہ طے کرے گا جن کی ہم نے اختصاراً وضاحت کر دی ہے۔ مگر چہ وہ پہلے طریقہ کے بیان کے تحت جن دلائل و براہین کی ہم نے وضاحت کی ہے ان میں غور و فکر نہ بھی کرے تو۔ کیونکہ مقدمات، یقینیہ کا اس کی معروف علمی شروط کے ساتھ ادراک مد رک کو اس کے نتیجے پر ایمان رکھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقدمہ کے یقین کے ساتھ اس کے نتیجے میں شک کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کا تصور جائز ہوتا تو پھر مکان واحد اور زمان واحد میں اجتماع نقیضین کا تصور بھی جائز ہوتا۔

جب محقق اس نتیجہ، قطعیت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جو اسے اللہ پر ایمان رکھنے پر مجبور کر دیتا ہے تو اس وقت وہ اپنے ذہن میں ان دوسرے دلائل و براہین عقلیہ کو بھی

موجود پانچا جو اس کے یقین پر یقین کا اضافہ کرتے چلے جائیں گے۔ ان امور طریقوں سے اس کے سامنے ایسا علمی منہج موجود ہوگا جس کے قریب یا جس کے گرد قسم کے شک و شبہ کے وجود کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔

آخر میں ہم آپ سے کہتے ہیں جب تم کسی صاحب عقل انسان کو دیکھو کہ اس کے سامنے تم یہ سارے دلائل و براہین پیش کر چکے ہو اور اس کے باوجود وہ ان براہین اور ان کے نتیجہ کے بارے میں شک و تردد میں مبتلا ہے۔ اور نہ ہی وہ ان کا کوئی رد و دفع کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کے ذریعے وہ کسی حق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ حالانکہ اس کی عقل اور فکر و حواس بھی صحیح و سلامت ہیں۔ تو تم یقین کر لو کہ اس انسان کی وہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایک اور دلیل مل گئی ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ عقل جب اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ حقائق کے انکشاف اور مقدمات کے ذریعے نتائج تک پہنچنے میں اپنا فطری عمل ضرور انجام دیتی ہے۔ اگر اس عقل کا کوئی ایسا عقیم موجد نہ ہوتا جس کو عقل کے عمل پر مطلق اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو عقل کو اس کے عمل سے روک سکتا ہے اور وہ اس کو زمانے کے ہر لمحہ میں ایک بہت ہی معمولی سی حقیقت کے سمجھنے سے بھی روک سکتا ہے۔ تو اس انسان کی عقل اس واضح بدیہی حقیقت کے سمجھنے میں توقف نہ کرتی۔ بالخصوص اس حقیقت کے براہین حقیقیہ قاطعہ میں غور و فکر کرنے کے بعد توقف نہ کرتی۔ (اس کا توقف اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے خالق و موجد نے اس کو اپنے فطری عمل سے روک دیا ہے اور یہی وجود باری تعالیٰ کی دلیل ہے)

یہ عجیب کوتاہی جو اس عقل سے صادر ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں میں جاری سنت کی مصداق ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی صاحب عقل کے سامنے راستہ روشن فرماتا ہے۔ جو معرفت حق میں غور و فکر کرنے میں راستہ کے آغاز سے ہی تکبر سے کام نہیں لیتا اور جو اپنی خواہشات کے اتباع کو اپنی عقل کی اتباع پر فکر کے ابتدائی مرحلہ میں ترجیح

نہیں دیتا۔ اور اللہ تعالیٰ اس صاحب عقل کے سامنے راستہ بند کر دیتا ہے جو پہلے قدم سے ہی تکبر اختیار کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی زبان حال یا زبان مقال سے یہ اعلان کر چکا ہے کہ وہ اس حق کی اتباع کرنے کی استعداد نہیں رکھتا جو اس کو اس کی مرغوبات سے روکے اور اس پر اس کی خواہشات لے لے جانے والے راستے کو تنگ کر دے۔ پس تم اس کو اس کے بعد دیکھو گے کہ وہ زندگی کے مختلف احوال کی ہر بارگی کو سمجھ رہا ہوگا۔ لیکن تم اس کو اس واضح و روشن ترین حقیقت (یعنی وجود باری تعالیٰ) کے بارے میں ایسے پاگل و مجنون کی طرح پاؤ گے جسے شیطان چھونے کی وجہ سے حواس باختہ کر دیتا ہے۔ غور کیجئے کہ یہ حقیقت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں کتنی واضح نظر آتی ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ بَايَعُوا رَبَّهُ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِنْ تَدْعُهُمْ فَلَنْ يَعْتَدُوا إِذَا أَتَا (الکہف۔ ۵۷)

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جائے اور وہ ان سے منہ پھیرے اور اس برے انجام کو بھول جائے جس کا سر و سامان اس نے اپنے لئے خود اپنے ہاتھوں کیا ہے؟ (جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی) ان کے دلوں پر ہم نے غلاف چڑھا دیے ہیں جو انہیں قرآن کی بات نہیں سمجھنے دیتے اور ان کے کانوں میں ہم نے یہ گرانی پیدا کر دی ہے۔ تم انہیں ہدایت کی طرف کھینچنا ہی بلاؤ۔ وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہیں پائیں گے۔

ہاں میرے مطالعہ کرنے والے بھائی! یہ حقیقت یقیناً اللہ تعالیٰ کے وجود پر واضح ترین برہان ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات

بہتر یہ ہے کہ تم مختصر اور جامع کلمہ کے ساتھ یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات کمال سے متصف ہے اور جمیع صفات نقص سے منزہ و پاک ہے۔ کیونکہ الوہیت باری تعالیٰ کے لئے لزوم بین بالمعنی الاخص کے طور پر کمال مطلق کے ساتھ متصف ہونا لازم ہے۔ اس کے بعد ہمیں اہم صفات کی تفصیل سے واقف ہونا اور ان کا مطلب اور ان امور و معتقدات کا بیان کرنا ضروری ہے۔ جو ان صفات کے لئے مستلزم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں اپنی بہت ساری مختلف صفات بیان فرمائی ہیں۔ مگر ان تمام صفات کی جزئیات دس ایسی بڑی صفات کے ضمن میں جمع ہیں جو قرآن کریم اور براہین قطعیہ کے ساتھ ثابت ہیں۔ علماء اسلام نے ان صفات کو چار قسموں میں تقسیم کیا۔

صفت نفسیہ۔ صفت سلبیہ۔ صفت معانی۔ صفت معنویہ

۱۔ صفت نفسیہ

اس سے مراد وہ صفت ثبوتیہ ہے جس کے ساتھ موصوف ہونا صرف ذات پر دلالت کرتا ہے۔ ذات سے زائد کسی معنی پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ جوہر کا جوہر ہونا اور جوہر کا شے موجود ہونا۔ صفت نفسیہ ایک ہی صفت ہے اور وہ وجود ہے جس کی بحث سے ہم فارغ ہو چکے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تمہارے سامنے سابقہ مختلف دلائل سے اللہ تعالیٰ کا وجود ثابت ہو چکا ہے اور یہ

ذات اللہ تعالیٰ کے اس صفت کے ساتھ متصف ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی اور چیز نہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ وجود کامل اور وجود ناقص

اس مقام پر تمہارا یہ معلوم کرنا مناسب ہے کہ وجود کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وجود ذاتی ۲۔ وجود تہیی

اللہ تعالیٰ کا وجود وجود کامل ذاتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ موجود لذاتہ ہے کسی علت مؤثرہ کی وجہ سے موجود نہیں اور وجود ذاتی کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ وہ عدم کو قبول نہیں کرتا۔ اور اس کے سوا جو وجود ہے وہ وجود ناقص تہیی ہے۔ یعنی وہ غیر سے مدد لینے والا اور اپنے موجد پر توقف کرنے والا ہے۔

وجود ناقص تہیی کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ وہ دو عدموں کے درمیان ضرور قائم ہوگا۔ یعنی عدم سابق اور عدم لاحق کے درمیان ہوگا۔ اور یہ اللہ کے ماسوا سب کا وجود ہے۔ ہمارے لئے یہ ذریعہ نہیں دیتا کہ ہم اللہ کے وجود کی حقیقت اور ممکنات کے وجود کی حقیقت میں غور و فکر کی اس حد سے تجاوز کریں یا ذات اور وجود کے درمیان فرق کے غور و فکر میں مبالغہ کریں۔ کیونکہ مبالغہ کے باوجود انسان اس بارہ میں نہ خبر میں، نہ نقل یقینی میں، نہ دلیل تجربہ و مشاہدہ میں اور ملازم و قیاس اور استقراء کی برہان میں کسی قسم کی علمی تحقیق اور علمی منہج کی تیاری کی طاقت نہیں رکھتا۔ انسانی طاقت اس بارے میں جس چیز تک پہنچائے گی۔ وہ صرف اور صرف ظن و تخمین اور خیال کی وہ تحریک ہوگی جن کے ذریعے انسان ایسے مطلق سمندر میں جا گرتا ہے جس کا کوئی کنارہ ہی نہیں۔ تم اگر اس کھو بے میں پڑ گئے تو پھر ختم ہیں دو باتوں میں سے ایک کا سامنا کرنا پڑے گا یا تو اس فتنہ میں پڑ جاؤ گے جس میں بعض فلاسفہ (وجود بین) پڑ گئے ہیں یا اس وہم میں جا گرو گے جس میں بعض صوفیاء جا گئے ہیں۔ ان بعض فلاسفہ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت اس وجود سے عبارت ہے جو مابیت سے مجرد ہے یعنی جب ہم اس کے

وجود کے بارے میں سوال کریں کہ وہ کس چیز کا وجود ہے؟ تو جواب ہوگا وہ اس کی ذات کے سوا کسی شے کا وجود نہیں۔ اور ان مذکورہ صوفیاء کو وہم نے اس حد تک پکڑ لیا کہ وہ کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی حقیقت خود عالم کا وجود ہی ہے۔ پس یہ کائنات جسے تم آپ ارد گرد دیکھ رہے ہو، وہ درحقیقت اللہ کے وجود سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ جو ان افعال و صورتوں میں موجود ہے۔

غور کیجئے عقل کی طاقت اور عقلی نتائج سے جدا فکر و خیال سے کیا کچھ صادر ہوتا ہے۔ ان فلاسفہ کے خیال میں اللہ تعالیٰ کا وجود ایک خالی برتن ہے جس میں سوائے وجود کے نام کے اور کوئی چیز نہیں۔ اور ان صوفیاء کے خیال میں اللہ تعالیٰ کا وجود نظر آنے والی کائنات و مخلوقات کی تمام اقسام و انواع سے بھرا ہوا ایک برتن ہے۔

لیکن عقل اپنی تحقیقی تمام براہین و نتائج اور تیاریوں کے ساتھ یہ فیصلہ دیتی ہے کہ برہان کے ساتھ یہ یقین ثابت ہو چکا ہے کہ ممکنات کا وجود اس واجب الوجود ذات کی طرف منسوب ہے۔ جو تمام صفات کمالیہ سے متصف اور تمام صفات ناقصہ سے منزہ ہے۔ لہذا تمام کائنات کی تدبیر فرمانے والی اس عظیم ذات کے وجود پر ایمان لائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ اور اس بات پر بھی ہر حال میں ایمان رکھنا ضروری ہے کہ یہ عظیم ذات غیر وجود ہے اور اس سے جدا اور مستقل ہے۔ لیکن یہ بات کہ ذات و وجود کے درمیان کیا تعلق ہے اور ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ عقل اس بارے میں کہتی ہے کہ اس سلسلہ میں میں بے بس ہوں۔ کیونکہ یہ میرے فہم و قدرت سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ اس انسان پر رحم فرمائے جس نے اپنی حد پہنچانی اور وہاں پر ٹھہر گیا۔ (ہماری یہ بات جنہیں بعض لوگوں کی تقلید پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان لوگوں کی تقلید کرنے لگو کہ جن کے بارے میں معروف ہے کہ وہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ جیسا کہ شیخ ابی الدین ابن عربی وغیرہ۔ مگر چنان لوگوں کی کتب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ لیکن یہ احتمال ہے کہ اس الزام سے یہ بری ہوں۔ لیکن ہے کہ اس نظریے کو ان کی کتابوں میں بعض ذہنی لوگوں نے داخل کر دیا ہو۔ جو اس قسم کی خیانت کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے پروہدائی حال طاری (باطنی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



(جسے حاشیہ گزشتہ سے) ہونے کی وجہ سے ایسی بات کہہ دی ہو جس کا وہ عقیدہ نہ رکھتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس عقیدہ سے بعد میں انہوں نے رجوع کر لیا ہو۔ جب یہ تمام احتمالات قائم ہیں تو یہ کتاب بڑا ظلم ہوگا کہ ہم ان احتمالات سے تمنا کرتے ہوئے ایک دوسرے کو اختیار کرتے ہوئے اس کے ذریعہ سے ان کی تکفیر و جائز قرار دیں۔ اور یہ واضح بات ہے کہ اگر تم چوری زندگی کسی ایسے کافر کو کہ جس کا کفر یقین ہے۔ کافر نہ کہو تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس وجہ سے تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ لیکن اگر تم نے اپنی زندگی بھر میں ایک مرتبہ بھی کسی ایسے شخص پر کفر کا اطلاق کر دیا جو خدا کا کافر نہیں تو تم نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب عظیم پر پیش کر دیا۔ تو اس کے بعد ان حضرات پر کفر کے القاب تعظیم کرنے کا کون سا موجب ہے جن کا اپنی زندگی میں مسلمان و متقی ہونا معروف ہے اور لوگوں کے درمیان ان کی بھی حالت مشہور ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ اپنے رب کے حضور کس حالت میں لوئے ہیں۔

علم کے بیان اور لوگوں کو تقلید سے ڈرانے کے لئے ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہم ان کے سامنے حق رکھیں اور باطل کا ابطال کریں اور باطل کی ابتلا سے ہم انہیں ڈرائیں۔ قطع نظر اس بات کے کہ اس بات کا قائل کون ہے۔ اتنی بات ظلم اور دین کی امانت کی ادائیگی اور لوگوں کو حق کی جانب متوجہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ کا تمہیں تکلف نہیں بنایا۔ تمہارے بس میں وہی ہے جو اس سے قبل ہمارے آئمہ اعلام کے بس میں تھا کہ کسی شخص کی تقلید کے بغیر اس قسم کی شیطانی بیان کرنے والی کتب جیسا کہ (مخفی) ابی الدین ابن عربی کی فتوحات مدنیہ اور قصص الحکم وغیرہ) کو پڑھنے کی حرمت بیان کر دی جائے اور لوگوں پر لازم ہے کہ وہ ان کتب سے اجتناب کریں۔)

ب- صفات سلبیہ

صفات سلبیہ سے مراد ہر وہ صفت ہے کہ جس کا مدلول اللہ تعالیٰ کی شان کے غیر لائق امر کا عدم ہے۔ اور ان صفات کی جزئیاں بہت ہیں۔ کیونکہ ہر نقص کی نفی اس کے عکس سے کی جائے گی۔ اور نقصان کی اشکال و انواع بہت ہیں۔ لیکن ان میں پانچ صفات ایسی ہیں جو تمام صفات سلبیہ کا اصل ہیں۔ اور ان کا ذکر ہی باقی جزئیاں کثیرہ کے لئے کفایت کر جاتا ہے۔ اس لئے ہم ان پانچ صفات کا ذکر اور ان کی تشریح کرتے ہیں۔

۱- وحدانیت

اس کا مطلب اللہ کی ذات و صفات میں کیت کے تصور کا سلب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نہ اجزاء سے مرکب ہے۔ نہ ہی جزئیات سے مکون ہے۔ اور اسی طرح اس کی صفات بھی مثلاً اللہ تعالیٰ کے لئے اس حیثیت سے نہ دو علم ہیں اور نہ دو قدرتیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے کمال حاصل کر لے۔ پس یہی صفات سے اجزاء کی نفی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے اللہ کے علم کی مانند کوئی علم ہے اور نہ اللہ کی قدرت کی مانند کوئی قدرت ہے۔ اور یہی صفات سے جزئیات کی نفی ہے۔

جز اور جزئی کی تعریف

شے کا جز یہ ہے کہ شے اس سے اور اس کے غیر سے اس طور پر مرکب ہو کہ اس

شے کا نام تھا اس پر صادق نہ آئے۔ جب تک اس کے ساتھ اس کے دیگر اجزاء نہ پائے جائیں مثلاً کمرے کے مقابلہ میں اس کی دیوار، یا انسان کے مقابلہ میں اس کا ہاتھ اور کتاب کے مقابلہ میں اس کی جلد اور اجزاء کے مجموعہ پر ان کے منظم و مکمل ہونے کے بعد کل کا نام بولا جاتا ہے۔ پس کمرہ کل ہے اور دیوار اس کی جز۔

اور جزئی وہ اعداد و افراد ہیں جو جنس یا نوع کے نیچے اس طرح داخل ہوتے ہیں کہ جنہیں یا نوع کا اطلاق اس کے افراد میں سے ہر فرد پر الگ الگ صحیح ہوتا ہے۔ مثلاً انسان حیوان کی ایک مفرع کا نام ہے۔ جس کے نیچے بہت سے افراد داخل ہیں۔ اور یہ واضح ہے کہ انسان کے اسم کا اطلاق جس طرح نوع پر کیا جاتا ہے اسی طرح اس کے تحت داخل فرد واحد پر بھی کیا جاتا ہے۔ پس ہم انسانوں میں سے کسی شخص کو بھی انسان کہہ دیتے ہیں۔ اور تمام افراد کو شامل ہونے والی نوع یا جنس پر کلی کے نام کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

کل اور کلی میں فرق

اسی سے ہمیں معلوم ہوا کہ جزء کے مقابلہ میں کل ہوتا ہے اور جزئی کے مقابلہ میں کلی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے مقصود یہ یقین کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ اجزاء سے مرکب کل ہے نہ جزئیات سے مکون کلی ہے۔

وحدانیت پر نفی دلیل

اللہ کی وحدانیت پر جامع دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (ترجمہ: تم فرماؤ وہ اللہ ہے۔ وہ ایک ہے)

اس آیت کریمہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف صفت وحدانیت کو منسوب کر کے اس کی

ذات سے صفت کلیت اور کل میں سے ہر ایک کی نفی کر دی ہے۔

وحدانیت پر عقلی دلیل

۱- ان دونوں کی نفی (یعنی اللہ تعالیٰ نہ تو قابل تجزی کل ہے اور نہ ہی کلی ہے کہ اس کے تحت افراد یا اعداد داخل ہوں) پر عقلی دلیل درج ذیل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا اجزاء سے مرکب کل ہونا صحیح ہو تو پھر اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا عاجز ہونا اور غیر کا محتاج ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ بات اللہ کے حق میں باطل ہے۔ جیسا کہ تم جانتے ہو۔

۲- اگر اللہ تعالیٰ کا افراد سے کون کلی ہونا صحیح ہو تو پھر ان افراد کے درمیان ارادہ و خلق میں تمناع کا قیام ممکن ہوگا کہ ان میں سے ایک کسی چیز کے ایجاد کا ارادہ کرے گا اور دوسرا اسی چیز کے اعدام کا ارادہ کرے گا۔ اس صورت میں یا تو دونوں امر حاصل ہوں گے۔ اگر ایسا ہو تو تقضین کا اجتماع لازم آئے گا۔ اور اجتماع تقضین محال ہے۔ یا ان میں سے ایک امر حاصل ہوگا تو اس صورت میں دوسرے کا عاجز ہونا ظاہر ہوگا۔ اور یہ بات الوہیت کے منافی ہے۔ یا ان دونوں میں تصادم ہوگا کہ نہ یہ امر حاصل ہو اور نہ وہ امر حاصل ہو۔ تو اس صورت میں دونوں کا ایک ساتھ عاجز ہونا ظاہر ہوگا اور جب تک تمناع کا وقوع ممکن رہے گا۔ ان دونوں کے لئے صفت کمال غیر ضروری رہے گی۔

اس برہان کو اللہ تعالیٰ نے ایک مختصر اسلوب کے ساتھ اپنے اس ارشاد میں بیان فرمایا ہے۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (الانجاء: ۲۲)

(اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو وہ ضرور تباہ ہو جاتے)

۲- صفت قدم

اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی اول و آخر نہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے

اور ہمیشہ تک رہے گا۔ اللہ کے لئے اس صفت کے ثبوت پر یہ آیت کریمہ دلیل ہے۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (اللہ: ۳)

(وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن ہے)

اور اللہ تعالیٰ اگر مسبوق بالعدم ہو تو پھر اس کی ایجاد میں کسی مؤثر کا ہونا ضروری ہوگا۔ اس کے باوجود اس کا الٰہ ہونا محال ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں الٰہ وہی ہوگا جو اس سے سابق اور اس کا موجود ہے۔ تو پھر قدیم بھی وہی ہوگا۔ اور اسی کا بیان مطلوب ہے۔ یا وہ سابق بھی مسبوق بالعدم ہوگا اور کسی اور موجود نے اس سے ایجاد کیا ہوگا۔ یوں یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ تو اس سے تسلسل کی فرضیت لازم آئے گی اور تسلسل اس علمی سے برہان سے باطل ہے جس کو سابقاً بیان کر چکے ہیں۔

اس لئے تمام موجودات کا اپنے وجود میں ذات واجب الوجود کی طرف منسوب ہونا ضروری ہے۔ اور یہ ذات واجب الوجود اسی صورت میں ہوگی کہ وہ غیر میں مؤثر اور اپنے سوا کسی سے متاثر نہ ہو اور یہ بات اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ ذات متصف بالقدم ہو۔

یہ واضح علمی برہان ہے۔ عقل کا اس پر جزم ضروری ہے۔ اور تردید ناممکن ہے۔ لیکن اس کے باوجود کبھی عقل اس کے تصور اور اس کی حقیقت و کیفیت کے تصور سے عاجز ہوتی ہے۔ اسی لئے تم بعض سطحی ذہنیت کے لوگوں کو دیکھو گے کہ ان کے دلوں میں یہ سوال گھومتا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پیدا کرنے والا کون ہے؟

اس سوال کا مصدر سائل کا خیال ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق قدم کی صورت اور اس کے مطلب کو سمجھ نہیں سکتا۔ جبکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہر اس حقیقت سے مطلع ہونے کا مشتاق رہتا ہے جو اس کے سامنے پیش کی جائے اور وہ ہمیشہ اس کے بارے میں غور و فکر کرتا رہتا ہے۔ یہ اشکال درج ذیل حقیقت کی وضاحت سے زائل ہو جائے گا۔ انسان کے تمام مدارک اس کے تصورات کے پیدا کردہ ہوتے ہیں اور تصورات

حواس خمسہ کے ذریعے ذہن میں جمع ہوتے ہیں اور انسان انہی بجزوات کو سمجھ سکتا ہے جن کے نمونے اس کے ذہن میں موجود ہوتے ہیں۔ تو جس کا انسان کے ذہن میں پہلے سے کوئی نمونہ موجود نہ ہو تو اس کا تصور اور ادراک انسان کے لئے محال ہوتا ہے۔ اسی قیاس کی بناء پر تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا سمجھنا آسان ہے۔ کیونکہ تم رحمت کے معانی و آثار کے تصورات کو اپنے ذہن میں محفوظ کر سکتے ہو۔ اور اسی طرح تم اللہ کی صفت عدل، صفت جلال، صفت اکرام اور اس کے بیدید العقاب ہونے کی صفت کا با آسانی تصور کر سکتے ہو۔ کیونکہ ان تمام صفات کا ایسے معانی سے تعلق ہے۔ جن کی صورتیں تمہارے ذہن میں پائی جاتی ہیں۔ گرچہ اللہ میں پائی جانے والی یہ صفات مخلوق کی ذوات میں پائی جانے والی صفات سے مختلف ہیں۔ لہذا اگر تم سے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہ کوئی مکان کر سکتا ہے نہ کوئی زماں۔ تو یہ ایسی صفت ہے جس کا ادراک تم نہیں کر سکتے ہو۔ کیونکہ تمہارے ذہن میں اس صفت کا کوئی معنی یا کوئی صورت محفوظ نہیں۔ اس لئے کہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے مختص ہے۔ اور اسی طرح جب تم سے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔ جس کے لئے کوئی اول نہیں تو تم عدم اولیت کی صورت کا تخیل کرنے لگو گے۔ لیکن اس کا تصور و تخیل نہ کر سکو گے۔ کیونکہ تمہارے ذہن و خیال میں یہ ایک نو وارد معنی ہے جس کی حقیقت سے ذہن کو نہ کبھی سابقہ پڑا نہ اس کی ذات سے کوئی مماسرست رہی ہے۔ اس لئے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ تمہارا خیال یا تمہارا ذہن اس معنی کو سمجھ سکے گا۔

ہاں البتہ اس کے امکان تصور کا انتظار کئے بغیر تمہارے لئے اس کا یقین کرنا اور اس پر اعتقاد جازم رکھنا نہایت ہی آسان ہے کیونکہ تم نے اس برہان علمی کہ جس کو ہم نے سابقاً ذکر کیا ہے کہ ذریعے اس کی حقیقت کا ادراک کر لیا ہے۔ اور اس پر ایمان لا چکے ہو۔ کیونکہ تم با آسانی سمجھ سکتے ہو کہ تمہاری عقل نے تمام حقائق وجود کا استیعاب نہیں کیا اور نہ ہی تمہاری عقل نے تمام حقائق وجود کا استیعاب نہیں کیا اور نہ ہی تمہاری

فکر نے وجود کی تمام صورت و اشکال کو محفوظ کیا ہے۔ اسی لئے فلاسفہ اور جمہور عقلاء کہتے ہیں۔

عدم الوجود ان للشیئی لا یستلزم عدم وجودہ فی الواقع
(کسی شے کا عدم وجود ان واقع میں اس کے عدم وجود کو مستلزم نہیں)

عقل تو حواس خمسہ کے واسطے سے ادراک کرتی ہے اور حواس خمسہ محدود و مقدر اور محدود مسافت تک احساس کر سکتے ہیں تو کیا اس محدود کے علاوہ جو ہے وہ لاشیء ہوگا۔ (یعنی جو حواس خمسہ کے دائرے میں نہیں آ سکتا وہ لاشیء ہوگا)

غیر متناہی جاری تسلسل کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان میں موجود طاقت فکر یہ محدود و متناہی ہے لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ عقل اس کے محال ہونے کا جزم رکھتی ہے۔ بہت سارے امور کے امکان یا وجود کا عقل ادراک کر سکتی ہے لیکن وہ فی الوقت ان کے تصور یا ان کی حقیقت کے ادراک سے عاجز ہوتی ہے۔

۳۔ صفت بقاء

اس کا مطلب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کے ساتھ عدم کے لاحق ہونے کا متمنع ہونا ہے۔ اس کی دلیل دلیل وہی آریہ کریمہ ہے جو قدم کی دلیل ہے۔ یعنی اللہ کا یہ فرمان
هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (اللہ ی-۳)

اور اس کی دلیل عقلی کے متعلق وہی کہا جائے گا جو ہم نے قدم کی دلیل میں کہا تھا۔ کہ جس طرح واجب الوجود میں کسی مؤثر بالا ایجاد کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اس میں کسی مؤثر بالا عدم کے وجود کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ورنہ وہ واجب الوجود نہ ہوگا۔ اور اس صفت کا سمجھنا بھی اسی طریقہ کے ساتھ ممکن ہے جس کے ساتھ ہم صفت قدم کو سمجھ سکتے ہیں کیونکہ خیال میں ان دونوں صفات پر دلیل موجود ہے)

لہذا خیال کا ان دونوں کے تصور اور ان دونوں کی حقیقت کو سمجھنے کی طاقت رکھنا محال ہے۔ گرچہ عقل اسی دوران ان کے ثبوت کا یقین و جزم رکھتی ہے۔ اسی سے تمہیں

معلوم ہوگا کہ مکسی شے کے تصور پر عقل کا قدرت نہ رکھنا ہرگز اس کے عدم کی دلیل نہیں۔ جیسا کہ واضح ہے۔

۴۔ قیام بالذات

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی موجد کا محتاج نہیں کہ وہ ایجاد کرے اور نہ کسی محل کا محتاج ہے کہ اس کے ساتھ قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کے وجود سے قبل اور وجود زمان (یہ وہ افلاک ہیں جو وقت کی سیر کو متعین کرتے ہیں) اور مکان سے قبل موجود تھا اللہ تعالیٰ کے لئے اس صفت کے ثبوت کی واضح عقلی دلیل کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

اللَّهُ الصَّبَدُّ (اخلاص) یعنی اللہ وہ ہے جو کسی شے کا محتاج نہیں اور ہر شے اس کی محتاج ہے۔

یاد رکھئے کہ اللہ کے بارے میں یہ معرفت حاصل ہو جانے کے بعد کہ وہ واجب الوجود ہے، قدیم ہے۔ کسی شے سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور ہر شے اس سے متاثر ہے۔ اس کے حق میں مذکورہ صفت (قیام بالذات) کے اثبات میں عقل کے توقف کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

سوال: اگر تم یہ کہو کہ میں یہ کیسے سمجھ سکتا ہوں کہ اللہ کے لئے کوئی مکان نہیں۔ میری معلومات تو یہ ہیں کہ ہر موجود کسی نہ کسی مکان میں مقیم ہوتا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ تمہاری معلومات تو اجسام و حوادث کے حالات کے استقراء سے حاصل ہوئی۔ نیز حادث اور ممکن اشیاء کی صفات کا واجب الوجود کے ساتھ تعلق واجب نہیں۔ اگر تم قیاس کرنا چاہو تو پھر یہ ایسا قیاس ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ کیونکہ اصل و فرع کے درمیان کوئی جامع علت نہیں پائی جاتی۔ بلکہ عقل تو ان صفات میں واجب الوجود کا ممکنات سے اختلاف ثابت کرتی ہے۔

اس معرفت کے بعد تمہارا اللہ تعالیٰ کے مکان میں عدم تجیز کے تصور پر قدرت نہ رکھنا تمہارے لئے ضرر رساں نہیں۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ خیال اس آئینہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جس میں دکھائی دینے والی ان اشیاء کی صورتیں منتقل ہو جاتی ہیں جو اشیاء تمہارے حواس کے سامنے سے گزرتی ہیں اور یہ تو ان امور میں سے ہے جو ابھی تک تمہارے حواس سے نہیں گزرے۔ لہذا اس کا تصور و خیال تم کیسے کر سکتے ہو؟

اگر اللہ کے لئے مکان ثابت ہو جائے اور تمہارے لئے اللہ کے اس مکان میں محدود ہونے کا تصور ممکن ہو جائے تو پھر تمہاری عقل کا احاطہ اشیاء خالق اشیاء کے احاطہ اشیاء سے بڑا ہوگا۔ (کیونکہ اس صورت میں عقل نے اشیاء کے علاوہ خالق اشیاء کا بھی احاطہ کیا ہوا ہوگا)

اور یہ بات اس کے عدم الوہیت کی دلیل ہوگی۔ لہذا فطرت عقل کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ وجود باری تعالیٰ پر یقین رکھے اور اس کی ذات کا تصور نہ کرے۔ بلکہ حیرت زدہ رہے۔

ذات الہیہ کے تصور میں تمہارا حیرت زدہ رہنا تمہارا اپنی عقل اور روح کے بارے میں حیرت زدہ رہنے اور اس طاقت کے بارے میں حیرت زدہ رہنے سے زیادہ کوئی چیز نہیں جس طاقت کو اللہ تعالیٰ نے ایسا راز بنایا ہے جس پر ان موجودات کے اکثر حصہ کا وجود قائم ہے جنہیں تم اپنے ارد گرد دیکھتے ہو۔

تمہارے جسم میں روح یا عقل کا مکان کون سا ہے؟

اور چاند اور اشیاء کا مستقر حیات کہاں ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا جواب نہ تمہیں معلوم ہے اور نہ کسی اور کو۔ حالانکہ عقل، روح اور حیات کے وجود پر سب کا یقین ہے۔ ان امور میں حیرت کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقل الہی حدود میں محدود ہے۔ جن حدود میں اس کے خالق نے اسے محدود رکھنا چاہا ہے۔ تو پھر مخلوق اپنے خالق کے تصور میں حیرت زدہ کیوں نہ ہو؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر

ایمان لانے کے بعد حیرت میں مبتلا ہونا ایمان کا بلند ترین مرتبہ ہے۔ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے وجود پر یقین رکھنا اور اس کے بعد اس کے فہم و تصور میں حیرت زدہ رہنا کافی ہے۔ اور یہ وہ حقیقت (ایمان بالغیب) ہے جس کا اللہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کیونکہ یہ بندوں کا اپنے محسوسات و عقول سے غائب امور پر ایمان رکھنا ہے اور یہاں سے ہی مومن کی ملحدہ فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اگر نقاب زائل ہو جاتا۔ پردے اٹھ جاتے اور غیب حاضر و مشاہد بن جاتا تو پھر اس صورت میں مومن کو کافر پر کوئی فضیلت حاصل نہ ہوتی کیونکہ اس کی وجہ سے تکلیف کا ایک اہم رکن ساقط ہو جاتا۔

۵۔ مخالفت حوادث

اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کا حوادث کے مماثل نہ ہونا ہے۔ اللہ نہ جسم ہے، نہ عرض ہے، نہ کلی ہے، نہ جزئی ہے۔ (جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے) اسی لئے اس کی ذات ان مذکورہ صفات کو لازم ہونے والی ان مختلف صفات و احوال اور عوارض جزئیہ سے منزہ و پاک ہے۔ جو انسان وغیرہ دیگر موجودات کو عارض ہوتے ہیں جیسا کہ غیث، غفلت، بھوک، پیاس، حاجت اور جسمانی و نفسانی عوارض وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کے لئے یہ صفت برہان عقلی و نقلی ہر دو دلیلوں سے ثابت ہے۔ دلیل عقلی تو لزوم بین بالمعنی الخاص ہے۔ کیونکہ الوہیت تمام خفاکھ سے پاک ہونے کو مستلزم ہے۔ اور نقص کا واضح ترین مظہر وہ صفات ہیں جن کے ساتھ حوادث کا تعلق ہوتا ہے اور یہ صفات درحقیقت حوادث کے حدوث اور ان کے موجود و شخص کا محتاج ہونے کا نتیجہ ہوتی ہیں اور اس کی دلیل نقلی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (اشوریٰ: ۱۱)

اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے۔

آیہ کریمہ میں کاف، تصحیف، کا لفظ "مثل" پر اذخالیہ کی روشنی میں نظیر کی نفی میں مبالغہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی ہے)

"کفو" اور مماثل کا معنی ایک ہی ہے۔

وال: اس کے بعد تم یہ سوال کر سکتے ہو کہ ہم تو بہت ساری صفات مثلاً علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر وغیرہ میں اللہ تعالیٰ اور انسان کا اشتراک دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ انسان حادث ہے۔ اور یہ اس مذکورہ بات کے منافی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ انسان دو طرح کی صفات سے متصف ہے۔

۱۔ وہ صفات جو درحقیقت انسان میں پائی جانے والی مخلوقیت اور حدوث کا اثر ہیں۔ مثلاً مکان و زمان میں تحیز اور مختلف جسمانی و نفسانی حاجات اور عجز و ضعف کے عوارض اور فطری مظاہر وغیرہ۔ پس یہ صفات انسان کی اس فطرت سے پیدا ہوتی ہیں جو حدوث کی وجہ سے ممتاز ہوتی ہے۔

۲۔ وہ صفات جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں لیکن اس نے انسان کو ان کے بہت قلیل سے فیوضات سے نوازا ہے تاکہ انسان ان کے سبب ان تکالیف کو اٹھانے کے قابل ہو جائے۔ جن کے لئے اس کی تخلیق ہوتی ہے اور تاکہ اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے عالم وجود کے مظاہر کو اپنے لئے مسخر کر سکے اور ان سے مستفیض ہو سکے جیسا کہ اس کا بیان اسی کتاب کی تہذیب ثانی میں گزر چکا ہے۔ مثلاً علم، قدرت، ارادہ، ادراک یا ان کی مثل دیگر صفات، یہ صفات اس کی حدوث کے ذریعے ممتاز ہونے والی فطرت سے پیدا نہیں ہیں۔ بلکہ ان صفات کا فطرت سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ اور وہ مطلقاً اس کے خصائص میں سے نہیں۔

دوسرے الفاظ میں ہم اس بات کو یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ ان صفات کی جس قلیل مقدار سے انسان مستفیض ہو رہا ہے۔ وہ انسان کو ان صفات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک سمجھنے کی دو وجہ سے اجازت نہیں دیتی۔

۱- یہ صفات اللہ تعالیٰ کی نسبت صفات ذاتیہ ہیں۔ اور انسان کی نسبت صفات ذاتیہ ہیں کیونکہ یہ درحقیقت انسان پر اللہ تعالیٰ کے فیوضات سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ لہذا اس معنی کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کی شرکت کا موجب بننا نہایت ہی بعید و ناممکن ہے۔

۲- انسانی صفات اللہ تعالیٰ کی صفات سے حقیقت و جوہر میں مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ یہ صرف تسمیہ میں مشترک ہیں۔ اگر اطلاق میں تجاوز اور انسان کے ساتھ خاص اصطلاحات کا لحاظ نہ ہوتا تو ان کا تسمیہ میں بھی اشتراک قائم نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے اس علم کی کیا حیثیت ہے جس کے ساتھ انسان متصف ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قوت اور اس کی عظیم قدرت کے سامنے اس قوت کی کیا حیثیت ہے جس کے ساتھ انسان متصف ہو رہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حوادث کے ساتھ اللہ تعالیٰ مماثلت کی نفی میں ان صفات میں مماثلت کی نفی ملحوظ ہے جو صفات حدوث اور خصائص حدوث کو مستلزم ہیں۔ اور وہ دیگر صفات جو رب تعالیٰ کے مستلزمات میں سے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے آثار کا بعض مخلوق (جیسا کہ انسان) پر فیضان فرمایا ہے۔ وہ اس نفی کے عموم میں داخل نہیں ہیں۔



ج۔ صفات معانی اور صفات معنویہ

صفات معانی سے ہم آغاز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان سے مراد ہر وہ صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کے لئے کسی معین حکم کو مستلزم ہے۔ مثلاً صفت علم، یہ صفت اپنے ساتھ متصف کے علم ہونے کو مستلزم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے کمال ہوتے ہیں لیکن وہ سب سات مرکزی صفات میں مجتمع ہو جاتی ہیں۔ ان صفات پر کتاب اللہ کی تفصیلی دلیل قائم ہے۔

(اس مسئلہ میں معتزلہ نے جمہور مسلمانوں (جن پر اہل السنۃ و الجماعت کے نام کا اطلاق ہوتا ہے) کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ معتزلہ صفات معانی کے منکر ہیں۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی شے کے ساتھ متصف ہوئے بغیر عالم ہے۔ جس کا نام علم ہے اور اس کی طرف کسی ایسی صفت کو منسوب کئے بغیر قادر ہے جس کا نام قدرت ہے۔ اس مذہب کے اختیار کرنے پر انہیں اس قصور نے آلود کیا ہے کہ ان صفات ذاتیہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے سے قصور قدام لازم آئے گا۔ جتنی صفات ہیں اتنے ہی قدام لازم آئیں گے۔ اور اس کا اعتقاد کفر ہے اور وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عالیت اور اس کی قادریت اس کی ذات کے لئے واجب ہے۔ اس لئے اس کی عالیت اور قادریت اپنے وجود میں علم و قدرت کی محتاج نہیں ہے۔ (جیسا کہ انسان کی عالیت و غیرہ اپنے وجود میں علم و غیرہ کی محتاج ہوتی ہے) اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بذاتہ کامل ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ اس کی عالیت اس میں موجود علم کے واسطے سے ثابت ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا بذاتہ ناقص اور غیر کے واسطے سے کامل ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ بالافتقار باطل ہے۔ (الموافق۔ ج ۲۔ ص ۳۳۶)

یہ تمام باتیں اوحام ہیں۔ جنہیں معتزلہ کی نظر میں ان مسائل کے بارے میں عقل کو اس کی حالت سے زیادہ استعمال کرنے سے جسم بنا کر پیش کیا ہے اور یہ ان کا معروف مسلک ہے۔ حالانکہ قصور قدام میں ذات قدام کا قصور محال ہے۔ نہ کہ ایک ذات کے لئے متعدد صفات کا ہونا۔ عالیت اللہ کی طرف (یعنی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان صفات کی مع ان کی خصوصیات کی معرفت ایک دوسری اہمیت کی حامل ہے کیونکہ جب ان کی معرفت اور ان پر ایمان ضروری ہونے کی معرفت حاصل ہوگی تو اس معرفت سے دوسرے ایسے ہی حقائق ثابت ہوتے ہیں جن پر ایمان رکھنا واجب ہے جیسا کہ وہ حقائق جن کا تعلق انسان کے اختیار اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر اور علیت و اثر اور اللہ تعالیٰ کے افعال میں علیت کے عدم اثر سے ہے۔

(بقیہ حاشیہ مندرجہ سے) نفس علم ہی کی نسبت ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ یہاں پر نہ کوئی محتاج ہے اور نہ محتاج الیہ۔ اسی سے تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ اللہ کی طرف صفت علم کی نسبت سے یہ مقصد نہیں کہ وہ علم سے کمال حاصل کر رہا ہے۔ اس پر ہمارے لئے اتنی ہی دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود اپنی طرف صفت علم کی نسبت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يَحْصُلُونَ بِنُفْسِهِمْ فِى فَنِّ عَالَمِهِ اِلَّا بِمَا شَاءَ (البقرہ۔ ۲۵۵)

(اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر جتنا وہ چاہے) اس صفت پر اللہ کی دیگر صفات کو قیاس کرنے پر عقل کا بزم فطری ہے۔ اسی لئے عقل اللہ کی طرف صفت حیات، قدرت، علم، بصیرت کی نسبت کرتی ہے۔ اس مذکورہ آیت کریمہ میں علم کی تاویل اگر معلوم سے کی جائے (حالانکہ اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں) تو بھی اس سے استدلال ثابت ہے۔ کیونکہ اگر اللہ کے لئے علم ثابت نہ ہوتا تو پھر باری تعالیٰ اس کو اپنی طرف منسوب نہ فرماتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے معلوم کی تعبیر سے علم کی ہے تو اسی سے علم کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف کرنے کی صحت ثابت ہے۔ کیونکہ معلوم کی تعبیر علم کے ساتھ کرنا علم کی اللہ کی طرف نسبت صحیح ہونے کی فرع ہے۔ ہم اسی اشارے پر اکتفا کرتے ہوئے اس نزاع کو کتاب میں داخل کرنا نہیں چاہتے جس کو معتزلہ نے ہوا دی ہے۔ کیونکہ ہم نے ان محادلات و محاکات سے تعرض نہ کرنے کا التزام کیا ہے جن میں ہمیں آج کو حق لگانے کی ضرورت نہیں۔ نیز معتزلہ کا رد و ختم ہو چکا ہے اور ان کے شبہات مٹ چکے ہیں۔ اور اہل السنۃ والجماعت کے دلائل ہمارے سامنے واضح ہو چکے ہیں۔ جو عقل سلیم کی مصلحت اور کتاب و سنت کی نصوح اور صاف ستھری انسانی فطرت اور اس قوی ترین برہان پر قائم ہیں جو یہ بتا رہی ہے کہ حق اہل السنۃ والجماعت کی جانب ہے۔ کہ یہ وہی گروہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ سے لے کر آج تک مسلمانوں اور مسلمانوں کے علماء کے سوا دہ علم کی شکل میں موجود ہے۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی اتباع کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ساری احادیث صحیحہ میں حکم دیا ہے۔ جو تو اتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔)

ہم ان صفات کی تشریح میں درج ذیل طریقہ اختیار کریں گے۔

- ۱- صفات معانی کا ذکر۔ ان میں سے ہر ایک کا معانی اور دلیل کا بیان
- ۲- صفات معنویہ کا ذکر اور ان میں سے ہر ایک کے معنی کا بیان۔
- ۳- ان صفات کے متعلق کا بیان۔

۱- ان صفات کا ذکر اور ان میں سے ہر ایک کے معنی و دلیل کا بیان

۱- علم:

علم اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی ہے۔ اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ جس کے ساتھ امور کا انکشاف و احاطہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ امور واقع میں موجود ہوں یا مستقبل میں موجود ہوں گے۔ اس تعریف میں غور کرنے سے یہ معلوم ہو گا کہ اس صفت کا کام نہ ممکنات کی تخصیص کرنا ہے، نہ ان میں کسی طرح کی تاخیر کرنا ہے۔ اس کا کام صرف کشف و اطلاع ہے۔ اس کشف کا تعلق اس امر کے ساتھ ہو جو جانب وجود میں ظاہر ہو چکا ہے۔ یا اس غائب کے ساتھ ہو جو ہمیشہ سے عدم کی گہرائی میں ہے۔ اس صفت پر دلیل قرآن کریم کی بہت ساری آیات ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحجہ۔ ۱۵)

(وہ بے شک سب کچھ جانتا ہے)

۲- ارادہ

ارادہ اللہ کی وہ صفت ازلیہ ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ جس کا کام ممکنات کو بعض ان امور کے ساتھ خاص کرنا ہے۔ جو ان کے لئے جائز ہیں۔ (قطع نظر کسی بھی مؤثر خارجی کے) جیسا کہ عدم، وجود، تکلیف وغیرہ۔

۳- ارادہ صلوٰۃ جیبہ اور تنجیز یہ

ارادہ کی تقسیم ارادہ صلوٰۃ اور ارادہ تنجیز یہ ہیں ہوتی ہے۔ تم اگر صفت ارادہ کا اس

حیثیت سے اعتبار کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ازلی ہے جو اپنے تمام ممکنات کے تخصیص کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تو یہ ارادہ صلوٰۃ ہے۔

اور اگر تم کسی مراد کے ساتھ اس کے تعلق کا اعتبار کرو تو یہ ارادہ تجبیز ہے۔ حال وہ ایک ہے اور قدیم ہے۔ لیکن اس میں تعلق اور عدم تعلق کا اعتبار مختلف ہوتا ہے۔ سوال: شاید تم یہ سوال کرو کہ ممکنات کے ساتھ ارادہ الہیہ کا تعلق ارادہ صلوٰۃ کی طرح قدیم کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ہم اسے تجبیز سے موسوم کرتے ہیں؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ الہیہ کا کسی شے کی ایجاد یا کسی شے کے اعدام سے تعلق قدیم ہے۔ جس کا حادث ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر اس سے اللہ تعالیٰ کا بعض ان امور کا عالم نہ ہونا لازم آئے گا جن کی مستقبل میں تخلیق یا جن کے مستقبل کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور یہ تو محال ہے (اس دلیل کی بنیاد پر جس کا بیان گزر چکا ہے) لہذا اس کا عکس ثابت ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ازل میں ہی ہر اس امر کو جانتا ہے۔ جس کو وہ عنقریب مناسب زمانے اور مناسب وقت میں کرے گا۔ یا جس کو عنقریب مناسب زمانے اور مناسب وقت میں پیدا کرے گا۔ اور یہ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ تجبیز یا الہیہ بہت اس کے علم قدیم کے ہم آہنگ ہے۔ جو تم تمہارے فکر میں گھوم رہا ہے وہ کلمہ ”تجبیز“ کی وجہ سے گھوم رہا ہے۔ کیونکہ تمہارے خیال میں اس کا معنی خلق و ظہور ہے اور یہ قطعاً حادث ہے۔ یہ معنی قدرت کی نسبت تو صحیح ہے جس کا عنقریب ہم بیان کریں گے۔ مگر ارادہ کے اعتبار سے تجبیز کا معنی محض ارادے کا کسی ممکن کے ساتھ تعلق ہے۔ خواہ وہ ممکن مرتبہ وجود میں ظاہر ہوا ہے یا ابھی تک ظاہر ہی نہیں ہوا۔ دیکھئے کہ انسان کا ارادہ کبھی کسی علم سے متعلق ہو جاتا ہے لیکن اس کو وہ کئی سال بعد تک تنفیذ سے روک رکھتا ہے تو اس کے اس ارادہ کو بھی تجبیز سے موسوم کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صرف قابلیت محض نہیں بلکہ مراد معین کی جانب توجہ فعلی ہے۔

اس صفت کی عقلی دلیل لزوم بین بھی ہے۔ کیونکہ اگر یہ صفت اللہ کے لئے موجود ازلی نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ پر اس کی نقیض لازم آئے گی اور اس کی نقیض اکراہ ہے اور اکراہ منکرہ (مجبور کرنے والا) کو مستلزم ہوگا۔ اور یہ واجب الوجود اور معنی الوہیت کے ستانی ہے۔ اور اس کی دلیل نقلی بہت ساری آیات کریمہ ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئاً (المائدہ: ۴۱)
(اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو ہرگز تو اللہ سے اس کا کچھ بنانہ سکے گا) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءَ أَمْرٍ فَلَا مَرْفَعَةَ لَهُ (المائدہ: ۱۸)
(جب اللہ کسی قوم سے برائی چاہے تو وہ پھر نہیں سکتی)

تمہارا یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ارادہ اور امر و متغایر ہیں اور ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اہل السنۃ والجماعہ کی تحقیق کے مطابق ان دونوں کے درمیان کوئی لزوم نہیں۔ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے۔

ہمارا آپ سے وعدہ ہے اس تغایر کی شرح ہم اس مقام پر کریں گے۔ جہاں ان صفات کی معرفت پر مرتب ہونے والے حقائق اعتقاد یہ پر گفتگو ہوگی۔

۳۔ قدرت

قدرت اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ازلی صفت ہے۔ جس سے ہر ممکن کی ایجاد و اعدام اور تکلیف حاصل ہوتی ہے۔ اس صفت کا اگر تم قطع نظر تنفیذ کے اس حیثیت سے اعتبار کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ازلی معنی ہے۔ جو اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ممکنات کو وجود بخشنے یا ان کو معدوم کر دے یا ان کو ملکیت کر دے تو پھر یہ وہی قدرت الہیہ ہوگی جس کا اشیاء کے ساتھ صرف تعلق صلوٰۃ ہوتا ہے۔ اگر ایجاد و اعدام کی تنفیذ یا تکلیف فعلی کا اعتبار کرو تو پھر یہ اپنے تعلق تجبیزی میں

قدرت الہیہ ہوگی۔

اسی سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ قدرت بھی ایک ہی ہے۔ اگر تم اس کے صلیبی کی طرف نظر ڈالو تو پھر تعلق ازلی قدیم ہے۔ اور اگر اس کے تعلق تجویزی کی طرف دیکھو تو پھر یہ تعلق حادث ہے۔ یعنی دونوں تعلق قدرت واحدہ کی طرف رائج ہیں۔ لیکن اشیاء کے ساتھ تجویزی تعلق حادث ہے۔ مگر قدرت ہر حالت میں قدیم ہے۔

۴- سمع

سمع اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ازلی صفت ہے۔ جس کا سموعات یا موجودات کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ تو ان کا ادراک تام ہوتا ہے۔ یہ ادراک تام تخیل و توہم کے طریقہ پر بھی نہیں ہوتا۔ نہ ہی حاشر سمع کے متاثر ہونے کے طریقہ سے ہوتا ہے۔ نہ حاشر سمع میں ہوا کے پہنچنے کے واسطے سے ہوتا ہے۔

۵- بصر

بصر بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ازلی صفت ہے۔ جس کا تعلق مبصرات یا موجودات کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو ان کا ادراک تام ہوتا ہے۔ اور یہ ادراک تام نہ خیال و توہم کے طریقہ پر ہوتا ہے۔ نہ حاشر بصر کے متاثر ہونے کے طریقہ پر ہوتا ہے۔ نہ حاشر بصر میں شعاع کے پہنچنے کے واسطے سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ان دونوں صفات کے ساتھ اتصاف قرآن و سنت دونوں کی دلیل نقلی سے ثابت ہے۔ جس کے انکار یا تاویل کی کسی صاحب عقل کو گنجائش نہیں ہے۔ دلیل نقلی سے استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے، سو گھٹنے، چھوٹنے کی صفت کو منسوب کرنے سے منع فرمایا گیا۔ کیونکہ اس پر کوئی ایسی دلیل نقلی وارد نہیں جو ان صفات کو کسی حاسر یا آلہ کے ذریعے ثابت کر رہی ہوں۔ جیسا کہ انسان اور حیوانات کا معاملہ ہے۔

(ان دونوں صفات کی تعریف میں ہم نے احواف المرید شرح جوہرۃ الوحید پر اعتماد کیا ہے)

صفت سمع و بصر کی شمولیت کے دائرے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء جیسا کہ علامہ باجوری اور علامہ سنوسی کہتے ہیں۔ یہ دونوں صفات اختلاف معنی کے باوجود تمام موجودات کو شامل ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی سمع ان تمام موجودات سے متعلق ہوتی ہے۔ خواہ وہ ہماری نسبت قابل سمع ہو یا نہ ہو۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بصر بھی تمام موجودات کو شامل ہے۔ اور علامہ سعد الدین تفتازانی جیسے بعض علماء فرماتے ہیں۔ صفت سمع کا تعلق مسموعات اور صفت بصر کا مبصرات سے ہوتا ہے۔

اس بارہ میں ہمیں یہی زیب دیتا ہے کہ ہم ان دونوں صفات کا اللہ تعالیٰ کے لئے ثبوت اسی طور پر مانیں جس طرح اس نے بذات خود بیان فرمایا ہے۔ اور اس کے بعد یہ ایمان رکھیں کہ ان دونوں صفتوں میں سے ہر ایک کا عمل دوسرے سے ممتاز ہے۔ کیونکہ ورنہ ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کا سوائے تکرار کے کوئی مقصد نہ ہوتا۔ اور یہ اس مقام پر محال ہے۔ مگر ان دونوں صفات کی حقیقت اور ان کے دائرہ شمولیت کی بحث اور کیا ان دونوں میں سے ہر ایک کا کوئی ایسا خاص کام ہے کہ جس کا تعلق بعض موجودات کے ساتھ ہوتا ہو (جس طرح کہ ہمارے اندر ہوتا ہے) یا اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے ان کے ایسے کام ہیں جن کی شمولیت اور عمومیت زیادہ ہو۔ اس کا علم ہم اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کے امور جن کے اثبات یا انکار میں عقل کو کوئی دسترس حاصل نہیں۔ ان میں ہمارے لئے نقل یقینی اور نص قطعی پر اعتماد کرنا ہی کافی ہے اور اس بارے میں ہمارے لئے اتنا کافی ہے کہ ہم انہی امور پر اور اسلامی عقائد کو سمجھنے میں یہی سلف رحمہم اللہ کا طریقہ ہے۔

۶- کلام

کلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم صفت ازلی ہے۔ اور وہ اس کے ذریعے امر، نہی اور منہر ہے۔ اور اس کے ذریعہ اس نے اپنے رسولوں کو جو کچھ وہی فرمائی ہے۔ اس کی نظم کو تعبیر کیا ہے۔ جیسے کہ قرآن، تورات، انجیل اس صفت کے ثبوت پر کتاب و سنت ہر

دو کی نصوص قطعیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (اشعاش: ۱۶۳)

(اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا)

اور ارشاد ہے۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْبَشَرِ لَيَمْتَعِ بِكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْدِغْهُ مَأْمَنَهُ (احوب: ۱)

(اور اے محبوب اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو کہ وہ اللہ کا

کلام سنے۔ پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو)

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج اپنے رب

سے مخاطب ہوئے اور اسی وقت آپ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔

اس صفت کی تحقیق یہ ہے کہ عربی لفظ میں کلام کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔

۱۔ نفس کے ساتھ قائم معنی کی تعبیر کرنے والے الفاظ

اسی لئے کہا جاتا ہے۔

هَذَا كَلَامٌ فَصِيحٌ وَكَلَامٌ وَاضِحٌ

(یہ کلام فصیح اور کلام واضح ہے)

۲۔ نفس کے ساتھ قائم وہ معنی کہ جس کو الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ

بنو امیہ کے ابتدائی عہد کا نصرانی شاعر نطل کہتا ہے۔

إِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفَوَادِ جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَى الْفَوَادِ دَلِيلًا

(یقیناً کلام تو دل میں ہوتا ہے زبان کو تو صرف دل پر دلالت کرنے والی

تصہر یا گیا ہے)

اور اسی کی مثل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے۔

إِنِّي ذُو دُورٍ فِي نَفْسِي مَقَالَةٍ

(یعنی میں نے اپنے دل میں ایک کلام آراستہ کیا ہے)

اور تم بہا اوقات اپنے ساتھی سے کہتے ہو میرے دل میں ایک کلام ہے جسے میں

تمہارے سامنے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

معترکہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے درمیان اختلاف کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کے لئے اجماع امت اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے منقول

تواتر کے ساتھ کلام ثابت ہے۔ اور صفت کلام کے ثبوت کے بغیر کلام کو محال یقین

کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ متکلم ہے۔ اس قدر اجماع میں کسی مسلمان کا اختلاف

نہیں۔

یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے اجماع امت سے ثابت ہے۔ اس کی تفسیر معترکہ نے

ایسے اصوات و حروف سے کی ہے۔ جن کی تخلیق اللہ تعالیٰ کسی غیر (جیسا کہ لوح محفوظ

اور جبریل امین) میں کرتا ہے۔ اس تفسیر کے مطابق اس صفت کا حادث ہونا واضح

ہے۔ معترکہ نے اس میں کلام کے تحت ان اصوات و حروف کے علاوہ کوئی چیز اللہ کے

لئے ثابت نہیں کی۔ لیکن جمہور مسلمان اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں جس قول کا معترکہ

نے اظہار کیا ہے۔ ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ ہم بھی اس کے قائل ہیں۔ لیکن ہم

اس کو کلام لفظی سے موسوم کرتے ہیں اور ہم سب اس کے حادث کے اور اللہ تعالیٰ کی

ذات کے ساتھ قائم نہ ہونے پر اتفاق کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ حادث ہے۔

مگر ہم اس کے علاوہ ایک دوسرے امر کا اثبات کرتے ہیں۔ اور وہ امر صفت

قائم بانفس ہے جس کی تعبیر الفاظ کے ساتھ کی جاتی ہے۔ یہ صفت علم کی صفت اور

ارادے کے مغائر ہے یعنی یہ ایک مستقل صفت ہے جو صفت علم اور صفت ارادہ کے سوا

ہے۔ یہ وہ صفت ہے جس کے ساتھ دوسروں سے خطاب کیا جاتا ہے۔ اور یہ صفت

اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم صفت قدیم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر خیالات کا توارد اور معانی کا

(شرح عقائد کلمی۔ حاشیہ شام پر شرح عقائد کلمی)

طاری ہونا محال ہے۔ جیسا کہ انسان کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف کلام کے اس سے یہی مقصود ہے اور اجماع امت نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے۔

اور یہاں سے معتزلہ جمہور سے الگ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے مذکورہ مقلی کے اعتبار سے کوئی ایسی صفت قدیم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کی۔ جس کا نام کلام یا کلام نفسی ہے۔ وہ کہتے ہیں عبادات کا وہ مدلول جس پر تم کلام نفسی کا اطلاق کرتے ہو۔ وہ درحقیقت صفت علم اور صفت ارادہ کی طرف راجع ہے۔ اگر یہ مدلول خبر تو پھر صفت علم ہے اور اگر امر و نہی ہے تو پھر صفت ارادہ ہے۔ (شرح المواقف ۲- ص ۳۶۲)

(تمہیں علم ہے کہ معتزلہ ارادہ اور امر کا ایک ہی معنی تسلیم کرتے ہیں) لیکن عبارات الفاظ حادث اور اللہ کی مخلوق ہیں۔ اور اس پر ہم سب کا اتفاق ہے اور وہ اللہ کی صفت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور کلام اسی مخلوق سے عبارت ہے۔ ہماری اس مذکورہ گفتگو پر تم غور کرو گے تو تمہیں معتزلہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے درمیان پائے جانے والے اختلافی نقطہ کا علم ہو جائے گا۔ قرآن کریم کے الفاظ کا ایک ایسا معنی ہے جس کے ذریعے انسانوں کی طرف متوجہ کئے جانے والے امر نہی اور اخبار وجود پذیر ہوتے ہیں اور یہ معنی قدیم ہے۔ اس معنی کا کیا نام ہے؟

معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اخبار ہے تو اس کا نام علم ہے۔ اور اگر وہ امر و نہی ہے تو اس کا نام ارادہ ہے۔ اور جمہور کہتے ہیں کہ اس کا نام کلام نفسی ہے۔ اور یہ علم و ارادہ دونوں سے زائد اور الگ صفت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

لیکن وہ کلام جو کہ لفظ ہے اس کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ مخلوق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں لیکن اس اتفاق سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ اور آپ کے بعض تابعین متشی ہیں۔ کیونکہ ان کا مذہب ہے کہ یہ (شرح المواقف ۲- ص ۳۶۱)

حروف اور اصوات بھی قدیم ہذا تھا ہیں۔ اور صفت کلام سے مراد یہی ہے۔ اس نقطہ اتفاق و اختلاف کی معرفت کے بعد ہم اس بحث کے گرد جو مناقشہ اور جدال قائم ہے، اس میں داخل ہونا نہیں چاہتے مگر چہ ہم اسی کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ جس کو جمہور نے اختیار کیا ہے۔ یعنی وہ معنی جو عبارات کا مدلول ہے، اسی کا نام کلام نفسی ہے اور وہ صفت علم اور صفت ارادہ دونوں سے زائد صفت ہے۔

معتزلہ ان تمام امور میں جمہور کے ساتھ متفق ہیں کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے لئے اس معنی کے ثبوت پر بھی اتفاق ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم صفت ارلی ہونے پر بھی اتفاق ہے۔ لیکن وہ ہماری طرح اس کو اسم کلام سے موسوم نہیں کرتے۔ اس مسئلہ میں تاریخی اختلاف کی جو دو مشتاک صدائیں تم سنتے ہو، ان کا زیادہ حصہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے فرقوں (جیسا کہ جمیعہ اور معتزلہ وغیرہ) کے درمیان غشاء اختلاف رہا ہے۔

صیلیبی فریب اور مسئلہ خلق قرآن

استثنائی اور تیشیری (عیسائی تبلیغی مشنریوں) کے مکرو فریب نے اس مسئلہ میں عجیب و غریب اور باطل انداز سے کھوج لگائی ہے جس کا مقصد کسی نہ کسی صورت میں مسلمانوں کی کسی بھی جماعت یا کسی بھی گروہ کے ذہن میں تشویش پیدا کرنا ہے۔ اگر اس مسئلہ کے ساتھ اس مکرو فریب کا دخل نہ ہوتا تو ہم اس بارہ میں جمہور مسلمان اہل السنۃ والجماعۃ کے قرآن و سنت اور مقتضیات عقل سے اخذ کئے ہوئے عقیدے کے پیش کرنے پر اکتفاء کرتے۔

اس میں نہ ہم معتزلہ کی رائے پر اعتقاد کرتے، نہ ہی اس اختلاف کے اسباب کا (اس بات کی حضرت امام احمد بن حنبل نے اپنے رسالہ "المروء علی الذہاد" میں تصریح فرمائی ہے۔ اور یہ رسالہ ابن تیمیہ کے مجموعہ رسائل کبریٰ کے ضمن میں طبع ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو "الفتاویٰ" کی کتاب "مخلافۃ الفکر الفلسفی فی الاسلام" ج ۱- ص ۵۳۳)

تذکرہ کرتے۔ تشریحی اور استشراقی رائے کے مطابق قرآن کریم کے کلام مخلوق یا غیر مخلوق کے اختلاف کا اصل سبب مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان پیدا ہونے والا مجادلہ ہے اور اس کی بنیاد قرآن کریم کی آیت

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَةً (النساء: ۱۷۱)

(مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ)

میں وارد لفظ ”کَلِمَةً“ کے بارے میں واقع ہونے والا اختلاف ہے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ مسیح کون ہے؟ وہ تو اللہ کا کلمہ ہے۔ یہ کلمہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے؟ اگر غیر مخلوق ہے تو مسیح ہی اللہ ہوگا۔ اور اگر وہ مخلوق ہے تو اپنی ولادت سے قبل کلمے اور روح والا نہ تھا۔ پس خلق قرآن کے بارے میں واقع ہونے والے اختلاف کا سبب یہی مجادلہ ہے۔ (لفظہ الفکر الدینی بین الاسلام والمسیحیۃ - ۱-۶۲)

ازولوسی خریدید و جورج کنوآئی

مجھ سے اس بات کی توقع نہ رکھنا کہ میں تمہارے سامنے اس دعویٰ کی دلیل نقل کروں گا اور مصدر نقل کا حوالہ دوں گا یا اس میں کوئی سند پیش کروں گا۔ کیونکہ مستشرقین اور مبشرین (عیسائی مبلغین) کے علوم بالخصوص اس قسم کے مسائل میں ہر طرح کی دلیل سے خالی ہوتے ہیں۔ اور علمی تحقیق کے کسی منہج کے تابع نہیں ہوتے۔ البتہ ان کے علوم ایک ہی منہج کے تابع ہوتے ہیں۔ اور وہ منہج عقن و تخمین اور کینہ و حسد کا منہج ہے۔ اور یہی منہج کسی ایسے تاریخی واقعے کے لئے بطور دلیل کافی ہے جس کی تصدیق کرنا اور جس پر حقائق و مبادی کی بنیاد رکھنا مناسب ہے۔

میں یہ نہیں سمجھتا کہ جب میں اپنے لئے بھی اس قسم کا منہج اختیار کرتا ہوں کہ میں شمال کی جانب تہہ بہ تہہ سیاہ بادلوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ضرور ایسی ہولناک بارش برسانیں گے جن سے ایسا طوفان آئے گا جو بہت سے جامداروں اور املاک کو بہا کر لے جائے گا۔ لیکن اہل کینہ کا اس کمزور کلام کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف حجت قائم

کرنے کو معید نہیں سمجھا جاتا۔ مگر چہ ہم اس قسم کے کمزور قول کو علمی اعتبار سے اس وقت تک قبول نہیں کرتے۔ جب تک ہمارے تک کسی ایسی صحیح سند کے ساتھ منقول نہ ہو جو ہمارے یقین کا باعث ہو۔

اور یہ کہنا کہ مسلمان علماء عیسائیوں کے اس اعتراض کے سامنے سرنگوں ہو گئے اور باہم پریشانی و حیرانگی کا اظہار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس معاملہ نے انہیں اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اس حیرت و پریشانی سے نکلنے کے لئے آپس کے درمیان قتال و فیہ مسئلہ (مسئلہ خلق قرآن) کا سہارا لیں۔ یہ قول نہایت ہی کمزور ہے۔ تاریخ سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور عقل سلیم بھی کسی حال میں اس کی تصدیق نہیں کرتی جس دور میں مسلمانوں کے سامنے یہ کمزور قول پیش کیا گیا۔ کیا اس دور میں مسلمان علماء میں کوئی یا سا عالم موجود نہیں تھا۔ جو ان کو یہ جواب دیتا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ تو اللہ تعالیٰ کا قول ”کن“ ہے۔ اگر اس لفظ ”کن“ کا معنی قدیم ہے تو اس سے اس کے متعلق کا قدیم ہونا لازم نہیں پڑتا۔ اہل عقل اور عربی لغت کے بھور علماء جانتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم نفس کلمہ ”کن“ نہیں۔ بلکہ اس کا متعلق ہوں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی خبر نفس کلمہ کے ساتھ دی ہے۔ اس میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک تو اس تعلق کے بیان میں مبالغہ کی حکمت ہے اور دوسری ذہن کو اس بات کی طرف متوجہ کرنے میں مبالغہ کی حکمت ہے کہ حضرت عیسیٰ (یہ ہم اس لئے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ اہل کینہ میں ہر دور کے اندر ایسے لوگ موجود رہے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدیم ہونے پر مسلمانوں سے اس کلمہ کے ساتھ مجادلہ کرتے رہے ہیں۔ پوچھا، اشقی کے متعلق منقول ہے کہ بعض عیسائیوں کو ایسی چیزیں بتایا کرتا تھا کہ جن کے ذریعے وہ مسلمانوں سے مجادلہ کرتے تاکہ مسلمانوں کے اعتقاد میں فساد پیدا کر سکیں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جب کوئی عربی تم سے یہ دریافت کرے کہ حضرت مسیح کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ تو تم اس کے جواب میں کہو کہ میں ان کو اللہ تعالیٰ کا کلمہ مانتا ہوں۔ اس طرح لیکن اس کے باوجود کسی نے یہ نہیں کہا کہ مسلمانوں میں خلق قرآن کے مذہم اور باری تعالیٰ سے نفرت کلام کی نفی کئے بغیر کوئی شخص ان کے اس مجادلہ کی تردید کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ معتزلہ نے یہ مذہب اس لئے اختیار کیا تھا کہ ان کی رائے میں قطع نظر ہر چیز کے یہ حق تھا۔ اگر وہ جمہور کے مذہب کو حق سمجھتے تو وہ اپنی اس رائے پر کبھی جتن نہ دیتے۔ اگرچہ تمام اہل کینہ ان کے خلاف جمع بھی ہو جاتے۔ ان کو اس کی پروا نہ ہوتی۔)

علیہ السلام کی تخلیق محض اللہ تعالیٰ کے اس ارادہ کے تحت ہوئی ہے جو اس کے ارشاد میں ”کن“ کی شکل میں ظاہر ہے۔

اگر نفس ارادہ کی مانند متعلق ارادہ بھی قدیم ہوتا تو پھر تمام جہاں قدیم ہوتا۔ کیونکہ تمام جہاں اللہ کے ارادہ اور اس کے فرمان ”کن“ ہی کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ 'كُنْ' فَيَكُونُ (یٰسین: ۸۲)

اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ”ہو جا“ وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

لہذا جس طرح اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کو ”کن“ فرماتا ہے۔ تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے حضرت عیسیٰ کو ”کن“ فرمایا تو وہ پیدا ہو گئے۔ اور جس طرح تمام اشیاء اپنی تخلیق میں حادث ہیں۔ اگرچہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قدیم خطاب کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنی تخلیق میں حادث ہیں۔ مگر چہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قدیم خطاب کا تعلق ہوا ہے۔

کیا جہاں میں کوئی ایسا جاہل ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلمہ جس کے ساتھ اس نے تمام جہاں کو ایجاد کیا اور اسی کے ساتھ آسمانوں اور زمین کو لپیٹ دے گا۔ اور جس کا ذکر اللہ کی کتاب میں موقع و مقام کی مناسبت سے بار بار آیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کا قطعی قدیم فیصلہ ہی تو ہے۔ (اگر جاہل سے بھی یہ مخفی نہیں تو) پھر علماء اعلام سے یہ کیسے مخفی رہا؟ اور اس پر وہ کیسے آگاہ نہ ہو سکے؟

اس مسئلہ میں معتزلہ اور دیگر علماء کے درمیان اختلاف کی نوعیت ہمیں معلوم ہے۔ کہ وہ سب الفاظ قرآن کے حادث ہونے اور معانی قرآن کے قدیم ہونے پر متفق ہیں۔ ان کا اختلاف فقط اس قدیم معنی کے تسمیہ پر محصور ہے۔ کہ اس کو صفت کلام کے ساتھ موسوم کیا جائے یا صفت علم و ارادہ کے ساتھ موسوم کیا جائے۔ مستشرقین

مشرین میں سے کسی شخص کو اس باطل قول کی افواہ کرتے ہوئے دیکھنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ یہ تو ان کی معروف عادت ہے۔ لیکن واقعی تعجب انگیز اور مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ جنہیں عرب مسلمانوں میں سے کچھ انسان ایسے نظر آئیں جو اس قول اہل پر باہمی فخر کر رہے ہوں اور مستحی و خوشی میں اس بے ہودگی کے قریب ہو رہے ہوں۔ اور جنہیں ان کی گفتگو یا ان کی تحقیقات میں فکر و تامل کا کوئی اثر بھی نظر آ رہا ہو۔ علق قرآن اور عدم علق قرآن کے قضیہ اور معتزلہ کی تاریخ میں کھوج لگانے والوں میں ایسے بہت سارے لوگ ہیں جن کی گفتگو سے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ لوگ یا تو بیرونی مستشرقین ہیں یا ان کی تقلید کر لے والے مسلمان ہیں۔ اس لئے ضرورت کا تقاضا تھا کہ ہم اس اختلاف کی حقیقت اور اس کے جوہر اور اس کے اسباب میں مفصل کلام کریں۔

۱۔ حیات

حیات اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سبب سابقہ صفات کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس کی نقلی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (البقرہ: ۲۵۵)

(اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آپ زندہ ہے اور اوروں کا قائم

رکھنے والا)

اللہ تعالیٰ کا حیاء (زندہ) ہونا اللہ کے لئے اس صفت کے ثبوت کا نتیجہ ہے۔ اور اس کی عقلی دلیل اللہ تعالیٰ کی صفت علم، قدرت، ارادہ وغیرہ سے متعطف ہونے کا ثبوت ہے۔ کیونکہ ان صفات کا قیام اسی ذات کے ساتھ متصور ہو سکتا ہے جس میں صفت حیات ثابت ہو۔

پس یہ وہ تمام صفات معانی ہیں جن کے متعلق دلیل سمعی وارد ہے۔ اور اس دلیل سمعی کی تائید دلیل عقلی بھی کرتی ہے جیسا کہ ہم نے ان صفات میں سے ہر ایک کی

تشریح کے دوران بیان کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے جس طرح ان صفات کے ثبوت کا عقیدہ رکھنا واجب ہے اسی طرح ان کی نقائص کے اللہ تعالیٰ سے سلب کا عقیدہ رکھنا بھی واجب ہے۔ کیونکہ ان صفات کے ثبوت کے مسئلہ ذات میں سے ہے۔

۲- صفات معنویہ

صفات معنویہ صفات معانی کے نتائج ہی ہوتے ہیں یعنی یہ وہی احکام ہیں جو صفات معانی کے ثبوت پر مرتب ہوتے ہیں۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کا قدیر، مرید، عظیم، حکیم، بصیر، منکلم، جی ہوتا ہے۔ معتزلہ نے ان صفات کی اس شکل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے میں مخالفت نہیں کی۔ لیکن وہ انہیں مستقل صفات مانتے ہیں۔ صفات ذات کے نتائج تسلیم نہیں کرتے۔ اس مقام پر ہم نے جس امر کی آپ کے سامنے وضاحت کر دی ہے۔ اسی سے زائد کوئی چیز بیان کرنا ہمارا مقصد نہیں۔

۳- ان صفات میں سے ہر ایک صفت کے متعلق کا بیان

یہ صفات اپنے تعلقات کے اعتبار سے چار قسم کی ہیں۔

قسم اول

قسم اول کا تعلق واجبات، ممکنات، مستحیلات سب سے ہوتا ہے۔ اور یہ علم و کلام کی صفات ہیں۔ صفت علم کا تعلق تو اس لئے ہوتا ہے کہ وہ حقائق اشیاء کا انکشاف کرتی ہے۔ اس کے سوا ان میں کسی قسم کی تاثیر نہیں کرتی۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے محال ہے کہ اس کی صفت علم و واجبات، ممکنات اور مستحیلات سب کو شامل نہ ہو۔ اور صفت کلام کے تعلق کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اشیاء سے تعلق، دلالت و بیان کا تعلق یا امر و نہی کا تعلق ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا بیان اور اس کا امر و نہی واجب کے متعلق بات کرنے اور مستحیل و ممکن کے بارے میں بات کرنے پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم

کی آیات اس کی شہادت دے رہی ہیں۔

قسم ثانی

یہ وہ صفات ہیں جن کا تعلق فقط ممکنات سے ہوتا ہے اور یہ ارادہ و قدرت ہر دو صفات ہیں۔ واجب اور مستحیل کے ساتھ ان صفات کا تعلق نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان میں سے ہر صفت کا اشیاء کے ساتھ تخصیص و تاثیر کا تعلق ہوتا ہے (جیسا کہ لایجاد و اعدام وغیرہ) واجب کا اعدام ممکن نہیں اور مستحیل کا ایجاد ممکن نہیں ورنہ واجب، واجب نہیں رہے گا اور مستحیل، مستحیل نہیں رہے گا۔ اگر واجب کا واجب ہونے کے باوجود اعدام ممکن ہو یا مستحیل کا مستحیل ہونے کے باوجود ایجاد ممکن ہو تو پھر آن واحد اور مکان واحد میں نقیضین کا اجتماع ممکن ہوگا۔ جس کا محال ہونا تمام اہل عقل پر واضح ہے۔

صرف ممکنات کے ساتھ تعلق سے بجز مراد نہیں لیا جائے گا

اس کلام کے معنی میں گہرا فکر کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ فقط ممکنات کے ساتھ ارادہ و قدرت کے تعلق سے بجز ارادے کا نقصان مراد نہیں لیا جاسکتا۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ ارادہ کالمہ تامہ کی شان یہ نہیں کہ وہ واجب کی طرف جب تک واجب، واجب ہے متوجہ ہو۔ یا مستحیل جب تک مستحیل ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہو (اسی طرح قدرت کے تعلق سے مراد بھی یہی ہے) بلکہ عقل کے لئے یہ سمجھنا بھی ممکن نہیں کہ ارادہ یا قدرت کا واجب یا مستحیل کے ساتھ تعلق کس طرح ہوگا۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ایجاد مستحیل (یعنی الوہیت میں شریک باری تعالیٰ) سے متعلق ہوا۔ پس اس نے مستحیل کو پیدا کر دیا۔ تو تمہاری عقل کے لئے مطلقاً یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کلام کی تصدیق کرے۔ کیونکہ یہ (ایجاد و مستحیل) بالابدات محال ہے۔ اس لئے کہ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنی مثل واجب الوجود الہ کو پیدا کیا۔ حالانکہ واجب الوجود کا مسبوق بالعدم ہونا محال ہے۔ (جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے) لہذا اس حال میں وہ درحقیقت واجب الوجود نہ ہوگا۔ اور اگر تم یہ کہو کہ وہ مخلوق و مسبوق بالعدم ہونے کے

باوجود واجب الوجود ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ ممکن الوجود ہونے کے باوجود واجب الوجود ہے۔ یہ صریح تناقض ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی۔ پس یہی مطلب ہمارے اس قول کا ہے کہ غیر ممکن کے ساتھ ارادہ و قدرت کے عدم تعلق کو مجاز یا نقصان نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں کا معنی غیر ممکن سے عدم تعلق پر ہی قائم ہے جیسا کہ اعدام۔ کیونکہ مثال کے طور پر اعدام کے اثر کا ظہور اس وقت ممکن ہے جب اس کا تعلق موجود کے ساتھ ہو جائے۔ اور جو خود معدوم ہے تو اس کے ساتھ تو اعدام کے معنی کا تعلق ممکن ہی نہیں۔ اور یہ بات اس معنی کے نقص یا ضعف کی کسی حال میں بھی دلیل نہیں۔

اگر تم ضیافت لفظیہ کے موجب کے ذریعہ اس معنی کو عدم کے ساتھ تعلق پر مجبور کرنا چاہو مثلاً تمہارا یہ کہنا "اعدمت المعدوم" (میں نے معدوم کو معدوم کیا) تو اس کے ذریعے معنی سے خالی ایک کلام کو مرکب کر رہے ہو۔ اس سے زائد کوئی کام نہیں کر رہے ہو۔

تم انہاں میں ہوں ڈوہ لوگوں کے ایسے نمونے دیکھو گے جن کا خیال ہے کہ وہ اگر اس سوال کو مسلمانوں کے سامنے پیش کریں گے تو مسلمانوں کے ایک گروہ کے ایمان باللہ کو متزلزل کرنا ان کے لئے ممکن ہو جائے گا۔ کہ کیا اللہ اپنے مثل الہ پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے؟ یہ سوال وہ اس خیال سے کرتے ہیں کہ مسئولین (جن سے سوال کیا گیا ہے) اگر امکان کے ساتھ جواب دیں گے تو اس کے سبب گویا انہوں نے اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ ان کے لئے اس شخص کی تکفیر جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو شریک کرتا ہے۔ اور اگر وہ عدم امکان کے ساتھ جواب دیں گے۔ تو انہوں نے اللہ کی طرف عجز کی نسبت کر دی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ نہیں۔

ان کا یہ تصور ایک عجیب حماقت پر مبنی ہے۔ یہ بات بڑی واضح ہے کہ سائل کو

حقیقت میں سائل تسلیم کرنے کے لئے اپنے سوال کا معنی سمجھنا ضروری ہے اور سوال کا معنی سمجھنے کے لئے سوال کا کوئی معنی ہونا ضروری ہے۔ اگر سوال کا کوئی معنی ہی نہ ہو تو پھر سائل کے ذہن میں اس کی کسی صورت کا ہونا ممکن نہیں ہوگا۔ اور جب ایسا ہوگا تو سوال کو سوال نہ کہا جائے گا۔ اگر کہا جائے گا تو بھی صرف صورت و اسلوب کی حیثیت سے کہا جائے گا۔ لیکن موضوع و مضمون کی حیثیت سے وہ بکواس ہی ہوگا۔ اور بکواس و ہڈیان کا کوئی جواب نہیں ہوا کرتا۔ یہ جواب نہ ہونا، جواب دینے سے عاجز ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ جواب تو صرف سوال کا دیا جاتا ہے۔ اور یہاں سوال تو ابھی پیدا تک نہیں ہوا۔

جو شخص تمہیں یہ کہے کہ کیا تم اس لحد میں مجھ سے غائب بھی اور میرے سامنے حاضر بھی ہونے کی قدرت رکھتے ہو؟ یہ شخص درحقیقت تم سے کوئی سوال نہیں کر رہا۔ یا تم سے اس کا جواب طلب کرنے کی امید نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ خود یہ نہیں جانتا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اور نہ اس کے ذہن میں اس چیز کی کوئی صورت ہے۔ جس کو وہ چاہ رہا ہے۔ اور اس کے ذہن میں اس سوال کے معنی کی کسی صورت کا ہونا محال ہے۔ لہذا کوئی جواب بھی اس کا جواب فرض کرنے کے باوجود سائل کے ذہن میں متخیل کسی بھی معنی کے مطابق واقع نہ ہوگا۔ ایک واضح تعبیر کے ساتھ ہم کہتے ہیں کہ یہ سوال درحقیقت ہڈیان ہے۔ اس سوال کے بعد اس کلام مختلف کے کسی جملے کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ جس کا کوئی معنی نہیں۔

پس فطری بات ہے کہ تم اس شخص کی طرف شفقت تام سے دیکھو گے کیونکہ وہ تم سے تمہاری توجہ طلب کرنے کے لئے ہڈیان کو سوال کے صیغہ کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ اور پھر تم جلد ہی نفرت کے ساتھ اس سے اپنا رخ موڑ لو گے۔ اس لئے کہ اس نے کوئی ایسی چیز پیش نہیں کی جو محتاج جواب ہوتی۔

پس وہ شخص جو تمہاری توجہ چاہتا ہے۔ جو تمہارے سامنے یہ کہے کہ اللہ اپنی مثل

اللہ کی تخلیق پر قدرت رکھتا ہے۔ یا اس قسم کا کوئی اور باطل قول پیش کرتا ہے۔ بلکہ تو وہ ہندیاں دیکھو اس ان جملوں والے سے کم نہیں۔ جن کے ذریعے ہم نے آپ کے سامنے مثال بیان کی ہے۔ کیونکہ ہندیاں کلام کے کسی معنی متصور فی الذہن پر مشتمل نہ ہونے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صاحب عقل اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس قسم کے سوال کا کوئی معنی نہیں سمجھ سکتا۔ ہاں البتہ اس قسم کے سوال کا بھی خیالی و بھی معنی ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب یہ سوال کسی ایسے چھوٹے بچے سے صادر ہو جو ہر شے کے بارے میں مرحلہ بحث سے گزرتا ہے اور اس کی عقل ابھی تک اپنے توجہات و تخیلات میں اس شے تک پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ پس تم ایسے بچے کو دیکھو گے کہ وہ اپنے باپ کو بہت سارے ایسے سوالات سے تنگ کر رہا ہوگا۔

جن کا کوئی معنی نہیں ہوتا۔ اور کبھی ان سوالات میں مذکورہ سوال کی مانند بھی کوئی سوال ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں حکمت عملی ضروری ہے۔ پس تم اس کے سامنے جواب کی کوئی صورت رکھو۔ گرچہ درحقیقت وہ جواب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اس نے تمہارے سامنے سوال کی صورت رکھی ہے۔ گرچہ وہ حقیقت میں سوال نہیں۔ مثلاً تم یہ کہو کہ اے بیٹے! اللہ یقیناً ہر چیز کی تخلیق پر قادر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شریک چیز نہیں۔ کیونکہ یہ محال ہے اور محال کو شے نہیں کہا جاتا۔

شاید تم یہ کہو کہ اس جواب کو حقیقی جواب کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا؟ میں تم سے یہ کہوں گا کہ یہ کسی سائل کا جواب نہیں بلکہ یہ حاصل کے لئے تعلیم ہے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے کلام کا معنی جانتا اور متخیل، واجب اور ممکن کا معنی جانتا تو اسے یہ یقین ہوتا کہ وہ کلام کے مضمون کے تصور سے عاجز ہے۔

اس مسئلہ میں سے وہ ہندیاں بھی ہے جسے بعض لوگ پیش کرتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ ایسی چنان کی تخلیق پر قدرت رکھتا ہے۔ جس کے اٹھانے سے وہ عاجز ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ عاجز بننے کی قدرت رکھتا ہے۔

اور اسی سے اس کو اس بات کا بھی علم ہوتا۔ یہ قابل تو نیہہ اور قابل امانت سوال ہی نہیں۔ پس وہ اس لئے اس کے پیش کرنے اور اس کا جواب طلب کرنے سے باز رہتا ہے۔ لیکن اس نے اس کو صیغہ سوال میں پیش کر دیا ہے۔ تو لہذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جاہل ہے اور محتاج تعلیم ہے وہ سائل نہیں کہ طالب جواب ہو۔

قسم ثالث

اس قسم کا تعلق موجودات سے ہوتا ہے اور یہ صحیح و بصر ہر دو صفات ہیں ان دونوں کا معدومات سے تعلق نہیں ہوتا۔ یہ معدومات کے علاوہ مختلف موجودات سے متعلق ہوتی ہیں۔ خواہ موجودات ممکن کی نوع سے ہوں یا واجب کی نوع سے۔ یہ تو اس صورت میں ہے جب ہم صحیح و بصر ہر دو صفات کے بارے میں اس بات کے قائل ہوں۔ یہ تمام موجودات سے بطریقہ احاطہ متعلق ہوتی ہیں۔ اور ان کا تعلق علم سے زائد ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم علامہ تقی زانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ اختیار کریں تو پھر ان دونوں کا تمام موجودات سے تعلق نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کے نظریہ کے مطابق صحیح کا صرف مسودات سے اور بصر کا صرف مبشرات سے تعلق ہوتا ہے۔

سابقہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس امر کی حقیقت اللہ پر چھوڑ دی جائے جیسا کہ بہت سارے ائم و محققین کا بھی رجحان اسی طرف ہے۔ ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے جو ثابت کیا ہے۔ ہم اس کو ثابت مانیں اس کے علاوہ جس کے متعلق کوئی خبر اور بیان وارد نہیں اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کر دیا جائے۔

لیکن یہاں پر اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ ان دو تعلق صفات کا معدومات کے ساتھ بالاتفاق تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ معدومات کے ساتھ تعلق متصور نہیں ہو سکتا۔ اگر متصور ہو سکتا تو پھر معدومات موجودات کی قسم بن جاتی۔ حالانکہ وجود و عدم کا ایک ساتھ اجتماع ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ تناقض ہے۔ اور تناقض محال ہے۔ اسی طرح چھوٹے،

چکھنے، سونگھنے کا تعلق بھی معدومات سے نہیں ہو سکتا۔ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے معدوم کو چھوا یا چکھا یا سونگھا؟

اور اگر کوئی شخص اس قسم کا دعویٰ کرے تو کیا کسی صاحب عقل انسان کے لئے اس شخص کی تصدیق ممکن ہے؟

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس مذکورہ بحث سے قدرت و ارادہ اور ان کے غیر ممکنات سے عدم تعلق کی بحث کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان دونوں بحثوں میں مبداء ایک ہی ہے۔

قسم رابع

چوتھی قسم کا کسی بھی شے سے تعلق نہیں ہوتا اور یہ چوتھی قسم صفت حیات ہے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی نسبت اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس کی ذات کے سوا اس کا کسی سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس کا اشیاء کے ساتھ نہ علم، نہ سمع، نہ بصر کی طرح بطریق کشف کوئی تعلق ہے اور نہ ارادہ و قدرت کی طرح بطریق تخصیص و تاثیر کوئی تعلق ہے۔ وہ تو صرف ایک معنی ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کا کام اللہ تعالیٰ کے ساتھ سابقہ صفات کے قیام کی تصحیح ہے۔

ان صفات پر مرتب ہونے والے حقائق اعتقادیہ

ان حقائق کی تلخیص درج ذیل امور میں کی جائے گی۔

۱- اللہ تعالیٰ کا ان صفات کی اصناد اور تمام نقائص سے منزہ ہونا۔

۲- اللہ تعالیٰ کے افعال سے علت غائیہ کی نفی

۳- اللہ تعالیٰ پر اپنے بندوں کے لئے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کے لئے کوئی چیز واجب نہیں اور حسن و قبح اعتباری ہیں۔

۴- اللہ تعالیٰ کے ارادے کے سامنے بندے کے ارادے کا انجام

۵- قضا و قدر اور ان دونوں پر ضرورت ایمان ہم پہلے امر سے آغاز کرتے ہیں۔

۱- ان مذکورہ صفات کی اصناد اور تمام نقائص سے اللہ تعالیٰ منزہ ہے

۔ وہ صفات جن کی تشریح اور جن کے متعلقات کے بیان سے ہم فارغ ہو چکے

ہیں۔ وہ سب عقلی و نقلی، قطعی و لایوں سے اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں۔ پس ان پر اس

طرح ایمان رکھنا واجب ہے کہ ہم یہ یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے

ساتھ متصف ہے۔ اور ان پر ایمان اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان سب کی تفسیریں

اللہ تعالیٰ کی ذات سے سلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے مذکورہ صفات کا ثبوت اس بات

کا موجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ کوئی مددگار۔ نہ وہ کسی مکان میں

مختص ہے، نہ کسی زمان میں منحصر۔ نہ وہ کوئی جوہر ہے اور نہ کوئی عرض ہے نہ کوئی جسم۔

اور نہ ان مذکورہ اشیاء کے لوازم میں سے کوئی چیز اس پر درست آتی ہے۔ مثلاً اس کی

طرح یہاں یا وہاں کے ساتھ اشارہ کرنا یا اس کی طرف ایک مکان سے دوسرے مکان

کی طرف حرکت و انتقال کی نسبت کرنا اور نہ ہی اس پر جہل درست ہے اور نہ کذب اور

نہ نیند اور نہ نسیان نہ اس کی طرف قسر و اکراہ وغیرہ جو مذکورہ صفات کی اصناد ہیں، کی

نسبت کرنا درست ہے۔

صفات سے متعلق آیات تشابہات اور ان کے بارے میں

متعقدین و متأخرین میں سے ہر ایک کا موقف

اس مذکورہ بحث پر بعض قرآنی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت

بعض ان احادیث سے اشکال پیدا ہوتا ہے۔ جو اپنے ظاہر الفاظ و تعبیرات کے سبب

بعض ان نقائص و نقائص کے ثبوت کا افادہ کر رہی ہیں جن کی ہم نے اللہ تعالیٰ کی

ذات سے نفی کی تھی۔ جیسا کہ جہت، جسمیت، جوارح و اعضاء اور تحیری فی المكان وغیرہ۔

مثلاً درج ذیل آیات کریمہ:

۱- وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْبَلَكُ صَفًّا صَفًّا (المز ۴۷)

(اور تمہارے رب کا حکم آئے اور فرشتے قطار قطار)

۲- يَذُّ اللَّهُ نُوقً اَيُّدِيَهُمْ (الحج ۱۰)

(ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے)

۳- بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ (المائدہ ۶۴)

(بلکہ اس کے ہاتھ کشادہ ہیں۔ عطا فرماتا ہے جیسے چاہے)

۴- اَلرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ مُتَوٰی (طہ ۵)

(وہ بڑی مہر والا، اس نے عرش پر استواء فرمایا یا جیسا اس کی شان کے

لائق ہے اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”ان قلوب بنی آدم بین اصبعین من..... اصابع الرحمن“

(انسانوں کے دل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں)

اور آپ کا فرمان ہے۔

”ان الله خلق ادم علی صورته“

(اللہ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا)

لہذا اولیٰ قائلہ بتقدیہ کے ساتھ جو کچھ ہم نے ذکر کیا یا جس کی ہم نے وضاحت

کی ہے اس کے اور ان آیات و نصوص کے ظاہر کے درمیان کیسے تطبیق ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان نصوص کا تعلق اس نوع تشابہات میں سے ہے جس

کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کی کچھ آیات قرآن کریم میں ہیں۔

اور تشابہہ سے مقصود ہر وہ نص ہے جس کے معنی مرادی کے متعلق احتمالات کے

درمیان باہم کشمکش پیدا ہو رہی ہو اور اپنے ظاہر کے اعتبار سے اس امر کی وہم پیدا کر

رہی ہو۔ جس کی نفی پر دلائل قائم ہو چکے ہوں۔ لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی

صفات سے متعلق دوسری آیات بھی ہیں۔ مگر وہ محکمات ہیں۔

یعنی وہ اپنی دلالت میں قطعی ہیں جو صرف اپنے صریح معنی کا ہی احتمال رکھتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَیْسَ كَمَثَلِ شَيْءٍ

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ اللَّهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا

أَحَدٌ۔

(تم فرماؤ وہ اللہ ہے۔ وہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی

اولاد ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صریح عبارت کے ساتھ مومن کے لئے قرآن کی

نصوص محکمہ کی اتباع اور اللہ تعالیٰ کے متعلق اپنے عقیدہ کی بنیاد انہی کے موجب پر

رکھنے اور نصوص تشابہات کو ان کے معنی مرادی کے سمجھنے کے لئے محکمات کے تابع

رکھنے کی ضرورت کو واضح فرمادیا ہے اور اس شخص پر شدید تکسیر فرمائی ہے جو واضح، قطعی

نصوص محکمہ سے غفلت برتتے ہوئے مشکل، تشابہہ، عبارت کے پیچھے پڑ کر اور اس کی

تفسیر جس طرح چاہے، کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ

الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ

مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ إِلَّا اللَّهُ

وَالَّذِينَ اسْتِخْوَنَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا

يَذْكُرُ إِلَّا أُولَ الْأَلْبَابِ (آل عمران ۷)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم پر کتاب اتاری۔ اس کی کچھ آیتیں صاف معنی

رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں۔ اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ

ہے۔ پس جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں۔

گمراہی چاہئے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو۔ اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ علم میں پختہ کار کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

منتقدین اور متاخرین کا انتہائی موقف

اسی لئے تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم کی تحفیذ اور تشاہد آیات کی اتباع اور واضح محکم نصوص کو چھوڑ کر تشاہد کی تاویل میں داخل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی تخریر پر عمل کرتے ہوئے اس بات پر متفق ہیں۔ ان نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا ظاہر اللہ تعالیٰ کے کمال اور اس کی الوہیت کے منافی ہے جن خدمات کا تقاضا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پاک و منزہ ہے۔ پس اس قدر مسلمان کو ایمان و عقیدہ رکھنا واجب ہے۔ اس اتفاق کے بغیر تشاہد نصوص کے متعلق ان کے موقف میں اختلاف ہے اور اس میں دمدہب ہیں۔ منتقدین اور متاخرین کے۔

منتقدین کا موقف

منتقدین کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر نقص اور حوادث کے پر مشابہت سے پاک و منزہ ماننا چاہئے۔ اور ان نصوص کی کسی بھی تفصیلی تاویل اور تفسیر میں نہ پڑا جائے۔ اور جس کو اللہ نے بذات خود اپنے لئے ثابت کیا ہے۔ اسی کے اثبات پر اکتفاء کیا جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان نصوص کی اجمالی تاویل کی جائے اور ان کی مراد کا تفصیلی علم اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن ان نصوص کو بغیر کسی تاویل کے (خواہ اجمالی ہو یا تفصیلی) ان کے ظاہر پر چھوڑنا جائز نہیں۔ اس کے نہ منتقدین قائل ہیں اور نہ متاخرین۔ کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو پھر تم اپنی عقل کو ان صفات میں سے بہت ساری صفات کے بارے میں تناقص معافی پر پیش کرو گے۔ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود اس آیت کریمہ میں لفظ ”ایمن“ کو لفظ مفرد کے ساتھ اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

وَلْيُقْضَ عَلَيَّ عَقْبِي (طہ-۳۹)

(اور اس لئے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو)

اور دوسری جگہ لفظ ”ایمن“ کو لفظ جمع کے ساتھ اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

وَاصْبِرْ بِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (طہ-۴۸)

(اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو۔ بے شک تم ہماری

نگہداشت میں ہو)

لہذا اگر تم ان دو آیات کی تفسیر بغیر کسی اجمالی تاویل کے ان کے ظاہر پر کرو گے تو پھر تو تم قرآن پاک پر واضح تناقص کو لازم قرار دے رہے ہو گے۔ حالانکہ قرآن اس سے پاک ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ”اَلَمْ يَكُنْ عَلَيَّ الْعَرْشُ اسْتَوٰی“ (اور وہ بڑی مہر والا، اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَلَنَحْنُ اَعْدَبُ الْاَلٰیهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ن-۱۶)

(اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں)

اگر تم ان دونوں آیات کی تفسیر کسی اجمالی تاویل کے ان کے ظاہر پر کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی کتاب پر تم واضح تناقص کا الزام لگا رہے ہو گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بغیر کسی تاویل کے کیسے مستوی ہوگا۔ جبکہ وہ اسی وقت بغیر کسی تاویل کے میری شہ رگ سے بھی زیادہ میرے قریب ہے؟

اور یہ آیات کریمہ پر ہمیں

اٰمِنْتُمْ مِّنْ لِّی السَّمٰوٰتِ اَنْ یَّخُوْفَ بِكُمْ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَنۡوُرُ

(الک-۱۶)

(کیا تم اس سے ڈر ہو گئے ہو جس کی سلطنت آسمان میں ہے کہ تمہیں

زمین میں دھنسا ڈے جب ہی وہ کا پتی رہے)

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ (البقرہ: ۸۴)

(اور وہی آسمانوں کا خدا اور زمین والوں کا خدا ہے)

اگر تم ان دونوں آیات کی تفسیر ان کے ظاہر پر کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تناقض کو داخل کرو گے۔ جیسا کہ واضح ہے لہذا تمہارا ان آیات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کو خیر، جوارح و اعضاء اور شکل و صورت میں مخلوق کی مشابہت سے پاک ماننا اور پھر اس کے لئے ان صفات کو ثابت کرنا جن صفات کو اس نے اپنی ذات کے لئے ثابت کیا ہے۔ اس وقت اس کے کمال کے لائق ہوگا۔ جب تم ان تمام نصوص کی تفصیلی مراد اللہ پر چھوڑ دو گے۔ اس طرح تم تناقض فی الفہم سے بھی بچے جاؤ گے اور قرآن کریم کو بھی ہر طرح کے تناقض کے عہم سے محفوظ کر لو گے۔ اور یہی سلف رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ کیا تم نے انہیں ان آیات کے بارے میں یہ کہتے ہوئے نہیں دیکھا؟

”أَمْزَ وَاهَا بَلَا كَيْفَ“ تم ان کو بلا کیف چھوڑ دو۔

اگر حنفیہ میں اس معنی کے ساتھ ان آیات کی اجمالی تاویل کرنے والے نہ ہوتے تو ان کا یہ قول صحیح نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ ان کو بلا کیف کیوں چھوڑتے۔ کیونکہ لغت اور حدیث عربیہ کی دلالت واضح ہے۔ جو ہر قسم کے التباس و جہل سے نافع ہے۔ خواہ یہ التباس و جہل اصل معنی میں ہو یا اس کی کیفیت میں۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ حدیث و لغت جس چیز پر دلالت کر رہے ہیں۔ معاملہ اس کے ظاہر پر مبنی نہیں کیونکہ دوسری محکم آیات اس پر دلالت نہیں کر رہی ہیں۔ اور یہ واضح اجمالی تاویل ہے۔ لیکن انہوں نے ان نصوص کی ان کیفیات کے ساتھ تفسیر نہیں کی جن کو وہ تسلیم کرتے تھے۔ اور یہی تفصیلی تاویل سے توقف ہے۔ پس اس میں غور کرو کہ یہ یقینی ہے۔ اور یہی وہ واضح حق ہے جس کا غیر کے ساتھ

(یہ مالک بن انس، سلیمان عینی اور عبد اللہ بن مبارک کا قول ہے ملاحظہ ہو۔ سنن الترمذی، ۴۴۴، باب فضل

الصدقہ“ اور کتاب الاعتقاد للہجوتی، ۳۔)

التباس مناسب نہیں۔

متاخرین کا موقف

متاخرین کا موقف ہے کہ ان نصوص کی ایسی تاویل کی جائے تاکہ ان دوسری محکم نصوص کے ساتھ مطابقت پیدا ہو جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کی جہت، مکان اور جوارح سے تزیہ بیان کرتی ہیں۔

اسی لئے وہ ”الرحمن علی العرش استوی“ میں استوی کی تفسیر طاقت و قوت کے تسلسل سے کرتے ہیں اور یہ معنی لغت میں ثابت و معروف ہے اور دوسری آیت میں ”یذ“ کی تفسیر قوت یا کرم سے کرتے ہیں۔ اور ”إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ“ کے متعلق کہتے ہیں کہ ”صورتہ“ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی ذات کے بجائے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف رائج ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جس لمحہ ایسا دیکھا اس لمحہ سے ہی ان کی تخلیق ان کی اسی صورت و صورت پر کی ہے۔ جس سے وہ بعد میں متمتع ہوتے رہے۔ لہذا انہوں نے ایک شکل سے دوسری شکل کی طرف ارتقائی منازل طے نہیں کیں۔

اور بعض نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ ضمیر لفظ ”أَنْ“ کی طرف رائج ہے۔ جو مسلم کی روایت کے مطابق اسی حدیث کی ابتداء میں مذکور ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں یوں روایت کیا ہے۔

”فَإِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمُ أَخَاهُ فَلْيَجْتَنِبِ الْوُجْهَ فَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ

عَلَى صُورَتِهِ“

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے لڑے تو اس کو چہرے سے بچنا

چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اس کی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ چہرے کا احترام کرنا چاہئے کہ چہرہ حضرت آدم علیہ السلام کی

خلقت کا مظہر ہے۔

یا ضمیر اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف رائج ہے۔ جیسا کہ دوسری روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔

”إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَةِ الرَّحْمَنِ“

(اللہ نے حضرت آدم کو رحمان کی صورت پر پیدا فرمایا)

لیکن صورت صفت کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم و ادراک کی صفات سے نوازا جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں۔

یاد رکھئے کہ متقدمین کا مذہب ان کے اپنے زمانے میں افضل و اسلم اور عقل و دل ہر دو میں مرکز ایمان فطری کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتا تھا۔ اور متاخرین کا مذہب ان کے اپنے زمانے میں ایسا نقطہ اتفاق بن چکا تھا کہ جس سے روگردانی ممکن نہ تھی۔ کیونکہ ان کے زمانے میں فکری مذاہب اور علمی مناقشات پیدا ہو چکے تھے اور مجاز، تشبیہ، استعارہ وغیرہ قواعد پر عربی بلاغت کا ظہور ہو چکا تھا۔

اسی لئے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے بس میں تو یہ بات تھی کہ وہ آیت میں مذکور ”استوی“ کا معنی دریافت کرنے والے کو یہ جواب دیتے۔

”الكيف غير معقول والاستواء غير مجهول والايمان به

واجب والسؤال عنه بدعة“

(استواء کی کیفیت غیر معقول اور استوی معلوم اور اس پر ایمان واجب اور

اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے)

کیونکہ حضرت امام مالک کا زمانہ عصر نبوت کے قریب ہونے کی وجہ سے ایمان و یقین رائج کا زمانہ تھا۔ لیکن بعد میں آنے والے آئمہ کے بس میں یہ بات نہ تھی کہ وہ ان نصوص کی فنون، بلاغت کی روشنی میں تحقیق کئے بغیر تسلیم کر دیا کرتے۔ کیونکہ ان حضرات کا زمانہ تدوین اور علوم کے پھیلاؤ کا اور تحقیق و بحث کے دائروں کی توسیع کا زمانہ تھا۔ بالخصوص ان کے زمانہ میں ایسے زندیق لوگ موجود تھے جنہیں منہج تسلیم

مطلوبن نہیں کر سکتا تھا اور وہ لوگ تفصیلی فہم کی ضرورت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اگرچہ وہ درحقیقت معاندین تھے۔

تمہارا یہ معلوم کرنا اہم ہے کہ ان دونوں مذاہب کے گرچہ دو الگ الگ منہج ہیں لیکن دونوں کا مقصد ایک ہے۔ کیونکہ دونوں کا تال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی چیز بھی اس کے مشابہ نہیں۔ اور وہ تمام صفات نقص سے پاک ہے۔ ان دو مذاہب کے درمیان تمہیں جو اختلاف نظر آ رہا ہے۔ وہ فقط لفظی و شکلی اختلاف ہے۔ اس مقام پر ان شاذ فرقوں کی بات کرنا ہمارا مقصد نہیں۔ جن کو معطلہ یا مجسمہ کہا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم کی صورت میں ہے اور پھر وہ اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لئے شکل دست بھی ثابت کرنے لگے۔ یہ انہوں نے تشابہ آیات کے ظاہر سے اور محکم آیات سے اعراض اور عربی لغت کی حقیقت اور اس کی مجاز، استعارہ اور تفسیر کی مختلف اسالیب سے غفلت برتنے کے سبب کیا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی رائے کے لئے کتاب اللہ اور اس کی تفسیر سے تعلق رکھنے والی کسی بات میں کوئی وزن ثابت نہیں۔ اور نہ کتاب اللہ کی نصوص (خواہ محکم ہوں یا متشابہ) میں ان کی کوئی تائید ملتی ہے۔ پس ان لوگوں نے ذات الہی کا تصور اسی طرح کیا۔ جس طرح ان کے مجردات خیالات نے تصویر کشی کی تھی۔ اور اس کے بعد اپنے ان خیالات پر قرآن حکیم کی آیات چسپاں کرتے رہے تاکہ ان کے خیالات کی تصدیق ہو سکے اور ان کے اطمینان کا باعث بن سکے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی آیات باہرہ سوائے واضح حق کے کسی پر کیسے دلالت کرتیں۔ لہذا یہ لوگ اپنے ان بتوں پر اٹنے منہ گر پڑے۔ جن کو انہوں نے بجائے اس کے کہ انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے نصب کرتے اپنے سروں میں قائم کیا ہوا تھا۔ ان کا حال بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے زیادہ کوئی چیز صادق نہیں ہو سکتی۔

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ

الْفِتْنَةِ وَالْمَنَافَةِ تَأْوِيلُهُ (آل عمران - ۷)

(پس جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ تو اس کی تشابہ آجیوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لئے)۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے افعال سے علت غائیہ کی نفی

علت غائیہ کی تعریف

علت غائیہ سے مراد وہ غرض ہوتی ہے جو انسان کے ذہن میں قائم ہوتی ہے اور جو ذہن کو اپنے حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ تو ذہن ان وسائل و اسباب کی حفیظ پر انسان کو تیار کرتا ہے۔ جو اسباب و وسائل انسان کو اس غرض تک پہنچاتے ہیں۔ اسی لئے یہ غرض درحقیقت وہ غایت ہوتی ہے۔ جس کو انسان اسباب کے اختیار کرنے کے وقت ہدف بنا لیتا ہے۔ اس پر علماء علت غائیہ کا اطلاق کرتے ہیں۔ اور یہ علت وجود ذہنی میں اسباب و وسائل کے اختیار کرنے سے پہلے اور وجود خارجی و حقیقی میں اختیار اسباب کے بعد ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر تمہیں حرارت کی ضرورت محسوس ہوئی اور اٹھ کر گرم کھل اوڑھ لیا۔ اس میں حرارت کی ضرورت محسوس ہونا ایسی غرض ہے۔ جس نے تمہیں اٹھ کر گرم کھل اوڑھنے پر مجبور کیا۔ جب تم نے ایسا کیا تو تمہاری مطلوبہ غرض حاصل ہو گئی۔ اور تم حرارت محسوس کرنے لگے۔ پس حرارت کا حصول علت غائیہ ہے۔ کیونکہ اس نے تمہیں مذکورہ کام کرنے پر مجبور کیا۔ اور یہ ذہن میں تو اس کام کے کرنے سے پہلے موجود تھی۔ لیکن خارجی میں اس کا تحقق اس فعل کے بعد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال سے علت غائیہ کے انحصاء کا بیان

۱۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ایک صفت ارادہ ہے۔ اور صفت ارادہ جبر و کراہ کے منافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ تام و کامل ہے۔ اس کے ساتھ جبر و کراہ کا کوئی

۱۔ (اس بحث کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "من روائع القرآن" ص ۷۶)

شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ انسان کے ارادہ سے جدا ہو جاتا ہے۔ کہ انسان میں صفت ارادہ ناقص ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ جبر و کراہ مخلوط ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ تامہ اور کاملہ ہوتی ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ ہمارے افعال کی طرح اللہ تعالیٰ کے افعال علت غائیہ پر قائم ہوتے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ ایسا کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے صفت ارادہ کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ کے متعلق یہ ثابت ہے کہ وہ کاملہ اور تامہ ہوتی ہے۔ اس میں کسی قسم کے جبر و کراہ کا کوئی شائبہ تک نہیں ہوتا۔

لہذا اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے بارش اسی علت کی وجہ سے برسائی جو اس کے پیش نظر تھی۔ بعد وہ پیش نظر علت زمین پر سبزہ کا ظہور ہے۔ اور اسی نے اللہ تعالیٰ کو بارش برسانے پر آمادہ کیا۔ (جیسا کہ علت غائیہ کا کام ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس ضرورت نے اللہ تعالیٰ کو بارش برسانے پر مجبور کیا۔ کیونکہ سبزہ کے لئے بارش کا واسطہ ضروری ہے۔ پس اس صورت میں ارادہ کاملہ سبزہ اگانے یا بارش برسانے کی طرف متوجہ ہوا۔ تو وہ اپنے منافی اس ضرورت کی ایک بڑی مقدار سے مخلوط ہو گیا اور جمیع مخلوقات کے بارے میں اسی طرح بات ہوگی۔ کیونکہ وہ بھی غیر کے لئے اسباب ہوتے ہیں۔ اور یہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اس طرح کا عقیدہ یا قول کفر محض ہے۔ اور الوہیت کے مقتضی کے واضح منقضی ہے۔

۲۔ قدرت تامہ مطلقہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ مستلزم ہے کہ تمام موجودات اللہ تعالیٰ کی خلق و تکوین سے پیدا ہوں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کا تامہ مطلقہ ہونا صادق نہیں آئے گا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے کئی مقامات میں تصریح فرمائی ہے کہ تمام مخلوقات اس کی خلق سے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

۱- وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا (الفرقان: ۲)

(اس نے ہر چیز پیدا کر کے گھیک انداز سے پر رکھی۔)

۲- هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ: ۲۹)

(وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے)

۳- أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ

أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ (سرا: ۹۹)

(اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین بنائے۔ ان

لوگوں کی مثل بنا سکتا ہے)

اللہ تعالیٰ کا تمام مخلوق کو پیدا کرنا تب صادق آئے گا۔ جب اللہ کی قدرت ان کی

طرف ابتدا بغیر کسی واسطہ یا سبب کے متوجہ ہوئی ہو اور ان کا وجود کسی ایک سبب مباشر

کی وجہ سے ہو (اور وہ سبب واحد اللہ کی قدرت و خلق ہے) لیکن اگر ہم اللہ کے افعال

اور اس کی تخلیق میں علت غائیہ فرض کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی

قدرت اور اس علت غائیہ کے درمیان کئی وسائل و اسباب ہیں۔ اور یہی وسائل و

اسباب ایجاد غایت میں مؤثر مباشر ہیں۔ اس اعتبار سے علت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی

تخلیق کا تعلق صرف بطریق توسط اور سبب ہوگا اور ایسا ہونا ان نصوص قرآنیہ کے منافی

ہے جو اپنی قطعی عبارات میں ناطق ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق مباشر ہے۔ اور

ایسا ہونا اللہ تعالیٰ کے قدرت مطلقہ کے ساتھ متصف ہونے کے بعد بھی منافی ہے۔

۳- تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات کمال سے متصف ہے اور تمام صفات نقص

سے پاک ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال علل

غائیہ پر مشتمل ہوتے ہیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کا بعضہ نقص سے متصف ہونا اور

اس کا غیر سے کمال حاصل کرنا لازم آتا ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا

کبیراً کیونکہ جو کسی امر کا محتاج ہوتا ہے اور پھر وہ اس امر تک پہنچنے کی طاقت

کسی خاص واسطہ کے استعمال سے حاصل کرتا ہے۔ تو وہ دو جہتوں سے ناقص

ہوتا ہے۔ پہلی جہت اس امر کی طرف محتاج ہونے کا ہے اور حاجت نقص کف

فرع ہے اور دوسری جہت اسی کا اس امر تک بغیر پہنچنے کی قدرت نہ

رکھنا ہے۔ اور یہ ہر اس ذات کی علامت ہوتی ہے جس اعمال علت غائیہ کی بنیاد

پر قائم ہوتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے افعال کی طرف اس علت کی نسبت کرنا

کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

۴- اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ موجودات میں سے ہر

شے کو اسی نے پیدا کیا ہے اور اسی نے اسی میں اثر رکھا ہے یعنی ذات بھی اسی

نے پیدا کی اور اس کو سبب بھی عطا فرمادی۔ یعنی مسببات میں سے جس کو چاہا

اس کو سبب بھی عطا فرمادی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ (طہ: ۵۰)

(کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے لائق صورت دی پھر راہ

دکھائی)

سَبَّحَ اسْمُ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ قَسْوَى وَالَّذِي قَدَّرَ قَهْدَى

(اعلیٰ: ۲-۱)

(اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے جس نے بنا کر گھیک

کیا اور جس نے اندازہ پر رکھ کر راہ دی)

یہ قطعی صریح نص ہے جہاں میں جو بھی سبب ہے۔ اس کی تخلیق اسی نے فرمائی

اور اسی نے اس کو سبب بنایا ہے۔ اس کے باوجود اس خالق عظیم کا معین ہدایت کے

حصول کے لئے اپنی بعض مخلوق کو واسطہ بنانا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے۔

ثبوت عایت و اغراض کا وہم پیدا کرنے والی نصوص

جب تم مذکورہ بحث پر غور کرو گے تو تمہیں علت غائیہ کا معنی اور اللہ تعالیٰ کے افعال کا ان کے ساتھ انصاف ناممکن ہونے کا مطلب اچھی طرح سمجھ آ جائے گا۔ اور تمہیں اس کا ان اولیہ عقلیہ و نقلیہ کے سبب یقین حاصل ہو جائے گا۔ جن کی ہم نے وضاحت کر دی ہے۔ لیکن وہ آیات و احادیث جو لام تعلیل کے استعمال کے سبب اللہ تعالیٰ کے لئے علل و اغراض کے ثبوت کا وہم پیدا کر رہی ہیں۔ مثلاً

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (اندرجات۔ ۵۶)

(اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے پیدا کئے کہ میری بندگی کریں)

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا لِّنُخْرِجَ بِهِ بَلْدَةً حَيَّةً وَنُسْقِيَهُ

مِنْهَا خَلْقًا آتَعَامًا وَآنَا مَبِیُّ كَعْبَرًا (المرقان۔ ۵۹، ۶۸)

(اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا پاک کرنے والا تاکہ اس سے ہم زندہ

کریں کسی مردہ شہر کو اور اس سے پلائیں اپنے بنائے ہوئے بہت سے

چوپائے اور انسانوں کو)

یہ نصوص اپنے اس ظاہر پر نہیں جسے ہم تعلیل حقیقی سمجھتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر اس امر کا اقتضاء ہوتا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی عبادت سے کمال حاصل کرنے والا ہے کیونکہ وہ عبادت کا محتاج ہے۔ پس اس نے انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے اور اس امر کا تقاضا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ سبزہ کے ذریعے زمین کو زندہ کرنے اور بارش کے ذریعے انسانوں کو سیراب کرنے کا حاجت مند ہو گیا تھا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کو بارش کا برسا نا ناگزیر بن گیا تھا۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ اللہ کے حق میں یہ تصور محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی شے کا محتاج نہیں۔ نیز وہ تو علت و معلول اور ان کے درمیان نسبت اور علیت کے رابطہ کا بھی خالق ہے۔ اس قسم کی آیات میں لام تعلیل علت جعلیہ کی تعبیر ہوتا ہے نہ کہ علت حقیقہ کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ انسان کی ایجاد اور اس کو

مبودیت کے مستلزمات سے مکلف بنانے کے ساتھ متعلق ہو گیا ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بارش کو اتارنے اور زمین سے اگانے کے ساتھ متعلق ہو گیا ہے۔ اور محض اپنی قدرت و مشیت کے رابطہ کے سبب اول کو ثانی کے لئے علت بنانے کے ساتھ متعلق ہو گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس معنی کی تعبیر لام تعلیل وغیرہ کے ساتھ فرماتا ہے۔ کیونکہ ہم اپنے بارے میں اشیاء کے ایک دوسرے سے ارتباط کو رابطہ تعلیل و نسبت کے ساتھ تصور کرنے کے عادی ہیں۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی تمہارا اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور بعض اشیاء کی بعض پر ترتیب کے بیان میں اپنی گفتگو کے اندر لام تعلیل استعمال کرنے میں کوئی حرج ہے۔ لیکن لام تعلیل سے تمہارا اللہ تعالیٰ کے حق میں علت باعث یا غائیہ کے ثبوت پر دلالت سمجھنا ناجائز ہے۔

مخلوقات میں نظام علیت کے ثبوت اور اللہ تعالیٰ کے افعال

سے نظام علیت کے انشاء میں فرق

مذکورہ حقیقت میں کسی اختلاف یا نزاع کا وقوع ممکن نہیں۔ تمام مسلمان اس مضمون پر متفق ہیں لیکن بعض محققین نے اللہ تعالیٰ کے افعال سے علت غائیہ کی نفی کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ یہ بات اللہ کی خلق اور اس کے افعال میں عبث و لغو کا وہم پیدا کرتی ہے۔ حالانکہ کتاب اللہ کی صریح نصوص کے سبب سے اللہ تعالیٰ پر عبث محال ہے۔ مصلحت اور فائدہ کے موافق اللہ تعالیٰ کے افعال و خلق میں علت بیان کرنے سے عبث منہی ہوتا ہے۔ عجیب و غریب نظم و نسق اور ترتیب والی مخلوقات سے ہم اس علت کی نفی کیسے کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے افعال میں علت غائیہ فرض کرنے کی وجہ سے اس کی ذات سے عبث کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے کہ ایسی صورت میں ایک برائی سے بڑی برائی کی طرف فرار لازم آئے گا۔ اللہ تعالیٰ سے عبث کی نفی ان حکمتوں اور مصلحتوں کی معرفت سے ہوتی ہے جو حکمتیں اور مصلحتیں اللہ تعالیٰ کے افعال کے پس پردہ ہوتی

ہیں اور جو افعال پر مرتب ہوتی ہیں جن کو صرف اللہ ہی جانتا ہے اور یہ حکمتیں اور مصلحتیں وہ علل غائیہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کو ان افعال پر مجبور کر رہی ہوں۔ اور حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مختلف مخلوقات کے لئے عظیم مصلحتیں بنانا چاہا ہے۔ حالانکہ وہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کو مخلوقات کے بغیر بھی ایجاد کرنے پر قادر تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بندوں کی عقلوں کو اس مجبوری ترتیب و تنظیم کے حوالے سے اس جانب متوجہ کرنا چاہا کہ اس عالم کا ایک خالق و مدبر ہے۔ تاکہ وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کے سامنے جھک جائیں۔ حالانکہ وہ ان کے دلوں میں مظاہر عالم میں غور و فکر اور کسی بھی شے میں نظم و نسق کے قیام کے بغیر بھی ایمان پیدا کرنے پر قادر تھا۔ لیکن اس نے چاہا کہ وہ اپنے ایمان میں عقل کو استعمال کریں تاکہ وہ اپنے کسب اور اپنی ذاتی محنت پر جزا یا سزا کے مستحق بن جائیں۔ حالانکہ وہ ان کو مکلف نہ بنانے اور سرے سے ان کو پیدا نہ کرنے پر بھی قادر تھا۔ اگر وہ ان کو پیدا نہ کرتا اور اس سارے جہاں کی کوئی چیز پیدا نہ کرتا تو تب بھی اس کا کچھ نقصان نہ ہوتا۔ لیکن اس نے ایسے ہی چاہا۔ اس کی تقدیر کو نالائے والا کوئی نہیں اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہو سکتی۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے ہر ارادہ اور اس کی ہر خلق کا راز دریافت کرنے لگو تو اس کا مطلب ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کو مجبور کرنے والی علت غائیہ تسلیم کرنا چاہتے ہو۔ اسی لئے تو تم اس کی تلاش ”تکونین“ کی بنیادوں میں کر رہے ہو۔ حالانکہ یہ وہ چیز ہے جس کا خلاف ہم ثابت کر چکے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عالم وجود اپنے منہج و مظہر میں علیت کے نظام پر قائم ہے۔ اور وہ اپنے اس قیام کے ذریعے اپنے خالق و مدبر کے وجود پر اذعان کو مطلع کرنا چاہتا ہے اور یوں اللہ تعالیٰ کے فعل سے عبث کی نفی بھی کر رہا ہے۔ لیکن اس سے اللہ تعالیٰ بعض مخلوقات کو بعض دیگر مخلوقات کی پیدائش کے لئے واسطہ بنانا مراد نہیں اور نہ ہی یہ اس کو مستلزم ہے۔ بلکہ اللہ خود ہی پہلا اور آخری واسطہ ہے اور وہی اسباب و مسببات

اور نتائج و مقدمات اور حکم و مصالح کا خالق ہے۔ گرچہ اس نے تخلیق میں بعض کو بعض پر مرتب فرمایا ہے۔ پس یہ فطرت مجبوری کی ترتیب ہے۔

میں اس بحث کا اختتام اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے ایک دقیق ترین کلام پر کرنا چاہتا ہوں۔ لہذا تم اس پر خوب اچھی طرح غور و فکر کرو۔ تاکہ تمہیں ہماری مذکورہ گفتگو کی عمدگی معلوم ہو سکے۔

علامہ مصطفیٰ صبری اپنی کتاب ”موقف العقل“ میں فرماتے ہیں یہ کہنا کہ اللہ کے افعال کے لئے اغراض اور علل غائیہ تسلیم نہ کی جائیں تو اس کے افعال کا عبث و اتقاق ہونا لازم آئے گا۔ یہ قول محض وہم ہے جس کا منشاء اس کے قائلین کا اللہ تعالیٰ کو اپنے پر یعنی انسان پر قیاس کرنا ہے کہ انسان کوئی عمل بغیر کسی مرتج اور علت غائیہ کے نہیں کرتا۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ اس طرح نہیں کرے گا تو اس کا فعل عبث (لفو) و اتقاق بن جائے گا۔

ان لوگوں کا اپنے اس قیاس میں اپنی غلطی پر آگاہ ہونے کے لئے اتقا ہی جانتا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی لمحہ بھی غور و فکر کا محتاج نہیں۔ جبکہ مرتج اور علت غائیہ کی بناء پر عمل کرنے والا انسان علت غائیہ اور مرتج کی بناء پر اس لئے عمل کرتا ہے کہ وہ اپنے افعال کے انجام کے بارے میں غور و فکر کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال سے علت غائیہ کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے افعال علت غائیہ اور مرتج پر مبنی نہیں۔ کیونکہ یہ امور کے انجام و عواقب میں فکر کرنے والوں کی شان ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس شان سے منزه ہونا واجب ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے افعال کا حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہونے بغیر مصلحتوں اور حکمتوں سے خالی نہ ہونا اللہ تعالیٰ کی تشریح کے منافی نہیں۔ لیکن ان مصلحتوں اور حکمتوں کی تعبیر علل غائیہ کے ساتھ نہیں کی جائے گی کیونکہ علت غائیہ وہ ہوتی ہے۔ جس پر فاعل اپنے ذہن میں اپنے فعل کی بناء کرتا ہے اور اقدام فعل سے قبل اس میں غور و فکر کرتا ہے۔ اسی لئے ہم نے یہ کہا ہے کہ حکمت اس کے فعل کے تابع ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہا کہ اس کے

افعال حکمت کے تابع ہوتے ہیں الخ۔

علامہ مصطفیٰ صبری مزید فرماتے ہیں:

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اس کی ذات سے عواقب میں تفکیر کے بغیر صادر ہوتے ہیں (جیسا کہ ہم انسانوں کے افعال کا صدور تفکیر سے ہوتا ہے) اور یہ عدم تفکر اس کے کمال کا مقتضی ہے جبکہ ہمارا کمال تفکیر میں ہے۔ (اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں)

اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال کے انجام و عواقب کو بغیر کسی تفکیر کے جانتا ہے لہذا اس نے اپنے افعال کو اس علم کے ذریعے معلل بنا دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ عواقب و غایات کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے افعال کو ان عواقب و غایات کے ساتھ معلل کرنا نہیں۔ کیونکہ تعلیل اپنے علم میں اپنے افعال کو غایات و عواقب پر مبنی کرنے کا نام نہیں۔ اور یہ بعید تفکیر فی العواقب ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے کہ تعلیل کا قائل جس کے انکار کی طاقت نہیں رکھتا۔ تعالیٰ اللہ عنہ

ہم تو تعلیل بالافعال کی نفی کرتے ہیں۔ نہ غایات کی نفی کرتے ہیں اور نہ غایات کے علم کی نفی کرتے ہیں۔ پس ہم سے اس دقیق فرق کو یاد رکھئے۔ جس کو ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اخذ کیا ہے۔ ہاں البتہ اگر اس معاملہ کو ہم انسانوں کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے یہ افعال ان غایات کے لئے کئے ہیں۔ یعنی یہ افعال اگر ہم انجام دیتے تو ان کو وہ غایات جو ان کے بعد آتی ہیں۔ وہ ان کے لئے علل غائیہ بن جاتیں اسی لئے ان غایات کو اللہ تعالیٰ کے وجود کے لئے علت غائیہ کی دلیل بنانا صحیح ہے۔ باوجودیکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کے فعل کی نسبت کوئی علیت نہیں۔ بلکہ فقط غایات ہیں۔ جو اس کے افعال کے بعد آتی ہیں۔ جو یہ بتاتی ہیں کہ ان کے قائل کو ان افعال اور ان غایات کے درمیان پائی جانے والی مناسبت کا علم ہے۔

(موقف انقل و اعلم من رب العالمین۔ ص ۷۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں

اشیاء میں حسن و قبح اعتباری ہیں

مذکورہ عنوان پر تم غور کرو تو تمہیں ادراک ہو جائے گا کہ یہ عنوان اس سابقہ حقیقت کا لازمی نتیجہ ہے جس کی ہم نے وضاحت کر دی ہے۔ جب یہ ثابت ہو چکا ہے۔ جن اشیاء کی تخلیق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق ہو چکا ہے۔ ان میں سے کسی شے کی تخلیق اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور تمام موجودات مع اپنی کیفیات و اعراض کے اللہ تعالیٰ کے اختیار فرمودہ خلق کے سبب موجود ہیں۔ تو اسی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اشیاء (اشتمال ذاتی کے طور پر) حسن و قبح پر مشتمل نہیں ہیں۔ یعنی یہ ممکن نہیں کہ اشیاء حسن یا قبح کی علامت بن جائیں کہ حسن و قبح سبب خلق کی بجائے سبب طبع و فطرت کے ان میں اصل بنے ہوئے ہوں۔ تمام اشیاء کے لئے مع ان کی تمام صفات کے اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ ہی شے کا خالق ہو اور اللہ ہی حسن کے معنی کا خالق ہو۔ اور وہی قبح کے معنی کا خالق ہو اور وہی شے اور اس معنی کے درمیان ربط پیدا کرنے والا ہو اور وہی شے اور معنی کو آپس میں جمع کرنے والا ہو۔

حسن و قبح دو اعتباری حال ہیں۔ موجود ذاتی نہیں

جب تم نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا تو تمہیں اس کی دوسری جانب اس بات کا ادراک بھی حاصل ہو گیا ہو گا کہ حسن یا قبح کی کسی شے کی ذات کے ساتھ اس طرح مربوط ذاتی جڑیں نہیں کہ اس سے انفکاک ممکن نہ ہو۔ بلکہ وہ ایک معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کسی حکم کے تابع ہوتا ہے۔ لہذا جس کو ہم حسن یا قبح کہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔ کہ حسن کو قبح اور قبح کو حسن بنا دیتا اور یہی ہمارے اس قول کا مطلب ہے کہ حسن و قبح اشیاء میں اعتباری ہیں۔ شاید تمہیں تعجب ہو اور یہ کہنے لگو کہ میں یہ کیسے سمجھوں گا کہ صدق و عدل کا حسن اعتباری ہے ذاتی نہیں۔ یا

جھوٹ اور ظلم کا قبح اعتباری ہے ذاتی نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے امور میں حسن یا قبح متعدد اطراف سے پیدا ہوتا ہے اور وہ سب کے سب ان امور کی ذات، اور ان کے جوہر سے خارج اور اعتباری ہوتے ہیں۔ پس صدق کا حسن یا تو اس لئے پیدا ہوا کہ صدق صادق کو مختلف فوائد تک پہنچاتا ہے یا تو اس لئے کہ صادق کو قیامت کے روز صدق پر ثواب دیا جائے گا۔ یا تو اس لئے کہ نفوس کی جبلت صادق کے احترام اور کاذب سے نفرت پر رکھی گئی ہے۔ اور یہ تمام امور صدق کی ذات سے خارج اسباب ہیں (جیسا کہ تم جانتے ہو) اور اللہ تعالیٰ نفوس اور ان کی طبیعتوں کو تبدیل کرنے پر قادر تھا اور ہمیشہ قادر ہے۔ لہذا نفوس اور طبائع نہ صدق کی محبت سے تعلق رکھیں گی۔ نہ کذب سے نفرت کریں گی۔

اور اسی طرح عدل کے مہادی میں بھی بات ہو سکتی ہے۔ مثلاً ہم ان کو اس لئے امر حسن شمار کرتے ہیں کہ وہ ہر حقدار کے حق کو ضامن ہیں۔ اور یہ بات ان کی ذات اور ان کے جوہر سے خارج علت ہے۔ اور اسی طرح حق کا حقدار تک پہنچنا بھی اسی لئے حسن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ضروریات کا محتاج پیدا کیا ہے اور اس کی فطرت میں احتجاج رکھا ہے اس لئے وہ ان ضروریات سے الگ ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پس اسی سبب وہ حاجات اس کا حق بن گئی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو کسی دوسری طرز پر پیدا کرتا اور اس کو ضروریات کا محتاج نہ بناتا اور ان کے ساتھ اس کا تعلق پیدا نہ کرتا تو وہ حاجات و ضروریات اس کا حق نہ ہوتیں۔ لہذا اگر ایسا ہوتا تو ان حقوق و حاجات کا مشایع کرنا اس پر ظلم نہ بنتا اور ان کی حفاظت کرنا اس کے لئے عدل نہ بنتا۔

اللہ تعالیٰ نے اشیاء اور ان کی خاصیات کے درمیان جو رابطہ اور تعلق پیدا کیا ہے اس رابطہ و تعلق کے ساتھ ہم اپنی شدت مانوسیت کی وجہ سے یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ حسن یا قبح ان میں سے ہر ایک ذات میں مخفی ہے۔ اس لئے وہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے ہیں۔ جب تم اس حقیقت کا اچھی طرح ادراک کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا

کہ اللہ تعالیٰ اپنی خلق اور اپنے فیصلے میں کسی بھی چیز پر مجبور نہیں۔ کیونکہ وہ اگر کسی چیز پر مجبور ہوتا تو جبر کا سبب اللہ تعالیٰ کے لئے اسلحہ و افضل کے اختیار کرنے اور فاسد و قبیح سے اجتناب کرنے کے لئے ضرورت بن جاتا۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ صالح کو صالح اور قبیح کو قبیح بنانے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لحاظ سے کسی چیز کو حسن یا قبیح نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نسبت تمام امور آغاز خلق میں برابر ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے لئے فرمانبردار کو جزا نہ دینا اور عذاب دینا اور کافر کو عذاب نہ دینا اور اسے جزاء دینا جائز ہے اور اس کو مصلحت و حکمت کے منافی نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ خیر کو مصلحت یا حکمت بنانے والا بھی تو اللہ ہی ہے۔ لہذا اس کے اعمال میں سے کسی عمل کا مصلحت کے منافی ہونا غیر معقول ہے۔

لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی واضح کتاب میں اپنی ذات پر فرمانبردار و مطیع کے لئے اپنی مہربان و رحمت کے طفیل ثواب دینا لازم قرار دیا ہے۔ پس وہ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ کیونکہ اس نے اس کی خبر دی ہے اور وہ اصدق الصادقین ہے اور اسی لئے اس نے اپنی شریعت کے ذریعے صدق کو حسن اور کذب کو قبیح بنا دیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں جو چاہا پیدا کر دیا اور ان کی جزئیات کے درمیان ایسی ترتیب رکھی جس ترتیب سے ان میں سے بعض کو حسن و مفید اور بعض کو قبیح و مفسد بنا دیا اور اگر اللہ تعالیٰ کی خلق نہ ہوتی اور ذوات و خصائص کے درمیان اس کی ترتیب و تالیف نہ ہوتی تو ہم نہ حسن میں صفت حسن اور قبیح میں صفت قبیح کو جانتے اور نہ اس کا ہم شعور رکھتے۔

اس حقیقت سے ظاہر ہونے والے اہم نتائج

یہ حقیقت تمہارے سامنے اپنے سے متفرع ہونے والے تین نتائج کا انکشاف کرتی ہے۔

۱۔ اشیاء اپنے اصل اعتبار سے حسن و قبح اور نفع و ضرر کے رنگ سے خالی ہیں۔ پھر

اللہ تعالیٰ نے بعض اشیاء کو کسی رنگ سے بعض کو کسی رنگ سے رنگ دیا۔ ہمارے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ اشیاء میں حسن و قبح اعتباری ہے جو ہری نہیں۔

۲- جب حقیقت یہ ہے کہ تو یہ کہنا صادق ہوگا کہ اللہ نے قبح اور ضرر رساں کو پیدا کیا ہے کیونکہ جب اللہ نے اشیاء میں معین خصائص رکھے یا اشیاء کو معین تاثیر والے نتائج تک پہنچایا جو نتائج انسان کی مصلحتوں کے مخالف تھے یا اللہ تعالیٰ نے انسانی مزاج میں ان نتائج سے نفرت و انصباح پیدا فرمایا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے موجودات کی تخلیق کے ضمن میں قبح کو پیدا فرمایا ہے۔

۳- وہ صفات نقص جن کے بارے میں ہمیں معلوم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جہان میں قبح اور ضرر رساں کو پیدا کرنا ان صفات نقص میں سے نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمالہ میں سے ایک صفت یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اس میں اس کے لئے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ خواہ وہ کوئی قوت ہو یا کوئی عرف ہو یا کوئی قانون ہو اور اس کا موجودات کی اقسام کے لئے حسن و قبح اور ضار و نافع پیدا کرنا اس کی اسی صفت کمالہ کا مظہر ہے لیکن صفت کمال کے منافی اور نقص کو مستلزم یہ کہنا ہے کہ اس نے قبح کا ارتکاب و اکتساب کیا۔ یا وہ اس کے ساتھ متصف ہوا۔ مگر اکتساب قبح اور خلق قبح میں بڑا فرق ہے جہاں میں مختلف مظاہر میں متشکل عجز کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی ذات میں نقص نہیں۔ لیکن اس کا عجز کے ساتھ متصف ہونا نقص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کذب کو پیدا کرنا قبح نہیں (یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے ساتھ بعض انسان متصف ہوتے ہیں) لیکن اس کا اس کذب سے متعلق ہونا قبح ہے۔

یہ اس لئے نہیں کہ کذب عقلی طور پر بذاق قبح ہے۔ (اس کا بطلان ہم ثابت کر

۱) خلق قبح اور کتب قبح میں فرق اور اس کے متعلق قول فیصل کے لئے ملاحظہ ہو شرح معانی مشکوٰۃ ص ۳۶۳-۳۶۴

علامہ سعد الدین غفرانی

چکے ہیں) بلکہ اس لئے کہ یہ کچھ ایسے معانی اور مستلزمات کے ساتھ متعلق ہے جو معانی و مستلزمات بندوں کی مصلحتوں کے ساتھ اتفاق نہیں رکھتے۔ اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کے سبب اس کو قبح بنایا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ انصاف ممکن نہیں۔ تم پر یہ التماس نہیں ہونا چاہئے کہ تم یہ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو بھی تو اپنی شریعت کے ساتھ قبح بنایا ہے۔ لہذا اس کا ظلم کے ساتھ متصف ہونا بھی مناسب نہیں ہونا چاہئے۔ جب معاملہ اس طرح کا ہے تو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار کو عذاب دینا یا لوگوں کو بغیر ارتکاب گناہ کے مصائب میں مبتلا کرنا بھی مناسب نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ تمہارا کسی کے ساتھ خاص شے میں اس کی رضا کے بغیر تصرف کرنے کا نام ظلم ہے۔ اور اسی کو شریعت نے قبح قرار دیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں تصرف کرنا اس قبیل سے نہیں۔ کیونکہ وہ تو اپنی اس ملک میں تصرف کرتا ہے جس میں اس کو مشیت مطلقہ حاصل ہے۔

تمہارے ذہن میں یہ شبہ اس لئے پیدا ہوا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات اور اس چیز پر قیاس کیا ہے جس پر انسانوں کا عرف انسانی معاشرے میں قائم ہے۔ مگر وہ چیز جس پر انسانوں کا عرف بنی ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی تکوین و تخلیق کا ایک معمولی سا جز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے اجزاء میں سے کسی جزاء کا خالق کے ارادہ و تصرفات پر حاکم ہونا ممکن نہیں۔ نیز جہاں میں تم ابتلاء و مصائب کے جو مظاہر دیکھ رہے ہو۔ جن میں بہت سارے انسان مبتلاء ہیں۔ جن کو بعض لوگ ہماری باہمی معاملات میں ہماری اصطلاح کے مطابق ظلم کہتے ہیں۔ وہ کئی مصلحتوں اور حکومتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ لیکن وہ حکمتیں اور مصلحتیں ہم سے اوجھل ہوتی ہیں۔ اور ان کے صحیح ہونے کے لئے ہمیں ان کا علم ہونا شرط نہیں۔ جیسا کہ ان کی مشروعیت کے لئے ہماری عقلوں کا ان کے ساتھ اتفاق رکھنا اور ان پر راضی ہونا شرط نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں تمہارا غور و فکر کرنا تمہارے لئے اللہ کی حکمت کے مظاہر میں سے بطور مظہر کافی ہے۔

وَتَلْبَسُوا بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ (الانعام: ۳۵)

(ہم بطریق امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی اور بھلائی میں مبتلا کرتے

ہیں اور تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے)

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَضَيَّرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا

(الفرقان: ۲۰)

(اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا۔ کیا

تم صبر کرو گے؟ تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے)

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عقل بذات خود اشیاء میں حسن یا قبح کے ... آنے والے مظاہرے سے ان میں پائی جانے والی حکمتوں کو معلوم کرنے کی مستقل طور پر طاقت نہیں رکھتی۔ کیونکہ صفت قبح یا حسن کا جو اثر تمہیں ان اشیاء میں نظر آ رہا ہے وہ ذات کے لئے اس طرح لازم ضرورت عقلیہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے تابع ہو۔ بلکہ یہ مجموعی ارتباط اور خیالی تصور ہے جو ان اشیاء کے ان مذکورہ ظاہری مصلحتوں کے ساتھ ارتباط کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ جو مصلحتیں اشیاء کی ذات سے خارج ہیں اور کبھی اللہ تعالیٰ کا حکم ان ظاہری مصلحتوں کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ اسی لئے جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ رسولوں کی بعثت سے قبل نہ کوئی شریعت تھی نہ کوئی تکلیف۔ اور اہل فترت کہ جن کا انبیاء سابقین کی خبر اور خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے جن کا رابطہ منقطع رہا ان کا نہ مواخذہ ہے نہ وہ مکلف تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کر رہا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا (اسراء: ۱۵)

(اگر حسن و قبح اعتباری ہونے کی مزید وضاحت مطلوب ہو تو امام غزالی کی کتاب المحصّل کی طرف رجوع کریں۔ انہوں نے اس بارہ میں انہماکی دینی اور حسین مشفقانہائی ہے۔ اور اس میں آپ کو نقل شرعی کے رد کا نظریہ بھی ملے گا۔ جس کے بارے میں بعض علماء فکر کرتے ہیں کہ یہ مصرعہ کے قیامات میں سے ہے۔ دیکھئے

المحصّل - ج ۱ - ص ۵۷)

(اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں)

اس میں مسئلہ میں معتزلہ کا اختلاف

اس مسئلہ میں معتزلہ کا اہل الذمۃ والجماعۃ سے اختلاف ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے۔ جو اشیاء کی ذات سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لئے ان کے ہاں احکام الہی کا صلح و احسن کے موافق صادر ہونا ضروری ہے۔ اور ایسا ہونا اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب ہے اور تنہا عقل اشیاء میں فیصلہ کرتی ہے اور ان میں اللہ کے حکم کی معرفت رکھتی ہے۔ اسی لئے تمام اہل عقل مکلف ہیں۔ خواہ ان کی طرف رسول مبعوث کئے گئے ہوں یا نہ اور مذکورہ آیت میں ان کے خیال کے مطابق رسول سے مراد عقل ہے۔

اس مسئلہ میں معتزلہ سے بہت ساری لغزشیں صادر ہوئی ہیں۔ ان کے افکار و نظریات کی کمزوری اس مسئلہ میں عقلی ظاہر ہوئی ہے اتنی کسی میں نہیں ہوئی۔ یقیناً وہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے اس کلام میں کفر کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ ان کے اور کفر کے درمیان ان کا نہ ہی کہنے کا فاصلہ ہے کہ جہاں کی مصلحتیں ہی شریعت اور اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمران ہیں۔ انہوں نے اشیاء میں حسن و قبح کے ذاتی ہونے کا جو فیصلہ کیا ہے۔ یا جو نظریہ پیش کیا ہے۔ مذکورہ قول اسی کا فطری نتیجہ ہے۔

مگر انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ پر صلح واجب ہے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی جانب سے صلح واجب ہے۔ لہذا وہ وجوب سے اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی خارجی اجبار مراد نہیں لیتے بلکہ وہ اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ اللہ کی ذات میں موجود صفت کمال ہی اس وجوب کا منبع ہے۔ یہ کلام تو اچھا ہے مگر ان کے اپنے معتبر اصول سے ٹکراتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اشیاء کی ذات میں حسن و قبح کا ثبوت آغاز سے ہی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے سامنے انسانی ارادے کا انجام

سوال

ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ مطلق و کامل ہے اور تمام ممکنات سے تعلق رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہذا اس کے مقابلہ میں ہم انسان کے لئے بھی کسی ارادے کا ہونا کیسے تصور کر سکتے ہیں؟ حالانکہ ہمیں تجربہ و مشاہدہ کی براہین کے ذریعہ معلوم ہے کہ انسان اپنے بہت سارے سلوک و تصورات میں ارادہ بھی کرتا ہے اور اختیار بھی رکھتا ہے۔ پس اس ارادہ کی نوعیت و حقیقت بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مقابلہ میں اس کا انجام کیا ہے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کی تخلیق فرمائی تو اس کو حرکت و تصرف کی دونوں پر قائم فرمایا۔ ایک نوع میں انسان دوسرے سارے موجودات یعنی حیوانات، جمادات، نباتات اور اہلک و غیرہ کے ساتھ برابر شریک ہے۔ اور وہ نوع حرکات قسر یہ اور اعمال فطریہ ہیں۔ اسی میں انسان کو کسی قسم کا کسب یا کسی قسم کی مشیت حاصل نہیں۔ جیسا کہ نمو اور اس کے تابع امور یعنی قوت، بڑھاپا اور ضعف وغیرہ کی حرکت اور جیسا کہ ولادت و موت اور جیسا کہ محبت، نفرت، بھوک، پیاس، خوف و ڈر وغیرہ مختلف جذبات۔

اور دوسری نوع وہ تصرفات ہیں جو اس خاص عجیب اسرار و رموز سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے انسان میں ودیعت رکھا ہے۔ جس کو ہم ارادہ و اختیار سے موسوم کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارادہ انسان کی فطرت میں اس راز کو رکھنے سے متعلق ہو گیا اور یہ وہی راز ہے جو انسان کو مکلف ٹھہرائے جانے اور اس کو بہت سارے تصرفات کے صادر ہونے کا اہل بنائے جانے کا محور ہے اور یہ وہی بھید ہے

جس کی وجہ سے انسان کو آزاد و مختار ہونے سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے مرید (ارادہ کرنے والا) ہونے کے ساتھ متعلق ہو گیا۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے سبب ہر اس چیز تک سرایت کر گیا جس کا تم ارادہ کرتے ہو اور جس کو تم اختیار کرتے ہو۔ (یعنی تم جن اعمال کا ارادہ کرتے ہو ان اعمال کے ارادہ تک اللہ تعالیٰ کا ارادہ سرایت کر گیا)

پس جب معاملہ اس طرح کا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ارادے اور جس چیز کو تم اپنے خاص ارادے کے ذریعے اختیار کر رہے ہو اس کے درمیان کسی قسم کے تقاضے کا وقوع ممکن نہیں۔ کیونکہ اگر ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس عمل کا ارادہ کرنے والا نہیں جس عمل کو تم اپنے ارادے سے اختیار کر چکے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس ارادے کا ارادہ کرنے والا نہیں۔ جس ارادے کو تم اس فعل کی طرف متوجہ کر چکے ہو اور یہ ثابت شدہ امر کے متناقض ہے اور وہ ثابت شدہ امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے چاہا کہ تم ارادہ کرنے والے بن جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ تمہارے اندر اس اسر و بھید کو پیدا کرے۔ لہذا اس مفروضہ کا باطل ہونا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اس عمل کا ارادہ نہیں فرماتا جس عمل کو تم اختیار کرتے ہو۔

میں آپ کے سامنے ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ جو تمہیں اس حقیقت کے قریب کر دے گی۔ تمہارا ایک گھریلو ملازم ہو۔ تم خدمتگاری اور معاملات کے بارے میں اس کی صداقت و دیانت داری کو پرکھنا چاہتے ہو اور اپنے اس مقصد تک پہنچنے کے لئے تم اس کو کچھ رقم دیتے ہو اور بعض ضروریات خریدنے کے لئے اسے بازار بھیج دیتے ہو۔ اور اس پر کوئی نگہبان بھی مقرر نہیں کرتے ہو اور جس طرح چاہے تصرف کرنے کے لئے میدان کھلا چھوڑ دیتے ہو۔ تم پس اپنے اس عمل کے ذریعے چاہتے ہو کہ وہ اپنے فضل و ترک کے معاملے میں آزاد رہے اور اپنی داخلی فکری کی آواز کے سوا کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہو۔ اور وہ قسر و جبر سے محفوظ ارادے سے مستمع رہے تاکہ تم اس

کے سبب اس کے ضمیر کو پرکھ سکو۔ اور جب وہ واپس لوٹا تو تمہیں معلوم ہوا کہ اس نے تمہاری دی ہوئی رقم اور خریدے گئے سامان میں خیانت کی ہے۔ اور تم واقع میں اسی نتیجہ (ضمیر کو پرکھنے) کا ارادہ رکھتے تھے۔^۱

اور جب وہ لوٹا تو اس کے عمل میں امانت کا انجام بھی ثابت ہو گیا۔ اور تم اس نتیجے کا بھی ارادہ رکھنے والے تھے۔ کیونکہ اس کو تصرف کرنے کے لئے آزاد چھوڑنے سے تمہارا مقصد صرف اس نتیجے کا ظہور تھا۔ خواہ نتیجہ کوئی بھی ہو۔ تمہاری پسند کا ہو یا نا پسند کا۔

جب تم پر یہ واضح ہوا تو تمہیں اللہ کے ارادے کے سامنے انسان ارادے کا انجام بھی معلوم ہو گیا کہ وہ آقا کے ارادے کے سامنے ملازم کے ارادے کے انجام کی مانند ہے۔ واللہ المثل الاعلیٰ

لہذا تمہارے اپنے تصرفات اختیار یہ متعلق ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تحت پوشیدہ ہے۔ لیکن قسر و اکراہ کے انداز میں نہیں۔ (جیسا کہ نوع اول سے متعلق ارادے کی صفت ہے)

بلکہ ارادہ و اختیار کو تمہاری فطرت میں رکھنے کے طور پر ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ تم اس کے سبب جس چیز کو پسند کرو اس کو بغیر کسی اکراہ کے حاصل کر سکو تا کہ تمہاری روش اور طرز و طریقہ میں تمہارا ضمیر منکشف ہو سکے۔ اور اس کے سبب تم اللہ تعالیٰ کی جانب سے جزا یا سزا کے مستحق ٹھہر سکو۔ اور یہ بڑی واضح بات ہے کہ تمہارا یہ طور طریق اسی سبب اللہ تعالیٰ کی مراد بن جائے گا۔

اسی سے تمہیں معلوم ہوگا کہ اللہ کی ملک میں وہی واقع ہوتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔ اور جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔

۱۔ (اس فرق کو مد نظر رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے ضمیر کو بھی اور اس چیز کو بھی جانتا ہے جس کو بندہ اپنے ارادے سے کرنا چاہتا ہے)

اور یہ اس بات کے متناقض نہیں کہ اس نے تمہیں بھی ارادہ و مشیت عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا تمام اشیاء کو جانتا اس بات کے متناقض نہیں کہ اس نے تمہیں بھی ان میں سے بعض اشیاء کا علم عطا فرمایا ہے۔

ارادہ و رضا میں فرق

سوال:

شاید تم اس کے بعد یہ سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ ایسے فعل پر سزا کیسے دے گا جو اس کی مراد ہے؟ بلکہ جس روش سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو منع فرمایا ہے۔ وہ روش اسی وقت اللہ کی مراد کیسے بن سکتی ہے؟

جواب:

یہ اشکال اس دہم کی فرع ہے جس میں وقوع سے تمہیں پہنچنا چاہئے اور وہ ارادہ و امر کا ہم معنی ہونے اور ایک دوسرے کو مستلزم ہونے کا تو ہم ہے اور یہ سمجھ کی بہت بڑی غلطی ہے۔ سابقہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ جہان میں ہر شے کا وقوع صرف اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر دنیا میں ایسی چیز بھی ہوتی جو اس کی مشیت و ارادہ سے بالا موجود ہوتی۔ اور یہ عجیب و غریب وضع کا واضح ترین مظہر ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ حالانکہ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ (المائدہ)

(اور اپنے بندوں کی ناشکری اسے پسند نہیں اور اگر شکر کرو تو اسے تمہارے

لئے پسند فرماتا ہے)

لہذا مثلاً ابو جہل کا کفر اللہ تعالیٰ کی مرادات میں تو داخل ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور ماسوۃ کے تحت داخل نہیں۔ جس پر مذکورہ آیت کریمہ صریح دلالت کر رہی ہے۔

اور ملازم کی جو مثال ابھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ اسی حقیقت سے گاہ کر رہی ہے تمہارا اپنے ملازم کو اپنے مال میں تصرف کے لئے چھوڑنے میں یہی مقصد ہے کہ تم اس کے نتیجے کا ظہور چاہتے ہو۔ نتیجہ جو بھی ہو خواہ تمہاری پسند کا ہو یا ناپسند کا۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے جسے ہم اپنے تجربات اور تصرفات ٹھہرے اور آپس کے معاملات میں محسوس کرتے رہتے ہیں۔

میں پورے وثوق کے ساتھ اپنے شاگرد کی تعلیمی کمزوری اور ناکامی پسند نہیں کرتا۔ لیکن اس کے باوجود سال کے آخر میں جب میں اس کا امتحان لینا چاہوں تو میں اس وقت اس امتحان کے ذریعے نتیجے کے ظہور کا ارادہ کروں گا۔ نتیجہ جو نہ بھی ہو۔ خواہ کامیابی کی صورت میں ہو یا ناکامی کی صورت میں۔

کسی بھی صاحب عقل انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ جو کچھ، میں اپنے شاگرد کو محنت کرنے کی ہدایت کیا کرتا تھا۔ اس میں اور جو کچھ آج میں اس کے معاملہ کی حقیقت کے اظہار کرنے والے نتیجے کا ارادہ کرتا ہوں۔ ان دونوں میں وقوع تقاض کا گمان رکھے۔ یوں ہی سمجھنا چاہئے ارادہ نہ امر کو مستلزم ہے اور نہ شئی مراد کے ساتھ رضا کو مستلزم ہے۔ یہ بھی ان لغزشوں میں سے ایک لغزش ہے۔ جن میں معتزلہ گمراہ ہوئے۔ اور جن میں ان کے اقوال کو رد فرمائی یعنی اخذ و احتراز کے درمیان مضطرب ہوئے۔ یہ ہم نے جو کچھ بیان کیا اس میں اگر تم بنظر عمیق فکر کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ انسان اپنے تمام اعمال اور تصرفات اختیار یہ میں ارادۃ الہیہ کے دائرے میں متحرک رہتا ہے۔

اس سے ذرہ بھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ اور تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ انسان کا اپنے ان تصرفات میں مختار و مرید ہونے اور اس کے ارادۃ الہیہ سے ادھر ادھر نہ ہو سکنے کے درمیان کوئی منافات نہیں۔ اور معاملہ ایسا نہیں جس طرح کہ بعض سطری ذہنیت کے مالک لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ انسان کا فعل جب تک ارادۃ الہیہ کے ذریعے حاصل رہے گا

تو ایسی حالت میں انسان کو کوئی آزادی اور کوئی کسب حاصل نہیں رہے گا۔ معاملہ اس طرح کا تب ہوتا جب امتحان میں فیل ہونے والے شاگرد کا امتحان لینے والے استاذ سے یہ کہنا درست ہوتا۔ کہ میں تو اس ناکامی پر مجبور تھا۔ کیونکہ تم نے میرا امتحان لیتے وقت میری ناکامی کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور خادم کا اپنے مخدوم سے یہ کہنا درست ہوتا کہ تمہارے معاملہ میں مجھ سے جو خیانت صادر ہوئی ہے اس پر تو میں مجبور تھا کیونکہ تم نے اپنے مال میں میرے تصرف کرنے کی آزادی کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ یہ بڑی واضح بات ہے کہ کوئی عقل مند ایسی بات نہ کرے گا اور نہ اس کے سننے کے لئے تیار ہوگا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے شرح عقائد میں فرماتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ تعین کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے ارادے پر جبر قطعی طور پر لازم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم و ارادہ یا تو وجوب فعل سے متعلق ہوں گے تو فعل واجب ہو جائے گا یا تو عدم فعل سے متعارف ہوں گے تو فعل ممتنع ہوگا۔ اور وجوب وہ امتناع کے ساتھ کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا اور ارادہ کرتا ہے کہ بندہ اپنے اختیار سے فعل کرے گا یا اسے ترک کرے گا۔ پس کوئی اشکال نہیں۔ (شرح عقائد ۷-۲۵۴)

سوال:

تمہارا یہ کہنا اس وقت قابل قبول ہوتا ہے جب قرآن کریم میں تمہارے اس قول کو باطل کرنے والی کوئی آیت نہ ہوتی۔ جبکہ قرآن کریم کی آیت یہ بتا رہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت کا پابند ہے۔ اس کی اپنی کوئی مشیت اور اپنا کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا

(اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے بے شک وہ علم و حکمت والا ہے)

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کی بنیاد اور اسی کا دستور ہے (کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے ایک مجید رکھا ہے جس کے سبب انسان جن اعمال و تصرفات کو چاہتا ہے ان کے اختیار کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ صحیح الفاظ کے ساتھ وضاحت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اس عظیم راز کو انسان کی فطرت میں نہ رکھتا تو انسان اپنی فطرت میں رکھے ہوئے اس ارادہ سے مستفید نہ ہو سکتا۔ اسی سر کے سبب وہ جو تصرفات و اعمال چاہتا ہے۔ ان کے اختیار کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

غور کیجئے کہ میں اس وقت ان اہم مباحث کو لکھنے کے لئے اپنا وقت صرف کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ میرے وجود میں محض اپنے فضل و کرم سے اس عظیم سہ کو ڈالنے کو چاہنے والا نہ ہوتا تو میرے پاس اس عظیم سرور و راز پر قائم اختیار کہاں سے آتا اور اس وقت اللہ نے مجھ پر کرم فرمایا۔ پس اس نے چاہا کہ وہ مجھے میرے اپنے تصرفات اختیار یہ میں ارادے والا بنا دے تو میں کیا اختیار کرنے والا اور ارادے والا نہیں بنا؟ اور کیا میرے وہ اعمال جن کا سبب میں نے کیا۔ وہ میرے اس ارادے کا ثمر نہیں۔ باوجود اس علم و یقین کے کہ میرا یہ ارادہ اسی ارادۃ الہیہ میں دائر ہے؟ اللہ کی قسم اس شخص کے بارے میں میرے تعجب کی کوئی انتہا نہیں جو اس آیت کریمہ سے تمسک کرتا ہے اور پھر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم عطیہ کی عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے۔ جو انسان کے لئے عقل کے بعد سب سے بڑا عطیہ ہے۔ اور وہ اختیار پر ارادہ و قدرت کا عطیہ ہے۔

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ افسوس ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے اسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔

۱- وَ نَفْسٍ وَ مَا سَوَّاهَا ۚ فَالْتَمَمَهَا فُجُورَهَا وَ تَقْوَاهَا (النہل: ۸۷)
(اور قسم جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔ پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی)

۲- اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۚ اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ اِمَّا شَاكِرًا ۙ وَاِمَّا كَفُورًا (الدر: ۸۷)
(بے شک ہم نے انسان کو طے جلے نطفے سے امتحان کے لئے پیدا کیا اور اس کو شہاد دیکھنا بنایا۔ ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار ہے خواہ ناشکرا۔

۳- اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهِ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَ شَفَتَيْنِ وَ هَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البلد: ۱۰۲)
(کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں۔ اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں بنائے) اور ہم نے دکھا دیئے اس کو دونوں راستے)
اس بحث سے متعلق کچھ اور نقاط بھی ہیں۔ جو محتاج کشف و بیان ہیں۔ لیکن ان کی تشریح ہم پانچویں اور آخری مسئلے کے تحت کریں گے۔
لہذا اب ہم اسی پانچویں مسئلہ کی تحقیق کا آغاز کرتے ہیں۔

۵- قضاء و قدر اور ان کا معنی اور ان دونوں پر وجوب ایمان
قضاء و قدر پر ایمان کی ضرورت دو دلیلوں سے متفرع ہے۔ پہلی دلیل وہ حدیث صحیح ہے جس کو امام مسلم نے روایت فرمایا ہے۔

الايمان أن تؤمن بالله و ملائكتہ و کتبہ و رسلہ و بالیوم
الآخر و بالقدر خیرہ و شرہ

(ایمان تمہارا اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور ان کے رسولوں اور قیامت کے دن اور خیر و شر کی تقدیر کو ماننا ہے)
اور دوسری دلیل یہ ہے کہ سابقاً بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم و قدرت سے

متصف ہے۔ لہذا قضاء اللہ تعالیٰ کی صفت علم اور ارادہ کے ثبوت کی فرع ہے۔ اور قدر اللہ کی صفت قدرت کے ثبوت کی فرع ہے۔

قضاء و قدر کی تعریف

اللہ تعالیٰ کا ازل میں تمام اشیاء کے متعلق یہ جاننا کہ وہ مستقبل میں کسی طور پر موجود ہوں گی۔ قضاء ہے اور ان اشیاء کو علم ازلی کے مطابق ایجاد کرنا قدر ہے۔

اور بعض حضرات نے اس کے برعکس تعریف کی ہے کہ قضاء کی تعریف قدر کی بنیادی ہے اور قدر کی تعریف قضا کی بنیادی ہے۔ امر قابل احتمال ہے اور معاملہ آسان ہے۔

قضاء و قدر پر وجوب ایمان کا مطلب

اہل السنۃ والجماعۃ کے مذہب کے مطابق ان دونوں پر ایمان کے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مکلف پر یہ یقین رکھنا واجب ہے کہ ہندوں کے تمام افعال اور وہ تمام چیزیں جو مخلوقات سے تعلق رکھتی ہیں جن کا مستقبل میں حدوث ہوگا۔ وہ اولاً اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور اس بات کا یقین رکھنا بھی واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت ان اشیاء کو ایجاد کیا ہے تو اس قدر مخصوص اور وجہ معین پر ایجاد کیا ہے۔ جس کے ساتھ اللہ کے علم کا پہلے سے ہی تعلق ہو چکا تھا۔ (یعنی پہلے سے ہی اللہ کے علم میں تھی) اس سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ قضا و قدر کا جبر کے ساتھ مطلقاً کوئی تعلق نہیں۔

جیسا کہ بعض لوگوں نے وہم کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنی الوہیت کے موجب بندوں کے ان مختلف افعال جن کو وہ عنقریب کریں گے اور جو کچھ اس کی ملک میں عنقریب واقع ہوگا۔ ان سب کا علم ہونا ضروری ہے۔ ورنہ یہ اللہ تعالیٰ کی ان مذکورہ صفات میں نقص ہوگا اور پھر ان امور کا اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق واقع ہونا بھی

۱۔ (انسان کے افعال کو اللہ تعالیٰ کا ایجاد کرنا انسان کو ان افعال پر مجبور کرنے کو مستلزم نہیں۔ نہ اس سے انسان سے اختیار سلب کرنا مراد ہے۔ عنقریب اس کا بیان آئے گا)

ضروری ہے۔ ورنہ اس کا علم جہل میں تبدیل ہو جائے گا اور یہ محال ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ ان سب امور کا فاعلین سے افعال کے بطور قسر و اکراہ یا محض ارادہ و اختیار سے صادر ہونے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ تم جانتے ہو کہ عام نقطہ صفت کا حقد ہے۔ اور ہر وہ چیز جس کی شان صرف امور کے واقع میں جس طرح ہوں یا عنقریب کس طرح موجود ہوں گے، کا انکشاف ہو۔ اس کا جبر و اختیار کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح صحیح مسلم میں قضاء و قدر کی مذکورہ تعریف کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

خطابی نے فرمایا کہ بہت سارے لوگ قضاء و قدر کا معنی اللہ تعالیٰ کا بندے کو جو کچھ اس کے لئے مقدر کیا ہے۔ اور جس چیز کا اس کے لئے فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس پر مجبور و مقہور کرنا گمان کرتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں جس طرح کہ وہ وہم کرتے ہیں۔ بلکہ قضاء و قدر کا مطلب اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بندے کے جو کسب ہوں گے یا جو کچھ بندے سے صادر ہوگا۔ اس سے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم کے تقدیم کی خبر دینا ہے۔

(العمدی طے مسلم ۱۵۳: ۱۵۵)

اور ایمان کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث کی شرح میں ابن حجر قضاء کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ نفس الامر میں اشیاء جیسی ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم ازل کا نام قضاء ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ان اشیاء کو اس علم کے مطابق ایجاد کرنے کا نام قدر ہے۔

(فتح المبین شرح الاربعین۔ ص ۶۲، شرح الوصیۃ ج ۲، ۲۹۴، شرح مظاہر۔ ص ۲۵۴)

فعل انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی خالقیت انسان سے اختیار سلب نہیں کرتی۔ کوئی شخص تم سے یہ سوال کر سکتا ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ علم کا اشیاء کے ساتھ تعلق صرف بطریق کشف ہی ہے۔ لیکن ان اشیاء کا وجود جن اشیاء کے متعلق اللہ تعالیٰ

نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ محقریب وجود پزیر ہوں گی (یعنی اللہ تعالیٰ ان کے وجود کو جانتا ہے) تو کیا اس وجود کی موجب وہی خلق ہے اور اس وجود کا موجب وہی ارادہ ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر معاملہ قسر و اکراہ پر ہی جا کر ختم ہو گیا۔ مگر چہ اکراہ کا تعلق علم سے نہیں تو خلق و ارادہ سے تو ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شے کا وجود اور تغیر اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہی سے ہے۔ اور ہر شے کے وجود اور تغیر کی تکمیل بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہی ہے۔ (جس کی ہم نے سابقاً وضاحت کر دی ہے) لیکن تمہارے خیال میں اس پر مرتب ہونے والے جبر کے بطلان کو ہم بیان کرتے ہیں۔ اولاً قصیہ خلق کے اعتبار سے اس کا بطلان بیان کریں گے اور ثانیاً قصیہ ارادہ کے اعتبار سے بطلان بیان کریں گے۔

اللہ کی مخلوقات دو قسم کی ہیں۔

۱۔ قسم اول وہ مخلوقات جن میں کسی کو کسب حاصل نہیں۔ اور یہ ہر وہ چیز ہے جو عالم وجود میں قسر و وجوب کے طور پر موجود ہوتی ہے۔ جیسا کہ افلاک اور موسموں کی حرکت اور اشجار و نباتات اور انسان کا نمو۔ اور جیسا کہ انسان کے بہت سارے اعمال و حرکات مثلاً بیداری، حرکت ارتعاش اور موت وغیرہ۔ مخلوقات کی اس قسم میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ ان میں کوئی اذکال نہیں۔ بالخصوص تم انسان کے بارے میں جانتے ہو کہ وہ اپنے تصرفات قسر یہ اور احوال قسر یہ کے اعتبار سے مکلف نہیں۔ اور نہ ہی ان تصرفات و احوال کے ساتھ جزاء و سزاء کا تعلق ہوتا ہے۔

۲۔ اور دوسری قسم وہ مخلوقات اکسابیہ ہیں۔ جن کے ساتھ انسان اپنے کسب اور سعی اختیاری سے متصف ہوتا ہے۔ جیسا کہ انسان کا کھانے پینے اور پڑھنے وغیرہ کی طرف متوجہ ہونا اور جیسا کہ وہ مختلف افعال و اعمال جو انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے۔

کیونکہ ان دونوں میں کوئی تلازم نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے۔ کیونکہ تمہارا کسی بھی فعل میں آغاز کرنا دوا سروں پر موقوف ہے۔ ایک تو اس فعل کے خارجی وجود پر (یعنی اس کے تمام مادی و معنوی مقومات کے وجود پر) اور اس کے بعد تمہارا اس کی طرف متوجہ ہونے کے سبب اس کو حاصل کرنے پر موقوف ہے۔ پس تم اپنے کاسب اور اس کی جانب متوجہ ہونے کے وصف ہونے کے سبب مختار و مرید ہو۔ نہ کہ اس کے مقومات و عناصر کے موجود و خالق ہونے کے وصف کے سبب۔ (یعنی تم اس کے عناصر و مقومات کے خالق و موجود ہونے کی وجہ سے مرید و مختار نہیں کیونکہ تم خالق و موجود نہیں بلکہ اس کے کاسب ہونے کی وجہ سے مرید و مختار ہو) اس کی وضاحت ایک جیسی مثال کے ساتھ کی جاتی ہے۔ مثلاً ہاتھ اور ہاتھ میں موجود زندگی (شریانیں اعصاب اور خون۔ ان سب امور کے سبب ہاتھ حرکت پر قدرت رکھتا ہے اور یہ سب امور اللہ کی تخلیق کے سبب ہیں اور وہ کاغذ جو تمہارے سامنے اپنی صورت، اپنے جوہر اور اپنے خصائص کے ساتھ موجود ہے۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی وجہ سے ہے۔ اور قلم میں کتابت کے لئے موجود قابلیت بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے سبب ہے۔ ان تمام عناصر کا باہم ملنا تاکہ تم کاغذ پر مرقوم خط ایجاد کر سکو۔ بے شک یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی قدرت سے ہے۔ اور یہی تمہارے اس قول کا مطلب ہے۔

کہ انسان کے فعل کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

لیکن کیا ان تمام عناصر کے صرف مکمل پائے جانے کی وجہ سے تمہاری طرف یہ منسوب کیا جائے گا کہ تم نے کاغذ پر ک کوئی سطر لکھ دی ہے؟ ایسا نہیں کیا جائے گا۔ ان تمام عناصر کے لئے اللہ تعالیٰ کی خالقیت ایسا نہیں چاہتی۔ اور یہ بالکل واضح ہے۔ تمہاری جانب سے کتابت کے موجود ہونے کے لئے تمہارا اپنے دل میں کتابت پر عزم کرنا اور اپنے ارادے کو وسائل کی تحفہ کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے۔ پس جس وقت ایسا کر لو گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ جو قوت تمہارے ہاتھ میں رکھی ہے اس کو

تمہارے قبضہ پر لپیک کہنے اور شریانوں اور رگوں کو تمہارے قصد پر تمہاری مدد کرنے کی اجازت اور روشنائی کو تمہاری مشیت کے مطابق بننے کی اجازت دیتا ہے اور کاغذ کو روشنائی سے اسی انداز سے متاثر ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ جس انداز سے اس کے اوپر کتابت تحقیق ہو سکے۔ تو اس وقت تمہیں کاتب کہا جائے گا اور اس فعل کا کسب تمہاری طرف منسوب کیا جائے گا۔ باوجودیکہ اس کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، پس قصد، عزیمت اور کسب تمہاری طرف سے ہے۔ (اور یہ بھی اسی ارادے کے سر کے سبب ہے جس کو اللہ نے تمہاری ذات میں رکھا ہے۔ اور فعل اور اس کے اسباب قریبہ اور بعیدہ کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور یاد رکھئے کہ فیصلہ اور محاسبہ قصد اور کسب کے خلاف ہوتا ہے۔ وسائل و اسباب اور نفس فعل کی تخلیق پر نہیں ہوتا۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہم اپنی ابتدائی اور قانونی زندگی میں بخوبی جانتے ہیں۔

دیکھئے کہ فیصلہ کسب کی خلاف ہوتا ہے نہ کہ فعل کے جوہر پر، جو شخص اپنی موٹر کے نیچے کسی انسان کو روند ڈالتا ہے اور اسے ہلاک کر دیتا ہے تو فعل کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ شخص بالذات فعل کرنے والا نہیں۔ بلکہ فعل مباشر والی تو نفس "موٹر" ہے۔ لہذا یہاں پر کسب کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔ اور کسب اس شخص کا ہے۔

اور وہ شخص جو مزدوروں کو لایا اور مزدوروں نے اس کے لئے راستے کے وسط میں حوض یا کنواں کھودا۔ تو اس کو شارع عام کو برباد کرنے کی وجہ سے سزا دی جائے گی۔ لیکن یہ سزا اس کو اس لئے نہیں دی جائے گی کہ وہ اس کا فاعل ہے۔ بلکہ اس لئے دی جائے گی کہ وہ اس کا کاسب ہے۔

اور وہ شخص جس نے زہر بھری شیشی لائی اور مریض نے اس کو دوائی سمجھ کے نوش کر لیا اور اس کے سبب اس کی موت واقع ہو گئی۔ تو اس شخص کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا۔ باوجودیکہ وہ فاعل نہیں۔ فعل کا سب اور فعل کے ساتھ متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ بندوں کا فیصلہ اور ان کا محاسبہ اسی شے کے خلاف فرماتا ہے جس کا نام کسب ہے۔ یعنی فعل کے ساتھ متعلق ہونے کی طرف نفسی توجہ پر۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کو نہیں پڑھا۔

لَا يَكْتَلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا رُسْقَهَا ۝ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
كُتِبَتْ (البقرہ: ۲۸۶)

(اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائی)

الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (الزمر: ۷۵)

(آج ہر جان اپنے کئے کا بدلہ پائیگی)

وَبَدَأَ لَهُمْ سَيِّئَاتٍ مَا كَسَبُوا (الزمر: ۴۸)

(اور ان پر اپنی کمائی ہوئی برائیاں کھل گئیں)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِلَهَ سَيَجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ

(الانعام: ۱۲۱)

(وہ جو گناہ کماتے ہیں۔ عقرب اپنی کمائی کی سزا پائیں گے)

ان کے علاوہ بہت ساری ایسی آیات ہیں۔ جن میں یہ متصوص ہے کہ جزاء و سزا کا مدار و مناط صرف انسان کا کسب ہے۔ یعنی انسان کا اس شے کی طرف متوجہ ہونا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ یا جس سے اسے منع کیا گیا ہے۔

تم جانتے ہو کہ صفت خلق کا تعلق ہر اس چیز سے ہے۔ جس کا وجود ازل سے ہی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اور یہ تعلق قسرو جبر کو مستلزم نہیں۔ لیکن ان مخلوقات و افعال کے وجود کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق اس بات کو مستلزم ہے کہ ارادۃ الہیہ ان کے ساتھ بھی متعلق ہو۔ اور یہ واضح ہے۔ اور مخلوقات کی قسم اول کے لحاظ سے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ اور مخلوقات کی قسم ثانی جو کہ انسانی اختیار پر قائم مخلوقات اکتسابیہ ہیں۔ ان

کے بارے میں تمہیں چوتھے مسئلہ میں جو کچھ بیان کیا ہے۔ اس سے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ انسانی فطرت میں رکھے ہوئے ارادہ کے سر و بھید سے متعلق ہوتا ہے اور یہ تعلقات اس بات کو مستلزم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ (اسی ارادہ کے سبب جو ارادہ اس نے انسان کو عطا فرمایا ہے) انسان کے ہر اختیار کردہ حال و فعل سے متعلق ہو جائے لیکن یہ تعلق انسان کے مجبور و غیر مخیر ہونے کا موجب نہیں۔ ورنہ ہمارے مذکورہ دونوں قولوں کے درمیان تناقض واقع ہوگا۔

۱۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس ارادہ کا سر و بھید عطا فرمایا ہے۔ جس کے سبب وہ اختیار افعال کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔

۲۔ انسان جو کچھ ارادۃ الہیہ کے تعلق کے سبب اختیار کرتا ہے۔ وہ فعل جبری ہے جس کو انسان مجبور ہو کر انجام دیتا ہے۔

اس سے قبل ہم نے چوتھے مسئلے کے تحت اس کی مفصل گفتگو کی ہے۔ اگر چاہو تو وہاں سے دیکھ لو۔

سوال:

شاید اس کے بعد تم یہ سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ تو قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

لَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (آئل: ۹)

(اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا)

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُم جَعِيلًا. أَفَأَنْتَ تَكْذِبُ

النَّاسِ حَتَّىٰ يَخُوتُوا مُّؤْمِنِينَ (نہس: ۹۹)

(اور اگر تمہارا رب چاہتا زمین میں جتنے ہیں۔ سب کے سب ایمان لے

آجے۔ تو کیا تم لوگوں کو زیرِ دستی کرو گے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو

جائیں)

قرآن کریم میں بہت ساری دیگر آیات اس معنی کی موجود ہیں۔ ان سے ثابت

ہوتا ہے کہ انسان ارادہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت کا اسیر ہے۔

جواب:

ان آیات کا اس مذکورہ بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ آیات ایک اور مستقل حقیقت کی وضاحت کر رہی ہیں۔ جس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کوئی نزاع۔ اور وہ حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ اپنے فضل و کرم سے تمام انسانوں کو ایمان اختیار کرنے اور حق پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرماتا اور وہ اپنی خواہشات، حماقتوں اور شیطان و وسوسوں کی طرف مائل نہ ہوتے۔ یاد وہ حق پر یقین کی جانب بغیر اپنے اختیار کے مجبور ہو کر آجے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا۔ بلکہ اس نے انسان کو دو حقیقتوں کے درمیان مختار چھوڑنے کو چاہا اور وہ دو حقیقتیں نفس و عقل ہیں۔ نفس اپنی خواہشات کے ذریعے انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور عقل اپنی تدبیر کے ذریعے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لئے چاہا تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی جو اطاعت کرتا ہے۔ اس اطاعت میں مجاہدہ و تکلیف کی حقیقت واضح ہو سکے۔ اگر وہ انسان کو ان دو حقیقتوں کے درمیان مختار نہ بناتا تو پھر مجاہدہ کرنے والے اور ہمیشہ اطاعت الہی میں سرگرم رہنے والے اپنے مجاہدہ پر کسی قسم کے اجر و ثواب کے مستحق نہ ہوتے۔ کیونکہ اس صورت میں سرے سے مجاہدہ ہی نہ ہوتا۔ یہ وہی حقیقت ہے جس کی تعبیر مذکورہ آیات کر رہی ہیں۔ اس معنی کا ہمارے اس موضوع سے کیا تعلق ہے؟ جسے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ انسان اپنے تصرفات اختیار یہ کے اعتبار سے صاحب ارادہ و اختیار ہے۔

انسانی ارادہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور اس کے غضب کے تابع ہے

ان تمام مذکورہ امور کے بعد تمہارا یہ جاننا ضروری ہے کہ تمہارا وہ ارادہ جو تمہارے پہلو کے درمیان ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لطف و عنایات اور اس کے عذاب کے اثرات کے سامنے موجود ہے۔ پس بہت سارے انسان جن پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو نیکی کے کاموں میں مشغولیت اور راہِ حق کی جانب متوجہ

ہونے کی توفیق سے نوازتا ہے۔ اور بہت سارے انسان جنہیں دنیا میں اللہ کے عذاب نے گھیرا ہوا ہوتا ہے۔ تو ان کا ارادہ سوائے شر کے ہر چیز کے بارے میں اندھا ہو جاتا ہے اور ان کا قصہ سوائے بدبختی کے اسباب کے کسی دوسری جگہ متوجہ نہیں ہوتا۔ لیکن اپنے بندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ اس کے لطف و کرم کے لئے بھی خاص اسباب ہونے چاہئیں تاکہ انسان انہیں حاصل کر سکے اور اس کے عذاب کے لئے بھی دیگر خاص اسباب ہونے چاہئیں تاکہ انسان ان سے تعلق پیدا کر سکے۔ پس جو شخص راہ کے آغاز سے ہی یہ عزم کر لیتا ہے کہ وہ جب حق معلوم کر لے گا تو اس کے ساتھ عناد نہ رکھے بلکہ اور اپنی اس عقل کو معطل نہ کرتے گا جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتا ہے اور یہاں تک کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔ تو وہ بندہ ذلت و مسکنت کے ساتھ اس کے حضور اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ اور اس سے عاجزی و انکساری اور تفرع و زاری کے ساتھ سوال کرتا ہے کہ وہ ذات اس کی مدد فرمائے اور اپنے احکام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق سے نوازے اور اس کی طاقت میں اپنی رحمت سے اضافہ فرمائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر لطف و کرم اور عنایت و مہربانی فرماتا ہے۔ پس اس کی طاقت میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک اور طاقت کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کی عقل میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے ایک اور عقل کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ارادہ میں عزیمت و اصرار کی حقیقت رکھ دیتا ہے۔

انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى وَ اَعْطَاهُمْ ثَقْوَتَهُمْ (محمد: ۱۷)

(اور جنہوں نے راہ پائی اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت اور زیادہ فرمائی اور

ان کی پرہیزگاری انہیں عطا فرمائی)

وَيُزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى (مریم: ۷۶)

(اور جنہوں نے ہدایت پائی، اللہ انہیں اور ہدایت بڑھائیگا)
يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَ يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَ يَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

(البقرہ: ۱۷۷)

(اس (نور اور کتاب ہمیں) کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں سلامتی کی راہ بتلاتا ہے جو رضائے رب کے درپے ہوں اور اپنی توفیق سے انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتٍ نَّعِيمٍ۔ (نور: ۹)

(یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے۔ ان کا رب ان کو ان کے ایمان کے سبب ان کے مقصد تک پہنچا دے گا۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ نعمت کے باغوں میں)

اور اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے۔

"يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنِ هَدَيْتَهُ فَاَسْتَهْدِنِي اِهْدِكُمْ"

(رواہ مسلم، احمد، الترمذی و ابن ماجہ)

(اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو سوائے اس کے جس کو میں نے ہدایت دی ہے۔ پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو۔ میں تمہیں ہدایت دوں گا)

یاد رکھئے کہ انسان جب حق کی معرفت میں بھی توجہ کرتا ہے اور اس کے بعد اللہ کے حضور عاجزی و انکساری سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی بدولت ایک اور عقل عطا فرما دیتا ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور حق کے اوراک سے ہوتا ہے۔ لیکن وہ شخص جو آغاز راہ سے ہی اپنی ناپسند چیز کے ساتھ عناد کا عزم کر لیتا ہے۔

مگر چہ وہ چیز واضح حق کیوں نہ ہو۔ اور اپنے سر میں موجود عقل کی ہدایات و اشارات کے سامنے بہرہ بنے اور خواہشات نفس کی آواز پر کان دھرنے کا ارادہ کر لیتا ہے اور پھر اپنے آپ کو اسی عزم و ارادہ کے مطابق چلانے لگتا ہے اور جو شخص اسے حق کی نصیحت کرنا چاہے تو اسے یہ کہتا ہے جو کچھ تم مجھے نصیحت کر رہے ہو اس کا نہ سمجھنا میرے مقدر میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔ بے شک ان لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو مزید ہلاکتوں اور عقلی گمراہیوں میں داخل کرتا ہے اور ان کے ارادوں کو خواہشات و شہوات کی بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں گھلا دیتا ہے جو آگ ان پر جل رہی ہوتی ہے۔ اور انہیں ناصحین کی نصیحت اور کائنات کی آیات کی نصیحت سے مزید اعراض کے ساتھ جتنا کر دیتا ہے۔ انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ دُكِرَ بِالْبَاطِلِ رَجَا فَاعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدْ مَعَتْ
يَدَاهُ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ
وَقْرًا وَإِنْ كَذَّبُوهُمْ إِلَى هُدًى فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا (الحج: ۷۵)
(اور اسی شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جائے اور وہ ان سے منہ پھیرے اور اس برے انجام کو بھول جائے جس کا سر و سامان اس نے اپنے لئے خود اپنے ہاتھوں کیا ہے؟) (اور جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہے) ان کے دلوں پر ہم نے خلاف چڑھا دیے ہیں۔ جو انہیں قرآن کی بات نہیں سمجھنے دیتے۔ اور ان کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کر دی ہے۔ تم انہیں ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ۔ وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہ پائیں گے)

۲- سَأَصْرَفُ عَنْ الْيَتِيمِ الْيَتِيمَ يَكْبَرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
وَإِنْ يَرَوْهُ كُلُّ الْيَقِينِ لَا يُوَفِّئُوا بَهَاءً. وَإِنْ يَرَوْهُ سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا

يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا. وَإِنْ يَرَوْهُ سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَخَلَّفُوهُ سَبِيلًا (۱۳۶: البقرہ)
(اور میں اپنی آنکھوں سے انہیں پھیر دوں گا۔ جو زمین میں ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور اگر سب نشانیاں دیکھیں ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور اگر سیدھی راہ ان کے سامنے آئے تو اس میں چلنا پسند نہ کریں گے۔ اور گمراہی کا راستہ نظر پڑے تو اس میں چل پڑیں گے)

۳- يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖ إِلَّا
الْقَاسِيْنَ (البقرہ: ۲۶)

(اور اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے اور اس سے انہیں گمراہ کرنا ہے جو بے حکم ہیں)

۴- وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا
يَتَّقُونَ (البقرہ: ۱۱۵)

(اور اللہ کی شان نہیں کسی قوم کو ہدایت کر کے گمراہ فرمائے۔ جب تک انہیں صاف نہ بتا دے کہ کس چیز سے انہیں بچنا ہے)

یہ سب الہی ہی اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی تطبیقی تفسیر ہے۔

فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (البقرہ: ۸)

(اس لئے اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور راہ دیتا ہے جسے چاہے)

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (البقرہ: ۲۳)

(اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں)

ان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں اور فاسقوں میں سے گمراہ ترین کے دل میں ہدایت جبریہ ڈالنے اور صالح ترین مومن کے دل میں اسباب گمراہی ڈالنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم کے طفیل اپنے پر پیہ لازم فرمادیا ہے کہ وہ اسی انسان کو گمراہ کرے گا جو گمراہی کے اسباب اختیار کرے گا اور

ہدایت کے اسباب و وسائل سے اعراض کرے گا اور ہدایت و توفیق کے اسباب اسی انسان کے قریب کر دے گا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کی تکالیف کو تسلیم کرنے کا عزم کیا ہوا ہے۔ اور اس کے بعد اس نے بندگی و عبودیت کا ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں بددوتا نیک کے سوال کے ساتھ پھیلا یا ہوا ہے۔

بلکہ کبھی اعمال صالح کی کوئی خصلت فاجر و فاسق سے بھی کسی ایسے لمحہ میں صادر ہو جاتی ہے جس میں اس کی انسانیت و فطرت بیدار ہوئی ہوتی ہے۔ پس یہ خصلت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی ہدایت کا سبب بن جاتی ہے اور اس کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب کا باعث بن جاتی ہے اور کبھی بڑی برائیوں کی کوئی خصلت کسی صالح شخص سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ جس کا وہ بے پرواہی سے ارتکاب کر جاتا ہے اور اس کے بعد وہ اس چیز کا شعور و خیال نہیں رکھتا جو اس کو اسی برائی سے توبہ اور اس فعل پر ہدایت کی دعوت دیتی ہے۔ تو وہ خصلت اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب بن جاتی ہے۔ اور اس کی زندگی کی تبدیلی کا ایک بڑا باعث بن جاتی ہے۔

صحیح حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے یہی مراد ہے۔

فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اِنْ اَحَدَكُمْ لِيَعْمَلْ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّىٰ مَا يَكُونُ بَيْنَهُمَا وَ بَيْنَهُ الْاَذْرَاعُ فَيَسْبِقْ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلْ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا۔ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اِنْ اَحَدَكُمْ لِيَعْمَلْ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتَّىٰ لَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَهُ الْاَذْرَاعُ فَيَسْبِقْ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلْ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا۔ (متفق علیہ)

(قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ تم میں سے ایک شخص جنتیوں والے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ کہ اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے۔ پس وہ جنتیوں والا عمل کرنے لگ جاتا ہے۔ پس وہ اس کے

سبب جہنم میں داخل ہو جائے گا اور قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ بے شک ایک شخص جہنمیوں والے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے۔ پس وہ جنتیوں والا عمل کرنے لگ جاتا ہے۔ پس وہ اس کے سبب جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اس بحث کے آخر میں، میں آپ کی توجہ ایک امر کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں۔

اس دور کے بعض مصوفہ کی زبانوں سے تم کچھ ایسے کلمات سنو گے جنہیں وہ بار بار دہراتے رہیں۔ اور ان کلمات کو انہوں نے بعض مشہور مصوفہ کی کتب سے نقل کیا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ انسان درحقیقت کسی چیز کا مالک نہیں۔ انسان تو بس ہوا میں موجود ایک پر کی مانند ہے۔ اس کے تمام احوال و اعمال حکم الہی کے قبضہ کے اسیر ہیں۔ اور یہ جو کچھ ہمیں انسانوں کے ظاہر اور ان کے احوال نظر آرہے ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قضاء کے عکس و ظلال ہیں اور ان میں اکثر کو اس کلام کے تکرار پر قرآن کریم کی اس آیت کو استشاد کے طور پر پیش کرتے ہوئے پاؤ گے۔

وَمَا رَزَقْنِيْٓ اِذْ رَزَقْنِيْٓ وَلَكِنَّ اللّٰهَ رَزَقْنِيْ (الانعام: ۱۷)

(اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے چھین لی، تم نے نہ چھین لی تھی بلکہ اللہ نے چھین لی)

یاد رکھئے کہ اس کلام کو براہین، علم اور اس خبر الہی کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ جس خبر سے شریعت مطہرہ وجود پذیرائی ہوئی ہے۔ البتہ اگر یہ کلام ان مصوفین میں سے صالحین سے صادر ہو تو پھر اس صورت میں اس کو ان کے ان وجدانی احوال کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ جو احوال ان پر اللہ تعالیٰ کی عظمت میں شدت تامل کی وجہ سے طاری ہو جاتے ہیں۔ جس کے سبب ان پر حیرت اور اپنی ذات سے وصال لاحق

ہوتا ہے۔ تو یہ حال ان کی زبانوں سے اس قسم کے کلام کا نطق کرواتا ہے۔ مگر چہ یہ کلام درحقیقت کوئی ایسی علمی تحقیق نہیں ہوتا کہ جس تک ان کی اپنی کوئی رسائی ہوگی۔ بلکہ انہیں لاحق ہونے اور ان کے حواس کو گھیرنے والی اس حیرت و دہشت کا دھفہ ہالٹی ہوتا ہے۔ اور وہ مخصوص فہم جن کا اس مذکورہ طبقہ کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا۔ اگر وہ اس قسم کا کلام دہرائیں تو ان کے اس روش کو صرف تقلید اور صالحین کی نقل کہا جائے گا۔ اللہ کی قسم صالحین نے اپنے حال کے سبب جو کچھ کہا وہ تو اس میں معذور تھے۔ مگر یہ دوسرا طبقہ جو صرف صالحین کی نقل کرتا ہے۔ یہ تو معذور نہیں۔

نیز کہا صوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو احوال کے درجے سے بلند تھے۔ انہوں نے کبھی بھی ایسا کلام اپنی زبانوں سے ادا نہیں کیا۔ ان بزرگوں نے تو صرف اس چیز کا التزام کیا ہوا تھا جس پر ظاہر نصوص دلالت کرتا ہے اور جس کو وہ علمی برہان ثابت کرتی ہے جس کی اتباع پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ان کہا صوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نگاہوں سے یہ آیت کریمہ اوچھل نہ تھی۔

وَمَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى (الانفال)

اس آیت کریمہ میں ایک خاص واقعہ مراد ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ یہ واقعہ اس وقت ظاہر ہوا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھا کر اسے مشرکین کے چہروں پر پھینکا تو وہ کنکریاں فضاء میں اس قدر کثرت اختیار کر گئیں کہ ان سے مشرکین کی آنکھیں بھر گئیں۔ پس یہ آیت کریمہ اس واقعہ پر تنبیہ کر رہی ہے جو اس مٹھی کے مظہر میں آنکھوں کے لئے ظاہر ہوا۔ اور یہ واقعہ درحقیقت ایک معجزہ تھا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی عزت افزائی فرمائی ہے۔ پس یہ واقعہ ان عام تصرفات کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جن تصرفات پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس ارادہ کے سبب قدرت بخشی جس ارادے کو اس نے انسان کے نفس میں ودیعت

رکھا ہے؟

میں نہیں سمجھتا کہ اس کے بعد اس بحث سے متعلق مزید بیان کے ہم حاجت مند ہوں۔

۴۔ رویت باری تعالیٰ

اس مسئلہ میں جمہور مسلمانوں اور بعض دیگر اسلامی فرقوں کے درمیان نزاع پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ عقائد کے دیگر مسائل کی طرح دلائل قطعیہ جازمہ سے مرتبہ نہیں۔ اسی لئے اس میں پایا جانے والا اختلاف کفر و ارتداد کا مستوجب نہیں۔ مگر چہ اہل السنۃ والجماعہ جو جمہور مسلمان ہیں۔ ان کی مخالفت مستوجب فسق اور حق سے اعراض ہے۔ اس مسئلہ میں تین جہات سے گفتگو ہوگی۔

- ۱۔ اللہ تعالیٰ کی رویت کو عقل جائز مانتی ہے یا محال قرار دیتی ہے؟
- ۲۔ کیا قیامت میں اس کے وقوع پر دلائل سمعیہ دلالت کرتے ہیں؟
- ۳۔ کیا دنیا میں اس کے امکان وقوع پر دلائل سمعیہ دلالت کرتے ہیں؟

جہت اول

معتزلہ کا مذہب ہے کہ بندوں کا اپنے رب کو دیکھنے کو عقل مطلقاً جائز نہیں مانتی۔ بلکہ وہ اس کے محال ہونے کا فیصلہ دیتی ہے۔ اور جمہور مسلمان یعنی اہل السنۃ والجماعہ کا اجماع ہے کہ یہ ممکنات میں داخل ہے۔ اور عقل بندوں کا اپنی سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھنے کو محال قرار نہیں دیتی۔

معتزلہ کے شبہ کا خلاصہ

آنکھ کے ڈھیلے میں شے مرئی کی صورت کے انکشاف کا نام رویت ہے۔ اس کے لئے مرئی کا مکان کی کسی خاص جہت میں منحصر ہونا شرط ہے تاکہ آنکھ کے ڈھیلے کا اس کے آنے سے سامنے ہونا ممکن ہو سکے۔ اور یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ

(۲) انکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں

ہیں۔ اور وہی ہے پورا باطن پورا خیردار)

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کسی بھی آنکھ کے ساتھ اس کی ذات کے اور اک نفی فرما دی ہے اور اوراک بالہبصر ہی رویت ہے۔

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ

جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے کہ رویت باری تعالیٰ واجب اور دلائل سمعیہ سے ثابت ہے۔ اس بارہ میں بہت سارے دلائل سمعیہ موجود ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱- وَجُودَ یَوْمَئِذٍ نَاصِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاطِرَةٌ (النہال: ۴۴)

(کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے)

۲- كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّسَخَّوْنَ (الطہ: ۱۵)

(ہاں ہاں بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں)

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے لئے بطور سزا نہ دیکھ سکیں گے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے صالح بندے اس کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ کیونکہ یہ ان کے لئے انعام و اکرام ہوگا۔

امام بخاری کی مروی صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

”انکم سترون ربکم کما ترون القدر لیلۃ البدر“

(تم عنقریب اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح تم چودھویں کے چاند کو

دیکھتے ہو۔)

ان دلائل کی بنیاد پر جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آخرت میں دیدار الہی

کے وقوع پر اجماع ہے۔

معتزلہ کے دلائل کا جواب

اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ”لن ترانی“ کا جملہ وقوع رویت کی دلیل ہے۔ نہ کہ اس کے برعکس کی جیسا کہ معتزلہ نے سمجھا ہے۔ اور اس کے دلیل رویت ہونے کے دو سبب ہیں۔

۱- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رویت کی استدعا اسی لئے تو کی تھی کہ وہ جانتے تھے کہ یہ ممکن اور قابل وقوع و حصول ہے۔ ورنہ اس طرح کے امر کے امکان کا تصور نا جائز ہوتا۔ اور آپ اپنے تصور میں خطا کا رٹھہرتے (اور نبی کی شان اس سے بلند ہوتی ہے)۔

اور اگر رویت باری تعالیٰ مستحیل ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی معرفت کے معتزلہ سے زیادہ لائق تھے۔ کیونکہ یہی بات انبیاء کرام کے کمال اور ان کی عصمت اور اللہ تعالیٰ انہیں جس طرح کا علم اور الہام اور معرفت حقیقت سے نوازا ہے۔ اس کے موافق ہے۔

۲- اللہ تعالیٰ نے رویت کو ممکن شے پر مطلق فرمایا ہے۔ اور وہ ہے استقرار جبل۔ اور یہی ذات یقیناً امر ممکن ہے۔ جیسا کہ واضح ہے اور جو ممکن پر مطلق ہو، اسی کا بھی ممکن ہونا ضروری ہے۔

(شرح عقائد از جمال الدین الدواہی ۲-۱۶۶، المسائل الحسنون از امام رازی ۲۷۲)

آیہ کریمہ میں کلمہ ”لن“ ”نہا“ ”بید“ کے لئے نہیں جیسا کہ محشری کا خیال ہے۔ بلکہ یہ تاکید کے لئے ہے۔ اسی لئے ”اہدا“ کے کلمہ کے ساتھ اس کو مقید کیا جاتا ہے۔ اور اگر کلمہ نفی کا ”نہا“ ”بید“ کے لئے ہونا تسلیم بھی کیا جائے تو اس تا بید کا تعلق دنیا سے ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنْ یَّتَمَنَّوْاْ اَبَدًا بِمَا قَدَّحْتَ اَیْدِیْہُمْ (البقرہ: ۹۵)

(اور وہ ہرگز کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے۔ ان بد اعمالیوں کے سبب جو

آگے کر چکے ہیں)۔

دیکھئے کہ اس آپ کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ کافر کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔
باوجودیکہ وہ آخرت میں عذاب سے خلاصی کے لئے موت کی تمنا کریں گے۔

(شرح عقائد از جمال الدین الدوالی، ج ۲، ص ۱۸۱)

ان دلائل کی بناء پر معتزک کے سوا جمہور مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صالح بندے قیامت کے روز اللہ کی رویت و زیارت سے نوازے جائیں گے۔

اسی لئے مقربین بارگاہ الہی کی بہت ساری امیدیں جنت کی تمام نعمتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی رویت کی نعمت سے وابستہ ہیں۔ اور وہ دنیا میں جنت کی نعمتوں کی اپنے لئے تمنا صرف اسی دیدار الہی کی نعمت کی خاطر کرتے ہوئے جیتے ہیں۔ حضرت ربیع رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ان کے پاس ایک مکتوب آیا۔ جس میں لکھنے والے نے اس آیت کریمہ کے بارے میں سوال کیا تھا۔

كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَّحُجُونَ (المؤمنین: ۱۵)

(ہاں ہاں وہ بے شک اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں)

تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو اپنی ناراضگی کے سبب اپنے دیدار کی نعمت سے محروم فرمائے گا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دوسری قوم اس کی رضا کے سبب اس نعمت سے نوازی جائے گی۔

حضرت ربیع کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے میرے آقا کیا آپ بھی اس کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم محمد بن ادریس اگر اسی بات کا یقین نہ رکھتا کہ وہ قیامت میں اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوگا تو دنیا میں اس کی عبادت نہ کرتا۔ (المیقات الہی للسخی، ج ۱، ص ۸۱)

جہت ثالث

تیسری جہت اس بحث سے متعلق ہے کہ آیا سبھی دلائل دنیا میں کسی انسان کے لئے دیدار الہی کے وقوع یا اس کے امکان پر دلالت کرتے ہیں؟ اس بارہ میں اہل السنۃ و الجماعۃ کے دو مذہب ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سبھی دلائل فقط آخرت میں رویت کے بارے میں وارد ہیں۔ بلکہ موت سے قبل کسی بھی انسان کے لئے رویت باری تعالیٰ کے متمتع ہونے پر سبھی دلیل وارد ہے۔ حضرت عبادہ ابن صامت سے حضرت امام مسلم نے یہ مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ لَمْ تَرَوْا رَبَّكُمْ حَتَّى تَمُوتُوا

(جان لو کہ تم اپنے رب کا دیدار نہیں کرو گے یہاں تک کہ تمہاری موت آجائے)

صحابہ کرام میں اس رائے کے قائلین کی قائد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ امام بخاری وغیرہ ائمہ حدیث نے حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا اے میری ماں کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا تمہاری اس بات سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ تم ان تین باتوں کے بارے میں کہاں ہو؟ جو تم سے ان باتوں کو بیان کرے تو اس نے جھوٹ بولا۔ جو تمہیں بیان کرے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی زیارت کی ہے۔ تو وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ الْغَلِيبُ الْغَلِيبُ

(لگا ہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ لگا ہوں کو پالیتا ہے۔ وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے)

اور یہ آیت تلاوت کی:

وَمَا كَانَ لَشَيْءٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ
(الشوری: ۵۱)

(کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پر وہ عظمت کے ادھر ہو)

اور جو تجھے یہ بیان کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات (ذاتی طور پر) جانتے ہیں تو اس نے جھوٹ بولا۔ پھر یہ آئیہ کریمہ تلاوت کی۔

وَمَا تَذَكَّرُ فِي نَفْسِكَ مَاذَا تُكَلِّمُ غَدًّا (النمل: ۲۲)

(اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کماے گی؟)

اور جو تجھے بیان کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم خداوندی چھپا کر رکھا تو اس نے جھوٹ بولا۔ اور یہ آئیہ کریمہ تلاوت کی۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (الاحزاب: ۶۷)

(اے رسول پہنچا دو جو کچھ اتر آتے ہیں تمہارے رب کی طرف سے)

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو ان کی اپنی صورت میں دوسرے دیکھا ہے اور اکثر اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ سبھی دلائل دنیا میں روایت باری تعالیٰ کے جواز پر دلالت کر رہے ہیں۔ اس مذہب کے حاملین کے ذمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اس بارے میں آپ سے متفق ہیں۔ ان کے اہم دلائل میں سے حدیث معراج کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الذُّرِّيَّةَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ (الاحزاب: ۶۷)

(اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو)

اور اس کے علاوہ وہ بہت ساری احادیث جو اس بارے میں وارد ہیں۔ فریق اول

نے اس آیت سے استدلال کے صحیح ہونے کا انکار کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں ”الرؤیا“ کا لفظ الف کے ساتھ رویت منامیہ (خواب دیکھنے) پر بولا جاتا ہے۔ نہ کہ حقیقی رویت پر۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ”الرؤیا“ کا اطلاق جس طرح خواب دیکھنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اسی طرح بغیر کسی تفریق کے بیداری کی رویت پر بھی بولا جاتا ہے۔ اس پر شاعر کے اس قول کو بطور استشہاد پیش کیا جاسکتا ہے۔

فَكَيْفَ يَدْرُوْنَا وَحَشَّ فَوَادُهُ. وَبَشَّرَ قَلْبًا سَمَانٍ جَنَّا بِلَا بِلْدُهُ

(اس نے آنے سے سامنے دیکھنے کی وجہ سے نعرہ بگبیر بلند کیا اور اس کا دل نرم

ہو گیا اور دل کو بشارت دی۔ حالانکہ وہ زیادہ پریشان تھا)

نیز یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس رؤیا کو لوگوں کے لئے فتنہ یعنی آزمائش و امتحان قرار دیا ہے۔ اور خواب دیکھنا لوگوں کے ایمان کے امتحان کا سبب ہونا عقل میں آنے والی بات نہیں۔

بہر حال یہ مسئلہ خود صحابہ کرام کے درمیان اختلافی ہونے کی وجہ سے یہاں پر کوئی ایسی چیز نہیں جو بات عقیدہ میں ان اقوال میں سے کسی قول پر یقین کی دعوت دے سکے۔

گرچہ ہم اس بارے میں جمہور صحابہ کرام اور ان کے بعد ائمہ و علماء کے مذہب کو ترجیح دیتے ہیں کہ دلائل سمعیہ دنیا میں دیدار الہی کے امکان پر دلالت کرتے ہیں۔ بلکہ خاتم الانبیاء سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس کے وقوع پر بھی دلالت کرتے ہیں۔

یہ الہیات سے تعلق رکھنے والے حقائق کا وہ آخری حصہ ہے۔ جن کا جاننا تم پر واجب ہے۔ ان سب حقائق پر ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت مشتمل ہے۔ اور یہ شہادت ان دو شہادتوں کا حصہ اول ہے جن سے مسلم کا اسلام اور اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔ اور دوسرا حصہ ”محمد رسول اللہ“ کی شہادت ہے۔ اور یہ شہادت نبوت کی ان تمام مباحث پر مشتمل ہے جن کا بیان ابھی ہم شروع کرنے والے ہیں۔

حصہ ثانی

النَّبِيُّ اَتَى

تمہید

اللہ تعالیٰ کے وجود سے متعلق بحث سے ہم فارغ ہو چکے ہیں اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ عالم کے مالک و مدبر کے وجود پر ایمان رکھنے میں عقل کسی شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہے۔ اور ہم نے ان خصائص و صفات کو بھی جان لیا جن کے ساتھ اس خالق عظیم کا اوصاف ہے۔ تو کیا ہم اس عالم وجود میں اپنے فرائض سے متعلق دریافت کر سکتے ہیں؟ اور اگر ہم ان فرائض کے بارے میں دریافت کریں تو کیا ہمارے لئے یہ تصور ممکن ہے کہ ہم اپنے لئے کسی فریضہ کے نہ ہونے اور اپنے ساتھ کسی ذمہ داری کے مرتبط نہ ہونے کا تصور کر سکیں؟ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے مدبر و حکیم ہونے پر ایمان کی بحث سے فارغ ہونے کے بعد کیا عقل اس کی تصدیق کرے گی کہ دنیا میں ہمارا کوئی کام نہیں؟ سوائے اس کام کے جو دیگر حیوانات کرتے ہیں۔ زمانے کا ایک قلیل یا طویل حصہ ہم کھانے، پینے، پہننے اور نکاح کرنے میں مشغول رہیں اور اس کے بعد ہلاکت یا موت کا لقمہ بن جائیں؟ اور وہ چیز جس کے سبب انسان دیگر تمام موجودات سے ممتاز ہوتا ہے وہ عقل ہے۔ جو عالم وجود کی گہرائیوں کو مختلف مظاہر کے ذریعے روشن کر دیتی ہے۔ کیا وہ صرف ایک اتفاقی حقیقت ہے کہ انسان اس کے سبب غیر سے ممتاز ہو جائے۔ اور اس کے بعد اس کوئی مقصد نہیں؟ وجود خالق پر ایمان کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد کسی بھی عقل مند کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ان مفروضات میں سے کسی کا تصور کر سکے ان پر اعتقاد رکھنا تو دور کی بات ہے۔

اور وہ یقیناً جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق اور اپنے تمام احکام میں صاحب حکمت ہے۔ اور صاحب حکمت ہونا اللہ تعالیٰ کی واضح صفات میں سے ہے اور اسے

یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں عبث کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ کائنات انتہائی درجہ کے نظم و نسق پر مشتمل ہے۔ انسان میں اللہ تعالیٰ نے ایسا عجیب و غریب وودیت رکھا ہے جس کے بارے میں انسان کی حیرت کی کوئی انتہاء نہیں۔ اسی عجیب و غریب کے سبب اس کے لئے اس کائنات کو نہایت درجہ مستحضر فرمایا گیا ہے۔ اس قسم کے نظم و نسق والی کائنات کے بالآخر لاشے پر جا کر ختم ہونے اور بغیر کسی غرض و غایت کے اس کا متفرق ہونے سے زیادہ بڑھ کر اور کون سا عبث ہو سکتا ہے؟ اور یہ انسان جو مہر و سرکش بن کر زندگی بسر کر رہا ہے اور وہ عطیات الہیہ جو اس کی فطرت میں رکھے گئے ہیں۔ جنہوں نے اس کو مدہوش کر دیا ہے اور اپنے دوسرے انسانی بھائی پر قتل و ظلم کی زیادتی اور مظالم کے ساتھ حد سے تجاوز کر رہا ہے اور یہ وہ دوسرا انسان جو اس کے غلبہ اور اقتدار کے تحت نہایت ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ اور نہایت ضعف و کمزوری کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اور جو دنیا کے بارے میں صرف اس میں موجود تنگی و تکلیف اور مشقت و سختی ہی کا شعور رکھتا ہے دنیا کی آسودگی اور نعمتوں سے یکسر محروم ہے۔ جبکہ وہ دوسرا انسان دنیا کے متعلق صرف اس میں موجود آسودگی اور نعمتوں ہی کا شعور رکھتا ہے۔ مشقت و تکلیف کے قریب سے بھی وہ کبھی نہیں گزرا۔ تو کیا ان دونوں کا قصہ پردہ موت تک پہنچ کر ختم ہو جائے گا؟ اور کیا یہ قصہ اپنے بعد میں آنے والے اس تہہ و تکملہ کے بغیر اختتام پذیر ہو جائے گا؟ جو تہہ جن کو اس کے ہدف تک پہنچاتا ہے اور ظلم و زیادتی کے خلاف عدل و انصاف کی سیادت کو منکشف کرتا ہے؟ کیا کسی انسان نے کبھی کوئی ایسا ڈرامہ دیکھا ہے جو کسی کلاس کے سامنے پیش کیا گیا ہو اور پھر اچانک اس پر پردہ کھینچ دیا جائے اور قصہ اختتام پذیر ہو جائے اور اس کے حوادث ہمیشہ منقسم و منقطع رہیں۔ اور اذہان ہمیشہ اس کے مبہم رہ جانے والے حصہ کی اور منقسم حالت میں منقطع ہونے والے حصہ کی تکمیل کا مطالبہ کرتے رہیں گے اور اعصاب ہمیشہ اس قصہ کے مقصد اور اس کے کھٹنے والے کے پیچھے پڑے رہیں گے؟

ایک ہاشور بچہ بھی اپنے مدرسہ میں اس قسم کے ڈرامہ سے مانوس نہیں ہوتا۔ تو کیا اللہ حکیم و خیر اس عظیم جہاں کے قصہ کو اس طرح کے عجیب و غریب پر قائم فرمائے گا جس عبث سے بچے بھی محفوظ ہیں؟

میں نے اس صاحب عقل کے مظہر سے زیادہ کوئی عجیب چیز نہیں دیکھی۔ جو طویل غور و فکر کے بعد کہتا ہے یقیناً اس عالم کے وجود کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی "قوت خارقہ" موجود ہے۔ اور اس کے بعد وہ اپنی فکر کو روک لیتا ہے اور جو عمل و تماشا چاہتا ہے اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہ تو اسی انسان کی مانند ہے جو رات کو کسی پہاڑ کے دامن میں موجود غار کی پناہ لیتا ہے اور اپنی نگاہ غار کے اطراف اور اس کی زمین پر ڈالتا ہے تو اسے کچھ ہڈیاں نظر آتی ہیں۔ جن کے اوپر کھائے ہوئے گوشت کا کچھ حصہ بھی موجود ہے۔ تو وہ اپنے سر کو یہ کہتے ہوئے حرکت دیتا ہے کہ یقیناً کسی درندے نے اس جگہ کو اپنا ٹھکانہ بنایا ہوا ہے۔ اور اس نے اپنے شکار کو یہاں پر ہڑپ کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ گہری نیند سو جاتا ہے۔ وہ شخص تو معذور ہو سکتا ہے جو ابھی تک اس کائنات کے مدبر و خالق کے وجود تک ہدایت نہیں پاسکا۔ جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنی زندگی کی راہوں میں منہ کے بل گرا ہوا رہتا ہے۔ گرچہ وہ ہدایت نہ پانے میں غیر معذور ہے۔ لیکن وہ شخص جسے اس چیز کے وجود کا ادراک حاصل ہو چکا ہے۔ جس کو وہ "قدرت خارقہ" سے موسوم کرتا ہے۔ اس پر لازم تھا کہ وہ اس ادراک کو تکمیل جدید کے طویل راستے کے سامنے رکھتا اور اس پر لازم تھا کہ وہ اس راہ میں پوری کوشش، باریک بینی اور احتیاط کے ساتھ چلتا رہتا۔ "قوت خارقہ" نے تجھے ایجاد کیا لا قوت خارقہ کے کل کو ہم نے قوسین کے درمیان یہ بتانے کے لئے رکھا ہے کہ یہ کلمہ فاسد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تعبیر اس کے ساتھ کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قوت خارقہ نہیں۔ بلکہ قوت خارقہ اور تمام صفات کمال سے محض ذات ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ محبت نہیں اور نہ ہی سلام ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ لیکن ہم نے ان لوگوں کا کام ان کی ہمت کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ان کی حقیقت کی صورت نقل کرنے کے لئے اور ان کے سر کا بہتانا۔

اور اس جہاں کو ایجاد کیا۔

تو اس صورت میں کیا یہ مناسب نہیں تھا کہ اس قوت کا معاملہ اور اس کو تمہارے خلاف حاصل اقتدار و غلبہ کی غرض تمہیں بیدار کرتی؟ اور کیا تم پر طویل فکر و تحقیق کرنا لازم نہیں تاکہ تم اس بات پر مطمئن ہو جاؤ کہ اس قوت کے سامنے تم اس کے سامنے کسی شے کے بارے میں بھی جواب دہ نہ ہونے کے تصور کی طاقت کیسے رکھ سکتے ہو؟ کیونکہ تم واحد ایسی مخلوق ہو کہ تمہارے اندر فکر و عقل کا راز رکھا گیا ہے۔ جبکہ دیگر مخلوقات جو ہر چیز میں تم سے کم تر ہے۔ ان سب کو تم دیکھ رہے ہو کہ ان میں سے ہر ایک کے گلے میں کوئی نہ کوئی خاص ذمہ داری لٹکائی گئی ہے۔ پس وہ اس میں لگن ہیں اور اس کی ادائیگی میں بغیر کسی ملال و انقطاع کے مصروف ہیں۔ اس اہم حقیقت کے بیان و تاکید کی خاطر اللہ تعالیٰ اپنے خطاب میں بار بار تنبیہ فرما رہا ہے کہ انسان کی تخلیق عبث نہیں تاکہ اپنی زندگی میں کچھ دن مصروف رہے۔ اور پھر موت کی آغوش میں چلا جائے۔ اس واضح حقیقت کی طرف متوجہ رہنے کے لئے مقررہ قول کو ذرا تانا ہے۔

اَلْحَبِيبَتُمْ اَنَّا خَلَقْنَكُمْ عَبَثًا ۚ اَتُنْكُمُ الْيَمٰنَ لَا تُرْجَعُوْنَ فَنَعْلٰی
اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْحَقُّ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ

(الہنمون: ۱۱۵، ۱۱۶)

(تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں۔ تو بہت بلندی والا ہے اللہ سچا بادشاہ۔ کوئی معبود نہیں سوا اس کے۔ عزت والے عرش کا مالک ہے)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَعِبٍۭیْنٍ لَّوْ عَرَضْنَا اَنْ
تَسْجُدَ لَهُمْ لَآ لَتَعْبُدُوْهُ مِنْ لَدُنَّا اِنْ كُنَّا فَاَعِلِیْنِ (انبیاء: ۲۲)

(اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عبث نہ بنائے، اگر ہم کوئی بہلا و اختیار کرنا چاہتے تو اپنے پاس سے اختیار

کرتے۔ اگر ہمیں کرنا ہوتا)

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد جب تم اس حقیقت کا ادراک کر لو گے تو یقیناً اس عظیم خالق کے سامنے اپنے پر عائد ہونے والی ذمہ داری اور فریضہ کی تحقیق میں خوب کوشش کرو گے۔ اس عظیم خاتون نے تمہیں اپنی کثیر مخلوقات میں سے صرف مخلوق ہی نہیں بنایا بلکہ تمہیں ان مخلوقات کا سردار بنایا ہے اور ان کی تسخیر کی باگ اور ان میں سے بہت ساروں کی چابیاں تمہارے سپرد فرمادی ہیں۔ جب تم کو اس جہاں میں اپنے فریضہ کا علم ہو گا۔ تو تم اس کی تکفیل اور ان تمام موجودات کے ساتھ تفویض شدہ تمام فرائض و اعمال کی ادائیگی میں اشتراک کے لئے کوشش کرو گے۔

اے انسان! تجھے اپنے اس فریضہ کی معرفت میں طویل حیرت سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے منتخب مخلوق (انسان) کی طرف رسول بھیجے ہیں جو اسی کو اللہ کے اوامر و نواہی کی تبلیغ فرماتے ہیں اور ایک ایسی دوسری زندگی سے ڈراتے ہیں۔ جو زندگی موت کے بعد اس کا انتظار کرتی ہے۔ اور انبیاء اس کو بتاتے ہیں کہ اس زندگی میں جو کچھ اس نے اچھے یا برے عمل کئے ہیں ان کا یقیناً بدلہ دیا جائے گا۔

پس اب ہم انبیاء و رسل اور وہ کچھ اپنے ہمراہ لے کر تشریف لائے ہیں۔ کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان دلائل علمیہ کی بحث کرنا چاہتے ہیں۔ جو ان کی صداقت اور جو کچھ انہیں دے کر مبعوث کیا گیا ہے۔ اس کی صداقت پر قائم ہیں۔ اور ان کی مؤیدات کی بھی بحث کریں گے۔ جن کے ذریعے انبیاء و رسل کی تائید فرمائی گئی ہے۔ تاکہ ہمیں اس کے سبب انسان کے گلے میں لٹکی ہوئی ذمہ داری کی حدود اور اس کے ثبوت اور اس کے التزام کی ضرورت پر قائم یقینی دلیل کا اچھی طرح علم ہو سکے۔ ہم اپنی بحث میں درج ذیل مسائل سے تعرض کریں گے۔

- ۱- نبوت و رسالت کا معنی
- ۲- جن اہلباء کرام کو اللہ نے مبعوث فرمایا ہے۔ ان پر ایمان لانے کی ضرورت۔
- ۳- نبی کی صفات و خصائص
- ۴- معجزات، ان کی تعریف اور ان پر عقیدہ کی ضرورت اور ان کے بارے میں عقل و علم کا موقف
- ۵- نبوت بطریقہ کسب و ارتقاء حاصل نہیں ہوتی۔



صحیح بخاری • کتاب التَّوْبَةِ • باب التَّوْبَةِ إِلَى اللَّهِ

8 جلدیں مکمل

جہانگیری
نسخہ صحیح
شریف



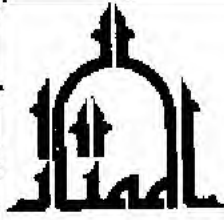
امام رضا (ع) کی تعلیمات علی الحجار

امام ابو عبد الله محمد بن اسماعيل البخاري رحمه الله

ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ

شبیر برادرز

تعمیم منسٹریم: ڈیوبازار لایپور فون: 042-37246006



تذکرہ ابرارِ مِلّت

محمد عبدالکیم شرف قادری

دربار مارکیٹ
لاہور

مکمل سیر قادریہ

www.nafseislam.com

اسلامی عقائد

تصنیف : علامہ سید یوسف ہاشم رفاعی (کویت)
ترجمہ : محمد عبد الحکیم شرف قادری (پاکستان)



مکتبہ قادریہ

○ جامعہ تقامید رضویہ اندرون کوئٹہ لاہور

○ داتا گرامر کیٹ انڈسٹریل ایریا لاہور

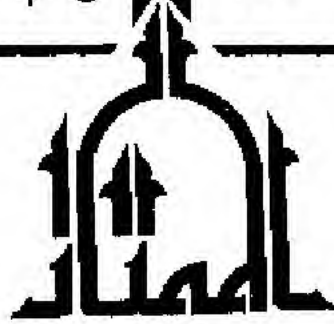
زندہ جاوید و توشیح

اُردو ترجمہ
”من نفحات الخلود“

طلبہ و طالبات
اور خطباء کیلئے
کیاں مفید

● عفتوں کے منار اور گلشنِ برسات
● کے بسکتے ہوئے پھول
● اسلام کے جگمگاتے انعامات
● شامِ جانِ ایمان کے مرکزِ نیالی کہستانیں

● غریب، غلامِ سید محمد صالح فرورادنی
● حرمہ، مولدِ گیم شرف قادری
● جلالِ نعیم، علامہ سید فیض حسین شاہ
● شانِ نعیم، سارا شہید بی



مکتبہ قادریہ
مکات

○ جامعہ تقی میہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور

○ داماد پور مارکیٹ (توسستہ ہوٹل) لاہور

تآخذ و مراجع

- ۱- قرآن کریم
- ۲- صحاح سبسته شریف
- ۳- مجموع الاربعین من احادیث سید المرسلین، از علامہ شبہا فی
- ۴- الایمان بعوالم الآخرة ومواقفها، از علامہ شیخ عبداللہ سراج الدین
- ۵- الاقتراح فی بیان الاصطلاح، از امام تقی الدین بن دقین الحید
- ۶- العقائد الاسلامیہ، از علامہ شیخ سید سابق
- ۷- قضایا الوسیلہ، از شیخ محمد زکی ابراہیم
- ۸- طلی السجل واشرف الوسائل، از سید محمد مہدی رفاعی الرواس
- ۹- نور الاسلام، از شیخ عبدالکریم محمد، مدرس
- ۱۰- البیڑبان المویذ، از حضرت سید احمد رفاعی
- ۱۱- الدولۃ المکیۃ، از حضرت شیخ مولانا احمد رضا خاں
- ۱۲- لطائف المعارف، از امام ابن رجب علی حنبلی

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْتَارُ مَا يَقْتَرُونَ خَشْيَ يُخَيَّرُوا مَا يَأْتِيهِمْ (الرعد ۱۳-۱۴)
 ”بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت و نہیں بدلتا، جب تک وہ اپنی حالت
 نہ بدلیں۔“

اللہ تعالیٰ ہمارے ارادے کا گواہ ہے، وہی توفیق کا مالک ہے، ہر آئی سے باز
 رہنے اور نیک کام کرنے کی طاقت اسی کی عنایت سے ملتی ہے۔ اسی سے امداد کی درخواست
 ہے، اسی پر بھروسہ ہے۔ دنیا و آخرت میں اسی کے لیے حمد ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے آقا
 محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کی آل اور آپ کے صحابہ کرام پر رحمتیں نازل فرمائے۔

السید یوسف السید ہاشم رفاعی

ص-ب (۴۰)، الصفات

النصورية — الکویت



سنہری سورج

مکمل کتاب چھاپنے اور بنانے کا واحد ادارہ

اشرفی بک پبلیکیشنز

ہر پرائمر مسند سحاق اینڈ سہولہ برادرز

انڈین ہائی گیسٹ (اینس ٹریٹ) لاہور

حسامتہ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور توفیق و عنایت سے یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی۔ بارگاہِ الہی میں دعا ہے کہ اسے قبول فرمائے، اسے قائمہ مند بنائے اور مصیبِ کریم سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے دلوں کو قریب کرنے اور اُس حق و صداقت پر مجتمع ہونے کا سبب بنائے جس کی تبلیغ کے لیے آپ کو مبعوث فرمایا اور جس کی ہدایت دی۔

میں نے اس کتاب میں کتاب و سنت اور سلف صالحین کے اقوال و افعال سے دلائل شرعیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور مخالفین سے گفتگو کرنے اور ان پر رد کرنے میں اسلامی آداب و احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی شائستہ انداز اختیار کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ محنت و دانش، مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے اور مخالفین کو جب حق کا ادراک ہوگا اور روشن دلائل سے حق بے نقاب ہوگا، تو وہ ضرور اس کی طرف رجوع کریں گے اور اسے قبول کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ!

ان حضرات کو چاہیے کہ ذاتی انا کو برطرف کر دیں جو ذریعہ عالم اسلام میں ان کے اور جمہور مسلمانوں، اہل سنت و جماعت کے درمیان دبیز پردے کے طور پر حائل ہے۔ اب وقت آپہنچا ہے کہ اہل اسلام جج کریں، اور اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ انور اور آپ کی مسجد شریف کی زیارت کریں۔ محبت و مودت اور اخوت کی نگاہیں ایک ایک چہرے کا احاطہ کر لیں۔

ہم اپنے دشمنوں، یہود و نصاریٰ، مجوس اور ان کے سرپرستوں پر غالب آنے کی امید کس طرح کر سکتے ہیں؟ جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ دیکھنے والا ہمیں مجتنب دیکھتا ہے، اور ہمارے دلوں میں مشرق و مغرب کی دوریاں پیدا ہو چکی ہیں۔ ہم میں سے ایک دوسرے کو بدعتی، کافر اور مشرک قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اگر ان کے بس میں ہو تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کے بعد پیدا ہونے والی ہر چیز کو اپنی زندگی سے نکال دیں، کیونکہ وہ سب کچھ از قبیل بدعات ہے۔
اس تمام گفتگو کے بعد میں کہتا ہوں کہ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ دعوت کا جو مطلب ہم نے سمجھا ہے وہ غلط ہے اور صحیح وہ ہے جو مخالفین کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز رحمت اور حرام ہے جو لوگوں نے ہی ایجاد کی، اگرچہ وہ اسے نفس دین اور اس کے احکام میں داخل بھی نہ مانتے ہوں، تاہم یہ مسئلہ اختلافی ٹھہرے گا جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ اس سلسلے میں ایک فریق کا دوسرے فریق کو مشرک قرار دینے کا کیا حوالہ ہے؟ (۲۱ تاوری)

اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے آداب میں سے یہ ہے کہ ان اوصاف کا حامل جب مجمع عام میں کھڑا ہو تو اسے چاہیے کہ ایسے امور سے سامعین کو منع کرے جن کے ممنوع ہونے پر اتفاق ہو اور رُوسے سخن ان مسائل اجتہادیہ کی طرف نہ پڑے جن میں مسلمانوں کا اختلاف ہے۔ مسائل اجتہادیہ میں مجتہدین اس سے زیادہ کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کا فہم و اجتہاد جہاں تک پہنچا ہے، اسے اپنائیں۔ مختلف فیہ مسائل میں سختی سے منع کرنے کا نتیجہ یہ نکلتے گا کہ اختلافات کی تلیخ مزید وسیع ہو جائے، مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے اور بغض و عناد کا تعفن ہر سو پھیل جائے گا۔

ہمارے سامنے اور اس پاس ایسے بڑے بڑے جرائم بگھرے ہوئے ہیں جن کے خطرناک ہونے اور مضرت رسانی میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان کے علاج اور ان کے خلافت جہاد کرنے کے لیے اپنی قوم کو متحد کرنے میں اگر ہم اپنی تمام زندگی بھی صرف کر دیں تو شاید کافی رہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ان جرائم کو نظر انداز کر دیں، جن کے بارے میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے اور اپنے شخصی اجتہادات کی حمایت اور ان سے مختلف حکم نظر سے محاذ آرائی میں مشغول ہو جائیں، حالانکہ ان جرائم سے چشم پوشی اور خاموشی اختیار کرنے کا کوئی حوالہ نہیں ہے جو بالاتفاق ممنوع الوبال ہے۔

(ڈاکٹر بوطی کا مقالہ ختم ہوا)

علمی انداز کی پیروی کرنے سے ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ذکر یا دیگر مناسبتوں کے پیش نظر منصف کی جانے والی محافل کو بدعت قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ ان محافل کا منصف کرنے والا کوئی مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ محافل دین کی جڑ ہیں یا دین کی حقیقت میں داخل ہیں کہ اگر انہیں شرک کیا گیا، تو شرک کرنے والا گنہ گار ہوگا۔ یہ محافل اجتماعی مسرت و شادمانی کی ظہر ہیں جن سے دینی بھلائی کی توقع ہوتی ہے۔ فیروزیت سنیہ کے ذیل میں ہرگز داخل نہیں ہیں، بشرطیکہ ان میں کسی مرام کام کا ارتکاب نہ کیا جائے اور یہ محفلیں ایسے کاموں سے پاک ہوں جو اس فائدے ہی کو نشانہ کر دیں جس کے حصول کی ان محافل سے توقع کی جاتی ہے۔

اور اگر ہم کسی ایسے شخص کو دیکھیں جو ان مجالس میں ایسے کام بھی شامل کر دیتا ہے جو ان کے نتائج و ثمرات کے لیے ضروری تو واجب ہے کہ اسے ایسے کام شامل کرنے پر تنبیہ کی جائے، نہ یہ کہ اسے اصل کام ہی سے روک دیا جائے، ورنہ کہتے لوگ ہیں جو عبادات مشرکہ کو غلط طریقے سے ادا کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن ثمرات کی توقع تھی وہ حاصل نہیں ہوتے، کیا ایسے شخص کو عبادات کی ادائیگی ہی سے روک دیا جائے گا؟ رخصت یہ کہ اگر کوئی شخص محفل میلاد میں غلط کام کرتا ہے تو اسے غلط کام سے روکا جائے نہ کہ میلاد شریف سے، مثلاً مسجد میں نکت داخل ہو جائے تو اسے مسجد سے نکالنا چاہیے نہ کہ مسجد ہی گرا دی جائے ۱۲ (قادی)

ہمیں تسلیم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا واقعہ سننے کے لیے لوگوں کا جمع ہونا ایک ایسا امر ہے جو آپ کے زمانہ مبارک کے بعد پیدا ہوا، بلکہ اس کا ظہور ہی چھٹی صدی کے اوائل میں ہوا، لیکن سوال یہ ہے کہ محض اس بنا پر اسے بدعت کرنا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان: **مَنْ أَحَدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا أَمَّا لَيْسَ مِنْهُ وَمَنْ عَصَا** کے تحت داخل کرنا صحیح ہے؟ اگر ایسا ہے تو انہیں چاہیے کہ

لے جس نے ہمارے دین میں کوئی نیا کام نکالا جو اس سے نہیں ہے، وہ مردود ہے ۱۳ (قادی)

وہ سنتِ حسنیہ کے زمرہ میں آتے گا، کبھی حرام اور کبھی مکروہ ہوگا۔ اور —————
 ہر فعل ان مصلحتوں کے لیے مفید یا مضر نہیں ہوگا، اسے مباح یا حقوق کے ذیل میں شمار
 کیا جائے گا۔

جب یہ حقیقت تفصیل کے ساتھ ہمارے سامنے آگئی، تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ بدعتِ حسنہ
 نام کی کوئی چیز نہیں ہے جیسے کہ بعض حضرات نے دورانِ بحث و حکم کیا، بلکہ اصطلاحِ شریعت
 میں بدعت، ضلالتِ فہم ہی ہوتی ہے، کیونکہ بدعت کا معنی یہ ہے کہ دین کے بنیادی امور
 میں اضافہ کر دیا جائے جو کسی صورت میں حسن نہیں ہو سکتا۔ ————— بعض اہل علم نے
 جس امر کو بدعتِ حسنہ گنا کیا ہے، وہ اس طریقے کے ذیل میں آئے گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 تعالیٰ علیہ وسلم نے سنتِ حسنہ فرمایا ہے اور یہ وہی ہے جسے علماء اصول نے بعد میں مصلحتِ مکرملہ
 کا نام دیا ہے۔

اس سنتِ حسنہ کی مثال وہ ماحفل ہیں، جنہیں مسلمان مختلف مناسبتوں سے منعقد کرتے
 ہیں، مثلاً سنِ ہجری کی ابتداء میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع پر
 اسرار اور معراج کے بیان کے لئے فتح مکہ اور عروۃ بدر وغیرہ کے ذکر کے لیے منعقد کی جانے
 والی محفلیں، جن سے یہی مصلحت سے متعلق فائدے کے حاصل ہونے کی توقع ہوتی ہے، خواہ
 وہ مصلحت از قبیل ضرورت ہو یا آرائش۔ ————— یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ
 یہ سب اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان اعمال کے آثار اور فہرات ایسے نہ ہوں جو
 مذکورہ بالا مصلحتوں کے لیے مضر ہوں، وہ مصلحتیں ان افعال پر بہر حال مقدم ہیں۔

محفل میلاد شریف بدعت نہیں ہے

بدعات کے سلسلے میں غور و فکر، ان کے فلاح و ہنگام کرنے اور لوگوں کو ان سے دور
 رکھنے کے بارے میں مذکورہ بالا تفصیل، دو علمی انداز ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے اور بلا شبہ

اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا اجر ہے جبکہ بعد والوں کے اجر میں بھی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں برا طریقہ نکالا، اس پر اس کا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ ہے، بغیر اس کے کہ بعد والوں کے گناہ میں کمی کی جائے۔

معیار کیا ہے؟

اس کے بیان کے لیے طویل تفصیل کی ضرورت ہے، لیکن ہم آئندہ سطور میں مختصراً بیان کرتے ہیں۔

بدعت کا تفصیلی ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے، انسانی افعال اور تصرفات اگر اس بدعت کے تحت داخل نہیں لیکن شریعت میں ثابت شدہ اور امر یا نواہی کے منافی ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مخالف، حرام یا مکروہ کہا جائے گا، خواہ وہ نوپیدا ہوں یا قدیم اور معروف، مثلاً اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں یا ایسی مجالس جن میں مخالف شرع امور کا ارتکاب کیا جاتا ہو، ان کا حکم واضح ہے اور خارج بیان نہیں ہے۔

اور اگر وہ افعال، شریعت کے احکام اور تفصیل آداب کے موافق ہیں اور وہ مخالف تو ان پر قبیح اور شرارت کے لحاظ سے احکام جاری ہوں گے۔ اور اگر وہ ایسی چیزیں ہوں جن کا ارتکاب مکروہ ہے، لیکن ان سے بچنا واجب ہے، تو ان پر قبیح اور شرارت کے لحاظ سے احکام جاری ہوں گے۔

وہ افعال جو احکام شریعت کے موافق یا مخالف نہیں ہیں، ان سے ان پانچ مصلحتوں میں سے کوئی ایک مصلحت حاصل ہوتی ہے، تو وہ سنت حسنہ کے قبیلے سے ہیں، البتہ واجب یا مستحب ہونے کے لحاظ سے ان میں فرق ہوگا، جس قدر اس مصلحت کے ثابت کرنے کی ضرورت زیادہ ہوگی، اسی قدر اس فعل کی طلب بھی شدید ہوگی، کیونکہ یہ فعل کبھی نوان مصلحت کی بنیادی ضرورت ہوگا اور کبھی ان کی آرائش اور زیبائش کے ذیل میں آئے گا۔ اور جو فعل ان مصلحتوں میں سے کسی ایک کو ختم کرنے یا اسے نقصان پہنچانے کا سبب ہوگا۔

اس کی واضح اور مستند دلیل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: رَمَى أَحَدُكُمْ
فِي أَمْرٍ كَأَهَذَا مَا لَيْسَ بِهِ شَيْءٌ . . . (میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ کسی کا اس سے مراد
دین ہے۔ معنی یہ ہے کہ جس شخص نے ہمارے دین میں وہ چیز ایجاد کی، جس کی اصل دین سے
نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ اسی طرح وہ حدیث جسے امام حماد حواہی نے روایت کیا۔ فرمایا کہ
چند اشخاص پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ اور ہر شی کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ وہ چار افراد
یہ ہیں، (۱) اللہ تعالیٰ کی شان کو گستاخانہ بات کرنے والا، (۲) اللہ تعالیٰ کی تعویذ اور تحفہ
(۳) اللہ تعالیٰ کی شان کو گستاخانہ بات کرنے والا، (۴) اللہ تعالیٰ کی شان کو گستاخانہ بات کرنے والا،
ان گستاخانہ بات کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، (۵) اللہ تعالیٰ کی شان کو گستاخانہ بات کرنے والا،
(۶) اللہ تعالیٰ کی شان کو گستاخانہ بات کرنے والا، (۷) اللہ تعالیٰ کی شان کو گستاخانہ بات کرنے والا،
(۸) اللہ تعالیٰ کی شان کو گستاخانہ بات کرنے والا، (۹) اللہ تعالیٰ کی شان کو گستاخانہ بات کرنے والا،
(۱۰) اللہ تعالیٰ کی شان کو گستاخانہ بات کرنے والا۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ بدعت کے مردود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صاحب بدعت، نفس دین اور اس کی بنیادوں میں اس چیز کو داخل کر دیتا ہے جو اس میں سے نہیں ہے۔ اور جب شریعت کا نازل کرتے والا اللہ تعالیٰ ہے تو اس کی شریعت پر کسی زیادتی یا تبدیلی کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ رہے ذاتی افعال اور تصرفات جو بعض اوقات انسان سے صادر ہوتے ہیں اور اس کا تصور یہ نہیں ہونا کہ یہ دین کے بنیادی امور میں سے ہیں، یا اس کے احکام میں سے چند احکام ہیں، اس لئے یہ افعال کسی مقصد کے پورا کرنے یا دینی یا دنیاوی مصلحت کے پیش نظر کیے ہیں تو انہیں کسی طرح بھی بدعت نہیں کہا جاسکتا، اگرچہ وہ مسلمانوں کی تاریخ میں نو پیدا ہوں اور ان کے ہاں اس سے پہلے معروف نہ ہوں وہ یا تو ان امور کے تحت داخل ہوں گے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنتِ مسننہ فرمایا ہے یا ان امور کے تحت جنہیں سنتِ سنیہ فرمایا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ امام مسلم وغیرہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَنْ عَمِلَ بِشَيْءٍ مِنْ أَعْمَالِنَا فَلَمْ يَلِدْهُ لَنَا** اس کے

تقریباً امام شاطبی نے اپنی کتاب الاختصاص میں بیان کی ہیں اور اس کی ورد و جمعی ہیں (۱) امام شاطبی ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے اس موضوع پر کھل کر گفتگو کی اور اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا۔

(۲) علماء متقدمین میں سے انہوں نے بدعت کے خلاف شدید جنگ کی ہے اور اس سے دور رہنے کے سلسلے میں تشدد سے کام لیا ہے۔

پہلی تقریف: بدعت دین میں وہ خود ساختہ طریقہ ہے جو شریعت کے مشابہ ہو اور اس پر چلنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مبالغہ کرنا ہے۔

دوسری تقریف: دین میں خود ساختہ طریقہ جو شریعت کے مشابہ ہو اور اس پر چلنے کا وہی مقصد ہو جو طریقہ شرعیہ سے مفسود ہوتا ہے۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو تقریبات اس لئے بیان کی ہیں کہ بعض علماء نے کہا کہ بدعت عبادات کے ساتھ خاص ہے اور بعض نے اسے تمام افعال اور تصرفات پر محیط قرار دیا، اگرچہ بعد میں ان کا میلان اس طرف ہے کہ بدعت عبادات کے ساتھ خاص ہے، خواہ ان کا تعلق دل سے ہو اور وہ عقائد ہوں یا ظاہری اعمال سے اور وہ باقی تمام قسم کی عبادتیں ہیں۔

اس وقت ہمارا مقصد اس امر میں بحث یا غور و فکر کرنا نہیں ہے کہ انہوں نے دو تقریبات کیوں کی ہیں بلکہ ہم ان الفاظ پر غور کرنا چاہتے ہیں: حَلَّيْ قِيَّتَهُ فِي الْمَسْتَقِيمِ خُفَّ تَرَعَهُ کوئی عمل کس وقت بدعت کے زمرے میں داخل ہوتا ہے؟ جب کوئی شخص کسی عمل کو یہ جان کر اختیار کرے کہ وہ دین کا نبیادی عمل ہے اور دین کی ایسی چیز ہے جو مجہدا نہیں ہو سکتی، حالانکہ واقع میں وہ اس طرح نہیں ہے، یہی بدعت کی رُوح ہے اور یہی وہ دماغ ہے جس کی بنا پر شارع علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا اور اسی لیے اس کا نام بدعت رکھا گیا ہے۔

کے باوجود زندگی کو ایک حال پر محدود کیا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ جو مختصر زمانہ بسر کیا، اس میں بھی زندگی ایک طریقے پر محدود نہیں رہی، بلکہ آپ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے متب سے متب نئے حالات میں حیات طیبہ بسر کی، صحابہ کرام کی خوش قسمتی یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے درمیان تشریف فرما تھے اور آپ حیات انسانی کے اس پہلو کا اس طرح استقبال فرماتے کہ نہ تو اس کا مقابلہ کیا جاتے اور نہ اس سے جنگ کی جائے۔ کتنی نئے نئے عرف وہ تھے جن کی آپ نے تائید فرمائی اور صحابہ کرام اور عرب کی زندگی میں پیش آنے والے بہت سے نئے نئے حالات آپ سے تھے جن کا آپ نے خوش دلی سے استقبال کیا اور ان کی طرف دعوت دی، کیونکہ غور و فکر کے بعد یہ ثابت ہو گیا تھا کہ وہ احوال، دین کے اصول اور اس کے احکام کے مخالف نہیں ہیں، بلکہ بعض اوقات ان احوال کے زندہ کرنے اور انہیں بہترین طریقے سے حاصل کرنے کی اہازت عطا فرمائی۔ یہاں تک کہ شریعت اسلامیہ کے علمائے اس سے یہ قاعدہ اخذ کیا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، علماء احناف اور دیگر علماء نے یہ قاعدہ مستنبط کیا کہ عرف چند قیود کے ساتھ ایسا مآخذ ہے کہ مآخذ شریعت اور اس کے احکام کی بنیاد پر اسے نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

اس تفصیل کے پیش نظر یہ بات قطعاً غیر معقول ہے کہ بدعت کا عام معنی ملاوہ ہو، بلکہ ہم نے مسلمانوں کے علماء اور فقہاء میں سے کسی کو نہیں پایا کہ اس نے بدعت کی تفسیر اور تعریف میں یہ عجیب مذہب اختیار کیا ہو، ہاں یہ امر قابل غور ہے کہ بدعت کا خاص اور اصطلاحی معنی کیا ہے؟

بدعت اور دین

میرے سامنے بدعت کی متعدد تعریضیں ہیں، الفاظ اور اسلوب کے اختلاف کے باوجود ان کامرکز و محور ایک معنی اصطلاحی ہے، لیکن میں ان میں سے دو تعریضوں کا ذکر کروں گا یہ دونوں

دسویں فصل

محفل میلاد شریف کے منکرین کا رد

ہر نئی چیز بدعت نہیں ہے

(ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی درشام)

اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ جو کام اصطلاح شرعی کے لحاظ سے بدعت ہے وہ گمراہی ہے، اس سے دور رہنا واجب ہے اور اس میں واقع ہونے سے ڈرنے رہنا چاہیے۔ اس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جسے امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا، اس کا ترجمہ یہ ہے:

”جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کی جس کی اصل اس دین سے نہیں ہے، وہ مردود ہے۔“

دوسری حدیث امام مسلم نے روایت کی ہے:

”بہترین کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، بہترین سیرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اور بدترین امور وہ ہیں جو نو پیدا ہیں اور بدعت منکرین کے۔“

لیکن اس بدعت سے کونسا معنی مراد ہے؟

کیا اس کا لغوی معنی مراد ہے؟ جو لوگوں میں مشہور ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان کی زندگی میں آنے والا پہلے نیا کام جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا اور نہ ہی آپ کے کسی صحابی نے کیا اور ان کے ہاں وہ معروف بھی نہ تھا۔ انسان کی زندگی کے احوال اور طریقے تغیر پذیر ہیں، اس تغیر کی تغیر پر پابندی لگائی جاسکتی ہے اور نہ ہی مراد انہ

مختصر بیان سے علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے انکار کا خطا ہونا اور شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کے مختار کا صحیح ہونا ظاہر ہو گیا جس کے ساتھ جمہور نے موافقت کی ہے۔

میلاد شریف

اس کتاب میں بدعت و سنت کے موضوع پر جو گفتگو کی گئی ہے، وہ میلاد شریف کی محفل کا جواز ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ چونکہ شیخ ابن مینع نے خواص المالکی میں اور شیخ الذہبی نے الرد القوی میں محفل میلاد شریف کے رد اور اسے بدعت ثابت کرنے کے لیے بہت سے صفحات سپاہ کئے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس موضوع پر الگ ایک کتاب لکھوں گا۔ قاعدہ ہے کہ جہیز پوری حاصل نہ ہو سکے، اسے بالکل ترک بھی نہیں کر دیا جاتا، اس لیے میں نے پسند کیا کہ میری یہ کتاب مختصر اور مفید رہے۔ خلی نہ ہو جو میلاد شریف کے جواز کو واضح کر دے۔ یہ تحریر بے شام کے مشہور عالم اور دشنق یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کے سربراہ ڈاکٹر محمد سعید ملّا و نشان ابو طی کی۔

کی بنا پر شارع کے نزدیک احکام مرتب ہوتے ہوں۔ ان امور کی معرفت میں سلطان العلماء
عزالدین بن عبدالسلام ایسا کون ہے؟ بلاشبہ ان کی تقسیم فقہ کی مقبوضہ بنیادوں اور اس کے قواعد
پر مبنی ہے۔ اسی لیے امام نووی، حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ ان کا کلام
قبول کیا ہے اور فیصلہ دے دیا ہے کہ زمانہ اہل زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتے ہوئے فقہات
و مسائل میں ان ہی کے قول پر عمل کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ صاحبہ مقصود
تشریف لائے، انہوں نے عبود علماء سے اختلاف کیا اور اس تقسیم کا انکار کر کے اپنے لیے الگ
راستہ اختیار کیا اور اس انکار سے ثابت کر دیا کہ وہ فقہ کی معرفت سے بعید ہیں۔ مصلح اور مفاسد
پر مبنی، فقہ کے قواعد کے فہم سے بعید ہیں۔ انہیں وہ کام معلوم نہیں ہے جو مصلحت پر مشتمل ہوتا کہ
وہ کام کر کے مصلحت کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، اسی طرح وہ اس کام کو نہیں جانتے
جس میں فساد ہو تاکہ اسے ترک کر کے فساد سے بچایا جاسکے، وہ اس کام کو بھی نہیں جانتے جو مصلحت
اور فساد دونوں سے خالی ہو جس کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہو۔ آخر میں انہوں نے اس امر پر بھی دلیل
قائم کر دی کہ انہیں علم اصول میں اتنی بھی مہارت نہیں ہے کہ استنباط کے طریقے، ان کا احتمال
اور واقعات کے مطابق انہیں کام میں لانا مان سکیں۔ اصول میں الموافقات کے نام سے ان کی
تصنیف، چنداں مفید اور اہم کتاب نہیں ہے۔ ہاں نحو میں انہیں ضرور دسترس حاصل ہے۔
الفیہ ابن مالک پر چار جلدوں میں ان کی شرح معلوم ہوتا ہے کہ علوم عربیہ میں انہیں بجز حاصل
ہے۔ علاوہ ازیں اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ علامہ شاطبی اپنے معاصرین کی طرح
اصول فقہ کا بھی علم رکھتے تھے تاہم سلطان العلماء اس علم میں زیادہ دسترس رکھتے ہیں اور اس
کے قواعد کا زیادہ علم رکھتے ہیں، ان کی کتاب القواعد الکبریٰ اس دعوے پر بہترین شاہد ہے۔
تعبیب ہے کہ علامہ شاطبی نے سلطان العلماء کی اس تقسیم کا کیسے انکار کیا؟ حالانکہ
جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ تقسیم، مصلح اور مفاسد کے اعتبار پر مبنی ہے، جن کا شارع نے

نماز عید سے مقدم کر دیا۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرتب کردہ نظام کی مخالفت کی لہذا یہ اور اس جیسے دیگر اعمال، خیر اور اعمالِ صالحہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ اس کے برخلاف عید سے پہلے یا اس کے بعد نماز پڑھنا اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے لیکن ایک قاعدے کے نیچے داخل ہے کہ اَلْعَمَلُ لَوْ لَا خَيْرٌ مِّنْ صَوْنِ عَمَلٍ نَّارِجًا کام ہے۔ جو مقرر کیا گیا ہے، یعنی نماز (اوقاتِ ممنوعہ کے علاوہ) جس وقت بھی پڑھی جائے، مکروہ نہیں ہوگی، لیکن سنت یہ ہے کہ عید سے پہلے یا بعد نماز نہ پڑھی جائے اور سنت پر عمل کرنا بہر حال بہتر ہے۔

یہ بحث سید عبد اللہ صدار کی غیر مطبوع کتاب سے ماخوذ ہے۔

بدعت کی تقسیم میں جمہور علماء سے علامہ شاطبی کے اختلاف کے

باسے میں بہترین راستے

ایک حصہ سے جمہور اہل سنت و جماعت کے مخالفین، بدعت کے مفہوم اور اس کی تقسیم کے سلسلے میں صاحبِ اختصار علامہ شاطبی کی رائے کا سہارا لے رہے ہیں اور اس مسئلہ میں جمہور کی رائے کا ذکر کرنے کے لیے ان کی رائے کو حوالہ دے رہے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ محدث جلیل شیخ عبد اللہ محمد صبیح کی رائے گرامی پیش کر دوں۔ وہ القول البین کے ذمہ میں فرماتے ہیں: شیخ عز الدین بن عبد السلام نے القواعد الکبریٰ میں بدعت کی تقسیم کی ہے کہ وہ مصلحت پر مشتمل ہوگی یا فساد پڑھانے سے خالی ہوگی، اس لحاظ سے اس میں پانچ احکام ہیں: کوئی ایک حکم پایا جاسکتا ہے کہ وہ واجب، مستحب، حرام، مکروہ یا مباح ہوگی۔ انہوں نے بدعت کی مثالیں دیں اور اس کی تائید کرنے والے قواعد شرعیہ بیان کیے۔ اس مسئلے میں ان کا کلام اس صاحبِ بصیرت نقاد کا کلام ہے جسے قواعد فقہیہ پر جمہور اور ان صالح اور مفاسد کو جاننا سزاوار

پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کا حکم ملے۔ خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، حسن مجتبیٰ اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ یہ سب خلفاء راشدین ہیں، ان میں سے آخر میں امام مہدی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث میں خلفاء سے مراد صحابہ کرام، تابعین اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنے والے علمائین ہوں، کیونکہ حدیث شریف میں ہے: **وَالْحُكْمَاءُ قَدْ شَهِدُوا الْاَنْبِيَاءُ عُلَمَاءُ اَنْبِيَاءِ كِرَامِ كَسْ** اور آیت مبارکہ میں **اُولِی الْاَلْمَسْرِ** کی تفسیر ان علمائے کرام سے کی گئی ہے جو احکام کا استنباط کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا تو جس کام کو مسلمان اچھا جانیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے۔ یہ حدیث امام احمد نے مسند میں روایت کی، جو کہتا ہے کہ یہ حدیث امام احمد نے روایت نہیں کی وہ غلط کہتا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے، اس حدیث مسلمانوں کے اقوال کی عزت و حرمت ظاہر ہوتی ہے، لہذا مسلمان کسی عام دلیل کے تحت داخل ہونے والا جو اچھا کام کرتے ہیں، اُسے بدعتِ حق نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں سنتِ کلام سے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

۱۔ سابقہ گفتگو سے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس عبادت کا ایک مقام مندر فرمایا ہے اسے اس مقام سے تبدیل کرنا جائز ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ بدعتِ محدثہ ہے۔ ہوامیہ نے نفسانی خواہشات اور سیاسی اغراض کے تحت خطبہ

۱۔ یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جسے امام ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت عمر فاروق بن خطاب سے روایت کیا، اس میں ہے کہ تم میری سنت اور میرے بعد علماء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ ۱۲ رفاعی

۲۔ وہ آیت یہ ہے: **وَلَوْ يَدُّوْا اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلَى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّكَ الْاَلَدِیْنِ یَسْتَخِطُوْنَكَ** (النساء: ۵۸) اگر اختلافی بات کو رسول اور اپنے اصحاب امر کے سپرد کر دیجئے، تو ان میں سے استنباط کرنے والے اس بات کو جان لیتے۔ ۱۶ رفاعی

مطابق حلال و حرام کے بڑے عالم ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ غلطی سے راشد ہیں۔ وہ دونوں یہ کار خیر کرتے ہیں، حالانکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے۔۔۔ یوں امام احمد، سند حسن سے راوی ہیں کہ ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی صحابی سے ملاقات ہوتی تو فرماتے آئیے ایک ساعت ایمان کو تقویت دیں، ایک دن ایک صاحب سے یہی بات کہی تو وہ ناراض ہو گئے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ابن رواحہ کو نہیں دیکھتے کہ وہ آپ کے ایمان سے روک کر ایک گھڑی ایمان کی تخریب دیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابن رواحہ پر رحم فرماتے۔ وہ ایسی مجلسوں کو پسند کرتے ہیں جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں۔ امام بخاری نے یہ روایت تعلیقاً بیان کی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوا دو عراق کو تقسیم نہیں کیا اور اسے تمام مسلمانوں کے لیے باقی رکھا اور اگر کہا جائے کہ یہ غیر عبادات میں ہے، ہم کہتے ہیں تم نے اس حدیث میں تخصیص کر دی ہے، کُلُّ مُحَمَّدٍ شَوْءٌ بِدْعَةٍ وَ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ صحابہ انصار ہیں جنہوں نے دارِ حیرت اور ایمان کی پناہ لی، وہ قرآن پاک کی تلاوت کے لیے جمع ہوتے تھے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لوگوں کو قرآن پاک کی تلاوت کے لیے جمع کرنا منقول نہیں ہے، لیکن صحابہ انصار نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے عموم سے طریقہ اجتماع حاصل کیا صحیح مسلم شریف میں ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ ذکر کے لیے جمع ہوں، فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں۔

۵۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اور صحابہ کرام کے طریقے کو مضبوطی سے تنہا سے کا حکم دیا ہے، صحابہ کرام کے طریقے پر چلنے والے بھی ان کے حکم میں داخل ہیں۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت

لے اسی طرح کشف الخفا میں ہے ۱۲ رفاہی

ہے۔ فرائض سے بڑھ کر کوئی ایسا محبوب عمل نہیں ہے جس کے ذریعے بندہ میرا قرب حاصل کرے۔ میرا بندہ ذوالقل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتے کرتے یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں اور حبیب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں، تو میں اس کے سنے کی قوت ہونا ہوں جس کے سامنے وہ مستجاب ہے، اُس کی قوت مینائی ہونا ہوں، جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ کی قوت ہونا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں کی قوت ہونا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے، تو میں اسے دیتا ہوں، مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ تو کثرت سے بھگے کر، کیونکہ توجہ بھی سجدہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تیرا ایک درجہ بلند فرمائے گا، اور ایک گناہ معاف فرمائے گا۔ یہ حدیث ریاض الصالحین میں مذکور ہے۔ جب کثرت عبادت مطلوب ہے تو امام زین العابدین پر کلمات درود شریف کی کثرت کے سبب کیوں انکار کیا جائے گا؟

اسوئیں بلال فرماتے ہیں کہ ہم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جا کر بننے کے انہوں نے فرمایا بیٹھو! ہم ایک گھڑی اپنے ایمان کو مضبوط کر لیں۔ ابن ابی شیبہ نے یہ حدیث ابی موسیٰ بن شداد سے۔ انہوں نے اسوئیں بلال سے دو سندوں سے روایت کی۔ ان دونوں سندوں کے راوی ائمہ ثقات ہیں۔ نیز ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرو سے اور انہوں نے حضرت علقمہ تابعی سے روایت کی۔ لہ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت کے لے ابن ابی شیبہ نے کتاب ایمان میں فرمایا کہ میں نے حدیث بیان کا وہ کہنے میں نہیں بخش سکتا میں شہاد سے انہوں نے اسوئیں بلال سے اور انہوں نے حضرت معاذ سے روایت کی۔ نیز یہ حدیث ابو عبیدہ نے ایمان میں روایت کی کہ مجھے ابن ہمدی نے سفیان سے انہوں نے جامع بن شداد سے انہوں نے اسود سے انہوں نے حضرت معاذ سے حدیث بیان کی۔ نیز ابن ابی شیبہ نے عمرو سے انہوں نے علقمہ سے روایت کی پہلی روایت کی طرح ابن عبیدہ کی سند کے راوی بھی ثقہ ہیں، ۱۰۰ نامی

پروردگار نے برکت دی، جن میں فساد تھا اور نہ ہی وہ نظام مصطفیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ کے مخالف تھے۔ پھر تو انہیں معنوی سے ثابت ہے کہ آپ کے زمانے کے بعد صحابہ کرام نے بہت سے ایسے اچھے کاموں کو رد کر رکھا جو آپ کی سیرت اور ہدایت کے تحت داخل تھے، اگرچہ ان کاموں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا اور نہ ہی آپ کے زمانے میں کیے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اس عقیدے اور عمل کو رعیت ستیہ قرار دیتے تھے جو شریعت مطہرہ کے مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان (وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ) (۱۲۲) اچھے کام کرو، اور جا بجا اچھے کام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز ایک اچھا کام ہے جو تفریق کیا گیا ہے جو شخص ان عمومی احکام کے پیش نظر اچھا کام کرتا ہے، اگرچہ وہ بعینہ وارد نہ ہو، نیز وہ اس اچھے کام کی ادائی میں نظام شریعت کی مخالفت نہیں کرتا تو اس نے بہت اچھا کام کیا ہے۔

بعض مدعیان علم و فضل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد و اصحاب میں سے امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر انکار کرنے میں خطا کی، اس امام جلیل سے درود شریف کے قتلے طویل کلمات مروی ہیں جو بطور درود پڑھے جاتے ہیں۔ اس منکر نے کہا کہ یہ ایسا کام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حالانکہ امام زین العابدین اپنے عمل میں سلف صالحین کے نقش قدم پر تھے جن کے پیشوا صحابہ کرام تھے۔ اعمال صالحہ کی کثرت ان حضرات کا معمول تھا۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میرے دلی سے دشمنی رکھی، میری طرف سے اس کے لیے اعلان جنگ ہے تو انہیں معافی یہ ہے کہ ایک بڑی جماعت جس کا جھوٹ پر اجتماع عادی نہ ہو سکے۔ مستعد ایسے اشخاص بیان کرے جو ایک امر عام میں مشترک ہوں، یہ امر عام تو انہیں سے ثابت ہوگا جیسے حضرت عمر فاروق کا عدل، حضرت علی کا علم اور ان کی شجاعت اور طاہر طائی کی سخاوت، یہ امور تو انہیں معنوی سے ثابت ہیں ۱۲ ارفاقی

اللہ تعالیٰ نے ان کی موافقت میں قرآن پاک کی آیات نازل فرمادیں، کیونکہ انہوں نے عظیم ترین دینی مصلحت کی درخواست کی تھی، چونکہ انہوں نے کاریز کی سفارش کی تھی، اس لیے اس اچھے کام کی تائید کی گئی، لیکن جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے واپس آئے تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ ان کا گمان تھا کہ یہ کاریز ہے۔ انہوں نے شام میں دیکھا تھا کہ اہل کتاب اپنے راہبوں اور مقدس شخصیتوں کو سجدہ کر کے تعظیم سجالاتے ہیں۔ انہوں نے خیال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہیں بلند و برتر ہیں، لہذا آپ کو بطریق اولیٰ سجدہ کیا جانا چاہیے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے واسطے کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ مخلوق کو سجدہ کرنا آپ کی شریعت مبارکہ کے مخالف ہے۔ آپ کی شریعت اہل کتاب کے غلو سے جدا ہے، وہ اپنے راہبوں اور علماء کی تعظیم و تکریم کے طور پر انہیں سجدہ کرتے تھے اور ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے طریقے پر چلنے کو حرام قرار دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطالبہ پورا کر دیا، کیونکہ اس میں فساد نہیں تھا، بلکہ بہتری تھی۔

اذان دیکھئے، اس میں گئے چٹے چند الفاظ ہیں، جن میں کمی کی جاتی ہے درج ذیل، اس کے باوجود جب ہارش کے سبب ایک سنہ اعلان کی ضرورت پیش آئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اعلان کیا جائے **اَلَا صَلَّوْا فِیْ ہِیْ حَآدِیْکُمْ** اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم کا دار و مدار مصلحت اور حاجت پر ہوتا ہے۔ احکام شریعت کبھی وقت کے موجود ہونے ہوئے تبدیل کیے جاتے ہیں اور کبھی اس کے معدوم ہونے کی صورت میں بعض صحابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے ہی حکم شرعی کی علت معلوم کر لیتے تھے، اسی لیے اہل علم فرماتے ہیں کہ جس طرح صحابی کی تفسیر غیر صحابی پر مقدم ہے، اسی طرح بعض صحابہ کی روایت دوسرے صحابہ پر مقدم ہے۔

۴۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے بہت سے ایسے اچھے کام کرنے

کی ان تمام احادیث کو پس پشت ڈال دیا جو بر شیخ کے جمع کرنے پر دلالت کرتی ہیں اور ان سے تمام نوپیدا امور کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ کے بعد پیدا ہونے والی ہر چیز بدعتِ سنیدہ اور گمراہی ہے، اگرچہ وہ کاغذی توجہ اللہ تعالیٰ کے دین کے موافق امور دینیہ سے ہو اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اُسے شامل ہوں، حالانکہ شریکی کثرت بھی تو غیر ہے۔ اگر یہی علم ہے تو اس کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ان کے دماغوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ یہ بہت بڑا علم ہے۔

اس حدیث کو قرآن و حدیث کے دیگر دلائل کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ عام ہے اور کئی دلائل اپنے عموم اور خصوص کے اعتبار سے اس کے معارض ہیں، اس جگہ چند امور لائق توجہ ہیں:

- ۱۔ یہ حدیث عام ہے، لیکن مراد اس سے خاص ہے، کیونکہ یہ حدیث بظاہر ان خصوص کے خلاف ہے جو نوپیدا امور میں نظر کرنے اور کتاب و سنت سے ان کے احکام معلوم کرنے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ کہ کتاب و سنت نوپیدا امور کے تمام احکام پر عطا ہیں، کیونکہ وہ حوادثِ کلام کے منطوق یا مقہوم، عموم یا خصوص، اسی طرح نص یا ظاہر و غیرہ کے تحت داخل ہیں۔
- ۲۔ قرآن پاک اور حدیث شریف میں عموم کے ایسے کلمات بکثرت وارد ہیں، جن سے مخصوص مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَخُذْ أَعْلَيْهِمْ أَجْزَاءَ كُلِّ نَجْمٍ (الانعام: ۶، الم: ۴۴) ہم نے ان پر ہر شے کے دروازے کھول دیے، حالانکہ ان کے لیے رحمت کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے، دوسری جگہ قرآن: فَذَرِكُنْ كُلَّ نَجْمٍ (الاحقاف: ۲۰) اے نبی! چھوڑ دے ہر ستارہ کو، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑوں اور زمین و آسمان کو تباہ نہیں کیا۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا: وَأَوْثَقَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (الحمل: ۲۳) ہر شے کو ہر شے دی گئی تھی، حالانکہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت نہیں لے جس عام سے مخصوص مراد لیا جاتا ہے، وہ ابتداء ہی خصوص میں مستعمل ہوتا ہے، یعنی لفظ اگرچہ عام ہے لیکن مجازاً خصوص میں استعمال کیا گیا ہے۔ ۱۲ رفاہی

میں اتفاق بہت مشکل ہے، اس لیے ہم پر لازم ہے جو کچھ ہمیں پہنچا، اسے حق جانیں اور فروعی مسائل میں اختلاف کرنے والوں کے لیے عذر تلاش کریں اور اختلاف، محبت، رابطہ قلبی اور کار خیر میں تعاون سے مانع نہیں ہونا چاہیے۔

جس کتاب (حوار مع المالکی) کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ اس میں کوئی علمی خدمت اور تحقیق نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی غلطیوں کی نشان دہی سے پہلے سنت و بدعت کی تحقیق پیش کر دی جائے، کیونکہ جب سنت کی پہچان ہو جائے گی تو اس کی ضد، بدعت بھی پہچانی جائے گی۔ میں پہلی قسم میں وہ دلائل پیش کروں گا جن سے ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت وہ آپ کا طریقہ ہی ہے اور خصوصاً کثیرہ فی روشنی میں آپ کا واضح طریقہ یہ ہے کہ وہ کام قبول کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لائی ہوئی خبر کا فرد ہو، کسی نص اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت سے متصادم نہ ہو، ایسا کام سنت ہے، اگرچہ خاص طور پر اس کام کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کا حکم دیا ہو، اور بدعت وہ ہے جو نص سے متصادم ہو یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کے مخالف ہو یا اس پر کوئی فساد و تشریب ہو، یہی ہمارے علماء کے قول اس قول کا مطلب ہے کہ بدعت ضلالت جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے وہ ہے جو حکم شریعت کے منافی ہو اور دلیل خاص یا عام سے مطلوب شریعت نہ ہو اور جو حکم شریعت کے تحت داخل ہو اور دلیل خاص یا عام سے اس کا مطلوب شرع ہو نا جائز ہو وہ شرعی بدعت نہیں ہے جو حدیث شریف میں مراد ہے، اگرچہ اسے لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت کہہ دیا جائے جو اچھے اور بُرے کاموں کو شامل ہے۔ میں نے بدعت کے بارے میں مخالفین کی تحریریں پڑھنی ہیں، ان کا تمام تر علم ایک حدیث تک محدود ہے اور وہ یہ ہے **كُلُّ مُحَدَّثٍ بَدْعٌ فَكُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ** اور ہر نوید کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اس کے علاوہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

یہاں تک کہ تجھے اس کے بارے میں غریہ ظن حاصل ہو جائے اور تو اپنے مسلمان بھائی سے صادر ہونے والے کسی حکم پر ہنگامی ذکر، جب تک تجھے اس کا اچھا حاصل مل سکتا ہو۔
 اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ ہمارے نوجوانوں اور خاص طور پر طلباء کو غلط سوچ سے دور رکھے اور انہیں راہِ راست کی ہدایت فرمائے تاکہ وہ اپنے دین کو پہچانیں اور اپنے بزرگوں اور علمائے اہل سنت کی قدر و منزلت سے شناسائی حاصل کریں جنہوں نے یہ دین ہم تک پہنچایا اور اپنی جانیں اور دنیا اس کو کشش میں صرف کر دیں کہ وہ عظیم دولت ہم تک پہنچ جاتے جس پر امت مسلمہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے اور وہ گراں قدر وراثت ہمیں مل جاتے جس کی مثال دنیا میں نہیں پائی جاتی، نہ روایت میں نہ روایت میں، نہ تنقید میں نہ تحقیق میں۔ ————— حَسْبُكَ اللَّهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ۔

اب ہم پھر سنت و ہدیت کی تحقیق کی طرف لوٹتے ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ علیٰ کرم کی تقسیم بے مقصد نہ تھی اور نہ ہی خواہش نفس پر مبنی تھی، خدا اور رسول کی مافرمانی تو دور کی بات ہے۔ حاشا وکلا یہ کسی طرح بھی ان کے شایان شان نہیں ہے۔ علامہ حسن البنا راغبان المسلمین مصر کے رہنما اپنے متبعین کو اضافی بدعتوں کے خلاف جنگ کی مصروفیت سے منع کیا کرتے تھے، کیونکہ حقیقی بدعات کے خلاف جنگ کی مصروفیت بہت بڑی ہے۔ بدعات حقیقیہ سے مراد وہ منکرات لیتے تھے جو دین کے مخالف ہوں اور دین کے لیے جن کے مضر ہونے میں علماء کا اختلاف نہ ہو اور جو مسلمانوں کے لیے خطرناک ہونے کے باوجود عام پائے جاتے ہوں اور بدعات اضافیہ سے ایسے امور مراد لیتے تھے جو کسی عام قاعدے کے تحت داخل ہونے کے لحاظ سے مطلوب ہوں، لیکن ان کی صورت اور ہیئت مخصوصہ منقول نہ ہو جیسے کہ تمام اجتہادی مسائل اور وہ مسائل جن میں فقہاء کا اختلاف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں بدعات حقیقیہ کے خطر سے اور ان کے بارے میں سکوت اختیار کر کے دوسرے امور میں مشغول ہونے کے نقصانات کا صحیح شعور تھا۔ مذہبی اختلافات سے چارہ نہیں ہے اور تمام فردی مسائل

امام طبرانی، معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سند حسن سے راوی ہیں کہ کلمہ طیبہ کی شہادت دینے والوں سے زبان روکو، اور کسی گناہ کی بنا پر انہیں کا فر قرار نہ دو۔ ایک روایت میں ہے کہ کسی ممل کی بنا پر انہیں اسلام سے خارج قرار نہ دو۔ کسی کو کافر و مشرک اور دشمن خدا قرار دینے کی طرح لعنت بھی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے، اسی طرح کسی کو بدعتی یا گمراہ قرار دینا کہ یہ دونوں شرک و کفر کے قریب ہیں، خوارج اور ان کے پیروکار عمل کا مخالفین کو بدعتی اور گمراہ قرار دینے کا عام سبب، دین میں غلو اور مقاصد شریعت کے فہم سے عاری ہونا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی ذات پر ضرور اور بدعتی ہے کہ ہمیں تمام شریعت پر احاطہ حاصل ہے۔ یہاں تک کہ وہ سمجھتے ہیں کہ صرف ہمارے عقائد ہی حق پر ہیں۔ دوسرے علماء کی آراء اور ان کے فہم کو خاطر ہی میں نہیں لاتے اور ان کی مخالفت کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے، یہ خارجیت کی ناپسندیدہ روح ہے۔ اسی بنا پر شارح علیہ السلام نے ان کی مذمت فرمائی ہے، یعنی اپنی ذوات اور آراء پر مغرور ہونا اور دوسروں کو حقیر جاننا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے امامت اہل سنت کو گمراہ اور کافر قرار دے کر ان کو قتل کرنا جائز قرار دیا۔ یہ لوگ اختلاف آراء کی بنا پر پیدا ہونے والے مختلف حسیں راسخوں کے رد وادار ہی نہیں، حالانکہ روح اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو توحیدیت دی، وہ یہ تھی کہ اختلاف کو برداشت کیا جائے، مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ نہ کیا جائے اور ان میں ایک دوسرے کی نسبت ہر گمانیاں نہ پھیلائی جائیں۔ علماء روین نے صحابہ کرام سے یہ عمدہ طریقہ حاصل کیا، وہ کتاب وصنت کے فہم کا احترام کرتے تھے، اگرچہ ان کی آراء کے مخالف ہی کیوں نہ ہونے چاہئے مخالفت کی رائے کو بھی بطور امانت نقل کرتے تھے۔

ابو القاسم اصحابانی، الترغیب والترہیب میں اور خطیب بغدادی المتفق والمفترق

میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس حکم صادر فرمائے جن میں سے ایک یہ تھا کہ تو اپنے صحابی کے معاملے کو اپنے پہلو پر چمک کر

گئے۔ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر لٹکانے سے، اگر میں نے انہیں پایا تو انہیں قتل
عادی کی طرح قتل کر دوں گا۔“

امام بخاری فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہیں رخصوانہ کو لے کر
کی مخلوق میں شہر پر تریں جانتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: انہوں نے کافروں کے حق میں تامل
ہونے والی آیتوں کو مومنوں پر چسپاں کر دیا۔ امام بخاری نے یہ روایت
تعلیل و ثبوت بیان کی۔ حافظ ابن حجر، فتح الباری میں فرماتے ہیں طبری نے یہ حدیث تہذیب الآثار
میں سند متصل، صحیح سے بیان کی ہے۔

امام ابو نعیم، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں جن چیزوں کا خوف ہے ان میں ایک شخص ایسا ہوگا جو قرآن
پڑھے گا، یہاں تک کہ قرآن کی رونق اس پر دیکھی جائے گی اور اسلام اس کی چادر ہوگا، وہ پادشہ
سے ہٹ جائے گا اور وہ اسے پس پشت ڈال کر اپنے پیڑوسی کے خلاف تلوار بلند کرے گا اور اس
پر شرک کا الزام لگائے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا نبی اللہ! شرک کے
قریب کون ہوگا؟ وہ جس پر شرک کا الزام لگایا گیا یا الزام لگانے والا؟ فرمایا: حافظ ابن کثیر نے
فرمایا: اس کی سند عمدہ ہے۔ الزام لگانے والا۔

امام بخاری اور مسلم، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کو کہے او کافر تو یہ کلمہ دونوں میں سے ایک پر
آئے گا۔ اگر وہ شخص واقعی ایسا ہے تو فہم ورنہ کہنے والے پر کوٹ آئے گا۔ امام بخاری
مسلم، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص دوسرے کو کہے او کافر یا کہے او دشمن خدا، اور وہ اس طرح نہیں ہے،
تو یہ کلمہ کہنے والے پر نو کوٹ جائے گا۔

لے یہ احادیث علامہ محدث، امولی علی بن محمد بن یحییٰ علوی حنفی کی تفسیر طبعہ کتاب سے نقل کی گئی ہیں
۱۲ رقاعی

پہلے نکلے بہتوں نے اپنی آرہ خواہشات نفسانیہ اور کتاب اللہ کے عموماً پر احتما و کرتے ہوئے سلف صالحین کو گمراہ قرار دیا، حالانکہ ان کے پاس ان غلوہر کے علاوہ کچھ علم مذہبی محض ظواہر پر اعتما و کرتے بہت دفعہ انسان خطا میں واقع ہو جاتا ہے اور اگر ضرور ایسا قول انتہا کرنا ہے تو اپنے لیے اختیار کریں اس کے لیے جائز نہیں کہ علماء امت اور ان کے متبعین کو بدعتی اور گمراہ قرار دے، جب تک کہ وہ مسئلہ علیہ کے درمیان متفقہ نہ ہو، کیونکہ بدعت کا معنی سمجھنے میں علماء کے مختلف مسائل ہیں، بعض بدعت میں تعیم کرتے ہیں اور تعیم میں خطرہ ہے، کیونکہ اس سے بعض اوقات لازم آئے گا کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین یعنی تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ بدعتی قرار پائیں۔ بعض علماء نے اس قباحت سے بچنے کے لیے بدعت کی تقسیم (حسن اور سیرت کی طرف) کی ہے بعض نے اس طرح تقسیم کی کہ ایک بدعت حقیقیہ ہے اور دوسری بدعت اضافیہ اس کے علاوہ متعدد تقسیمیں کی گئی ہیں، جن میں سے بعض کی طرف ہم آئندہ اشارہ کریں گے اور عالم کا الگ الگ مآخذ ہے، لہذا اختلاف کے ہونے ہوئے اپنے دین پر نہیں غفلت کا کام یہ ہے کہ علماء کے اقوال بیان کر دے اور خود اس حد پر ٹھہر جائے جو شارع نے اس کے لیے مقرر کی ہے۔ ایک مسلمان کو خواہی اور ان کے ہم نواؤں کے حال سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ احادیث صحیحہ کی رو سے وہ گمراہ ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا اعتقاد ہی حق ہے اور اسی پر اعتقا نہیں کیا، بلکہ انہوں نے ہر اس شخص کو گمراہ قرار دیا جو ان کے مذہب پر نہ ہو خواہ وہ صحابی ہو یا تابعی، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی مذمت فرمائی اور صراحتہً فرمادیا کہ وہ دین سے نکل جائیں گے، حالانکہ وہ بظاہر دین پر عمل پیرا ہونے اور عبادت میں منشہ نماز راستہ اختیار کرنے میں دوسروں سے آگے ہیں۔ سبب یہ تھا کہ وہ اپنی ذوات پر مغرور ہو گئے اور انہوں نے اپنے تمام مخالفین کو گمراہ قرار دے دیا۔

امام بخاری اور مسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لایا، میرے بعد میری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے عقائد سے نیچے نہیں اترے گا، اہل اسلام کہ قتل کریں گے، عیت پرستوں کو چھوڑیں

کے مدعیانِ فقاہت اور مسائلِ دین میں اجتہاد کے دعویدار، ان ائمہ کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں، بالکل غلط ہے۔ یہ لوگ دین سے جا بل نہیں ہیں، اہل ہیں اور ان کے پاس بانیِ دعوے کے علاوہ کچھ سامانِ اجتہاد نہیں ہے، بلکہ یہ اپنے جیسے لوگوں کے مقلد ہیں، جنہوں نے اُمت کے سامنے ایسی آراء پیش کی ہیں جن میں ائمہ کے اجتہادات پر تنقید کی گئی ہے، وہ ائمہ جن کے بارے میں اُمتِ مسلمہ نے علم، فقاہت اور تقویٰ کی گواہی دی ہے اور بقول علامہ ابنِ تیمیہ اُمتِ مسلمہ میں ان حضرات کو سچی زبان دی گئی ہے۔

دیکھئے علامہ ابنِ تیمیہ صبر علیہم کے بعض اقوال پر دیکھتے ہوئے اپنی کتاب جواب اہل العلم میں فرماتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص بھی ان دو اقوال میں سے کسی ایک قول کا ثبوت سلف سے پیش نہیں کر سکتا۔ سلف سے میری مراد ہیں صابر کرام، تابعین بلا سنا اور باقی ائمہ مسلمین جو علم اور تقویٰ میں مشہور ہیں اور اُمت میں جنہیں سچی زبان دی گئی، احمد بن حنبل، شافعی اور ابوحنیفہ کے زمانے کی کسی شخصیت سے نقل کر سکتے ہیں اور ان سے پہلے کسی بزرگ سے نہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پتہ فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص دین میں کسی شخص کی تقلید نہ کرے، کیونکہ اگر وہ مقتدا مومن ہو، تو یہ بھی مومن ہوگا، اور اگر اس نے کفر کیا، تو یہ بھی کافر ہو جائے گا اور اگر تم ضرور اقتدار ہی کرنا چاہتے ہو تو زندہ کی بجائے اس کی اقتدا کرو، جو دنیا سے رخصت ہو گیا ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے زندہ فتنے میں واقع ہو جائے۔ لہٰذا ہمارا مقصد یہ مسلم نوجوان کو عداوتِ رسول کے بارے میں ایسے اقوال سے روکنا ہے جن کو وہ پوری طرح سمجھ نہیں سکا اور جن کا وہ اعانت نہیں کر سکا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ عوارج کی راہ پر لے دیکھئے کتاب جواب اہل العلم، ص ۳۰

لہٰذا یہ حدیث امام غزالی نے صحیح کبیر میں روایت کی مجمع الزوائد میں ہے کہ اس کے راوی ہریرہ صحیح کے راوی ہیں، دیکھئے مجمع الزوائد ج ۱، ص ۱۲۱۸۰ - عامی - علامہ قیال - اسی فکر کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ زائد اعلیٰ عالمان کم نظر اقتداء پر رفتگان محفوظ تر بتاؤری

تم میرے بھائی مسلمان نہیں ہو؟ انہوں نے کہا: تو شیطان کا بھائی ہے، ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم مجھ سے اس بات پر راضی نہیں ہو جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی ہوئے تھے؟ انہوں نے کہا: وہ کونسی چیز ہے؟ جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، تم سے راضی ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: میں حالت کفر میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، اور میں نے توحید و رسالت کی گواہی دی، تو آپ نے مجھ سے تعارض نہیں فرمایا۔ خارجیوں نے آپ کو پکڑا اور شہید کر دیا۔ ————— مجمع الزوائد میں ہے اس حدیث کے راوی، صحیح حدیث کے راوی ہیں۔ لے

یہ بدعتِ سیئہ ماضی میں خوارج سے صادر ہوئی اور ہر دور میں ان کے پیروکاروں سے صادر ہوئی رہی، اس کا سبب کیا تھا؟ یہ کہ وہ اپنی ذوات پر مقرر تھے۔ آیاتِ امارت کے ظواہر کو لے کر وہ سمجھتے تھے کہ حق پر صرف ہم ہیں اور ان کا ہر مخالف گمراہ ہے، بدعتی سے بلا کافر و مشرک ہے، بلکہ وہ صرف اس شخص کی بات سنتے تھے جو خارجی ہوتا یا ان جیسا ہوتا، جمہوریت کو تو وہ بیاہ چشمہ لگا کر دیکھتے تھے، انہیں امتِ مسلمہ یا تو بیٹھی دکھائی دیتی تھی یا مشرک و کافر، اور خارج از اسلام۔

مقصود یہ ہے کہ مسلمان کے لیے علماء امت تو کجا عامۃ المسلمین کے بارے میں بھی حسن ظن لازم ہے، کیونکہ میں فروعی مسائل میں اس سے پہلے علماء کا اختلاف رہ چکا ہے۔ ان میں اختلاف کو اس طرح جو ادینا کہ امتِ مجتہدین کے بارے میں بدگمانی پیدا ہونا ان کی تحقیرِ شان کا سبب بنے، دین کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دینے اور امتِ مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر دینے کے مترادف ہے۔ فروعی مسائل میں امتِ امت کا اختلاف قبولِ اولیٰ سے چلا آیا ہے، لیکن یہ اختلاف اختلافِ عقیدہ کا باعث اور احترامِ باہمی، محبت و الفت اور اتحادِ امت کے خلاف نہ تھا۔ یہ تمام امتِ دین کے پاس بان اور دین کی غیرت رکھنے والے تھے۔ آج

لے دیکھئے مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۶

تیار دیتے ہیں کیونکہ اس وقت تاویل کا راستہ ہی نہیں بتایا گیا۔ قدریہ اور خوارج ایسے عقائد میں انحراف کرنے والے فرسے، اہل سنت و جماعت کے نزدیک بالاتفاق مبتدع اور گمراہ ہیں کیونکہ ان کے خلاف نصوص کثرت سے مجتمع ہیں، پہلے پہل جس فرسے کی بدعت ظاہر ہوئی وہ خوارج ہیں۔ انہوں نے اپنے مسلک میں انتہائی تشدد سے کام لیا، یہاں تک کہ انہوں نے امیر المومنین حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کافر قرار دیا، ان کا استدلال ان ظالم اور مومنانہ سے تھا جو مشرکین کے بارے میں وارد ہوئے تھے۔ خوارج نے ہر اس شخص کو کافر قرار دیا اور اس کا قتل جائز قرار دیا جو ان کے عقائد سے اختلاف رکھتا تھا۔

ابن مرویہ حضرت صحب بن سعد سے راوی ہیں کہ ایک خارجی نے حضرت سعد یعنی ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دکھا اور کہا یہ کفر کے اماموں میں سے ایک امام ہے حضرت سعد نے فرمایا، تو نے جھوٹ کہا۔ میں نے تو ائمہ کفر سے جہاد کیا ہے۔ ایک دوسرا خارجی کہنے لگا، یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے اعمال برباد ہوئے۔ حضرت سعد نے فرمایا، تو نے بھی جھوٹ کہا۔ اعمال ان لوگوں کے ضائع ہوئے، جنہوں نے اپنے آپ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا (ترجمہ آیت مبارکہ)

یہ روایت حافظ ابی جعفر عسقلانی نے فتح الباری میں بیان کی ہے۔

امام طبرانی، معجم کبیر اور معجم اوسط میں راوی ہیں کہ حضرت عمارہ بن قریض رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جنگ میں شریک ہوئے اور بتنی مدت اللہ تعالیٰ کو منظور تھی، اس میں شامل رہے پھر واپس ہوئے۔ امواز کے قریب پہنچے تو انہوں نے اذان کی آواز سنی، تو انہوں نے فرمایا، میں تین دن سے مسلمانوں کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکا۔ جماعت میں شامل ہونے کے ارادے سے اذان کی آواز کی طرف چل دیے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ازارقہ (خارجیوں کی ایک جماعت) موجود ہیں۔ انہوں نے کہا اؤ خدا کے دشمن! تجھے کونسی چیز یہاں لاتی ہے؟ آپ نے فرمایا، کیا

لے دیکھتے فتح الباری ج ۱۰، ص ۲۴

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ تَعَرَّفَ اللہَ عَرِبَہُ خَيْرًا اِلَّا فَقَصَّہُ
 فِي الْحَقِیْنِ ۝ اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اس کو دین کا فہم عطا کر دیتا ہے۔
 اس حدیث کا مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ نہیں فرماتا، وہ جمل مرکب میں
 جاگزن ہے اور علماء کو محال قرار دیتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دین کا فہم تحقیق و تحقیق بال نظر
 انصوص کی تلاش، بعض کو بعض پر محمول کرنے، امکانی حد تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کو اس کے صحیح مطالب پر محمول کرنے اور علماء اسلام کے
 کئے اقوال و اعمال کو حقیقی امکان خیال و عمل صحیح پر محمول کرنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔
 مسلمانوں کے بارے میں یہی سنن ظہن ہے جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، بلکہ حدیث شریف کے مطابق
 یہ ایمان کا قوی ترین رابطہ ہے، پھر دلائل کی جستجو کو فریاد کیلئے ضروری ہے کہ ان علماء و راہبوں کے
 ارشادات سے واقف ہو جو علم فہم اور تقویٰ میں بلند مقام رکھتے ہیں، انہیں دلائل پر مبنی حاصل ہے
 ان کی تطبیق اور تاویل پر قدرت رکھتے ہیں نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد کی تفسیر کرنے
 والے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد اور آپ کے مقصد کو
 بعد کے علماء سے زیادہ جانتے تھے۔ یہی علماء دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ رہا ہے، یہی وجہ ہے
 کہ ہمیں ان حضرات کا کوئی استنباط نص کے مخالف نہیں ملے گا، جب تک کہ ان کی تائید میں
 کوئی نص موجود نہ ہو، اسی طرح ان کا استنباط ظاہر کے خلاف نہیں ملے گا، جب تک کہ اس ظاہر
 کی کوئی معقول اور مقبول تاویل ان کے پاس موجود نہ ہو، آپ دیکھیں گے کہ ائمہ دین اپنے مخالفین
 کو بدعتی یا گمراہ قرار نہیں دیتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے مخالف کے پاس بھی ایک دلیل ہے
 جسے وہ ترجیح دے سکتا ہے، اگرچہ ہمارے نزدیک کسی دوسری دلیل کو ترجیح حاصل ہے۔ یہی
 وجہ ہے کہ ائمہ دین نے صرف عقائد کے سلسلے میں انحراف کی راہ اختیار کرنے والے فرقوں کو بدعتی
 کہا ہے اور جب تک وہ کلمہ شہادت کی گواہی دیتے رہیں، نماز قائم کرتے رہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں،
 ان کی تکفیر نہیں کرتے، ہاں جو شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے، اسے برطان کافر

”یہ نیا کام اچھا ہے“

قابلِ مذمت ہے وہ بدعت جو سنت کے مخالف ہو اور اگر اسی کی طرف بلائے۔ یہ بعینہ وہ تفسیر ہے جو اس سے پہلے ہم امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کر چکے ہیں۔ انہوں نے بدعت کی دو قسمیں بیان کر مائیں۔ محمود اور مذموم، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ امام شافعی کے بعد آنے والے ائمہ مثلاً شمس الدین ابن حجر، علامہ عزالدین ابن عبد السلام، امام نووی اور ابن اثیر شافعی ہیں سب ابن عربی اور قرانی مالکیہ میں سے، اور ان کے علاوہ بحیثیت علماء، اور ان کے آخر میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ تعالیٰ، ان صاحب حضرات نے نوپیدا امور کو دو قسم، محمود اور مذموم قرار دیا۔ یہی فرمایا کہ یہ امور کبھی واجب یا مستحب اور کبھی حرام یا مکروہ یا مباح ہوتے ہیں۔ کسی قاعدہ سے پرہیز کرتے ہوئے، یا ان شواہد کے پیش نظر جو ان کے حق میں ہیں یا ان کے خلاف گواہی دیں یا ان امور پر مرتب ہونے والے فوائد یا مفاسد کو دیکھتے ہوئے یا شریعت کی مخالفت یا موافقت کے اعتبار سے یہ پانچ قسمیں جاری ہوں گی۔

جو شخص بدعت اور اس کے قواعد یعنی اصول اور فقہ کا عالم ہے، اس کے لیے اس قول کے بغیر چارہ نہیں ہے، لیکن یہ اس شخص کا کام ہے جسے علوم و دینیہ میں یر طولی صحیح تھا بہت اور شریعت اور اس کے مقاصد کا گہرا شعور حاصل ہو۔ اس شخص کا کام نہیں ہے جو علم کا دعویٰ کر زبانِ وراز اور علم کا کچھ حصہ حاصل کیے ہوئے ہو جسے ایک نص مل جائے تو وہ اسے ہی لے کر بیٹھ جائے اور اس کے ماسواً نصوص، قواعد و مطالب، اہل علم کے بیانات اور صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے ائمہ کے ارشادات کو ازراہِ جہالت، یا تنجیل، دیدار پر دے مارے اور گمان کرے کہ وہی ایک نص صحیح ہے اور اس کے علاوہ سب کچھ ضلالت و سول کی مخالفت ہے جیسے مولف (ابن مینع) نے کیا۔ لے

لے عبدالرزاق، عمر سے، وہ زہری سے اور وہ حمید الشہید بن عبد اللہ سے راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص حدیث بیان کرے گا، ایسے وہ شخص سنے گا جس کی عقل اس حدیث کے مطلب تک نہیں پہنچ سکے گی، تو وہ حدیث اس کے لیے فتنہ بن جائے گی، ابن سنی نے سچ فرمایا، دیکھئے سنت عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۶

اس کی کوشش کی جزا دی جاسکتے گی۔ لے

قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں ایسے عموماً جن میں تخصیص کی گئی ہے یا جن سے مخصوص افراد مراد ہیں، اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان کا تتبع کیا جائے تو ایک جلد تیار ہو سکتی ہے، اس صورت میں جمہور علماء راجحین پر کیسے انکار کیا جاسکتا ہے؟ جنہوں نے حدیث شریف **كُلُّ يَدٍ عَلَيَّ صَلَاحٌ** کے بارے میں کہا ہے کہ یہ عام مخصوص المعص ہے یا یہ ایسا عام ہے جس سے خاص مراد لیا گیا ہے۔ متوقف (ابھی متنع) نے انہیں خدا اور رسول کا نافرمان اور دشمن قرار دیا ہے، خدا تعالیٰ کی پناہ! وہ ہرگز ایسے نہیں ہیں۔

امام نوویؒ اپنی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان **وَكُلُّ يَدٍ عَلَيَّ صَلَاحٌ** کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ عام ہے جس سے خاص مراد ہے، اس سے مراد وہ نوپیدا امور ہیں، جن کی سخت پر شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ بدعت سے ایسے امور مراد ہیں جو حافظ ابو بکر بن عربی، مسنن ترمذی کی شرح میں فرماتے ہیں، امر سابع حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **وَرَأَيْنَا كَعْبَ وَتَحَدَّثَاتِ الْأُمُومِ** "تم نوپیدا امور سے بچو" تمہیں اللہ تعالیٰ علم کی دولت عطا فرمائے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ نوپیدا امور کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ نوپیدا امر جس کی بنیاد، خواہش اور اپنے ارادے پر عمل کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، یہ قطعاً باطل ہے اور بدعت ضلالت ہے (۲) وہ نوپیدا امر کہ ایک نظیر کو دوسری نظیر پر جموں کیا گیا ہو، یہ مختلف راہنہ اور باب فضیلت ائمہ کی صفت ہے۔ مزید یہ فرمایا کہ نوپیدا اور بدعت محض لفظ محدث اور بدعت یا ان کے معنی کے پیش نظر مذکور نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ قَوْلٍ مِّنْ حَيْثُ مَخْرَجُهُمْ** **مُحَدَّثٌ** جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نیا ذکر آتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مترادف باجماعت کے بارے میں فرمایا: **لَحُصَّتِ الْمُبْدَعَةُ هَذِهِ** لے اس آیت اور ایسی ہی دوسری آیات میں **كُلُّ نَفْسٍ** سے مراد خاص طور پر لوگ ہیں جن کی کوشش نہ ہو جن کو اللہ تعالیٰ بخش دے وہ کہہ میں **فَلَمْ يَلَمْ يَلَمْ** دیکھتے (امام بیہقی کا مشاہیر منہاجی صفحہ ۲۰۲)

یقیناً زندہ لوگ تھے اور دوسرے الناس سے مُراد ابوسفیان اور مشرکین مکہ میں سے اُن کے ساتھی ہیں جنہوں نے اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے جنگ کی تھی، وہ بھی تمام انسان تو نہیں تھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنَّكُمْ وَبَنِيكُمْ لَمِنَ الْمُتَكَبِّرِينَ وَكَذٰلِكَ يَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ وَّزْرَہَا الَّذِیْ حَصَبَہَا جَعَلْنَا الْاَنْبِیَآءَ رُسُلًا ؕ لَیْسَ عَلَیْہِمْ اَشْکَکُمْ اَوَّلَیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَنْتُمْ مِّنْکُمْ اَوَّلَیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَنْتُمْ مِّنْکُمْ اَوَّلَیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَنْتُمْ مِّنْکُمْ اَوَّلَیْنَ (۲۹، ۳۱)۔ اے شکتمند اور میں کی تم اللہ تعالیٰ نے سوا عبادت کرتے ہو، بہتم کا ایندھن میں ہے۔ اہم موصول (عام) کلمات عموم میں سے ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی والدہ ماجدہ اور فرشتے جن کی اہل کتاب عبادت کرتے تھے، اس آیت سے ملو نہیں ہیں بلکہ یہ بھی ایسا عام ہے جس سے خاص خود مراد لیے گئے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَلَمَّا اَنْشَاوْا مَا ذُکِّرُوا بِہِ فَاَتَتْہُمْ مِّنْکُمْ اَنْبِیَآءٌ مِّنْکُمْ فَذٰلَکَ اَوَّلَ الْاٰلَمَامِ (۶)۔ ”جب وہ اس چیز کو موصول گئے جو انہیں یاد کرائی گئی تھی، تو ہم نے اُن پر ہر شے کے روانے کو بھیج دیا۔ حالانکہ اُن پر رحمت کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَنَسَاوْنٰهُمْ فِی الْاَسْوَءِ صَحَابَہٖ مِّنْ مَّعَالِمَہِیْنَ مَشُورَہٖ کَیْفَہٗ عَلٰی ہرے کہ آپ صحابہ کرام سے احکام شرعیہ کے بارے میں مشورہ نہیں فرماتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اُن سے بعض امور میں مشورہ کیجئے۔ یہ تفسیر ہے اگرچہ قرآن پاک میں مذکور نہیں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی امر کا عزم فرمالیں، تو پھر کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ خدا و رسول کے حکم پر سبقت کرے۔ اے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنَّکُمْ لَمِنَ الْاَوَّلِیْنَ (۱۵۰۲) تاکہ ہر نفس کو

لے ملدہ اصول فرماتے ہیں کہ لفظ مَا غیر ذی العقول کے لیے آتا ہے، لہذا اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتے داخل ہی نہیں ہوں گے اس لیے اسے عام محضوں البعض کی مثالوں میں شمار نہیں کرنا چاہیے، اشراف قادری لکھنؤیہ نے فتح الباری ۱/۱۷۸، ص ۱۰۳

اور یہ کھلی سبھی حقیقت ہے کہ اس آئمہ صبی نے تمام زمین کو تباہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی ستاروں کو گزند پہنچائی تھی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، **وَ اَنْ كَيْسَ لِلْاِنْسَانِ الْاَلْمَاسَعِي** (۱) ”انسان کے لیے نہیں ہے مگر وہ کوشش جو اس نے کی۔ حالانکہ تو اتر کی حد تک پہنچنے والے دلائل سے ثابت ہے کہ مسلمان اپنے بھائیوں کے عمل اور فرشتوں کی دُعائے بھی فائدہ اٹھا رہے تھے جیسے کہ علامہ ابن نعیم نے جس سے زیادہ مقامات کا ذکر دلائل کے ساتھ کیا، ان میں سے ایک نماز جنازہ ہے۔ میت کی طرف سے صدقہ دینا اور اہل ایمان کی دُعائے عام سے خاص مراد لینے کی مثال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ سیاہ دانہ دلو گنجی موت کے علاوہ ہر بیماری سے شفا ہے۔ اس حدیث میں لفظ کل موجود ہے۔ اس کے باوجود شارحین کا اتفاق ہے کہ یہ اپنے عموم پر نہیں ہے۔

اسی سلسلہ کی وہ حدیث جو امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہرگز آگ میں داخل نہیں ہوگا جس نے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اُس کے بعد نماز پڑھی، یقیناً یہ بھی کھاتا جموں میں سے ہے، لہذا یہ عام پر نہیں ہے کیونکہ جس نے فجر اور عصر کی دونوں نمازیں پڑھیں، لیکن باقی نمازیں ترک کر دیں اور واجبات چھوڑ دیں وہ قطعاً اس حدیث میں داخل نہیں ہے لہذا یہ وہ عام ہے جس سے خاص افراد مراد لیے گئے ہیں یا وہ ایسا عام ہے جس میں نصوص کی بنا پر تخصیص کی گئی ہے۔ حنفی ابن حجر نے علامہ طبری کا یہ قول نقل کر کے ہر قرار رکھا کہ جب احادیث پایہ ثبوت کو پہنچ جائیں تو مختلف روایات کو ایک دوسری کے ساتھ ملانا ضروری ہے کیونکہ وہ ایک ہی حدیث کے حکم میں ہیں، ان میں سے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے تاکہ ان سب کے مضمون پر عمل کیا جائے۔

جس عام سے خاص مراد لیا گیا ہو، اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، **اَلَّذِيْنَ** **قَالَ لَكُمْ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ** ”وہ جنہیں لوگوں نے کہا کہ بیشک لوگوں نے تمہارے لیے بہت کچھ جمع کر رکھا ہے۔ پہلے آئل عمران ۳، ۳۳، ۳۴ سے مراد خبر دیئے والے ہیں اور

اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کا دین، مسلمان کے حرام تصرفات کو شامل ہے تزاہ عبادات ہوں یا معاملات، احکام ہوں یا فیصلے، نکاح سے متعلق مسائل ہوں یا میراث سے، اسی طرح تمام اعمال، حرام بدعتوں کا سب میں عمل دخل ہے، سب سے خطرناک بدعت وہ عقائد ہیں جن کی بنا پر بہت سے گمراہ دین سے خارج ہو گئے ہیں۔ مگر ان سے متعلق اکثر عقائد بدعت، اللہ تعالیٰ کی شریعت سے خروج ہے اور یہ بدعت جس کا انجام کفر ہے۔ اکثر اسلامی ممالک پر چھاپ چکی ہے۔ یہی وہ بدعت ہے جس کے لیے اسلام دشمن عناصر منتشر قہین اور ان کے ہم نواؤں نے مسلسل کام کیا ہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان کی شریعت اور ان کے عقیدے سے نکال کر اس طاعوت کی اطاعت پر مجبور کر دیا جیسے وہ قانون کا نام دیتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ دن رات فروعی مسائل کے اختلافات کو ہوا دینے میں مصروف ہیں اور مخالفین کو بدعتی قرار دینے سے نہیں چمکتے، وہ ان بڑے بڑے مسائل کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہتے، جن میں ہر ملک کے مسلمان واقع ہو چکے ہیں۔ حالانکہ اس زمانے میں ان مسائل کے بارے میں اپنی تمام تر مساعی کو صرف کرنا فرض دین ہے اور یہ مسائل مسلمانوں کے لیے چیلنج بن چکے ہیں۔

فروعی مسائل میں مختلف مذاہب کا اختلاف، قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے اور ان مسائل میں اختلافات کو اُبھارنا، ملت اسلامیہ کو متحد نہیں ہونے دے گا، بلکہ پارہ پارہ کر دے گا۔ یہ طریق کار، خوں ریزی، نفرت انگیزی، اتہام پردازی اور ایک دوسرے کو بدعتی اور گمراہ قرار دینے کا باعث ہو گا اور اس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

کتاب و سنت کے بہت سے عموماً وہ ہیں جن میں شخصیت کی گئی ہے اور کثیر مقدار پر عام سے خاص افراد مراد لیے گئے ہیں، جیسے (قوم عاد پر بطور عذاب نازل ہونے والی آندھی کے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، **فَإِنَّا جَاءَکُمْ مِّنْکُم مِّنْ قَوْمٍ یَّهْتَبُونَ** (الاحقاف ۶، ۵)۔

سے بھی مروی ہے۔ کیا یہ دونوں جلیل القدر صحابی بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نافرمان ہیں؟ کیونکہ ان کے فرمان کا لازمی مطلب یہ ہے کہ بدعتِ قدیم کی قسم کھاتی ہے ایک محمود اور دوسری مذموم، اور مجبور علماء نے اس تفسیر کو تسلیم کیا ہے، مثلاً امام نووی، ابن عبد السلام، قرنی، ابن عربی اور غلام الحقاہ علی مد ابن حجر، کہا یہ جلیل القدر ائمہ اللہ تعالیٰ اُن کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام نہیں سمجھتے، اس بہتان سے خدا کی پناہ!

یہ سب اس بنا پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کُلُّ بِدْعَةٍ حَفَلَاءٌ، ”ہر بدعت گمراہی ہے“، میندھین کے نزدیک یہ کلیہ، ہر نوپیدا ہونے پر کو شامل ہے متوقف حوا اصول کے قواعد سے واقف ہے اور نہ ہی اسے یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام میں بہت کلیات ایسی ہیں جن میں تخصیص کی گئی ہے اور بہت سے عمرات وہ ہیں جن سے خاص افراد مراد لیے گئے ہیں۔

علاوہ ازیں مخالفین نے بدعت کی ایک اور تفسیر کی ہے:

(۱) جس کی بنا پر کفر لازم آئے (۲) حرام (۳) مکروہ تحریمی (۴) مکروہ تنزیہی پانچوں قسم یعنی مباح کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ ان کے نزدیک بدعت، عبادت کے ساتھ خاص ہے۔ وہ بدعت کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں، دینی اور دنیاوی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک مباح، احکام دین سے ہی نہیں ہے۔ نیز وہ بدعات جو عبادات کے مابین ہیں پائی جاتی ہیں، حدیث ان کو شامل نہیں ہے۔ یہ بھی تو ان کی طرف سے اس قاعدہ کلیہ میں تخصیص ہے جس میں وہ کسی تخصیص کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَخَذَتْ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ دَ.

ایک روایت میں ہے: ”فِي دِينِنَا“ جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز نکالے جس کی اصل اس دین سے نہیں ہے، وہ مردود ہے۔

کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے کہ کتب اصول فقہ میں بیان کیا گیا ہے۔ علماء اصول نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہر عام میں کچھ نہ کچھ تخصیص ہوتی ہے اور لفظ ممکن کا موجود ہونا تخصیص سے مانع نہیں ہوتا جیسے کہ ہم قرآن پاک کی آیات میں دیکھیں گے۔

بات بات پر بدعت کا فتویٰ لگانے والوں کو اگر یہ قواعد معلوم ہوں، تو وہ اچھے کاموں کو بدعت قرار دینے کے لیے اپنی زبانیں نہ کھولیں اور ائمہ اعلام پر تہمت لگانے کے میدان میں اپنے ہتھیار قلم کو بے لگام نہ چھوڑ دیں۔ ایسی باتیں ان کے بڑے بڑے علماء بھی کہیں تو ان پر کوئی کان نہ دھرے گا، ان پیچیدہ حقائق، طفلانِ مکتب کی کون مائے گاہ جو اپنے علم و فضل کی مصنوعی نمائش کرتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ ائمہ دین کے بارے میں ذرا ان کا اندازہ بیان دیکھئے :

”انہوں نے (بدعتِ حسنہ اور بدعتِ ستیہ کی طرف) بدعت کی تقسیم کر کے، نوید امور بدعات کے لیے دروازے چوڑ کھول دیئے ہیں“ (ص ۵۸)

بدعت کی تقسیم

خدا کی پناہ! ائمہ دین، اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کو دوزخوں سے زیادہ سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ رکھتے ہیں، اور اس کے زیادہ قوال بردار ہیں۔ چاہے ان پر کتنی ہی سختیں لگاتے رہیں۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے، ”بدعت دو قسم پر ہے، ایک بدعتِ محمودہ اور دوسری مذمومہ، جو سنت کے مطابق ہو اور بدعتِ محمودہ ہے اور جو سنت کے مخالف ہو وہ بدعتِ مذمومہ ہے۔“

کیا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی یہ تہمت لگائی جائے گی؟

خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تراویح کی باجماعت ادا کی دیکھ کر فرماتے ہیں: یہ بدعت (نیاطریقہ) اچھی ہے۔ ایسا ہی قول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

پڑھنا جائز ہے اور اسے باقی قرآن پاک کا ترک قرار نہیں دیا جائے گا، اس کے باوجود ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی عالم نے نوافل میں فقط سورۃ اخلاص کے پڑھنے کو افضل قرار دیا ہو کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول تمام قرآن پاک کا پڑھنا تھا، وہ بیشک اس سے بھی افضل ہے، لیکن اس صحابی کا عمل اور اس سے ملنا جتنا کام، مسکت کے زمرے میں داخل ہے اور ایسا کام مذموم نہیں، بلکہ ہر حال میں قابل تعریف ہے۔ گزشتہ اور آئندہ احادیث کی طرح اس حدیث میں بھی بات بات پر بدعت کا فتویٰ دینے والوں پر رد ہے۔

دسویں حدیث:

اسحابِ مشن امام احمد اور ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اردو اپنے والد سے مروی ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا، ایک صحابی نماز پڑھتے ہوئے ان الفاظ سے دعا مانگ رہے تھے:

”اے اللہ! میں تجھ سے اس لیے سوال کر رہا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو معبودِ برحق ہے تیرے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، تو ایک ہے تو وہی ہے نیز ہے جس نے کسی کو جنا اور نہ جنا گیا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے (ترجمہ) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اہم اُکرم کے وسیلے سے سوال کیا ہے جس کے واسطے سے کوئی بھی چیز مانگی جائے تو وہ دی جاتی ہے اور دعا کی جائے تو وہ قبول ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ دعا کے یہ کلمات صحابی نے تیار کیے تھے اور چونکہ قصد کے مطابق تھے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تائید اور خوشنودی کے اعلیٰ ترین طریقے سے برقرار رکھا اور یہ معلوم نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس صحابی کو یہ دعا سکھائی تھی، دراصل نصوصِ شریعت میں ایسے عمومی الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے خاص افراد مراد ہوتے ہیں، اسی طرح حقیقت اور مجاز پائے جاتے ہیں اور ایسے امور پائے جاتے ہیں کہ تعارض کے وقت ان کی طرف رجوع

دم کے ذریعے حاصل کیا ہے۔

فویں حدیث

بخاری شریف میں سورۃ اخلاص کے سلسلے میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو کھل کھولا کہ ”ہو اللہ احد پڑھتے ہوئے سنا“ وہ بار بار یہی پڑھ رہا تھا، صبح ہوئی تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا، ان کا خیال تھا کہ دوسرا شخص قرآن پاک کا بہت تحفظ رکھتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اُس ذات اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ یہ سورۃ قرآن پاک کے تہائی حصہ کے برابر ہے۔

ما قظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ پڑھنے والے حضرت قتادہ ابن نعمان تھے۔ احمد ابن طریف ابن الیثم، ابوسعید سے راوی ہیں کہ حضرت قتادہ ابن نعمان ساری رات صرف سورۃ اخلاص پڑھتے رہے۔ انہوں نے اس کے علاوہ کچھ نہیں پڑھا اور سننے والے غالباً ان کے مال کی طرف سے بھیابی ابوسعید تھے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی تھے۔ ابن عہد البر نے اسی پر جرم کیا ہے۔ امام دارقطنی نے بروایت اسحاق بن الطباع امام مالک سے یہ حدیث جن الفاظ میں روایت کی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو رات کو قیام کرتا ہے اور صرف سورۃ اخلاص پڑھتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سورت کے خاص کرنے اور رات کے نوافل میں اس پر اکتفا کرنے کی تائید فرمائی، حالانکہ یہ تخصیص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول نہیں تھا۔ نیز اس حدیث اور تیسری اور چوتھی حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ خاص طور پر قرآن پاک کے کسی حصے کی طرف دل کا مائل ہونا اور اسے کثرت سے

ص ۲۶

مورد العلمان من زوائد ابن حبان

لے جائیدہ شریف

لے دیکھئے، فتح الباری ج ۱۰، ص ۳۵

حافظہ بخشی نے مجمع الزوائد میں اور حافظ ابن حجر نے المطالب العالیہ میں فرمایا، اس حدیث کو امام ابوالعلیٰ نے روایت کیا اور اس کی سند میں ابن ابیہریرہ اور ان کی حدیث حسن ہے۔ اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مریض پر سورۃ قنوں کی آخری آیات پڑھنے کی تائید فرمائی۔ انہوں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں سنی تھی، بلکہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے دریافت کی تھی، چونکہ یہ اچھا کام تھا اور شریعت کے کسی حکم کے مخالف نہ تھا، اس لیے آپ نے ان کی تائید فرمائی جیسے کہ امام بخاری کی روایت کے مطابق سورۃ فاتحہ کے ساتھ دم کرنے والے صحابی کی تائید فرمائی۔ اسی طرح امام ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کی روایت کے مطابق سورۃ فاتحہ کے ساتھ دم کرنے والے صحابی کی تائید فرمائی اور یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ ایک حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور دوسرا ان کے چچا حضرت عمار بن ائمنہ سے مروی ہے یہ سب واقعات حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ایک چوتھا واقعہ ابن جہان نے حضرت عمار بن جہار سے روایت کیا ہے جیسے کہ آٹھویں حدیث میں ذکر ہے۔

آٹھویں حدیث :

ابن جہان اپنی جمع میں حضرت عمار بن جہار سلیطی قمی سے راوی ہیں کہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، واپسی میں ایک قوم کے پاس گزر ہوا، جن کے ہاں ایک شخص بیڑوں میں بکڑا ہوا تھا، اس کے رشتہ داروں نے کہا کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ آپ کے صاحب رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خیر لے کر آئے ہیں، کیا آپ کے پاس مریض کو دم کرنے کے لیے کوئی پتھر ہے؟ فرماتے ہیں میں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر اسے دم کیا تو اس کی بیماری ماتی رہی، اس قوم نے مجھے سوچایا دیں۔ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا، تو آپ نے فرمایا، بکھریاں لے لو بخدا! جس نے ناجائز دم کے بدلے کچھ کھایا (اس نے غلط کیا)، تم نے تو بیکالی مجمع

لہ دیکھئے المطالب العالیہ، ج ۲، ص ۳۴۹

کے ساتھ دم کرنا جائز ہے۔ انہوں نے جو کچھ کیا اپنے اجتہاد سے کیا اور چونکہ اس میں شریعت مبارکہ کی مخالفت نہ تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے عمل کو برقرار رکھا کیونکہ جو عمل خیر ہو اور اس پر کوئی فساد و مشرب نہ ہو تاہو اس کے برقرار رکھنے میں جی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی طریقہ اور یہی سنت ہے، اگرچہ وہ نص کے اعتبار سے آپ کا عمل نہ ہو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ تم نے درست کیا، مال تقسیم کرو اور اس میں میرا حصہ بھی نہ کالو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے پُرزہ طریقے سے ان کی تائید و تسکین فرمائی جیسے کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا۔

چھٹی حدیث:

صحابہ کرام کا ایک اور واقعہ مروی ہے۔ ایک شخص کی عقل میں خلل واقع ہو گیا۔ ایک صحابی نے اس پر سورۃ فاتحہ پڑھی تو وہ تندرست ہو گیا۔ امام ابو داؤد، امام ترمذی اور نسائی نے حضرت غازی بن سلمہ سے اور وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا ایک قوم کے پاس سے گزر ہوا، اُن کے ہاں بیڑیوں میں جکڑا ہوا ایک پاگل تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ! شخصیت زعفرانی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے خیر لے کر آئے ہیں۔ آپ ہمارے اس آدمی کو دم کر دیجئے۔ چنانچہ انہوں نے سورۃ فاتحہ سے دم کیا۔ یہ حدیث حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بیان کی۔

ساتویں حدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کے کان میں تکلیف تھی۔ آپ نے قرآن پاک کی چند آیات پڑھ کر دم کیا تو وہ صحیح ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ تم نے کیا پڑھا تھا؟ انہوں نے عرض کیا، اَفَحَسِبْتُمْ اَنْكُمْ اَخْلَقْتُمْ اَنْفُسَكُمْ سے لے کر سورۃ مومنوں کے آخر تک کی آیات پڑھی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی صاحب ایمان شخص یہ آیات پھاڑ پڑھے، تو وہ اپنی جگہ چھوڑ دے۔

انہوں نے بہت کوشش کی، لیکن کسی چیز سے فائدہ نہ ہوا، ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا اگر تم اس جماعت کے پاس جاؤ جو تمہارے پاس ہے، ہو سکتا ہے ان میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہو، چنانچہ وہ لوگ صحابہ کرام کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارے سردار کو کسی چیز سے ڈس لیا ہے، ہم نے اپنی سی بریکس کوشش کر کے دیکھ لی ہے، کیا آپ کے پاس کوئی چیز ہے؟ ایک صحابی نے فرمایا، ہاں بخدا! میں دم کرتا ہوں، لیکن ہم نے تم سے مہمانی طلب کی مگر تم نے مہمانی نہ کی، لہذا مجھ! میں اس وقت تک دم نہیں کروں گا، جب تک تم ہمیں معاملہ نہیں دو گے انہوں نے طے کیا کہ ہم بحرین کا ایک ریوڑ دیں گے، وہ صحابی تشریف لے گئے، وہ الحمد للہ شریف پڑھتے جاتے تھے اور اس سردار پر آہستہ آہستہ تھوکتے جاتے تھے، یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو گیا، جیسے وہ رشتی میں بندھا ہوا ہو اور اب رشتی ٹھن گئی ہو، اس کے چلتے پھرنے میں بھی کوئی کچی نہ تھی۔ انہوں نے طے شدہ بحریاں اس صحابی کو دے دیں۔ اب صحابہ میں اختلاف رائے ہو گیا۔ بعض نے کہا انہیں تقسیم کیا جائے۔ دم کرنے والے صحابی نے فرمایا، بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے سے پہلے تقسیم نہ کرو، حاضر ہو کر واقعہ عرض کریں گے اور آپ کے حکم کا انتظار کریں گے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا، تو آپ نے فرمایا، تجھے کس نے بتایا کہ سورۃ فاتحہ میں دم ہے؟ تم نے درست کیا، بحریاں تقسیم کر لو اور میرا جتنہ بھی نالو حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الاجارہ میں فرمایا، وَمَا يُدْرِيكَ، تجھے کس نے بتایا، یہ ایسا کلمہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب کرتے وقت بولا جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی شے کی عظمت بیان کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس جگہ میں معنی لائق ہے۔ حضرت شعبہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ راوی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ممانعت کا ذکر نہیں کیا۔ — سلیمان بن قتیبہ کی روایت میں وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهُمَا رَقِيقَةٌ؟ تمہیں کس نے بتایا کہ یہ دم ہے؟ کے بعد یہ اضافہ ہے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ایک شے میرے دل میں ڈالی گئی تھی، اُس نے میری راہنمائی کی۔ اس سے مراد معلوم ہوتا ہے کہ صحابی کو پہلے سے علم نہ تھا کہ فاتحہ

آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس سے پہلے پیش کردہ تمام حدیثیں نماز سے متعلق ہیں اور نماز، بدنی عبادات میں سے اہم ترین عبادت ہے اور اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے باوجود آپ نے ان اجتہادات کو قبول فرمایا کیونکہ ان کی وجہ سے نماز اس بیات سے خالص نہیں ہوتی جو شارع علیہ السلام نے مقرر فرمائی ہے۔ شریعت کی مقرر کردہ حدود کا التزام ضروری ہے۔ اس کے علاوہ معائنہ میں وسعت ہے، جب تک کہ طریق مطلوب میں داخل رہے۔

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ اور یہ اجتہادی واضح طریقہ ہے۔ اس سے علماء کرام کا بیان کردہ قاعدہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر وہ امر جس کے مطلوب ہونے کی شریعت گواہی دے اور وہ نہ تو کسی نص کے مخالف ہو اور نہ ہی اس پر کوئی فساد ہی مرتب ہو تو بہت کی حدود میں داخل نہیں بلکہ سنت میں داخل ہے، اگرچہ اس کا خیر اس سے افضل ہو، کیونکہ عبادات میں سے بعض افضل اور بعض مقصول، جب تک اصل عبادت برقرار رہے، تو ان میں سے کسی کے اختیا کرنے والے پر نہ تو طعن کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے باغی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اب ہم چند ایسے اجتہادات کا ذکر کریں گے جو نماز سے متعلق نہیں ہیں اور ان میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر قرار رکھا، آپ دیکھیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس طرح ان کی تائید فرمائی ہے۔

پانچویں حدیث

ایک صحابی کے دم کرنے کی روایت ہے جسے امام بخاری اپنی صحیح میں ایک سے زائد مقامات پر لاتے ہیں۔ یہ روایت باب التَّقَاتِ فِي التَّحْقِيقِ دَرَم میں چھوٹک مارنا، میں ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سفر پر روانہ ہوئی راستے میں عرب کے ایک قبیلے کے پاس قیام کیا اور ان کے ہاں مہمان بننے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اتفاق کی بات کہ اس قبیلے کے سردار کو کسی چیز سے ڈس لیا

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ان کے فعل پر راضی تھے۔

علامہ ناصر الدین ابن الکثیر اس حدیث کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مقاصد فعل کے احکام کو تبدیل کر دیتے ہیں، کیونکہ اگر وہ صحابی یہ کہتے کہ میں اس سورت کو بار بار اس لیے پڑھتا ہوں کہ مجھے کوئی دوسری سورت یاد نہیں ہے، تو ممکن تھا کہ آپ اسے کوئی دوسری سورت یاد کرنے کا حکم دیتے، لیکن انہوں نے تو عند پیش کیا کہ مجھے اس سورت سے محبت ہے جس سے ظاہر ہوا کہ ان کا مقصد صحیح ہے تو آپ نے ان کی تصویب فرمائی۔ ابن الکثیر کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن پاک کے کسی حصے کے ساتھ خصوصی لگاؤ اور اس حصے کا کثرت سے پڑھنا جائز ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہوا کہ باقی قرآن پاک کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس تائید اور اس صحابی کو جنت کی بشارت دینے کے باوجود ہم نے کسی صحابی یا عالم کو نہیں پایا جس نے یہ کہا ہو کہ اس صحابی کا عمل سنت ثابتہ ہے، کیونکہ حفاظت اسی طریقے کی ہوتی چاہیے جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موافقت فرمائی ہو، لیکن اس حدیث سے ہمیں اس امر کی دلیل مل جاتی ہے کہ ایسا کام اگرچہ کسی حد تک بظاہر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے مختلف ہی ہو جائز ہے۔ جب تک وہ شریعت کے دائرے میں رہے، کیونکہ دین میں بڑی گنجائش ہے۔ برخلاف فقہائیت کے دعویداروں کے کہ انہوں نے دین کو تنگ کر کے رکھ دیا ہے۔

چوتھی حدیث:

امام بخاری کتاب التوحید میں ائمہ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک وسعے کا امیر بنا کر بھیجا وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے ہوئے قنوت کرتے، تو آخر میں سورۃ اہل اص پڑھتے، مجاہد بن یوسف پر یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا، اس سے پوچھو کہ وہ اس طرح کیوں کرتا ہے، صحابہ کرام نے اُن سے پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ کی

سورۃ اخلاص پڑھتے، پھر اس کے ساتھ دوسری سورت پڑھتے، وہ ہر رکعت میں اسی طرح پڑھتے ان کے ساتھیوں نے ان سے کہا کہ آپ پہلے سورۃ اخلاص پڑھتے ہیں، پھر اسے کافی نہیں سمجھتے اور اس کے علاوہ ایک دوسری سورت پڑھتے ہیں، آپ یا تو سورۃ اخلاص کو رہنے دیا کریں اور دوسری سورت پڑھ لیا کریں (یا پھر سورۃ اخلاص پر اکتفا کیا کریں) انہوں نے فرمایا: میں اس سورت کو نہیں چھوڑ سکتا، اگر آپ پسند کریں تو میں امامت کروں گا اور اگر نا پسند کریں تو میں امامت چھوڑ دوں گا۔ صحابہ کرام اہل قبا میں سے انہیں افضل جانتے تھے، لہذا کسی دوسرے کی امامت پسند نہیں کرتے تھے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے ہاں تشریف لائے تو صحابہ کرام نے واقعہ عرض کیا۔ آپ نے اس انصاری کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تمہارے ساتھی جو کچھ نہیں کہتے ہیں، اس کی تعمیل سے تمہارے لیے کوئی چیز مانع ہے؟ اور ہر رکعت میں بالائزہ نام اس سورت کے پڑھنے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس سورت سے محبت رکھتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سورت سے تمہاری محبت، تمہیں جنت میں لے جائے گی۔

یا رسول اللہ، صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم

بات بات پر بدعت کی رٹ لگانے والوں کا آپ کی سیرت طیبہ سے کیا تعلق ہے؟
 سافظ ابن حجر، فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس صحابی سے دو سوال کیے تھے: (۱) ساتھیوں کی بات ماننے سے مانع کیا ہے؟ (۲) ہر رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھنے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے جواباً عرض کیا کہ میں اس سورت سے محبت رکھتا ہوں۔ یہ براہ راست دوسرے سوال کا جواب ہے، اور ایک بات کے اصرار سے پہلے سوال کا جواب بھی آجنا ہے اور وہ ہے نماز میں سنت معلومہ (طویل قراءت) کی ادائی، تو مانع دیگر چیزوں کا مجموعہ ہوا (۱) محبت اور (۲) سنت معلومہ پر عمل اور باعث صرف محبت ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اس صحابی کا عمل، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے ایک زائد چیز (ہر رکعت میں سورۃ اخلاص کے پڑھنے) پر مشتمل تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی خوشخبری دی تھی

رہتا ہے۔ لطیفہ یہ کہ یہ لوگ سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں تو اس کے ساتھ بسم اللہ شریف نہیں پڑھتے یا پڑھتے ہیں تو آہستہ، جب اس کے بعد سورۃ پڑھتے ہیں تو اس سے پہلے بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ تعجب ہے کہ کیا ان کے نزدیک فاتحہ قرآن پاک کی سورت نہیں ہے؟ کیا اس سے پہلے بسم اللہ نہیں ہے؟ کاش کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر خود عمل کرتے اور دوسروں پر دھونس نہ جھاتے۔ مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو صحابیوں کی اس امر پر تائید فرمائی کہ انہوں نے نماز میں ایسے کلمات ذکر کئے جو آپ سے منقول نہ تھے، اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ یہی محل استدلال ہے اور یہ ان دو صحابہؓ کا اجتہاد اور استنباط ہی تھا۔

تیسری حدیث ۱

امام بخاری کتاب الصلاۃ کے باب الجمع بین السورتین فی الركعة (ایک رکعت میں دو سورتوں کا جمع کرنا) میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ایک انصاری ہمیں مسجد قبا میں نماز پڑھایا کرتے تھے، وہ جب بھی نماز میں کوئی سورت پڑھتے، اس سے پہلے پوی لے قنوت کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مضطرب ہیں، ابن قیم کہتے ہیں وہ سب ثابت ہیں۔ امام شافعی نے حضرت انس کی حدیث کو اختیار کیا، وہ تمام صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے رہے۔ قنوت سے متعلق حضرت انس کی روایت کی طرح بسم اللہ کی حدیث میں بھی اضطراب ہے بلکہ اس میں زیادہ اضطراب ہے کیونکہ وہ ایک ہی سند میں ہے جیسے کہ ابن عبد البر نے ذکر کیا، بسم اللہ کا اثبات اور اسے بلند آواز سے پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا دوسری سورتوں میں بلند آواز سے بسم اللہ کا پڑھنا ہے، فعل ترک پر اور اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ یہ اصول میں ثابت اور معلوم ہے۔ دیکھئے تنویر الحوالک بحوالہ التمهید ص ۷۹، ۷۸، ۱۲ رفاعی۔

نوٹ، احناف کے نزدیک صبح کی نماز میں قنوت کا پڑھنا منسوخ ہے اھ بسم اللہ شریف کا آہستہ

پڑھنا سنت ہے۔ دیکھئے شرح معانی الآثار، فتح القدیر، عمدۃ القاری اور فتاویٰ رضویہ ۱۲ قادری

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حتیٰ تک سنانی کی توفیق عطا فرمائے۔ غور کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر کی زیادتی کی کس طرح تائید فرمائی؟ حالانکہ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت یہ زیادتی آپ سے منقول نہ تھی۔ اس کے باوجود آپ نے زائد کلمات کہنے والے صحابہ کے لیے اعلیٰ درجہ کی تائید اور غرور غنودی کا اظہار فرمایا، اس کی وجہ یہ تھی کہ نماز کے یہ دونوں موقعے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے مواقع ہیں۔

اس کے باوجود بعض تشدد پسندوں کا یہ قول ملاحظہ کیجئے کہ فجر کی نماز میں قنوت عبت ہے، حالانکہ اس کی اصل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اگرچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں کلام کیا گیا ہے۔ نیز بعض صحابہ کرام سے بھی منقول ہے۔ محدث عبد الرزاق اپنی جرح سے راوی ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے جمعہ کی نماز میں قنوت کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا میں سننے میں نمازوں میں صبح کے علاوہ کسی نماز میں قنوت کے بارے میں نہیں سنا۔ ہمارا مقصد قنوت اور اس کے سنت ہونے پر گفتگو کرنا نہیں بلکہ یہ صرف یہ دیکھنا تھا کہ میں کدیر لوگ بدعت کے بارے میں کس قدر تشدد کا شکار ہیں۔ یہاں تک کہ نماز میں دعا کے مواقع میں دعا کرتے ہوئے ہمارے میں بھی تشدد کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ کامی بیگانہ کردہ محدثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں دعا کے مواقع میں دعا کرنا سنت ہے اور بدعت نہیں ہے، کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعائیہ کلمات کہنے پر صحابہ کرام کی تائید فرمائی، لہذا یہ از قبیل منقول ہے اور جو اس طرح ہوا وہ بدعت ہے، اگرچہ بعینہ وارد نہ ہو، اور اگر اس کے الفاظ بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہوں اور نماز میں ان کی جگہ بھی منقول ہو، تو اسے بدعت کیسے کہہ سکتا ہے؟ جو کچھ قنوت کے بارے میں کہا جائے گا وہی کچھ بسم اللہ شریف کے بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں کہا جائے گا۔ اس سلسلے میں بھی ان متشددین کا اختلاف جاری رہے گا۔

ان احادیث سے مزاحمت معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال اور حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عبادت کا وقت مقرر کرنے میں اجتہاد سے کام لیا، حالانکہ اس سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یا فعل اس سلسلے میں وارد نہیں ہوا تھا، ہاں عام ترغیب تھی اور یہ فرمان تھا کہ نماز سربراہِ خیر ہے چاہے اس سے کم حصہ حاصل کرو یا زیادہ، جیسے کہ حدیث میں ہے۔ اگر کوئی شخص اوقاتِ ممنوعہ میں نماز ادا کرنا چاہے تو اس میں دو مذہب ہیں: (۱) جن کے نزدیک یہ ممانعت اپنے عموم پر ہے، ان کے نزدیک اوقاتِ ممنوعہ میں نماز ادا کرنا بدعت ہے (۲) جن کے نزدیک انھیں مطلق کی ممانعت ہے، ان کے نزدیک بدعت نہیں ہے۔ حضراتِ شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس نماز کی ممانعت ہے جس کا وقت معین نہ ہو اور جس کا کوئی سبب نہ پایا گیا ہو، سنتِ وضو میں منع کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: وضو، نماز کے لیے کیا جاتا ہے، نماز اس لیے نہیں پڑھی جاتی کہ وضو کیا گیا ہے (یعنی وضو نماز کے تابع ہے، نماز وضو کے تابع نہیں ہے) لہذا یہ نماز سبب والی نہ ہوئی۔ ہر مجتہد کا اپنا طریقہ ہے اور اپنا اجتہاد ہے۔

دوسری حدیث:

دوسری حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہما کتاب الصلوٰۃ میں رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کے باب میں حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ رکوع سے سر اٹھاتے وقت آپ کہتے: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ۔ ایک مقتدی نے کہا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا أَكْثَرُ مِنْ أَمْثَلِ الْوُجُوهِ نے نماز پڑھنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کلمات کس نے کہے؟ صحابی نے عرض کیا: حضور! میں نے کہے ہیں۔ فرمایا: میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو پکارتے ہوئے دیکھا ان میں سے ہر ایک کی کوشش تھی کہ وہ یہ کلمات لکھتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے

نے اشارہ کیا تھا کہ نئے امور رہونے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں قبول فرمایا تھا، کیونکہ یہ فصل اسی مقصد کے لیے قائم کی گئی ہے۔

پہلی حدیث،

پہلی حدیث امام بخاری و مسلم اور امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فجر کی نماز کے وقت فرمایا، اے بلال! مجھے وہ عمل بتا جو تو نے اسلام میں کیا ہو اور اس پر اجر و ثواب کی بہت امید ہو، کیونکہ میں نے جنت میں تمہارے قدموں کی چاپ سنی ہے، انہوں نے عرض کیا میں نے اس سے زیادہ امید و ثواب والا کوئی کام نہیں کیا کہ جب بھی میں نے دن یا رات میں وضو کیا، تو اس وضو سے میں نے نماز پڑھی جتنی کہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھی۔ امام ترمذی کی روایت میں ہے جسے انہوں نے حسن اور صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا، تم کس سبب سے مجھ سے پہلے جنت میں پہنچے؟ انہوں نے عرض کیا، میں نے جب بھی اذان کہی تو دو رکعتیں ادا کیں اور جب بھی میرا وضو ٹوٹا تو میں نے وضو کیا اور یہ ہانا کہ اللہ تعالیٰ کچلے دو رکعت ادا کرنا مجھ پر لازم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بِسْمِ اللّٰهِ اسی سبب سے تو نے یہ مقام پایا امام حاکم نے بھی یہ حدیث روایت کی اور کہا کہ یہ بشرط شیخین پر صحیح ہے۔ علامہ ذہبی نے اس تصحیح کو برقرار رکھا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفی عبادت کا وقت مقرر کرنے میں اجتہاد جائز ہے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اجتہاد کی بنا پر ہر وضو کے بعد نماز ادا کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی تائید فرمائی۔ اے اسی طرح بخاری شریف میں حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، اس حدیث میں ہے، وہ پہلے شہید ہیں جنہوں نے حالت قیام میں شہید کیے جانے سے پہلے نماز ادا کرنے کی سنت قائم کی۔ اے

لے دیکھئے فتح الباری ج ۳، ص ۲۶۶ لے ایضاً ج ۸، ص ۳۱۳

ہے، جبکہ بعد والوں کے ثواب میں بھی کمی نہ ہوگی، یہ حدیث اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔
یہ حدیث اگرچہ صدقہ کے بارے میں واقع ہوئی ہے، لیکن اس کا حکم عام ہے، کیونکہ اصول فقہ
کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہونا ہے نہ کہ سبب کی خصوصیت کا۔

اس کا مطلب بھی نہیں ہے کہ جس کا دل چاہے، نیا طریقہ اختیار کر لے، کیونکہ اسلام کے
قواعد و ضوابط متعین ہیں، لہذا ضروری ہے کہ جو نیا طریقہ اختیار کیا جائے، وہ اسلام کے قواعد و
ضوابط اور دلائل و شواہد کے دائرے میں ہو، اسی بنا پر متعدد صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے
کئی نئے کام کیے، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا طریقہ ہوا کہ جو عبادت
اور کار خیر شریعت کے مخالف نہ ہو، بلکہ موافق ہو، اسے قبول کیا جائے اور جو مخالف ہو اسے
روک دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ سنت اور یہی وہ طریقہ ہے جس پر آپ کے
خلفاء راشدین اور صحابہ کرام عمل پیرا ہوئے اور علماء کرام نے اسی سے یہ قاعدہ مستنبط کیا کہ
ہر نو پیدا چیز کو شریعت کے قواعد اور اس کی نصوص پر پیش کرنا ضروری ہے شریعت جس چیز
کے حُسن کی گواہی دے، وہ حُسن اور مقبول ہے اور جس کے خلاف اور قبیح ہونے کی گواہی دے،
وہ مردود ہے اور بدعت مذمومہ ہے۔ بعض اوقات پہلی قسم کو نو پیدا ہونے کے سبب لغوی طور
پر بدعت حسنة کہہ دیتے ہیں، ورنہ واقع میں وہ شرعی بدعت نہیں ہے، بلکہ وہ سنت مستنبطہ
ہے کیونکہ شریعت کے دلائل و شواہد اس کے مقبول ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کے بارے میں فرمایا: **لَعَنَتِ الْمَلَائِكَةُ**
هَذِهِ۔ ”یہ اچھی بدعت ہے۔“ انہوں نے تراویح کو لغوی معنی کے اعتبار سے ہی بدعت فرمایا۔
بعض لوگوں نے ظاہر حدیث اور لفظ بدعت کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے بدعت حسنة کا انکار کر دیا
بلکہ بعض نے تو یہاں تک جرات کی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان **لَعَنَتِ**
الْبِدْعَةُ (یہ اچھی بدعت ہے) ہی روک دیا اور کہہ دیا کہ بدعت میں حُسن ہوتا ہی نہیں ہے۔
ہم اس گفتگو کو یہیں چھوڑتے ہیں اور عمل صحابہ سے وہ شواہد پیش کرتے ہیں جن کی طرف ہم

سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قسم کے افعال کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول کیا وہ جنس مشروع سے ہیں اور جس قسم کے افعال کو آپ نے رد فرمایا وہ یا تو جنس مشروع سے نہیں یا ان میں تشدد اور رہبانیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُمت کی آسانی کے پیش نظر پسند نہیں فرمایا کہ اُمت ان افعال کو اختیار کرے یا اس لیے کہ وہ افعال شریعت کی نص کے مخالف ہیں ان دلائل سے واضح ہو جائے گا کہ سنت کیا ہے اور بدعت کیا؟

پہلے ہم ان افعال کی متعدد مثالیں پیش کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود تو نہیں کیں، لیکن صحابہ کرام سے قبول فرمائے، بلکہ بعض اوقات گمان کیا جاتا تھا کہ وہ افعال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے کے مخالف ہیں، حالانکہ وہ جائز اور مشروع ہیں۔

نو پید امور کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کا طریق کار

برادر دینی وایہ انی! اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حق اور راہ راست کی ہدایت عطا فرمائے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کثیر التعداد احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ متعدد صحابہ کرام نے کئی ایسے اعمال و اذکار اور کئی ایسی دعائیں اختیار کیں جنہیں نہ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا اور نہ ہی ان کا حکم دیا تھا، صحابہ کرام نے انہیں اس لیے اختیار کیا کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ اعمال وغیرہ اس خیر میں داخل ہیں جسے اسلام اور رسول اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے ہیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں عمومی طور پر اس کے مثل پر ابھارا ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَفَعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** ”تم اچھے کام کرو“ (البقرہ: ۱۱۰) اس امید پر کہ تم کامیاب ہو جاؤ، اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان، جس نے اسلام میں اچھا طریقہ نکالا، تو اسے اس کا ثواب ہے اور اس کے بعد عمل کرنے والوں کا ثواب

کر چکے ہیں، مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى ————— مَنْ دَعَا إِلَى خَيْرٍ
 مَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ ————— اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے
 گا کہ کس چیز کا قبول کرنا واجب ہے اور کس کا رد کرنا واجب۔

عنقریب ہمارے سامنے سنت اور بدعت کا فرق واضح ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد ہم
 خلفاء راشدین کے عہد میں پیدا ہونے والے امور تلاش کریں تاکہ ہمیں پتا چلے کہ اُن کا ان امور
 کے بارے میں کیا طریقہ رہا؟ اسی طرح ہم ان امور کو دیکھیں گے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم نے رد فرمایا، ہو سکتا ہے کوئی شخص کہے کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
 برقرار رکھا وہ اس لیے سنت ہو گا کہ آپ نے اسے برقرار رکھا اور اس پر انکار نہیں کیا۔ ہم
 کہتے ہیں کہ یہ بلا شک و شبہ صحیح ہے، لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کے قبول کرنے
 میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا طریقہ کیا ہے؟ کیونکہ بہت سی چیزیں
 ایسی ہیں جنہیں آپ نے برقرار رکھا، لیکن وہ سنت نہیں بنیں اور کسی نے ان کو سنت شمار
 نہیں کیا، اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل ہی افضل اور زیادہ نافع
 اتباع ہے تاہم آپ کا کسی عمل پر انکار نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کسی ایسے امر خیر
 کا انکار نہیں فرماتے جو آپ کی تصریح کے خلاف نہ ہو، اس پر کوئی فساد مرتب نہ ہو اور وہ آپ
 کی سیرت کے مخالف بھی نہ ہو، دراصل وہ امر اس خیر کا رد ہو گا جو آپ لائے ہیں۔

علمائے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ جس کام کے طلب خاص یا طلب عام کے ساتھ
 شرعی طور پر مطلوب ہونے پر دلیل قائم ہو جائے، وہ بدعت نہیں ہے، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص طور پر اسے کیا نہ ہو اور خصوصی طور پر اس کا حکم بھی نہ دیا ہو، یہ ہے رسول اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ جیسے کہ ہم وسیوں احادیث صحیحہ اور حسنہ میں دیکھیں گے۔ اسی
 طرح آپ کے خلفاء راشدین اور پیغمبرِ رشد و ہدایت صحابہ کرام کا طریقہ تھا۔ ہم ان کے افعال
 سے کئی دلائل پیش کریں گے اور یہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ مجموعی طور پر دلائل

اور تبدیلی سے پاک ہے اور وہ ہے نفس کی تطہیر اور اللہ تعالیٰ کے قرب اور ثواب تک پہنچنے کے لیے تیار کرنا (مفردات القرآن ص ۲۴۵)

حافظ ابن تیمیہ اپنی کتاب الاقتضایہ میں کہتے ہیں کہ سنت جاہلیت، ہر وہ عادت جس پر لوگ دور جاہلیت میں کار بند تھے، کیونکہ سنت کا معنی عادت ہے اور وہ طریقہ جس پر بار بار چلا جائے تاکہ وہ لوگوں کی مختلف قسموں کے لیے وسیع ہو جائے، خواہ اسے عبادت شمار کیا جائے یا نہ (الاقتضایہ ص ۷۶)

حافظ ابن حجر، فتح الباری میں خصال فطرت میں فطرت کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں بعض روایات میں فطرت کی جگہ لفظ سنت واقع ہے، اس سے مراد طریقہ ہے نہ کہ واجب کا مقابل، ابو حاتم اور ماوردی وغیرہ نے اسی پر جزم کیا ہے اور انہوں نے فرمایا: اس حدیث میں سنت سے طریقہ مراد ہے جیسے کہ دوسری حدیث عَنِکُمْ دِیْنُی وَ سُنَّتِی الْخُلَفَاءُ اَشْدُّ مِنْ مِیْلِی طریقیہ ہی مراد ہے۔

جب ان تصویحات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس سنت کو بدعت کے مقابل ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد طریقہ ہے تو ہمیں ان امور کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ معلوم کرنا چاہیے جو آپ کے زمانہ مبارک میں رائج کیے گئے، لیکن وہ آپ کے فرمان یا خصوصی حکم کی بنا پر نہیں کہے گئے تھے، بلکہ صحابہ کرام نے اجتہادی طور پر انہیں جائز سمجھا اور ان کو عمل میں لائے اور ہمیں قبول یا رد کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ تلاش کرنا چاہیے۔ اس تلاش سے ہمیں بعد میں پیدا ہونے والے امور خیر کے بارے میں آپ کا طریقہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا۔ پس جو فعل آپ کے طریقہ کے مطابق ہوگا، وہ سنت میں داخل ہوگا اور جو آپ کے طریقے اور سنت کے خلاف ہوگا، وہ بدعت میں داخل ہوگا اور اس طریقے کے جان لینے سے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ان احادیث صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد کیا ہے جن کا ذکر ہم اس سے پہلے کتب صحاح کے حوالے سے

طریقہ ہی ہے اور وہی سنت ہے۔ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں سنت بمعنی طریقہ استعمال کی گئی ہے۔ سنت حسنہ یعنی اچھا طریقہ اور سنت ستیہ یعنی بُرا طریقہ۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا۔ عوام تو عوام عام طالب علم بھی جو معنی سمجھتے ہیں، یعنی سنت کا معنی حدیث نبوی یا فرض کے مقابل وہ مراد نہیں ہے، کیونکہ پہلا معنی، محدثین کی اصطلاح ہے اور دوسرا معنی فقہاء اور علماء اصول کی اصطلاح ہے اور یہ دونوں اصطلاحیں جدید ہیں اور حدیث میں ان میں سے کوئی بھی مراد نہیں ہے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت آپ کا وہ طریقہ بے کام کرنے، حکم دینے، قبول کرنے اور رد کرنے میں اور یہی آپ کے خلفاء راشدین کا طریقہ ہے جنہوں نے امر و نہی، قبول اور رد میں آپ کے طریقہ کو اختیار کیا لہذا یہ نو پیدا امر کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور قبول و رد میں آپ کے طریقہ پر پیش کرنا ہو گا۔

امام راغب اصفہانی، مادہ سُنَّ کے تحت فرماتے ہیں: سُنَّ جمع ہے سُنَّت کی سُنَّة الوتر چہرے کا طریقہ، سُنَّة النَّبِيِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وہ طریقہ جسے آپ اختیار فرماتے تھے۔ سُنَّة اللہ کا استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی حکمت کا طریقہ (۲) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا طریقہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ (الفقہ ۴۸، ۲۳)

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا طریقہ، جو اس نے پہلے گزر چکا۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (الفاطر ۳۵، ۴۳)

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا (الفاطر ۳۵، ۴۳)

تو اللہ تعالیٰ کے طریقہ حکمت میں ہرگز تبدیلی نہ پائے گا۔

مطلب یہ کہ شریعتوں کے احکام کی صورتیں اگرچہ مختلف ہیں، لیکن ان کا مقصد، اختلاف

کی وضاحت کرتی ہے کہ جس نے اسلام میں اچھا طریقہ نکالا، تو اُس کے لیے اس کا ثواب ہے، اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب ہے، جبکہ بعد والوں کے ثواب میں بھی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں بُرا طریقہ نکالا، تو اس پر اس کا گناہ ہے اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ ہے، جبکہ بعد والوں کے گناہوں میں بھی کمی نہیں کی جائے گی اس کے علاوہ متعدد حدیثیں ہیں، جن کا یہی مقہوم ہے، مثلاً امام مسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ جس نے نیکی پر رہنمائی کی تو اُس کے لیے اس پر عمل کرنے والے کی مثل ثواب ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام مسلم کی روایت کردہ حدیث میں ہے جو شخص ہدایت کی طرف بلائے، اس کے لیے پیروی کرنے والوں کے مثل ثواب ہے اور ان کے ثواب میں بھی کمی نہیں کی جائے گی اور جو شخص گمراہی کی طرف بلائے، تو اس کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس پر عمل کرنے والوں کے لیے ہے (آخر حدیث تک)

آپ دیکھتے ہیں کہ پہلی حدیث میں بدعت اور نوپیدا امر کا مقابلہ نبوی ہدایت سے کیا گیا ہے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت ہی بہترین سیرت ہے اور آپ کی سیرت کا فی لف، نوپیدا امر شر اور بدعت ہے۔

لغت عرب اور اصطلاح شریعت میں سنت کا معنی ہے طریقہ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق وہ طریقہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لَتَتَّبِعَنَّ سُنَّتَ مَنْ قَبْلَكُمْ ثُمَّ ضُرُور پہلے لوگوں کے طریقوں کی پیروی کر دو گے، یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، جس نے اسلام میں اچھا طریقہ رائج کیا (یہاں تک کہ فرمایا) وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً جس نے اسلام میں بُرا طریقہ رائج کیا، اس حدیث میں بھی سنت بمعنی طریقہ ہے۔

کسی چیز کے قبول کرنے یا رد کرنے اور سیرت میں معتبر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

دلائل سے متصادم ہوتا پڑا جو ان کی بدعت کی تعریف کے منافی ہیں، اگر وہ پہلے سنت کی تعیین کر دیتے تو انہیں ایک ایسا ضابطہ مل جاتا جو کہیں نہ ٹوٹتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے سنت کے اپنانے کی ترغیب دی، پھر اس کے مقابل بدعت سے اجتناب کی تلقین فرمائی جیسے کہ آپ آئندہ احادیث میں دیکھیں گے۔

۱۔ امام مسلم، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دیتے، تو آپ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی اور آپ منہ مارتے، حمد و ثناء کے بعد! بیشک بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ بُرے امور وہ ہیں جو نوپیدا ہوں، ہر (خالف شریعت) نوپیدا کام بدعت ہے اور ہر بدعت رستہ، گمراہی ہے۔ امام بخاری نے یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً روایت کی۔

۲۔ دوسری حدیث اس حدیث کی وضاحت کرتی ہے جسے امام ابو داؤد، ابن ماجہ اور امام ترمذی نے حضرت عمر باطن بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن اور صحیح قرار دیا۔ حضرت عمر باطن بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں بڑا بلیغ وعظ فرمایا جس سے دل دہل گئے اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ وداع کرنے والے کا وعظ ہے، ہمیں وصیت فرماتیں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ عز و جل سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اس کے علاوہ اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیتا ہوں، اگرچہ حبشی غلام، تم پر امیر بن بیٹھے میرے بعد جو زندہ رہے گا، وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا، اسے ڈاڑھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑنا اور نوپیدا امور سے بچنا، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

۳۔ امام مسلم کی حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کردہ حدیث بھی اُس حدیث

فہم فصل

سنت و بدعت کا صحیح مفہوم

میں نے اس کتاب کے مقدمہ میں سنت و بدعت کے بارے میں الگ فصل میں گفتگو کرنے کا وعدہ کیا تھا کیونکہ سنت و بدعت کے مفہوم اور احادیث نبویہ شریفہ کے سمجھنے میں غلطی واقع ہونے کے سبب ہی بعض مشائخ اور ان کے شیوخ مخالفین، اہل قبلہ موحیدین کو بدعتی اور کافر و مشرک کا خطاب دیتے ہیں جیسے کہ شیخ ابن منیع اور ترمذی کا خصوصاً اور ان کے ساتھیوں کا عموماً رویہ ہے اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس اہم اور مختلف فیہ موضوع کے بارے میں ایک قیمتی بحث اس کتاب میں شامل کروں، یہ غیر مطبوع بحث مجھے اس کے مولف اور حضرت مولف کے سابق رئیس قضاہ شرعی سید عبداللہ بن محفوظ بالعلوی، عسینی، حضرمی نے بنفس نفیس عنایت فرمائی، اللہ تعالیٰ انہیں یہ تحقیق مکمل طور پر شائع کرنے کی توفیق عطا فرماتے۔ میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے اس کے چند مفید اقتباسات اور پیرے ذکر کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دل بیدار اور گوش ہوش سے سننے والے کو فائدہ پہنچے گا۔

سنت و بدعت

سنت و بدعت، صاحب شریعت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام میں دو متقابل چیزیں ہیں چونکہ یہ دونوں ضد ہیں اور اشیاء اپنی ضدوں کے سبب واقع ہوتی ہیں اس لیے ان میں سے کسی ایک کی تعیین، اس کی ضد کی تعیین پر موقوف ہے، بہت سے مؤلفین بجائے اس کے کہ پہلے سنت کی تعریف اور تعیین بیان کرتے کیونکہ وہ اصل ہے، بدعت کی تعریف کرنے بیٹھ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایسے چکر میں پڑ گئے جس سے نکلنے کا انہیں کوئی راستہ نہیں ملا اور انہیں ایسے

ابو عبد اللہ قسری فرماتے ہیں کہ سابقہ روایت اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اعمال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ جمعہ کے دن بھی پیش کیے جاتے ہوں اور ہر دن بھی اور یہ آپ کی خصوصیت ہو، جیسے کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

ہم ابن منیع اور ان کی جماعت کے اس حقیقت شرعیہ کے انکار پر اپنے روکے آخر میں جو بہترین حوالہ پیش کرنا چاہتے ہیں، وہ حافظ زین الدین ابن رجب حنبلی متوفی ۷۴۵ھ کا قول ہے، وہ کہتے ہیں،

”برزخ میں امت کے اعمال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، لہذا بندے کو اس بات سے شرمانا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ایسا عمل پیش کیا جائے جس سے آپ نے منع فرمایا ہے لطائف المعارف فی ما لمواسم العام من الخائف -

(دار الجلیل، بیروت، ص ۹۱)

فَبَايَ نَعْدِيْثُ مُبْعَدًا يُّؤْمِنُوْنَ؟ (الاعراف، ۸۵)
اس کے بعد وہ لوگ کس بات پر ایمان لائیں گے؟

قریبی رشتہ داروں اور خاندان کے افراد پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر اچھے ہوں تو وہ ان سے خوش ہوتے ہیں اور اگر ایسے نہ ہوں تو کہتے ہیں اے اللہ! انہیں توفیق عطا فرما کہ تیری فرمانبرداری کے کام کریں۔ اس کے بعد امام احمد کی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اعمال تمہارے قریبی رشتہ داروں اور خاندان کے مرنے والوں کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اگر اچھے ہوں تو ان سے خوش ہوتے ہیں بصورت دیگر کہتے ہیں اے اللہ! انہیں موت سے پہلے ہدایت عطا فرما جیسے تو نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی۔

امام ابن مبارک اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ تمہارے اعمال تمہارے مرنے والوں کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں چنانچہ وہ خوش ہوتے ہیں یا رنجیدہ ہوتے ہیں پھر انہوں نے دعا کی: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسا کام کرنے سے جس کے سبب میں اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بے عزت ہو جاؤں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سو موار اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں جمعہ کے دن انبیاء کرام اور آباء و اہل بیت کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو وہ ان کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہروں کی سفیدی اور چمک بڑھ جاتی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے مرنے والوں کو اذیت نہ دو۔ حافظ سیوطیؒ یہ حدیث جامع صغیر میں بیان کر کے فرماتے ہیں اسے حکیم ترمذی نے عبدالعزیز رامز الحسنہ کے والد سے روایت کیا۔

ابو عبداللہ قرطبیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں بہر دن صبح و شام، اُمت مسلمہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی جاتی ہے، آپ انہیں ان کے ناموں اور عملوں سے پہچانتے ہیں، اسی لیے ان کے حق میں گواہی دیں گے۔

اور غصا تص کبریٰ، امام قسطلانی کی شرح بخاری اور علامہ متقی ہندی کی کنز العمال وغیرہ۔ اور یہ کہنا کہ یہ حدیث بکری عبد اللہ مرنی پر موقوف ہے (یعنی ان کا قول ہے) تو یہ ایسی غلطی ہے جو جہالت کی پیداوار ہے، ایسی حدیث کو موقوف نہیں کہا جاتا اور نہ ہی کسی صورت میں اس پر موقوف کی تعریف صادق آتی ہے (یعنی تابعی نے صحابی کا ذکر کیا بغیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان روایت کیا ہے) ایسی حدیث کو مرسل کہتے ہیں نہ کہ موقوف۔ اور یہ کہنا کہ حدیث کے کسی راوی نے کسی بھی صحیح یا ضعیف کتاب میں صحابی کا ذکر نہیں کیا، تو یہ ایسا جھوٹ ہے جس کی بنیاد جہالت پر ہے، کیونکہ یہ حدیث حضرت ابن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

اور اس حدیث کا معنی حضرت سعید شامی اور مجاہد کی روایت سے ثابت ہے جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے، بلکہ اس حدیث کی روایات کی تعداد بیس تک پہنچتی ہے، لہذا یہ ہر اعتبار سے صحیح ہے اور اس کے ضعیف ہوتے کا قول صحیح نہیں ہے، کیا اس کے بعد بھی کوئی صاحب علم یا طالب علم کے لیے اس حقیقت شرعیہ کا انکار کر سکتا ہے۔

عالم برزخ میں رشتہ داروں کے سامنے اعمال کا پیش کیا جانا!

حافظ ابن کثیر: آیت کریمہ وَقُلْ اَعْمَلُوا فَاَسْبِرْ لِيْ اَللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

(التوبة ۹، ۱۰۵) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ احادیث میں وارد ہے کہ برزخ میں زندوں کے اعمال قریبی رشتہ داروں اور خاندان کے افراد کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں پھر انہوں نے امام ابو داؤد طیالسی کی سند سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اعمال تمہارے

تبلیغ فرمائی تھی، تو اسے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ تو یہ امت کہے گی کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی تھی کہ رسولانِ گرامی علیہم السلام نے تبلیغ فرمائی تھی تو ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے اور ظاہر ہے۔

سوال، آپ اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جسے امام طبرانی وغیرہ نے حضرت محمد بن فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قاری کو قنوت کا حکم دیا، انہوں نے تلاوت کی اور جب اس آیت پر پہنچے فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ۔ تو آپ رونے لگے یہاں تک کہ آپ کے جڑوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور آپ نے بارگاہِ الہی میں عرض کیا، میرے رب! میں جن لوگوں کے درمیان موجود ہوں، ان کا تو میں نے مشاہدہ کیا، لیکن جن لوگوں کو میں نے نہیں دیکھا، ان کے بارے میں کیسے گواہی دوں گا؟ ————— بعض جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حدیث اعمال کے پیش کئے جانے کے منافی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث، اعمال کے پیش کئے جانے کی نفی نہیں کرتی، بلکہ ثابت کرتی ہے اور یہ ان اسباب میں سے ہے جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عزت و کرامت عطا فرمائی، حتیٰ کہ آپ اپنی امت کے بارے میں مشاہدہ پر گواہی دیں گے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے آپ کی امت، دوسری امتوں سمیت پیش کر کے آپ کی عزت و عظمت کا اظہار فرمایا۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب آپ مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے تھے جیسے کہ صحیحین میں ثابت ہے۔

رہا یہ کہ تمام کتب حدیث، اس حدیث سے خالی ہیں، تو یہ جھوٹ اور جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ یہ حدیث، بہت سی کتب حدیث میں موجود ہے، مثلاً طبقات ابن سعد، مسند بزار، مسند حارث، تاریخ ابن خبار، طرح التشریب، للحافظ العراقي، حافظ بیہقی کی مجمع الزوائد اور مفتیہ الباحث بزوائد مسند الحارث، حافظ سیوطی کی جامع صغیر، جامع کبیر

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن انبیاء کرام اور آباء و اہل بیت کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور ان روایات میں تعارض نہیں ہے کیونکہ ہر ممکن ہے کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جمعہ کے دن بھی اعمال پیش کیے جاتے ہوں اور خاص طور پر آپ کے سامنے ہر روز بھی پیش کیے جاتے ہوں۔

امام طبرانی سند ضعیف سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا (الاحزاب: ۴۵)**، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہنے کے لئے کہ آپ نے انہیں فرمایا: تم دونوں جاؤ، خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ، آسانی فراہم کرو، نہ کہ تنگی، کیونکہ مجھ پر آیت نازل ہوئی ہے (جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے) اے نبی، ہم نے تمہیں ہماری امت کے لئے گواہ بنا کر بھیجا اور جنت کی خوشخبری سنانے والا اور جہنم کا ڈر سنانے والا اور اللہ کی اجازت سے طیبہ کی گواہی کی طرف بلانے والا اور سراج منیر قرآن کے ساتھ — آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک اعمال پیش کرنے کی تائید کر رہا ہے اور اسے تقویت فراہم کر رہا ہے۔ سوال: اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ امت دوسری امتوں کے بارے میں گواہی دے گی اور کسی حدیث یا اثر میں وارو نہیں ہے کہ دوسری امتوں کے اعمال ان پر پیش کیے جاتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گواہی دینے سے کس طرح ثابت ہوگا کہ امت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں، — اس سوال کے دو جواب ہیں۔

۱۔ اعمال کا پیش کرنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے جیسے کہ قبر انور میں آپ کی حیات طیبہ کا شہدائے حیات سے اعلیٰ و اکمل ہونا اور آپ کے جسم انور کا کسی بھی تبدیلی سے محفوظ ہونا (عام لوگوں کی نسبت سے) آپ کی خصوصیت ہے۔

۲۔ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ یہ امت اس لیے گواہی دے گی کہ اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، جب یہ گواہی دے گی کہ انبیاء کرام نے اپنی اپنی امتوں کو

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، اس پر کوئی طعن نہیں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے اعمال کو جانتے ہیں، ہمارے اعمال آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، آپ ہمارے بُرے اور قبیح اعمال پر ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خبر دی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے گواہ ہیں اور اس کا تقاضا ہے کہ آپ کے سامنے امت کے اعمال پیش کیے جائیں تاکہ آپ مشاہدہ اور علم کی بناء پر گواہی دے سکیں۔

ابن مبارک فرماتے ہیں ہمیں انصار کے ایک شخص نے تہال بن عمرو سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیب کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہرون صبیح اور شام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی امت پیش کی جاتی ہے تو آپ انہیں ان کے ناموں اور اعمال سے پہچانتے ہیں، اسی لیے ان کے حق میں گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ (النسار ۴، آیت ۴۱)

تو اُس وقت کیا حال ہوگا؟ جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور اسے صیب، ہم تمہیں ان سب پر گواہ لائیں گے۔

امام قزطی نے تذکرہ میں ایک باب قائم کیا ہے ”وہ دلائل جن سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے گواہی دیں گے۔“ پھر حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ روایت بیان کی، اس کے بعد فرمایا: اس سے پہلے گورچکا ہے کہ ہر سو موہار اور جمعرات کو

لے اور یہ اس لیے کہ جب کوئی سند ضعیف ہو اس کے ساتھ صحیح سند بھی موجود ہو اور وہ ضعیف دوسرے طریقے سے بھی مردی ہو تو وہ درجہ حسن پہنچ جاتی ہے جو تمام علماء کے نزدیک مقبول ہے۔ خصوصاً جبکہ اسے اس سلسلے کی ہم معنی روایات سے تقویت بھی مل جاتی ہے، لہذا اس سلسلے کی کسی ایک سند میں ضعف پایا جائے، تو وہ ختم ہو جائے گا، خواہ وہ حدیث مرفوع ہو یا مرسل ۱۲ رفاعی

تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جائیں گے، اچھے کاموں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور بُرے اعمال پر تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کروں گا۔ اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے، کیونکہ حسن بن قتیبہ ضعیف ہیں، لیکن یہ منفع متابعات اور شواہد وغیرہ کی بنا پر دُور ہو جائے گا۔

قاضی اسماعیل مالکی نے یہ حدیث ایک دوسری سند سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن حرب نے انہیں حماد بن زید نے غالب القطان سے اور انہوں نے بکر بن عبد اللہ مزی سے حدیث سابق مرفوعاً بیان کی، یہ صحیح سند ہے۔ حافظ ابن الجباری نے معاند ہوتے ہوئے بھی اسے صحیح قرار دیا۔ قاضی مالکی نے یہ بھی فرمایا کہ ہمیں حجاج بن یسار نے انہیں حماد بن سلمہ نے کثیر ابو الفضل سے انہوں نے بکر بن عبد اللہ سے حدیث سابق مرفوعاً بیان کی اور یہ بھی سند صحیح ہے۔

اس سلسلے میں عبد العزیز کے والد سعید شامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سو مار اور جمعرات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور انبیاء کرام، آباء اور امہات کے سامنے جمعہ کے دن پیش کیے جاتے ہیں، تو اُن کے چہروں کی سفیدی اور چمک بڑھ جاتی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے مُردوں کو اذیت نہ دو۔ یہ حدیث حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں بروایت عبد الغفور بن عبد العزیز بن سعید الشامی بیان کی، انہوں نے اُن کے دادا حضرت سعید شامی صحابی سے روایت کی، یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ عبد الغفور ضعیف ہیں۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میرے سامنے اپنے ناموں اور ذوات سمیت پیش کیے جاؤ گے، لہذا مجھ پر اچھی طرح درو بھیجا کرو۔“ یہ حدیث محدث عبد الرزاق نے بیان کی۔

کہ میں نے ابوعلی بن تومرہ سے سنا کہ غزبار کی ایک جماعت ابوحنیفہ بن شاپین کے پاس جمع ہوئی اور ان سے درخواست کی کہ ہمیں وہ اعلیٰ روایت سنائیں جو آپ کے پاس ہے۔ انہوں نے فرمایا میں تمہیں وہ حدیث بیان کروں گا جو میرے پاس اعلیٰ روایات میں سے ہے۔ ہمیں عبداللہ بن محمد بن عوفی نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شیبان بن فروخ اہلی نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں نافع ابوہریرہ سجستانی نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ حیا فی خبیث لکم۔ اس کے بعد پوری حدیث بیان کی (جیسے کہ اس پہلے حدیث بیان ہوئی)

ابن نجار نے یہ حدیث تاریخ بغداد میں محمد بن محمد اصہبانی سے روایت کی ہے، انہوں نے حافظ ابو نصر یونانی سے سند سابق سے روایت کی اگرچہ یہ سند بھی ضعیف ہے کیونکہ محدثین ابوہریرہ کے ضعف پر متفق ہیں، لیکن یہ ضعیف، تعدد روایت کی بناء پر دور علما حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اور حدیث مروی ہے جو ابوسعید نے علیہ الاولیاء میں روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں ہمیں عبداللہ بن محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی انہیں احمد بن عیسیٰ بن مامان نازری نے انہیں محمد بن مصفی نے انہیں بقیہ نے انہیں عباد بن کثیر نے عمران القصیر سے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے اعمال ہر جمعہ کے دن میرے سامنے پیش کیے جائیں گے اور زانیوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب شدید ہے۔

حضرت بکر بن عبداللہ مزنی کی مرسئل حدیث، حرث بن ابواسامہ نے اپنی مسند میں بیان کی وہ فرماتے ہیں ہمیں حسن بقیہ نے، انہیں جسر بن فرقہ نے بکر بن عبداللہ مزنی نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے تم نے نئے کام کرتے ہو اور تمہیں حکم شرعی بیان کیا جاتا ہے اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے۔

کی کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے گردش کرتے رہتے ہیں جو مجھے میری اُمت کا سلام پہنچاتے ہیں۔
 نیز فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے تم نے
 نئے کام کرتے ہو اور تمہیں حکم بیان کیا جاتا ہے اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے تمہارے
 اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے، اچھے اعمال دیکھ کر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا
 اور برے اعمال دیکھ کر تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعائے مغفرت کروں گا۔“

امام بزار فرماتے ہیں ہمارے علم کے مطابق یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے
 صرف اسی سند سے مروی ہے۔

حافظ عراقی نے طرح التشریب فی شرح التقریب کی کتاب الجنائز میں کہا کہ اس کی سند
 جید ہے۔ حافظ دمشقی نے مجمع الزوائد میں محدث قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمایا کہ اس کی
 سند کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ حافظ سیوطی نے المسحرات والخصائص میں فرمایا
 اس کی سند صحیح ہے، اسی طرح ملا علی قاری اور علامہ شہاب الدین خفاجی نے اپنی اپنی شرح شفا
 کی ابتداء میں فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حرث بن ابواسامہ نے اپنی مسند میں اور ابن عساکر
 نے الکامل میں بروایت خراش، حضرت انس سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے، تم طرح طرح کے کام کرتے ہو اور تمہیں حکم بیان کیا جاتا
 ہے۔ جب میرا وصال ہو گیا، تو میری وفات تمہارے لیے بہتر ہوگی، تمہارے اعمال میرے سامنے
 پیش کیے جائیں گے، اگر میں نے اچھے اعمال دیکھے، تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور اگر اس
 کے برعکس دیکھے، تو تمہارے لیے دُعائے مغفرت کیا کروں گا۔

حافظ عراقی نے المنہج میں کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ خراش ضعیف ہیں۔
 لیکن میں (رفاعی) کہتا ہوں کہ اس کی ایک اور سند بھی ہے۔ حافظ ابونعصر حسن بن محمد بن ابراہیم
 یونارتی اسہبانی اپنی معجم میں فرماتے ہیں: میں نے شریف واضح بن ابی تمام زمینی کو فرماتے ہوئے سنا

اس تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ ائمہ اہل کمال کے پیش کیے جانے کی روایت تمام اصطلاحات مطابق متواتر ہے، کیونکہ اس کے راویوں کے ہر طبقہ میں بیس سے زیادہ تعداد پائی جاتی ہے۔ فقہ و اصول فقہ اور کلام میں ثابت ہے کہ دلیل سے ثابت ہو جانے کے باوجود امر متواتر کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

قاضی اسماعیل، فضل الصلۃ علی البنی میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا، جب تم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو خوب عمدہ طریقے سے بھیجو کیونکہ تم کیا جانو؟ ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا جائے جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لینے والے محض زبان درازی کی بنا پر کہتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ چھوٹے اور بڑے لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے، لیکن تمام کتب حدیث اس سے خالی ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے باوجود اس کو روایت کرنے والے نے اسے بکر بن عبداللہ مزنی مشہور تابعی سے موقوفاً روایت کیا ہے، حدیث کی روایت کرنے والوں میں کسی نے بھی صحابی کا ذکر نہیں کیا، نہ کسی صحیح کتاب میں اور نہ ضعیف میں اور یہ منقطع ہے اور ناقابل استدلال۔ مستند محدث شیخ عبداللہ الصدیق نے اپنی تصنیف قضا یا الوسیلة میں جو تقریر کی ہے، اس کا غلط تصدیق نہیں کیا جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ حدیث مذکور حدیث صحیح ہے، اس پر کوئی اعتراض اور اشکال نہیں ہے، یہ حدیث حضرت ابن مسعود اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ نیز اسے بکر بن عبداللہ مزنی نے مسلاً روایت کیا ہے۔

امام بزار نے اپنی سند سے حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس طرح روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہمیں یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہمیں عبدالحمید بن عبدالعزیز بن ابوداؤد نے سفیان سے انہوں نے عبداللہ بن سائب سے انہوں نے زاذان سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بیان

نے طرح التشریب میں، حافظ سیوطی نے مجمع الزوائد میں اور حافظ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں صحیح قرار دیا۔ علامہ ذرقانی نے مواہب لدنیہ کی شرح میں تصریح کی کہ اس کی سند حید ہے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی اور ملا علی قاری نے شرح شفاء میں فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ حدیث محض اس کے مخالف نہیں ہے، کیونکہ آپ کے سامنے صرف اُمتِ مسلمہ کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، وہ لوگ تنہا نہیں پانی پینے سے روک کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا، وہ مُرتد ہوں گے یا منافق یا وہ لوگ ہوں گے، جنہیں کہا تر پر اصرار ہوگا۔

یہ حدیث معنوی طور پر متواتر ہے، کیونکہ اس کی روایت صحابہ کرام کی ایسی جماعت نے کی ہے جن کی تعداد حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے، ان میں صحابہ کرام کے اسماء مبارکہ یہ ہیں:

- (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود، ان کی روایت کے پانچ سے زیادہ طرق ہیں۔
- (۲) حضرت انس بن مالک، اور ان کی روایت کے چھ سے زیادہ طرق ہیں (۳) حضرت ابوہریرہ اور ان کی روایت کے دس سے زیادہ طرق ہیں (۴) حضرت عمار بن یاسر (۵) حضرت ابوامامہ (۶) حضرت علی بن ابی طالب (۷) حضرت علی کے صاحبزادے حضرت حسن مجتبیٰ (۸) حضرت ابن عباس (۹) حضرت ابوبکر صدیق (۱۰) حضرت اوس بن اوس ثقفی (۱۱) حضرت ابوالدرداء (۱۲) حضرت ابوسعید بدری النضاری (۱۳) حضرت عمر بن خطاب (۱۴) ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اسی طرح یہ حدیث تابعین کی ایک جماعت سے مُرسلاً مروی ہے۔ ان میں سے چند حضرات یہ ہیں: (۱) بکر بن عبداللہ مزنی (۲) حسن بصری (۳) خالد بن معدان (۴) ابن شہاب زہری (۵) یزید رقاشی (۶) ایوب سختیانی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اس کے علاوہ بھی متعدد صحابہ کرام اور تابعین ہیں، جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ تواتر معنوی ثابت کرنے کے لیے کم از کم یہی تعداد کافی ہے۔ خصوصاً ان حضرات کی رائے کے مطابق جو سات یا دس راویوں کی بنا پر تواتر ثابت کرتے ہیں۔ حافظ سیوطی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

امام ابن ماجہ سند جید کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ یہ دن شہود ہے اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو بھی مجھ پر درود شریف بھیجے گا، اس کا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کیا وصال کے بعد بھی؟ فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے اجسام کو کھائے۔ حافظ منذری فرماتے ہیں یہ حدیث امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کی اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں بھی ہو مجھ پر صلوٰۃ بھیجو کیونکہ تمہاری صلوٰۃ مجھے پہنچتی ہے۔ لے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر صلوٰۃ بھیجی، اُس کی صلوٰۃ مجھے پہنچتی ہے، میں اُس کے لیے دُعائے تھیر کرنا ہوں اور اس کے علاوہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ امام طبرانی نے یہ حدیث معجم اوسط میں ایسی سند سے روایت کی جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لے

امام بزار اپنی سند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے، تم نئے نئے کام کرتے ہو اور تمہیں حکم بیان کیا جاتا ہے، جب میرا وصال ہو گیا، تو میری وفات تمہارے لیے بہتہ ہوگی، تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ اچھے اعمال دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور بُرے اعمال دیکھوں گا، تو تمہارے لیے دُعائے مغفرت کروں گا۔ اس حدیث کو حافظ عراقی لے حافظ منذری نے فرمایا یہ حدیث امام طبرانی نے معجم کبیر میں سند حسن سے روایت کی۔

لے دیکھئے الترغیب، للعلامة المنذری

برگشتہ ہو گئے تھے، اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: **سَمِعْتُ الْمَسْنُونِ بَدَّلَ مِنْ بَعْدِ حَيٍّ** ”میرے بعد مرتد ہونے والے دُور ہو جائیں گے“ ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا اور آپ کی اُمت میں سے کفر اختیار کرنے والوں کے اعمال، آپ پر پیش نہیں کیے جاتے، کیونکہ ان کے پیش کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔ پیش کرنے میں حکمت یہ ہے کہ آپ ان کے اچھے اعمال ملاحظہ فرما کر خوش ہوں اور بُرے اعمال کچلے دُعا سے مغفرت فرمائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرمان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے جیسے کہ بخاری شریف میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب تجھے کسی مسلمان کا عمل پسند آئے، تو یہ آیت پڑھ:

وَقُلْ اَعْمَلُوا فَاَسْبِرْ لِي دَلِيلًا عَمَلِكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ (النورہ ۱۰۵۹)
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے جانے والے امور میں سے دُرود شریف پڑھنے والوں کے دُرود شریف بھی ہیں، جن پر آپ خوش ہوتے ہیں اور فرحت محسوس فرماتے ہیں۔

لے خزانہ زمان حضرت علامہ سید محمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی بنا پر پیش کئے جانے والے اشکال کا ایک اور جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں، رہی یہ بات کہ پھر حضور سے یہ کیوں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سلم شریف جلد ثانی مطبوعہ مطبعہ انصاری دہلی ص ۲۴۹ میں مخرجین کی یہی پیش کردہ حدیث بایں الفاظ موجود ہے، **فَيَقَالُ اَمَا شَعَرْتُ مَا عَمِلُوا بَعْدِي؟** یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کام کئے؟ ”ما شَعَرْتُ“ جملہ تنفیید پر مجزؤ استفہام انکاری داخل ہوا، نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے، لہذا حدیث مبارک سے مرتدین کے اعمال کا علم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہوا، چونکہ واقعہ ایک ہے، صرف اس کی روایتوں میں تعدد ہے، اس لیے جب ایک روایت میں مجزؤ استفہام مذکور ہو گیا تو بر روایت میں اس کے معنی ملحوظ رہیں گے اور جس روایت میں وہ مذکور نہیں، وہاں محذوف ماننا پڑے گا۔“
مقالات کاظمی جلد ۲، ص ۴۳ - ۴۴ — ۱۳ اشرف قادری

وَقُلْ اَعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَيَرْجِعُونَ
اِلٰى عَالَمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (التوبة: ۱۰۵)
”اور تم فرماؤ، کام کرو، اب تمہارے کام دیکھے گا، اللہ اور اس کے رسول
اور مسلمان اور جلد اس کی طرف بلٹو گے جو چھپا اور کھلا سب جانتا ہے، تو تمہارے
کام تمہیں بتا دے گا۔“

احادیثِ نمبر سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کے اعمال، سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے، تم نئے نئے کام
کرتے ہو اور تمہیں حکم بیان کیا جاتا ہے اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے، تمہارے اعمال
مجھ پر پیش کئے جائیں گے، تو جو اچھے کام دیکھوں گا، تو اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاؤں گا اور جو
برے کام دیکھوں گا، تو تمہارے لیے مغفرت کی دعا کروں گا۔

شیخ عبداللہ سراج الدین اپنی کتاب الایمان بعوالم الآخرة میں اس حدیث کی شرح کرتے
ہوئے فرماتے ہیں، ثابت ہوا کہ مومنین کے اعمال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش
کیے جاتے ہیں۔ آپ کے بیان کے مطابق اس میں حکمت یہ ہے کہ آپ اچھے اعمال کو دیکھ کر
اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے اور برے اعمال دیکھ کر ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں گے
یہ حدیث، حدیثِ حوض کے مخالف نہیں ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
میرے سامنے تم میں سے کچھ لوگ پیش کیے جائیں گے۔ جب میں انہیں پانی دینے لگوں گا تو انہیں
مجھ سے دُور کر دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں، کہا
جائے گا آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا حرکتیں کی تھیں، تو میں کہوں گا
میرے بعد دین کو تبدیل کرنے والے دُور ہو جائیں، دفع ہو جائیں۔ ”جیسے کہ صحیحین میں ہے کیونکہ
بیان لوگوں کے بارے میں ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور دین سے

اسی طرح امام احمد نے مسند میں حضرت مطلب بن سبیح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! ہم باہر نکلتے ہیں تو قریش کو مصروف گفتگو پاتے ہیں، وہ ہمیں دیکھتے ہی خاموش ہو جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جلال اگیا اور آپ کی دونوں آنکھوں کی درمیانی رگ پھٹ گئی، آپ نے فرمایا: بخدا! کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا، جب تک اللہ تعالیٰ کی رضا اور میری قرابت کے پیش نظر تم سے محبت نہ رکھتے۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے دلیل ثابت ہے۔

شیخ ابن مینع کو حقیقت معلوم ہوئی چاہیے جنہوں نے اپنی کتاب حواریہ ص، ۱ پر قارئین کو یہ تاثر دینے کی سعی ناکام کی ہے کہ اہل بیت کرام کی محبت اور تعظیم، اثنی عشری روافض کا مذہب ہے۔ ابن مینع اور ان کے توفیقین کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اس کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرنا چاہیے۔ جو لوگوں کو یہ غلط تاثر دینا چاہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تذات الہیہ اور نہ اہل ہیں۔ انہوں نے فریب کاری سے کام لیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر یہ آیت آویزاں کر دی مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّبَّكُمْ عَلِيمٌ (۳۰، ۴۰) حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ آیت کسی کو بیٹا دلے پالک، بنانے کی نفی کے لیے نازل ہوئی۔ اس لیے نازل نہیں ہوئی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل ہی نہیں ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

بارگاہ رسالت میں اعمال کا پیش کیا جانا

سید محمد علوی مالکی نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں شیخ ابن مینع نے اپنی کتاب حواریہ ص ۵ پر اس کا انکار کیا ہے۔ ہم ان کے انکار کے رد پر درج ذیل، دلائل شرعیہ پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

آپ نے غدیر خم (ایک جوہر کا نام) کے دن ارشاد فرمایا، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکایت کی کہ قریش کے بعض افراد، بنو ہاشم پر زیادتی کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، وہ ایمان والے نہیں ہوں گے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور میری قرابت کا پاس کرتے ہوئے تم سے محبت نہیں رکھیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اولاد کو تعمیل کو منتخب فرمایا۔ ان میں سے کتنا کہ کو، کن نہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔ شیخ ابن تیمیہ اپنی کتاب الاقتضار کے ص ۱۷ پر لکھتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ جنس عرب، جنس عجم سے افضل ہے خواہ عجمی، عبرانی ہوں یا سریانی، رومی ہوں یا ایرانی یا ان کے علاوہ، اور یہ بھی عقیدہ ہے کہ قریش تمام عرب سے، بنو ہاشم تمام قریش سے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام بنو ہاشم سے افضل ہیں، لہذا آپ ذاتی اور نبی اعتبار سے تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

الاقتضار کے ص ۳۷ پر کہتے ہیں، امام ترمذی حضرت مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عباس بن عبدالمطلب غیظ و غضب کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے، میں بھی آپ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا، آپ کے غضب کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا قریش کا رویہ ہمارے ساتھ کیسا ہے؟ کبھی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور کبھی اس طرح نہیں ملتے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلال میں آگئے، یہاں تک کہ آپ کا چہرہ اتورسرخ ہو گیا اور فرمایا، قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے تمہیں محبوب نہیں رکھتا۔ امام ترمذی نے فرمایا، یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت کی فضیلت میں وہ حدیث کافی ہے جو شیخ ابن قیم نے بروایت امام مسلم، جلالہ الفہام ص ۱۳۸ میں بیان کی ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں اُن کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہارے پاس دو گراں قدر چیزیں چھوڑنے والا ہوں کتاب اللہ اور اپنے اہل بیت میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔

اور وہ حدیث جسے امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا اور حاکم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تم میں وہ چیز چھوڑنے والا ہوں کہ اگر تم اسے تمھارے رہو گے، تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری عترت اور اہل بیت، یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس وارد ہوں گے۔ تم غور کرو کہ میرے بعد تم ان سے کیا معاملہ کرتے ہو۔

پھر ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل کی چند خصوصیات ہیں، مثلاً صدقہ ان کے لیے جائز نہیں، وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وارث نہیں، مال غنیمت کے پانچویں حصے کے پانچویں حصے کے مستحق ہیں۔ ان پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعینیتیں صلوٰۃ بھیجی جاتی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ صدقہ کا حرام ہونا، وارث نہ ہونا اور خمس کے خمس کا مستحق ہونا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض اقارب کے ساتھ مخصوص ہے، اسی طرح صلوٰۃ بھی بعض رشتہ داروں کے ساتھ خاص ہے۔

شیخ ابن قیمیہ رسالہ العقیدۃ الواسطیۃ میں اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے اور صحابہ کرام سے بعض رکھنے والے اور انہیں سب و شتم کرنے والے روافض اور اہل بیت کرام کو قول یا فعل سے ایذا دینے والے نواصب کے طریقہ سے برأت کرتے ہوئے کہتے ہیں، اہل سنت و جماعت، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصیت کی حفاظت کرتے ہیں۔

علیہ وسلم کا حجرہ افضل ہے یا کعبہ؟ میں نے کہا کہ اگر تمہاری رائے فقط حجرہ ہے تو کعبہ اس سے افضل ہے اور اگر اس حیثیت سے مراد ہے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں تو خدا کی قسم! عرش اور اس کے حاملین، جنت عدن اور گردش کرنے والے افلاک بھی اس حجرہ مقدسہ سے افضل نہیں ہیں، کیونکہ اس حجرے میں وہ جسم مقدس ہے کہ اگر اسے دو جہاں سے تو لا جائے گا، تو وہ بھاری ہوگا۔ (بدائع الفوائد ج ۳، ص ۱۳۵)

ابن قیمؒ اور فضائل اہل بیت

شیخ سید محمد علوی مالکی نے اپنی کتاب الذخائر المحمدیہ میں اہل بیت کے خصائص سے متعلق شیخ ابن قیمؒ کی ایک عبارت نقل کی ہے۔ انہوں نے برگزیدہ نہیں کہا کہ اہل بیت سے ان کی مراد، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد ہے۔ جو شخص سمجھتا ہے کہ شیخ علوی کی عبارت سے یہ تاثر ملتا ہے تو وہ خطا پر ہے، کیونکہ ان کی نقل کردہ عبارت میں کئی کلمے ایسے ہیں جو مراد پر صراحت دلاتے کرتے ہیں اور خود ساختہ تاثر کی نفی کرتے ہیں، مثلاً وہ ص ۲۸۶ پر لکھتے ہیں: یہ اور اس سے کئی گنا زیادہ خصائص، اس گھر والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتوں کے آثار میں سے ہیں، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک پر برکتیں نازل فرمائے جیسے اس اہلبیت معظم پر نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان سب پر نازل ہوں، ان کی برکتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ خصائص عطا فرمائے جو کسی دوسرے کو نہیں دیتے، ان میں سے ایک شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا۔

ہمارا ایک جاہل ترین طالب علم یہ کلمات پڑھ کر جان لے گا کہ کون سے اہل بیت مراد ہیں اور کن کے بارے میں ابن قیمؒ کا کلام نقل کیا ہے (یعنی اہل بیت سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کا خاندان مراد ہے۔

فرمایا، بلکہ آسمانوں، عرش اور کعبہ سے بھی افضل ہے جیسے کہ امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا۔ نسیم الربیع ج ۲، ص ۵۳۱، اسی طرح شیخ ابن عبد السلام سے بھی نقل کیا۔

شیخ ابن تیمیہ کی رائے

شیخ ابن تیمیہ نے اس فضیلت سے اتفاق نہیں کیا۔ انہوں نے قاضی عیاض کا قول نقل کر کے اس پر صرف اتنا رد کیا کہ کسی نے اس مسئلے میں ان کے ساتھ اتفاق نہیں کیا فتاویٰ میں ان کا کلام درج ذیل ہے،

دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا گیا، جن میں سے ایک نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر آسمانوں اور زمیں سے افضل ہے، دوسرے نے کہا کہ کعبہ افضل ہے، دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

اس کے جواب میں کہتے ہیں، ”تمام تعریفیں اللہ کے لیے، جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے زیادہ مکرم کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا۔ باقی رہی قبر شریف، تو وہ کعبہ شریف سے افضل نہیں ہے، بلکہ کعبہ اس سے افضل ہے۔ قاضی عیاض کے علاوہ کوئی عالم معلوم نہیں، جس نے قبر انور کی خاک کو کعبہ سے افضل کہا ہو، ان سے پہلے کسی نے یہ قول نہیں کیا اور نہ ہی ان سے کسی نے موافقت

کی۔“ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲، ص ۳۸

شیخ ابن قیم نے حنابلہ کے عظیم امام ابن عقیل کا فتویٰ بغیر کسی رد و قدح کے نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس فتویٰ سے متفق ہیں۔

شیخ ابن قیم کی عبارت یہ ہے،

فائدہ: ابن عقیل نے کہا: مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

نہندہ بال ہے اور معاملہ واضح ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ”جنت میں ایک چابک کی جگہ، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے“ اور دنیا و مافیہا زمین اور آسمانوں کو شامل ہے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبعین کی، ایک چابک کے برابر جگہ کا یہ سال ہے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جنت میں جگہ کا کیا حال ہوگا؟

امام بخاری و مسلم کی روایت کردہ حدیث صحیح میں، جنت میں جانے والے آخری دوزخی کے بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی مثل اور اس سے دس گنا زیادہ جگہ عطا فرمائے گا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مقام اور منزل کے اعتبار سے یہ شخص اہل جنت میں سب سے کم مرتبہ ہوگا۔

تو پھر بدگمانی کیوں کی جاتی ہے؟ اور اس مسئلے کو بدعات، خرافات، گمراہی اور بُت پرستی کی طرف دعوت، بلکہ منکر و ضلال اور شرک قرار دینے کا کیا جواز ہے؟ جیسے کہ سید مالکی پر رد کرتے ہوئے حواری کے متعدد صفحات میں کہا گیا ہے۔

روضہ مبارکہ اور کعبہ مشرفہ

شیخ سید محمد علوی مالکی نے فرمایا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ انور کی زیارت حج کی تکمیل ہے، نیز انہوں نے روضہ اطہر کی زیارت کرنے والے کی دس فضیلتیں بیان کیں، اس پر شیخ ابن منیع نے جو رد کیا ہے، اس پر ہم آئندہ سطور میں اپنی رائے پیش کریں گے۔ حضرت قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کی جگہ، زمین کے تمام خطوں سے افضل ہے۔ انہوں نے فرمایا، اس میں کسکی امتلا نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کا مقام، زمین کے تمام مقامات سے افضل ہے (شفاء شریف، شارح شفاء، علامہ شہاب الدین نے اس کی تائید کرتے ہوئے

موضوعات میں شامل کر دی ہیں۔

اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
 اِنِّیْ رَاَیْتُ فِیْ غَدَا فِیْ هَذِهِ کَا فِیْ اَوْتِیْتُ بِالْمَقَالِیْدِ وَالْمَوَارِثِیْنَ۔
 ”میں نے آج صبح دیکھا کہ گویا مجھے چابیاں اور ترازو عطا کیے گئے ہیں۔“

ابن مردویہ نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی اور علامہ سیوطی نے ذکر منشور میں بیان کی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمین اور آسمانوں کی چابیوں کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے فرمایا وہ کلمات یہ ہیں:
 لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ
 یہ حدیث امام ابویعلیٰ، قاضی ابویوسف، ابوالحسن قحطان اور ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں روایت کی، ابن کثیر نے بھی اس کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب اور مشکوٰۃ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مقالید دجائیوں کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا، علی! تم نے ایک عظیم شے کے بارے میں سوال کیا ہے، چابیاں یہ ہیں کہ تو صبح اور شام، دس دس مرتبہ یہ کلمات پڑھ،

لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ
 تفسیر قرطبی ج ۱۵، ص ۲۵، تفسیر ذکر منشور، علامہ سیوطی ج ۵، ص ۳۳۳ اور تفسیر ابن کثیر، سورۃ الشوری۔

اس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کی چابیاں، بلکہ ان کے ساتھ ان کی کئی شکلیں ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں جیسے کہ اس پر ولایت کرنے والی متعدد نصوص وارد ہوئی ہیں، خواہ اُن کے درجات کیسے ہی ہوں، لہذا یہ مسئلہ شان ربوبیت کے کسی طرح بھی خلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے کہیں

زمین اور آسمانوں کی چابیاں

یہ ان خصوصیات میں سے ہے، جن میں بعض لوگوں کو اشتباہ واقع ہوا ہے۔ انہوں نے اس خصوصیت کو صرف الوہیت کے زاویہ سے دیکھا ہے۔ اس کے متعدد معانی کو پیش نظر نہیں رکھا جیسا کہ شیخ ابن منیع نے اپنی کتاب عوارض الماکی کے ص ۹-۱۹- اور ص ۲۲ پر کیا ہے کسی شک و شبہ کے بغیر ہمارا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ زمین و آسمانوں کی چابیاں اللہ تعالیٰ جل مجدہ کے لیے ہیں۔ یہ حقیقت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں صراحتاً بیان فرمائی گئی ہے:

لَكَ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (النور ۳۹، ۴۰) بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ زمین اور آسمانوں کی چابیوں کا اگر یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا خالق و مالک رب اور ان میں متصرف ہے اور یہ تمام اشیاء اس کی تدبیر و حفاظت اور اس کے قہر کے تحت ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، ان میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور اگر اس سے مراد خزانوں کی چابیاں ہیں تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انرا احسان و کرم اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا فرما دے، چابیوں کے ساتھ تفسیر حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور حسن بصری سے مروی ہے جیسے کہ امام طبری اور قرطبی نے تفسیر میں بیان فرمایا۔

اس کی تائید اس حدیث صحیح سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اُوتِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ۔
”مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔“

امام احمد ابن حبان اور ضیاء مقدسی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اُتِيتُ بِمَقَالِيدِ الدُّنْيَا۔ ”مجھے دنیا کی چابیاں دی گئیں۔“ اس کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ ابن منیع کا ابن جوزی سے اس حدیث کا ضعیف نقل کتنا قابل اعتبار نہیں ہے، بلکہ ابن جوزی نے تو ضعیف بلکہ حسن اور صحیح حدیثیں بھی

”جس دن اللہ نبی اور ان کے ساتھ ایمان لائے والوں کو بے قار نہیں کرے گا“
جو کہہ دیں وہ پورا ہو جائے، یہ بات صاحب مقام محمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں
بڑی انہونی نہیں ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (الفاتحہ ۲۸، ۲۹)
”اے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا“
اور یہ روایت صحیح مسلم جنہیں اللہ تعالیٰ مشرمانا ہے:

إِنَّا لَنُحْزِنُكَ فِي أَمْتِكَ أَبَدًا

”اے حبیب! ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں کبھی بے وقار نہیں کریں گے“
حدیث شریف میں ہے: إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي
”میں تو تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا اللہ تعالیٰ ہے“

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں
تقسیم فرمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تقسیم کو رد کرتا ہے، اسے بار آور مسموعاتا ہے
اور چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مکرم اور محترم ہیں، اس لیے آپ کی کارروائی میں آپ کو
ناکام اور بے وقار نہیں کرتا اور اس لیے بھی کہ آپ کا ہر فعل اور آپ کی ہر سوچ اور ہر کلمہ
مولائے کریم کی رضا کے موافق ہے اور جب کسی مومن کا ایمان، اُس وقت تک کامل نہیں ہوتا،
جب تک اُس کی خواہش، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو،
تو خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چاہت اور پسند کا کیا حال ہوگا؟ ہماری برائے میں اس
مسئلہ میں گفتگو صحیح ہے یا خطا، کیونکہ اگرچہ اس امر میں اختلاف ہے کہ اس مسئلہ کے
بارے میں کوئی خاص نص وارد ہے یا نہیں، تاہم اس قسم کی اباحت کا ایمان اور کھنسرے
کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
معرفت عطا فرمائے۔

جو حسن اخلاق کا نوکر ہے، میں اُس کے لیے جنت میں بلند ترین مقام میں مکان کا خاص بنوں۔
 حدیث شریف میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھوپھی حضرت
 زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انصار کی ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا، وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے قصاص (دانت کے بدلے دانت توڑنے) کا حکم
 دیا۔ حضرت انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کیا،
 یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خدا تعالیٰ کی قسم اس کا دانت نہیں توڑا جتائے گا۔
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اے انس! اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا حکم قصاص
 ہی ہے۔ وہ لوگ راضی ہو گئے اور انہوں نے ویت قبول کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مَنْ تَوَاقَسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بَرَاءَ -

بے شک اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قسم لے
 کر عرض کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی بات پوری فرما دے گا۔

یہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے روایت کی جیسے کہ مشکوٰۃ المصابیح (مطبوعہ مصر) ج ۲،

ص ۱۰۳ میں ہے:

اس حلیل القدر صحابی نے ایک ایسی چیز کی قسم کھائی جس کا انہیں علم نہ تھا اور نہ ہی ان
 کا اس میں کوئی حق تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت فرمائی۔ ان کی توقع اور آرزو پوری فرمائی،
 انہیں ناکامی اور قسم ٹوٹنے سے بچا لیا اور ان کی قسم پوری فرمادی، تو کیا خیال ہے کہ حضور نبی کریم
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس عظیم توقع اور حسن ظن کی بنا پر جو آپ کو بارگاہ الہی میں ہے، دنیا و
 آخرت کے امور کے بارے میں کوئی بات فرمادیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے پورا نہ
 فرمائے گا، خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ الْمُسْلِمَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ -

(التحریم ۶۶ - آیت)

وہ خواہش نفس سے بات نہیں کہتے، وہی کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مغفرت، جنت یا جنتی محل کی بشارت دے سکتے ہیں، تو کیا کسی مسلمان کو اس امر میں شک ہو سکتا ہے؟ آپ اسی وقت بشارت دیں گے، جب آپ کو وحی، الہام یا خواب سے یقینی علم حاصل ہو جائے گا اور کیا کوئی مسلمان یہ تصور کر سکتا ہے کہ اس قول کا مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نفع و ضرر دینے، اور منع کرنے میں اللہ تعالیٰ کے تصرف ایسا تصرف ذاتی حاصل ہے۔ حاشا وکلاً! کسی جاہل سے جاہل سے جاہل مسلمان کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس عقیدے سے بری ہونے کا اعلان کرتے ہیں، خصوصاً جبکہ اس قول کا قائل کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت کی زمین عطا فرماتے ہیں، مومن ہے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے مثل بشر ہیں، اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم اور رسول ہیں اور کسی ایسے امر کے مالک نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے ہے اور آپ کا ہر تصرف اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے۔

إِنَّمَا أَنَا قَائِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي

”میں تو تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا اللہ تعالیٰ جل مجدہ ہے“

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ جنت کی زمین عطا فرمانے کی ضمانت دیتے ہیں۔ امام ابو داؤد باب حسن الخلق میں راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حق پر ہوتے ہوئے بھگڑا ترک کرتا ہے، میں اُس کے لیے اطراف جنت میں مکان کا ضامن ہوں۔ جو شخص جھوٹ ترک کرے، اگرچہ وہ مزاح ہی کر رہا ہو، میں اُس کے لیے جنت کے وسط میں مکان کا ضامن ہوں اور

دے دیں۔ دنیا کی زمین بطریق اولیٰ دے سکتے ہیں۔ امام غزالی کا یہ فتویٰ ابن عربی نے قانون میں نقل کیا اور اسے برقرار رکھا۔ امام سبکی نے بھی یہی فتویٰ دیا جیسے کہ علامہ قسطلانی کی مواہب اور اس کی شرح زرقانی ج ۵، ص ۲۴۲ میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جنت کی زمین کا عطا فرمانا حقیقت جنت کی بشارت سے زائد نہیں ہے اور اس میں فرق نہیں ہے کہ کسی شخص معین کو جنت کی بشارت دی جائے یا کسی معین چہرہ مثلاً زمین، محل، یا خیمے کی بشارت دی جائے، احادیث میں اس کے شواہد بکثرت واقع ہوئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو مغفرت کی کئی کئی لوگوں کو جنت میں داخل ہونے کی، کسی کو ہفتی مکان کی اور کسی کو ہفتی درخت کی بشارت عطا فرمائی، تعین اشخاص کے بغیر بھی بشارتیں بکثرت احادیث میں آئی ہیں مثلاً یہ کہ جس نے فلاں کام کیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محل بنائے گا۔ جس نے فلاں کام کیا، اُس کے لیے جنت میں فلاں فلاں نعمتیں ہیں اور جس نے فلاں کام کیا، اس کے لیے بڑی آنکھوں والی اتنی حوریں ہوں گی، یہ اور ایسی ہی دیگر بشارتیں علماء نے بیان کیں، منذری نے الترغیب والترہیب میں امام نووی نے ریاض الصالحین میں، ابن قیم نے حادی الارواح میں اور ملا علی قاری نے حادی الانام میں۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی اشیاء نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف آپ کی تعظیم و تکریم اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی فضیلت اور مقام بیان کرنے کے لیے منسوب کی جاتی ہیں ورنہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے مہماتے کیجے کے لکھے ہوئے کی خبر دینے والے ہیں جس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے، جب آپ کسی کو مغفرت کی جنت میں داخل ہونے، جنت کی زمین، یا محل یا مکان کی بشارت دیں اور اسی کا نام جنت کی زمین عطا کرنا ہے تو آپ حق کی خبر دیتے ہیں اور سچی بات فرماتے ہیں،

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم ۵۳، ۵۴)

زیادہ وسیع ہے۔

یہ فاضل مجیب کا اجتہاد ہے، ان کی طرف منسوب ہے اور انہی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے یہ اُن کی مجتہدانہ رائے ہے، اس سلسلے میں انہوں نے متعدد دوجہ پیش کی ہیں اور اپنی رائے کی تائید میں دلائل پیش کیے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی رائے خطا ہے یا درست، صحیح ہے یا باطل، اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کسی شک و شبہ کے بغیر ہمارا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر مطلقاً تمام راتوں سے افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ
لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (القدر ۹۷، ۱)
بیشک ہم نے لیلۃ القدر میں قرآن نازل کیا اور تمہیں کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟
لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مستحقین کو جنت عطا فرمانا

بعض علماء نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے لیے جانتے ہیں کہ اہل توحید میں سے جنت کے مستحق کے لیے جنت کا کوئی قطعہ عطا فرماویں۔ اس خصوصیت کا ذکر علامہ سیوطی، قسطلانی اور زرقانی وغیرہ علماء نے کیا۔

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح سے پہلے نبیین عنایت فرما دیا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت عجم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام میں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔ کچھ لوگوں نے ان کی اولاد اس زمین کے بارے میں جھگڑا کیا، تو امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا تھا (اس لیے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلے کا انکار کیا تھا) اور فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت کی زمین میں سے جسے چاہیں اور جتنی چاہیں

سے بہت چھوٹی ہیں، تو آپ کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے اعزاز میں لیلۃ القدر عطا فرمائی اور آپ کے طلب کرتے پر یہ رات عطا فرما کر آپ پر اور آپ کی امت پر احسان فرمایا۔ اس لحاظ سے میلاد شریف کی رات تمام راتوں کی اصل سٹھری اور بہترین فضیلت کا سبب بنی۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ جب ہم نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت، رات کے وقت ہوئی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر افضل ہے یا میلاد شریف کی رات؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات تین وجوہ کی بنا پر لیلۃ القدر سے افضل ہے،

۱۔ میلاد شریف کی رات، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور کی رات ہے، لیلۃ القدر تو آپ کو عطا کی گئی ہے۔ منبع شرافت آپ کی ذات اقدس ہے، اس لیے جس رات میں آپ کا ظہور ہوا، وہ اس رات سے افضل ہے جو آپ کو عطا کی گئی۔ یہ حقیقت اختلاف سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس لحاظ سے شب ولادت، شب قدر سے افضل ہے۔

۲۔ لیلۃ القدر کی شرافت اس لیے ہے کہ اس میں (غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک) رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور شب ولادت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور کی رات ہے۔ صبح اور مختاریہ ہے کہ شب ولادت کو جس ذات کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے شرافت حاصل ہوئی، وہ فرشتوں سے افضل ہے جن کے سبب لیلۃ القدر کو فضیلت ملی، لہذا شب ولادت، شب قدر سے بہتر ہے۔

۳۔ لیلۃ القدر میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر احسان کیا گیا اور میلاد شریف کی رات، تمام موجودات پر احسان کیا گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تحریک العالین بنا کر بھیجا۔ اس رات تمام مخلوقات کو عظیم نعمت ملی۔ ثابت ہوا کہ شب ولادت کی افادیت کا دائرہ

تھے عجمیوں نے دوسرے جوتے اس لیے استعمال کیے کہ ان کے علاقے میں کیڑا ہوتا تھا۔ مروی ہے کہ کتب قدیمہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک نام صاحب لغین بھی ہے کیونکہ نعل کا استعمال کرنا عرب کی عادت ہے۔

صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل کا تلو دوہرے چمڑے کا تھا اور بالوں سے خالی، اس کے دو تسمے تھے، جن میں سے ایک کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹکھٹے اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان رکھتے تھے۔ یہ دونوں تسمے پاؤں کی پشت پر ایک چوڑی پٹی سے وابستہ تھے۔ یہ پٹی گانے کے دوہرے چمڑے سے بنی ہوتی تھی، اس پٹی کی نوک آگے بڑھی ہوئی تھی جیسے زبان ہو، پچھلی طرف بھی ایک تسمہ تھا جو پاؤں کے باندھنے کا کام دیتا تھا۔ بعض حفاظ نے کہا کہ نعل مبارک زرد رنگ کا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزے بھی پہنے اور ان پر مسح بھی فرمایا۔ اس تفصیل کے بعد شیخ ابن مینع جو چاہتے ہیں کہہ۔

میلاد شریف کی رات اور لیلة القدر

حافظ قسطلانی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لیلة القدر اور میلاد شریف کی اہمیت کی باہمی مناسبت بیان کی۔ بعض لوگوں سے مراد کے سمجھنے میں غلطی واقع ہوئی۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ لیلة القدر اور ہر سال آنے والی میلاد شریف کی رات کے درمیان مقابلہ ہے جیسے کہ شیخ ابن مینع نے سید مالکی پر رد کرتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ ۵ پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان کا یہ اعتراض کسی طرح بھی وارد نہیں ہوتا، کیونکہ مراد وہ رات ہے جس میں حقیقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت واقع ہوئی۔ یہ رات لیلة القدر سے دسویں سال پہلے تھی۔ شب ولادت کی افضلیت کا یہ قول اس بات پر مبنی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ کی اُمت کی عمریں پہلی امتیں

علامہ قسطلانی اور علامہ احمد مقرر نے علماء کے تجربات بیان کیے، جنہیں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل شریف کی تصویر اپنے پاس رکھنے کی بدولت برکتیں مستر ہوئیں (دیکھئے علامہ قسطلانی کی مواہب لدنیہ کی شرح از علامہ زرقانی ج ۵، ص ۴۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ مقرر نے اپنی کتاب فتح المتعالمین میں جس کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل مبارک کی معتبر صفت اور راجح تصویر کے بیان کرنے میں تفصیلی گفتگو کی ہے اور جس تصویر کو انہوں نے راجح قرار دیا ہے، اس کے بارے میں کہتے ہیں: یہ ابن عربی، ابن عساکر، ابن مرزوق، فارقی، سیوطی، سخاوی، تسانی اور دیگر متعدد مشائخ کے نزدیک معتبر ہے۔ علامہ مقرر نے اپنی اور دیگر مشائخ کی سندوں سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل مبارک، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے، پھر وہ دوسرے لوگوں کے پاس منتقل ہوتے رہے اور ان کے برابر دوسرے نعل تیار کئے گئے، پھر انہیں سامنے رکھ کر مزید تیار کیے جاتے رہے، یہاں تک کہ مشائخ نے ان کا نقشہ کاغذ پر تیار کیا اور اسے سندوں سے روایت کیا۔ اس موضوع پر متعدد علماء نے کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک ابوالعین بن عساکر ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں نعل مبارک کا نقشہ بھی دیا ہے۔ پھر ان کی کتاب سندوں سے روایت کی گئی اور باقی عدد ضبط کے ساتھ پڑھی گئی، یہاں تک کہ شیخ منقری تک پہنچی، تو انہوں نے اپنی کتاب فتح المتعالمین میں نقشہ پیش کیا، ان کے سامنے ابن عساکر کی تصنیف کا وہ مستند نسخہ تھا، جس پر حلیل القدر علماء اور حفاظ مثلاً سیوطی، سخاوی اور دیگر رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحریرات موجود تھیں۔

متاخرین میں سے علامہ شیخ یوسف نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نعل شریف کے بارے میں بڑا اہتمام کیا اور بہت کچھ لکھا۔ علامہ نبہانی فرماتے ہیں کہ علامہ مناوی اور ملا علی قاری شرح شامائل میں فرماتے ہیں کہ ابن عربی نے فرمایا: نعل مبارک انبیاء کرام استعمال فرمایا کرتے

ہیں۔ ان کا مقصود نعل اقدس نہیں، بلکہ وہ ذات اقدس ہے جس نے اسے استعمال کیا۔
یہ تصویر تو اس ذات اقدس کے قدم کے لیے وسیلہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے کامل ترین ادھار
سے نوازا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

وَمَا حُبُّ النِّعَالِ شَقَقَ قَلْبِي
وَلَكِنْ حُبُّ مَنْ لَيْسَ النِّعَالَا

نعال مبارکہ کی محبت نے میرے دل کو دارفتہ نہیں کیا،
بلکہ انہیں پہننے والی ہستی کی محبت نے مجھے خود رقتہ کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ شیخ فاکہانی اسکنہ ری، مالکی پر رحمتیں نازل فرمائے۔ جیسا نبول نے نعل نبوی
کی تصویر دیکھی، تو منہ مایا۔

وَلَوْ قِيلَ لِلْمَجْنُونِ لَيْلِي وَوَصَلَهَا
تُرِيدُ؟ أَمِ الدُّنْيَا وَمَا فِي زَوَايَاهَا
لَقَالَ، غُبَارٌ مِنْ شَرَابِ نِعَالِهَا
أَحَبُّ إِلَيَّ نَفْسِي وَأَنْفُسُ لِبَلَوَاهَا

اگر مجنون کو کہا جائے کہ کیا تو لیلیٰ اور اس کا وصال چاہتا ہے؟ یا دنیا و ما فیہا۔
تو وہ کہے گا کہ اس کے جوتے کی مٹی کا غبار، میری جان کے لیے زیادہ محبوب ہے
اور اس کی بیماری کے لیے زیادہ شفا بخش ہے۔

بعض علماء نے تو اس موضوع پر مستقل رسائل لکھے ہیں۔ امام علامہ شہاب الدین احمد
المقتری نے فتح المتعال فی مدح النعال کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ ہندوستان کے علامہ
اور علماء دیوبند کے حکیم الامت شیخ اشرف علی تھانوی نے ایک رسالہ لکھا نبیل الشفاء بنعل المصطفیٰ
لہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا،

”شَفَاءُ الْوَالِدِ فِي مُصَوِّرِ الْحَبِيبِ وَمَزَارِهِ وَنِعَالِهِ“ ۱۳ شرف قادری

میں رکھ لیا کرتے تھے۔ اگر یہ سعادت شیخ ابن مینع کو حاصل ہو جائے تو کیا وہ اس کے قبول کرنے سے انکار کریں گے؟ جب خطابہ اور دیگر فقہاء اہل سنت و جماعت قرآن پاک کے خلاف کوچھونا جواز قرار دیتے ہیں، کیونکہ اسے قرآن پاک کے اتصال کا شرف حاصل ہے، تو کیا روضۃ اقدس کی جالی مبارک کو چھونا شرک اور کفر قرار دیا جائے گا یا محبت اور تبرک؟ جالی مبارک کو بھی تو روضۃ اطہر کے قرب کے سبب شرافت حاصل ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ سید محمد علوی مالکی پر حملہ آور شیخ ابن مینع اور ان کے معاونین کا علمی سرمایہ بہت کم اور وسیع اسلامی لٹریچر کا مطالعہ شیخ ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب کی تصانیف کے علاوہ بہت ہی محدود ہے، ورنہ انہیں معلوم ہونا کہ بہت سے علماء نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل شریف کے موضوع پر بڑے اہتمام سے کتابیں لکھی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ علماء نے آپ کے نعل اقدس کی صفت — اس کی تصویر رنگ اور جنس، ان کی تعداد اور ان کے مالکین کے بارے میں گہری نظر کے ساتھ دقیق بحثیں کی ہیں اور نظم و نثر میں ان کی رنگا رنگ انداز میں مدح و ثناء کی ہے۔

کتب سیرت میں جلیل القدر حفاظ حدیث اور اکابر محدثین مثلاً ابن عربی، ابن عساکر، ابن مرزوق، فارسی، سیوطی، سخاوی، تنائی اور عراقی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل شریف کی تصویر کی تحقیق کے بارے میں پُر مغز بحثیں کی ہیں۔

بہت سے یگانہ روز کار ادباء مثلاً ابوالحسن بن سعد البلاسی، ابوامیہ اسماعیل بن سعد السعوی بن عقیل، شرف الدین عیسیٰ بن سلیمان الطنبی المصری، ابوالحسن بن المرسل السبکی، حافظ ابوالفتح محمد بن الأبار القضاہی البلسی، حافظ ابوالریبع سلیمان الطلاعی، علی ابوالحسن الرعی، علی ابوالحسن بن احمد الخزرجی، امام ابوالخیر محمد بن محمد الحجوری، حافظ محمد بن رشید الغبری السبکی اور علامہ احمد المقرئ نے نعل مبارک کی تعریف و توصیف کی ہے۔ ان حضرات کے طویل قصائد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل اقدس کی تصویر کی زوردار تعریف اور توسل و تبرک پر مشتمل

آمارتے، عصا اور سواک اٹھائے رکھتے، علامہ شیخ یوسف نہانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

وَلَعَلَّ خَضْعَنَا هَيْبَتَهُ لَوْ قَارَهَا
فَانَا مَتَى تَخَضَعُ لِهَيْبَتِهَا نَعْلُو
فَضْعَهَا عَلَى آغْلِ السَّفَادِ قِائِمًا
حَقِيقَتُهَا تَأْجِ وَصُورَتُهَا نَعْلُ

وہ نعل مبارک جس کے رعب اور دبہ بے کے سبب ہم جھک گئے۔ جب ہم اس کی سبوت کے آگے جھک جائیں گے تو سر بلند ہوں گے، تو اسے اپنے سر پر رکھ کر حقیقت میں تاج ہے گوکہ دیکھنے میں نعل مبارک ہے۔

اے ابن ام عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آپ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ فقط اتباع ہی سب کچھ نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ محبت بھی ضروری ہے، کیونکہ بعض اوقات خوف یا طمع کی بنا پر محبت و عقیدت سے عاری شخص بھی پیروی کرتا ہے (اور اس کا کچھ اعتبار نہیں)، اے اللہ! ہمیں محبت سے سرشار پیرو کار بنا۔ حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک مجھے اپنے والد اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔“ یہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے روایت کی۔

حدیث کی صحیح کتابوں اور کتب سیرت میں احادیث صحیحہ حدیث کو پہنچ گئی ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار شریفہ مثلاً بابرکت بالوں و منو کے پانی یہاں تک کہ لعاب دہن سے برکت حاصل کیا کرتے تھے، جیسے کہ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد فی ہدی خیر العباد وغیرہ میں نقل کیا، کیا اس کے باوجود سید علوی مالکی اور دیگر محدثین پر سلف صالحین کی مشابہت اختیار کرنے پر رد کیا جائے گا اور ان پر تکفیر جہنمی کی جائے گی؟ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل شریف اٹھانے کی سعادت نصیب ہوئی، یہاں تک مروی ہے کہ وہ انہیں اپنی آستین

اور آنکھوں کے نوروں کا نور ہیں۔ آپ ہی وہ سراج منیر ہیں جو دلوں، عقول، کانوں، آنکھوں، سوچوں، چہروں اور دماغوں کو منور کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کا دی نام رکھا جو آسمانی سورج کا ہے، لیکن آپ کو ایسے وصف سے موصوف کیا جو سورج کے وصف سے زیادہ حسین و جمیل اور اعلیٰ و اکمل ہے۔ آسمان کے سورج کے بارے میں فرمایا: وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا (النبا ۷۸) اور ہم شعلہ زن سراج پیدا فرمایا اور آنکب محمدی کے بارے میں فرمایا: وَدَاعِيَا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُبِينًا (الاحزاب ۴۶، ۴۷) اور اللہ کے اذن سے اس کی طرف بلانے والا اور ضیاء ہمارے سراج، شعلہ زن سورج اور ضیاء پاشی کرنے والے سورج کے درمیان، زمین و آسمان کا فرق ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل اقدس

سوار کے ص ۱۶ پر شیخ عبداللہ بن منیع نے سید محمد علوی مالکی پر رد کرتے ہوئے لکھ کر زبان درازی کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوچ اور فکر کی صلاحیت سے عاری ہیں اور اپنے بھائی کے کسی عذر کو خاطر میں لانے کے لیے تیار نہیں ہیں، بات صرف اتنی تھی کہ سید علوی نے جی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک محب شاعر کا ایک شعر نقل کر دیا تھا جس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل اقدس کی تعریف کی گئی ہے۔ کیا معترض کو اتنا بھی علم نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے بعض اقوال کو ردِ بدعت کے لیے کئی مقامات پر اُس نے دُعا بنا یا ہے۔ ان کے بارے میں حدیث کی کتب صحاح میں ہے کہ ان کے پاس نعل اقدس، کنگھی، مسمرہ دانی اور وضو کا برتن ہوا کرتا تھا جیسے کہ امام بخاری وغیرہ نے بیان کیا ہے، کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب آرام فرماتے تو وہ آپ کو بیدار کرتے، جب غسل فرماتے تو وہ پرہ کرتے، جب باہر جانے کا ارادہ فرماتے تو وہ نعل مبارک پیش کرتے۔ جب اندر جانے لگتے تو وہ نعل مبارک

”کیا وہ شخص جو بے جان تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اسے نور عطا کیا، جس کی بدولت وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھیروں میں ہے ان سے نکل نہیں سکتا؟ پس کافر اندھیروں میں جھٹکتا پھرتا ہے اور مومن خداوند نور کے ذریعے چلتا پھرتا ہے۔

شیخ عبد اللہ سراج الدین، الایمان بعوالم الآخرة میں فرماتے ہیں: یہ نور ایمانی وہی ہے جو امام ابو یعلیٰ کی فرات بن سلیمان سے روایت کردہ حدیث میں ہے، وہ فرماتے ہیں مجھے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر چار رکعت نماز ادا کرے اور ان میں وہی کلمات کہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہا کرتے تھے، ان کلمات کا ترجمہ یہ ہے، تیرا نور مکمل ہے اور تو نے ہدایت دی، لہذا تیرے لیے حمد ہے، تیرا علم عظیم ہے اور تو نے مغفرت فرمائی، لہذا تیرے لیے حمد ہے، تو نے اپنا دست رحمت پھیلا دیا اور عطا کیا، لہذا تیرے لیے حمد ہے۔ یہ حدیث حسن حصین اور شرح مواہب میں ہے۔

اس نور سے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ کسب ضیاء کرنے والا اور منور ہونے والا ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل اقدس ہے جس نے تمام دلوں پر ضیاء پاشی کی اور جو دلوں کے آئینوں پر صوفشاں ہوا، تو ان کی قابلیت اور استعداد کے مطابق ان میں نور ایمانی بگمگما اٹھا۔ بہت سے محققین مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”مَثَلُ نُورٍ كَمِشْكُوتٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ“ کی تفسیر میں فرمایا کہ مشکوٰۃ سے مراد سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ مبارک اور زجاجہ سے مراد آپ کا دل اقدس ہے، اور مصباح وہ نور ایمانی محمدی ہے اور وہ شجرہ (درخت) جس سے امداد ملتی ہے، وہ شجرہ وحی محمدی ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اس طرح کئی نور جمع ہو گئے۔ لہ

ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دلوں کے چراغوں کو منور کرنے والا چرخ

لہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینیہ زجاجہ نور کا تیری صورت کے لیے آیا ہے عورہ نور کا

نور کی مثال بیان کی گئی ہے۔

یہ وہ نور ایمان اور نور ہدایت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَكَ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَّبِّهِ (التوہ ۳۹، ۲۲) کیا اللہ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا، وہ اپنے رب کی طرف سے ملنے والے نور پر ہے؟ نیز اس ارشاد میں مَعْنٰی اللّٰهُ اَنْ يَّصْلَحَ لَكَ شَرْحَ صَدْرِكَ لِلْاِسْلَامِ (الانعام ۱۱۰) جسے اللہ ہدایت دینا چاہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ ابن ابی حاتم وغیرہ راوی ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس شرح کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا، ایک نور دل میں القا کیا جاتا ہے۔

امام ترمذی، امام احمد اور ان کے علاوہ ائمہ محدثین، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا پھر ان پر اپنا نور واقع کیا، جسے اس نور سے جنت ملا، وہ ہدایت پا گیا اور جو محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تاریکی میں نہیں رہنے دیا، بلکہ ان پر اپنا نور واقع کیا تاکہ اللہ تعالیٰ کو پہچانیں اور اُس کے نور کے ذریعے اس کی طرف راہ پائیں جس نے اس نور کا قصد کیا، اُسے نور مل گیا اور وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اس نور سے روگردانی کی وہ بھٹک گیا اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو تاریکیوں میں اس طرح چھوڑ دیا کہ انہیں کچھ دکھائی نہیں دیا، کیونکہ انہوں نے روگردانی کی اور پیٹھ پھیری، عالم محسوسات میں ظاہر ہے کہ جو نور کی طرف رخ کرتا ہے، اس کا چہرہ روشن ہو جاتا اور چمک اٹھتا ہے اور جو منہ پھیر لیتا ہے، اس کا چہرہ روشنی سے محروم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اَوْ مِّنْ كَانَ مَيِّتًا فَاحْيَيْنَاہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُورًا یَّمْشٰی بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّشٰی فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ

بِحَتَّاسٍ جِ وَتَمَّهَا (الانعام ۶، آیت ۱۲۲)

میں ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی مخلوق کو نور وجود عطا فرمایا اور انہیں عدم امکانی کی تاریکی سے منقطع شہود پر جلوہ گر کیا، نور وہ شے ہے جو خود عطا ہو کر دوسرے کو عطا کرے۔ عالم وجود میں جو چیز بھی ظاہر ہے اس سے اس کا پیدا کرنے والا زیادہ ظاہر الوجود ہے، اسی طرح ہر نورانی چیز سے اس کا منور کرنے والا زیادہ نورانی ہے، پاک ہے وہ ذات، جس نے موجودات کو عدم کی ظلمتوں سے نکال کر صلوۃ ظہور عطا فرمایا، پاک ہے وہ ذات جس نے نورانی مخلوقات کو نور عطا فرمایا، تو ان کے نور سے کائنات جگمگا اٹھی اور پاک ہے وہ ذات جس نے عدم کی ظلمتوں پر نور ایجاد کی تھی واقع کی تو معدوم اشیاء نور وجود سے روشن ہو گئیں۔

صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ دُعا مانگتے: ”اے اللہ! اے ہمارے رب! تو آسمانوں اور زمین اور ان میں پائی جانے والی مخلوقات کا نور ہے اور تیرے لیے ہی حمد ہے، تو آسمانوں، زمین اور ان میں رہنے والی مخلوقات کا رب ہے اور تیرے لیے ہی حمد ہے، تو آسمانوں، زمین اور ان میں رہنے والوں کا مالک ہے۔“

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک دُعا میں ہے: ”میں تیرے وجہ کریم کے نور کی پناہ مانگتا ہوں جس کی بدولت آسمان اور زمین روشن ہوئے، تاریکیاں جگمگا اٹھیں اور دنیا و آخرت کا معاملہ درست ہو گیا، اس امر سے کہ تیری ناراضگی اور تیرا غضب مجھ پر نازل ہو، تیرے لیے عتاب کا حق ہے، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، گناہوں سے باز رہنے اور نیک کام کرنے کی طاقت تیری ہی توفیق سے ہے۔“

دوسرا نور جس نے دلوں کو ایمان اور معرفت سے منور کیا، اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ”مَنْ شَلَّ نُورًا كَوْشَكَوْا“ حضرت ابی بن کعب، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے علاوہ صحابہ اور تابعین نے فرمایا کہ اس قول میں بندہ مومن کے دل میں پائے جانے والے

علماء لغت اور دیگر اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ سورۃ نور کی آیت مبارکہ کَشَشْكُورَةٍ فِيْهَا
مِصْبَاحٌ (آیت) میں نور سے مراد اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اسی کے نور کی تشبیہ دی گئی ہے۔
انہوں نے کوئی دلیل شرعی پیش کیے بغیر، حکم قطعی صادر کرنے میں غلو سے کام لیا اور
لغت کے علماء اور دیگر اہل علم کی طرف وہ بات منسوب کر دی جو انہوں نے نہیں کہی۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اللَّهُ نُورٌ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورٍ كَشَشْكُورَةٍ فِيْهَا
مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجْجَةٍ الزُّجْجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ
دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ
وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيئُ وَلَوْ لَمْ تَلْسَ لَهُ نَارُ
نُورٍ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ
وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمٌ (النور ۲۴، آیت ۳۵)

”اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے
کہ اس میں چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔ وہ فانوس گویا ایک
ستارہ ہے موقی ایسا چمکتا، روشن ہوتا ہے برکت والے زیتون سے، جو نہ
مشرقی ہے نہ مغربی، قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے، اگرچہ اسے
آگ نہ چھوئے، نور علی نور ہے، اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور
اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

علماء اور مفسرین نے اس کی تفسیر میں فرمایا، اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے
ایک تو اس نور کا ذکر فرمایا ہے جس کے ذریعے وجود کائنات کو ظاہر فرمایا۔ دوسرا نور وہ ہے
جس کی بدولت دلوں کو ایمان کی روشنی عطا کی۔ پہلے نور کا اللہ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

دوسرے ماخذِ سنتِ مبارکہ اور احادیثِ طیبہ پر وسیع نظر نہیں رکھتے، ورنہ ابنِ مینع اور ان کے معاونین و انصار پر یہ واضح مسئلہ ہرگز مخفی نہ رہتا۔

امام ترمذی اپنی مُسنن میں، ستینا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا، سنن ترمذی، مطبوعہ قاہرہ، حدیث ۳۹۵۷۔

شیخ ابنِ مینع کی طرح بعض لوگ اس حدیث شریف کا مطلب نہیں سمجھ سکے، انہیں یہ شبہ پیدا ہوا کہ ابولہب، ابوہیل، ولید اور ابی بن خلف ایسے بہت سے لوگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا، مگر ان کی مشقت زائل ہوتی نہ اُن کا کفر و کبر، اُن کے ذہنوں سے شکوک و شبہات کے غبار کو یہ حقیقت دور کر دے گی کہ اذلی بد بخت کافروں نے نبی، رسول، حبیب اور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیثیت سے نہ دیکھا تھا، اللہ تعالیٰ کا فرمان یقیناً سچا ہے۔

وَنَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝

(الاعراف، آیت ۱۹۷)

اے حبیب! تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں، حالانکہ انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

اب بتایا جائے کہ اپنے عقیدے سے توبہ اور استغفار کا مطالبہ سید عالم کی سے ہونا چاہیے یا ابنِ مینع سے؟ اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے اجتناب کی بہت عطا فرما اور ہم پر باطل کو مشتبہ نہ فرما کہ ہم خواہش نفس کی پیروی میں مبتلا ہو جائیں۔ آمین!

اجماع کہاں ہے؟

شیخ ابنِ مینع اپنی کتاب حواص ۲۰ میں لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ علماء تفسیر

چند شبہات کا ازالہ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والے کی خوش قسمتی

شیخ ابن منیع نے سید محمد علوی مالکی پر یہودہ رد کرتے ہوئے کسی احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا، نیز اپنے مرقم مقابل کو سب و شتم کرنے، بدعتی، کافر اور مشرک قرار دینے میں جلد بازی سے کام لیا ہے اور ہر اس چیز کا انکار کیا ہے جو سید محمد علوی مالکی نے لکھی ہے، یہاں تک کہ ان امور کا بھی انکار کیا ہے جنہیں احادیث صحیحہ کی تائید حاصل ہے۔ سید مالکی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبت، علامہ بوسیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

لَيْتَهُ خَصَّنِي بِرُؤْيَا فِي جِه

نَا اَلْ عَنْ كُلِّ مَنْ سَا اَلَا الْعَنَاءُ

کاش کہ مجھے اس رخ نور کی خصوصی زیارت عطا فرمادیں

کہ جس نے بھی زیارت کی، اس کی مشقت دور ہو گئی۔

شیخ ابن منیع حوا کے صفحہ ۱۶ پر اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ جھوٹ اور باطل ہے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات میں بہت سے لوگوں نے آپ کی زیارت کی، نہ تو ان کی مشقت زائل ہوئی اور نہ ہی کفر و بدعت ہوا۔ ابن منیع کے رد کے طور پر بقہ دیکھنے والا اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ وہ اور ادارہ البحوث العلمیہ میں ان کے معادل علما، جن کا انہوں نے اپنی کتاب کے خاتمہ ص ۱۹۹ پر شکریہ ادا کیا ہے، ان کی تعریف کی ہے اور عقیدہ کے تحفظ کے سلسلے میں ان کے لیے عاک ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عطا فرمائے، وہ سب کے سب کتاب اللہ کے بعد شریعت اسلام میں

الْمَدْنِيَا فِي الْآخِرَةِ - (ابراہیم ۱۴- آیت ۲۷)

”اللہ ایمان والوں کو مضبوط قول کے ساتھ ثابت قدمی عطا فرماتا ہے،
دنیاوی زندگی اور آخرت میں“

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو علم سلیم کے نور
سے صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے، بیشک وہ ارحم الراحمین ہے۔

ہمارے دلوں میں یہ آرزو چل رہی ہے کہ دانشمند اور انصاف پسند مسلمان بیدار مغزی
کے ساتھ حقائق کا مطالعہ کرنے اور ان حقائق کی روشنی میں امت مسلمہ کی راستہ کی ہدایت
اور خواص کی تائید کے لیے تیار ہو جائیں، کیونکہ دین، نام ہے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، اس کی
کتاب، ائمہ مسلمین اور عوام کی خیر خواہی کا، اور یہ قطعاً خیر خواہی نہیں ہے کہ شکوک و شبہات پھیلا
جائیں اور قرنِ اول سے لے کر اس وقت تک کے مسلمانوں کو گمراہ قرار دیا جائے، کیونکہ مسلمان
صدیوں سے ہدایت پر قائم چلے آ رہے ہیں، جیسے کہ عامۃ المسلمین کو کافر قرار دینے والے خواجہ کی
افتراء جانز نہیں ہے، بلکہ حرام ہے، ہم مسلمانوں کا مذہب یہ ہے کہ جب تک اہل قبلہ میں سے کسی
کے کفر قطعی دلیل قائم نہ ہو جائے ہم کسی کی تکفیر نہیں کریں گے جیسے کہ طریق سلف سے انحراف سے
مکمل اجتناب ضروری ہے ہمارے لیے راہِ اعتدال اور افراط و تفریط کے بغیر درمیانی راہ اختیار
کرنا اور ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دینا واجب ہے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے اور ان حضرات کا راستہ
ہے، جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام،
تابعین، در تبع تابعین، اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کی برکتوں سے ہم سے راضی ہو، اے اللہ ہمیں
تصدیق و تسلیم عطا فرما اور ہمیں ان لوگوں میں سے نہ بنا، جن کی تو نے مذمت فرمائی اور جن کے
بارے میں فرمایا،

قَدْ يَبْئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَبْئِسُ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ (الممتحنہ آیت ۱۳)

وہ آخرت سے ناپسند ہوئے جیسے کفار اہل قبور سے ناپسند ہوئے۔

مسند امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحیح ابوحاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میت کو برب قبر میں رکھا جاتا ہے، تو وہ واپس جانے والے حاضرین کے جوتوں کی آہٹ سُنتا ہے، پھر اگر وہ مومن ہے، تو نماز اس کے سر کے پاس، روضہ دائیں جانب، زکوٰۃ بائیں جانب اور اچھے کام مثلاً صدقہ، صلہ رحمی، نیکی اور احسان اس کے پاؤں کی طرف ہوتے ہیں، فرشتہ اس کے سر کی طرف سے آتا ہے، تو نماز کہتی ہے میری طرف راستہ نہیں ہے، دائیں طرف سے آتا ہے تو روضہ کہتا ہے میری طرف راستہ نہیں ہے، بائیں طرف سے آتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے میری طرف راہ نہیں ہے، پاؤں کی طرف سے آتا ہے تو افعال خیر، صدقہ، صلہ رحمی، نیکی اور احسان کہتے ہیں، ہماری طرف راہ نہیں ہے۔ پھر میت کو کہا جاتا ہے بیٹھ جا، وہ بیٹھ جاتا ہے، اُسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ سورج غروب ہو رہا ہے، اُسے کہا جاتا ہے کہ شیخ کریم جو تمہارے پاس تھا، اُس کے بارے میں کیا کہتا ہے اور کیا گواہی دیتا ہے؟ میت کہتا ہے مجھے نماز پڑھ لینے دو، اسے کہا جاتا ہے کہ پھر پڑھ لینا، پہلے ہمارے سوال کا جواب دو۔ یہ بتاؤ کہ شیخ جو تمہارے پاس تھا، اُس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اور کیا گواہی دیتے ہو؟ وہ کہتا ہے یہ تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لائے ہیں۔ اسے کہا جاتا ہے کہ تو اسی ایمان پر زندہ رہا، اسی پر فوت ہوا اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی پر اٹھایا جائے گا، پھر اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے اور تیرے لیے اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ نعمتیں ہیں، اس کی خوشی کی کوئی انتہا اور مسرت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا، پھر اس کی قبر ستر ہاتھ تک وسیع کر دی جاتی ہے اور اسے منور کر دیا جاتا ہے، اس کے جسم کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کی رُوح جنت کے درختوں پر چہچہانے والے پرندے میں رکھ دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب یہی ہے،

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ

مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن کے بعد اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر دسے کا پورا اہتمام کر کے تشریف لایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں پہلے میرے والدہ محترمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زوجہ مکرمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے، اب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور وہ اجنبی ہیں، مطلب یہ تھا کہ پردہ نہ ہو تو وہ مجھے دیکھیں گے، اس لیے پردے کا اہتمام کرتی تھیں۔

یہ بھی مروی ہے کہ اموات، نئے آنے والے سے اپنے رشتہ داروں کا حال پوچھتے ہیں، وہ انہیں بتاتا ہے کہ فلاں کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور فلاں عورت نے شادی کر لی ہے۔ (العقائد الاسلامیہ ص ۲۳۰۔ از سید سابق)

سوال قبر

اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے کہ مرنے کے بعد ہر انسان سے سوال ہوتا ہے خواہ وہ قبر میں دفن کیا جائے یا نہ، اگر اسے درندے کھا جائیں یا جل کر راکھ ہو جائے اور راکھ سہا میں اڑا دی جائے یا دریا میں ڈوب جائے تو بھی اس سے سوال ہوگا اور اسے اچھے اور بُرے اعمال کے مطابق جزا دی جائے گی، اور نعمت یا عذاب، جسم و جان دونوں پر ہوتا ہے۔ علامہ ابن قیم کہتے ہیں، امت مسلمہ کے سلف صالحین اور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو وہ یا تو ناز و نعمت میں ہوتا ہے یا عذاب میں، اور یہ ثواب یا عذاب، روح اور جسم دونوں کے لیے ہوتا ہے۔ روح جسم سے جدا ہو کر باقی رہتی ہے نعمت یا زحمت میں، بعض اوقات جسم سے متعلق ہو جاتی ہے تو جسم اس کے واسطے سے نعمت پاتا ہے یا عذاب، پھر جب قیامت آئے گی تو روحیں جسموں کی طرف لوٹا دی جائیں گی اور لوگ قبروں سے اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے۔ اجسام کا زندہ کیا جانا، مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان متفقہ مسئلہ ہے۔ (عقائد اسلامیہ از سید سابق، ص ۲۳۱)

نہیں ہے، یہ تمام امور آپ پر بغیر کسی خفا کے واضح ہیں۔

۲۔ قاضی عیاض، پھر ملا علی قاری، پھر علامہ سیوطی کی جامع صغیر کی شرح تیسیر میں علامہ مناوی فرماتے ہیں، جب نفوس قدسیہ جسمانی تعلقات سے آزاد ہو جاتے ہیں تو ملا علی (فرشتوں) کی صف میں داخل ہو جاتے ہیں اور سب کچھ دیکھتے اور سنتے ہیں، جیسے سامنے ہو۔

۳۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں بعض اوقات اہل دل فرشتوں اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

۴۔ امام غزالی کے شاگرد امام قاضی ابوبکر بن عربی مالکی فرماتے ہیں، ایماندار کے لیے کرامت کے طور پر انبیاء اور ملائکہ کی زیارت کرنا اور ان کا کلام سننا ممکن ہے (اہل الحق) — للعلامۃ المحمد محمد حافظ تيجانی

۵۔ علامہ شیخ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس امر کی توثیق کی ہے کہ رُوحوں کی قوت و قدرت کا یہ عالم ہے کہ انسان اس کا تصور نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ ایک عظیم رُوح، پورے لشکر پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔

جسم سے جدا ہونے کے بعد رُوح کی کیفیت

موت کے وقت رُوح، جسم سے جدا ہو جاتی ہے، لیکن اس کا ادراک باقی رہتا ہے، زیارت کرنے والے کی گفتگو سنتی ہے، اسے پہچانتی ہے، سلام کا جواب دیتی ہے، نعمت کی لذت اور آگ کی اذیت کو محسوس کرتی ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں، احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ میت دنیا میں موجود اپنے اہل و عیال اور دوستوں کے حال کو جانتا ہے، اس پر احوال پیش کیے جاتے ہیں، جو کچھ اس کے پاس کیا جاتے، اسے دیکھتا ہے، اچھے کام سے مسرور ہوتا ہے اور بُرے کاموں سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔

نبی اور رسول محترم ہیں، اس نے اپنے فضل سے آپ کو عزت و کرامت عطا فرمائی اور آپ کو شفاعت، مقام وسیلہ اور مقام محمود و محبت فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کا یہ قول نقل فرمایا **لَا يَنْفَعُ بُونَا إِلَى اللَّهِ ذَلِكُنَا** (الزمر: ۲۱) ہم بتوں کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کریں۔ یہ اور اس قسم کی آیات کو توسل کے فائل مسلمانوں پر چسپاں کرنا، حق سے چشم پوشی، حقائق سے انحراف اور بت پرست، جاہل، گمراہ اور اندھی قوم کو اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک پر ایمان رکھنے والی قوم مسلم کے برابر قرار دینا ہے، وہ امت جس کی اٹھان ہی ہدایت کی روشن راہ، ملت اسلامیہ اور دین حنیف پر مبنی، جس کا عقیدہ واسخہ یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ہر شے کا خالق اور تمام مخلوق کا معبود برحق ہے، جس مسلمان نے قرآن پاک پڑھا اور اس کی تعلیمات کو سمجھا، اس کے بارے میں کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ان عقائد فاسدہ کا قائل ہوگا؟ جو جاہل بت پرستوں کے ہیں، خصوصاً ان علماء کے بارے میں یہ کیسے یاد کیا جاسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پڑھتے اور پھیلے ہیں **قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ** (المکہ: ۱۸) اے حبیب! تم فرما دو کہ ظاہری صورت میں تو میں تمہاری طرح بشر ہوں مجھے وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا خدا، ایک خدا ہے۔ اور وہ علماء ارشاد باری تعالیٰ:

وَأَنْذَرُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (الشعراء: ۲۱، ۲۲) اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈر سناؤ، کے نازل ہونے کے بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس انداز میں اپنے رشتہ داروں کو ڈر سنایا، اُسے جانتے ہیں۔

ذیل میں ائمہ اعلام کے چند ارشادات، بیان کیے جاتے ہیں، امید ہے کہ ان کا بہت فائدہ ہوگا۔
۱۔ امام ابن الحاج مکی، المدخل میں اور امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:
ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، امت کے مشابہہ کرنے، ان کے احوال و عزائم، خیالات اور نیتوں کے پہچاننے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور وصالی فرمانے میں فرق

کہ آپ کی بلند مرتبہ رُوح پاک کو اللہ تعالیٰ نے بلند و بالا فضائل عطا فرماتے ہیں جن کی حقیقت کو دہی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو درود شریف پڑھنے والوں کے درود اور حاضرین اور غائبین کے خطاب سے آگاہ فرمادیتا ہے۔

جب ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل کرتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم آپ سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں اور دُعا کا طلب کرنا بلاشبہ جائز ہے اور آپ کی رُوح انور کے لیے عالم دنیا اور عالم برزخ میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ دنیا کی نسبت عالم برزخ میں رُوحوں کو زیادہ صفائی حاصل ہوتی ہے۔

اگر ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات شریفہ، یا آپ کے مقام رفیع، یا آپ کے عظیم حق، یعنی آپ کو خالصاً وجہ اللہ الکریم عبادت کرنے کے سبب، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے جہنم عطا فرمایا، یا آپ کی اطاعت، اعمال اور دین متین کی تبلیغ میں جہاد کی فضیلت سے توسل کریں، تو یہ سب روایات صحیحہ میں واقع ہے جیسے ہم اس سے پہلے توسل کے مختلف طریقوں میں بیان کر چکے ہیں۔

ہمارا مقصد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرنا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ آپ معظم ترین شفیع ہیں اور بلاشبہ آپ کی شفاعت ثابت اور مقبول ہے اور محض اللہ تعالیٰ کے خالص فضل و کرم اور رحمت سے ہے، کسی کو اس سے روکنے، اس پر پابندی لگانے یا انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔

بعض لوگ اس توسل کو شرک قرار دیتے ہیں، انہیں یہ دہم اس لیے پیدا ہوا کہ وہ شرک کی حقیقت سے بے خبر ہیں، شرک یہ ہے کہ انسان، کسی کو اُلُہیت، ربوبیت اور تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے اور یہ سمجھے کہ اس غیر کا ان صفات میں سے کسی صفت میں حصہ ہے، اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل کے ساتھ کیا تعلق؟ آپ کو وسیلہ اس حیثیت سے بنایا جاتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم،

کسی ایسے عقیدے کے صحیح ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا جو ایمان، اسلام اور توحید کے اصول کے خلاف ہو۔

اور اگر شبہ اس بنا پر ہے کہ متوسلین سے ایسے کلمات سرزد ہو جاتے ہیں جو فعل سے خالی نہیں ہوتے، تو یہ شبہ بھی قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں کی تربیت پر تھوڑی سی توجہ دے کر انہیں ایسے الفاظ کے استعمال سے روکا جاسکتا ہے جو غرابی پر مشتمل ہوں اور عبودیت کے لائق الفاظ کے استعمال پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔

جب توسل احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام اور سلف و خلف سے واقع ہے تو اس سے مطلقاً منع کرنا محض بے دلیل ہے اور توسل کو شرک و کفر قرار دینا، اصول اسلام کے صریح خلاف ہے، کیونکہ اصول اسلام میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اس وقت تک کافر قرار نہ دیا جائے، جب تک کہ اس سے ناقابل تادیل کلمہ کفر صادر نہ ہو۔ نیز یہ فتوائے شرک و کفر امت مسلمہ معصومہ کو گمراہ قرار دینا ہے۔ وہ امت جو کفر تو کجا خطا سے بھی محفوظ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منہ ماتے ہیں، لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍؕ ”میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی“ یہ حدیث مشہور و معروف ہے جس کے متعلق بعض محدثین نے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ پھر یہ دعویٰ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے بھی خلاف ہے، كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، رآل عمران ۳، آیت ۱۱۰ ”تم بہترین امت ہو، جسے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا“ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ امت، بہترین امت ہونے کے باوجود، ساری کی ساری یا اس کی اکثریت، گمراہی پر جمع ہو جائے۔

جب ہم روضۃ النور کے سامنے اس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہیں، تو ہمارے اس خطاب کے لیے دین میں بنیاد موجود ہے اور وہ ہے ہر نماز کے تشہد میں اَیُّهَا النَّبِيُّ سے خطاب، اور اس کا مطلب یہ ہے

لہ اس حدیث کی تخریج، اس کتاب کے عربی کے نسخے صفحہ ۱۲ پر گزرجی ہے۔

کے مطابق مختلف صورتیں دیکھتا ہے، جس طرح ہم خواب میں ایسی صورتیں دیکھتے ہیں جو ہمیں بیداری میں دکھائی نہیں دیتیں، اسی طرح جب ہم بدن کی قید سے آزاد ہوں گے تو ہمیں ایسے امور کا مشاہدہ ہوگا، جن کا مشاہدہ ہمیں زندگی میں نہیں ہوتا تھا، اسی طرف یہ قول اشارہ کرتا ہے لوگ سوئے ہوئے ہیں، جب مر جائیں گے، تو بیدار ہو جائیں گے۔

ہم اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں کہ سعادت و مندمیت کے لیے قبر اتنی مقدار میں وسیع کر دی جاتی ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ معقول سے لطف اندوز ہوگا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، اسی طرح ہمیں یقین ہے کہ (بد بخت کی قبر میں) مثلاً سانپ موجود ہے، لیکن ہمیں یہ اشیاء دکھائی نہیں دیتیں، کیونکہ جو چیز عالم آخرت سے متعلق ہے، وہ عالم ملکوت سے ہے اور یہ آنکھ عالم ملکوت سے متعلق اشیاء کے دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

شیخ عبدالکریم مدرس اپنی کتاب نور الاسلام کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: یہ روایات ائمہ کا عقیدہ، اللہ تعالیٰ کے فرمان (إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ) (الروم ۳۰، ۵۲)

اے حبیب! تم مردوں کو نہیں سنا تے، کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (إِنَّ اللَّهَ يَسْمَعُ مَن يَشَاءُ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ) (الفاطر ۳۵، ۲۲) ”بیشک اللہ جسے چاہتا ہے سنا دیتا ہے، اور تم اہل قبور کو سنانے والے نہیں ہو“ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نہ سنائے، تو کوئی شخص کسی کو دنیا میں بحالت بیداری بھی نہیں سنا سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ اہل قبور کو سنا دیتا ہے، اور نہ ہی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گڑھے میں پڑے ہوئے بدر کے مقتولوں سے کس طرح گفتگو فرمائی؟ اور آپ نے کیسے فرمایا کہ ”مردے ان لوگوں کے حقوق کی آہٹ سنتے ہیں جو اسے دفن کرنے کے لیے آئے ہیں اور دفن کے بعد مردوں کو تلقین کرنے کا کیا جواز رہا سہے گا؟

اور اگر منکرین کا شبہ اس بنا پر ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی تاثیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ متوسلین کا مقصد یہ نہیں ہونا کہ اہل قبور کو شر اور موجد ہیں، معاذ اللہ! کوئی مسلمان

تمہارے لیے بہتر ہوگی، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے، اگر میں اچھے اعمال دیکھوں گا، تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور تمہارے اعمال دیکھوں گا، تو تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا۔ اور اعمال کی یہ پیشی ہر دن ہے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے۔ یہ اور اس مسئلہ سے متعلق دیگر احادیث بلا شک و شبہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات پر دلالت کرتی ہیں۔

اسی طرح شہداء کرام کے بارے میں بھی ثابت ہے کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اگرچہ ان کی زندگی، انبیاء کرام کی زندگی سے کم درجہ کی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،
 وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءُ
 وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (البقرہ ۲، ۱۵۴)
 جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے، انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

مذہب صحیح جس کے اکثر ائمہ قائل ہیں، یہ ہے کہ ثواب و عذاب، جسم و جان کے مجموعہ پر ہے، لیکن وہ جسم برزخی ہے۔ یہ محسوس جسم نہیں ہے جو دکھائی دیتا ہے، کیونکہ بعض اوقات انسان جل جاتا ہے اور اس کی راکھ کے ذرات بکھر جاتے ہیں یا اس کے جسم کے اجزاء قبر میں پراگندہ ہو جاتے ہیں، برزخی جسم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ نعمت یا مبتلائے عذاب کی رُوح کے لیے فرشتوں ایسا ایک جسم پیدا فرما دیتا ہے جس کے لیے چھوٹی اور بڑی جگہ کا کوئی فرق نہیں ہوتا اور اس جسم کے لیے نعمت یا عذاب کے قبول کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، جو شخص وحی اور رسالت سے کسی قدر باغیر ہے، اس کے لیے ایسے جسم کا تصور کچھ مشکل نہیں ہے اور جو شخص عالم دنیا و آخرت اور اللہ تعالیٰ کی صنعت کے عجائب و معجزات میں غور کرے، وہ ایسی اشیاء کے تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرے گا، کیونکہ نفس کے مختلف وجود ہیں اور وہ ہر وجود کے تقاضوں

لے یہ حدیث حافظ، بیہمی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور فرمایا اسے بڑا سنے سنہ صحیح سے روایت کیا، دیکھئے مجمع الزوائد ج ۹، ص ۴۴

ثابت شدہ امر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور زمین ان کے اجسام مبارکہ کو نہیں کھاتی۔ امام انسائی، حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام کو کھائے۔ لہ

یہ حدیث امام ابن ماجہ نے سنن میں بھی روایت کی۔ امام بیہقی، حیاۃ الانبیاء میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُورِهِمْ یُصَلُّوْنَ** ۱۰
انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا، اسی طرح یہ حدیث امام ابویعلیٰ، بزار اور ابن عدی نے روایت کی۔

امام مسلم، اب فضائل موسیٰ علیہ السلام میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں شب معراج، سُرُخِ ثیلے کے پاس، موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ لہ

مزید تفصیل کے لیے فتح الباری، ج ۲، ص ۲۶۰ اور امام بیہقی کی تصنیف حیاۃ الانبیاء صحیح روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میری زندگی کتباً لیے بہتر ہے، تم بات کرتے ہو، تمہاری بات کا جواب دیا جاتا ہے، جب میرا وصال ہو گیا تو میری فات

لہ دیکھئے فسائی شریف ج ۳، ص ۲-۹۱ مسند امام احمد بن حنبل ج ۴، ص ۸، المستدرک ج ۱، ص ۲۷۸،

سنن ابن ماجہ حدیث ۱۶۲۷ بروایت حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنن ابوداؤد، کتاب المغازی ج ۱، ص ۳۵

۱۲ رفاعی لہ امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔ دیکھئے حیاۃ الانبیاء ص ۴، شاکانی نے اس کی تائید کی ہے،

دیکھئے نیل الاوطار ج ۵، ص ۱۰۸ امام مسلم نے یہ حدیث کتاب الفضائل میں بیان کی، دیکھئے تفسیر

کے ماسنہ پر امام نووی کی شرح مسلم ج ۹، ص ۲۳۱

پاچھے ہیں، وہ تو قرآن نہیں، حالانکہ تاثیر ایجادی، اللہ تعالیٰ کے ماسوا کے لیے بالکل ثابت نہیں ہے، لیکن افادہ اور برکتوں کا فیضان اور ان کی ارواح سے مروج استفادہ اور ان کی دخول کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس منوئل پر فیضان رحمت کی درخواست کرنا تو یہ جائز اور واقع ہے اور ہر فعل سے خالی ہے، خواہ وہ حضرات زندہ ہوں یا وصال فرما چکے ہیں۔

منکرین کا شبہہ اگر اس بنا پر ہے کہ اموات کے اجسام منجمد ہیں، ان میں رُوح ہے اور نہ اور اک اور نہ ہی ان میں خطاب کی صلاحیت ہے، تو اس شبہہ میں کوئی وزن نہیں ہے، کیونکہ انبیاء کرام کے اجسام گتے نہیں، اللہ تعالیٰ نے زمین پر ان کے گوشت کا کھانا حرام کر دیا ہے، ان کی رُوحیں باقی و ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے جانتی ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں درود پیش کرنے والوں کے درود شریف اور توسلین کے توسل سے آگاہ فرمادیتا ہے۔ اس مسئلے میں تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ ہر نماز کے تشہید میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں خطاب کیا جاتا ہے: **اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ** (نور الاسلام)

جناب شیخ عبدالکریم مدرس، رئیس جمعیت علماء بغداد، اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کو مفید بنائے۔ انہوں نے اپنی گراں قدر کتاب نور الاسلام میں بہت عمدہ گفتگو فرمائی ہے اس سے پہلے اس کتاب کا ذکر کیا جا چکا ہے، وہ فرماتے ہیں، اس جگہ مسلمانوں کی بصیرت میں اضافے کے لیے چند امور لائق توجہ ہیں:

- ۱۔ کہا اہل قبور زائر کی شخصیت اور اس کے احوال کو جانتے ہیں؟
- ۲۔ کیا اس جگہ پہلے میت کو اور پھر زائر کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے؟
- ۳۔ کیا زائر کے لیے جائز ہے کہ بھلائی کے حصول یا شر کے دفع کرنے کے لیے اصحاب قبور کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرے۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر صاحب قبر نبی ہے، تو انہیں علم ہے، کیونکہ یہ

زیارۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بیان کیا (دیکھئے طحی السجل، تصنیف سید محمد ہدی الرواس الرفاعی) کیا شیخ ابن منیع اور سعودیہ کے دیگر مشائخ اس فتوے پر اصرار کرتے رہیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ سے شفاعت کی درخواست کرنا اور آپ کی پناہ طلب کرنا شرک اکبر کی اقسام میں سے ہے۔۔۔۔۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے، نیک کام کرنے اور بُرائی سے بچنے کی قوت و طاقت صرف اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم کی طرف سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل جائز اور صحیح ہے۔ آپ کی حیات طیبہ میں بھی اور آپ کے وصال کے بعد بھی اسی طرح دیگر انبیاء و مرسلین اور اولیاء و صالحین سے توسل جائز ہے جیسے کہ احادیث سابقہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ہم تاثیر و خلق، وجود و بنا، معدوم کرنا اور نفع و ضرر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مانتے ہیں۔ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی دوسرے زندہ اور میت کے لیے خلق ایجاد اور تاثیر حقیقی کے طور پر نفع و ضرر ثابت نہیں کرتے، لہذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی طرح اولیاء و صالحین سے توسل میں فرق نہیں ہے، خواہ وہ دنیا میں ہوں یا وصال فرما چکے ہوں، کیونکہ وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے اور نہ ان کی کسی چیز میں حقیقی تاثیر ہے، ان سے تو برکت حاصل کی جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبوب ہستیاں ہیں، خلق و ایجاد اور تاثیر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ نیز دعا کرنے والے کو مکان کی برکت بھی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ علامہ شوکانی نے اپنی کتاب تحفۃ الذاکرین میں بیان کیا۔

جو لوگ زندوں اور وصال فرمانے والے حضرات میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ توسل کی بعض قسمیں زندوں سے جائز ہیں، جو وصال فرما گئے ہیں، ان سے جائز نہیں۔ وہ راہ راست پر نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے باور کر لیا ہے کہ زندہ حضرات تو موقر ہیں اور جو وفات

اور ایسے ہی دیگر امور کا ارتکاب کرتے ہیں، جن سے ممانعت وارد ہے، تو انہیں منع کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرایا جائے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ عوام کے افعال کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لیے وہ بحث ہی سے خارج ہیں، رہے علماء شریعت اور احکام دین سے باخبر حضرات تو ان کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ ایسے کام کرتے ہیں۔

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو عباس کے خلیفہ ثانی اور عباسی خلفاء کے مورث اعلیٰ منصور کو اسی توکل کا مشورہ دیا تھا۔ منصور جب حج کے بعد روضہ مبارکہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، تو اس نے مسجد نبوی میں امام مالک سے پوچھا، اے ابو عبد اللہ! میں قبلہ کی طرف منکر کے دعا کروں، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف؟ امام مالک نے فرمایا تو اپنا چہرہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیوں پھیرتا ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تیرا اور تیرے تیرا محمد حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں، تو آپ کی شفاعت کی درخواست کرو اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت تیرے حق میں قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ
وَأَسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (النساء ۶۴)
اور اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تمہارے پاس حاضر ہوں اور اللہ سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لیے معافی مانگیں، تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، مہربان پائیں گے۔

امام قاضی عیاض نے یہ واقعہ اپنی سند سے الشفار میں، علامہ سیکی نے شفاء السقام میں، علامہ مہدوی نے خلاصۃ الوفا میں، علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں، علامہ ابن حجر مکی نے تحفۃ الزوار اور الجوہر المنظم میں اور بہت سے مناسک حج لکھنے والوں نے لے امام احمد رضا بیہدوی قدس سرہ انوار البشارة فی مسائل الحج والزیارة میں فرماتے ہیں کہ روضہ مبارکہ کی جالیوں کو نہ تو ہاتھ لگایا جائے اور نہ ہی بوسہ دیا جائے کہ یہ خلاف ادب ہے اور الزیارة الزکیۃ میں فرماتے ہیں کہ قبر کو سجدہ کرنا اور اس کی طرف منکر کے نماز پڑھنا حرام ہے۔ ۱۲ قادری۔

روضہ انور سے آواز آئی کہ تیرے گناہ بخش دیئے گئے۔

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ مُّ بَعْدَهُ يُؤْمِنُ مَسْنُونٌ ۝ (الاعراف: ۱۸۵)

اس کے بعد یہ لوگ کس بات پر ایمان لائیں گے؟

مسئلہ توسل میں ہمارا عقیدہ

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء حقیقہً نہ تو فاعل ہیں اور نہ اصحاب قدرت تصرف نہ حیات ظاہری میں اور نہ وصال کے بعد، کیونکہ ان کی صفت تو اسکان اور فنا ہے (فاعل حقیقی اور موجد اللہ تعالیٰ ہے) اور اگر یہ توسل، شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ ہو جیسے کہ منکر کا گمان ہے، تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور اولیاء کرام کی زندگی میں بھی توسل اور دُعا کے طلب کرنے سے منع کرے، کیونکہ شرک ہر وقت اور ہر حال میں ممنوع ہے، حالانکہ یہ ممنوع نہیں، بلکہ مستحب اور دین میں مستحسن ہے اور منکر کا گمان یہ ہو کہ یہ حضرات اس عزت و کرامت سے معزول کر دیئے گئے ہیں جو انہیں دنیاوی زندگی میں حاصل تھی، تو اس پر قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے، ہاں جو اصحاب قبور آفت اور عذاب میں مبتلا ہوں، وہ بیشک متوسل کی طرف توجہ نہیں دے سکیں گے، لیکن یہ قاعدہ کلیہ تو نہیں ہے کہ معاذ اللہ ہر صاحب قبر مبتلائے عذاب ہو، اور جس پر یہ حال طاری ہو، اس پر قیامت تک طاری ہی رہے گا، اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ ہر صاحب قبر سے توسل کیا جاسکتا ہے، اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے،

ہاں اگر زیارت کرنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ اہل قبور مستقل طور پر قادر اور متصرف ہیں اور انہیں بارگاہ الہی کی طرف توجہ اور التجار کی ضرورت نہیں ہے، جیسے کہ بعض جاہل اور غافل عوام سمجھتے ہیں اور قبروں کو پوچھتے ہیں اور ان کی طرف سجدہ کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں

مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا سے مغفرت

سید علوی مالکی نے فرمایا: ”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کے بہت نبوی فائدے اور بہت سی محمدی امدادیں ہیں۔“ ابنِ مینیع اس کا نسخہ اڑاتے ہوئے کہتے ہیں: ہمیں معلوم نہیں کہ محمدی امدادوں سے مالکی کی کیا مراد ہے؟ اسی طرح سید مالکی نے ذخائر المحمّدیہ میں صلوة وسلام کا ایک طریقہ بیان کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: ”یا رسول اللہ! میں اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کی درخواست لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔“ اس پر بھی ابنِ مینیع نے نکتہ چینی کی ہے۔

ہم آئندہ سطور میں اس اعرابی کا واقعہ بیان کریں گے جس نے اپنے آپ کو گناہ گار تصور کرتے ہوئے روضۃ اطہر پر حاضری دی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی کی ڈھائی۔ ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں ابنِ جوزی نے مشیر العزائم میں اور ابنِ کھار نے اپنی اپنی سند سے روایت کی محمد بن حرب کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہوا۔ زیارت کے بعد میں سامنے ہی بیٹھ گیا۔ اس کے بعد پورا واقعہ بیان کیا جیسے آگے آ رہا ہے۔ ابوسعید سمعانی، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تدفین سے فارغ ہوئے، اس کے تین روز بعد ایک اعرابی آیا، اس نے اپنے آپ کو روضہ مظہرہ پر گرا دیا اور خاکِ انور سر پر ڈالتے ہوئے کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا، ہم نے آپ کا فرمان سنا، آپ نے اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل کیے اور ہم نے آپ سے حاصل کیے، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ پر نازل کیا، اس میں یہ تھا:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ (النساء ۶۴)

اور اگر یہ بندے جب اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے حبیب! تمہارے پاس

حاضر ہو جائیں

اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت سے توسل ایک فرع ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل اصل ہے، اور یہ فرع کسی طرح بھی اصل کے منافی نہیں ہے نہ عقلاً نہ نقلاً۔

علماء اصول اور محبوبان الہی کا وصال کے بعد توسل

اصول دین کے علماء اس میدان میں خصوصیت کے حامل ہیں، ان کی گفتگو کے بعد مکتبہ کی گفتگو کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ انہوں نے مقبولانِ بارگاہ کے وصال کے بعد ان سے توسل کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کے پیش رو ہیں علمی دنیا کے عظیم عالم، امام فخر الدین رازی، مطالعہ میں، امام البیان علامہ سعد الدین نقضانی شرح المقاصد میں اور امام بلاغت علامہ سید شریف جرجانی، حاشیہ مطالع میں، اس مسئلے میں ان حضرات نے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے ہیں اور صاحب مزار اور زائر کے درمیان امداد اور فیضان، اور دنیا و آخرت میں دونوں کے مقام کے مطابق روحانی تعلق کے فلسفے پر روشنی ڈالی ہے۔

مناسک امام احمد میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کرنے کے بارے میں ابو بکر مزونی کی ایک روایت مذکور ہے۔ نیز ابوالوفاء بن عقیل نے التذکرۃ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے توسل کے طویل کلمات ذکر کیے ہیں جو حنا بلہ کے نزدیک رائج ہیں۔ ثابت ہوا کہ اکابر حنا بلہ کے نزدیک اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام شافعی کا امام ابومینہ سے ان کے وصال کے بعد توسل، تاریخ خطیب کی ابتدا میں سند صحیح سے مذکور ہے۔ لے

فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (النساء، ۸۴) اس قوم کو کیا ہے کہ کوئی بات سمجھتی ہی نہیں

لے محمد زکی ابراہیم، شیخ : قضایا الوسیلہ

اقس سے توسل کر رہے تھے، تو دوسری طرف بعض صحابہ، روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کر کے بارش کی دعا کر رہے تھے۔

ابن ابی شیبہ بسند صحیح حضرت مالک الدار سے راوی ہیں جیسے کہ فتح الباری میں ہے امام بخاری نے یہ حدیث تاریخ کبیر میں بیان کی۔ ابن ابی شیبہ، امام بیہقی، دلائل النبوة میں راوی ہیں کہ حضرت بلال بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں واقع ہونے والے قحط کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیے کہ وہ ہلاکت کے کنارے پہنچ چکی ہے۔ (الی آخر الحدیث)

امام ابن عبد البر نے الاستیعاب میں صحابہ کرام کے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کا سبب بیان کیا ہے (اور وہ یہ کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قربت حاصل ہے) اور سبب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کے وصال کے بعد توسل کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ آپ ہی کی ذات اقدس سے توسل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے بیک وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کیا، ورنہ کیا سبب تھا کہ انہوں نے دوسرے حضرات کی موجودگی میں حضرت عباس ہی کو منتخب کیا۔ حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں کلام بھی اسی پہلو کی تائید کرتا ہے۔

جمہور علماء مسلمین کے موقف کو اس واقعہ سے بھی تقویت ملتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اجازت سے روضہ مبارکہ کی چھت میں روشن دان کھولا گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کیا گیا کہ وہ بندوں پر مہربانی فرمائے جیسے کہ حضرت ابوالجوزاء سے مروی ہے۔ یہ حدیث امام دارمی نے اپنی سنن میں روایت کی۔ حضرت ملا علی قاری نے مرقاة شرح مشکوٰۃ میں اس پر تائیدی کلمات مقرر فرمائے۔

مطلب یہ ہوا کہ سند کے تمام راوی اکابر ائمہ محدثین مثلاً علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا تشریح معروف ہے، ابن حجر رحمہ اللہ کا حفظ و ضبط اور تحقیق میں پایہ معلوم، حاکم، بیہقی، طبرانی، ابن عبد البر، شوکانی، یہاں تک کہ ابن تیمیہ کے نزدیک معروف ہیں۔

پھر یہ حدیث امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ابن ماجہ نے سنن میں اور تصریح کی کہ یہ صحیح ہے۔ نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں، ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں بیہقی نے دلائل النبوة میں، منذری نے الترمذی میں، بیہقی نے مجمع الرواۃ میں، طبرانی نے معجم کبیر میں، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور دیگر محدثین نے روایت کی۔

اس حدیث کے صحیح ہونے کی پندرہ حفاظ حدیث نے تصریح کی اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے، تو اس کے بعد حدیث کے صحیح ہونے میں کسی طعن کرنے والے یا ملکتہ چین کے لیے گنجائش نہیں رہ جاتی۔

علاوہ ازیں علم و عقل اور محبت کی رو سے کسی زندہ یا میت سے توسل کرنا جائز نہیں اس تمام تحقیق کے باوجود اس معاملے میں گنجائش ہے جو چاہے نہ کرے، مگر فتنہ برپا کرنے اور دوسروں کو گناہگار قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

صحابہ کرام کا حضرت عباس سے توسل

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے بارش کی دعا مانگتے وقت آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کیا، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کے وصال کے بعد توسل جائز نہیں ہے، کیونکہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ جب صحابہ کرام کی ایک جماعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کے پیش نظر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کر رہی تھی اور اس کا بھی یہی مطلب تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت

کی روایت کے مطابق ضعیف قرار دیتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث کی سندیں ایک راوی غیر معروف ہے، حالانکہ علماء حدیث کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ ایک راوی ایک محدث کے نزدیک مجہول ہو اور دوسرے کے نزدیک معلوم، تو جس کے نزدیک معلوم ہے، اس کا قول راجح ہوگا، تمام اہل علم اور خصوصاً محدثین کے نزدیک مثبت مقدم ہے نفی کرنے والے پر۔ امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے اور صرف ابو جعفر کی روایت سے معلوم ہے۔ امام ترمذی نے یہ بھی فرمایا یہ راوی، خطمی (خام) کے فخر کے ساتھ (کے ماسوا ہیں)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو جعفر کے امام ترمذی کے نزدیک مجہول ہونے کے باوجود، اس حدیث کے راوی ان کے نزدیک حسن اور صحیح کے راویوں کے درجہ میں مقبول ہیں۔

امام ترمذی سے پہلے محدثین نے تحقیق کی ہے کہ یہ ابو جعفر جو امام ترمذی کے نزدیک مجہول ہیں، وہ خطمی ہی ہیں ابن ابی خيثمہ نے فرمایا: یہ ابو جعفر جن سے حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں، ان کا نام عمیر بن یزید ہے اور یہ وہی ابو جعفر ہیں، جن سے شعب روایت کرتے ہیں پھر انہوں نے حدیث روایت کی بروایت عثمان بن ابی جعفر۔

شیخ ابن قیس، امام ترمذی کی روایت کو وہ حدیث بیان کر کے کہتے ہیں کہ دیگر علماء کہتے ہیں کہ یہ ابو جعفر خطمی ہی ہیں اور یہی صحیح ہے۔

بم کہتے ہیں حافظ ابن حجر، تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ یہ ابو جعفر خطمی ہی ہیں اور وہ صادق ہیں اور چھٹے درجے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابن عبد البر الاستیعاب میں فرماتے ہیں کہ خطمی ہی ہیں۔ پھر امام بیہقی نے بروایت حاکم یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے اور اس کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے۔ حاکم نے یہ حدیث ایسی سند سے روایت کی جو شیخین کی شرط پر پوری اترتی ہے، حافظ ذہبی نے اسے برقرار رکھا اور شوکانی نے اسے بطور دلیل پیش کیا اور ان دونوں کی شدت سے ہر صاحب علم باخبر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، وضو خانے میں جا کر وضو کر، پھر دو رکعت نماز پڑھ، اس کے بعد یہ دُعا مانگ (جو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو بتائی تھی) ابن حنیف فرماتے ہیں بخدا! ہم بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے کہ وہ شخص ہمارے پاس آئے اور بالکل تندرست، گویا انہیں کوئی تکلیف ہی نہیں تھی۔

یہ صحابی کی نص صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں سے ان کے وصال کے بعد بھی توسل جائز ہے۔ امام بیہقی، منفردی اور بیہقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

حدیث ضریر کی صحت کی تحقیق

امام طبرانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ عثمان بن عمر شعبہ سے اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں غور کیجئے کہ امام طبرانی نے اپنے علم کے مطابق، عثمان بن عمر کے منفرد ہونے کا ذکر کیا ہے، انہیں حضرت شعبہ سے روح بن عبادہ کی روایت نہیں پہنچی حالانکہ وہ بھی سند صحیح ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عثمان بن عمر اس کی روایت میں منفرد نہیں ہیں۔ ہم (شیخ رفاعی) کہتے ہیں اگر تسلیم کر لیا جائے کہ عثمان بن عمر شعبہ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اسی طرح ابو جعفر حضرت عمارہ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ تو کیا ہوا؟ یہ دونوں بالفاق محدثین ثقہ اور مستند ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ امام ترمذی کا اس حدیث کو غریب قرار دینا درست نہیں ہے، اگرچہ بہت سی حدیثیں صحیح ہونے کے باوجود غریب ہیں، مثلاً یہ حدیث: **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ**۔

اس تفصیل سے علمی طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث شیخین (امام بخاری و مسلم) کی شرط پر صحیح ہے اس کے باوجود بعض لوگ جن کے سینے مخصوص اعراض کی آماجگاہ ہیں، نابینا صحابی کی حدیث کو امام ترمذی

کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ اتفاق کی بات کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی طرف توجہ دینے اور اس کا مقصد پورا کرنے کا موقع نہیں ملا، وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور شکایت کی (یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وصال کے بعد کا واقعہ ہے ۱۲۰ رفاہی)۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو صحابی ہیں، محدث اور اللہ تعالیٰ کے دین کے عالم ہیں، نے فرمایا، تم وضو کرنے کی جگہ جا کر وضو کرو، پھر مسجد میں جا کر دو رکعتیں ادا کرو۔ اس کے بعد یہ دعا مانگو، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی، نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں، یا رسول اللہ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت پوری فرمائے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس جگہ اپنی حاجت بیان کرنا، پھر حضرت عثمان غنی کے پاس جانا، میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ اس شخص نے تمام ہدایات پر عمل کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر حاضر ہو گیا، اسنے میں دربان نے اگر اس کا ہاتھ کھڑا اور حضرت عثمان غنی کے پاس لے گیا، آپ نے اسے اپنے ساتھ گدے پر بٹھایا اور فرمایا تمہارا کیا کام ہے؟ اس کے بیان کرنے پر آپ نے وہ کام کر دیا اور فرمایا، مجھے اس وقت تک تمہارا کام یاد ہی نہیں آیا تھا، آئندہ جو حاجت ہو، وہ بیان کر دیا کرو۔ وہ شخص باہر نکلا، تو حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہو گئی، اُس نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جو ملے خیر عطا فرمائے، آپ کی سفارش سے پہلے تو امیر المؤمنین میری طرف توجہ ہی نہیں فرماتے تھے اور میری حاجت میں غور ہی نہیں فرماتے تھے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اب خدا! میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ اصل بات یہ ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ ایک نابینا صحابی نے حاضر ہو کر بیٹائی کے زائل ہو جانے کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا، کیا تو صبر کرے گا؟ اس نے عرض کی کہ میرا ہاتھ پکڑ کر لے جانے والا کوئی نہیں اور میں بہت دشواری میں مبتلا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ میری حاجت کے بارے میں شفاعت فرمائیے کہ وہ پوری کی جائے۔ اے اللہ! آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔۔۔۔۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہیں کوئی حاجت درپیش ہو تو ایسا ہی کرنا، حدیث کی روایات میں الفاظ کا معمولی اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن وہ زیادہ اہم نہیں ہے۔ فقہار نے اس حدیث سے صلوٰۃ الحائزۃ کا مستحب ہونا ثابت کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی حاجت ہو تو وہ یہ نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا مانگے، اس کے علاوہ جو دعا ذہن میں آئے اور اس کی ضرورت محسوس ہو، مانگے خواہ وہ روایات میں وارد ہو یا نہ۔

زندہ شخصیت سے توسل کا صحیح ہونا اس حدیث سے صراحتاً ثابت ہے، البتہ اس کے معنی و مفہوم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس سستی کا وصال ہو جائے، اس کا وسیلہ پکڑنا بھی جائز ہے، کیونکہ زندہ یا میت سے توسل کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے جسم یا اس کی زندگی اور موت سے وسیلہ پکڑا جا رہا ہے، بلکہ وسیلہ اس وصفِ جمیل کی بنا پر پکڑا جاتا ہے جو زندگی اور موت دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے اور جس کی بنا پر وہ شخصیت زندگی اور موت دونوں صورتوں میں عزت و کرامت کی مستحق ہے۔ اس کے علاوہ کیا محتجاً غائبانہ ندا کی گئی ہے جس میں زندگی اور وصال برابر ہیں۔ دراصل توسل اس وصفِ جمیل سے متعلق ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محترم ہے اور روح کو لازم ہے اور اسی وصف کی بنا پر کسی سستی کی زندگی میں یا وصال کے بعد کیساں طور پر توسل کیا جاسکتا ہے۔

توسل بعد از وصال

امام طبرانی، معجم صغیر میں حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے راوی ہیں۔ وہ اپنے چچا حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ایک شخص کسی مقصد

ضرورت نہیں ہے۔

البتہ کسی مقبول بارگاہ ہستی کے وصال کے بعد اس کی ذات سے توسل میں اختلاف ہے۔ جمہور مسلمانوں، یعنی اہل سنت کے نزدیک جائز ہے، ان کے پاس اس نظریے پر متعدد نقلی دلائل ہیں جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔ ہم اس جگہ ان میں سے نابینا صحابی کی حدیث پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ اس مسئلے میں اس کی بنیادی حیثیت ہے اور دہری زیادہ تر موضوع گفتگو ہوتی ہے۔

توسل اور حاجت وائی میں نابینا صحابی کی حدیث

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! میری بینائی زائل ہو گئی ہے، میرے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا فرمائیے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جا کر وضو کر اور دو رکعتیں پڑھ، پھر یوں دعا مانگ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتُوْجِبُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ
الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلٰی دِیْنِیْ فِیْ سَدِّ
بَصَرِیْ۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی اکرم، نبی رحمت، محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں، اے اللہ کے حبیب! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری بینائی کی واپسی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش فرمائیں۔

لے ہمارے پاس ترمذی شریف کے موجودہ نسخوں میں یا محمد کے الفاظ نہیں ہیں، البتہ امام ہاکم اور دیگر محدثین کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو المستدرک (دار الفکر، بیروت)، ج ۱، ص ۵۱۹۔ ۱۲۰ شرقی قادی

ساتویں فصل

مسئلہ توسل

میں چاہتا ہوں کہ آئندہ سطور میں، مسئلہ توسل میں، مضبوط دلائل شرعیہ پیش کی جائیں، اہل سنت و جماعت کا عقیدہ بیان کروں، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ بحث شیخ محمد زکی ابراہیم کی کتاب قضاء الوسیکہ سے نقل کرتا ہوں:

اقسام توسل

چونکہ نفس توسل بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے، اس لیے اس کی قسموں کے بارے میں گفتگو ان اختلافی مسائل سے تعلق رکھتی ہے جن میں ایمان اور کفر یا توحید اور شرک کا فرق نہیں ہو سکتا، ہاں جائز یا ناجائز، اسی طرح حلال یا حرام ہونے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ توسل کی تین قسموں پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور ان میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے کی ظاہری حیات میں توسل، جیسے کہ ایک نابینا صہابی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا، اس کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔

۲۔ زندہ آدمی کے عمل صالح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل، جیسے کہ حدیث غار میں ہے کہ تین شخص ایک غار میں داخل ہوئے اور ایک بھاری پتھر نے اس غار کا راستہ بند کر دیا۔ یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی ذات اقدس اور اسماء و صفات سے توسل۔ چونکہ یہ تینوں قسمیں بالاتفاق جائز ہیں، لہذا ان کے جواز پر دلائل پیش کرنے کی

نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے المستدرک میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میری اور ہریت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور اسے ڈاڑھوں سے پکڑ کر رکھو۔ یہ حدیث امام احمد، اصحاب سنن (امام ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کی۔

کیا سابقہ تفصیل کے بعد بھی ہمارے لیے جائز ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ خواہ وہ مسجد شریف میں ہوں، محراب و منبر میں ہوں، روضۂ مبارکہ کی جالیوں میں ہوں یا مسجد سے باہر، سے جو شخص برکت حاصل کرنا چاہے، ہم اسے مشرک قرار دیں، اس پر ڈنڈے برسائیں اور اس کی طرف غیظ و غضب اور گھورتی ہوئی نگاہوں سے دیکھیں؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان یاد رکھیے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صحیح بات کہو۔ (الاحزاب ۴۳، ۷۰)

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد پہلے سلفی حضرت صدیق اکبر اور دوسرے سلفی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل تبرک

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں تو کیا وصال کے بعد بھی آپ کی ذات اقدس اور آثار شریفہ سے برکت حاصل کرنے کے، جائز اور مستحب ہونے پر روشن ترین دلیل، خلیفہ اہل بیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے وصال کے وقت وصیت کی کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بلکہ آپ کے قدموں کے پاس دفن کیا جائے۔ اسی طرح خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باصرار یہی وصیت فرمائی صحیح بخاری میں ہے کہ انہوں نے زخمی ہونے کے بعد اہل المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوسرے اجازت مانگی کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب دفن کیا جائے۔ ایک دفعہ اپنے بیٹے عبد اللہ کو بھیجا کہ ام المؤمنین سے عرض کرو کہ امیر المؤمنین عمر آپ سے اجازت چاہتے ہیں؟ پھر فرمایا: جب میں فوت ہو جاؤں تو میرا جنازہ اہل المؤمنین کے حجرہ النور کے پاس لے جانا اور مجھے دروازے کے پاس ٹھہرا کر عرض کرنا کہ عمر اجازت طلب کرتے ہیں، کیونکہ اس وقت میں امیر المؤمنین نہیں ہوں گا، اگر وہ اجازت دے دیں تو بہا، ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی ذات اقدس سے توسل اور تبرک کا انکار کرنے والے ہمیں بتائیں گے کہ اسلام کے ان دو عظیم رہنماؤں اور پیغمبر رشد ہدایت خلیفوں کے اصرار کا کیا راز تھا؟ جن کے بارے میں نبی صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی وہ ذات اقدس کہ لَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ جن کی شان ہے، وہ فرماتے ہیں: ان دونوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہیں، یعنی ابوبکر و عمر، یہ حدیث امام احمد و ترمذی، ابن ماجہ، بخاری

اسے زیب تن فرمایا کرتے تھے، ہم اسے بیماروں کے لیے دھوتے ہیں اور بیمار اس کی برکت سے شفا پاتے ہیں۔

طبقات ابن سعد میں ابن قسیط اور عقیق سے مروی ہے کہ جب مسجد خالی ہوتی تو صحابہ کرام روضہ مبارک کی جانب واقع، منبر شریف کا لٹو، اپنے دائیں ہاتھ سے پچھڑتے، یعنی تبرک اور توسل کے لیے، پچھڑ قبلہ رخ ہو کر دعا مانگتے۔

اسی طرح ابن سعد، عبدالرحمن بن عبدالقادر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر شریف پر بیٹھنے کی حکم پر اپنا ہاتھ رکھا ہوا تھا پھر اپنے چہرے پر رکھ لیا (یعنی برکت حاصل کرنے کے لیے)، جیسے کہ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ منبر شریف کے لٹو پر ہاتھ رکھتے، جہاں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاتھ رکھا کرتے تھے، پھر اپنے چہرے پر پھیر لیتے۔

اسی طرح ثابت ہے کہ جس دن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے صحابہ کرام کے سامنے روتے ہوئے حجرہ نبویہ کی دہلیز پر اپنے رخسار ملے اور کہیں یہ ثابت نہیں کہ کسی صحابی نے ان کے اس فعل پر انکار کیا ہو۔ اسی طرح حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے روضہ اقدس کی خاک پاک سے برکت حاصل کی، ان پر بھی کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔

اس کی بنیاد یہ ہے کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بالوں و منہ کے پانی پس خوردہ، لباس اور چادر کو بطور تبرک حاصل کیا اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

آثارِ صالحین سے تبرک

اولیاءِ کرام کے آثار سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔ حافظ عراقی فتح المتعال میں اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ کو بطور تبرک بوسہ دینے کو جائز قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب شیخ ابن تیمیہ نے یہ روایت دیکھی تو تعجب کیا۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں اس میں تعجب کی کیا بات ہے؛ بلکہ ہمیں تو یہاں تک روایت پہنچی ہے کہ امام احمد بن حنبل نے وہ پانی بطور تبرک پیا جس میں امام شافعی کی قمیص دھوئی گئی۔ خود ابن تیمیہ راوی ہیں کہ امام احمد نے امام شافعی کے تبرکات سے برکت حاصل کی۔ امام محدث حافظ ضیاء مقدسی، الحکایات المنشورہ میں فرماتے ہیں کہ حافظ عبدالغنی مقدسی حنبلی کے پھوڑا نکل آیا۔ جب علاج معالجہ سے مایوس ہو گئے تو برکت کے حصول کے لیے امام احمد بن حنبل کی قبر سے ملا، تو وہ پھوڑا درست ہو گیا۔

خطیب بغدادی کی تاریخ میں ہے کہ امام شافعی عراق میں قیام کے دوران امام ابوحنیفہ کے مزار کی زیارت سے برکت حاصل کیا کرتے تھے جیسے کہ امام شافعی سے ثابت ہے کہ وہ امام احمد کی قمیص کے دھوون سے برکت حاصل کیا کرتے تھے، وہ پانی لے کر اپنے چہرے اور دیگر اعضاء پر ملا کرتے تھے، جیسے کہ اصحاب الطبقات وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔

سیرت کی صحیح کتابوں میں ہے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند بال مبارک تھے، وہ ان سے برکت حاصل کیا کرتے تھے اور ان بالوں کو سانپ لے کر جس جگہ میں بھی جتہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح و نصرت سے نوازا، جیسے کہ امام بیہقی، ابویعلیٰ اور دیگر محدثین نے بیان کیا۔

صحیح مسلم بسنن ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے طیالسی جتہ نکالا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تبرک، اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی قدرت پر ایمان کو پختہ کرنا ہے اور اعمالِ صالحہ کے آثار کے باقی اور جاری رہنے پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل، ستر ذرائع کے لیے محض اجتہاد پر مبنی تھا۔ شریعتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حکم نہ تھا۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل سے تواستدلال کرتے ہیں، مگر سببِ تراویح کے مسئلے میں اُن کی مخالفت کرتے ہیں اور اُس طرح ٹھٹھکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے پیشِ نظر دین کی پیروی نہیں، بلکہ ان کے سروں پر عمامۃ المسلمین کی مخالفت کا بھڑت سوار ہے۔

مقاماتِ مقدسہ کا قصد کرنا

بابرکت مقامات اور آثار کا قصد کرنا جہاں دُعا اور توسل کے مقبول ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے، مثلاً مساجد اور مزارات، شریعت کا حکم منصوص ہے۔ حدیث کی کتابوں کے ابواب الدُعا سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات اور زمانوں کی تقدیس و طہارت اور گناہوں کی میل کچل سے پاک صاف ہونے کے سبب وہاں دُعا کے مقبول ہونے کی زیادہ اُمید ہوتی ہے۔ کتب حدیث و سیرت سے پتا چلتا ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شبِ معراج، بیت المقدس جاتے ہوئے بَرّاق سے اُتر کر متعدد مقامات پر نماز ادا کی، مثلاً طورِ سینا اور مولدِ عیسیٰ علیہ السلام پھر حج کے دوران دُعا اور عبادت کے لیے معین مقامات کا اختیار کرنا، اس دُعا کے بڑی دلیل ہے۔ اس حدیث سے بھی تائید ملتی ہے جس میں تین مسجدوں کی طرف شہرِ رجال (ساز و سامان کے ساتھ سفر کی تیاری) کا ذکر ہے، ثابت ہوا کہ بابرکت مقامات اور آثار کی زیارت اور دُعا کے لیے قصد کرنا مستحب ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مسجدِ قبا، فلاں جگہ بھی ہوتی تو ہم وہاں بھی جاتے۔

چھٹی فصل

تبرک، شرک اور بدعت نہیں ہے

وہ درخت جس کے نیچے بیعت رضوان ہوتی

شیخ سید محمد علوی مالکی نے فرمایا، جس درخت کے نیچے بیعت ہوتی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لیے کٹوا دیا تھا کہ صحابہ کرام میں اس کی تعین کے بارے میں اختلاف واقع ہو گیا تھا، لہذا ممکن تھا کہ بیعت رضوان کسی ایسے درخت کی طرف منسوب کر دی جاتی جس کے نیچے بیعت نہیں ہوتی تھی۔ شیخ ابن مینع نے اپنی کتاب کے ص ۲۳ پر سید محمد علوی کی اس رائے پر بھی اعتراض کیا ہے۔

وہ درخت کیوں کاٹا گیا؟

یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس درخت کو اس لیے کٹوا دیا تھا کہ شرک جو اس سے پہلے لوگوں کے دلوں میں جاگزیں یا ان کے قریب چکا تھا، راہ نہ پاسکے، برکت کے حصول سے منع کرنے کے لیے ہرگز نہ تھا۔ شرک اور تبرک نے قابل غور یہ امر ہے کہ چنانچہ مقام ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں، اسے معنی بنانے کا مشورہ دینے والے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان سے یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ جس درخت کے نیچے بیعت کرنے پر آیت رضوان نازل ہوئی، اسے شرک کے خطرے کے پیش نظر کٹوا دیں۔ دراصل وہ درخت متعین طور پر معلوم ہی نہ رہا تھا جیسا کہ بخاری شریف کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ لوگ غلط فہمی میں پڑ جائے ہو سکتا ہے کہ اس غلط فہمی کے دور کرنے کے لیے کٹوا دیا ہو۔ ۱۲ مشرف قادری

بامرئحال دو۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا: میرا اس پر ایمان ہے۔ بغیر کسی تشبیہ کے اور میں بلا تشبیل تصدیق کرتا ہوں اور میرا علم قاصر ہے اور میں اس میں غور کرنے سے مکمل اجتناب کرتا ہوں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص کہے کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے یا زمین میں، وہ کافر ہے، کیونکہ اس قول سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کا وہم بھی وہ مشتبہ (تشبیہ کا قائل) ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استوار کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا، اللہ تعالیٰ اصفیٰ استوار کے سامنے موصوف ہے جیسے اُس نے خبر دی، انسانی تصور کے مطابق نہیں۔ امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، جو شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شے میں ہے یا کسی شے سے ہے یا کسی شے پر ہے، اس نے شرک کیا کیونکہ اگر وہ کسی شے پر ہو تو وہ اس پر ہوا ہوگا، اگر کسی شے میں ہو تو اس میں محدود ہوگا اور اگر کسی شے سے ہو تو حادث ہوگا اور اللہ تعالیٰ جل مجدہ ان تمام امور سے پاک ہے)

عبارت کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص میں واضح فرمادیا کہ وہ احد ہے (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) یعنی وہ یکتا ہے، نہ تو اس سے پہلے کوئی تھا، نہ اس کے ساتھ کوئی ہے اور نہ ہی اس کے بعد کوئی ہوگا اور نہ ہی اس جیسا کوئی ہے۔ وَكَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

صاحبِ ورد (شیخ عبدالسلام) اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں کہ انہیں احدیت یعنی توحید کے جلال و جمال اور کمال کی صحیح معرفت کے ساتھ موصوف فرما اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ انہیں ذاتِ مقدسہ کی احدیت اور وحدانیت کے مشاہدے میں غلو متفرق نہ لٹ خیالات اور بیہودہ گوئی سے محفوظ و مامون فرما۔ مثلاً ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کی قدرت اور اتحاد کا قول کرنا وغیرہ ذلک۔ جس سے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے، مگر ابھی کی وادی میں جاگرے اور بیہودہ گوئی پر اتر آئے۔ حضرت شیخ سید احمد رفاعی اپنی مشہور کتاب البرہان التوہیدیہ فرماتے ہیں کہ توحید کہتے ہیں ول میں ایسی تعظیم محسوس کرنا جو تعطیل اور تشبیہ و توفیل سے منع کرے۔ صاحبِ ورد (شیخ عبدالسلام) توحید کے صراطِ مستقیم سے بھٹکنے والوں اور بیہودہ گوئی کرنے والوں کے کچھ ٹریں سرگرداں ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کیونکہ البرہان التوہیدیہ میں امام رفاعی کے قول کے مطابق وہاں نہ اتصال ہے نہ انفصال، نہ حلول ہے نہ انتقال، نہ حرکت ہے نہ زوال، وہاں نہ ممانرت اور نہ محاذات اور نہ مقابلہ، مماثلت، مجانست اور شکات بھی نہیں ہے، وہ نہ جسم ہے، نہ تصور میں آئے اور نہ منفعل ہو، وہ حدوث اور تغیر سے پاک ہے۔ امام رفاعی کتاب مذکور میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی الْوَرَثِیْنَ اَسْتَوٰی (ظ ۲۰-۲۱) کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا، استوار معلوم ہے اور کیفیت نامعلوم، اس پر ایمان لانا واجب اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ میری رائے میں تو بدعتی ہے پھر فرمایا کہ اسے

یا رسول اللہ آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ فرمایا: جس وقت کہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے۔ یہ حدیث امام ابو نعیم بیہقی اور حاکم نے روایت کی اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام بزار، طبرانی اور ابوالعزم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث روایت کی۔

حضرت میسرۃ الفجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ کب سے نبی ہیں؟ فرمایا: میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔ یہ حدیث امام احمد، امام بخاری نے تاریخ میں، امام طبرانی اور حاکم نے روایت کی، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ حافظ ہبشی نے فرمایا کہ امام احمد اور طبرانی کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

وحدت اور توحید

اس سے پہلے ہم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بعد والے حضرات سے درود شریف کے مروی کلمات، نقل کر چکے ہیں۔ ان کی اولاد امجاد میں سے شیخ الاسلام عبدالسلام بن کشیش دیر لفظ بشارت سے مشتق ہے جس کا معنی ہے مسکراتا و اچیرہ، ابن منصور بن ابراہیم الحسنی الدیرسی جو اولاد سیدنا دریس ابن عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں، انہوں نے درود شریف کے لئے چند نئے کلمات ترتیب دیئے ہیں، ان میں یہ کلمات بھی ہیں:

اَللّٰهُمَّ اقْذِفْ بِيْ عَلٰى الْبَاطِلِ فَاَوْمَعْهُ وَمُخِّجْ بِيْ فِيْ
بِحَاثِ الْاَحْذِيَّةِ وَانْشُلْنِيْ مِنْ اَوْحَالِ التَّوْحِيْدِ
اے اللہ! مجھے باطل پر پھینک کر اسے پارہ پارہ کر دے، مجھے احدیت
کے دریاؤں میں غوطہ زن فرما اور مجھے توحید کے کچھڑوں (یعنی توحید سے متعلق

الجامع میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت خلیل الرحمن علیہ السلام کے قدم بقدم چلنے والوں سے زمین کبھی خالی نہیں ہوگی، ان کی بدولت تمہیں بارش دی جائے گی اور انہی کے طفیل تمہیں فتح و نصرت عطا کی جائے گی، جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر فرما دیتا ہے۔ یہ حدیث امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کی، اس کی سند حسن ہے جیسے کہ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۲ میں ہے۔

کیا شیخ ابن مینع کفر و شرک کا فتویٰ صادر کرنے سے پہلے ان روایات سے باخبر نہیں؟ اسی طرح یہ معلوم اور ثابت ہے کہ سید اعظم علی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح اور تمام انسانی روحوں سے پہلے پیدا کی گئی جیسے کہ آپ نے ارشاد فرمایا، مجھے تمام انسانی روحوں سے پہلے پیدا کیا گیا اور ان سے آخر میں بھیجا گیا۔ یہ حدیث ابن سعد نے سند صحیح سے مسند روایت کی۔ ابو نعیم ابن ابی سالم نے اپنی تفسیر میں ابن لال اور دہلی ان تمام حضرات نے سید بن بشر سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے حضرت حسن بصری سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کی: میں تخلیق میں تمام انبیاء سے پہلے اور بعثت میں ان سب سے آخر ہوں۔ (ترجمہ)

یہ روایت ابن سعد کی روایت کی تفسیر کر رہی ہے کہ انسانوں سے مراد انبیاء کرام ہیں۔ ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم ارواح میں تمام انبیاء سے پہلے اور عالم اجسام میں سب کے خاتم ہیں، عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء سے پہلے آپ کو نبوت عطا فرمائی، عالم ارواح میں آپ ہی سے باب نبوت کھولا گیا اور آپ ہی پر عالم اجسام میں نبوت ختم کی گئی، پس آپ فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی۔

امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا

يَا مَنْ تَخَيَّرَ الْإِلَٰهَ لِحَقِّهِ
فَحَبَّاهُ بِالْخُلُقِ الْتَرَكِّي الطَّاهِرِ

ان اشعار کا مخلص ترجمہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی متعدد احادیث معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دُعائے مغفرت کرنے والوں اور مسجدوں کے آباد کرنے والوں کے طفیل زمین والوں سے عذاب دفع فرمادیتا ہے، انہیں رزق دیتا ہے، فتح و نصرت عطا فرماتا ہے اور ان سے بلا اور عذق کی مصیبتیں دور فرمادیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کی بدولت اللہ تعالیٰ مخلوقات کو رزق عطا فرماتا ہے، زمین کی حفاظت فرماتا ہے، لوگوں کو بارش عطا کی جاتی ہے اور وہ ایسی جائے امن ہیں کہ لوگ اپنی حاجتوں میں ان کی پناہ لیتے ہیں اور ان سے لطف و کرم کی درخواست کرتے ہیں، کیونکہ وہ پیکرِ لطف و کرم ہیں۔ یہ سب اس مکمل یقین کے ساتھ کہ رزق، نصرت، بارش، مصائب کا دفع کرنا اور ازالہ اور نفع و ضرر اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

امام بیہقی، شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں چاہتا ہوں کہ زمین والوں کو عذاب دوں، لیکن مسجدوں کے آباد کرنے والوں، میری رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے والوں اور سحری کے اوقات میں مغفرت کی دعا کرنے والوں کو دیکھتے ہوئے ان سے عذاب پھیر دیتا ہوں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص مردن ستائیس مرتبہ، ایماندار مردوں اور عورتوں کی مغفرت کی دعا کرے، وہ ان لوگوں میں سے ہوگا، جن کی دعا قبول کی جاتی ہے اور جن کی بدولت زمین والوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث امام طبرانی نے روایت کی اور حسن ہے جیسے کہ

طرف، مجازاً ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے جس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ عوام الناس بلکہ جانوروں کے نزدیک بھی یہ طریقہ جاری ہے، باوجودیکہ وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں اور اس پر کامل یقین رکھتے ہیں، کیونکہ ہم میں سے کوئی شخص جب کہتا ہے کہ فلاں نے میرا علم دور کر دیا۔ فلاں نے میری لغزش معاف کر دی، فلاں نے میری شہرت مٹا کر دی اور میری حاجت پوری کر دی، تو ان میں سے بڑے سے بڑے جاہل کے دل میں ادنیٰ درجے کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ فلاں شخص قائل مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ قائل نہیں ہے۔ جب ہم اپنی عام گفتگو اور باہمی معاملات میں اس قسم کے کلمات کا استعمال جائز قرار دیتے ہیں، تو یہ طریقہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اولیاء کرام کے بارے میں کیوں جائز نہیں؟ صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استغاثہ اور استغاثہ کرتے تھے، آپ سے شفاعت کی درخواست کرتے تھے، آپ کی بارگاہ میں فقر، مرض، بھیت، قرض اور بے بسی وغیرہ حالات کی شکایت پیش کرتے تھے اور دیگر مصائب میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ سے درخواست کرتے تھے۔

ایک نابینا صحابی، بینائی کے واپس مل جانے کی درخواست کرتے ہیں۔
حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ درخواست کرتے ہیں کہ ان کی آنکھ درست ہو جائے۔
یہ صحابہ کرام ہیں جو بارش طلب کرتے ہیں

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مشہور قصیدہ میں عرض کرتے ہیں:
یا رسول اللہ! مخلوقات میں سب جن پر اکتفا کیا جاتا ہے، آپ ان کے رکنِ عظم ہیں، پناہ لینے والوں کی جاتے پناہ، امان چاہنے والوں کے مآمن، قصداً حاضر ہونے والوں کے مجامد ماوی ہیں آپ کی ذات اقدس وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے لیے منتخب فرمایا اور طیب و طاہر اخلاق عطا فرمائے، وہ عرض کرتے ہیں سہ

يَا مَنْ كُنْ مُعْتَمِدٍ وَعِصْمَةٌ لَّابِدٍ
وَمَلَاذٍ مُنْتَجِعٍ وَجَارٌ مُجَاوِسٍ

علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے بچانا چاہتا ہوں اور تم مجھ پر غالب آ کر آگ میں گرنا چاہتے ہو (بخاری شریف)

باعث حل مشکلات

اَللّٰهُمَّ صَلِّ صَلَاةً كَامِلَةً وَسَلِّمْ سَلَامًا تَامًا عَلٰى سَيِّدِنَا
مُحَمَّدٍ الَّذِیْ تَخَلَّلُ بِرِ الْوَعْدِ وَتَنْفِرُ جُ بِه الْكَرْبِ وَتُقْضٰی بِه الْخَوَاجِ
وَتُسَالِ بِه الرَّغَائِبُ وَتُحْسِنُ الْخَوَاتِمَ وَتُسْتَسْقٰی النِّعَمُ بِرِجْهِ
اَلْكَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ فِی كُلِّ لَسَحَةٍ وَنَفْسٍ اَعَدَّ كُلَّ
مَعْلُوْمٍ لَّكَ -

اے اللہ! کامل رحمت اور مکمل سلامتی، ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل فرما، جن کے طفیل گریں کھل جائیں، غم و دور ہو جائیں، حاجتیں برآئیں، نعمتیں پوری ہوں، حسن خاتمہ میسر ہو اور جن کے دل نواز چہرے کے وسیلے سے بارانِ رحمت کی دعائیں مانگی جائیں، اور ان کی آل اور اصحاب کرام پر، برآں اور ہر لمحے، تیرے معلومات کی تعداد میں۔

درود شریف کے یہ کلمات پہلے بزرگوں اور موجودہ زمانے کے لوگوں میں مشہور و معروف ہیں اور بہت سے مطالب و مقاصد کے حصول کے لئے مجرب ہیں، بعض لوگوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدولت گریں کھل سکتی ہیں اور غم کیسے دور ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ غم و آلام اللہ تعالیٰ کی عنایت سے دور ہو سکتے ہیں، وہی غم و آلام دور کرنے والا ہے اور وہی حاجتوں کا بر لائے والا ہے۔

لیکن یہ کوئی لائیل اعتراف نہیں ہے، معمولی علم رکھنے والا اس کا جواب دے سکتا ہے اور وہ یہ کہ حاجتوں کا بر لانا اور غموں کا دور کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور وہی درحقیقت فاعل ہے اس میں کسی کافر یا جاہل ہی کو شک ہو سکتا ہے۔ ان افعال کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

ہو اور کوئی بھی عمل اسی وقت ہی صحیح ہوگا، جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے، ہر وہ عمل جو ہمارے طریقے کے خلاف ہو وہ مردود ہے (مسلم شریف)

جب تمام اعمال کی صحت کا معیار یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے سے ماخوذ اور آپ کے نزدیک پسندیدہ ہوں، کیا کسی چیز کی قدر و قیمت اس سے بڑھ کر ہو سکتی ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا اور اس کی سب چیزیں ملعون ہیں، ماسوا اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس سے تعلق رکھنے والی اشیاء، اور عالم و متعلق کے۔ یہ حدیث امام ترمذی، ابن ماجہ اور امام بیہقی نے روایت کی اور امام ترمذی نے فرمایا، یہ حدیث حسن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر اسی وقت صحیح ہوگا، جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے سے ماخوذ ہو، لہذا اللہ تعالیٰ کا ذکر آپ سے متعلق ہوا، اور علم اسی وقت صحیح ہوگا، جب آپ کے ذریعے سے ماخوذ ہو، تو علم بھی آپ سے متعلق ہوا، اسی طرح ہر شے آپ سے متعلق ہوتی۔ اس درود شریف میں یہ الفاظ ہیں اِذْ لَوْ لَا الْوَسِيْطَةُ لَذَهَبَ كَمَا قِيلَ السُّسُوْطُ، صاحب عقل اگر اس کے معنی میں غور کرے، تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ الفاظ حقائق توحید میں سے اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں جس میں کسی مسلمان نے اختلاف نہیں کیا اور وہ حقیقت شریعت کی ایسی بنیاد ہے جس کے لیے کتنا ہیں اتاری گئیں۔ اور رسولانِ گرامی بھیجے گئے۔

رسولانِ گرامی واسطہ ہیں اور محتاج واسطہ، اُمّیتیں ہیں، اگر رسولانِ عظام نہ ہوتے، تو ہم ہلاک ہو جاتے، گمراہ ہو جاتے اور ضلالت کے گڑھوں میں گر جاتے، کَذَهَبَ الْوَسِيْطَةُ کا یہی مطلب ہے کہ واسطہ کے محتاج ہلاک ہو جاتے اور یہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب ہے: وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا (آل عمران ۱۰۳) اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، تو تمہیں اس سے بچالیا۔ اور یہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

تاج العارفین، سیدنا و استاذنا مولانا محمد بن ابی الحسن البکری کے ہیں۔
 اللہ تعالیٰ ان دونوں کی رُوحوں کو نعمت و راحت سے نوازے، ان کی قبروں کو منور
 کرے، ہمیں اور تمام مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں ان کی برکتوں سے نوازے، آمین!
 (افضل الصلوات ص ۱۴۱)

شیخ ابن مینع نے اپنی کتاب حوار مع المالکی کے صفحہ ۸۱ پر شیخ بکری پر بھی حملہ کیا ہے۔
 ابن مینع، علامہ قسطلانی کے اس قول کے بارے میں کیا کہیں گے؟ کیا اسلام بدل گیا ہے؟ یا
 قسطلانی بدل گئے ہیں؟ یا ابن مینع اور ان کے رفقاء کے اسلام اور مسلمانوں پر طعن کرنے کے پرانے
 بدل گئے ہیں؟ پرانا مقولہ ہے جو شخص کہتا ہے کہ سب لوگ ہلاک ہو گئے، تو وہ خود ہلاکت میں واقع ہو گیا۔

ہر شے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ہے

معروف صلوٰۃ، صلوٰۃ مشیشیہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس
 کے بارے میں ہے کہ ہر شے آپ سے متعلق ہے، کیونکہ جو چیز محتاج واسطہ ہے، واسطہ ہوگا
 تو وہ کیسے رہے گی؟ "بعض لوگوں کی سمجھ میں یہ جملہ نہیں آ سکا جیسے کہ ابن مینع کی کتاب حوار کے
 ص ۱۷ سے ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے اس سے ایسے امور کشید کئے ہیں جو نہ تو مقصود ہیں اور
 نہ مراد، اور وہ کبھی بھی کسی مسلمان کے ذہن میں نہیں آ سکتے جو اللہ تعالیٰ لا شریک، یکتا
 بے نیاز، پر ایمان رکھتا ہے، وہ ذات جس کی نہ تو اولاد ہے اور نہ کائنات میں اس کا کوئی شریک
 ہے۔ اگر تم اس جملہ کے مطلب پر غور کرو، تو تمہیں معاملہ آسان اور سہل دکھائی دے گا اور معلوم
 ہو جائے گا کہ یہ مسئلہ، دائرہ توحید سے خارج نہیں ہے، کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اشیاء
 جن کے بغیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی نہیں ہو سکتی، وہ اس وقت تک مقبول اور معتبر نہیں،
 جب تک شارع علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے سے حاصل نہ ہوں۔
 اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کوئی بھی عمل اسی وقت مقبول ہوگا جبکہ وہ صحیح اور اخلاص پر مبنی

محبین اور جمہور امت کے مطابق آپ فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی۔ سنن ترمذی وغیرہ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! مَتَنِي وَجَبَتْ لَكَ النَّبِيُّۃُ؟ آپ کو نبوت کب ملی؟ اور ایک روایت میں ہے، مَتَنِي اسْتُنْبِطْتُ؟ آپ کب نبی بنائے گئے؟ اور ایک روایت میں ہے، مَتَنِي اكُنْتُ نَبِيًّا؟ آپ کب سے نبی ہیں؟ فرمایا:

كُنْتُ نَبِيًّا قَادِمًا مَرَبِّينَ السُّرُوحِ وَالْجَسَدِ

میں اُس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے شاید کہ ابن مینیع کو اس درود شریف کی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت کا علم ہی نہیں یا وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو صحابی کے عمل کو اپنانے کے قابل نہیں اور نہ ہی اسے حجت مانتے ہیں۔ علامہ یوسف بن اسماعیل النہبانی نے اپنی تصنیف افضل الصلوٰت ص ۱۳۴ میں یہ درود شریف جن الفاظ میں نقل کیا ہے ان کا ترجمہ یہ ہے،

”اے اللہ! رحمت، سلامتی اور برکت نازل فرما، ہمارے آقا محمد مصطفیٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو بندہ دروازوں کے کھولنے والے اور خاتم انبیاء حق کی صحیح امداد کرنے والے اور تیرے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قدر و منزلت اور مقامِ عظیم کے لائق، آپ پر اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر رحمت نازل فرمائے۔

مشائخِ پنجابیہ صوفیہ کا اس درود شریف سے خاص تعلق ہے اور یہ ان کے مشہور اور لو کی اہم جز ہے۔ علامہ نہبانی نے اسے علامہ محمد شمس الدین بکری کی طرف منسوب قرار دیا ہے جن کا نسب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے، علامہ نہبانی کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ درود شریف علامہ شہاب الدین قسطلانی کی تصنیف مسالک الخلفاء فی الصلوة علی النبی لمصطفیٰ میں دیکھا ہے اور اس سے پہلے یہ عبارت مندرج ہے،

یہ رحمانی کلمات اور حمدانی عوارف، قطب دائرۃ الوجود، بدرِ اساتذہ الشہود

پانچویں فصل

مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق چند شبہات کا ازالہ صلوۃ الفاتحہ

اس سے پہلے ہم درود شریف کے صیغوں میں وہ درود شریف نقل کر چکے ہیں جو سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں ہے: اے اللہ! اپنی اشرف حسین جنتیں روز افزوں برکتیں اور کمال لطف و کرم نازل فرما، اپنے عبد مکرم اور رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو بندہ و رازوں کے کھولنے والے، انبیاء سابقین کے خاتم، حق کا داعی و شہادت اعلان کرنے والے اور باطل کے لشکروں کو شکست فاش دینے والے ہیں۔

سید علوی مالکی نے اس درود شریف کی شرح کی اور اس کا عنوان صلوۃ الفاتحہ قرار دیا۔ شیخ ابن مینیع نے اپنی کتاب حوار مع المالکی کے صفحہ ۱۹ سپر صفحہ ۲۹ میں شیخ علوی پر حملہ کیا، اس درود پاک کا نام صلوۃ الفاتحہ المعلق دیکھو لےنے والے اور بند کرنے والے کا درود قرار دیا اور اسے ان شرکیات، کفریات، منکرات اور ضلالت میں سے شمار کیا جن کے سید علوی مرتکب ہیں۔ کیا شیخ ابن مینیع اپنی جہالت کا اظہار کر رہے ہیں یا وہ واقعی جاہل ہیں، کیا انہیں معلوم نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم ارواح میں تخلیق کے اعتبار سے تمام انبیاء کرام سے پہلے اور عالم اجسام میں مبعوث ہونے کے لحاظ سے سب سے آخر ہیں ابن مینیع کے استہزاء کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاتح مغلط ہوئے جبکہ

فقہ شافعیہ کی کتاب منہاج میں ہے افضل یہ ہے کہ لفظ سیدنا لایا جائے جیسے کہ ابن طہیرہ اور علامہ محلی نے فرمایا، منہاج کی شرح علامہ شمس الدین رملی نے لکھی، علامہ علی شہر مطی اس کے حاشیہ میں قول مذکور کے تحت فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم شریف مذکور ہوگا، وہاں سیدنا کا اضافہ کیا جائے اور یہ ادب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی ملحوظ رکھا جائے اور وصال کے بعد بھی۔

امام مالک نے خلیفہ عباسی ابو جعفر منصور سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احترام وصال کے بعد بھی اسی طرح ہے جس طرح حیات طیبہ ظاہرہ میں تھا۔ علامہ تقی الدین سبکی اپنی تصنیف تنزیل السکینۃ علی قتال المدینہ میں فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف میں آواز بلند کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ مسجد حرام میں ممانعت نہیں فرماتے تھے اور ایسا محض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب کے پیش نظر کرتے تھے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قریبی گھروں میں منع ٹھیکے کی آواز سنیں تو فرماتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت نہ دو۔

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس شخص کا احترام کرنے کا حکم دیا ہے جس کا نام آپ کے اسم مبارک کے ساتھ رکھا گیا ہو۔ حافظ سیوطی، جامع صغیر میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم بچے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت کرو، اسے محفل میں جگہ دو اور اُسے چہرے کی بد صورتی کی بددعا نہ دو، اسی طرح حاکم اور بزار نے قوی سندوں کے ساتھ دیگر روایات بیان کی ہیں۔

جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کی تعظیم کا حکم دیا ہے جس کا نام آپ کے اسم شریف سے رکھا گیا تو خود اس نام مبارک والی بستی، نبی رحمت، شیخ الخلق اور حبیب حق تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کتنی تعظیم و توقیر لازم ہوگی؟

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں درود شریف کا طریقہ بتایا اور فرمایا، کہو
 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ تو ہم پر لازم ہے کہ اس طرح کہیں
 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فقہاء شافعیہ میں سے
 امام الحرمین نے فتویٰ دیا کہ نماز کے ہر شعبہ میں درود شریف میں سیدنا کا اضافہ کیا جائے
 امام جلال الدین محلی سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے، صَلُّوْا
 کَمَا سَأَلْتُمُوْنِیْ اُحْصِیْ، تم اس طرح نماز پڑھا کر جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے
 دیکھا ہے، ہمارے لیے سیدنا کا اضافہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کیونکر جائز
 ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس جگہ دو قاعدے ہیں (۱) حکم کی تعمیل (۲) التزام ادب۔
 اور ادب کا التزام راجح ہے۔ امام عسک الدین بن عبدالسلام فقہار مالکیہ میں سے ہیں۔
 بہت سے فقہار نے یہ تصریح کی کہ جو شخص یہ کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم شریف
 کے ساتھ لفظ سیدنا نہ لایا جائے، اسے سخت سزا دی جائے جیسے کہ علمی نے نوازل میں بیان
 کیا، اسی لیے جب امام ابن عبدالسلام کے سامنے ایک طالب علم کا مقدمہ پیش ہوا جس نے کہا
 تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود شریف پیش کرتے ہوئے سیدنا کا اضافہ
 نہ کیا جائے۔ تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ اسے سزا دی جائے اور قید کیا جائے۔ وہ طالب علم درپوش
 ہو گیا، پھر کسی کی سفارش پر اسے معاف کر دیا، جیسے کہ صاحب المعیار کی کتاب اکمال الاکمال
 میں ہے۔

بدائع الفوائد میں ہے کہ جب امام مالک سے سیدنا کے اضافہ کے بارے میں پوچھا
 گیا تو انہوں نے فرمایا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے
 میں فرمایا، میرا یہ بیٹا سید دسروار ہے اور جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف
 لائے تو انصار کو فرمایا، اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 تو سید السادات ہیں اور افضل البشر ہیں۔ آپ کے لیے سیدنا کا استعمال کیوں جائز نہ ہوگا؟

خاص نازل فرما حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کی آل، اصحاب، اولاد، ذریت، اولادِ مطہرات، اصحابِ انصار، متبعین، محبتیں اور امت پر اور اُن کے ساتھ ہم سب پر اے اکرمِ رحمان حضرت طاؤس، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے: محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ قبول فرما اور ان کے مقام رفیع کو بلند فرما اور اُن کا مقصد دنیا اور آخرت میں پورا فرما، جیسے تو نے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی مراد پوری کی۔

حضرت وحید بن ورد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح دُعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ افضل ترین مراد عطا فرما جو آپ نے تجھ سے اپنے لیے مانگی اور وہ افضل ترین مراد عطا فرما جو کسی مخلوق نے اُن کے لیے تجھ سے مانگا اور وہ اعلیٰ ترین عزت و شرافت عطا فرما جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے قیامت تک تجھ سے مانگی جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجو، تو بہترین الفاظ میں درود بھیجو، تمہیں کیا معلوم؟ ہو سکتا ہے کہ وہ درود شریف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔ یہ اسماعیل قاضی کی روایت ہے، فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سیدنا کے استعمال کے مزید دلائل

کتاب المهمات میں ہے کہ امام عز بن عبدالسلام سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود شریف پیش کرتے ہوئے سیدنا کا اضافہ افضل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ طریق ادب کا اختیار کرنا مستحب ہے جیسے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ وہ مصلیٰ پر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احترام کے طور پر پیچھے ہٹ گئے اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لفظ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

بھلا تیاں عطا فرما جو کمورت سے خالی اور انہیں راضی کرنے والی ہوں، یہ سب تیرے عطا کردہ ثواب اور عظیم انعام کا کرشمہ ہو۔ اے اللہ! اُن کی منزل، سب لوگوں کی منزل سے بلند و بالا فرما، انہیں معزز ترین مقام اور مہمانی عطا فرما، اُن کے لیے ان کا نور مکمل فرما اور چونکہ تو نے انہیں مقبول شہادت والا، پسندیدہ گفتگو و معاملہ کلام، فیصلہ کن کارروائی اور عظیم زبان والا بنا کر بھیجا ہے، اس لیے انہیں اعلیٰ ترین جہز عطا فرما۔

درد و شریف کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے ارشاد باری تعالیٰ (اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ (الاحزاب ۵۶) کی تمیل میں وہ کہتے ہیں، اے اللہ! میں بار بار حاضر ہوں اور تیرے دین کی خدمت کے لیے تیار ہوں درحکم کی رحمت، ملائکہ مقربین، انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین کی صلوة اور سلام، سیدنا محمد بن عبد اللہ، خاتم الانبیاء، سید المرسلین، امام المتقین، رسول رب العالمین، گواہ، خوشخبری سنانے والے اور تیرے اذن سے تیری طرف بلانے والے سراج منیر پر، جب تک کوئی بھی شے تیری تسبیح کرتی رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اے اللہ! اپنی صلوات، رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔ سید المرسلین، امام المتقین، خاتم الانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو تیرے عبد مکرم، رسول معظم، خیر کے امام اور رسول رحمت ہیں۔ اے اللہ! انہیں مقام محمود پر فائز فرما، جہاں اولین اور آخرین آپ پر رشک کریں گے۔ اے اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جیسے تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل کی۔ بیشک تو تعریف والا، بزرگی والا ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک پر برکتیں نازل فرما، جیسے تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر برکتیں نازل فرمائیں، بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے جو شخص چاہتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوض سے عمدہ میاں لے میں پانی پئے، اسے چاہیے کہ بول کہے، اے اللہ! رحمت

مردی ہیں، جن میں انہوں نے مزید تعریف کی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر اور زیادہ رحمتوں اور برکتوں کی بارش کے نزول کی دعا کی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ و سلام کے متعدد صیغے جائز ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ وہی صیغے پڑھے جائیں جو مرفی ہو۔ شیخ عبدالکیم المدرس کی تصنیف نور الاسلام میں حضرت سلا مہ کندی سے روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں ان الفاظ میں درود شریف کی تعلیم دیا کرتے تھے، ترجمہ ملاحظہ ہو:

”اے اللہ! زمینوں کو وسعت دینے والے، آسمانوں کے خالق! تو اپنی اشرف ترین رحمتیں، روز افزوں برکتیں اور کمال لطف و کرم نازل فرما، اپنے عبد مکرم اور رسول گرامی محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو بند دروازوں کے کھولنے والے، خاتم الانبیاء، حق کا واشکاف اعلان فرمانے والے، باطل کے لشکروں کو تہس نہس کرنے والے، پوری قوت سے تیرے حکم کی اطاعت کرنے والے، تیری رضا پوری کوشش سے حاصل کرنے والے، تیری وحی کو محفوظ کرنے والے، تیرے عہد کے پاسدار، تیرے حکم کو نافذ کرنے والے ہیں، یہاں تک کہ آپ نے فوراً حاصل کرنے والوں کے لئے وہ عظیم نور روشن کیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اسباب، اس کے اہل تک پہنچ رہے ہیں، تو نے فتنوں اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے دلوں کو ان کے ذیل سے ہلکتے عطا فرمائی، آپ نے دین کی روشن نشانیوں، احکام کی علامتوں اور اسلام کو روشن کرنے والی ہدایات کو رونق بخشی، وہ تیرے لائق اعتماد امین، تیرے محفوظ علم کا خزانہ، قیامت کے دن تیرے گواہ، تیری بھیجی ہوئی نعمت اور حق کے ساتھ بھیجی ہوئی رحمت مجسم ہیں۔“

اے اللہ! تو انہیں جنت عدن میں وسیع ترین مقام اور اپنے فضل سے ہمیشہ

ہو، اُس کے لیے حدیث کی روایت بالمعنی جائز ہے، جبکہ قرآن پاک میں یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔
۲۔ حدیث شریف میں کوئی مشکل لفظ آجائے تو درمیان میں اُس کی تفسیر جائز ہے جیسے
کہ متعدد محدثین نے اس کی صراحت کی ہے اور ابن شہاب زہری تو اس پر عمل بھی کرتے ہیں،
جبکہ قرآن پاک میں یہ جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ اور سنت
سے نہیں اور شریعت نے اسے مشروع قرار نہیں دیا، وہ مردود ہے اور جس کام کی اصل
ازروئے شریعت ثابت ہو، وہ شرعاً جائز ہے اور امور دین میں سے ہے جیسے کہ عبادت حسنہ
ہیں، مثلاً رمضان شریف کی راتوں میں تراویح کے لیے جمع ہونا اور خطبہ میں صحابہ کرام
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر کرنا، اس کا سبب یہ ہے کہ جب شریعت مبارکہ کسی چیز کی منس کو
جائز قرار دے، تو وہ چیز بھی جائز ہوگی اگرچہ اس کی خصوصیت کے حوازی کے لیے کوئی دلیل
دے جیسے کہ فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں میں ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
ذات اقدس کے لیے سیدنا کا استعمال ایک عبادت ہے۔ شریعت نے اس کی منس یعنی نبی اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کی گواہی دی ہے۔ یہ دلیل ہم ان صریح دلائل سے قطع نظر
کرتے ہوئے پیش کر رہے ہیں جو اس سے پہلے پیش کیے جا چکے ہیں، بلکہ جس کام کے مشروع
ہونے میں اختلاف ہو، اس کا کرنا بہتر ہوتا ہے جیسے کہ امام عز بن عبد السلام نے اس کی
تصریح کی اور قرآنی نے اسے ترجیح دی جیسے کہ موانع نے سنن المہتدین میں ذکر کیا۔

دُرود شریف کے مختلف صیغے

حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دُرود شریف بھیجنے کے لیے بکثرت مختلف صیغے
مروی ہیں جیسے کہ صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بہت سے ایسے صیغے

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (البقرہ ۲۳۷)۔
تم آپس میں رسول اللہ کو اس طرح نہ بلاؤ جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو
نیز ارشاد فرمایا:

لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزُّ ذَوقَهُ وَتُوقِرُ دُكَا (الفتح ۸۰)۔
ہم کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم و توقیر کرو
اس کے بعد الدر المنصوب سے ابن حجر کا کلام نقل کیا۔ پھر علامہ کتانے نے فرمایا: شیخ ابوالفتح
توحید کے موضوع پر لکھی جانے والی کتاب الجوہرۃ کے حاشیہ عمدۃ المرید میں فرماتے ہیں، ہمارے
استاذ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ سید کے استعمال میں کسی کا اختلاف
نہیں ہے، البتہ نماز میں اس کے استعمال میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے مکروہ کہا اور
بعض نے اسے جائز قرار دیا۔

وہ عیضے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ محققین علماء نے فرمایا کہ ان
میں بھی سیدنا کا اضافہ کیا جائے، خواہ درود شریف کے وہ کلمات نماز میں پڑھے جائیں یا نماز
سے باہر ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاسے نماز سے پہچھے ہٹ
گئے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ اپنی جگہ ٹھہرو (لیکن وہ پاس ادب کے
طور پر پیچھے ہٹ گئے) اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح نامہ سے حضور نبی اکرم
کا اسم شریف مٹانے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ دراصل ادب و احترام کا لحاظ رکھنا
تعمیل حکم سے زیادہ اہم ہے۔

ربا یہ اعتراض کہ قرآن پاک کی طرح ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
حدیث میں بھی اضافہ نہ کیا جائے، تو علماء محققین کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس
اعتبار سے قرآن و حدیث کو برابر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں:
۱۔ جمہور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص الفاظ اور ان کے معانی کی صحیح پہچان رکھتا

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنا جائز نہیں، آپ کو
آپ کے نام سے نہیں، اوصاف سے نہ کی جاسکتے گی (یعنی عرض کیا جائے،
يَا حَبِيبُ اللّٰهِ، يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْكَ وَسَلَّمَ)
ابنِ ذُکَیْ اپنے قصیدہ ہمزہ میں فرماتے ہیں،

لِعَرْمَةِ قَدَرِكُمْ حَرَمَتْ دَعْوَتُكُمْ
بِاسْمِكُمْ وَذَمُّ السِّدَّاءِ

آپ کی عزت و کرامت کے پیش نظر، آپ کو نام لے کر مٹانا حرام اور نذرِ قہر مٹانے
ابنِ عطاء اللہ، مفتاح الفلاح میں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوة بھیجنے کے
عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں، تو لفظ سیدنا ہرگز ترک نہ کر، اس میں ایک ایسا
راز ہے جو صرف اس عبادت کے التزام کرنے والے پر منکشف ہوتا ہے۔

ابوالعباس بوہی، درود شریف کے آداب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک
ادب یہ ہے کہ بعض صورتوں میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صرف نام اقدس لکھا جاتا ہے،
اس کے ساتھ سیدنا کا اضافہ نہیں ہوتا، درود پاک پڑھنے والے کو چاہیے کہ وہ سیدنا کے
اضافہ کے ساتھ پڑھے، بارگاہ رسالت کا یہی ادب ہے۔ جہاں تک لکھنے کا تعلق ہے تو وہ
کمی بیشی کے بغیر روایت کے تابع ہے۔ قرن ثالث کے صالحین کا اس پر اتفاق ہے اور علماء
مجتہدین نے ان کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی خصوصیت ہے، صحیحین میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اَنَا سَيِّدُ
وَلَدِ آدَمَ۔ میں اولادِ آدم کا سید (سرور) ہوں۔

امام محمد بن جعفر الکنتانی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے اسم شریف کے ساتھ سیدنا وغیرہ کا اضافہ، تعظیم و تکریم کی دلیل، بالاتفاق، مطلوب
اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل کے طور پر فی الجملہ مستحب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ابوجبر ہمارے سید ہیں۔ انہوں نے ہمارے سید یعنی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کیا۔ سیرت طیبہ کی کتابیں اس قسم کے واقعات سے بھری ہوئی ہیں جسے ناپسندیدہ تعصب اور گمراہ آراء کی پیروی اندھا کر دے۔ ہمارے نزدیک وہ کسی توجہ کے لائق نہیں ہے اور نہ ہی ہم اسے کسی انتہام کی اپیل کرتے ہیں، کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے محروم ہے۔

قرآن و حدیث کے ان روشن اور قاطع دلائل کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلکہ مومنین صالحین کے لیے لفظ سیادت (سیدنا) کے استعمال کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ امام بخاری، الادب المفرد میں اور امام ابو داؤد، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ منافق کو سید نہ کہو کیونکہ اگر وہ تمہارا سید (سرور) ہے، تو تم نے اپنے رب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کیا ہے۔ منافق کے لیے لفظ سید استعمال کرنے کی ممانعت اس بات کی دلیل ہے کہ مومن کے لیے اس کا استعمال جائز ہے۔

اعمال صالحہ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کے مراتب کے فرق کے مطابق سیادت کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ امام حاکم، مستدرج سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سید الشہداء حمزہ ابن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص ہے جس نے ظالم بادشاہ کو اچھے کاموں حکم دیا اور برے کاموں سے منع کیا تو بادشاہ نے اسے قتل کر دیا۔ یہ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیادت ہے۔ شہداء کی نسبت ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی سیادت، کسی خاص عمل سے متفق ہے اور کوئی کسی خاص زمانے سے، لیکن کامل اور مکمل سیادت اس ذات اقدس کے لیے ہے جو سیدنا نبی اور رحمت کائنات ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حافظ عراقی، سیرت طیبہ کے موضوع پر اپنے الفیہ میں کہتے ہیں :-

وَلَا يَجِلُّ الرَّفْعُ فَوْقَ صَوْتِهِ
وَلَا يَنَادِي بِاسْمِهِ بَلْ نَعْبَتُهُ

گفتگو سے یقیناً اس نتیجے تک پہنچ جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فقط نام ذکر کرنا آپ کے ارفع و اعلیٰ مقام کی تعظیم کے منافی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سیدنا کا لفظ استعمال نہیں کیا یہ اُن کی چہالت اور ہوائے نفس پر مبنی ہے۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم ایک جوہڑ کے پاس سے گزرے میں نے اس میں اُبتر کر غسل کر لیا۔ نکلتے نکلتے مجھے بخار نے آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا، البوثابت کو کہو کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے (قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ يَاقُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھے) میں نے عرض کیا یا سیدی! اور کوئی اچھا سادہ بھی؟ فرمایا، دم اُسے کیا جاتا ہے جسے نظر لگ جائے یا کوئی چیز ڈس لے۔

اس حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا و مولانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یا سیدی کہہ کر پکارا، اس حدیث کو امام نسائی نے بھی قوی سند کے ساتھ روایت کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب تم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو خوبصورت انداز میں درود بھیجو، ہو سکتا ہے تمہارا درود بارگاہ اقدس میں پیش کیا جائے اور کہو اے اللہ! اپنی صلاۃ، رحمت اور برکت سید المرسلین اور امام المتقین پر نازل فرما۔ صحابہ کرام ایک دوسرے کو اس لفظ سے یاد کرتے تھے جو تعظیم و تکریم پر دلالت کرتا ہے امام حاکم، مستدرک میں سند صحیح سے راوی ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سلام کا جواب اِنْ فَاطِمَیْنِ دِیَا، وَعَلَیْکَ السَّلَامُ کیا سیدی! پھر فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ رحمت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (سید ہے)۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو منع فرمایا کہ آپ کے لیے کھڑے ہوں اور اسے ناپسند فرمایا۔ اس کے باوجود آپ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے کھڑے ہونے کا حکم فرمایا۔ ہمیں اس مطلب پر غور کرنا ہوگا، جس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اضافہ فرمایا اور صحابہ کرام کو اس کی جانب توجہ فرمایا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصف سیادت سے موصوف فرمایا۔ دراصل اسلامی ادب، ہر ایمان دار کو یہ سکھاتا ہے کہ والد اور استاد کا ادب کرے، انہیں نام لے کر نہ بلائے۔ امام نووی نے اپنی کتاب الاذکار میں ایک باب قائم کیا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کو، متعلم اپنے استاد کو اور شاگرد اپنے شیخ کو نام لے کر نہ پکارے۔ اس باب میں ابن اسنی کی یہ روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا، جس کے ہمراہ ایک لڑکا تھا، آپ نے اس لڑکے سے پوچھا یہ کون ہے؟ اُس نے کہا یہ میرا باپ ہے، آپ نے فرمایا، تو اُس کے آگے نہ چل، اسے برا بھلا کہنے کا موقع نہ دے، اس سے پہلے نہ بیٹھ اور اسے نام لے کر نہ پکار۔

جب اصحاب علم و فضل کے بارے میں ہمیں اسلام یہ اخلاق سکھاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے؟ جو تمام مومنوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

الَّتِي أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَنْزَلَ وَاجِبُهُ
أُمَّهَاتُهُمْ۔ (الاحزاب ۳۳، ۶)

جی، مومنوں کی جانوں سے زیادہ اُن کے قریب ہے اور ان کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قدرت میں یہ کلمات بھی ہیں وَهُوَ أَكْرَمُ
اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے باپ ہیں۔

جس شخص کے سینے میں دل بیدار ہے یا وہ پوری توجہ کے ساتھ بات کو سنتا ہے، وہ اس

ہو کہ تم اس اُمت یا د فرمایا، تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہو۔

لہذا ہم پر واجب ہے کہ ہم سیدہ فاطمہ طہیۃ طاہرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا جب بھی ذکر کریں، اُن کی سیادت کا بھی ذکر کریں۔ اسی طرح سیدنا و مولانا حسن مجتبیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ذکر کرتے وقت سیادت کا ذکر گنہا جائے۔ امام بخاری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بچہ کر فرمایا، اِنَّ اَبْنٰی ہٰذَا السَّيِّدِ میرا یہ بیٹا سید ہے اسی طرح سیدنا و مولانا حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ذکر بھی سیادت کے ساتھ کیا جائے۔ امام ترمذی سند صحیح سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) جتنی جوانوں کے سردار ہیں۔

اسی طرح سیدنا و مولانا ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور سیدنا و مولانا عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے حق میں امام ابن ماجہ کی روایت میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکر اور عمر، انبیاء و مرسلین کے علاوہ اولین و آخرین جتنی بوڑھوں کے سید و سرور ہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ مطلب صحابہ کرام کو واضح ترین الفاظ میں سکھایا۔ امام بخاری اور مسلم، حضرت ابوسعید خدری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے راوی ہیں کہ قبیلہ قرظیہ کے یہودی جب حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے حکم پر (قلعہ سے) اُتر آئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یاد فرمانے پر حضرت سعد، دراز گوش پر سوار ہو کر حاضر ہوئے۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَوْمُوا اِلٰی سَيِّدِكُمْ اَوْ اِلٰی خَيْرِكُمْ

تم اپنے سید یا د فرمایا، اپنے افضل کی طرف اٹھو

کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد بھی اس شخص کے پاس کوئی دلیل رہ جاتی ہے؟ جو سید المسلمین، حبیب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے فقط سیدنا استعمال کرنے کا روادار نہیں ہے۔

اعلیٰ وسلم کے ہر سچے محب مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے لیے لفظ سیدنا کا استعمال کرے۔ اب ہم ایک ایسی حدیث پیش کرتے ہیں جس میں صراحۃً، اہل ایمان سے لفظ سیادت استعمال کرنے کا مطالبہ ہے۔ امام حاکم، مستدرک میں سند صحیح کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر شریف پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول، فرمایا یہ صحیح ہے لیکن مجھے بتاؤ، میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف، فرمایا: میں اولاد آدم کا ستید (سرور) ہوں اور یہ بات بطور فخر نہیں (بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعام کا تذکرہ ہے) اس حدیث شریف سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس امر کو پسند فرماتے تھے کہ صحابہ کرام جواب میں آپ کی اس سیادت کا ذکر کریں جس کی بناء پر آپ کو تمام جہانوں اور تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر فضیلت ہے۔

اسی طرح لفظ مولیٰ حدیث صحیح میں وارد ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاكَ فَعَلَيْكَ مَوْلَاكَ

جس کا میں مولا (دوست اور محبوب) ہوں، علی مرتضیٰ اس کے مولا ہیں

لہذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حدیث صحیحہ قطعیہ کی تصریح کے مطابق، ہمارے آقا و مولا ہیں، اسی طرح صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار ہمارے سرور ہیں۔ امام بخاری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم مومنہ عورتوں کی سرور ہو یا فرمایا راوی کو شک ہے کہ تم اس امت کی عورتوں کی سرور ہو، تقریباً ان ہی الفاظ میں یہ حدیث امام مسلم نے بھی روایت کی ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ اے فاطمہ! کیا تم اس پر راضی نہیں

صحیح بخاری و مسلم میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان وارد ہے:

أَنَا سَيِّدُ أَدَمَ وَلَا فَخْرَ

میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور (یہ بات) کا زراہِ فخر نہیں کہتا

اور سید وہ ہے جو اوصافِ شرف و کمال میں اپنی قوم پر سلطنت رکھتا ہو، بعض حضرات نے کہا کہ سید وہ با کمال ہستی ہے کہ دوسرے جس کے محتاج ہوں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں سید وہ شخصیت ہے جسے رب کریم جل مجدہ کی بارگاہ میں عزت و کرامت حاصل ہو، حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سید وہ ہے جس پر غیظ و غضب غلبہ نہ پائے امام احمد ابن ماجہ اور امام ترمذی کی روایت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

أَنَا سَيِّدُ أَدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

قیامت کے دن میں اولادِ آدم کا سردار (ملجأ و مادی) ہوں گا

امام احمد بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ ایک روایت میں ہے آدم اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام قیامت کے دن میرے جنتوں کے نیچے ہوں گے، بلکہ اس مقصد میں یہ حدیث صریح ہے کہ "أَنَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ" میں تمام جہانوں کا سردار ہوں۔ دلائل النبوة میں امام ابو نعیم، سیدنا مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں: "أَنَا سَيِّدُ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا بُعِثُوا إِلَىٰ إِيْمَانٍ جَب" اٹھائے جائیں گے، تو میں ان کا سردار ہوں گا۔ خطیب بغدادی کی روایت میں ہے کہ میں مسلمانوں کا امام اور متقیوں کا سید ہوں۔

یہ احادیث صحیحہ جو حدیث تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، جن میں آیا ہے کہ میں اولادِ آدم، تمام مومنوں اور تمام جہانوں کا سردار ہوں، واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

پیش نظر اس طرح کیا اور ابن ابی قحافہ کی یہ بہت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی اس معذرت کا انکار نہیں کیا۔ اسی طرح سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیل حکم پر ادب کو ترجیح دی۔ حدیبیہ میں جب صلح نامہ لکھا گیا تو اس میں لفظ رسول اللہ لکھا گیا، سبیل نے کہا، بخدا! اگر ہم یہ جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تو ہم آپ کو بیت اللہ شریف کی زیارت سے منع نہ کرتے اور نہ ہی آپ سے جنگ کرتے، آپ محمد بن عبد اللہ لکھیے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ تم نہ مانو، پھر بھی میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ پھر فرمایا: لفظ رسول اللہ مٹا دو۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، خدا کی قسم، میں اسے نہیں مٹاؤں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مٹا دیا، مگر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسن ادب پر انکار نہیں فرمایا۔ علماء محققین نے فرمایا یہ ادب مستحب ہے۔ اسی طرح سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرتے وقت لفظ ”سید“ کا اضافہ کرنا، محبوب ادب ہے۔

اس ادب و احترام کی ایک مثال سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ واقعہ بھی ہے کہ جب آپ صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آپ نے طواف کعبہ کو مؤخر کر دیا، حالانکہ آپ کو علم تھا کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے پر طواف واجب ہے۔ (عمرو یا حج کے ضمن میں) ان کے پیش نظر یہ ادب ہی تو تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے طواف نہ کیا جائے، انہوں نے فرمایا، یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طواف نہ کریں اور میں طواف کر لوں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس واقعہ کے جانتے کے باوجود ان پر انکار نہیں فرمایا۔

اس تفصیل کے پیش نظر منافقین کے پیش کردہ شبہہ کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس میں شبہہ کی کوئی بنیاد ہے بھی، تو سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت ادب و احترام کو ملحوظ رکھنا بھی بہر حال ضروری ہے۔

لے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

۱۳۳

وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝

(آل عمران، ۳، ۴۹)

سردار اور ہمیشہ خورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاص بندوں میں سے
اگر سیدنا نبی علیہ السلام کے لیے لفظ "سید" استعمال کیا جاسکتا ہے تو سیدنا
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بطریق اولیٰ جائز ہوگا اور ہمیں قرآن پاک کے
واضح اشارہ سے اس کا حکم ہوگا، بلکہ قرآن پاک میں دوسری جگہ اس شخص کے لیے سید
وارد ہوا ہے جو دینی رفعت کا حامل بھی نہیں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَالْفُتَيَّا سَيِّدٌ هَذَا ذِي الْكِبَارِ (یوسف ۱۲، ۲۵)

دونوں کی ملاقات اس خاتون کے سید سے دروازے کے پاس ہوتی
قیامت کے دن کافر کہیں گے:

إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُنَّا لَنَا رِأْسًا (الاحزاب ۳۳، ۶۷)

ہم نے اپنے سادات (سرداروں) اور بڑوں کا کہنا مانا

اسی طرح لفظ مولیٰ بھی کئی جگہ استعمال ہوا ہے

يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَّوْلَى شَيْئًا (الدخان ۴۴، ۴۱)

جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا۔

اس سلسلے میں احادیثِ مبارکہ حدِ تواضع تک پہنچ چکی ہیں۔ بکثرت حدیثوں میں اللہ تعالیٰ

کے ماسوا پر سید کا اطلاق آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر انسان سید (سردار) ہے، مرد اپنے گھر کا سید ہے اور

عورت اپنے گھر کی سیدہ ہے۔"

علامہ ذہبی نے فرمایا کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سیادت کے ساتھ ذکر کرنا بطریقِ اولیٰ مطلوب ہوگا۔
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا، لوگوں کو اچھی بات کہو بعض
 مفسرین کرام نے فرمایا کہ اَلنَّاسِ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور حُسْنًا
 سے مراد اچھی بات ہے۔ ایک قول یہ ہے حُسْنًا ہم محترم حضرات کو سیدھی و مولائی
 (میرے آقا و مولا) کہتے ہیں نہایت ہوا کہ ان الفاظ کا نبی اکرم سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم کے لیے استعمال کرنا، آیتِ کریمہ سے بطریقِ اولیٰ مطلوب ہوگا۔

جن لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے شرابِ صافی کا ایک قطرہ بھی
 چکھنا نصیب نہیں ہوا، وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ سیدنا استعمال نہ کرنے پر
 اس حدیث شریف سے استدلال کرتے ہیں، جس میں آیا ہے "السَّيِّدُ الْمَلِكُ" سید اللہ تعالیٰ
 ہے۔ عارف باللہ ابن عجمیہ نے جامع صغیر کے حاشیہ میں اس استدلال کا جواب دیا ہے کہ
 اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کامل سیادت، اللہ تعالیٰ ہی کے لائق ہے، سب مخلوق اس کے
 بندے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا، جب آپ کو ان الفاظ
 سے مخاطب کیا گیا جن کے ساتھ قبائل کے سرداروں کو مخاطب کیا جاتا تھا، مثلاً اَمْرُكَ
 نَسَبُ دُنَا وَ مَوَلَانَا، آپ ہمارے آقا و مولا ہیں، خطاب کرنے والے نئے نئے حلقہ
 بگوشِ اسلام ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کے دلوں میں حقیقہ
 راسخ کر دیں کہ کامل ترین خضوع و خشوع، مالکِ حقیقی کے لیے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔
 امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ لفظ سید کا اطلاق، اللہ تعالیٰ کے
 لیے اس وقت جائز ہے۔ جب یہ معنی بیان کرنا مقصود ہو (جس کا ابھی ذکر ہوا) ورنہ ممنوع ہے
 اس میں شک نہیں کہ یہ شبہ اس لائق نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے مساوا کے
 لیے لفظ سید کے استعمال کے ناجائز ہونے پر استدلال کیا جاسکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
 سیدنا محمدی علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا،

مستشرقین جن کا ادب و احترام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اہم مبارک کلماتِ تعلیم کے بغیر
ذکر کرتے ہیں۔

بنابرین نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سیادت کے بغیر ذکر جائز نہیں کہ اس میں کافروں
کی مشابہت اور ان کی نفسانی خواہشات کی پیروی ہے، کیونکہ وہ بطور اہانت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کا نام لینے پر کتفا کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے :

وَحُضِّتُمْ كَالَّذِي نَخَاطُوا أَوْلِيَّكَ كَحِطَّتْ أَعْمَالُهُمْ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَوْلِيَّكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

(التوبة ۹ : ۶۹)

اور تم یہودگی میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے، اُن کے اعمال دنیا اور آخرت
میں برباد ہوئے اور وہی نقصان والے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجد
میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلایا، اس وقت تو میں حاضر نہ
ہوا، پھر نماز پڑھ کر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا، فرمایا، کیا
اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا؟

اَسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاكُمْ

(الانفال ۲۴۸)

اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل کرو، جب تمہیں بلا تیں۔

جب بارگاہِ نبوت کے ادب و احترام کا یہ عالم ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں مشرف
عبادت ہونے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہم پر فرض ہے تو حضور
لے مستشرقین سے کیا شکایت؟ کلمہ پڑھنے والے بعض لوگوں کا انداز دیکھ لیجئے :

”جس کا نام محمد یا علی ہو، وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔“ (تقوینہ الایمان، اخبار محمدی، دہلی، ۱۴۰۶ھ)

کہا کرتے تھے۔

ائمہ اسلام اور فقہائے مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام سے ندا کرنا حرام ہے اور اُن کی دلیل یہی آیت مبارکہ ہے:

اس معنی کی طرف مشیر قرآن پاک کی متعدد آیتیں وارد ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

فَاذْكُرُونِیْ اَمْثَلُ مِنْہُمْ وَاعْبُدُوْهُ وَاصْلُوا الصَّلٰوةَ الَّتِیْ لَہِ الْاَوَّلٰی
اَنْزَلَ مَعَهَا اَوْ لَمْ یَنْزِلْ عَلَیْکُمْ هُمْ اَلْمُفْلِحُوْنَ (الاعراف، ۵۵)

”بس جو لوگ اس رسول گرامی پر ایمان لائے، اُن کی تعظیم کی اور ان کے

ساتھ نازل کیے گئے نور پر ایمان لائے، وہی کامیاب ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کو کامیاب قرار دیا ہے جو نبی عسری صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر اس طریقے سے تعظیم و تکریم کرتے ہیں جو اُن کے مقام و مرتبہ کی بلندی اور رفعت پر دلالت کرے، ظاہر ہے کہ سیدنا کے اضافے کے بغیر آپ کا نام نامی لینا، آپ کے مقام رفیع کے شایان شان نہیں ہے۔ نیز ارشاد ربانی ہے:

لِتُقَرَّبُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِہٖ وَتَعَزَّوْا وَتَقَرَّبُوْا

(الفتح ۲۸، آیت ۹)

تاکہ تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم و توقیر کرو۔

ایک قرابت میں ہے، وَتَعَزَّوْا یعنی تم ان کی قدر و منزلت پہنچو۔ اور قرآن کریم کے انداز کو اپناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی نام لے کر ندا نہیں فرمائی۔

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اَمَّا یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ سے خطاب فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمادیا کہ ہم نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کا ذکر تمام جہانوں میں بلند فرمادیا ہے۔

وَمَا فَعَلْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (الانشراح ۹۴، آیت ۴)

تم آپس میں رسول اللہ کو اس طرح نہ پکارو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ علامہ صاوی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ کَلِمَ طَلَبِ یہ ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام اور رکعت سے نہ پکارو، یا مُحَمَّدٌ! اور یا أَبَا الْقَاسِمِ! نہ کہو، بلکہ تمام تر تعظیم و احترام کو ملحوظ رکھ کر پکارو اور خطاب کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمات تعظیم کے بغیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ کرنا تو آپ کی حیات طیبہ میں جائز ہے اور نہ آپ کے وصال کے بعد۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس کی توہین و تہفیف کرنے والے کافر اور دنیا و آخرت میں ملعون ہے۔

علامہ ابن جریر اس آیت شریفہ کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان داروں کو حکم دیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تحکیم کریں۔

علامہ سیوطی الاکلیل فی استنباط القنن فی میں اس آیت کا ذکر کر کے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام سے پکارنا حرام ہے، بلکہ کہا جائے یا رسول اللہ یا نبی اللہ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم آپ کے وصال کے بعد بھی باقی ہے۔

بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق نام اور کنیتیں ہیں، لیکن ان میں سے کسی کے ساتھ آپ کو نہ کرنا حرام ہے۔ ارشاد باری ہے: "لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا"

مثلاً یا محمد! اور یا احمد! نہ کہے، اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے جو صحابہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام یا مُحَمَّدٌ! اور یا أَبَا الْقَاسِمِ! کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کے پیش نظر انہیں منع فرمادیا، پھر وہ یا نَبِیُّ اللہ! اور یا رَسُوْلُ اللہ!

جنت کا دروازہ آپ ہی کے لیے کھولا جائے گا

جنت کا دروازہ سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کھولا جائے گا اور آپ ہی سب سے پہلے جنت میں تشریف لے جائیں گے، باقی سب لوگ آپ کے پیچھے جائیں گے۔

امام مسلم اور امام ترمذی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور کھولنے کے لیے کہوں گا۔ خازن کہے گا کون؟ میں کہوں گا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وہ کہے گا: مجھے حکم دیا گیا ہے آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

نام مبارک کا ادب

برادر محترم، حضرت علامہ شیخ محمد سلیمان فرج نے ایک مقالہ لکھا جس کا عنوان ہے،

دلائل المحبة وتعظيم المقام في الصلوة والسلام
على سيد الانام

دلائل محبت اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے وقت تعظیم و تحکیم اس مقالہ میں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک لیتے وقت سینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر محب مسلمان پر واجب ہے کہ سینا دہرائے آقا و ملا کہ کر نام لے، کیونکہ یہ مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم اور آپ کے ذکر شریف کا احترام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ آپ کی شان اور قدر و منزلت کی تعظیم کا اہتمام کریں اور تعظیم و تحکیم کے بغیر آپ کا نام نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (النور ۲۴، ۲۵)

کب نبی بنائے گئے؟ اور ایک روایت میں ہے: مَتْنِي كُنْتُ نَبِيًّا؟ آپ کب سے نبی ہیں؟ فرمایا،

كُنْتُ نَبِيًّا وَاَدْمُ بَيْنَ الشُّرُوحِ وَالْجَسَدِ
میں اس وقت نبی تھا جبکہ ابھی آدم علیہ السلام رُوح اور جسم کے درمیان تھے

روز قیامت پہلا سجدہ

قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارگاہ الہی میں درخواست کریں گے، تو سب سے پہلے آپ کو اجازت دی جائے گی اور آپ سب سے پہلے سجدہ کریں گے۔
امام احمد بن حنبل، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدے کی اجازت دی جائے گی۔ سب سے پہلے میں سر اٹھاؤں گا، اپنے آگے دیکھوں گا اور دوسری امتوں کے درمیان اپنی اُمت کو پہچان لوں گا، یہی کیفیت پیچھے اور دائیں بائیں ہوگی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ دوسری امتوں کے درمیان اپنی اُمت کو کیسے پہچانیں گے؟ فرمایا، وضو کی برکت سے اُن کے اعضائے وضو روشن ہوں گے۔ ان کے علاوہ کوئی اس طرح نہ ہوگا۔ نیز میں انہیں پہچان لوں گا کہ ان کے نامہ ہائے اعمال دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور ان کے بچے ان کے آگے دوڑ رہے ہوں گے۔ لے

لے حافظ منذری فرماتے ہیں یہ حدیث امام احمد نے روایت کی، اس کی سند میں ابن ابی نعیم، یہ حدیث متابعت میں سے ہے۔ مجمع الزوائد میں ہے یہ حدیث امام احمد نے روایت کی۔ امام ہزار نے مختصر روایت کی۔ ان کی روایت میں ہے: وَفُزَّادِيهِمْ نَدِيْدِيْنِ اَيَّدِيْهِمْ اَنْ كُنْ يَبْنُوْنَ اَنْ كُنْ يَبْنُوْنَ اَنْ كُنْ يَبْنُوْنَ اور امام احمد کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ سولے ابن ابی نعیم کے کہ وہ ضعیف ہیں بعض نے ان کی توثیق کی ہے، میں درناعی کہتا ہوں کہ یہ حدیث ابن ابی حاتم اور محمد بن نصر مروزی نے بھی روایت کی ہے جیسے کہ حافظ ابن کثیر نے سورۃ الحديد اور سورۃ التحریم کی تفسیر میں بیان کیا ۱۲۷ درناعی

نے فرمایا:

”میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر کھلے گی، سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔“

سب سے پہلے شفاعت

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ امام ترمذی اور دیگر محدثین حضرت ابوسعید بنی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا علیا و ماوی ہوں گا اور یہ بات ازراہِ فخر نہیں کہتا، میرے ہاتھ میں نورِ الحمد ہوگا اور یہ بات ازراہِ فخر نہیں۔ حضرت آدم اور ان کے علاوہ تمام انبیاء اس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت مقبول ہوگی اور یہ بطورِ فخر نہیں کہتا، بلکہ انہما حقیقت ہے (علامہ زرقانی، امام ترمذی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن، صحیح ہے، اسی طرح یہ حدیث امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کی۔)

سب سے پہلے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں سب انبیاء کرام سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت عطا فرمائی، جیسے کہ حسن ترمذی وغیرہ میں ہے کہ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! مَتٰی وَجِبْتَ لَكَ النَّبُوَّةَ؟ آپ کے لیے وصفِ نبوت کب ثابت ہوا؟ ایک روایت میں ہے: مَتٰی اُسْتَنْبِطْتَ؟ آپ

ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم ارواح میں تمام انبیاء کرام سے پہلے اور عالم اجسام میں سب سے بعد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انبیاء سے پہلے آپ کو مقام نبوت عطا فرمایا۔ عالم ارواح میں آپ جی نبوت کھولا گیا اور عالم اجسام میں آپ ہی سے نبوت کا دروازہ بند کیا گیا، لہذا آپ ہی فاتح ہیں اور آپ ہی خاتم ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

امام ترمذی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کو نبوت کب عطا کی گئی؟ تو فرمایا:

وَأَدَمَ بَيْنَ السُّوُوحِ وَالْجَسَدِ۔

جب کہ ابھی آدم علیہ السلام رُوح اور جسم کے درمیان تھے

امام ترمذی نے فرمایا، یہ حدیث حسن، صحیح اور عزیز ہے۔ اس حدیث کو امام ابو نعیم، بیہقی اور حاکم نے صحیح قرار دیا، ان کے علاوہ یہ حدیث امام ہزار، طبرانی اور ابونعیم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

حضرت میسرۃ العنبر رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا،

یا رسول اللہ! آپ کب وصف نبوت سے موصوف ہوئے؟ فرمایا:

میں اس وقت بھی نہ تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی رُوح اور جسم کے

درمیان تھے۔

یہ حدیث امام احمد نے روایت کی، امام بخاری نے تاریخ میں، امام طبرانی

اور حاکم نے روایت کی، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ حافظ بیہقی نے کہا کہ امام احمد اور امام طبرانی کے راوی، حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے قبر انور سے بابہ تشریف لائیں گے۔

امام مسلم وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پہوتھی فصل

مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ہمارے آقا و مولا، امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے اپنی امت کو لے کر پہل صراط پر گزریں گے، اُسے اپنی نظر رحمت سے مشرف اور متور فرمائیں گے تاکہ آپ کی امت، آپ کی روشنی اور راہنمائی میں گزر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے کامل ترین مراتب اور اعلیٰ ترین درجات و فضائل آپ کی ذات اقدس میں جمع فرمادیئے ہیں۔

آپ ہی کی ذاتِ تور، عالم ارواح میں سب نبیوں سے پہلی مخلوق اور عالم اجسام میں بعثت کے اعتبار سے تمام انبیاء کے بعد ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحِ تور تمام انسانوں سے پہلے پیدا کی گئی اس پر دلیل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

”میں پیدائش میں تمام انسانوں سے پہلے اور بعثت میں ان کے بعد ہوں“
یہ حدیث ابن سعد نے سند صحیح سے مرسل روایت کی۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں، ابو نعیم، ابن لال اور دیلمی نے سعید بن بشر سے انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے حضرت حسن سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن الفاظ میں روایت کی، اس کا ترجمہ یہ ہے،

”میں تخلیق میں تمام انبیاء سے پہلے اور بعثت میں ان سے آخر میں ہوں۔“
یہ روایت ابن سعد کی روایت کی تفسیر ہے، ان کی روایت میں جو انسانوں کا ذکر ہے، تو اس سے مراد انبیاء ہیں۔

اگر روح کا علم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بھی محال ہوتا تو یہ جلیل القدر اہل علم و ہرگز اس کے بارے میں لب کشائی نہ کرتے۔

اسی لیے امام علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت کا علم عطا فرمایا ہے۔ (خصائص کبریٰ ج ۳، ص ۱۶۰) اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امور غیبیہ یہاں تک کہ ان پانچ اشیاء کی اطلاع دی ہے، تو وہ دلیل کی بنیاد پر ایسا کہتا ہے، اب اگر وہ دلیل صحیح اور مفید مطلب ہے تو قائل کو حق پر تسلیم کیا جائے گا اور اگر وہ دلیل غلط ہے اور مطلب کو ثابت کرنے سے قاصر ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ خطا پر ہے، معاذ اللہ! اسے کافر و مشرک قرار دینے کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رحمت و رضوان سے نوازے، وہ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ اس فعل پر عذاب نہیں دے گا، جس میں علماء کا اختلاف ہو۔“

رُوح کا علم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (الاسراء: ۸۵)
اسے حبیب! تم سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں، تم فرمادو کہ رُوح میرے
رب کے امر سے ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں،

بعض حضرات نے فرمایا کہ آیت مبارکہ اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ
اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رُوح کی حقیقت سے آگاہ
نہیں فرمایا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ آگاہ فرمایا ہو اور اس کے اظہار کا حکم نہ فرمایا
ہو، بعض اہل علم نے علم قیامت کے بارے میں بھی ایسا ہی کہا ہے۔
(فتح الباری، شرح صحیح بخاری، کتاب التفسیر ج ۸، ص ۳۰۳)

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری، ج ۷، ص ۲۱۳)

لہذا یہ کہنے میں کوئی مانع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو
رُوح کی حقیقت سے آگاہ فرمایا ہے۔ جب بعض علماء سلف نے رُوح کے بارے میں گفتگو کی ہے
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حقیقت رُوح کا مکمل علم ہے یا کچھ علم ہے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ تفاسیر میں حضرت ابن عباس، حضرت علی رضی اللہ عنہما، قتادہ اور اسہیل
کے رُوح کے بارے میں متعدد اقوال ملتے ہیں، مثلاً یہ کہ رُوح سے مراد جبرائیل امین علیہ السلام
ہیں، وہ فرشتے ہیں جو انسانی صورت رکھتے ہیں۔ بعض نے کہا وہ ایسے فرشتے ہیں جنہیں فرشتے
بھی نہیں دیکھتے۔

(دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۶۱ اور دیگر تفاسیر)

بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے کہ فرشتہ یہ تمام چیزیں لکھ دیتا ہے۔ لازمی بات ہے کہ فرشتہ یہ سب باتیں جان لیتا ہے اور مخلوق میں سے جسے اللہ تعالیٰ چاہے علم عطا فرما دیتا ہے۔ اور یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ان اشیاء کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، کیونکہ جو علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے خاص کیا ہے، وہ ہر ایک کے احوال کا تفصیلی اور مکمل علم ہے۔ فرشتے اور بعض خواص کا علم ہو سکتا ہے کہ اس علم سے کم مرتبہ ہو، بلکہ یقیناً کم مرتبہ ہوگا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اشیاء مذکورہ کا علم خواہ اولیاء کرام کو حاصل ہوتا ہے، وہ یقینی نہیں ہوتا (بلکہ ظنی علم ہوتا ہے)

علامہ ابن حجر عسقلانی، امام قرطبی سے نقل کرتے ہیں،
 ”جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کیے بغیر ان پانچ اشیاء میں سے کسی ایک کے جاننے کا دعویٰ کرے، وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ (فتح الباری ج ۱، ص ۱۲۳)

علم قیامت

علامہ آلوسی فرماتے ہیں،

ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وقت قیامت کا علم کامل طور پر عطا فرما دیا ہو، لیکن آپ کا علم، اللہ تعالیٰ کے علم کے مماثل نہیں ہوگا، تاہم اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس علم کا مخفی رکھنا واجب فرما دیا ہے اور یہ علم آپ کے خواص میں سے ہوگا، میرے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ میں یہ بات یقین سے کہہ سکوں۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا، اگرچہ اسوہ غیبیہ حدیث شمار سے باہر ہیں، کیونکہ کوئی عدد ذاتہ کی نفی نہیں کرتا، نیز (کاہن وغیرہ) ان ہی پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کیا کرتے تھے۔“

علامہ مناوی، جامع صغیر کی شرح میں حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ“ پانچ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایک کئی اور جزئی کو اللہ تعالیٰ کے کسی کا علم محیط نہیں ہے، لہذا یہ حدیث اس امر کے خلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص بندوں کو بعض مغیبات، یہاں تک کہ ان پانچ میں سے بعض پر اطلاع دے دے اور معتزلہ کا اس امر سے انکار سینہ زوری ہے۔“

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جن مقامات کی طرف بادلوں کے چلنے کا حکم دیتا ہے، تو بادلوں پر مقرر کردہ فرشتوں کو علم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی رحم میں کسی شخص کو پیدا فرمانا چاہتا ہے، تو رحم پر مقرر کردہ فرشتے کو اپنے ارادے آگاہ فرما دیتا ہے جیسے کہ امام بخاری کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے، وہ عرض کرتا ہے۔ اے رب! یہ لطف ہے اے میرے پروردگار! یہ نیکہ خون ہے۔ یا اللہ! یہ لوطیٹھا ہے، جب اللہ تعالیٰ اسے پیدا فرمانا چاہتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے۔ بار الہا! یہ مذکر ہے یا مؤنث؟ یہ نیک بخت ہے یا بد بخت؟ اس کا رزق کیا ہے؟ اور اس کی عمر کیا ہے؟“

بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پانچ چیزوں سے بھی آگاہ فرمایا اور آپ اس دُنیا سے تشریف نہیں لے گئے، جب تک ان پانچ چیزوں کو جان نہ لیا جیسے کہ حافظ سیوطی نے یہ قول نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں:

”بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پانچ چیزوں کا علم بھی دیا گیا، وقتِ قیامت اور رُوح کا علم بھی دیا گیا، لیکن اس علم کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔“ (خصائص کبریٰ ج ۲، ص ۱۶۰)

اسی طرح علامہ ابراہیم یحوری نے قصیدہ برودہ شریف کے حاشیہ ص ۸۱ پر فرمایا:

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، تفسیر حلالین کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

”حق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دُنیا سے اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے، جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں سے آگاہ نہیں فرمادیا، لیکن آپ کو انہیں مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔“ (الصاوی علی الحلالین ج ۳، ص ۲۴۴)

امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر میں کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ان پانچ اشیاء کے علم کی اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے نفی مقصود نہیں ہے اور نہ ہی ان پانچ اشیاء کی خصوصیت ہے، کیونکہ یہ بیان ایک خاص پس منظر میں، ایک خاص مطلب کے ثابت کرنے کے لیے ہے۔

(تفسیر رازی، ج ۲۵، ص ۱۶۴)

علامہ سید محمود آلوسی نے تفسیر رُوح المعانی ج ۲۱، ص ۱۱۲ میں یہ مطلب ان الفاظ

میں بیان کیا ہے:

”یہ بات ذہن میں رہے کہ ہر عیب کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور امور غیبیہ ان پانچ میں منحصر نہیں ہیں، خاص طور پر ان کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا یا اس لیے کہ نفوس ان امور کے جاننے کا بہت شوق رکھتے تھے۔“

غیب کی چابیاں اور وہ پانچ اشیاء جن کا آیت کریمہ ”إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ“ میں ذکر کیا گیا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (الأنعام ۶، ۱۵۹)

اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، جنہیں وہی جانتا ہے

امام قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور اس

نیک پیچھے والے ذرائع بھی اسی کے ہاتھ اور اسی کی ملکیت میں ہیں مجھے وہ اُن پر اطلاع دینا چاہیے اطلاع دینے دیتا ہے اور مجھے ان سے بے خبر رکھنا چاہیے بے خبر رکھتا ہے اور علم غیب کا فیضان صرف رسولوں پر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي

مَنْ يَشَاءُ مِنْ رُسُلِهِ (آل عمران ۱۷۹)

اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہیں غیب پر آگاہ فرمائے، لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب فرمالتا ہے۔

دوسری جگہ مندرمایا:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ

أَمَرَ تَصْنِي مِنْ رَسُولٍ - (الحج ۷۲، ۲۶)

غیب کا جاننے والا وہ اپنے غیب خاص پر کسی کو تسلط عطا نہیں فرماتا، مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیتوں میں عالم الغیب ہونے کی نسبت

اپنی ذات کریمہ کی طرف فرماتی ہے۔ البتہ اپنے برگزیدہ بندوں کو علم غیب عطا فرماتا ہے۔

جس نے مجھ کو دیا، اُس نے مجھ کو دیا۔ میرے ساتھ تھی اسے جانتے ہیں، ان میں سے کوئی چیز پائی جاتی ہے جسے میں مجھ کو پکا ہوتا ہوں، دیکھنے کے بعد مجھے وہ یاد آجاتی ہے جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے، پھر وہ سامنے آئے، تو اسے دیکھ کر اس کا چہرہ یاد آجاتا ہے۔
امام ابو داؤد، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ بخدا! میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ بھول گئے یا انہوں نے مجھ کو دیا، خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت تک پیدا ہونے والے ہر فتنے کے ایسے قائد اس کے باپ اور اس کے قبیلے کا نام بیان فرما دیا جس کے ساتھ تین سو یا اس سے زائد ہوں گے۔

امام ابویعلیٰ سند صحیح سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت غضب میں باہر تشریف لائے اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ أَلَيْسَ مَا إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهِ۔

آج تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی پوچھو گے، تو میں تمہیں اس کی خبر دوں گا
ہم سمجھ رہے تھے کہ جبرائیل امین علیہ السلام آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! ہمیں جاہلیت کے دور سے لگے ہوئے حضور! عرض فرمائیے
آپ ہمارے محبوب معاف فرمادیں، اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ سے توارے گا

امام ابویعلیٰ ایک ایسی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں جس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قریش کا یہ قبیلہ امن سے رہے گا، یہاں تک کہ کفار انہیں ان کے دین سے کفر کی طرف لوٹا دیں گے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جنت میں ہوں یا جہنم میں؟ فرمایا: جنت میں۔ پھر ایک دوسرے شخص نے اٹھ کر یہی سوال کیا تو فرمایا: آگ میں۔ پھر فرمایا: جب تک میں خاموش رہوں، تم بھی خاموش رہو۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا ہی چھوڑ دے گے، تو میں تمہیں اہل ناک کی پوری جماعت کے بارے میں خبر دیتا کہ تم انہیں پہچان لو، اگر مجھ کو اس کا حکم دیا گیا، تو میں بیان کر دوں گا۔

عورتوں سے کھل کر بات کرنے سے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے بارے میں کوئی حکم نازل نہ ہو جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال بعد ہم نے بلا تکلف بات کی۔

امام بیہقی، حضرت سہیل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے ہوئے بھی بغض باتیں کہنے سے گریز کرتا تھا کہ کہیں اس بارے میں قرآن پاک کی کوئی آیت نازل نہ ہو جائے۔

اس قسم کے معجزات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اکثر و بیشتر حالات میں کسی کے سوال کرنے پر یا سوال کے بغیر، موقع محل کے مناسب سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کا صدور ہوا ہے۔ اس قسم کے معجزات کی تعداد باقی عام معجزات سے زیادہ ہے۔

امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حال میں چھوڑا کہ ہر پرندے کے بارے میں ہمیں علم عطا فرمادیا۔

امام مسلم، حضرت عمرو بن الخطاب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف فرما ہوئے، ظہر کی نماز تک خطاب فرمایا، پھر اتر کر نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر چلوہ افروز ہو کر عصر تک خطاب فرمایا، نماز عصر پڑھ کر پھر منبر پر چلوہ کر ہوئے اور غروب آفتاب تک خطاب فرمایا۔ آپ نے ہمیں قیامت تک ہونے والی چیزوں کی خبر دی ہم میں سے بڑا عالم وہ تھا جس کا حافظہ زیادہ تھا۔

امام بخاری اور مسلم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک جگہ کھڑے ہوئے اور اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی ہر چیز کا بیان فرمایا، جس نے یاد رکھا، اُس نے یاد رکھا اور

ﷻ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا پیش کی، تو میں اسے اور اس میں قیامت تک ہونے والی اشیاء کو اس طرح دیکھ رہا ہوں، جیسے کہ اس شخص کی کوہ۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ۛ

وَفِينَا رَسُولُ اللَّهِ يَتْلُو كِتَابَهُ
إِذَا لَشِقْ مَعْرُوفٌ مِنَ الصَّبْحِ سَاطِعُ
أَنَا الْهَدَى بَعْدَ الْعَمَى فَمُلُّوْنَا
بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ

”ہمارے درمیان رسول اللہ تشریف فرما ہیں، جو صبح کے جانے پہچانے اُجالے کے پھیلنے پر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔

ہم نابینا تھے، آپ نے ہمیں راہ ہدایت دکھائی، اس ہدایت کے سبب ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا، وہ ضرور واقع ہو کر رہے گا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ۛ

يَبْقَى يَرَى مَا لَا يَرَى النَّاسُ حَالَهُ
وَيَتْلُو كِتَابَ اللَّهِ فِي كُلِّ مَشْهَدٍ
كَانَ قَالَ فِي يَوْمٍ مِمَّا لَمْ يَحْأَبِ

فَتَصَدَّقَ مَا فِي مَكْعُوذَةِ الْيَوْمِ أَوْغَدَ ۛ

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ارد گرد وہ کچھ (ملائکہ وغیرہ) دیکھتے ہیں جو دوسرے لوگ نہیں دیکھ سکتے اور ہر مقام پر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ اگر آپ کسی اعراف اب کے بارے میں کوئی بات کہہ دیں، تو اس کی تصدیق اسی دن چاشت کے وقت ہو جائے گی یا دوسرے دن۔

امام بخاری، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ ہم اپنی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم — اور علم غیب

ارشاد ربانی ہے، قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ
اِلَّا اللّٰهُ (النمل ۶۴، ۶۵)

تم فرمادو کہ اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے رہنے والے غیب نہیں جانتے
اور ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا،

وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ رَا لَانْعَامَ ۶۴، ۵۰

اور میں (از خود) غیب نہیں جانتا

اور

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ

اور اگر میں غیب جانتا، تو خیر کثیر جمع کر لیتا۔ (الاعراف ۱۸۸)

بغیر کسی شک و شبہ کے ہمارا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ غیب کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی دوسری مقبول بارگاہ ہستی کی زبان پر جس غیب کا اظہار ہوا ہے
وہ یا تو وحی کے ذریعے ہے یا الہام سے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیب کی جتنی خبریں
دی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے اور آپ کی نبوت و رسالت کے ثبوت کے طور پر ظاہر
ہوتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیب پر مطلع ہونا اس قدر مشہور تھا کہ لوگ ایک
دوسرے کو کہتے تھے کہ چپ رہ۔ اگر کسی اور نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی
تو میدان کے یسگر بیزے ہی آپ کو اطلاع دے دیں گے۔

امام طبرانی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے فرمایا،

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میدانِ طفتِ دکر بلا میں شہادت کی خبر دی۔ آپ نے ایک مٹھی مٹی دکھائی اور فرمایا، اس میں وہ دفن ہو گئے۔ یہ حدیث امام بیہقی نے روایت کی۔ ان کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف فرما تھے کہ اتنے میں حضرت حسین علیہ السلام ہوئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا یہ کون ہیں؟ ان کا سوال بے علمی پر مبنی تھا بلکہ وہ آئندہ ہونے والے واقعہ کی خبر دینا چاہتے تھے، حضور نے فرمایا، یہ میرا بیٹا ہے۔ جبرائیل امین نے عرض کیا کہ آپ کی امت انہیں شہید کرے گی۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس زمین کی نشان دہی کر دوں، جہاں انہیں شہید کیا جائے گا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عراق کے میدانِ کربلا کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہاں کی سرخ مٹی آپ کو دکھائی۔

مقدس ہے وہ ذات جس نے اپنے رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ملک کے اسرار اور اپنی سلطنت کے عجائب دکھائے۔ اپنی سلطنت کے جہانوں میں تعریف عطا فرمایا۔ آپ کو اپنی عظیم ترین دلیل اور مخلوقات کا سرور بنایا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا وسیع علم رکھنے والے بعض علماء نے چھ ہزار سے زیادہ معجزات گناتے ہیں۔ لے

کا فائدہ ہے۔ یہ حدیث امام بیہقی نے روایت کی۔

نبی مہتمم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ سراقہ بن مالک، کسری کے کنگن پہنیں گے نہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا، اس دن تیرا کیا حال ہوگا؟ جب تو کسری کے کنگن پہنے گا، یہ حدیث امام بیہقی نے روایت کی۔ کسری کے کنگن، امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آپ کے دو خلافت میں لائے گئے تو آپ نے وہ دو کنگن حضرت سراقہ بن مالک کو پہنا دیئے اور فرمایا، حمد ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے یہ کنگن کسری سے چھین کر سراقہ کو پہنا دیئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسری کے کنگن، حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنا کر عظمت ایمان کا اظہار فرمادیا کہ ایمان وہ عظیم نعمت ہے جس کے سبب وہ زیور جو عجم کے بادشاہ بطور فخر پہنتے تھے، عرب کے ایک بدوی کو پہنا دیئے گئے (نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی صداقت بھی لوگوں کو دکھادی)

نبی عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخر عمر میں تنہائی کی زندگی بسر کریں گے، اسی تنہائی کے عالم میں ایک دیرانے میں داعی اجل کو لبیک کہیں گے اور مختصر سی جماعت ان کے جنازے میں شامل ہوگی اور ایسا ہی ہوا۔ یہ حدیث امام احمد بن حنبل، امام بیہقی، ابن ماجہ اور ابن ابی اسامہ نے روایت کی۔

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید بن صوحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں خبر دی کہ ان کا ایک عضو، اُن سے پہلے جنت میں جانے کا، چنانچہ ایک جہاد میں ان کا بازو کٹ گیا۔ یہ حدیث امام بیہقی نے روایت کی۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ آپ کے وصال کے بعد وہ اُم المومنین سب سے پہلے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گی جن کے ہاتھ لے ہوں گے۔ سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا، ہاتھوں کی لباقی سے مراد صدقہ و خیرات کی کثرت تھی یہ حدیث امام مسلم نے روایت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں خبر دی اور فرمایا، میرا یہ بیٹا سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا اور ایسا ہی ہوا۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی علالت کے دوران ان کی وفات کے متوجہ ہونے کی خبر دی۔ انہوں نے بیماری کی حالت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اُمید ہے کہ تم زندہ رہو گے اور کچھ لوگ تم سے فائدہ اٹھائیں گے اور کچھ نقصان پائیں گے۔ یہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے روایت کی اور وہ اس کے بعد زندہ رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوتے ہوئے غزوہ موتہ میں مسلمانوں کے سربراہوں کے شہید ہونے کی نام بنام خبر دی۔ یہ حضرات مقام موتہ میں شہید ہوئے تھے۔ موتہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان تقریباً ایک ماہ کی مسافت ہے۔ جس دن یہ حضرات شہید ہوئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں فرمایا، زید بن حارثہ نے جھنڈا اٹھایا اور وہ شہید ہو گئے۔ پھر جعفر بن ابی طالب نے جھنڈا اٹھایا، اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا اٹھایا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ازخود خالد بن ولید نے جھنڈا اٹھایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح عطا فرمائی۔ حبشہ میں حضرت نجاشی کا وصال ہوا، تو اُسی دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی وفات کی خبر دی، حالانکہ حبشہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مہینے کی مسافت ہے۔ یہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے روایت کی۔

جس دن کسریٰ کی عراق میں موت واقع ہوئی، اسی دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی موت کی خبر دی، حالانکہ مدینہ منورہ اور عراق کے درمیان تقریباً چالیس دن

ایک شخص نے مال غنیمت میں سے ایک چادر اڑالی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ صرف اس شخص کی نشان دہی فرمائی، بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ وہ چادر کہاں ہے، چنانچہ وہ اسی جگہ پائی گئی۔

سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی گم شدہ اونٹنی کے مقام کی نشان دہی فرمائی اور بتایا کہ کس طرح اس کی تکمیل ایک درخت میں اٹک گئی ہے۔ صحابہ کرام اس جگہ پہنچے تو وہ انہیں اسی حال میں ملی۔

حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفوان کے ساتھ عمیر کی گفتگو بیان فرمائی۔ صفوان، تنہائی میں رازداری کے کے ساتھ عمیر کو کہا کہ تم سمجھا کہ اگر تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو شہید کر دے تو میں تجھے بہت سا مال دوں گا۔ جب عمیر بارگاہ رسالت میں شہید کرنے کے ارادے سے حاضر ہوئے، تو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو بیان فرمادی، چنانچہ وہ مشرف باسلام ہو گئے۔

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس کو اس مال کی خبر دی، جو وہ اُمّ فضل کے پاس پھوڑ آئے تھے، باوجودیکہ حضرت عباس نے اس معاملہ کو خفیہ رکھا اور وہ فرماتے تھے کہ اُس مال کا میرے اور اُمّ فضل کے علاوہ کسی کو علم نہ تھا، چنانچہ وہ حلقہ گواہوں کو اسلام ہو گئے، یہ حدیث امام احمد بن حنبل، حاکم اور امام بیہقی نے روایت کی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ابی بن خلف آپ کے ہاتھوں مارا جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں کفارِ قریش کے قتل ہونے کے مقامات کی نشان دہی فرمائی۔ ان کے قتل ہونے سے پہلے نام بنام کفار کے بارے میں فرمایا کہ اس جگہ فلاں قتل ہوگا اور اس جگہ فلاں، اور ایسا ہی ہوا۔

خونخوار ہوگا، چنانچہ اس قبیلہ سے مختار بن عبید کذاب پیدا ہوا (جو اس حد تک بڑھا کہ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا) اور حجاج بن یوسف ایسا جلا دار ظالم پیدا ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ مسلمان کذاب کو اللہ تعالیٰ قتل فرمائے گا چنانچہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں قتل ہوا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میرے اہل میں سے پہلے پہل میری صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرے ساتھ ملیں گی چنانچہ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دصال کے چھ ماہ بعد وصال فرما گئیں، اس وقت تک آپ کے اہل میں سے کسی کی فاطمہ نہیں ہوتی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت ہوگی، اس کے بعد سلطنت ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنی کے حال کی خبر دی، چنانچہ ان کا حال اسی طرح سامنے آیا۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر اندھی چلی تو مدینہ طیبہ میں ایک منافق کی موت کی خبر دی۔ صحابہ کرام جب مدینہ طیبہ پہنچے تو اس خبر کی تصدیق ہو گئی۔ ایک دن فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بارگاہ میں حاضر ایک جماعت کو فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص کی، آتشیں جہنم میں اُحد پہاڑ سے بھی بڑی داڑھ ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے تمام ساتھی ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ میرے علاوہ ایک شخص باقی رہ گیا، وہ مرتد ہو گیا اور یرمامہ کی جنگ میں اسی حال میں مارا گیا۔ فعوذ باللہ تعالیٰ یمن ذلک۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بارے میں خبر دی جس نے یہودیوں کا ایک مشکا پیر لیا تھا، چنانچہ وہ اس کے سامان میں پایا گیا۔

سعید بن مسیب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔
 حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو عباس کے سیاہ جھنڈوں کے ہمراہ نکلنے
 اور کئی گنا بڑی مملکت کے قائم ہونے کی خبر دی، چنانچہ آپ کا فرمان سچا ہوا۔
 نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی
 خبر دی اور فرمایا، عثمان قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے شہید ہوں گے اور قریب ہے
 کہ اللہ تعالیٰ انہیں قمیص (خلافت) پہنائے گا، مخالفین اس کے اتارنے کی کوشش کریں
 گے اور ان کا خون اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ" پیر کرے گا، چنانچہ ایسا
 ہی ہوا۔ (البقرہ ۲، ۱۳۷)

حضور سید الانبیاء علیہ وسلم الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: عمر کی زندگی میں فتنے ظاہر
 نہیں ہوں گے، چنانچہ جب تک وہ اس دنیا میں رہے، فتنوں نے سر نہیں اٹھایا۔
 آپ نے یہ بھی خبر دی کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی گروہ شہید کرے گا۔
 چنانچہ وہ حضرت اسیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔
 نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو خبر دی جس میں
 حضرت ابوہریرہ، حضرت حذیفہ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے کہ تم
 میں سے آخری آدمی کی موت آگ سے ہوگی، چنانچہ صحابہ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے
 کہ یہ کس کی طرف اشارہ ہے؟ حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے آخری وصال
 ہوا، وہ بوڑھے اور کمزور ہو گئے، یہاں تک کہ ان کی عقل میں فرق آگیا اور جسمانی طور پر
 مفلوج ہو گئے۔ انہوں نے اپنے جسم کو آگ سے دافا جس کے سبب ان کا جسم جل گیا
 اور ان کی وفات واقع ہو گئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی صداقت
 لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ قبیلہ تغنیف میں ایک کذاب اور

امام حاکم کی روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان مصائب کی خبر دی جو آپ کے اہل بیت کو لاحق ہوں گے، مثلاً حسنین کرمین اور باقی اہل بیت کے واقعات شہادت انہیں شہید کرنے اور خوف زدہ کرنے کی خبر دی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ حوآب (ایک گاؤں کا نام) کے کتے آپ کی ایک زوجہ مطہرہ ام المؤمنین پر بھونکیں گے اور ایسا ہی ہوا کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئیں، مصالحت تو نہ ہو سکی، لیکن جب مقام حوآب میں پہنچیں تو وہاں کے کتے بھونکنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان سچا ہو گیا۔ یہ حدیث امام احمد بن حنبل اور امام بیہقی نے روایت کی۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی کہ آپ کی بعض ازواج مطہرات (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے آس پاس بہت سے لوگ قتل کیے جائیں گے اور وہ محفوظ رہیں گی جیسے کہ امام ہزار نے سند صحیح سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ بعض محدثین نے بیان کیا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ارد گرد مقتولین کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی اور ام المؤمنین محفوظ رہیں اور حوآب کے کتے انہیں دیکھ کر بھونکنے لگے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور اس بد بخت کا تذکرہ فرمایا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرِ قدس کے خون سے آپ کی داڑھی کو رنگین کرے گا۔ یہ حدیث امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی نے روایت کی۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو امیہ کی حکومت کی خبر دی جیسے کہ امام ترمذی اور حاکم نے یہ حدیث حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور امام بیہقی نے حضرت

اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔

عرب کے لیے یہ فتنہ اور شر حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شہادت کی صورت میں واقع ہوا۔ اس کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہائیکہ پیش آیا۔ پھر نارا ریوں کے بغداد پر حملہ کرنے اور خلافت اسلامیہ کے ختم کرنے کی صورت میں یہ فتنہ اپنے عروج کو پہنچ گیا، یہاں تک کہ مسلمان تین سال تک خلیفہ کے بغیر رہے اللہ کی پناہ! حکم اسی کا نافذ ہے اور اسی کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے۔ زبانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صادر ہونے والی اللہ تعالیٰ کی اس خبر کی سچائی روزِ روشن کی طرح واضح اور ظاہر ہو گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میری امت کی حکومت زمین کے مشرق و مغرب تک پہنچے گی۔ امام مسلم حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ نَزَّاهِي إِلَى الْأَرْضِ ضَ فَرَأَيْتُمْ مَشَارِقَهَا
وَمَغَارِبَهَا وَسَيَبْلُغُ مُلْكُ أُمَّتِي مَا نَزَّاهِي إِلَى مِنْهَا
اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا، تو میں نے اس کے مشرقی اور
مغربی حصوں کو دیکھا، عنقریب میری امت کی حکومت ان مقامات تک
پہنچے گی جو میرے سامنے سمیٹ کر پیش کیے گئے۔

مطلب یہ کہ تمام زمین سمیٹ کر یک دم میرے سامنے پیش کر دی گئی اور میری
امت اسے آہستہ آہستہ فتح کرے گی، یہاں تک کہ تمام زمین کی مالک بن جائے گی، چنانچہ
اس امت کی حکومت مشرق سے مغرب تک پہنچی، لیکن شمال و جنوب کی طرف اتنی نہیں پھیلی
کیونکہ حدیث میں شمال اور جنوب کی طرف پھیلاؤ کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے بھی روزِ عالم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت ظاہر ہو گئی۔

حدیث شریف میں لفظ اَٹْطَاط واقع ہے جو قَطُّ کی جمع ہے، یہ ایک قسم کی مری ہے جس کے ساتھ کجاوہ ڈھانپا جاتا ہے۔

یہ عظیم و جلیل معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آنے والے واقعات دکھا دیئے، آپ نے ان کی خبر دی اور ایک عرصہ بعد وہ ہمارے سامنے نظر پڑے ہوئے۔ آج دنیا بھر کے بہت سے مسلمان اپنے گھروں کو کئی قسم کے کپڑوں سے ڈھانپتے ہیں، دروازوں اور کھڑکیوں کے آگے پردے آویزاں کرتے ہیں اور سونے کے لیے پٹنگوں پر گدے بچھاتے ہیں جو انہیں کجاوہ کی طرح ڈھانپ لیتے ہیں عرب و عجم کے اسلامی ممالک کے اہل ثروت میں یہ رواج عام ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بے پایاں شکر ہے کہ اُس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ پورا فرما دیا۔

آپ نے یہ بھی خبر دی کہ میری امت جب فخر و ناز سے چلے گی اور فارس اور روم کی بیٹیاں ان کی خدمت کریں گی، تو اللہ تعالیٰ ان کا رعب اور خوف خود اُن پر مسلط فرما دے گا اور ان کے شریر لوگوں کو اچھے لوگوں پر مسلط فرما دے گا۔

اس حدیث میں لفظ مَطِيطَاء واقع ہوا ہے جس میں مضموم، دونوں طاء مفتوح اور ان کے درمیان یا ساکنہ اور آخر میں الف ممدوہ ہے، اس کا معنی ہے فخر اور تکبر۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ آپ کی امت، ترک، خزرا اور روم سے جہاد کرے گی اور قیسر و کسری اور فارس ختم ہو جائیں گے۔ پھر کوئی قیسر، کسری اور فارس نہیں ہوگا۔ امام بخاری اور مسلم نے یہ حدیث روایت کی، لیکن اس روایت میں فارس کا ذکر نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی کہ عنقریب عرب کے لیے شر واقع ہوگا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

وَيُلْ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرِّ قَدْ اقْتَرَبَ
عرب کے لیے ہلاکت ہے اس شر سے جو قریب ہے

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ کل علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں خیبر فتح ہوگا۔ امام بخاری و مسلم، حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کل اس شخص کو جھنڈا دوں گا جو خدا و رسول کا محبوب اور محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائے گا۔ پھر حضرت علی مرتضیٰ کو بلایا، اُن کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ آپ نے اُن کی آنکھوں میں لعابِ درہن لگایا، وہ شفا پا کر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔

امام بخاری اور مسلم راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ دنیا آپ کی امت کے لیے فتح کی جائے گی اور آپ کی امت کو دنیا کی زینت و زینت عطا کی جائے گی۔ (یعنی انہیں مال و جاہ کی کثرت عطا کی جائے گی اور وہ قیصر و کسری کے خزانے آپس میں تقسیم کریں گے۔ ۱۲ رفاعی)

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امورِ غیبیہ کے بارے میں بطورِ خرقِ عادت اور معجزہ جو کچھ بیان فرمایا تھا، وہ حرفِ بحرف صحیح ثابت ہوا۔

آپ نے امت میں پیدا ہونے والے فنون، اختلافات اور خواہشِ نفس کی بناء پر پیدا ہونے والے مختلف مذاہب اور امت کے تہتر فرقوں میں بٹ جانے کی خبر دی اور یہ بھی فرمایا کہ ان میں سے نجات پانے والی ایک جماعت ہی ہوگی۔ دنیا نے آپ کے فرامین کی سچائی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی کہ آپ کی امت کے لیے دریاں، (قالین وغیرہ) بھجائی جائیں گی، وہ صبح ایک حلقہ دو چاروں کا مجموعہ بنیں گے اور شام کو دوسرا، ان کے آگے کھانے کا ایک پیالہ (دو حلقہ) رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھا لیا جائے گا اور ان کے گھر کچے کی طرح ہر دوں سے ڈھانپے جائیں گے (پھر صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اور اُن کی اس وقت کی حالت تمہاری آج کی حالت بہتر ہے۔

میں فتح ہو گیا۔ یہ امر مستشرقین، محدثین اور مؤرخین کے نزدیک معروف ہے اور امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی فتح کی خبر دی جو پوری ہوئی جیسے کہ امام بخاری و مسلم نے حضرت عوف بن مالک سے روایت کیا۔

آپ نے یمن، شام اور عراق کی فتح کی خبر دی اور ان میں سے ہر ایک آپ کی خبر کے مطابق فتح ہو گیا جیسے کہ امام بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

امام بخاری راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وقت اس حد تک امن قائم ہو گا کہ ایک عورت چہرہ و کوفہ کے قریب ایک شہر کے مکہ معظمہ تک سفر کرے گی اور اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہو گا۔

نیز امام بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اہل مدینہ سے جنگ کی جائے گی (چنانچہ ایسا ہی ہوا)

امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ جنگ قیامت کے قریب واقع ہوگی اور امام تلمسانی فرماتے ہیں کہ یہ جنگ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں واقع ہوئی۔ یزید نے اپنے لشکر شام سے مدینہ طیبہ بھیجے۔ انہوں نے اہل مدینہ سے جنگ کی اور انہیں ٹوٹا۔ یہ جنگ معروف ہے اور مقام تحرة میں واقع ہوئی۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے باہر ہے، جہاں سیاہ پتھر بکھرے ہوتے ہیں۔ اس جنگ میں مہاجرین و انصار کے بہت سے صاحبزادگان شہید ہوئے۔ یہ واقعہ ماہ ذوالحجہ ثلاثہ میں پیش آیا۔ اس واقعہ کے بعد یزید فوت ہو گیا۔

امام نووی اور تلمسانی کے اقوال میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس جنگ کی خبر دی ہے، وہ مطلق ہے۔ آپ کے بیان میں اس کے زمانے کی تعیین نہیں ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ جنگ دو دفعہ ہو۔ ایک دفعہ یزید کے زمانے میں جیسے امام تلمسانی نے فرمایا اور دوسری دفعہ قیامت کے قریب جیسے امام نووی نے فرمایا۔

طی اسمیل

لے السید محمد مہدی الرفاعی الشہید بالہداس

اس سے پہلے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت گزر چکی ہے کہ ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جگہ کھڑے ہوئے اور قیامت تک ہونے والی ہر چیز بیان فرمادی جس نے یاد رکھا، اُس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا، اُس نے بھلا دیا (حضرت حذیفہ فرماتے ہیں، میرے ساتھی حاضرین صحابہ کرام کو اس واقعہ کا علم ہے۔ ان میں سے کوئی چیز پائی جاتی ہے، جسے میں مجھ بول چکا ہوتا ہوں، تو میں اسے اس طرح پہچان لیتا ہوں، جیسے کوئی شخص غائب رہا ہو، پھر سامنے آئے تو یاد آ جاتا ہے۔

پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی بھول گئے ہیں یا انہوں نے از خود بھلا دیا ہے؛ بخدا! قیامت تک جو بھی فتنے کا قائل ہونے والا ہے جس کے ساتھی تین سو یا اس سے زیادہ ہوں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا، اس کے باپ کا اور اُس کے قبیلے کا نام بیان فرمایا (بخاری و مسلم،

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حال میں چھوڑا کہ فضا میں اڑنے والے ہر پرندے یا اُس کی پرواز کے بارے میں ہمیں علم عطا فرما دیا تھا (یعنی ہمیں اس پرندے یا اس کی پرواز کے تعلق اجمالی یا تفصیلی احکام بیان فرما دیئے) (رقاعی، اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی نے صحیح سند سے، ابویعلیٰ اور ابن مینے حضرت ابوالدرداء سے اور انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا۔

کتب صحاح کے مصنفین جیسے امام بخاری، مسلم، ابن حبان، ابن خزیمہ، حاکم، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کی روایت کردہ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بکثرت امور غیبیہ کی خبر دی اور ان کے ظہور کا وعدہ فرمایا۔ صحابہ کرام کو دشمنوں پر غالب آنے کی بشارت دی، چنانچہ وہ آپ کے بیان کے مطابق دشمنوں پر فتح یاب ہوئے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں صلوٰۃ واکسلا تسلیم

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ کی بھی خبر دی، چنانچہ مکہ مکرمہ آپ کی حیات شریفہ

یہ حدیث امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔
۴۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہیں بھیجتے
ہوئے فرمایا:

اگر میری اس مسجد اقدس پر کسی نے ہاتھ رکھا تو میں اس کا بدلہ لے لوں گا۔

(مسند امام احمد بن حنبل)

ہماری مسجد میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے صحابہ کرام کو دعا کا حکم دیا، جب میدان بدر میں پہنچے تو زمین پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہاں فلاں
کا ذکر کرے گا اور یہاں فلاں، جس جس جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نشان دہی فرمائی تھی
کوئی کافر اس سے ادھر ادھر نہیں گرا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت میں ہے:

وَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا أَخْطَأُوا لِحُدُودِ الْكِتَابِ

حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ (رضی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا۔ نبی اکرم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی نشان زدہ جگہوں سے وہ بالکل دائیں یا بائیں نہیں گزرے

امور غیبیہ کی خبریں

یہ امور غیبیہ کہ ان کے علم یا نبیوں سے بنا ہے۔ اس کا علم

لکھن سے پوشیدہ امور کا ذکر اور علم اللہ تعالیٰ یہ علم عطا فرماتا ہے تاکہ قوم کے سامنے حق کی بات
کی دیکھ سکیں۔

منغیبات کا علم اور ان کی روز روشن کی طرح خبریں دینا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا ایک معجزہ ہے۔ اشیاء غیبیہ کی خبریں ہم تک ناقابل انکار و تواتر قطعی سے پہنچی ہیں۔ جن میں
چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ احادیث حدیث شمار سے باہر ہیں۔

سے پوچھا کہ ہمارے شہر میں کب بارش ہوگی؟ تو اُس نے بتایا کہ فلاں دن ہوگی، وہاں کچھ منافقین بھی موجود تھے، انہوں نے اس بات کو یاد رکھا اور تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی اس شہر میں بارش ہوئی تھی، تو وہ ایمان لے آئے اور بارگاہ رسالت میں بھی اس واقعے کا ذکر کیا جسٹور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو مزید قوت عطا فرمائے۔

۲۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اہل مصر کو فرمایا:

تَزِدُّعُونَ سَبْعَ سِنِينَ ذَا بَأْسًا رِیُوسَف ۱۲، آیہ ۴۷

تم سات سال لگاتار کاشت کاری کرو گے

پھر فرمایا:

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ (یوسف ۱۲- آیہ ۴۸)

پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے

پھر فرمایا:

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يُعْصَرُونَ (یوسف ۱۲، آیہ ۴۹)

پھر اُن کے بعد ایک سال آئے گا، جس میں لوگوں کو بارش دی جائے گی اور اس میں رس بچھڑیں گے،

علم غیب کے چند مزید شواہد

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع فرمادیا تھا کہ آپ کا وصال مدینہ طیبہ میں ہوگا، چنانچہ انصار کرام کو فرمایا:

الْمَحْيَا مَحْيَا كُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ

جہاں سے تم زندہ رہو، وہاں سے تم مرنا

ہیں تو اسما ہے ، دوسری بہن کو نسی ہے ؛ فرمایا :

ذُو بَطْنٍ بُدَّتْ خَا رِجَلَهٗ

(غارِ جہ کی بیٹی (حضرت ابوبکر کی اہلیہ محترمہ) کے پیٹ والی)

طبقات ابن سعد میں اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ میرے دل میں القا کیا گیا ہے کہ وہ لڑکی ہے میں نہیں جانتی کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا، چنانچہ ائمہ کلثوم پیدا ہوئیں ۔
۴۔ بحشر صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ رحم پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو بچے کو مذکر یا مؤنث کی صورت اور حسین و قبیح شکل بناتا ہے ، اس کی عمر اس کا رزق لکھتا ہے اور یہ کہ وہ خوش بخت ہے یا بد بخت ؟ اس فرشتے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مافی الارحام کا علم عطا فرمایا جاتا ہے ۔

بارش کا علم

امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں ایک عنوان قائم کیا ہے :

بَابُ اَحْبَابِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم عَنْ السَّحَابَةِ الَّتِیْ اَمْطَرَتْ بِالْیَمَنِ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن میں برسنے والے بادل کی خبر دی ۔

۱۔ امام بیہقی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا : بادل پر مقرر فرشتہ ابھی ابھی میرے پاس آیا۔ اس نے سلام کے بعد مجھے بتایا کہ وہ یمن کی ایک وادی، ضربج کی طرف بادل لے جا رہا ہے۔ اس کے بعد ایک سووار ہمارے پاس آیا جس نے پوچھنے پر بتایا کہ اس روز بارش ہوئی تھی ۔

امام بیہقی فرماتے ہیں اس کی تائید حضرت بکر بن عبد اللہ مزیٰنی کی روایت سے ہوتی ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ میرے پاس بادل کا فرشتہ فلاں شہر سے آیا، جہاں فلاں دن بارش ہوئی ۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس فرشتے

راوی ہیں کہ مجھے حضرت ام فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے گزری تو آپ نے فرمایا تمہارے پیٹ میں ایک لڑکا ہے، جب وہ پیدا ہوا تو اسے میرے پاس لانا۔ انہوں نے عرض کیا، میری قسمت میں یہ کہاں؟ قریش نے تو عملِ زوجیت کے ترک کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ فرمایا، میں نے تجھے جو کچھ بتا دیا ہے، وہ درست ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب وہ لڑکا پیدا ہوا، تو میں اسے بارگاہِ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں لے آئی۔ آپ نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی، اسے اپنا لعاب دہن عطا فرمایا اور اس کا نام عبداللہ رکھا اور فرمایا: خلفاء کے باپ کو ملے جا، میں نے یہ اطلاع حضرت عباس کو دی تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا: حقیقت یہی ہے جو میں نے ام فضل کو بتا دی ہے۔ یہ خلفاء کا باپ ہے، ان میں سے سفاح، مہکا اور ان میں سے مہدی مہکا (چنانچہ ایسا ہی ہوا)

ان دو حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نافع الارحام کا علم عطا فرمایا۔

۳۔ بلکہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں اور امام بخاری نے بھی اس حدیث کو منتقل کیا ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے مقامِ غابہ میں واقع بارخ سے بیس دس کھجوریں حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب ان کے وصال کا وقت قریب ہوا، تو فرمایا، بیٹی! مجھے تم سے زیادہ کسی کا غنی نہ محبوب نہیں اور اپنی وفات کے بعد تم سے زیادہ کسی کے فقیر کا غم نہیں ہے۔ میں نے تمہیں بیس دس کھجوریں حاصل کرنے کی اجازت دی تھی، مگر تم حاصل کر کے اپنے پاس محفوظ کر لیتیں، تو وہ تمہاری ملکیت ہوتیں۔ آج وہ وارثوں کا مال ہے اور وہ ہیں تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں۔ تم اسے قرآن پاک کے حکم کے مطابق تقسیم کر لینا۔ حضرت ام المؤمنین نے عرض کیا اباجان! سچا اگر وہ مال اس سے بھی کہیں زیادہ ہوتا، تو میں اسے چھوڑ دیتی۔ میری ایک

باری تعالیٰ وَعِندَ لَا مَفَاتِحُ الْغَيْبِ (اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں) کی تفسیر ان پانچ چیزوں سے فرماتی ہے۔ (الانعام ۵۹:۶)
 اس کے بعد علامہ قرطبی نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے کے بغیر ان پانچ چیزوں میں سے کسی کے جاننے کا دعویٰ کرے، وہ اپنے دوسے میں جھوٹا ہے۔

غور کیجئے کہ علامہ قرطبی نے اس شخص کو جھوٹا قرار دیا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے کے بغیر ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک کے جاننے کا دعویٰ کرے۔ (اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے علم کا دعویٰ کرنے والے سچا ہو سکتا ہے)

مغنیات خمسہ کا خدا داد علم

ما فی الارحام کا علم

۱۔ امام مہرانی رحمہ اللہ میں اور امی مہار، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کی والدہ حضرت ماریقہ بطیہ کے پاس تشریف لاتے، وہ اس وقت اُمید سے تھیں۔ اس کے بعد باقی حدیث بیان کی جس میں یہ ارشاد ہے میرے پاس جبرائیل امین علیہ السلام تشریف لاتے اور مجھے بشارت دی کہ ان کے پیٹ میں لڑکا ہے اور وہ سب سے زیادہ میرے مشابہ ہے اور مجھے کہا کہ میں اس کا نام ابراہیم رکھوں اور میری کنیت ابوابراہیم قرار دی۔
 امام سیوطی علیہ الرحمہ نے جامع کبیر میں فرمایا کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔
 ۲۔ ابوالعیم، دلائل النبوة میں اور خطیب بغدادی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

کیا یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے؟ اور اسی کی ذات میں منحصر ہے؟ ایک محقق عالم اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ آیات، خصوصی اختصاص تو کجا مطلق اختصاص پر بھی دلالت نہیں کرتیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **يُنَزِّلُ الْغَيْثَ** (وہ بارش نازل فرماتا ہے) اور ارشاد فرماتا ہے: **وَيَعْلَمُ مَا فِي الْكَرِّ حَاحِرًا** (اور جھول کی ہر چیز کو جانتا ہے) ان امور کے مقامِ حمد میں ذکر کرنے سے مطلقاً یہ لازم نہیں آتا کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صفتِ سمع، بصر اور علم سے اپنی تعریف فرمائی اور بندوں کے یہ اوصاف بھی گناتے **جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ** **وَالْأَفْئِدَةَ** (تمہارے فائدے کے لیے کان، آنکھیں اور دل پیدا فرمائے) اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ وصف بیان فرمایا، **لَا يَضِلُّ سَاقِي وَلَا يَنْسِي** (میرا رب نہ بھولے اور نہ بھولے) حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی ضلال (بھٹکنے) سے منترہ ہیں۔ **يَا قَوْمِ لَيْسَ فِي ضَلَالَةٍ رَأْسَ قَوْمٍ** (اے قوم! میں پہلے کا ہوا نہیں ہوں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ** بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ جہیز ظلم نہیں فرماتا، انبیاء کرام بھی ظلم سے مبرا ہیں۔ (النساء: ۴۰) **لَا يَتَّخِذُ الْظَّالِمِينَ** (میرا عہد نبوت، ظالموں کو نہیں ملتا) (البقرہ: ۲۵۷) بخاری شریف کی شرح ارشادِ ساری میں سورہ رعد کی تفسیر میں ہے۔ اس آیت میں پانچ غیبوں کا ذکر فرمایا ہے، اگرچہ غیب شمار سے باہر ہیں، کیونکہ عدد، زائد کی نفی نہیں کرتا۔ علامہ بدر الدین عینی، عمدۃ التفاری، شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

علامہ قرطبی فرماتے ہیں اس حدیث کی بنا پر کوئی شخص ان پانچ چیزوں تک رسائی کی امید نہیں رکھ سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد

لہ احمد رضا خاں قادری، علامہ شریح، الدولۃ الکبریٰ

شامل ہے جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہاں کے ثواب و عقاب لوگوں کے جنت اور دوزخ میں اپنی اپنی منزلوں میں جانے اور اس سے بھی بعد تک کی تفصیلات اللہ تعالیٰ کے دینے ہوئے علم کے مطابق اپنی اُمت کو بیان فرمائیں۔ اسی طرح شبِ معراج ۱۷ اس سے پہلے اور اس کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق اتنے علوم حاصل ہوئے کہ ان کی مقدار دینے والا ہی جانتا ہے۔ اس تفصیل سے علامہ بوصیری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے فرمان کا مطلب واضح ہو گیا، وہ فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ میں جو ماکان و مایکون کا علم ثابت ہے، وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدا داد علوم کا بعض ہے۔

مختصر یہ کہ شیخ ابن مینے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۶ وغیرہ میں تمام تر الزام سید مالکی کو دینے کی کوشش کی ہے اور انہیں گمراہ، گمراہ کن اور صراطِ مستقیم سے برگشتہ قرار دیا ہے بلکہ انہی میں انہیں یہ احساس نہیں رہا کہ سید علوی مالکی نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا، بلکہ انہوں نے علامہ بوصیری کا قول نقل کیا ہے۔

قرآن پاک کی آیتِ کریمہ اور ایک حدیث کا مطلب

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے،

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ
مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا
وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
خَبِيرٌ (لقمان ۳۱ - آیت ۳۴)

یہ ایک قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے، وہ بارش نازل فرماتا ہے اور یہ وہ چھپتا
جاننا ہے جو رحمہ اللہ میں ہے اور کوئی جاننا نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کوئی جاننا
نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا، یہ شک اللہ نے مالا اور عبود اللہ

وَكَاَن فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (اور تم پر اللہ کا احسان عظیم ہے) (النساء ۱۱۳/۴)
اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر
کس قدر بڑا احسان فرمایا ہوگا؟

لوح و قلم کا علم

گذشتہ تفصیل کی روشنی میں ہم امام علامہ ابو سعید علیہ الرحمہ کے اس مصرع کا معنی سمجھ سکتے ہیں

وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللّٰوْحِ وَالْقَلَمِ

حضرت علامہ علاء علی قاری، قصیدہ بردہ کی شرح الرتبة میں اس شعر کی شرح میں

نہر مالتے ہیں،

”لوح کے علوم سے مراد وہ مقدس نقوش اور نبی صہبتیں ہیں جو اس میں

ثبت ہیں اور قلم کے علم سے مراد وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس

میں ودیعت فرمایا ہے۔“

لوح محفوظ میں صرف دنیا کے حالات ووقائع لکھے گئے ہیں، کیونکہ آخرت و رقیات

کے بعد ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اس سے بھی ماورائیں، جو لوح محفوظ میں نہیں سما
سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بارے میں فرمایا ہے،

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (النساء ۷۷/۴)

تم فرما دو کہ دنیا کا ساز و سامان تھوڑا ہے

جس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے قلیل قرار دیا ہے، وہ اس کی عظیم و جلیل ذات و صفات کے مقابل

کیا حیثیت رکھتی ہے؟ اس سے پہلے جو صحیح حدیثیں نقل کی جا چکی ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہے

کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم، مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ (جو کچھ دنیا میں ہو چکا اور ہوا آئندہ

ہوگا) کے علاوہ رزق قیامت حشر و نشر، حساب و کتاب اور میدان محشر کے مختلف مقامات کو

- ۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے سے وجود حقیقی کی نفی فرماتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ دوسری روایت کے مطابق یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔
- ۲۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تعینات کا علم ثابت کیا ہے، کیونکہ انہوں نے سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر غیب کا امین قرار دیا ہے اور جو کسی شے کا علم ہی نہ رکھتا ہو، وہ اس کا امین نہیں ہو سکتا۔
- ۳۔ ان کا ایمان یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفاعت عطا فرمائی گئی ہے۔ جیسے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ** اور مجھے شفاعت دی گئی۔

ضروری وضاحت

کوئی مسلمان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب، اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا ہے، **قُلْ إِنَّمَا بَشَرٌ مُّشْكِكُمْ** تم کو یاد دلاؤ کہ میں صرف انسان ہوں تمہاری طرح، تو اس کے ساتھ ہی یہ منسردا دیا، **يُؤْتِي السَّخَرَةَ حَمِيمًا مُّطَاعًا** اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان مشرکوں کی سخت مذمت فرمائی، جنہوں نے انبیاء کرام کی ممانعت کا دعویٰ کیا اور کہا، **مَا أَكْتُمُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** (تو تم جیسے انسان ہو)۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا قَوْلَهُمْ سِمْيَٰءٌ مِّثْلُ بَرَقٍ** (اے ایمان والو! نہ کہو کہ ان کے قوال سیمیاء کی طرح برق کی مانند ہیں)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَعَلَيْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (النساء ۴۸)

اور تمہیں وہ سب کچھ بتا دیا، جو تمہیں معلوم نہ تھا

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اپنے اس احسان کا اظہار فرمایا ہے کہ اُس نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ بتا دیا جو انہیں معلوم نہ تھا اور اس کے بعد فرمایا:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خدا داد علم غیب کی نسبت کرنا
اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس پر انکار نہ فرمانا

حضرت سواد بن قاریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت مکیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

میں نذرانہ حقیقت پیش کرتے ہوئے عرض کیا،

فَأَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ لَا شَيْئَ غَيْرُهُ
وَأَنَّكَ مَا مُوْنٌ عَلَى كُلِّ غَائِبٍ
وَأَنَّكَ أَدْنَى الْمُرْسَلِينَ شَفَاعَةً
إِلَى اللَّهِ يَا ابْنَ الْكَرَمِينِ الْأَطَايِبِ
فَكُنْ لِي شَفِيعًا يَوْمَ لَا دُفُوعَ شَفَاعَةٍ
يَسْأَلُكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبٍ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے (موجود حقیقی) نہیں ہے

اور آپ پر غیب پر امین بناتے گئے ہیں۔

اسے غیب اور مقننہ ستوں کے شہم و چراغ اللہ تعالیٰ کی ہر گز میں تپاؤں

شفاعت تمام رسولوں سے زیادہ قبول ہے

آپ اس دن میری شفاعت فرمائیں، جب آپ کے سوا، سواد بن قاریب

کا کوئی ملجا نہ ہوگا۔

پس یہ اشعار اسی طرح بیان کئے گئے پہلے، دوسری روایت میں لاشیٰ غیور کی جگہ

لَا رِبَّ غَيْرُهُ مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔

حضرت سواد بن قاریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے نعتیہ قصیدہ میں درج ذیل امور بیان کیے

نے فرمایا، فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔

۱۔ پس میں نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو جان لیا

ایک دوسری روایت میں ہے،

۲۔ میں نے مشرق و مغرب کی تمام چیزوں کو جان لیا

مستند امام احمد، طبقات ابن سعد اور امام طبرانی کی معجم کبیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابولعلی، ابن منیع اور امام طبرانی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ

”ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مال میں چھوڑا کہ فضا میں چلنے

کرنے والے ہر بندے کے بارے میں ہمیں علم عطا فرمادیا تھا۔“

صحیحین میں نماز کسوف (سورج گرہن) کی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

”جو چیز میں نے بھیجی تھی، مجھے ۱۰۰ اس جگہ دکھادی گئی“ (ترجمہ)

امام طبرانی، معجم کبیر میں، نعیم بن حماد، کتاب الفتن میں اور ابونعیم، حلیۃ الاولیاء میں حضرت

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،

”اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دنیا باند کی تو میں اسے ادا میں ہی قیام دے

تک رہنے والی ہرجیر کا مشاہدہ کرتا ہوں جیسے کہ میں اپنی جہیل کو دیکھتا ہوں“

اللہ تعالیٰ نے تمام زمین آپ پر منکشف فرمادی جیسے کہ آپ سے پہلے دوسرے انبیاء کرام پر

منکشف فرمائی۔

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

وَلِيَكُون مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ (الانعام، آیت ۷۵)

اور اسی طرح ہم دکھاتے ہیں ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی

۱۔ اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں سے ہوا ہے۔

خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ۔

پانچ چیزوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ۔

(النمل، ۲، آیت ۶۵)

تم فرمادو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا، زمین و آسمان کا کوئی رہنے والا غیب نہیں جانتا
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانچ چیزوں کی تخصیص فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے تعیم
فرمائی ہے۔ ہمارا دونوں پر ایمان ہے اور تخصیص تعیم کے منافی نہیں ہے۔ پانچ چیزوں کو
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور دوسرے غیب جو ان سے بھی اعلیٰ اشرف اور اذوق ہیں
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، بلکہ کسی شے کو بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا (یعنی از
خود کسی بھی غیب اور شہادت کا جاننا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے) بلکہ حقیقی موجود بھی
صرف اللہ تعالیٰ کا ہے (باقی سب اس کے دیئے ہوئے وجود موجود ہیں) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے کبید کے اس قول کو صادق ترین قول قرار دیا،

أَكُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَقَ اللَّهُ بَاطِلٌ

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل (فی حد ذاتہ معدوم) ہے کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا
کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم تمام معلومات الہیہ کو محیط ہے، کیونکہ مخلوقات کے
لیے یہ ناممکن ہے۔

احادیث سے دلائل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (الانعام، ۷۵، آیت ۷۵)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں بادشاہی آسمانوں اور زمین کی

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ
لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (آل عمران ۴۳، آیت ۴۴)
یغیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمہیں خفیہ طور پر بتاتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ
تھے جب وہ اپنے قلموں سے قلم ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں ہے
اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهَا اِلَيْكَ (ہود ۱۱، آیت ۴۹)
یغیب کی کچھ خبریں ہیں، جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں
دیکھئے رب کریم نے ایک آیت میں فیصلہ کن انداز میں (مخلوق سے علم غیب کی) نفی کی
ہے اور فرمایا:

لَا يَعْصِمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبُ اِلَّا اللّٰهُ (النمل ۶۴)
اور دوسری آیت میں رسولانِ گرامی کے لیے علم غیب ثابت کیا ہے جس میں کسی شے
کی کوئی گنجائش نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا مَنْ اٰمَرَ تَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الحج ۷۲، آیت ۲۷)
یہ تمام آیات برحق ہیں، ان پر ایمان لانا واجب ہے جو ان میں سے کسی آیت کا بھی انکار
کرے، وہ قرآن پاک کا منکر ہے، لہذا جو سرے سے نفی کرتا ہے اور کسی طرح بھی علم غیب
ثابت نہیں کرتا، وہ آیات اثبات کا منکر ہے اور جو مطلقاً ثابت کرتا ہے اور کسی طرح بھی
نفی نہیں کرتا، وہ آیات نفی کا منکر ہے اور مومن وہ ہے جو تمام آیات کو ماننا ہے اور ایسا
رویت اختیار نہیں کرتا کہ بعض کو مانے اور بعض کو نہ مانے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ-

(النمل ۲۷، آیت ۶۵)

اللہ کے سوا زمین و آسمان کا کوئی بھی ہاشمہ غیب نہیں جانتا

وہاں یہ بھی مخصوص ہے

فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنْ أَمَرَ تَنْصِلُ مِنْ رَسُولٍ-

(الحج ۷۲، آیت ۲۶)

وہ اپنے خاص غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا، مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْهِرَ عَلَيْكَ الْغَيْبَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُجِيبُ

مِنْ رَسُولِهِ مَنْ يَشَاءُ- (آل عمران ۳، آیت ۱۷۹)

اللہ کی یہ شان نہیں کہ اسے عام لوگوں کو، تمہیں غیب کا علم دے۔ بلکہ اللہ چاہے

اپنے رسولوں سے جسے چاہے

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (التکویر ۸۱، آیت ۲۷)

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ

عَظِيمًا- (النساء ۴، آیت ۱۱۳)

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ

لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَسْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ (یوسف ۱۲، آیت ۱۰۲)

یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمہیں غصیہ طور پر بتاتے ہیں اور تم ان کے پاس

نہ تھے، جب انہوں نے اپنا کام پکا کیا اور سریب کا جال بچھا

رہے تھے

مگر اس آیت کے منکر ہو گئے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ
ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء ۴، آیت ۴۸)

اللہ اس جرم کو نہیں بخشتے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔
اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دے گا

مُرجیہ (جن کے نزدیک نجات کے لیے صرف ایمان کافی ہے عمل کی ضرورت نہیں) اللہ تعالیٰ
کے اس ارشاد پر تو ایمان لائے۔

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ
جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (النور ۳۹، آیت ۵۳)
اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بیشک اللہ تمام گناہ بخش دے گا۔ بیشک وہ
بہت بخشنے والا، مہربان ہے
لیکن اس آیت کے منکر ہو گئے۔

مَنْ يَعْمَلْ سُوءً يُجْزَ بِهِ (النساء ۴، آیت ۱۲۳)

جو بڑا کام کرے گا، اُسے اس کی جزا دی جائے گی

اس کی اور بہت سی مثالیں ہیں (خلاصہ یہ کہ قرآن پاک کی تمام آیات پیش نظر رہنی چاہئیں۔
علم غیب کی نفعی کرنے والی آیات کے ساتھ وہ آیتیں بھی سامنے رکھتے جن میں اللہ تعالیٰ کا اپنے
مقبول بندوں کو علم غیب عطا فرمانا مذکور ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا گیا

قد آن کریم سے دلائل

قرآن کریم میں جہاں یہ تصریح ہے۔

قرآن کریم کی آیات سے استدلال کا صحیح طریقہ

نجات کی بنیاد اور اصل، تمام کے تمام قرآن پاک پر ایمان لانا ہے۔ اکثر گمراہ، اسی لیے مجھٹک گئے ہیں کہ انہوں نے قرآن پاک کی کچھ آیات کو مانا اور کچھ کا انکار کیا، مثلاً قدرے اس آیت پر ایمان لائے۔

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (البقرہ ۲، آیت ۵۷)
ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے
لیکن وہ اس آیت کا انکار کر گئے۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (الصافات ۳۷، آیت ۹۶)
اور اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا
جبر یہ اس آیت پر ایمان لائے۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (الانسان ۷۶، آیت ۳۰)
اور تم نہیں چاہتے، جب تک اللہ نہ چاہے
مگر اس آیت کا انکار کر گئے۔

ذَلِكَ جَزَاءُ مَن يَكْفُرْ بَعْدَ مِيثَاقِهِمْ وَأَنَا لَصَدِيقُونَ (الانعام ۶، آیت ۱۲۶)
یہ ہم نے انہیں ان کی بغاوت کی جزا دی اور بیشک ہم سچے ہیں
خواجہ اس آیت کریمہ پر ایمان لائے۔

وَأَنَّ الْفُقَرَاءَ لَنَفِي جَحِيمٍ يَصْلَوْنَ مَا يُومَرُ الدِّينُ
(الانفطار ۸۲، آیت ۱۴)

اور بے شک بدکردار جہنم میں ہوں گے، وہ قیامت کے دن اس میں داخل ہوں گے

۴- وَعَلَّمْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا (الکھف ۱۸، آیت ۶۵)

ہم نے آپ کو (خبر) نصرت علیہ السلام کو، اپنا علم لدنی عطا کیا۔

۵- وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (النساء ۴، آیت ۱۱۲)

تو آپ کو سکھایا جو آپ نہ جانتے تھے۔

ان کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں۔

علم غیب کو ثابت کرنے اور نفی کرنے والی آیتوں میں بلیل القدر علمائے اسی طرح تطبیق دی ہے۔ امام ابو ذر کریانوی نے اپنے فتاویٰ میں اور امام ابن حجر مکی نے فتاویٰ حشریہ میں فرمایا،

لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ اسْتِقْلَالًا وَعِلْمًا احاطةً بِكُلِّ السُّعُومَاتِ
إِلَّا اللَّهُ۔

صرف اللہ تعالیٰ کا علم ہے جو مستقل ہے اور تمام معلومات کو محیط ہے۔

اس بات کا شبہ بھی ذہن میں نہیں گزرنا چاہیے کہ تمام مخلوقات کا علم، اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہو سکتا ہے۔ خالق اور مخلوق کے علم میں کئی طرح کا فرق ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی (مسطح) ہے اور مخلوق کا علم عطائی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علم کا ثبوت واجب اور مخلوق کے علم کا ثبوت ممکن ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازل و ابد کا اور قدیم حقیقی ہے اور مخلوق میں انبیاء کرام بھی شامل ہیں۔

۴۔ علم ہدایت ہے کیونکہ تمام مخلوق مادیات ہے اور ہفت اصناف سے مشتمل ہیں جو کچھ۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا علم عقلی نہیں، مخلوقات کا علم غلوق ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کا علم قدرت کے تحت نہیں، مخلوق کا علم قدرت الہیہ کے تحت اس کا ابتداء۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کا علم واجب القضا اور مخلوق کا علم مآل القضا ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر نہیں ہو سکتا جبکہ مخلوق کے علم میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔

الذیلة المکیة

لے احمد رضا خاں، علامہ شیخ:

تیسری فصل

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم = اور علم غیب

مقدمہ غیب کا علم دو قسم پر ہے :

۱۔ علم ذاتی، مطلق، تفصیلی، اللہ تعالیٰ کے تمام معلومات کو استغراقِ حقیقی کے ساتھ فحیطہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ جو شخص اس علم کا معمول سے معمول حصہ، کائنات میں سے کسی کے لیے ثابت کرے، وہ کافرو مشرک اور تباہ و برباد ہوا۔

۲۔ علم عطائی جو اللہ تعالیٰ کے بعض مقبول بندوں مثلاً انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بارگاہِ الہی سے حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

۱۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ رَّالْجَن ۲، آیت ۲۶

وہ عالم الغیب ہے۔ اپنے غیب خاص کا علم یقینی کسی کو عطا نہیں فرماتا، مگر جو اپنے پسندیدہ رسول کو۔

۲۔ وَبَشِّرُوهُ بِعَلَا مِ عَلِيمٍ الذاریات ۵۱، آیت ۲۸

اور اسے بشارت دے کہ اس کے لیے علم بڑا ہے۔

۳۔ وَإِذْ كَذَّبَ عَلِيمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ (یوسف ۱۲، آیت ۶۸)

اور جب کہ وہ اپنے علم سے انکار کرتا تھا۔

میرے انگوں اور کھوپوں کے گناہ بخش دیئے ہیں۔ میں صبح سالم اور زندہ چل پھر رہا ہوں، مجھے یہ انعام دیا کہ میری اُمت بھوک میں مبتلا اور قنات نہ ہوگی۔ مجھے جنت کی نہر کوثر عطا فرمائی جو بھوکے حوض میں بہے گی۔ مجھے عزت و نصرت عطا فرمائی اور مجھے حب عطا فرمایا جو میری اُمت کے آگے ایک ماہ کی مسافت تک ساتھ ساتھ چلے گا۔ مجھے یہ انعام دیا کہ میں تمام انبیاء کرام سے پہلے جنت میں جاؤں گا، میرے لیے اور میری اُمت کے لیے مالِ غنیمت حلال کیا۔ بہت سی ایسی چیزیں چارے لیے حلال کیں جن کے بارے میں پہلوں پرستی کی گئی تھی اور ہم پر کوئی حرج عائد نہیں کیا۔ یہ حدیث امام احمد نے روایت کی کہ علامہ بیہقی نے فرمایا کہ اس کی سند حسن ہے۔
 مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۸

خلاصہ

تفصیل سابق سے ثابت ہو گیا کہ یہ خصوصیت درکہ کائنات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پیدا کی گئی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اس اُمت کے لائق احترام اُمت اور حفاظت کا حکم، بیہقی، سیوطی، ابن جوزی، زرقانی اور قسطلانی نے ثابت کی ہے اور اس پر انہوں نے دلیل و براہین پیش کیے ہیں۔ ہوائے نفس یا تعصب کی بنا پر کلام نہیں کیا۔ البتہ اس اصل اور دلیل کی صحت یا عدم صحت کی بحث کی جا سکتی ہے، منکر کہے گا کہ یہ اصل صحیح نہیں ہے۔ بحث و مباحثہ کے اصول سے باخبر یہ تو کہہ سکتا ہے کہ اس اصل سے استدلال کرنے والا خطا پر ہے لیکن اس کے لیے یہ کہنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے کہ مستدل منکر ہے یا گمراہ۔

سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ (النور ۲۴: ۱۶)

العظمتہ للہ! یہ بہت بڑا بہتان ہے۔

اس مسئلہ کا شرک و کفر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بحث کا دائرہ صرف اس حد تک محدود ہے کہ ایک جانب صحت ہے، دوسری جانب ابطال، ایک جانب خطا ہے اور دوسری جانب مباح۔

امام ہوتے، اسی لیے بیت المقدس میں آپ ہی امام تھے، جہاں تمام انبیاء کرام تشریف فرما تھے۔ میدانِ مشرق میں آپ ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر حساب و کتاب شروع کرنے کی درخواست کریں گے۔ یہ مقام محمود ہے جو آپ ہی کے لائق ہے۔ اس دن تمام انبیاء و مسلمین شفاعتِ کبریٰ سے محنت کریں گے۔ بالآخر سب لوگ آپ ہی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور آپ ہی شفاعت فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشورہ فرمایا

اس عزت و کرامت کی ایک مثال وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امت کے بارے میں مشورہ فرمایا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت دینک ہمارے پاس تشریف لائے ہمیں گمان ہوا کہ آپ تشریف نہیں لائیں گے۔ پھر آپ تشریف لائے تو طویل سجدہ کیا۔ یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ وصال فرما گئے ہیں۔ بہت دیر کے بعد سر اقدس اٹھایا تو فرمایا: میرے رب کریم جل مجدہ نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ فرمایا کہ میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کروں؟ میں نے عرض کیا: یا اللہ! جیسے تو چاہے، وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔ دوبارہ مجھ سے مشورہ طلب فرمایا، تو میں نے پھر وہی جواب دیا۔ ارشاد ہوا اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تم نہیں تمہاری امت کے بارے میں بے وقار نہیں فرمائیں گے۔

اور مجھے خبر ہوئی کہ میری امت میں سے پہلے پہل ستر ہزار افراد جنت میں جائیں گے۔ پھر مجھے یہاں تک کہ دعا کرو تمہاری دعا قبول کی جائے گی، مانگو! دیئے جاؤ گے۔ میں نے آنے والے فرشتے سے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ میری درخواست قبول فرمائے گا۔ اُس نے کہا مجھے آپ کے پاس اسی لیے بھیجا ہے کہ آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ کچھ دیا جو میں نے مانگا اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا (بلکہ تحمدِ بشتِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں) میری بدولت

اخلاقی کریم کو ہم دوشیز ثریا کر دیا۔

قرآن پاک سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و مرسلین سے یہ عہد و پیمان لیا کہ اگر وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پائیں، تو ان پر ایمان لائیں۔ ان کی نصرت و تائید کریں اور ان کے متبعین میں شامل ہوں اور اپنی امتوں سے بھی یہ عہد لیں۔ ارشادِ باری ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَ
حِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ
بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذِكْرِ أُصْحَابِي
قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ

(آل عمران ۳ - آیت ۸۱)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا، جو میں تم کو کتاب اور
حکمت دوں، پھر تشریف لائے، تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی
تصدیق فرمائے، تو تم ضرور بر ضرور ایمان لانا اور ضرور بر ضرور اس کی مدد کرنا۔
فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا؟ اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا، سب نے عرض کی ہم
نے اقرار کیا، فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ
گواہوں میں ہوں۔
(کنز الایمان)

حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ
اگر اللہ تعالیٰ تمہاری زندگی میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو ان پر ایمان لانا
اور ان کی مدد کرنا اور انہیں حکم دیا کہ اپنی اپنی امت سے یہ عہد لیں اگر تمہارے جیسے جی محمد عربی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئیں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

ابن کثیر کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور امام اعظم ہیں آپ
جس زمانے میں بھی تشریف لائے، آپ ہی کی اطاعت واجب ہوتی۔ آپ ہی تمام انبیاء کرام کے

میں سے بیان کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۶۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر دن ایمان وارد مردوں اور عورتوں کے لیے ستائیس مرتبہ دعا کی غفلت کرے اللہ ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور ان کی بدولت رحمت مالا مال کو رزق دیا جاتا ہے۔ امام طبرانی نے یہ حدیث روایت کی اور اسے حسن قرار دیا، جیسے کہ جامع میں ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایک معمولی چیونٹی کے سبب ایک پوری امت کی عزت افزائی فرمائی جس کے ساتھ اس امت کے نبی بھی تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی لوگوں کے ساتھ بارش کی دعا کرنے کے لیے نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے کھڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا: لوٹ جاؤ! اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے۔ یہ حدیث امام دارقطنی نے روایت کی۔ (مشکوٰۃ المسابیح ج ۱، ص ۱۰۸)

جب یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چیونٹی کے سبب ایک ایسی امت کو بارش عطا کی جس کے ہمراہ اس امت کے نبی، صالحین اور اولیاء بھی تھے تو یہ کہنے میں کونسا امر مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو نبی عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدولت پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مراد، آپ کی ذات اقدس، شریعت مبارکہ اور رسالت خاتمہ، کاملہ اور شاملہ ہے۔ پس یہ کہنا بالکل بجائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور تمام کائنات کو حضرت حبیب خدا، محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدولت آپ پر ایمان لانے، آپ کی نصرت و تائید اور آپ کی رسالت پر اقرار کے لیے پیدا فرمایا، وہ رسالت جس پر تمام رسالتیں ختم فرمادیں۔ اس کے ذریعے دین کو تکمیل عطا فرمائی اور

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمام میں چالیس افراد اللہ تعالیٰ کے شکیل علیہ السلام کے قدم قدم پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو مقرر فرما دیتا ہے۔ ان کے وسیلے سے بارش کی دعا کی جاتی ہے۔ ان کے شکیل و شخصوں پر فتح دی جاتی ہے اور اہل شام سے مذاہبا مٹا دیتا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے تیس افراد اللہ تعالیٰ کے شکیل علیہ السلام کے قدم قدم پہنچیں۔ جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو مقرر فرما دیتا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ایسے تیس افراد باقی رہیں گے، جن کی بدولت زمین قائم رہے گی۔ ان کی برکت سے لوگوں کو بارش اور امداد دی جائے گی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے توقع ہے کہ سن ان میں سے ہوں گے۔ امام طبرانی نے یہ حدیث بروایت عمر اور امام بزار نے بروایت عیسیٰ بن خویلد الخواص بیان کی۔

کیا یہ دونوں راوی (عمر اور عیسیٰ) غیر معروف ہیں۔ باقی تمام راوی، حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین پہنچے چالیس افراد سے خالی نہیں ہوں گی جو اللہ تعالیٰ کے شکیل علیہ السلام کے قدم قدم پہنچیں ہوں گے۔ ان کے وسیلے سے تمہیں بارش اور فتح عطا فرمائی جائے گی۔ جب بھی ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص مقرر فرما دے گا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں اس امت میں شک نہیں ہے کہ سن ان میں سے ہیں۔ امام طبرانی نے یہ حدیث بحوالہ

خدا داد عزت و کرامت کے چند نظائر

اس قسم کی عزت افزائی اس اُمت کے افراد اور دیگر رسولانِ گرامی کے متبعین کے لیے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک شخص کے سبب دوسرے کی مغفرت فرماتا ہے۔ کسی کے سبب کسی سے درگزر فرماتا ہے۔ ایک کی سفارش دوسرے کے حق میں قبول فرماتا ہے جیسے احادیثِ عرفہ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ، عرفات میں مصروف دعا و قوف لوگوں کے بارے میں فرشتوں کو فرماتا ہے کہ میں نے ان کی دعا قبول کی اور ان کے گناہ ان کے نیکیوں کو بخش دیتا۔ یہ حدیث امام ابویعلیٰ نے روایت کی۔ امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے خطہ کا رونا سن لیا اور تمہاری نیکیوں کو بخش دیا اور تمہاری نیکیوں نے جو گناہ انہیں دیے تھے، اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چل دو (عرفات سے مزدلفہ) جب مزدلفہ میں پہنچے، تو فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے متبعین کو بخش دیا اور خطا کاروں کے حق میں تمہارے صالحین کی شفاعت قبول فرمائی۔ امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں نے عرفات میں ٹھہرنے والے کو بخش دیا اور اُس نے اپنے لیے جو دعا کی، وہ میں نے قبول کی اور اگر میرا یہ بندہ مجھ سے درخواست کرے تو میں تمام اہل موقف کے حق میں اس کی شفاعت قبول کر لوں گا۔

حافظ سندری نے یہ احادیث اپنی تصنیف **الترغیب والترہیب** کی کتاب الجہ ج ۳، ص ۳۲۳ میں بیان کیں۔ یہ حدیثیں قابلِ استدلال ہیں اور ان کے اجتماع سے حدیث درجہ صحت کو پہنچ گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندے وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو ان کے طفیل رزق دیتا ہے، ان کی بدولت بندوں کو بارش عطا فرماتا ہے، انہیں نصرتِ امداد دیتا ہے اور ان کی برکت سے ان سے بلائیں دور گرتا ہے اور انہیں بھلائی دیتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ امام احمد ابن حنبل اور حاکم نے حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ آخر الذکر دونوں حضرات نے اسے صحیح قرار دیا اور علامہ ذہبی نے اسے تصحیح کو قرار دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،

إِنِّي عِنْدَ اللَّهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجِدٌ
فِي طَيْبَتِهِ۔

بیشک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس وقت بھی خاتم الانبیاء تھا، جب کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کا جسدِ خاکی تیار کیا جا رہا تھا۔ حضرت میسرۃ الفجر سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کب سے نبی ہیں؟ منہرایا:

كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ

میں اُس وقت بھی نبی تھا، جب ابھی آدم روح اور جسم کے درمیان تھے اس حدیث کو امام احمد، امام بخاری نے تاریخ میں، امام طبرانی اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ حافظ بیہقی نے امام احمد اور طبرانی کی سند کے بارے میں کہا کہ اس کے راوی، حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

امام ترمذی، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں،

أَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ عَلَى اللَّهِ وَلَا فَخْرَ

میں اللہ تعالیٰ کی ہر گاہ میں تمام اولین اور آخرین سے زیادہ عزت والا ہوں اور یہ بات اندازہ نہیں

سید اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح انور تمام انسانی رُوحوں سے پہلے پیدا کی گئی جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كُنْتُ أَوَّلَ النَّاسِ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْمَبْعُثِ -

مجھے سب انسانوں کا پہلا پیدا کیا گیا اور آخر میں بھیجا گیا۔

اس حدیث کو امام ابن سعد نے سند صحیح کے ساتھ مرسلاً روایت کیا۔ ابوالنعمین نیز ابوحاتم نے اپنی تفسیر میں، ابن لال اور دہلی نے بروایت سعید بن بشیر، حضرت قتادہ سے انہوں نے حضرت حسن سے انہوں نے حضرت ابوسریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں:

كُنْتُ أَوَّلَ النَّبِيِّينَ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْمَبْعُثِ -

میں پیدا نشتر میں تمام نبیوں سے پہلے اور بعثت میں سب سے آخر میں ہوں۔

یہ روایت، ابن سعد کی روایت کی تفسیر ہے، یعنی اُس روایت میں انسانوں سے مراد انبیاء کرام ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم ارواح میں تمام انبیاء کرام سے پہلے اور عالم اجسام میں سب سے آخر میں۔ عالم ارواح میں آپ کو تمام انبیاء سے پہلے نبوت عطا فرمائی گئی۔ اس طرح عالم ارواح میں آپ ہی سے نبوت کا دروازہ کھولا گیا اور عالم اجسام میں آپ ہی پر نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا، لہذا آپ ہی فاتح ہیں اور آپ ہی خاتم ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

امام ترمذی، حضرت ابوسریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو نبوت کب عطا کی گئی؟ فرمایا:

وَأَدْمُرُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ

جب کہ آدم ابھی رُوح اور جسم کے درمیان تھے

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے۔ امام ابوالنعمین، بیہقی اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام بزار، طبرانی اور ابوالنعمین نے ابن عباس

فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم کو غلیل بنایا، تو تمہیں میں نے اپنا حبیب بنایا اور میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو میری بارگاہ میں تم سے زیادہ معزز ہو۔ میں نے دنیا اور اہل دنیا کو اس لیے پیدا کیا کہ انہیں اپنی بارگاہ میں تمہاری عزت و کرامت کا عرفان عطا کروں، اگر تمہیں پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا، تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔

خلاصہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت مطلوب نہ ہوتی، تو کائنات پیدا نہ کی جاتی۔

تمام ہنگام خدا نہ ہوتے، تو کائنات پیدا نہ کی جاتی، مگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے، تو کائنات پیدا نہ کی جاتی۔ مسد آسان اور درجات مختلف ہیں،

مگر ان کے ادراک کے لیے بصیرت کی ضرورت ہے، چونکہ کائنات اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے

پیدا کی گئی ہے اور عبادت میں کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہمسر نہیں ہے اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ کائنات آپ کے لیے پیدا کی گئی ہے اور یہ بات آپ ہی کے بارے میں کہی گئی ہے، کسی دوسرے کے بارے میں نہیں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا - (البقرہ ۲: آیت ۳۹)

تمہارے لیے وہ سب چیزیں جو زمین پر ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ

اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ - (ابراہیم ۱۲، آیت ۳۲)

(تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسلسل چل رہے ہیں اور

تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کیا ہے)

جیسے تمام چیزیں حضرت انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ علیہ السلام

حضرت باقرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تو یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ دنیا

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پیدا کی گئی ہے اور یہ خدا داد اعزاز ہے۔

متعلق ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَهُ (التذاریات ۵۱) آیت ۵۶

(اور میں نے جن و انسان کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا،

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کے پیدا کرنے میں حکمت الہیہ یہ ہے کہ اُس کی عبادت

کی جائے اور عبادت جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے، دنیا ہی میں ہوگی، لہذا

یہ دنیا اس عبادت کا مظہر اور محل ٹھہری، کہنے دیجئے کہ تمام مخلوق اس لیے پیدا کی گئی کہ اللہ سبحانہ

و تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق اپنے اطاعت و

اور عبادت گزار مخلص بندوں کے لیے پیدا فرمائی ہے، تو اس میں کیا مضائقہ ہے اور حضور پر نور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ان سب پر اطاعت و عبادت مخلصین کے مُرشد و امام اور سید و سرور ہیں،

اس لیے یہ کہنے میں بھی کوئی صریح نہیں ہے کہ تمام مخلوق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے

پیدا کی گئی ہے۔

محدث عبدالرزاق حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں،

وہ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

یہ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ فرمایا:

يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورَ

نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ۔

لائے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اشیاء سے پہلے نبی کے نور کو پیدا

سے پہلے فرمایا یعنی نور الہی، نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بلا واسطہ

خالق بنا۔ یہ مطلب نہیں کہ حضور کا نور اللہ تعالیٰ کے نور کی مجرور ہے (افاؤی)

ابن عساکر حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ جبرائیل امین علیہ السلام

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ آپ کا رب تبارک و تعالیٰ

ذہبی کی پیروی میں اس حدیث کو قبول نہیں کرتا، وہ نہ کرے۔ ہم تو امام حاکم اور بیہقی کی پیروی میں قبول کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام حاکم حدیث کے صحیح قرار دینے میں بہت پسند واقع ہوئے ہیں تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ علامہ ذہبی کسی حدیث کو موضوع قرار دینے میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ متعدد علماء نے کئی حدیثوں کو موضوع قرار دیا، مگر ان کا فیصلہ تسلیم نہیں کیا گیا۔ مثلاً علامہ ابن جوزی اپنی تصنیف الموضوعات الکبریٰ میں ضعیف، حسن، بلکہ سفین ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور امام حاکم کی مستدرک وغیرہ کتب معتبرہ میں مذکور صحیح حدیثوں، یہاں تک کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث کو بھی ذکر کر گئے ہیں، اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے

وَمِنْ عَجِيبِ مَا يُؤَيِّ لِلْمُسْلِمِ
فِيهِ حَدِيثٌ مِنْ صَحِيحِ مُسْلِمٍ

(ابن جوزی کی کتاب میں ایک مسلمان کو یہ عجیب چیز دکھائی دے گی کہ اس میں صحیح مسلم کی ایک حدیث بھی مذکور ہے۔)

یہ حدیث ہمارے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عظمت پر دلالت کرتی ہے اور یہ حدیث نہ تو اصول توحید میں سے کسی اصل کے منافی ہے اور نہ ہی ربوبیت کے کسی حق یا الوہیت کی کسی صفت کی نفی کرتی ہے، بلکہ معتبر حقائق و واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت قرار دیا۔ ارشادِ باری ہے :

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاء ۱۰۷، آیت ۱۰۷)

(ہم نے تمہیں نہیں بھیجا، مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت،) ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمت ہیں اور رحمت بھی تمام جہانوں کے لیے اس رحمت کے تحقق کے لیے تمام جہانوں کا وجود ضروری ہے، لہذا تمام جہان اس رحمت کے مظہر ہوئے اور یہ کہنے میں کوئی عرصہ نہیں کہ تمام جہان اس رحمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں جو ان سے

نازل فرمائی کہ محمد کون ہیں؟ اور تم ان کا مقام و مرتبہ کیسے جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یا اللہ! جب تو نے میری تخلیق کی تکمیل فرمائی، تو میں نے سراٹھا کر تیرے عرش کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس پر لکھا ہوا ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

تو میں نے جان لیا کہ جس ذاتِ اقدس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے، وہ تیرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ عزت والی ہستی ہے۔ ارشاد ہوا ہاں ایسا ہی ہے، میں نے تمہیں بخش دیا۔

وَهُوَ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ دُونِ نَبِيِّكَ وَلَوْلَا مَا خَلَقْتَكَ

(وہ تمہاری اولاد میں سے آخری نبی ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا) ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تائید کرتی ہے اور یہ دونوں حدیثیں احادیث صحیحہ کی تفسیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

میں (رفاعی) کہتا ہوں کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ابن تیمیہ کے نزدیک استشہاد اور اعتبار کے لائق ہے، کیونکہ موضوع یا باطل روایت محدثین کے نزدیک قابلِ استشہاد نہیں ہوتی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو احادیث صحیحہ کی تفسیر کی حیثیت سے قبول کیا ہے اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اس حدیث کو علماء کرام کی لائقِ احترام جماعت نے صحیح قرار دیا ہے مثلاً امام حاکم، علامہ سبکی، علامہ بلقینی، امام بیہقی، آخر الذکر امام نے یہ حدیث اپنی اس کتاب میں روایت کی ہے جس میں اُن کی شرط یہ ہے کہ موضوع روایت نہیں لائیں گے۔ اسی طرح ابن کثیر، قسطلانی اور زرقانی نے بھی اسے روایت کیا اور قبول کیا۔ علامہ ذہبی کا اس حدیث کو رد کرنا یا موضوع قرار دینا کچھ مؤثر نہیں ہے۔ ذہبی کی رائے امام حاکم اور بیہقی کی رائے سے زیادہ اہم نہیں ہے جو شخص فسادِ معنی کے سبب اس حدیث کو قبول نہیں کرتا، تو اُس کی معنی حدیث کے بارے میں اپنی رائے ہے اور حدیث کا معنی مجھے نہیں ہماری اپنی رائے ہے اور جو علامہ

اگر محمد نہ ہوتا تو میں آدم اور حبت و نار کو پیدا نہ فرماتا۔ میں نے عرش کو پانی پر پیدا فرمایا تو وہ مضطرب ہو گیا۔ میں نے اس پر کلمہ طیبہ لایا۔
 الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا، تو وہ پرسکون ہو گیا۔
 امام حاکم نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے، اسے امام بخاری و امام مسلم نے روایت نہیں کیا۔
 (المستدرک ج ۲، ص ۶۱۵)

علامہ ذہبی کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ یہ حدیث وضعی طور پر سعید کی طرف منسوب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام محمد بن یوسف شامی نے اپنی طرف کتاب التبیۃ الشامیہ میں بیان کیا ہے اور فرمایا کہ اس حدیث کو ابو یوسف نے کتاب الاصفہانیہ میں روایت کیا، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ شیخ الاسلام بقیہ نے اپنے فتاویٰ میں اور علامہ سبکی نے اس کی تصحیح کو برقرار رکھا۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ اس کی سند میں عمرو بن اوس ہے جو معلوم نہیں کون ہے ؟

امام ذہبی اپنی سند میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس جبریل امین آئے اور انہوں نے کہا اے محمد! اللہ تعالیٰ فرماتا،
 كُوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَكُوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ النَّارَ

(التبیۃ الشامیہ ج ۱، ص ۱۶۲)

(اگر تمہیں پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں حبت اور ووزخ کو پیدا نہ فرماتا،)
 اس حدیث کو امام سبکی نے بھی ذکر کیا اور اسے صحیح قرار دیا (شفار السقام ص ۱۶۲)۔
 اس حدیث کو شیخ ابن تیمیہ نے فتاویٰ کبریٰ ج ۲، ص ۱۵۱ میں بھی ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کہا حافظ ابوالعزم نے اپنی کتاب دلائل النبوة میں شیخ ابوالفرج کی سند سے ذکر کیا کہ حضرت عمرو بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی، تو انہوں نے سر اٹھا کر عرض کیا اے بارالہ! محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میری مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی

اس صورت میں میرا اعتماد دوسری روایت پر ہوگا۔

علامہ ذہبی، دلائل النبوة کے بارے میں فرماتے ہیں،
”اس کتاب کو لازم پکڑ، کیونکہ یہ تمام ہدایت اور نور ہے۔“

(شرح المصابیح ج ۱، ص ۶۲)

امام بیہقی نے یہ حدیث اپنی کتاب دلائل النبوة کے باب مَا جَاءَ فِي تَحْدِيثِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنِعْمَةٍ مَرَّتَهُ عَزَّ وَجَلَّ لِقَوْلِهِ وَ
أَمَّا بِنِعْمَةٍ مَرَّتِكَ فَحَدَّثْتُ لِمَنْ رَوَى عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَرْشَادِ رَبَانِي
كِي تَعْمِلَ كَرْتِے ہوئے اپنے رب کی نعمت کو بیان کرنا میں بیان کی ہے۔

اس حدیث کے بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں اس کی روایت میں عبد الرحمن بن

زید بن اسلم منفرد ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اس کی تائید کی ہے۔ انہوں نے البدایہ والنہایہ

ج ۱، ص ۸۰ میں یہ حدیث نقل کی ہے اور کوئی اعتراض نہیں کیا۔

امام حاکم، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور
امت کو کم دو کہ جو انہیں پائے، اُن پر ایمان لائے۔

قُلُوا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ أَدَمَ وَلَا الْجِنَّةَ وَلَا النَّارَ وَلَقَدْ
خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَسَكَنَ۔

امام بیہقی کے الفاظ یہ ہیں، ویعلم ان کل حدیث اور دتہ فیہ قد اردتہ بما
یشیر الی صحته او ترکته مبہما و هو مقبول فی مثل ما اخرجتہ وما عسی اور دتہ
باسناد فیہ ضعف اشترت الی ضعفه وجعلت الاعتماد علی غیرہ۔

(دلائل النبوة، دار النور للطباعة القاہرہ ج ۱، ص ۳۹)

یا اللہ! محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میری مغفرت فرما۔ ارشاد ہوا
 تم نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا؟ انہوں نے عرض کیا:
 یا اللہ! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے اندر
 تو نے روح پھونکی تو میں نے سراٹھایا، کیا دیکھتا ہوں کہ عرش کے پالیوں پر
 لکھا ہوا ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی بستی کا نام ملایا ہے جو تجھے
 تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
 صَدَقْتَ يَا آدَمُ وَلَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ۔
 اے آدم! تو نے سچ کہا، اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔
 حاکم نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ علامہ ذہبی نے کہا کہ یہ موضوع ہے
 (مواہب لدنیہ مع شرح ج ۱ ص ۶۲، المستدرک تنقیحاً ج ۲ ص ۶۱۵)

میں کہتا ہوں کہ علامہ ذہبی کا اس حدیث کو موضوع قرار دینا، سینہ زوری ہے اور یہ ان
 سے کچھ بعید نہیں ہے، کیونکہ جرح و تعدیل کے سلسلے میں ان کا تشدد ہونا معروف ہے۔
 اس حدیث کو امام بیہقی نے اپنی مشہور کتاب دلائل النبوة میں ذکر کیا ہے اور انہوں نے
 اس امر کا التزام کیا ہے کہ وہ اپنی کتاب میں ایسی حدیث نہیں لائیں گے جو ان کے علم میں
 موضوع ہوگی، جیسا کہ حافظ سیوطی نے اپنی کتاب اللآلی المصنوعہ میں تصریح کی ہے۔ امام
 بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوة کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ جن احادیث کا وہ ذکر کریں گے،
 کبھی تو ان کے بعد ان کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ کر دوں گا اور کبھی ایسا نہیں کروں گا
 تاہم جس موقع پر وہ حدیث بیان کی گئی ہوگی، اس جگہ وہ مقبول ہوگی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی حدیث
 کو ضعیف سند کے ساتھ ذکر کر دوں، اس کے ساتھ ہی اس کو کھوکھلے منہ کی طرف اشارہ کر دوں گا

دوسری فصل "المحاور" پر رد

باعث تخلیق آدم

شیخ ابن منیع کہتے ہیں:

ہم نے مالکی کی تصنیف "الذخائر المحمدیہ" میں پڑھا کہ مخلوق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پیدا کی گئی اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم وسیع ہے، آپ مروج کو بھی جانتے ہیں اور ان پانچ چیزوں کو بھی جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بخش فرمایا ہے اور زمین و آسمان کی چابیاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی گئیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس پر رد کیا۔ (عوار مع المالکی، ص ۱۸۶)

اللہ تعالیٰ قادر و قوی کی قوت و امداد سے میں آئندہ صفحات میں اس موضوع پر روشنی ڈالوں گا، کیونکہ ہر قوت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔

بعض علماء نے کتب فضائل میں لکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مخلوق آپ کے لیے پیدا کی گئی۔ حافظ الحدیث علامہ جلال الدین سیوطی، حافظ قسطلانی، علامہ زرقانی نے اس خصوصیت کا ذکر کیا۔ امام حاکم، امام بیہقی، علامہ سیکی اور بیہقی نے اس خصوصیت کی احادیث کو صحیح قرار دیا۔

امام حاکم، بیہقی اور امام طبرانی نے معجم صغیر، البیہقیم اور ابن عساکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی تو انہوں نے عرض کیا:

يَا رَبِّ اسْأَلْكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَّا غَفَرْتَ لِي

ان الفاظ میں ان کے دعوئے نسب کی کمزوری کی طرف اشارہ ہے۔ ابن منیع سے کم علم اور علم شریف سے تنہوری سی نسبت رکھنے والے کے لیے بھی ضروری تھا کہ وہ اس طریقے سے پرہیز کرتا۔

یا اللہ! ہمیں مکمل پرہیزگاری کا لباس پہنا اور ہمیں اپنی قدرت سے دردناک عذاب سے بچا، بیشک گالی دینا، قحش گوئی اور بدزبانی مومن کا کام نہیں ہے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت کرام کے محبتیں میں سے بنا، جن کے بارے میں تیرا فرمان ہے،

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (المشورۃ: ۲۳)
تم فرما دو کہ میں تم سے تبلیغِ دین پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، ہاں میرے اہل قربات سے محبت رکھو۔

اور ان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے،
”اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے سبب مجھ سے اور میری محبت کی بنا پر میرے اہل بیت سے محبت رکھو۔“

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا اور امام طبرانی نے اسے روایت کیا۔

اللہ تعالیٰ اس شعر کے قائل پر رحم فرمائے۔

كَأَنْتَ مَوَدَّةٌ سَلَمَانَ لِّصُّومٍ حِمٍّ

وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ نَوْحٍ وَآيَةٍ حِمٍّ

”اہل محبت کا سلمان سے وہ رشتہ ہے جو سیدنا نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے کنعان کے درمیان نہیں تھا۔“

میں سے ایک جلیل القدر امام ابن دقیق العید کی رائے کی مخالفت کی ہے جن کے نزدیک کسی مسلمان اور اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے، خصوصاً جبکہ واضح اور صریح دلیل و برہان بھی موجود نہ ہو۔

نسب میں طعن و تشکیک گناہ کبیرہ ہے

علماء تو کیا علماء اور علمائے المسلمین نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ شرمانے والے ہیں،

النَّاسُ مُتَوَكِّفُونَ عَلَى النَّسَابِ

لوگ اپنے نسبوں پر امین قرار دیے گئے ہیں

الطَّعْنُ فِي النَّسَابِ مِنْ الْكَبَائِرِ

نسبوں میں طعن کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اس کے باوجود شیخ ابن مینج اور ان کی کتاب کی تائید و تصدیق کرنے والے مشائخ اور

سعودی عرب کے محکمہ ریاست عامہ کے لیے نسبوں پر طعن و تشنیع کا کیا مجاز رہ جاتا ہے؟ یاد ہے

کہ یہ کتاب حواری مسلمانوں کے بیت المال کے خرچ پر اب تک ریاست عامہ کی طرف سے

تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۴۲ پر سید مالکی کے بارے میں کہا گیا ہے،

”ہمیں یہ معلوم کر کے انتہائی خوشی ہوئی کہ محمد علوی مالکی نے اعلیٰ سند حاصل

کی ہے۔ ہم نے برعکاس امید کا اظہار کیا کہ یہ سندان کے لیے دینی دعوت کے

راستے میں مشعل راہ کا کام دے گی جس کو ان کے بقدر امجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پسند فرماتے ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ان کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے۔“

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں،

”مالکی کا کہنا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد میں سے

ہے۔ ہماری بڑی آرزو ہے کہ وہ اپنے حبیب امجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستے پر چلیں۔“

(حوار مع المالکی، ص ۱۹۱)

دوسری وجہ، اختلاف عقائد جس کی بناء پر لوگوں نے ایک دوسرے کو کافر اور
بعتی تک قرار دیا، اور ایک ایسا قصب پیدا ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ کے قرب کا
ذریعہ اور دین قرار دے دیا گیا۔ یہ قصب، تکفیر اور بدعتی قرار دینے کا باعث بنا
معتقدین کے متوسط طبقہ میں یہ دوبارہ عام تھی۔

امام ابن دقیق العید اس نفیس کلام کے آخر میں منبر مارتے ہیں،
”ہمارے نزدیک یہ طے ہے کہ روایت میں اختلاف مذاہب کا اعتبار
نہیں ہے، کیونکہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔“

شیخ قحطان الدوری، جنہوں نے اس کتاب کی تحقیق کی ہے۔ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ
ابن ابی العز کی شرح عقیدۃ الطحاویہ میں امام ابن دقیق العید کی یہ تصریح موجود ہے،
”ہم گناہ کی بناء پر اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے، جب تک کہ وہ
اُسے حلال نہ جانے“ لے (شرح العقیدۃ الطحاویہ، ص ۲۵۵)

اس نفیس کلام سے اس سوال کا جواب آجاتا ہے کہ عقائد کی مخالفت کی بناء پر
سید عالمی کے خلاف ابن میثم کی شہادت مقبول ہے یا نہیں؟ کیونکہ ابن میثم نے سلف صالحین
لے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میر سید شریف جرجانی نے شرح مولف میں
فرمایا، اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنا شیخ اشعری اور فقہار کے کلام کے موافق ہے جیسے کہ اس سے پہلے گورچیکا، لیکن جب
ہم فرقہ اسلامیہ کے عقائد کی جانچ پڑتال کرتے ہیں تو ہم ان میں سے بعض کو قطعاً مرجحہ کہہ پاتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ
کے علاوہ کسی الٰہ کا وجود نہ ہونا یا اللہ تعالیٰ کا کسی انسان میں حلول کرنا یا جی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا
انکار کرنا یا حضور کی مذمت کرنا یا تخفیف شان کرنا یا محرمات کا مباح قرار دینا یا واجبات شرعیہ کا ساقط
قرار دینا (اس کے بعد محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ) تحقیق یہ ہے کہ اس قاصدہ (اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی
کی جائے گی) میں اہل قبلہ سے وہ لوگ مراد نہیں جو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہوں بلکہ وہ لوگ مراد
ہیں جو ضوریات دین میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کرتے ۱۲ فتاویٰ عزیزی فارسی، مجتہد فی دہلی، ج ۱، ص ۴۴
شرف قادری

ہیں۔ سید مالکی کی تازہ تصنیف ”قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي“ (مکہ مکرمہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے) اور خصوصاً انہوں نے ایمان و عقیدہ کے باب میں جو کچھ لکھا ہے اس کے مطالعہ سے ہر قاری کو ان کے عقیدے کی سلامتی اور صفائی اور ان کے سچے موجد ہونے کا یقین ہو جائے گا اور اس پر کھل جائے گا کہ ان کے مقلدین جھوٹے اور افترا پرداز ہیں، جس کی بنا پر ان معاندین کو قیامت کے دن سخت ترین حساب سے گزرنا پڑے گا۔

اختلاف عقائد کے اہم مسئلہ کی مناسبت سے میں چاہتا ہوں کہ اس جگہ امام علامہ محقق تقی الدین بن وقیق العید، متوفی ۷۵۰ھ کا نفس کلام نقل کر دوں جن کے بارے میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں،

”امام، فقیہ، مجتہد، محدث، حافظ، علامہ شریح الاسلام۔“

(تذکرۃ الحفاظ، ج ۴، ص ۴۸۱)

علامہ ابن وقیق العید کی تصنیف ”الافتراح فی بیان الاصطلاح، قحطان الدوری کی تحقیق کے ساتھ ۱۲۰۲ھ / ۱۹۸۲ء میں مطبعة الرشاد، بغداد سے چھپ چکی ہے۔ علامہ اس کتاب کے آٹھویں باب، ”باب معرفة الضعفاء“ میں فرماتے ہیں:

”اس سلسلے میں کئی طرح سے آفت آتی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ نفسانی خواہش دنیاوی عرض اور شدت غضب کی بنا پر کلام کیا جائے۔“

علامہ حافظ ابو عمر بن عبد البر، صاحب الاستیعاب نے بہت سے متقدمین وغیرہم سے ایسے متعدد امور بیان کیے ہیں جن کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ لائق توجہ نہیں ہیں اور بعض کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ اقوال شدت غضب کی بنا پر صادر ہوئے ہیں۔

ان کی رائے یہ ہے کہ مشہور اہل علم کے بارے میں جرح محل مقبول نہ ہوگی، جب تک وضاحت کے ساتھ وجہ جرح بیان نہ کی جائے (مخلصاً)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَتَّبِعُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلٰی

مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝ (الحجرات ۴۹- آیت ۶)

”تم تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ جہالت میں کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھا

پھر اپنے کئے پر نادم ہو۔“

۲۔ شیخ عبدالعزیز بن باز نے جب محفل میلاد منعقد کرنے کے خلاف فتویٰ دیا

اور اسے شرک و بدعت قرار دیا، تو میں نے ”الرد علیٰ الشیخ عبدالعزیز بن باز“

کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جس میں مطالبہ کیا تھا کہ سید محمد علوی مالکی پر

ان کے مخالف علماء کی طرف سے جو نظریات کی اشاعت پر جبری پابندی عائد

کی گئی ہے اسے اٹھایا جائے۔ اس مقالہ میں صراحتہ سید علوی کا نام ذکر کیا گیا

تھا اور ظاہر ہے کہ فوری طور پر سید علوی کو اس کی اطلاع مل چکی ہوگی کیونکہ

اس مقالہ میں ان کا نام صراحتہ لیا گیا تھا۔

۳۔ سید مالکی کا تنگ ماحول اس بات کا متقاضی تھا کہ سعودی عرب سے باہر کے

علماء ان کے دلائل شرعیہ کو بیان کرتے اور ان کا دفاع کرتے کیونکہ یہ دلائل صرف

سید علوی مالکی کے تہیں، بلکہ ان کے ہم مسلک تمام اہل سنت و جماعت کے ہیں

جو عالم اسلام میں اُمت مسلمہ کا سوا و غم ہیں۔ اس فقیر نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی

حاصل کرنے، حق کے بیان اور ایک مظلوم سید مالکی کی امداد کے لیے یہی کیا۔

کیا سید علوی مالکی کے خلاف ابن منیع کی شہادت مقبول ہے؟

سید محمد علوی مالکی کے رد میں لکھی گئی شیخ ابن منیع کی کتاب سے عیاں ہے کہ وہ

سید صاحب کے عقیدہ اور ان کی آراء و افکار سے بیزار ہیں۔ ان سے اعتقادی مخالفت رکھتے

ہے، ہاں ایک کام کیا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے ان احادیث کی تخریج کر دی ہے، جو میں نے سید علوی مالکی نے یا خود انہوں نے پیش کی ہیں۔ اس کوشش پر وہ شکر یہ کے مستحق ہیں اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علم حدیث کے ساتھ لگاؤ رکھتے ہیں اور اس وصف میں اپنے ساتھیوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ جہاں تک ان کے اس الزام کا تعلق ہے کہ میں نے سید علوی مالکی کی کتابوں پر اعتماد کیا ہے اور میلاد شریف کے جاترہ ہونے پر ان کے دلائل سے مدد لی ہے اور اسے وہ سرفہ (چوری) قرار دیتے ہیں، تو میں اس شرف کا انکار نہیں کرتا۔ شیخ تو یجری نے یہ کوئی نیا انکشاف نہیں کیا اور نہ ہی کوئی مسلم شرف طہشت ازہام کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اگر وہ میری تحریر پر غور کرتے جسے انہوں نے حرف بحرف نقل کیا ہے، تو انہیں غلط فہمی نہ رہتی۔

اس جگہ چند اشارات پر اکتفا کرتا ہوں،

۱۔ شیخ تو یجری نے اپنی کتاب کے صفحہ ۶۶ پر میری عبارت نقل کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام عاشورا (دسویں محرم) کا روزہ رکھا کرتے تھے، جس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی تھی، اس روزے پر قیاس کرتے ہوئے محفل میلاد منانا شرعاً جائز ہے۔ اس کے بعد میں نے بتایا کہ اس سلسلے میں حضرت ملا علی قاری کے حوالہ الرود الروی فی المولود النبوی کا مقدمہ میرا ماضی ہے۔ یہ مقدمہ سید علوی مالکی کا لکھا ہوا ہے، چونکہ شیخ تو یجری نے یہ مقدمہ نہیں پڑھا اس لیے انہیں معلوم نہیں کہ کیس کا لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے بے سوچے سمجھے مجھ پر الزام لگایا کہ میں نے سید علوی کا حوالہ دیتے بغیر ان کے دلائل کا سرفہ کیا ہے۔ دراصل یہ جلد بازی، بدگمانی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کو پیش نظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔

دین میں نہیں ہے، وہ مردود ہے :-

(۲) ہر بدعت گمراہی ہے -

مجھے ان دونوں حدیثوں کے صحیح ہونے میں اختلاف نہیں ہے، مجھے تو ان سے ان حدیثوں کے مطلب اور مفہوم اور بدعت و سنت کے معنی میں اختلاف ہے۔ شیخ تویجیری کو اس سلسلے میں میری اس کتاب کی بحث سنت و بدعت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

۲۔ شیخ تویجیری کی تمام تر گفتگو محفل میلاد شریف کے رد اور اسے ناجائز ثابت کرنے میں ہے۔ انہوں نے میلاد شریف کے جواز پر میرے اور سید علوی کے پیش کردہ دلائل پر رد کیا ہے۔ اس جگہ ان کے جواب دینے سے طوالت پیدا ہوگی اور قارئین کرام کے حلال کا بھی پاس ہے، اس لیے میں میلاد شریف کے جواز پر الگ ایک سالہ عنقرب شائع کروں گا، انشاء اللہ تعالیٰ! اس وقت میں اس کتاب کے آخر میں تمام کے علماء اہل سنت و جماعت میں سے ایک حلیل القدر عالم دین شیخ محمد سعید بن ملامضآن البوطی کا مختصر مقالہ پیش کرنے پر اکتفا کروں گا جو حق کے طلب گاروں اور عناد سے دست بردار ہونے والوں کے لیے میلاد شریف کے جواز کے موضوع پر مفید رہے گا۔

۳۔ شیخ تویجیری نے بار بار اس امر کا اعادہ کیا ہے کہ میرے اکثر دلائل سید محمد علوی مالکی کی کتابوں، مثلاً تحول الاختقال بالمولد النبوی، اور الذخائر المحمدیہ سے ماخوذ ہیں۔ ان دلائل کا جواب اتنے کمزور طریقے سے دیا ہے کہ پڑھنے والا ملال محسوس کیے بغیر نہیں رہتا۔ یوں اس کوشش کو قاری کا وقت ضائع کرنے کے مترادف قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ تویجیری اپنی اس ضخیم کتاب الرد القوی میں کوئی نئی چیز پیش نہیں کر سکے جس کے لکھنے میں انہوں نے بہت مشقت اٹھائی

الرَّدُّ الْقَوِيُّ عَلَى الرِّفَاعِيِّ وَابْنِ عُلَوِيِّ وَبَيَانِ أَخْطَاؤِهِمْ فِي الْمَوْلِدِ الْقَبُولِيِّ

رفاعی اور ابن علوی پر مضبوط اور مسئلہ میلاد میں ان کی غلطیوں کی نشان دہی
کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں علم حدیث کے ساتھ کسی قدر تعلق ہے
اور شیخ ابن منیع کی نسبت، خوفِ خدا اور احتیاط زیادہ رکھتے ہیں، چنانچہ انہوں نے سید علوی اور
اس ضعیف (شیخ رفاعی) کے بارے میں شرک، کفر اور گمراہی کے القاب استعمال نہیں کیے،
جیسا کہ ابن منیع اور ان کے ساتھیوں نے اپنی کتاب حوالہ میں کیا ہے۔ انہوں نے قویہ علوی
پر سخت طعن و تشنیع سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ انہیں کھٹے ہوئے کفر کا مرکب قرار دیا ہے۔
چنانچہ اپنی کتاب کے صفحہ ۵ پر انہیں ملت اسلامیہ سے خارج اور ان کا قتل جائز قرار دیا ہے۔
اللہ کی پناہ! کہ ہم ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہوں جو جھگڑتے وقت بدزبانی پر اتر آئیں۔
ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حق اور عافیت کا مشاکی رکھتے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل
فرمائے، جن کے بارے میں ارشاد ہے:

وَهْدُوا إِلَى النُّطِيبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهْدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَبِيدِ (الحج ۲۲، ۲۳)

اور انہیں پاکیزہ قول اور ربِّ حمید کے راستے کی ہدایت دی گئی۔

شیخ تویجری کی کتاب پر مجھے چند گزارشات پیش کرنا ہیں:

۱۔ میں نے کویت کے رسالہ "السیاسة" کے ۱۲ اور ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
کے دو شماروں میں خود دلائل دیئے تھے، ان پر رد کرتے ہوئے شیخ تویجری
نے دو مدشیں پیش کی ہیں:

(۱) مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَصَوْسُ دَ۔

(۲) كُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ۔

(۱) جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرتا ہے جس کی اصل اس

میں ایک تبلیغی سالہ لکھا 'کمالُ اُلممۃ فی صلاحِ عقیدۃِ قہا۔

اُنت کا کمال، عقیدے کی درستی میں ہے

اس رسالے میں شیخ ابن مثنیٰ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سید علوی مالکی پر حملے کیے ہیں اور خدا جانے ان کا نام کیوں نہیں لیا، تاہم اشارۃً ضرور ذکر کر گئے ہیں۔ انداز ملاحظہ ہو،
"الذخائر الحمدیہ کا مولف (سید محمد مالکی) ۱۲ (قادی) جس نے جھوٹے اور
فاسد عقائد پھیلاتے اور ایسی بدعتوں کو رواج دیا، جن سے فسق اور کفر
لازم آتا ہے۔"

شیخ جزائری نے اپنے اس رسالہ کے مقدمہ میں لکھا کہ میرا مقصد خیر خواہی اور نصیحت ہے،
لیکن وہ رسالہ کے آخر میں چیتے اور شیر کی کھال پہنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اپنے فکری مخالفین
پر شدید ترین عبارات میں جارحانہ حملے کرنے کے بعد حکومت سعودیہ کے ذمہ دار ارباب
بست و کشادگی طرف روئے سخن پھیرتے ہوئے اُن پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ دعوتِ توحید
میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ صفحہ ۲۵ پر اس کمزوری کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں،
"ان کے حالات بدل گئے ہیں اور یہ اپنی حکومت کی ذمہ داریوں میں کھو گئے ہیں۔"
یہ رسالہ تین مرتبہ شائع کر کے مسجد نبوی شریف کے اندر اور بالقریب تمام کتب خانوں
شیخ خدا سے ڈرو، زندگی کے چند دن باقی رہ گئے ہیں۔

شیخ تویجری کا موقف

میں شیخ ابن مثنیٰ پر اس رد کو مکمل کر رہا تھا کہ شیخ محمود بن عبداللہ بن محمود تویجری کی تصنیف نظر
گزری۔ میں انہیں ذاتی طور پر نہیں جانتا اور نہ ہی کسی سے ان کا ذکر سنا ہے۔ غالباً وہ سعودی عرب میں
طالب علم ہیں یا استاد، نہ تو انہوں نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اپنا تعارف کرایا ہے اور نہ ہی کسی
دوسرے نے ان کا تعارف لکھا ہے۔ ان کی تصنیف کا نام ہے،

شیخ جزائری کا موقف

شیخ ابن مینے نے اپنی کتاب حوا میں شیخ ابوبکر جزائری کے کتابچہ الانصاف فی ما قبل فی المولد من الغلو والاحجاف (میلاد کے سلسلے میں غلو آمیز اور غیر منصفانہ گفتگو پر نظر انصاف) پر غصہ کیا ہے۔ شیخ جزائری نے علماء اسلام اور امت مسلمہ کے سوا اعظم پیغمبرؐ اور سید علویؑ پر مغل مغل میلاد شریف منعقد کرنے اور اسے جائز ماننے کے سبب حملے کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا نام دراصل یہ ہونا چاہیے تھا،

الاعتساف فی ما قبل فی المولد النبوی من الغلو والاحجاف من قبل الجفافة وأمن باب الخلاف۔
میلاد شریف کے بارے میں جفاکاروں اور منی لفین کی غلو اور عناد پر مشتمل ظالمانہ گفتگو۔

مجھے نہیں معلوم کہ شیخ جزائری، جزائری ہی رہیں گے یا وہ سعودی عرب کی شہریت حاصل کر کے جہاں جی چاہے دندناتے پھریں گے، کیونکہ انہوں نے اس کتابچے کے بعد ۲۹ شعبان ۱۴۲۵ھ کو آیہ مبارکہ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (الاعراف، ۵۶) کی تفسیر (بقیہ مآشیہ ص ۵۸) الفاظ نقل کیے ہیں، ~~شیخ جزائری نے اس کتابچے میں~~ پر جمع نہ ہوگی حدیث ۳۹۵۷، یہ حدیث حضرت ابوذر، الدمالک اشجعی، ابن عمرؓ اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی گئی ہے اور ان کی سندوں میں کلام ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے مخطوطہ تخریج احادیث منہاج للبیضاوی از علامہ عراقی ————— دوسرا جملہ **بِعَدَالَةٍ مَعَ الْجَمَاعَةِ** "اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت جماعت کے ساتھ ہے" اسے امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا۔ حدیث ۲۲۵۵۔ امام طبرانی مجموعہ کبیر میں یہ الفاظ لاتے ہیں۔ **بِعَدَالَةٍ** ~~اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے؟ بہر حال حدیث متفقہ سندوں سے مروی ہے۔ ۱۰۔~~ سید یوسف الرفاعی

ہیں یقین ہے کہ میرا ان شریعت کی روش سے، حق شیخ علوی کے ساتھ ہے کیونکہ وہ ساری
عرب اور اس کے باہر رہنے والے علماء اسلام، علماء المسلمین اور سواد اعظم یعنی مسلمانوں کا
لی غالب اکثریت، اہل سنت و جماعت کے مذہب کے قریبان ہیں؟

ابن منیع کہتے ہیں کہ کثرت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد و گرامی ہے:
إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ (صل، آیت ۲۰)
مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور وہ بہت تھوڑے ہیں۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اُمت دعوت (غیر مسلم) کی کثرت کے بارے میں ہے، جہاں
نہی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت اجابت و مسلمانوں کا تعلق ہے، تو اس کی کثرت
اللہ تعالیٰ کے اذن سے حق پر ہے۔ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات
کی بشارت دی ہے اور یہ حقیقت پر زور انداز میں بیان فرمائی ہے کہ حق علماء اسلام کی اکثریت
کے ساتھ ہے۔

امام ترمذی سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ میری اُمت کو بفرمایا اور اسی کو شک ہے میرے صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی اُمت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت

! اہل سنت کے ساتھ ہے۔

لے امام ترمذی نے یہ حدیث ان الفاظ سے روایت کی ہے اور فرمایا یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے غریب
ہے، دیکھئے ترمذی شریف مطبوعہ قاہرہ حدیث ۲۲۵۶ اور ترمذی شریف مع شرح ابن عربی ۱۱/۹۹ اس حدیث
کی پہلی جگہ **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** کے الفاظ ملے ہیں مگر اس کے بارے میں حافظ عراقی نے کہا کہ اسے امام بیہقی نے
الفضل میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان الفاظ میں بیان کیا، **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ**
اللہ تعالیٰ میری اُمت کو گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ امام ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ
(باقی ماثلیہ آئندہ صفحہ پر)

علم کا علم بننے کے ہوئے ہے، باوجودیکہ عالم اسلامی میں متعدد اسلامی مذاہب موجود ہیں۔ اس ملک میں سات یونیورسٹیاں ہیں۔ حکومت نے اپنے طے کردہ نشانات اور اعلانات کا پاس کیا ہے، کیونکہ شیخ سیّد محمد علوی مالکی اور ان کے مخالفین کے درمیان زیر بحث مسائل میں اختلاف ساتویں صدی ہجری سے چلا آرہا ہے۔ جب شیخ ابن تیمیہ نے بعض مسائل میں جہود و علماء کی مخالفت کی تھی، وہی مسائل آج شیخ ابن مینے اور ان کی جماعت کی بنیاد ہیں۔

جب جہود و علماء نے شیخ ابن تیمیہ کے افکار پر پابندی لگائی، ان کے خلاف درشت گوئی سے کام لیا اور ان کے خلاف مقدمہ چلا کر ان کو قید کر دیا گیا، تو شیخ کے بعض معتقدین نے اسے صلاحتوں پر قدغن اور جبر و استبداد قرار دیا۔ علماء کے شایان شان نہیں اور کہا کہ دین اسلام جو دین صنیف اور روشن شاہراہ ہے اور اس میں اجتہاد اور فکر و نظر کے دروازے کھلے ہیں اور ہر طریق کا، اسلامی حریت فکر کے منافی ہے۔

ہم شیخ ابن مینے اور ان کے ہم نواؤں سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ایک معاصر سیّد علوی کے ساتھ وہی رویہ روا رکھیں گے جسے شیخ ابن تیمیہ کے معتقدین پسند کرتے تھے، کل جہاں شیخ ابن تیمیہ کھڑے تھے، وہاں آج شیخ علوی کھڑے ہیں۔ ان کے پاس اگر چہ مادی دولت نہیں ہے، لیکن علمی خزانوں کی کوئی کمی نہیں ہے اور جہاں کل شیخ ابن تیمیہ کے مخالفین کھڑے تھے، وہاں آج شیخ علوی کے مخالفین کھڑے ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک کل مخالفین کا رویہ ابن تیمیہ کے ساتھ ناجائز تھا، تو آج آپ لوگوں کا رویہ شیخ علوی کے ساتھ کیونکر جائز ہو گیا؟ کسی شاعر نے کیا خوب کہا تھا۔

لَا تَنْتَهَ عَنْ خُلُقِي وَ تَأْتِي مِثْلَهُ

عَارٌّ عَلَيْكَ إِذَا فَعَلْتَ عَظِيمُ

تو ایسی عادت سے دوسرے کو منع نہ کر، جس کا تو خود عادی ہے۔ اگر تو ایسا کرتا ہے تو تیرے لیے بڑی شرم کی بات ہے۔

پہلی فصل

دلیل و حجت کی زبان میں گفتگو کرنے کی بجائے مد مقابل کے خلاف زبان درازی سے کام لینا سلف صالحین کا طریقہ نہیں ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ محکمہ ادارات البحوث العلمیہ والاقتار

والدعوة والارشاد (ریاض، سعودی عرب) کے ذمہ دار افراد شیخ ابن مینع اور ان کے ہم خیال اور معاون علماء، سید محمد علوی مالکی کے مخالف ہیں، جن پر حوار مع المالکی نامی کتاب میں حملے کئے گئے ہیں۔ ان لوگوں کو مرکزی قوت حاصل ہے۔ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنی آراء اور معتقدات کو مخالفین پر ٹھونسنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے پاس پیڑ و بالوں کے انبار لگے ہوئے ہیں، وہ جو چاہیں چھاپ کر تقسیم کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں سید علوی

مالکی کے خلاف دلیل اور مناظرہ کا ہتھیار استعمال کرنے کی بجائے زبان درازی اور دبدبہ حکومت کی تلوار استعمال کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ جیسے کہ خود ابن مینع نے ریاست عامہ (محکمہ سابقہ) کی قراردادوں، مکتوبات اور سید علوی کے خلاف شکووں کی اشاعت کے وقت انکشاف کیا۔ سید علوی کے دشمنوں نے انہیں اپنا ہدف بنا لیا ہے اور دینی و معاشی لحاظ سے انہیں مشکلات سے دوچار کر دیا ہے، سید علوی کون؟ جس کے پاس اپنے مذہب اور کتاب و سنت کے دلائل کے سوا کوئی ہتھیار نہیں ہے۔

شریعت، حکمت، عدالت اور حق کے باب میں حکومت سعودیہ نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے سید علوی کے مخالفین کے تمام مطالبات نہیں مانے اور اس طرح اپنی دانشمندی سے ایک بہت بڑے فتنے کو سر اٹھانے کا موقع نہیں دیا۔ حکومت سعودیہ حرمین شریفین کی خادمہ ہے، جن سے تمام مسلمانوں کا قلبی تعلق ہے۔ یہ حکومت گویا عالم اسلامی میں ایمان اور

کے خلاف افترا پر دازی سے کام لیا گیا، بلکہ یہ سلف صالحین، چاروں اماموں کے پیروکاروں کے مذہب، مذہب اہل سنت و جماعت کی تائید و حمایت ہے، اسی پلے میں نے اس کا نام رکھا ہے:

أَدِلَّةُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

دوسرا نام یہ تجویز کیا ہے:

الْإِدْلَامُ عَلَى الْمُنْعِجِ عَلَى مُنْكَرَاتٍ وَشُبُهَاتِ ابْنِ مَيْنُجٍ

ابن مینج کے شبہات اور ان کی غلط باتوں کا رد۔

اللہ تعالیٰ ہی مجھے توفیق دینے والا ہے، میرا اسی پر بھروسہ ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

يُوسُفُ السَّيِّدِ هَاشِمِ الرَّفَاعِيِّ

”جس نے کسی مومن کو منافق سے بچایا، اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے گا“
 جو قیامت کے روز اُس کے گوشت کو آتش دوزخ سے بچائے گا اور جس
 نے کسی مسلمان کو بے عزت کرنے کے لیے الزام لگایا، اللہ تعالیٰ اسے جہنم
 کے پُل پر قید فرما دے گا، یہاں تک کہ وہ اپنے کچے ہونے کی سزا
 برداشت کر لے۔“

امام ابو داؤد اور ابن ابی الدنیا وغیرہما حضرت جابر بن طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم
 سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،
 ”جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو ایسی جگہ بے یار و مددگار چھوڑ دے
 جہاں اُس کی عزت و حرمت مجروح ہو سکتی ہو، اللہ تعالیٰ اُسے اُس جگہ بے یار
 مددگار چھوڑ دے گا، جہاں وہ امداد کا طلب گار ہوگا۔“ اور
 جو مسلمان اپنے مسلم بھائی کی ایسی جگہ امداد کرے گا، جہاں اُس کی عزت و
 حرمت کو خطرہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اُس کی ایسی جگہ امداد فرمائے گا، جہاں اسے
 امداد کی ضرورت ہوگی۔“

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی ہیں
 کہ آپ نے فرمایا،
 ”جس کے پاس اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور وہ طاقت
 کے باوجود اُس کی امداد نہ کرے، وہ دنیا و آخرت میں اس کے گناہ میں
 شریک ہوگا۔“

یہ حدیث ابوالشیخ نے کتاب التوبخ میں اور امیرہانی نے روایت کی حدیث کہ امام
 منذری کی تصنیف الترغیب والترہیب میں ہے۔
 پھر یہ صرف سید محمد علوی مالک کی امداد ہی نہیں ہے، جن پر ظلم کیا گیا اور جن

اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
 ”جس نے کسی کا ایسا عیب بیان کیا جو اس میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اُسے
 آتش جہنم میں قید فرما دے گا، یہاں تک کہ وہ اپنے کیے کی سزا بھگت لے“
 امام طبرانی نے یہ حدیث عمدہ سند سے بیان کی۔ انہی کی ایک اور روایت میں ہے:
 ”جس نے کسی مسلمان کو عیب لگانے کے لیے ایک ایسا کلمہ مشہور کیا جس
 سے وہ بری ہے، تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جہنم کی آگ میں پگھلا دے یہاں
 تک کہ وہ اپنے جرم کی سزا برداشت کر لے۔“

امام ابو داؤد، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:
 ”جس نے کسی ایمان دار پر ایسا عیب لگایا جو اس میں نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ
 اُسے دوزخیوں کے جموں سے بہنے والی پیپ میں ٹھہرائے گا، یہاں تک کہ وہ
 اپنے کہے ہوئے کا خیانہ بھگت لے۔“
 امام طبرانی کی ایک روایت میں ہے، ”وَكَيْسٌ يَخْتَارُ ج“
 وہ اس سے نہیں نکلے گا۔

ستید محمد علی مالکی، مظلوم ہیں، اُن کی امداد مجھ پر لازم ہے، کیونکہ جس شخص کے
 سامنے اس کے مسلمان بھائی کا عیب بیان کیا جاتے یا اُس کی غیبت کی جاتے اور خاموش
 رہتے تو وہ دنیا و آخرت میں گناہ گار ہے۔ نیز تسلط حاصل کرنے والے ظالم و باغی کے خلاف
 مظلوم و مقہور مومن کی حمایت میں عظیم اجر و ثواب ہے۔

امام ابو داؤد نے حضرت سہل بن معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور انہوں
 نے اپنے والد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حال میں حاضر ہو گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا:
”اللہ کی رحمت سے مایوس۔“

یہ حدیث اصہبائی نے روایت کی اور اس میں اضافہ یہ کیا کہ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ **مَنْ قُتِلَ قَتْلًا كَرِهًا**، پورا کلمہ نہیں کہتا، بلکہ صرف اُتِلَ کہتا ہے، اسی طرح یہ حدیث امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

شیخ محمد علوی مالکی کا دفاع شرعی میری ذمہ داری اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تقرب کا ذریعہ ہے، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں (ہمارا ایک ہی راستہ ہے) ان کی اذیت میری اذیت اور ان کی خوشی میری خوشی ہے جیسے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی محنت بکھر سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنے نواسے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا، میں سید مالکی کے ساتھ ہوں، راہ حق میں صحیح طریقے اور مستند دلیل شرعی سے ان کا مددگار ہوں، جاہلانہ حیمت اور نفسانی خواہش کا پیرو نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم سب اللہ تعالیٰ کی مددوں پر ٹھہرے ہوئے، اس سے ڈرنے والے اور اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ ہم خالص حق میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، خواہشات اور باطل سے منع کرتے ہیں۔

میں اور شیخ علوی اپنے امام اور جد امجد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے پاسبان ہیں شیخ ابن منیع، شیخ جزائری یا شیخ توجہ بصری کی طرح نہیں ہیں جو سید علوی کے خلاف ازراہ حجت و ضرور سر ہوڑے بیٹھے ہیں، ہم سب کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حاکم و عادل کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، جس کا ارشاد ہے:

أَلْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ
إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ط (غافر: ۱۷)

آج ہر شخص کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی، آج کسی پر ظلم نہ ہو گا، بیشک

صحاہ کرام نے عرض کیا، ہمارے ہاں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی سامان ہو۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کا مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن ترازیں، روزے اور صدقات لاسے گا، ادھر اُس نے کسی شخص کو گالی دی ہوگی کسی پر زنا کا الزام لگایا ہوگا، کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، اس شخص کی نیکیاں ان لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں گی اور اگر اس کے بری الذمہ ہونے سے پہلے نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس شخص کے ذمہ ڈال دیئے جائیں گے اور اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

یہ حدیث امام طبرانی نے المعجم وسط میں روایت کی۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جب ظالم اپنی صراط پر لندھیرے اور شکاری میں مبتلا ہوگا تو مظلوم اسے دیکھتے ہی پہچان لے گا اور اسے اس کے مظلوم بھی یاد آجائیں گے تب پھر مظلوم، ظالموں کی نیکیاں چھیننے لگیں گے اور اگر ان کے پاس نیکیاں نہ ہوں تو مظلوموں کے گناہ ان کے سر ڈال دیئے جائیں گے اور انہیں جہنم کے سچے طبقے میں ڈال دیا جائے گا۔

مجمع الزوائد میں ہے کہ امام طبرانی نے یہ حدیث بمعجم وسط میں روایت کی اور اس کے راوی ثقہ (مستند) ہیں۔

امام ابن ماجہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،

”جس نے کسی مومن کے قتل کرنے میں ایک کلمہ کی جہز سے بھی امداد کی، وہ

ڈال دیئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ہمیں کفار و مشرکین سے گھٹکو کرنے کا طریقہ اور اس کے آداب سکھاتے ہیں۔ کیا ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے گھٹکو کرتے وقت جن سے ہمارا کسی عقیدے میں اختلاف ہے۔ اس طریقے سے سبق حاصل نہیں کر سکتے؟ اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے کثرت و ہمت کے موقع پر ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (البقرة ۱۲۰ آیت ۲۲۰)

اور اللہ جانتا ہے مفسد کو مصلح سے

ایمان و کفر کی حقیقت معلوم ہے، اس کے باوجود معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد کر دیا گیا۔ مسلمان علماء اور طلباء کے درمیان فروعی اور متشابہ مسائل کا کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے مشرکین قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کس قدر خوش ہیرائے میں ارشاد فرمایا:

وَاتَّأَوْ اِيَّاكُمْ كَعَلٰى هٰذٰى اَوْ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سبأ، آیت ۲۲)

اور ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھٹلی گمراہی میں

کیا وجہ ہے کہ ہم قرآن پاک کا طریقہ اختیار نہیں کرتے، جبکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم قرآن کے عالم اور اس کی دعوت پھیلانے والے ہیں اور ہم قرآن اور توحید کے بارے میں غیرت مند ہیں۔ کیا حولف کو اس بات کا احساس نہیں رہا کہ کسی انسان یا اس کے اسلاف کی مدح و ذم کے موقع پر لوگوں کی حیثیات کو ناحق یا مال ہونے سے بچانا ضروری ہے؟ ازالہ حیثیت عرفی کی کئی صورتیں ہیں۔ زنا کا الزام لگانا، گالی دینا، بہتان، فحشیت اور کسی بری الذمہ شخص کی نسبت بُری باتوں کی شہرت۔ ان سب میں قیامت کے دن قصاص جاری ہوگا۔

امام مسلم اور دیگر محدثین، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو مفسد کون ہے؟

موقع دیا، جن میں علما، وزراء اور طلباء حاضر تھے، انہوں نے شیخ کے خلاف ایک طرفہ فیصلہ نہیں دیا جیسا کہ شیخ ابن مینج نے بیسویں صدی میں کیا ہے۔

کئی سال پہلے ہند میں منعقد ہونے والی ایک اسلامی کانفرنس میں اس کتاب کے مصنف شیخ عبداللہ مینج سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے انہیں لطیف اور نرم ٹوپیایا تھا۔ ان کی پُرلطف گفتگو سے طویل سفر یا سانی طے ہو گیا، لیکن جب میں نے اُن کی یہ تالیف دیکھی جس میں سید علوی اور تمام اہل سنت پر زندہ تیز جملے کئے ہیں تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انہوں نے اچانک پیچھے کی کھال پہن لی۔ اور مشرک گرہ، گمراہ سازی اور تکفیر کی تلوار لیے سرسیدان دکھائی دیتے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور انہیں عافیت اور قبولِ فعل کی درستی عطا فرمائے۔

ہم انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد دلاتے ہیں،
 سباب المسلم فسوق وقتاله کفر (رواہ الشیخان)
 مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے قتال کفر ہے۔ (بخاری و مسلم)
 قیامت کے روز ظالم اور مظلوم، باغی اور جس کے خلاف بغاوت کی گئی، ان کے درمیان قصاص کی حقیقت بھی ان کے سامنے رہنی چاہیے۔ امام بخاری اور دیگر محدثین، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،
 ”جس شخص نے اپنے بھائی کو ظلم کیا ہو اُس سے اُس سے آج ہی معافی مانگ لی جی چاہیے، کیونکہ آخرت میں نہ تو درہم ہوں گے اور نہ دینار کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی نیکیاں اس کے بھائی کو دے دی جائیں اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں تو اس کے مظلوم بھائی کے گناہ اُس کے ذمہ ڈال دیتے ہائیں۔“
 نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت کے دن بندوں کے باہمی حسابات برابر کرنے کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ ظالم کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں کے مظلوم کے گناہ اس کھاتے میں

مفت

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لیے اور اللہ تعالیٰ ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک اور صحابہ کرام پر رحمتیں نازل فرمائے۔

سید محمد علوی مالکی دکنہ معظمہ کے جلیل القدر عالم دین کے رد میں محکمہ ادارات الحجۃ العلیہ و افتاء دارالارشاد، ریاض (سعودی عرب) کی شائع کردہ کتاب "حوار مع المالکی تصنیف شیخ عبداللہ بن سلیمان بن شیع، میری نظر سے گزری۔ مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ اس کتاب میں سلف صالحین علماء کرام کی روش کے عکس سید محمد علوی کی جن آراء اور افکار پر تنقید کی گئی ہے، ان پر دلیل شرعی طلب کیے بغیر ان کی شخصیت و علمیت، یہاں تک کہ ان کے نسب شریف پر بھی جارحانہ انداز میں حملہ کیے گئے ہیں۔ مصنف نے دلیل و برہان کی زبان میں گفتگو کرنے کی بجائے طاقت کے زعم میں خود ہی فریق مخالف اور خود ہی حج کا کردار ادا کیا ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ فریق مخالف کو ریڈیو یا ٹیلیوژن پر موقع دیا جاتا، فریقین اپنے اپنے دلائل پیش کرنے، شرعی طور پر بھی انہیں اپنے دفاع کا موقع دینا ضروری تھا، لیکن ہوا کیا، ان کے خلاف کفر، شرک اور بدعت و ضلالت کا مکمل لگا دیا گیا۔ مالی معاملات میں کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طاقت، دولت اور لٹریچر تقسیم کرنے کی قوت کے بل بوتے پر اپنی رائے دوسرے پر ٹھونس دے۔ تعجب ہے کہ عقیدے کے معاملے میں شیخ علوی کو اتنا موقع بھی نہیں دیا گیا اور ایک طرف ان کے خلاف فیصلہ دے دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ شیخ ابن تیمیہ کے مخالفین پر رحم فرمائے کہ جب شیخ نے بعض مسائل میں اجماع امت کی مخالفت کی تو ان حضرات نے انہیں مصر، اور دمشق میں برسر عام متعذ و مناظروں کا

کی بارگاہ میں آپ کے وصال کے بعد دُعا کی درخواست کی، لہذا یہ فرق قابل تسلیم نہیں کہ زندگی میں دعا کی درخواست شرک تک نہیں پہنچاتی اور وصال کے بعد شرک تک پہنچا دے گی، تاہم انہوں نے درج ذیل امور کو تسلیم کیا ہے،

- ۱۔ انبیاء و صالحین اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
 - ۲۔ زندوں کے لیے دُعا کر سکتے ہیں اور اس بارے میں آثار بھی وارد ہیں۔
 - ۳۔ وصال کے بعد انبیاء و اولیاء مختلف افعال انجام دیتے ہیں۔
- امید کی جاتی ہے کہ انصاف پسند اہل حق اس تحقیق سے اتفاق کریں گے۔
- اللہ تعالیٰ اسے عوام و خواص کے لیے فائدہ بخش بنائے۔ آمین!

شرف قادری نقشبندی

اَنْ يَطْلُبَ مِنْهُمْ ذَلِكَ وَلَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ أَحَدٌ
مِنَ السَّائِفِ لِأَنَّ ذَلِكَ ذَمٌّ يُعَدُّ إِلَى الشِّرْكِ بِهِمْ
وَعِبَادَتُهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ بِخِلَافِ الطَّلَبِ مِنْ
أَحَدِهِمْ فِي حَيَاتِهِ فَإِنَّهُ لَا يُفَضِّلُ إِلَى الشِّرْكِ
وَلَا مَا تَفَعَّلَهُ السَّلَاطَةُ وَيَفْعَلُهُ الْأَنْبِيَاءُ
وَالصَّالِحُونَ بَعْدَ الْمَوْتِ هُوَ بِالْأَمْرِ الْكُوفِي
فَلَا يُؤَثِّرُ فِيهِ سُؤَالُ السَّائِفِينَ - له

اسی طرح انبیاء اور صالحین اگرچہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اگرچہ
فرض کر لیا جائے کہ وہ زندوں کے لیے دعا کرتے ہیں، اگرچہ آثار
اس بارے میں وارد بھی ہوں، تاہم کسی کے لیے جائز نہیں کہ ان سے دعا
کی درخواست کرے اور سلف میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ یہ نہیں
شریک بنانے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کا ذریعہ ہے۔
برخلاف اس کے کہ ان کی زندگی میں درخواست کی جائے تو یہ شرک
نہیں پہنچاتی۔ نیز انبیاء اور صالحین وصال کے بعد اور فرشتے
جو کچھ کرتے ہیں، وہ امر کوئی کے تحت ہے، لہذا اس میں سوال کرنے والوں
کا سوال اثر نہ کرے گا۔

علامہ ابن تیمیہ کی یہ رائے کہ وصال کے بعد دعا کی درخواست کرنا شرک
نہیں پہنچاتا ہے، جمہور علمائے اسلام کے خلاف ہے۔ اگر وہ جمہور علماء سے اختلاف
کر سکتے ہیں، تو ان سے بھی اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ ابھی گزرا ہے کہ صحابی رسول
حضرت بلال بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مجموعہ فتاویٰ ج ۱، ص ۳۰

لہ احمد بن تیمیہ، علامہ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا رَضِيَ عَنْهُ أَبُو صَالِحٍ السَّمَانُ
سَمِعْتُ يَقُولُ ذَلِكَ - له

مالک بن عیاض، حضرت عمر بن خطاب کے آزاد کردہ غلام ہیں۔
انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما
سے روایت کی، ان سے ابو صالح سمان نے روایت کی وہ کہتے ہیں،
میں نے انہیں کہتے ہوئے سنا۔

اب دو ہی صورتیں ہیں :

۱۔ شیخ حماد انصاری اور ابو بکر جزائری نے یہ جاننے کے باوجود کہ امام بخاری
اور ابن ابی حاتم نے حضرت مالک الدار کا ذکر کیا ہے۔ اس حقیقت کا انکار کیا ہے،
تو یہ انصاف و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔ انہیں اس حقیقت کا علم ہی نہیں ہے تو پھر انہیں کیا حق پہنچتا ہے؟ کہ جس
حدیث کو ائمہ محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ اسے محض ہوائے نفس کے تحت نہ صرف
ضعیف، بلکہ باطل قرار دیں۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک انبیاء کرام وصال
کے بعد بھی زندہ ہیں تو ان کی بارگاہ میں دُعا اور شفاعت کی درخواست کرنے سے کوئی
چیز مانع ہے؟ اگر آپ کسی دوسرے عالم اور امام کی بات نہیں مانتے تو اپنے امام علامہ
ابن تیمیہ ہی کی مَن لیجیے :

وَكَذَلِكَ الْأَنْبِيَاءُ وَالْمَسَالِحُونَ وَإِنْ كَانُوا
أَحْيَاءَ فِي قُبُورِهِمْ وَإِنْ قَدْ رَأَتْهُمْ يَدْعُونَ
لِلْأَحْيَاءِ وَإِنْ وَرَدَتْ بِهِمْ آثَارٌ فَلَيْسَ لِأَحَدٍ

ابن عبد البر بن ابی حاتم، امام، کتاب المخرج والتعديل (دار الكتب العلمية، بيروت) ج ۸، ص ۲۱۳

عبداللہ اور عوف کے علاوہ ابوصالح، عبدالرحمن بن سعید مخزومی نے روایت کی۔ ابوصبیدہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے انہیں اپنے خیال کے لیے غلے کی پیمائش پر مقرر کیا اور حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے زمانے میں انہیں یم پر مامور کیا۔

علامہ زرقاتی نے حضرت مالک الدار سے روایت کرنے والے چار حضرات کے نام گنائے ہیں، کیا کوئی صاحب علم اب بھی انہیں مجہول کہنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ مگر بڑا ہوا، تعصب بے جا اور تنگ نظری کا کہ جس شخص پر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مکمل اعتماد کیا، آج انہیں ناقابل اعتماد قرار دیا جا رہا ہے۔

پھر دیدہ حیرت سے یہ واقعہ بھی ملاحظہ ہو کہ حضرت مالک الدار کا ذکر امام بخاری نے بھی کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی۔ امام بخاری فرماتے ہیں،

۱۲۹۵- مَالِكُ بْنُ عِيَاظٍ الدَّارِ أَنَّ عُمَرَ قَالَ يَا سَرِثُ لَا آلَؤَ إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ، قَالَ هَ عَلَيَّ عَنْ مُحَمَّدٍ بْنِ خَازِمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ مَالِكِ الدَّارِ أَنَّ مَالِكَ بْنَ عِيَاظٍ الدَّارِ رَأَى أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَقَامَ، أَسَ مِرْءَ رَبٍّ! مِ كُتَابِي نَهَيْ كُتَابُ سَوَلَّ اس كَ مِ عَاجِزٍ عَاجِلُونَ يَه قَوْلِي عَلِيٍّ لَمْ مُحَمَّدِ بْنِ خَازِمٍ سَ، انْهَوْنِ لَمْ ابْصَالِحٍ سَ اور انْهَوْنِ لَمْ مَالِكِ الدَّارِ سَ روایت کیا۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں،

۹۴۴- مَالِكُ بْنُ عِيَاظٍ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَأَى عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

۱۔ محمد بن اسماعیل البخاری، امام، کتاب التاريخ الكبير (دار الكتب العلمية بيروت) ج ۷ ص ۲۰۴

ماخذ کا مطالعہ کیا ہے، چنانچہ یہ حدیث نہ تو سند کے اعتبار سے مقبول ہے

اور نہ متن کے اعتبار سے (ملخصاً) ۱۷

اس کے بعد وہ اعتراضات بیان کیے جن کا بے بنیاد ہونا اس سے پہلے واضح کیا گیا تھا۔ اس تفصیل سے شیخ انصاری کے علمی پائے کا راز بھی طشت از بام ہو گیا۔ نیز اس سے جراثیمی کے مقام علمی کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے، جو شیخ انصاری سے کوسوں پیچھے ہیں۔

اب ذرا گئے ہاتھوں حضرت مالک الدار کا تعارف علامہ ذرقانی مالکی کی زبانی بھی سن لیجئے، وہ فرماتے ہیں،

مَالِكُ الدَّارِ وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ وَهُوَ مَالِكُ
بْنِ عِيَّاضٍ مَوْلَى عُمَرَ لَهُ إِدْرَاكٌ وَرِوَايَةٌ عَنْ
الشَّيْخَيْنِ وَمُعَاذٍ وَآبِي عَبْدِ اللَّهِ وَعَنْهُ إِثْبَاتُ عَبْدِ اللَّهِ
وَعَوْفٍ وَابْنِ مَرْزُوقٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَعِيدٍ
الْمَخْزُومِيُّ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَلَا عُمَرَ كَيْلَةَ عِيَالٍ
عُمَرَ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَلَا الْقِسْمَ فَسُتِيَ
مَالِكُ الدَّارِ - ۱۸

مالک الدار، حضرت عمر کے خازن تھے، یہ مالک بن عیاض، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ مبارکہ پایا۔ وہ شیخین (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر) حضرت معاذ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے ان کے دو بیٹوں

۱۷ ابو بکر جابر الجعفی، ۱۸ وجاءوا یو کصنون ص ۲۳

۱۹ محمد بن عبد الباقی الزرقانی، علامہ، شرح مواہب اللدنیہ (طبع ۱۲۹۲ھ) ج ۸، ص ۷۷

اس روایت میں ان کا نام ذکر کیا گیا ہے اور ان سے روایت کرنے والے متعدد حضرات ہیں۔ نیز ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ بقول علامہ ابن تیمیہؒ: تابعین جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے۔ حضرت مالک الدارؒ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خازن تھے۔ اگر ان کی امانت، دیانت اور صداقت، شک و شبہ سے بالانہ ہوتی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں خازن مقرر نہ فرماتے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں تقسیم کے کام پر مقرر نہ فرماتے۔

ابن سعد فرماتے ہیں:

مَالِكُ الدَّارِ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَقَدْ اُنْتُمُوْا اِلَى جَبَلَانٍ مِنْ حُمَيْرٍ دَرَوْى مَالِكُ الدَّارِ عَنْ اَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ جَمْعًا اَللّٰهُ سَرَّوْى عَنْهُمَا اَبُوْصَالِحِ السَّمَّانُ، وَكَانَ مَعَهُمْ وَفَا لَهُ

مالک الدار، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، یہ لوگ قبیلہ حمیر کی شاخ جبلان کی طرف منسوب تھے۔ مالک الدار نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی اور ان سے ابوصالح سمان نے روایت کی اور وہ معروف تھے۔

ابن سعد ایسے محدث حلیل القدر اور اسرار جال کے ماہر کہتے ہیں کہ مالک الدار معروف تھے۔ ان کے مقابل جہزائری کی بات کون مانے گا کہ وہ مجہول تھے جبکہ جہزائری کا مبلغ علم خزان کے بیان کے مطابق یہ ہے،

مجھے اس روایت نے واقعی حیران کر دیا، میں نے محدث مدینہ

شیخ حماد انصاری سے رابطہ کیا، تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس حدیث کے

ہونے کی تہمت ہے اور ان کی احادیث منکر ہیں۔ ۱۷
 ہم اس سے پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ استدلال کا دار و مدار حافظ ابن ابی شیبہ کی روایت
 پر ہے اور وہ بلاشبہ صحیح ہے۔ اس میں سیف بنی نام کے کسی راوی کا ذکر نہیں ہے۔ حافظ
 ابن کثیر کی باقی دو روایتیں محض تائید و تقویت کے لیے ذکر کی گئی ہیں۔
 تیسرے راوی حضرت مالک الدار ہیں، جن کے بارے میں جزائری کہتے ہیں،
 مالک الدار جن پر اس روایت کا مدار ہے، مجہول ہیں۔ امام بخاری
 اور ابن ابی حاتم ان کے ذکر سے خاموش ہیں اور علماء حدیث کے نزدیک
 قاعدہ ہے کہ جس کے ذکر سے امام بخاری اور ابن ابی حاتم خاموش ہوں،
 وہ مجہول اور غیر معروف ہے۔ ۱۸

جواب: یہ قاعدہ کس مسلم محدث نے بیان کیا ہے؟ اور کس کتاب میں؟ اسے تو
 کوئی صاحب علم تسلیم نہیں کرے گا کہ جو کچھ آپ کہہ دیں، وہ قاعدہ بن جائے۔ اصول حدیث
 کی اصطلاح کے مطابق راوی کے مجہول ہونے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس کا نام ہی نہیں لیا
 جاتا، مثلاً کہا جائے کہ مجھے ایک شیخ نے بیان کیا یا اس کے متقدم و صاف میں سے
 غیر مشہور و صنف کا ذکر کر دیا جائے اور اگر راوی کا نام بیان کیا گیا ہے، تو اس کی پھر دو
 صورتیں ہیں:

- ۱۔ ان سے صرف ایک راوی روایت کرتا ہے، اسے مجہول العین کہتے ہیں۔
- ۲۔ اس راوی سے دو یا دو سے زیادہ حضرات روایت کرتے ہیں، مگر اس راوی
 کی توثیق نہیں کی گئی، ایسے راوی کو مجہول الحال کہتے ہیں۔ ۱۹

اس تفصیل کی روشنی میں دیکھا جائے، تو مالک الدار نہ تو مجہول العین ہیں، کیونکہ

۱۔ ابوبکر جابر الجرازی، وجاؤ ایر کضون ص ۶۳

۲۔ ایمنشا، ص ۲۴

۳۔ ابن حجر عسقلانی امام ۱، نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر (مطبوعات)، ص ۸۷-۸۵

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی دوسری روایت مرسل کو تقویت دینے والی مل جائے تو اس سے استدلال کیا جائے گا۔ مثلاً وہ حدیث دوسری سند سے مستند یا مرسل مروی ہو، یا اس پر بعض صحابہ یا اکثر علماء کا عمل ہو۔ حدیث مذکور میں ایک راوی اگر مدلس ہیں اور انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ تو وہ حدیث مرسل ہے اور حدیث مرسل امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک غیر مشروط طور پر حجت ہے۔ ہم البدایہ والنہایہ کے حوالے سے دورِ اربعین دوسری سندوں سے نقل کر چکے ہیں، لہذا بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث چاروں اماموں کے نزدیک حجت ہے۔

یہ امر بھی لائقِ توجہ ہے کہ امام غمش تابعی ہیں اور علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں:
وَأَمَّا التَّابِعُونَ فَلَمْ يُعْرِضُوا تَعَمُّدُ الْكُذِبِ فِي التَّابِعِينَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ وَالشَّامِ وَالْبَصْرَةِ بِخِلَافِ الشَّيْعَةِ فَإِنَّ الْكُذِبَ مَعْرُوفٌ فِيهِمْ وَقَدْ عُرِفَ الْكُذِبُ بَعْدَ هُمُوكَ فِي طَوَائِفِ

مکہ، مدینہ، شام اور بصرہ کے تابعین میں عمدتاً جھوٹ بولنا معروف نہیں ہے۔ بخلاف شیعہ کے کہ ان میں جھوٹ معروف ہے، ان کے بعد مختلف گروہوں میں جھوٹ معروف ہے۔

دوسرے راوی سیف صلتی ہیں، جن پر جہز آفری صاحب نے تنقید کی ہے، وہ کہتے ہیں سیف صلتی وہ شخص ہیں جنہوں نے فکر کیا کہ ایک شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر النور پر حاضر ہوتے (اس کے بعد حدیث کا کچھ حصہ بیان کیا) اور سیف صلتی پر زندقہ ہونے کی تہمت ہے۔ ان کے بارے میں ابن ابی حاتم نے کہا کہ ان پر زندقہ

صحیح وہ ہے جو جمہور محدثین نے فرمایا کہ اگر مُدّلس ایسے لفظ سے روایت کرے جو احتمال رکھتا ہو اور سماع کی تصریح نہ کرے تو وہ مُرسل ہے اور جس میں سماع کی تصریح کر دے، مثلاً کہ سَمِعْتُ، حَدَّثَنَا یا اَخْبَرَنَا وغیرہ تو وہ حدیث صحیح اور مقبول ہے اور قابل استدلال ہے۔ صحیحین وغیرہما کتب اصول میں اس قسم کی ان گنت حدیثیں ہیں، جیسے قتادہ، عمار بن سفيان (سفيان ثوري اور سفيان بن عيينه) اور شیم وغیرہم اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تدلیس جھوٹ نہیں ہے۔
 غور کیجئے! امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ تدلیس جھوٹ نہیں ہے اور مُدّلس اگر سماع کی تصریح نہیں کرتا، تو اس کی روایت مرسل ہے اور حدیث مُرسل کے بارے میں امام نووی ہی کا بیان ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں،

ثُمَّ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَالْمُحَدِّثِينَ أَوْجُهُوهُمْ
 وَجَمَاعَةُ مِنَ الْفُقَهَاءِ أَنَّهُ لَا يُجْتَنَبُ بِالْمُرْسَلِ وَ
 مَذْهَبُ مَالِكٍ وَابْنِ حَنِيْفَةَ وَأَحْمَدُ وَكَثَرُ الْفُقَهَاءِ
 أَنَّهُ يُجْتَنَبُ بِهِ وَمَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ إِذَا انْضَمَّ
 إِلَى الْمُرْسَلِ مَا يُعْضَدُ أُجْتَنَبَ بِهِ وَذَلِكَ بِأَن يُرَوَّى
 أَيْضًا مُسْنَدًا أَوْ مُرْسَلًا مِنْ جِهَةٍ أُخْرَى أَوْ يَعْمَلَ
 بِهِ بَعْضُ الصَّعَابَةِ أَوْ أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ - لہ

پھر امام شافعی اور محدثین یا جمہور محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مرسل سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ امام احمد اور اکثر فقہاء فرماتے ہیں، مرسل سے استدلال کیا جائے گا۔

مقدمہ شرح مسلم (دہلی) ص ۷۴

لہ کیجی بن شرف النووی، الامام،

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں :

یہ امام آتش، امام اجل، ثقہ، ثبوت، حجت، حافظ کبیر القدر، جلیل القدر،
اجلہ ائمہ تابعین و رجال صحاح ستہ سے ہیں، جن کی وثاقت، عدالت،
جلالت، آفتاب نیم روز سے روشن تر، ان کا اسم مبارک سلیمان ہے...
..... اسی تقریب میں تھا: سَلِيمُنُ بْنُ مِسْلَنَ الْأَعْمَشُ
ثِقَّةٌ، حَافِظٌ، عَارِفٌ بِالْقِدَاعَةِ وَرِيعٌ ۱۰

ربا یہ مسئلہ کہ وہ مدلس ہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تدلیس کیا ہے؟ کیا مدلس کی روایت
مقبول ہی نہیں ہوتی؟ شارح مسلم امام نووی فرماتے ہیں کہ تدلیس کی ایک قسم یہ ہے
کہ راوی اپنے کسی معاصر سے وہ حدیث روایت کرے جو اس سے سنی نہیں ہے اور ان کا ایسا
ہو کہ سننے والے کو گمان ہو کہ اس سے حدیث سنی ہے، مثلاً کہے، قَالَ فَلَانٌ فَلَانٌ
نے اس طرح کہا یا عَنْ فَلَانٍ فَلَانٌ۔ فلاں سے روایت ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ ایسے
شخص کی روایت مقبول نہیں ہے، اگرچہ سماع کی تصریح ہی کر دے۔ امام نووی فرماتے ہیں:

وَالصَّحِيحُ مَا قَالَهُ الْجَمَاهِيرُ مِنَ الطَّوَائِفِ أَنَّ مَا
رَوَاهُ يَلْقَظُ مُعْتَمِلٌ لَمْ يُبَيِّنْ فِيهِ السَّمَاعَ فَهُوَ
مُرْسَلٌ وَمَا بَيَّنَّهُ فِيهِ كَسَمِعْتُ وَحَدَّثَنَا وَآخَرَانَا
وَشَبَّهَ مَا فَهُوَ صَحِيحٌ مُقْبُولٌ يُجْتَنَّبُ بِهِ وَفِي الصَّحِيحَيْنِ
وَعَبَرَهُمَا مِنْ كُتُبِ الْأُصُولِ مِنْ هَذَا الْقَرْبِ كَثِيرٌ
لَا يُحْصَى، كَقِتَادَةَ وَالْأَعْمَشِ وَالشَّافِعِيِّ وَهَشِيمٍ وَ
غَيْرِهِمْ، وَدَلِيلُ هَذَا أَنَّ الشَّدْلِيَّ لَيْسَ لَيْسَ كَذِبًا.

۱۰ امام احمد رضا بریلوی، امام

فتاویٰ رضویہ (مطبوعہ میرٹھ، ہند) ج ۲، ص ۹

۱۱ محمد یحییٰ بن شرف النووی، الامام،

مقدمہ شرح مسلم (رشیدیہ، دہلی) ص ۱۸

جب تو ان مذکورہ حضرات، عطار، یزید اور لیث کا منصور بن معتمر، سلیمان اعمش اور اسماعیل ابن ابی خالد سے حدیث کے ضبط اور استقامت میں موازنہ کرے، تو پہلے تین حضرات کو مؤخر الذکر حضرات سے الگ پائے گا۔ یہ ان کے مقام کے قریب بھی نہیں ہیں، علماء حدیث کے نزدیک حقیقت بلاشبک و شبہ ثابت ہے، کیونکہ منصور، اعمش اور اسماعیل کے حافظہ کی صحت اور ان کا حدیث کو محفوظ کرنا مشہور و معروف ہے۔

غور کیجئے اول الذکر تین حضرات مستور العیب ہیں، صادق اور صاحب علم ہیں اس کے باوجود وہ امام مسلم کے نزدیک مؤخر الذکر حضرات کے مقام کو نہیں پہنچتے، جن میں امام اعمش بھی ہیں۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ امام مسلم کے نزدیک امام اعمش کا مقام کیا ہے؟ ابن ابی حاتم، امام اعمش کے بارے میں فرماتے ہیں:

مَرَدِي عَنْهُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ عَنْ يَحْيَى
بْنِ مَعِينٍ أَنَّهُ قَالَ سَلِمَانُ بْنُ مِهْرَانَ ثِقَّةٌ
كَانَ جَرِيئًا إِذَا حَدَّثَ عَنْ الْأَعْمَشِ قَالَ هَذَا الدِّيْبَاجُ
وَهُوَ أَسْتَاذُ الْكُوفَةِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ
قَالَ سَمِعْتُ أَبَانُ رُعَةَ يَقُولُ سَلِمَانُ الْأَعْمَشُ
إِمَامٌ لَهُ

ان سے صفیان ثوری اور شعبہ نے روایت کی ہے، یحییٰ ابن معین سے مروی ہے کہ سلیمان اعمش، ثقفہ ہیں، جریر جب اعمش سے روایت کرتے تو کہتے کہ یہ دیباج (قیمتی روایت) ہے اور وہ اہل کوفہ کے استاذ ہیں۔ عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے ابو زرعة کو کہتے ہوئے سنا کہ سلیمان اعمش امام ہیں۔

لے عبد الرحمن بن ابی حاتم، امام، کتاب الجرح والتعديل (دارالکتب العلمیۃ بیروت)، ج ۲، ص ۲۸۸

از کتاب کیوں کرتے؟ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ یہ تو شرک تھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ گو یا صحابہ کرام کا یہ واضح ترین اجماع تھا کہ ان کا عمل شرک تھا اور نہ ہی حرام۔ بلکہ آج تک ائمہ دین میں سے کسی نے بھی اسے شرک قرار نہیں دیا، تو اگر آج کوئی شخص صحابی کے اس عمل کو شرک یا حرام قرار دیتا ہے تو اس کا قول اجماع صحابہ اور ائمہ دین کے مقابل کیا حیثیت رکھتا ہے؟

ابو بکر جرائری کا تیسرا اعتراض اس حدیث کی سند پر جرح ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سند میں اعمش ہیں جو مدلس ہیں، لہذا جب تک سماع کی تصریح نہ کریں ان کی روایت قابل استدلال نہیں ہے۔ لہ

جواب، ائمہ محدثین سے پوچھیے کہ اعمش کون ہیں؟ وہ جلیل القدر تابعی اور ائمہ فقہ و حدیث کے استاذ ہیں۔ امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امیر المومنین فی الحدیث حضرت شعبہ کے استاذ حدیث ہیں۔ صحیحین، بلکہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔ امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

الْأَكْثَرُ أَتَاكَ إِذَا وَارَتْهُ هَوْلَاءُ الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ
سَتَيْنَاهُمْ عَطَاءً وَيَزِيدُ وَلَيْثُ بْنُ مَنصُورٍ
وَسُكَيْمُ بْنُ الْأَعْمَشِ وَاسْمَعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ فِي
إِتْقَانِ الْحَدِيثِ وَالْإِسْتِقَامَةِ فِيهِ وَجَدْتُهُمْ
مُبَاطِنِينَ لَهُمْ لَا يُدَاوُونَهُمْ لَا شَكَّ عِنْدَ أَهْلِ
الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ فِي ذَلِكَ لِذَلِكَ اسْتَفَاضَ مِنْ صَحَّةِ
حِفْظِ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ وَاسْمَعِيلَ وَإِتْقَانِهِمْ لِحَدِيثِهِمْ

لہ ابو بکر جرائری ۱ وجاؤا یرکضون ص ۲۳

لہ مسلم بن الحجاج القشیری، الامام، صحیح مسلم (مکتبہ رشیدیہ، دہلی، ج ۱، ص ۴

عالم اسلام کے ان جلیل القدر محدثین کرام کی روایت، تصحیح اور استناد کے باوجود اگر اس قسم کی تنقیدات کا دروازہ کھول دیا جائے کہ یہ حدیث تو اصول دین ہی کے خلاف ہے تو کہنے دیجئے کہ دنیا کا اعتماد صرف ان ائمہ دین ہی سے نہیں، دین سے بھی اٹھ جائے گا۔ علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں،

والبغاری من اعرف خلق الله بالحديث وعلله مع

فقهه، فيہ لہ

امام بخاری حدیث اور اس کی علل کی معرفت مخلوق خدا میں سب سے زیادہ معرفت رکھنے والوں میں سے ہیں۔ اور حدیث کی فقہیت بھی رکھتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنا جلیل القدر امام اور دیگر ائمہ ایسی حدیث روایت کر جائیں جو اصول دین کے منافی ہو اور وہ کثایت اور اشارۃً بھی اس کی تضعیف نہ کریں۔ ابو بکر جزائری نے دوسرا اعتراض یہ کیا کہ یہ روایت خواب سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتی اور خوابوں سے احکام شرعیہ ثابت نہیں کیے جاسکتے، ہاں انبیاء کی خوابیں ذلیل بن سکتی ہیں کہ وہ وحی ہیں۔ لہ

جواب: اس روایت سے استدلال اس بنا پر ہے کہ ایک صحابی بیداری میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ آپ نے انہیں خواب میں بارش کی بشارت دی، انہوں نے یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ اور تابعین کے سامنے اسے بیان کیا۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی بارگاہ میں دعا کی درخواست کرنا شرک ہوتا، تو حضرت بلال بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے صحابی اس کا

مجموعۃ الفتاویٰ، ج ۱، ص ۲۵۶

لہ احمد بن تیمیہ، علامہ

ص ۲۴

وجاہد کرمی

لہ ابو بکر جزائری

بناتے تھے تو یہ تیسری قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں آپ کی عزت و کرامت کے سبب آپ کی دعا اور شفاعت قبول فرماتا ہے، لہذا جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت اور دعا فرمائیں، وہ اس شخص سے مختلف ہے جس کے لیے آپ دعا اور شفاعت نہ فرمائیں۔ لے

یہ امر بھی لائقِ توجہ ہے کہ بقول جریری اس حدیث کو امام بخاری، امام بیہقی اور حافظ ابن حجر نے بیان کیا اور اس سے پہلے گزر چکا کہ اس حدیث کو حافظ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، سیف بن عمر نے فتوح میں روایت کیا اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا۔ علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اس کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے۔

اس سے پہلے حافظ ابن کثیر کی ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص نے بحری ذبح کی، تو کھال اتارنے پر سرخ ہڈیاں نمودار ہوئیں۔ یہ حدیث اسی سند کے ساتھ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بیان کی ہے۔ یہی روایت ابن اثیر نے الکامل میں بیان کی ہے۔ تے

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ما حدیث کے چند مزید حوالے علامہ ابن ابی عمیر نے یہ حدیث روایت کی جسے علامہ ابن حجر نے الاصابہ میں نقل کیا۔ ابن عبد البر نے استیعاب ج ۲، ص ۴۶۴ حرف عمر میں بیان کیا۔ امام تقی الدین سیکی نے شفاء السقام میں ص ۱۷۴ میں نقل کیا۔

لے احمد بن تیمیہ، علامہ ۱ مجموعہ فتاویٰ ج ۱، ص ۲۴۷

تے محمد بن جریر طبری ۱ تاریخ الامم والملوک (دار القلم بیروت) ج ۴، ص ۲۲۴

تے ابن الاثیر ۱ الکامل فی تاریخ (دار صادر، بیروت) ج ۲، ص ۵۵۶

طعن دراز کرنے میں احتیاط کی حدود سے گزر گئے ہیں، کہتے ہیں،

”حضرت بلال بن حارث کی روایت جیسے امام بیہقی نے دلائل النبوة میں، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے، اُس نے مجھے واقعی حیران کر دیا۔ لے

پھر باعث حیرت یوں بیان کرتے ہیں،

یہ روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ جب کہ یہ دین کے سب سے بڑے اصل کے مخالف ہے اور وہ اصل یہ ہے کہ قصد اور طلب کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہونا چاہیے اور اس روایت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جبکہ آپ قبر میں ہیں۔ سوال کیا گیا ہے کہ اُمت کے لیے ہارش کی دُعا فرمائیں۔ لے

جواب:

اللہ اکبر! اگر یہی توحید ہے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کی حیات میں دعا و شفاعت کی درخواست کرنا بھی اصول دین کے مخالف ہوگا، کیونکہ بیان مذکور کے مطابق دین کی سب سے بڑی اصل یہ ہے کہ جو مانگنا ہے، اللہ تعالیٰ سے مانگو اور مخلوق سے مانگنا توحید کے منافی ہے۔ اب اگر کسی ہستی سے دُعا کے بعد مانگیں تو بھی توحید کے منافی اور اگر ان کی زندگی میں مانگیں تو بھی توحید کے منافی۔ یہ کیسی توحید ہے؟ کہ کسی مخلوق سے فائدے کے بعد سوال کیا جائے، تو اس کے تقاضے مخرج ہو جاتے ہیں اور زندگی میں مانگیں تو جائز ہے علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دُعا و شفاعت کو وسیلہ بنانا جیسے کہ قیامت کے دن لوگ آپ سے درخواست کریں گے کہ ہمارے لیے شفاعت فرمائیں اور جیسے کہ صحابہ، استسفا۔ وغیرہ میں آپ کی شفاعت کو وسیلہ

لے ابو یوسف جابر الجعفی: وجاؤ ابو کضون ص ۲۳
لے ایضاً: ص ۲۳

فَاسْتَأْذَنَ عَلَى عُمَرَ فَقَالَ أَنَا رَسُولُ رَسُولِ اللَّهِ
إِلَيْكَ ، يَقُولُ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَقَدْ عَمِدْتُكَ كَيْسًا وَمَانَرْتُ عَلَى ذِيكَ فَمَا
شَأْنُكَ ؟ قَالَ مَتَى رَأَيْتَ هَذَا ؟ قَالَ الْبَارِحَةَ
فَخَرَجَ فَنَادَى فِي النَّاسِ الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ فَصَلَّى
بِهِمْ رَاكِعَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ
أَشَدُّكُمْ اللَّهُ هَلْ تَعْلَمُونَ مَتَى أَمْرًا غَيْرُهُ خَيْرٌ
مِنْهُ ؟ فَقَالُوا اللَّهُمَّ لَا فَقَالَ ، إِنَّ بِلَالَ بْنَ
الْحَارِثِ يَزْعُمُ ذِيَّةَ ذِيَّةٍ - قَالُوا صَدَقَ
بِلَالٌ فَاسْتَعِثْ بِاللَّهِ ثُمَّ يَا مُسْلِمِينَ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ

ان احادیث مبارکہ سے واضح طور پر ثابت ہے کہ ایک صحابی حضرت بلال بن حارث
مُزَنِّی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کے وصال مبارک
کے بعد فریاد و پیش کی اور بارش کی دعا کی درخواست کی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
انہیں خواب میں بشارت دی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پیغام دیا۔ حضرت عمر
نے صحابہ اور تابعین کے مجمع عام میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ حاضرین میں سے کسی نے یہ
نہیں کہا کہ یہ تو شرک ہے، بلکہ انہوں نے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق
کی اور فرمایا: صَدَقَ، بِلَالٌ، صحابہ کرام اور تابعین کا یہ وہ اجماع ہے جسے جھٹلایا نہیں
جاسکتا۔ حاضرین نے بالاتفاق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کے وصال کے بعد
استعانت و استغاثہ اور دعا کی درخواست کو جائز قرار دیا۔

ابو بکر جابر الجعفی، واعظ مسجد نبوی جو تو سمل کو جائز قرار دینے والے علماء پر زبان

”سیف بن عمر، مبشر بن فضیل سے راوی ہیں، انہوں نے جبیر ابن صخر سے انہوں نے عاصم بن عمر سے روایت کی۔ عام رمادہ (۱۸ھ) میں قبیلہ مُزَنَہ کے ایک شخص سے ان کے گھر والوں نے بکری ذبح کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے فرمایا: بکریوں میں کچھ نہیں ہے۔ ان کے اصرار پر انہوں نے بکری ذبح کی، تو دیکھا کہ اس کی ہڈیاں سُرخ ہیں، تو انہوں نے کہا: یا محمد! رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں فرما رہے ہیں کہ تمہیں زندگی مبارک ہو، تم عمر کے پاس جاؤ اور انہیں میری طرف سے سلام کہو۔“

یہی علامہ ایک تیسری سند سے راوی ہیں کہ سن سترہ کے آخر اور سن اٹھارہ کی ابتدا میں مدینہ طیبہ میں سخت قحط واقع ہوا، جس سے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے یہاں تک کہ حضرت بلال بن حارث مرنے لگے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیغام دیا۔ حضرت عمر نے لوگوں کو جمع کر کے، دو رکعت نماز پڑھائی اور اس کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ میں تمہیں خدا تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم مجھ سے کوئی ایسا معاملہ دیکھتے ہو؟ کہ اس کا غیر اس سے بہتر ہو، حاضرین نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا: بلال بن حارث اس طرح کہتے ہیں۔ حاضرین نے کہا انہوں نے سچ کہا۔ اصل عبارت اختصار کے ساتھ ملاحظہ ہو:

قَالَ سَيْفُ بْنُ عُمَرَ عَنْ سَهْلِ بْنِ يَوْسَفَ السُّلَمِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: كَانَ عَامُ السَّوْمَادَةِ فِي آخِرِ سَنَةِ سَبْعِ عَشْرَةَ وَأَوَّلِ سَنَةِ ثَمَانِي عَشْرَةَ، أَصَابَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ وَمَا حَوْلَهَا جُوعٌ فَهَلَكَ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ حَتَّى أَتَى بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمُرُوفِيَّ

زرقانی نے شرح مواہب میں اس تصحیح کو برقرار رکھا۔

حافظ ابن کثیر نے بھی اس سند کو صحیح کہا ہے۔ ان کی سند ملاحظہ ہو،
 وَقَالَ الْحَافِظُ أَبُو بَكْرٍ الْبَيْهَقِيُّ: أَخْبَرَنَا أَبُو نَصْرِ
 بْنُ قَتَادَةَ وَأَبُو بَكْرٍ الْفَارِسِيُّ قَالَا: حَدَّثَنَا
 أَبُو عُمَرَ بْنُ مَطَرٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَلِيٍّ
 الذُّهَلِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ
 عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ مَالِكٍ قَالَ أَصَابَ
 النَّاسَ قَحْطٌ الْحَدِيثِ،

البتہ ان کی روایت میں یہ تصریح ہے، فَأَمَّا أَسْرُؤُ اللَّهِ (ص)،
 فِي السَّامِ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب میں اس صحابی کے پاس تشریف لائے
 حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: وَهَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ ۛ

علامہ ابن کثیر ایک دوسری سند سے راوی ہیں:

ثُمَّ رَوَى سَيْفٌ عَنْ مُبَشَّرِ بْنِ الْفَضِيلِ عَنْ جُبَيْرِ
 بْنِ صَخْرِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا
 مِنْ مُؤَيِّنَةِ عَامِ الرَّمَادَةِ سَأَلَهُ أَهْلُهُ أَنْ يَذْبَحَ
 لَهُمْ شَاةً فَقَالَ: لَيْسَ فِيهِمْ شَيْءٌ فَالْكُفُّوا عَلَيْهِ
 فَذَبَحَ شَاةً فَإِذَا عَظَامُهَا حُمُرٌ فَقَالَ يَا مُحْتَدَاهُ
 فَلَمَّا أَمْسَى أُرِيَ فِي السَّامِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَهُ أَبَشِّرْ بِالْحَيَاةِ إِيَّتِ
 عُمَرَ فَأَقْرَأَهُ مِثْلَ السَّلَامِ (الحديث) ۛ

لہ ابن کثیر، حافظ، البدایہ والنہایہ، مکتبۃ المعارف، بیروت، ج ۷، ص ۹۲-۹۱
 ۛ ایضاً، ص ۹۱

إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ لَهُ

”ہمیں ابو معاویہ نے حدیث بیان کی اُمش سے، انہوں نے ابو صالح سے، انہوں نے مالک الدار سے، ابو صالح نے فرمایا کہ مالک الدار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خازن طعام تھے۔ انہوں نے فرمایا، لوگ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قحط میں مبتلا ہو گئے تو ایک شخص (حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۃ النور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کی اُمت ہلاک ہوا چاہتی ہے، آپ اس کے لیے بارش کی دعا فرمائیں اس صحابی کو خواب میں کہا گیا کہ عمر کو جا کر سلام کہو اور انہیں بتاؤ کہ تمہیں بارش عطا کی جائے گی اور یہ بھی کہو کہ (امور خلافت ادا کرنے میں مزید) بیدار مغزی سے کام لو۔ اس صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی، تو آپ رو پڑے اور عرض کیا، اے میرے رب! جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے، میں اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ سیف نے فتوح میں فرمایا کہ خواب دیکھنے والے حضرت بلال بن حارث مزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔ نیز علامہ عسقلانی نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

در وی ابن ابی شیبہ باسناد صحیح لہ

انہی الفاظ میں علامہ احمد بن محمد قسطلانی نے اس سند کی تصحیح کی ہے۔ علامہ

لہ ابن ابی شیبہ، حافظ امام، مصنف (ادارۃ القرآن، کراچی) ج ۹۲ ص ۳۲ - ۳۱

لہ ابن حجر عسقلانی، علامہ، فتح الباری (دار المعرفۃ، ۲۰۰۰) ج ۲، ص ۴۱۲

لہ احمد بن محمد قسطلانی، علامہ، المواہب اللدنیہ مع الزرقانی (۱۲۹۱ھ) ج ۸، ص ۷۷

تیسری قسم یہ ہے کہ وصال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دُعا اور شفا کی درخواست کی جائے۔ اس قسم کے جائز یا ناجائز ہونے میں اختلاف تو کیا جاسکتا ہے لیکن اسے شرک اور اصول توحید کے مخالف قرار دینے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے، کیونکہ شرک بہر حال شرک ہے۔ اگر کسی ہستی کو وصال کے بعد اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں بنایا جاسکتا تو اس ہستی کو دنیا یا آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں بنایا جاسکتا۔ کہنا یہ ہے کہ کسی ہستی سے دُعا اور شفاعت کی درخواست کرنا اگر وصال کے بعد شرک ہے تو دنیا کی زندگی میں بھی شرک ہوگا اور آخرت میں بھی شرک ہوگا۔ دراصل کسی سے دُعا اور شفاعت طلب کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا گیا ہے، کیونکہ دعا کرنا بندے ہی کی شان ہے، اللہ تعالیٰ کے شایان شان کسی طرح بھی دُعا کرنا نہیں ہے۔ ہاں اس پر غور کیا جاسکتا ہے کہ شفاعت اور دُعا کے بعد از وصال درخواست کرنا جائز ہے یا نہیں۔ جلیل القدر محدث حافظ ابن ابی شیبہ (متوفی ۲۴۰ھ) کی ایک روایت ملاحظہ ہو:

۱۱۳/ (۱۲۰۵۱) حَدَّثَنَا أَبُو مَعَاوِيَةَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ الدَّارِ، قَالَ: وَكَانَ خَازِنُ عُمَرَ عَلَى الطَّعَامِ، قَالَ: أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي نَوْمِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتَسْقِ لِأَمْتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا فَأَتَى الرَّجُلُ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ: آيَتِ عُمَرَ فَأَقْرَأَهُ السَّلَامَ فَأَخْبَرَهُ أَنَّكُمْ مُسْتَقِيمُونَ (مُسْتَقِيمُونَ) وَقُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكَيْسُ! عَلَيْكَ الْكَيْسُ! فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ لَا آلُو

حدیثِ توسل

تحقیقی جائزہ

علامہ رفاعی مظلہ کی پیش نظر تصنیف کے اردو میں مسجد نبوی کے واعظ، ابو بکر جابر الجعفری نے ایک کتاب بنام وَجَاعَةُ طَلَبِ الْكُفُوفِ ۱۱۱ داھیلے کوڑے ہوئے آئے، لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے غیر ذمہ دار لب و لہجہ اختیار کیا ہے، ایک جگہ حدیثِ توسل پر اعتراضات بھی کیے ہیں۔ درج ذیل مقالہ میں انہی اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری

اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندوں سے توسل ابتداء سے آج تک امت مسلمہ کا معمول رہا ہے۔ توسل کی دو صورتیں ایسی ہیں، جنہیں علامہ ابن تیمیہ نے بھی جائز قرار دیا ہے، ۱۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کو وسیلہ بنانا، یہ ایسا فرض ہے جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ۲۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ظاہرہ میں اور قیامت کے دن آپ کی دُعا اور شفاعت کو وسیلہ بنانا۔

علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ان دو قسموں کے جائز ہونے پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

مجموعہ فتاویٰ شیعہ الاسلام (مطبوعہ ۱۳۹۸ھ) ج ۱، ط ۲

۱۔ ابن تیمیہ، علامہ:

پاس کرایا۔ یونیورسٹی اور کالجوں میں مخلوط تعلیم کی مخالفت کی اور اسلام کے منافی اور مسلمانوں کے مفادات کے خلاف امور کی شد و مد کے ساتھ مزاحمت کی۔

علامہ رفاعی اعلیٰ پایہ کے محقق اور علم و معرفت کے بحر و خاں ہیں۔ علوم اسلامیہ کے بہترین صاحب تصانیف ہوئے کچھ ساتھ ساتھ فصیح البیان اور قادر الکلام خطیب بھی ہیں۔ عربی کے علاوہ انگریزی زبان میں بھی اظہار خیال کی قدرت رکھتے ہیں۔ اُن کی تصانیف کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ دقیق النظر اور وسیع المطاہر محقق عالم دین ہیں۔ مسلک اہل سنت و جماعت کی نصرت و حمایت کے لیے وقف ہیں اور ان کی تصانیف میں ہر جگہ انصاف و دیانت کا رنگ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ متانت، شائستگی اور بیحدگی کا یہ عالم ہے کہ مخالفین کا رد کرتے ہوئے بھی یکجہانہ و ناصحانہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں۔

آپ کا وجود مسعود عالم اسلام کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ہم بلا خوف تردد کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت وہ صحیح معنوں میں سید جمال الدین افغانی کے جانشین ہیں۔ اہل اسلام کی وحدت اور عالم اسلام کا استحکام اُن کی غایت الغایات ہے۔ ایسی ہی نابغہ روزگار ہستیوں کے لیے علامہ اقبال علیہ الرحمہ کہہ گئے ہیں۔

عمر باد رکعبہ و بیت خانہ می نالہ حیات

تاز بزم عشق یک داناستے راز آید برون

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی عمر میں برکت دے، صحت و تندرستی سے مالا مال رکھے اور اپنے عزا تم مبارکہ میں کامیاب و کامران بنانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

خاکسار محمد عبدالستار خاں نیازی

نائب صدر الدعوة الاسلامیۃ العالمیۃ
امین العام جمعیت العلماء پاکستان
۲۲- اونکار روڈ۔ لاہور

۸ ارشوال المکرم سن ۱۴۳۵ھ
۱۵ جون ۱۹۸۷ء

بصیر عطا فرمایا ہے آپ زاہد متناض، عابد شب زندہ دار اور مستجاب الدعوات عالم دین ہیں۔ آپ کے چہرے بشرے سے سعادت کا نور جھلکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ شانِ محبوبی عطا کی ہے کہ جو شخص اُن پر نظر ڈالتا ہے، گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اُمتِ محمدیہ کی تکالیف اور پریشانی کو دیکھ کر اُن پر رقت اور گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ کئی بار عالمی کانفرنسوں میں شرکت فرما چکے ہیں پاکستان میں بھی وہ عالمی اسلامی اجتماعات میں شرکت فرماتے رہتے ہیں۔

آپ ۱۹۶۳ء میں کویت کی آزادی کے بعد قائم ہونے والی پہلی سیاسی جماعت مجلس اللہ کے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۳ء میں کویت گورنمنٹ میں مواصلات ڈاک اور بجلی کے وزیر منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۷۹ء تک کویت کی کابینہ میں ہوم منسٹر رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بلدیہ کے چیئرمین اور کویت کی مجلس الامہ کے رکن بھی رہے ہیں۔ بلادِ مغرب، مصر اور سوڈان کی سربراہی کانفرنسوں میں کویت کے نمائندہ وزیر کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ علاوہ ازیں پاکستان، ہندوستان اور سعودی عرب کی بین الاقوامی کانفرنسوں میں بھی شریک ہوتے رہے۔ علامہ رفاعی موقر عالم اسلامی کراچی کی ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر بھی ہیں۔

۱۹۷۳ء میں آپ نے الازہر یونیورسٹی کے انداز میں دیگر علوم کے پہلو بہ پہلو علوم دینیہ اور علوم عربیہ کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ معہد الایمان الشرعی قائم کیا جہاں دینی و دنیوی تعلیم کے نصاب کی تکمیل کی جاتی ہے۔

۱۹۸۰ء میں آپ نے بنگلہ دیش کے مسلمانوں کی امداد کے لیے ایک تنظیم الجمعیتہ الکویتیہ قائم کی جس نے بنگلہ دیش میں متعدد مساجد، مدارس اور نشا خانے قائم کیے آپ نے ایک ہفت روزہ جریدہ البلاغ کے نام سے جاری کیا، جو کویت، جزیرہ اور عربیہ راہتھائے خلیج میں پہلا اسلامی پرنسپل ہے جو آج بھی دینِ متین کی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ جن دنوں آپ کویت پارلیمنٹ کے ممبر تھے، آپ نے ملک میں شراب کی پابندی کا قانون

یہی وہ فریضہ ہے جو مکہ المکرمہ میں علامہ سید محمد علوی مالکی، بحرین کے شیخ راشد بن ابراہیم المرعشی، مغرب کے علامہ عبدالحی العمروسی، عبدالکریم مراد اور کویت میں فضیلۃ الشیخ نصرت العلماۃ القہامہ السید یوسف السید ہاشم الرفاعی بڑی جرأت اور مردانگی کے ساتھ سرانجام دے رہے ہیں۔

انیسویں صدی میں سید جمال الدین افغانی نے مغرب کی استعماری طاقتوں کے خلاف عالم اسلام کو متحد کرنے اور اسلام کے خلاف کفر و نفاق کے باطل تصورات کا دھمکنے اور فرنگ کے مادیت پرستانہ نظام کے زہریلے جراثیم بشکلِ نیچریت و فرنگیت جدیدیت اور مسخ شدہ عجیت، برہنیت اور اشتراکیت کے مقابلے میں خلافت علی منہاج نبوت کا پاکیزہ سیاسی تصور پیش کیا۔ یں پان اسلام ازم (اتحاد عالم اسلام) کی تحریک کے ذریعے عالم اسلام کی مرکزیت قائم کرنے کے لیے قلندرانہ جدوجہد کی۔ اسی طرح عہدِ حاضر میں سید یوسف رفاعی مدظلہ العالی ایک طرف اسلام کے پاکیزہ تصورات سے تحریف و انحراف، زندقہ والحاد، غروج و اعتزال اور رفض و بدعت کی آگوشوں کو دور کر کے مصطفیٰ منقش اور مذہبی اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو دوسری طرف عالم اسلام کے داخلی فساد اور حنہ جمعہ کی مثل عراق و ایران جنگ کو جلد از جلد ختم کر کے اتحاد بین المسلمین کے علمبردار ہیں۔ ان اہم ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ وہ درلڈ اسلامک مشن (الدعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ) کے تمام عالم عرب کی نمائندگی کرتے ہوئے نائب صدارت کے عہد پر بھی سرفراز ہیں اور اس عالمی تنظیم کے ذریعے اطراف و اکناف عالم میں دین حق کی تبلیغ و اشاعت کے لیے دوسرے بھی کرتے رہتے ہیں۔

آپ کا سلسلہ نسب عارف کامل، بحر و خاں معرفت کے ثناء و رفائی اللہ و بقا باللہ فدائے مصطفیٰ اولاد رسول حضرت سید الشیخ احمد کبیر الرفاعی سے ملتا ہے۔ آپ سلسلۃ الیہ الرفاعیہ کے مسند نشین اور صاحب دعوت و ارشاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ولِ خیر و

- ۱۔ حواری مع الالکی پر رد سے پہلے چند گزارشات
- ۲۔ حواری کے شبہات اور اُس کے غلط استدلال کا رد
- ۳۔ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور علم غیب
- ۴۔ سید الانبیاء رحمۃ اللعالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ
- ۵۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کی بابت جاہلانہ شبہات اور ان کا ازالہ
- ۶۔ تبرک و برکت حاصل کرنا، شرک اور بدعت نہیں ہے۔

۷۔ توسل

۸۔ چند شبہات اور اُن کا مسکت جواب

۹۔ سنت اور بدعت

۱۰۔ میلاد شریف، اور

خاتمہ

اس وقت دین کی بنیادی تعلیمات سے غفلت اور بے خبری جس قدر بڑھ چکی ہے، اُس کا تقاضا یہ ہے کہ علماء و مشائخ اپنی تمام تر مساعی دین کی بنیادی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت پر مرکوز کر دیں، کیونکہ صرف اسی صورت میں لادینیت، بدعتیگی اور بدعتی کا افساد ہو سکے گا، لیکن افسوس ہے کہ مثبت علمی و تحقیقی اقدامات کے بجائے کج ہدی علماء نے ناروا مذہبی تعصب و تشدد کو ہی دین کی خدمت سمجھ کر رکھا ہے۔ اُن بُرائیوں کی طرف توجہ نہیں دی جاتی جو امت مسلمہ کے نزدیک بالاتفاق ناجائز اور حرام ہیں۔ ان کا سارا زور علمی تحریر و تقریر، اُن معمولات کو بدعت، حرام اور شرک قرار دینے پر صرف کیا جاتا ہے، جو صدیوں سے تمام عالم اسلام میں نہ صرف رائج ہیں، بلکہ مستند علماء دین انہیں جائز اور مستحسن قرار دیتے آئے ہیں۔ اس سبب جاتعصب اور مذہبی تشدد کی سبب فضا میں علماء اسلام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ احقاقِ حق اور الباطلِ باطل کے لیے ہمہ تن مستعد ہو جائیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تقدیم

مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی مدظلہ

جنرل سیکوٹری جمعیت العلماء پاکستان

العلامة الفہامة تالفة العصر السيد يوسف السيد باسم الرفاعي دامت برکاتہم العالیہ کی تصنیف لطیف ادلة اهل السنة والجماعة کا اردو ترجمہ مولانا محمد عبدالکیم شرف قادری پیش نظر ہے۔ حضرت علامہ رفاعی کی دوسری تصانیف خواطر فی السياسة والمجتمع، رجب ۱۰۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اسے ۱۹۸۵ء میں دار القرآن الکریم، کویت نے شائع کیا ہے اور رسالۃ فی ادلة القنوت فی صلاح الفجر وغیرہ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سید رفاعی کو علوم دینیہ اور سیاسیہ میں خاص ملکہ اور تجربہ علمی عطا کیا ہے۔ ان کی تحریر میں اس قدر جاذبیت اور اثر انگیزی ہے کہ قاری وجدان اور معرفت کی اسی دنیا میں پہنچ جاتا ہے، جس کی شاہی و سربراہی رحمت کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصوصی انعام و اکرام اور فیض نگاہ سے انہیں عطا کی گئی ہے۔

پیش نظر کتاب فضیلة الشیخ علامہ سید محمد علوی مالکی کی تصنیف الذخائر المحمّدة کے رد میں نجد کے شیخ عبداللہ بن منیع کی کتاب حوار مع المالکی کا دندان شکن جواب ہے۔ اس کا دوسرا نام الرد المحکم المنیع علی منکوات وشبهات ابن منیع فی تفہیمہ علی السید محمد علوی المالکی المکی ہے جو مقدمہ، خاتمہ اور وٹاں فصلوں پر مشتمل ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

یوسف السید ہاشم الرفاعی مدظلہ کی کتاب "ادلة اهل السنة والجماعة" اور
 "الترداد المحکم الممنیع" کا اردو ترجمہ کیا تاکہ پاک و ہند کے عوام پر ظاہر کیا جاسکے کہ
 تمام عالم اسلام کا مذہب یہی ہے جس کو فاضل بریلوی امام احمد رضاؒ نے اپنی تصنیفات میں شیخ
 فرمایا ہے، اور وہی اہل سنت کا مسلک ہے جو پورے عالم اسلام میں رائج ہے اور جس
 طرح اس مسلک کو شرک و بدعت کہنے والے حضرات پاک و ہند میں مذہوم ہیں، اسی طرح
 وہ باقی عالم اسلام میں بھی مردود ہیں۔

محمد عبد القیوم قادری ہزاری
 ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مولانا احمد رضا خاں بریلوی ہے۔۔۔۔۔ تاکہ اس فریب سے غیر ممالک کے علماء کرام فاضل بریلوی سے بدظن ہو کر ان کے خلاف ان کی ہاں میں ہاں ملائیں اور پھر دوسرے ممالک کے علماء کے متنفذ کو پاک و ہند کے عوام کے سامنے بطور حوالہ پیش کر کے یہاں کے عوام کو بھی فاضل بریلوی سے متنفذ کر دیا جائے۔

حالانکہ تمام عالم اسلام کے علماء حق اہل سنت و جماعت ہیں اور وہ وہابیت کی تردید میں پیش پیش ہیں جس کی واضح دلیل حال ہی میں مختلف عرب ممالک کے علماء کی تصانیف ہیں جو انہوں نے وہابیت کے خلاف شائع فرمائی ہیں۔

بطور مثال چند کتب اور ان کے مصنفین کے نام پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) السنۃ والبدعۃ، تالیف الشیخ عبد اللہ محفوظ محمد الحداد باعلوی الحسینی الحنفی

رئیس القضا الشرعی بحضرت خزیج جامعہ خرطوم

(۲) تقدیم کتاب مذکور، بقلم العلامة السید علی بن محمد بن کحیلہ

مدیر مہد الدینی بحضرت (۷ صفحات)

وہابی گروہوں کی مکر و فریب پر مبنی اس گہری سازش کو ناکام بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ایک طرف فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کا عربی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ شائع کیا جائے اور دوسرے ممالک کے علماء تکسید پہنچایا جائے تاکہ وہ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

اور دوسری طرف عرب ممالک کے علماء اہل سنت کی وہابیت کے خلاف تصانیف کا اردو ترجمہ شائع کیا جائے تاکہ پاک و ہند کے عوام اپنے اس یقین میں پختہ رہیں کہ تمام عالم اسلام میں وہابیت کو مردود و جماعت مانا جاتا ہے۔

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب کے قلم و بیان میں اللہ تعالیٰ مزید برکت عطا فرمائے کہ انہوں نے عرب ممالک کے مشہور سکالر، عالم فاضل حضرت مولانا السید

پاک و ہند کے دہائی حضرات نے اپنے لیے دہابیت کو گالی سمجھتے ہوئے مختلف نقاب اوڑھ لیے۔

صرف پاک و ہند کے علماء کی تعداد سینکڑوں، بلکہ ہزاروں تک پہنچتی ہے جنہوں نے دہابیت کے رو میں کتب تصنیف فرمائیں۔

ان سینکڑوں علماء کی نشان دہی کے بعد جب مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ نے دہابیت کے خلاف کارروائی شروع کی تو انہوں نے مختلف رنگ و لباس اپنائے ہوئے تمام قسم کے دہابیوں کے نقاب الٹ دیے اور عامۃ المسلمین کے سامنے ان کو اصل صورت میں لاکھڑا کیا جس سے ہر قسم کے دہابی حضرات کو سخت دھچکا لگا، تو وہ فاضل بریلوی کے خلاف بدزبانی پراثر آئے اور اپنی تمام تر رسوائی کا ذمہ دار فاضل بریلوی کو ٹھہرانے لگے، حالانکہ حضرت مولانا نے یہ کارروائی اطراف عالم کے ہزاروں علماء کی نشان دہی پر کی تھی، بلکہ علماء عرب و عجم سے دہابیوں کی گمراہی اور ضلالت پر فیصلہ حاصل کر لینے کے بعد فاضل بریلوی نے حتمی کارروائی شروع کی، مگر اس کے باوجود تمام دہابی حضرات فاضل بریلوی ہی کو اپنا واحد مخالف سمجھتے ہوئے انہی کو اہل سنت کا ترجمان قرار دے رہے ہیں اور اب مسلک حتی اہل سنت و جماعت کے خلاف ہرزہ سرائی بریلویت کے عنوان سے کرنے لگے ہیں۔

اس انداز کو اختیار کرنے میں ان کے دو مقصد ہیں:

ایک یہ کہ انہیں اپنی دہابیت کو پردہ میں رکھ کر اپنے مشن کو جاری رکھنا ہے، کیونکہ اہل سنت کے نام پر مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی قرار دینا دہابیت کی کھلی علامت ہے، اس لیے انہوں نے اہل سنت کی بجائے بریلویت کے نام کو اختیار کر کے مسلمانوں کو مشرک کہنا شروع کیا ہے۔ دوسرا اور بڑا مقصد عالم اسلام کو دھوکہ دے کر فاضل بریلوی کو بدنام کرنا ہے کیونکہ بریلویت کے نام پر پاک و ہند سے باہر کے علماء کو یہ تاثر دینا ہے کہ بریلویت اہل سنت سے الگ کوئی نیا فرقہ ہے جس کے عقائد و نظریات مشرک و بدعت پر مبنی ہیں اور اس کا بانی

رائے گرامی

حضرت اُستاد العلماء مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی رحمہ اللہ

ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان
وناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مسلمانوں نے ہمیشہ حق و باطل میں امتیاز قائم رکھا اور کسی بھی انداز سے حق میں باطل کی آمیزش کو قبول نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اسلاف کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور ان کے بیان کردہ خطوط پر سختی سے کار بند رہے اور ادھر ادھر کی آوازوں کو درخور اعتناء نہ سمجھا، بلکہ دینی معاملات میں جب بھی غیر مانوس بات سنی، تو فوراً اس کا نوٹس لیا، اولین فرصت میں اتفاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ ادا کرتے ہوئے صدیوں مؤجد اسلاف کے اسلامی نظریات کو محفوظ کیا جس کی بنا پر اعتزالی قوتیں اپنے اقتدار، سرمایہ اور پروپیگنڈہ جیسے مؤثر ہتھیاروں کے باوجود اہل حق سے الگ تھلگ نظر آئے۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کی رہنمائی کے لیے ہر دور میں علماء حق اس معرکہ آرائی میں مبتلا رہے۔ سابقہ ڈیڑھ صدی سے دین میں اصلاح اور شرک و بدعات کے روکے عنوان سے وہابی تحریک نے جب مسلمانوں کے عقائد و نظریات اور معمولات کو شرک و بدعت اور کفر قرار دینا شروع کیا، تو پورے عالم اسلام کے علماء نے اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہوئے دہائیت کو ہبائے منشور کرنے کے لیے لسانی اور قلمی جہاد فرمایا اور ایک زبان اس کا رد کیا، یہاں تک کہ

اگرچہ مذکورہ بالا مسائل پر پاک دہند کے علماء اہل سنت کی تصانیف موجود ہیں، خصوصاً اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز کی تحریرات تو ان موضوعات میں حرف آخر کا درجہ رکھتی ہیں، مگر حضرت فاضل رفاعی مدظلہ کی یہ تصنیف متعدد وجوہ سے بہت اہمیت رکھتی ہے جس کے اظہار و بیان کے لیے دفتر درکار ہے۔ حضرت فاضل رفاعی مدظلہ کی اس تصنیف سے یہ بات آفتاب نیروز کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ علماء اہل سنت، خصوصاً اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی تصانیف میں جن عقائد و اعمال کو پیش کیا ہے وہ ان کے خاندان نہیں، جیسا کہ مخالفین پر بیگانہ کرتے ہیں بلکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا عقیدہ اور مسلک و مشرب وہی ہے جو عالم اسلام کے معتبر اور معروف ائمہ دین، صلحاء امت اور اولیاء کرام کا تھا۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ برادر محترم فاضل حلیل، عالم نبیل حضرت علامہ محمد عبدالمجید شرف قادری زید مجدہ شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے کیا ہے اور حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے مولانا شرف قادری اہل سنت و جماعت کی قابل قدر علمی شخصیت ہیں، متعدد درسی کتابوں پر ان کے حواشی اور تراجم اور متعدد اہم موضوعات پر ان کی تصانیف ان کے علم و فضل کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ وہ ایک متنفذ عالم دین اور خاموش طبع شخصیت ہیں اور یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنی ذات کو درس و تدریس اور تالیف و تصنیف کے لیے وقف کر دیا ہے اور خلوص کے ساتھ مسلک حق اہل سنت و جماعت کی قابل قدر خدمت کر رہے ہیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ بطفیل حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں صحت و سلامتی کے ساتھ دین اسلام کی خدمت اور مسلک حق اہل سنت و جماعت کی اشاعت و تبلیغ کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ آمین!

سید محمود احمد رضوی

۲ نومبر ۱۹۸۶ء

مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور

تاثرات

فقیہ جلیل حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ العالی

شاح بخاری، امیر مرکزی انجمن حزب الاحیاء

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پیش نظر کتاب کا نام ہے: ”ادلۃ اهل السنۃ والجماعۃ“
 دوسرا تفصیلی نام ہے: ”الرد المہکم المینع علی منکرات وشبہات ابن مینع“
 یہ کتاب عربی میں ہے اور اس کے مصنف عالم اسلام کی عظیم و جلیل اور معروف
 علمی و روحانی شخصیت حضرت علامہ السید یوسف السید ہاشم الرفاعی دامت برکاتہم العالیہ
 سابق وزیر الدولہ کویت ہیں۔ آپ رفاعی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ علوم اسلامیہ کے فطیر
 فاضل اور حق گو عالم دین ہیں اور ایک عرصہ سے مسلمانوں کی دینی و روحانی امور میں دلائل شرعیہ
 کی روشنی میں راہنمائی فرما رہے ہیں۔ فاضل رفاعی مدظلہ نے اس کتاب میں دلائل شرعیہ کی
 حقیقت، حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کی عظمت، روضہ نبوی کی
 زیارت، عالم برزخ، مشرک و بدعت اور سنت و بدعت کی صحیح تعریف، محفل میلاد کا حجاز، ایسے
 مسائل پر دلائل شرعیہ کی روش سے مدلل بحث فرمائی ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کے
 مسلک و عقیدہ اور مشرب کے بیان و اظہار کے ساتھ ساتھ مخالفین کے اعتراضات و
 شبہات کا بھی تسلی بخش جواب دیا ہے۔

تقریظ

قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی

صدر جمعیت العلماء پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله والصلاة والسلام على حبيبہ وصفيہ

نبينا وحبيبنا ووسيلتنا ومولانا محمد وعلى آله

واصحابه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين

حضرت صاحب المفیلة والايشاء السيد يوسف السيد شام الرفاعي حفظہ اللہ عنہ،

ادلة اهل السنة والجماعة "أو الرد المحكم المتيقن" لکھ کر اہل سنت

وجماعت کے دفاع کا حق ادا کر دیا اور حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی

نے اس کے ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے۔

دلائل قاہرہ کا ایک تسلسل ہے اور مذہب مہذب اہل سنت وجماعت کی ثنائیت

کو براہین قاطعہ سے ثابت کیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے۔ حضرت مصنف مدظلہ العالی اور حضرت

مترجم کو عقائد اہل سنت کا دفاع کرنے پر بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

فقیر شاہ احمد نورانی صدر ترقی غفرلہ

نزیل لاہور، ۱۱ شوال ۱۴۰۶ھ

حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ شارجہ بخاری و امیر مرکزی انجمن حزب الاحناف، لاہور نے اس کتاب پر کلمات تقریظ و تقدیم تحریر فرمائے۔

استاذ گرامی مولانا علامہ مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی مدظلہ ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی سرپرستی میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کا شعبہ تصنیف و تحقیق قائم ہے جس کے اراکین کی متعدد تصانیف شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے بھی اپنی رائے تحریر فرمادی۔ مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ اس شعبے کے ناظم اور راقم کے دیرینہ رفیق محترم ہیں۔ یکتاے زمانہ ادیب اور محقق پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ اس شعبے کے سرپرست ہیں اور مولانا ممتاز احمد سیدی راقم کے قلمی کام سے دلچسپی رکھتے ہیں اور کام کی رقت تیز کرنے کے لیے تحریک جاری رکھتے ہیں۔

جناب محمد عاشق حسین ہاشمی، خوشنویس (جینیٹ)، اس شعبے کی مطبوعات کی کثرت و خدمت دین کے جذبے سے کرتے ہیں۔ استاذ الخطاطین جناب صوفی غور شید عالم مخمور سیدی مدظلہ سرورق کی کتابت فرماتے ہیں۔ استاذ الاطباء جناب حکیم محمد سلیم حشمتی مدظلہ (فیصل آباد) کے دست شفا سے راقم خصوصی طور پر فیض یاب ہوتا ہے۔ راقم ان تمام حضرات کا شکر گزار ہے اور دعا گو کہ سوائے کریم انہیں دنیا و آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے۔

مسک امام احمد رضا بریلوی

پیش نظر کتاب میں جن عقائد و معمولات کو بیان کیا گیا ہے، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنی تصانیف میں دلائل کی روشنی میں ان کی بھرپور تائید و حمایت کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کا مسک ہی ہے جو عرب و عجم کے علماء اہل سنت کا ہے، وہ کسی نئے مسک کے حامی نہیں ہیں۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۲۸ شوال ۱۴۰۷ھ
۲۵ جون ۱۹۸۷ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کلمات شکر

پیش نظر کتاب بین الاقوامی مقبولیت کے حامل محقق علامہ سید یوسف سید ہاشم رفاعی مدظلہ کی تصنیف ہے۔ مکہ مکرمہ کے نامور محدث اور عالم اسلام کے مایہ ناز محقق سید محمد علوی مالکی مدظلہ کی تصنیف الذخائر المحمدیہ کے رد میں نجد کے شیخ عبداللہ بن منیع نے حوامع المالکی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے سنجیدہ اور تین علمی انداز سے ہٹ کر گفتگو کی تھی، اس کے جواب میں علامہ سید یوسف سید ہاشم رفاعی مدظلہ نے پیش نظر کتاب اہل السنۃ والجماعۃ لکھ کر حق کی حمایت کا فریضہ عالمانہ وقار کے ساتھ انجام دیا ہے اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنے اور اس کی طباعت و اشاعت میں راقم کو حضرت رفاعی مدظلہ کی مکمل سرپرستی حاصل رہی ہے جس کے لیے راقم ان کا تہ دل سے شکر گزار ہے۔ راقم کے محترم فاضل دوست قاری محمد حسین رفاعی اور مولانا محمد حسین رضوی کی فیضی مسماعی اس سلسلے میں میرے شامل حال رہیں اور ان ہی کے توسط سے مجھے علامہ رفاعی مدظلہ سے شرف نیاز حاصل ہوا اور صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار ہوا یہ دونوں حضرات کویت میں حضرت علامہ رفاعی مدظلہ کی سرپرستی میں دین جنتین کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولائے کریم صل مجدہ حضرت علامہ رفاعی کی اسلامی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور مسلمانوں کے عالمی اتحاد کے لیے ان کی مساعی کو بار آور فرمائے۔

قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ صدر جمعیت العلماء پاکستان، مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی مدظلہ جنرل سیکرٹری جمعیت العلماء پاکستان اور محدث جلیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انتساب

والدہ ماجدہ کے نام !

رحمہا اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعہ

— وہ رابعہ عصر، جن کی آغوش میں فقیر نے پہلی بار اسم ذات سنا۔
 — جن کی زبان پر آخری وقت، بیہوشی کے عالم میں بھی اسم ذات جاری رہا۔
 — جو سپیکر صبر و رضا اور محنت سے جیا تھیں — جو صوم و صلوات
 کی اس قدر پابندی تھیں کہ چھ سال تک شدید علالت کے باوجود، باقاعدہ اشکائے
 سے نماز پڑھتی رہیں اور اوراد و وظائف ادا کرتی رہیں۔
 — قرآن پاک کی تلاوت اور درود پاک سے تو انہیں عشق کی جتنی لگاؤ تھا۔
 — رمضان شریف میں اسٹارہ اسٹارہ، بیس بیس مترخیم کلام پاک کرتیں۔
 ۱۰ ذیقعدہ، جولائی ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۴ء بروز منگل، راہنی ملک بنگالہ میں
 آسمان تیری محد پر شب بزم افشانی کرے

غم زدہ

شرف قادری

- ۱۹۳ ————— **سٹھویں فصل: چند شبہات کا ازالہ**
- ۱۹۳ ————— بنی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والے کی خوش قسمتی
- ۱۹۴ ————— اجماع کہاں ہے؟
- ۱۹۹ ————— بنی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل اقدس
- ۲۰۴ ————— میلاد شریف کی رات اور لیلۃ القدر
- ۲۰۶ ————— بنی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مستحقین کو جنت عطا فرمانا
- ۲۱۱ ————— زمین اور آسمانوں کی چابیاں
- ۲۱۳ ————— روضہ مبارکہ اور کعبہ مشرفہ
- ۲۱۵ ————— ابن قیم ————— اور فضائل اہل بیت
- ۲۱۸ ————— بارگاہ رسالت میں اعمال کا پیش کیا جانا
- ۲۳۰ ————— عالم برزخ میں رشتہ داروں کے سامنے اعمال کا پیش کیا جانا
- ۲۳۳ ————— **نویں فصل: سنت اور بدعت کا صحیح مفہوم**
- ۲۳۹ ————— نو پیدا امور کے بارے میں بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار
- ۲۵۵ ————— بدعت کی تقسیم
- ۲۶۹ ————— بدعت کی تقسیم میں جمہور علماء سے علامہ شلبی کے
اختلاف کے بارے میں بہترین رائے
- ۲۸۳ ————— **دسویں فصل: محفل میلاد شریف کے منکرین کا رد**
- ۲۸۴ ————— دین اور بدعت
- ۲۸۶ ————— معیار کیا ہے؟
- ۲۸۸ ————— محفل میلاد شریف بدعت نہیں
- ۲۹۳ ————— مآخذ و مراجع

- نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سینا استعمال کرنے کے مزید دلائل — ۱۴۸
- پانچویں فصل : مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق چند شہادت کا ازالہ — ۱۵۱
- صلوة الفرائض — ۱۵۱
- ہر شے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ہے — ۱۵۳
- باعث حل مشکلات — ۱۵۵
- وحدت اور توحید — ۱۵۹
- چھٹی فصل : تبرک، شرک اور بدعت نہیں — ۱۶۳
- جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی، وہ کیوں کاٹا گیا؟ — ۱۶۳
- مقامات مقدسہ کا قصد کرنا — ۱۶۴
- آثار صالحین سے تبرک — ۱۶۵
- ساتویں فصل : مسئلہ توشل — ۱۶۹
- اقسام توشل — ۱۶۹
- توشل اور حاجت روائی میں نابینا صحابی کی حدیث — ۱۷۰
- توشل بعد از وصال — ۱۷۱
- حدیث ضریر کی صحت کی تحقیق — ۱۷۳
- صحابہ کرام کا حضرت عباس سے توشل — ۱۷۵
- علماء اصول اور محبوبان الہی کا وصال کے بعد توشل — ۱۷۷
- مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے دُعائے مغفرت — ۱۷۸
- مسئلہ توشل میں ہمارا عقیدہ — ۱۷۹
- جسم سے جدا ہونے کے بعد روح کی کیفیت — ۱۸۹
- سوال قبر — ۱۹۰

- تیسری فصل: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور علم غیب ۸۶
- قرآن کریم کی آیات سے استدلال کا صحیح طریقہ ۸۷
- نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب پر قرآنی دلائل ۸۸
- احادیث سے دلائل ۸۹
- صحابی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے { آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کی } ۹۰
- ضروری وضاحت ۹۱
- لوح و قلم کا علم ۹۲
- قرآن پاک کی آیت کریمہ اور ایک حدیث کا مطلب ۹۳
- مغیبات خمسہ کا خدا داد علم، مافی الارحام کا علم ۹۴
- بارشش کا علم ۹۵
- علم غیب کے چند مزید شواہد ۹۶
- امور غیبیہ کی خبریں ۹۷
- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور علم غیب ۹۸
- علم غیب کی چابیاں ۹۹
- علم قیامت ۱۰۰
- روح کا علم ۱۰۱
- چوتھی فصل: مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۰۲
- جنت کا دروازہ آپ ہی کے لیے کھولا جائے گا۔ ۱۰۳
- نام مبارک کا ادب ۱۰۴
- استحقاق سیادت ۱۰۵
- دُرود شریف کے مختلف صیغے ۱۰۶

فہرست

- انتساب ————— ۷
- کلمات تشکر ————— ۹
- تقریظ ————— قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ ۱۱
- تقریظ ————— علامہ سید محمد احمد رضوی مدظلہ شارح بخاری ۱۲
- تقریظ ————— استاذ العلماء مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ ۱۴
- تقدیم ————— مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی مدظلہ ۱۸
- حدیث توسل کی تحقیق ————— محمد عبدالحکیم شرف قادری ۲۳
- مقدمہ ————— ۲۵
- پہلی فصل، سلف صالحین کا طریقہ، دلیل و حجت ————— ۵۳
- { کی زبان میں گفتگو کرنا ہے :
- شیخ جزائری کا موقف ————— ۵۶
- شیخ توکبری کا موقف ————— ۵۷
- کیا سید علوی کے خلاف ابن مینع کی شہادت مقبول ہے؟ ————— ۶۱
- نسب میں طعن و تشکیک گناہ کبیرہ ہے ————— ۶۲
- دوسری فصل : حواری پروردہ ————— ۶۶
- باعث تخلیق آدم ————— ۶۶
- خدا داد عزت و کرامت کے چند نظائر ————— ۷۶
- اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشورہ فرمایا ————— ۸۰

نام کتاب ————— ادلۃ اہل السنۃ والجماعۃ (عربی)
اسلامی عقائد (ترجمہ)

تصنیف ————— علامہ سید یوسف سید ہاشم رفائی (کویت)

ترجمہ ————— محمد عبدالحکیم شرف قادری (لاہور)

تقدیم ————— مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی

تقریظ ————— قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی،

علامہ سید محمود احمد ضوی، شارح بخاری،

استاذ العلماء مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ

مولانا محمد اختر کمال قادری جامعہ ترقیہ مبارکپور

طبعات عربی ایڈیشن ————— کویت، ۱۹۸۴ء

اشاعت (اردو ایڈیشن) ————— لاہور، جنوری ۱۹۹۰ء/۱۰/۱۴۱۰ھ

مطبع —————

قیمت —————

ملنے کا پتا

مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ،

اندرون لوہاری دہرا دہ، لاہور، پاکستان

○ داماد بارمار کیٹ در دست ہوٹل، لاہور

دار القرآن الکویہ، ۲۰-الصفاء، المنصوریۃ، الکویت

اسلامی عقائد

مکہ معظمہ کے محقق عالم علامہ سید محمد علوی مالکی اور شیخ عبد اللہ
ابن یمن نجدی کے درمیان زیر بحث آئے بعض اہم اسلامی عقائد
و معمولات پر محققانہ تبصرہ اور عالم اسلام کی غالب کثرت کی ترجمانی

تصنیف : علامہ سید یوسف ہاشم رفاعی
ترجمہ : محمد عبد الحکیم شرف قادری

المستاز نیپلی کیشنز لاہور

ایسلاک

اور

دشمن کروئی

طالبان
اکیسویں صدی کے
اکیسویں صدی کے
؟

مکمل معلومات پر مشتمل

حضرت علامہ
مولانا مفتی
محمد بشیر القادری
ایم اے اسلامیات و خطیب سنی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی

ادارہ ورلڈ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

حقوق طباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب: اسلام اور دہشت گردی

تقریباً جیل: مفتی جمیل احمد نعیمی

مؤلف: حضرت علامہ مفتی محمد بشیر قادری

پروف ریڈنگ: ڈاکٹر محمد جاوید اختر قادری

لیوژنگ: محمد ضمیر قادری عطاری

طابع و ناشر: ادارہ ورلڈ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

طباعت: 2009ء جون

قیمت: 100 روپے

ملنے کے پتے

- ☆ ادارہ تحقیقات امام شاہ احمد نورانی، دارالعلوم جامعہ الاسلامیہ منہاج القرآن
- ☆ S.T-16 بلاک 13 گلستان جوہر کراچی 03212907739
- ☆ ادارہ ورلڈ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی مرکزی جامع مسجد سجانی سیکٹر C-15 اورنگی ٹاؤن کراچی
- ☆ مکتبہ نوریہ پرانی سبزی منڈی نزد فیضانہ مدینہ محلہ فرقان آباد کراچی۔
- ☆ مکتبہ رضائے مصطفیٰ چوک دارالاسلام گھرانوالہ
- ☆ ادارہ معارف نعمانیہ 323 شاد باغ لاہور
- ☆ فرید بک اسٹال 38 اردو بازار لاہور۔
- ☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش لاہور۔
- ☆ مکتبہ کنز الایمان نزد گیلانی مارکیٹ حاصل پور ضلع بہاولپور
- ☆ مکتبہ نظامیہ رضویہ ابو باری منڈی لاہور
- ☆ مکتبہ قادریہ میلا مصطفیٰ چوک سرکلر روڈ گوجرانوالہ
- ☆ نعیمی کتب خانہ الحمد مارکیٹ اردو بازار، دکان نمبر 83، 5 لاہور۔

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
5	تقریباً جیل	1
6	مقدمہ	2
12	اسلام کا نظریہ "جہاد" اور جہادی تنظیمیں	3
12	دین اسلام "نظام رحمت ہے"	4
15	"سب نقاب اتریں گے"	5
18	طالبان یا امریکہ	6
20	آئین کے سانپ	7
24	صوفی محمد کا "اسلام" "روزن دیوار سے"	8
27	اسلام کا نظام امن سب کے لیے	9
28	طالبان 11 ویں صدی کا چیلنج	10
31	حقیقت حال کچھ اس طرح ہے کہ	11
32	صوفی محمد کے "شیخ الاسلام" ہونے کا لبادہ اتر گیا۔ (مفتی زین العابدین)	12
34	پرانی تاریخ موجود سیاسی حالات	13
41	دنیا کو دہشت گردی کی لعنت سے کیسے بچایا جائے؟	14
41	دہشت گردی	15
49	دنیا میں جب تک اسرائیل کا وجود ہے، دہشت گردی کا خاتمہ ناممکن ہے	15
49	اس کی جڑیں تو کہیں اور سرایت کی ہوئی ہیں۔	16
53	ایسی سنگین صورت حال میں اس بھیا تک خوف و خون ریزی سے دنیا کو آزاد کرانے کا کوئی قابل فہم فارمولا اور نسخہ کیا ہے؟ تو وہ صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے	17
59	اسلام اور دہشت گردی "دو متضاد حقیقتیں"	18
68	صوفی اسلام سے میڈیا کی محبت کا راز۔ آخری بات	19
71	کارٹون سے "نقشہ تک"	20
76	سچ یہ ہے کہ پوپ کا یہ کلام عرب بیسائی جو بیسایت کی اصل ہے پر جارحانہ حملہ ہے	21
79	مسلمان ہے تو دہشت گرد نہیں	22
79	دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں	23
79	اسلامی آئینک داد کے شعرات اور غیر مسلم دہشت گردی کا تاریخی جائزہ	

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
25	عالم اسلام درجہوں میں منقسم	81
26	دہشت گرد صرف مسلمان نہیں	88
27	مغرب میں آزادی اظہار کا دوہرا پیمانہ	93
28	کارٹون کی اشاعت کا مقصد آزادی اظہار کا استعمال یا کچھ اور؟	102
29	ایٹمی اثاثوں کے خلاف سازش	105
30	جنگجوؤں کے خلاف فیصلہ کن برتری کے لیے تمام وسائل استعمال کریں گے (جرمنی کی)	109
31	عسکریت پسندی کے خاتمے کے لیے فوج طلب	110
32	عالم اسلام میں بیک وقت "خوف کے سائے اور امید کی کرنیں"	113
33	مابعد جنگ افغان و عراق	118
34	عالم اسلام کی عمومی ذہنیت	120
35	کیا دہشت گردی کا عالمی مسئلہ نظر ثانی کا تقاضا کرتا ہے؟	123
	افغانستان میں دہشت گردی کا سوجدا امریکہ ہے؟	123
36	دہشت گردی	123
37	جب تک انصاف کا سلوک اور تمام انسانوں کو مساویانہ انسانی حق حاصل نہ ہوگا تب تک امن و سلامتی کی باتیں اور امن کا تصور محض خام خیالی ہے۔	130
38	دنیا کا واحد ملک امریکہ دہشت پسندی کا سوجد	132
39	دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر	138
40	نیت میں کھوٹ	138
41	دہشت گردی کا محرک	139
42	بربریت کی تاریخ	140
43	احساس برتری	143
44	اسلوب میں خامی	144
45	عرض آخر	144
46	۱۸۵۷ء کی ۱۵۰ سالہ تاریخ اور عصری تصورات	147
47	لٹالوں میں چھپنے والوں کو ذرا جھانک کے دیکھ لے	147
48	رائے بریلوی صاحب کے جہاد کا مقصد	148
49	۱۸۵۷ء کی یاد، غفلت اور شکایت	151

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
50	اسلام اور عصر جدید	156
51	اسلام کی داخلی صورت حال	158
52	غیرت کی دو صدیاں	159
53	خطرات کی طرف	163
54	11 مذہبی جماعتوں نے امریکی جماعت اہلسنت پاکستان کے پلیٹ فارم پر صوفی محمد کو شریعت اور آئین کا باغی قرار دے دیا	167
55	دارالقضاہ کا قیام اور طالبان کی سرگرمیاں	168
56	اصل خطرہ	170
57	کراچی میں گزشتہ پچھتر ہفتہ واقعات میں ۳۰ سے زائد انسان اقصاء عمل بن گئے	171
58	پاکستانی طالبان اور ان کے حمایتی	173
59	دراصل محمد بن عبد الوہاب نجدی کی فکری اولاد ہیں	173
60	وقت کا تقاضا	175
61	محمد بن عبد الوہاب نجدی شیطان کا سیٹک (الحدیث)	176
62	شیطان گروہ کی علامات	179
63	نجدی گروہ بدترین مخلوق ہے	186
64	پہنچدی وہابی طالبان کی یہودی فوازی	187
65	قتل و قاتل مسلمان	188
66	جزیرہ عرب سے اسلامی تشخص کے مٹانے میں آل سعود کا کردار	189
67	مدینہ منورہ کے آثار و معالم کو مٹانا	195
68	آل سعود نے مدینہ منورہ میں جن آثار کو ملیا میٹ کیا ہے	196
69	مسلمانوں میں بے اتفاقی پیدا کرنا	205
70	وہابی مذہب اور آل سعود کی عملیات پر عالم اسلام کے علماء کا رد عمل	207
71	وہابیت کے خلاف علماء حق کے فتوے	211
72	موت العالم موت العالم	213
73	سعادت کی زندگی... شہادت کی موت	213
74	جید عالم عظیم انسان	214
75	فرقہ واریت پھیلانے کی امریکی سازش کو سمیت علمائے پاکستان نے ناکام بنادیا	217
76	دہشت گردی اور قتل ناجح حکم	225
77	اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ دوا داری، حیسانیت اور یہودیت کی عالمی دہشت گردی و بربریت کا منہ بولنا ثبوت	232
		236

تقریظ جمیل

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا جمیل احمد نعیمی دامت برکاتہم العالیہ

(شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج تک اقوام متحدہ کے سقراط و بقرط اور دنیا کے دانشور اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ دہشت گردی اور حریت و آزادی میں کیا فرق ہے۔ اقوام عالم کے اپنے نقطہ نظر اور اقوام متحدہ کے منشور کی روشنی میں اپنی آزادی اور اپنی ناموس و عزت کے تحفظ کے لیے لڑنا مظلوم قوموں کا حق ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس ورلڈ ٹریڈ سینٹر (9/11) کے واقعہ کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے بعض مسلمان ملکوں اور مسلمان قوم پر جو ظالمانہ اور سفاکانہ حملے شروع کیے ہیں، اس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ بالخصوص اکتوبر 2001ء میں افغانستان پر حملہ، مارچ 2003ء میں عراق پر حملہ اور اب پاکستان کے بعض سرحدی اور قبائلی علاقوں میں حملے امریکہ کی بربریت اور وحشت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اس کے علاوہ صومالیہ، سوڈان اور ایران پر تازہ ظلم و تشدد اس کا تین ثبوت ہے۔ شاید انہی حالات سے متاثر ہو کر مشہور و معروف دانشور اور شاعر فرراز احمد نے کہا تھا ہے۔

برباد کر کے بصرہ و بغداد کا جمال

اب نظر بد ہے جانب خیر گئی

کبھی قوم کے پڑھے لکھے اور دانشور طہقے نے اس پر بھی غور فرمایا کہ دنیا میں آج جو اضطراب و بے چینی اور تشدد کا دور دورہ ہے اس کے اصل وجوہ و اسباب کیا ہیں؟ عزیز و اس کے بہت سے اسباب ہیں، من جملہ ان میں سے سردست دو سپر پاور طاقتوں میں سے روس کا پسپا ہونا اور امریکہ کا صرف میدان میں رہ جانا ہے۔ انسانیت کے لیے عظیم المیہ ہے کیونکہ اب امریکہ ویسے بھی اپنے ذرائع و وسائل نیز کثیر تعداد میں فوج اور ایٹمی

طاقت ہونے کی وجہ سے ”انا ولا غیر“ کا راگ الاپ رہا ہے اور جو چند

ممالک ایٹمی طاقت ہیں ان میں سے بھی اس کی نظر صرف اور صرف

پاکستان پر لگی ہوئی ہے، نہ اس کو اپنے لیے پاک اسرائیل سے کوئی سروکار

ہے، بلکہ اس کی ہر حالت میں حمایت بھی کرتا ہے، نیز اگر اقوام متحدہ میں

اس کے خلاف قرارداد آتی ہے تو اس کو بھی ویٹو کر دیتا ہے۔ تو امریکہ کا بے

پناہ دولت مند ہونا نیز کثیر تعداد میں فوج اور بے شمار اسلحہ کے بل بوتے پر

غریب ملکوں کے ذخائر و معدنیات بالخصوص پیٹرول کے کنوؤں پر لچائی

ہوئی نظریں رکھنا ہی نہیں بلکہ اس کے ایجنڈے میں قبضہ کرنا بھی ہے۔ اسی

وجہ سے غریب ملکوں اور قوموں کے دلوں میں اس سے نفرت روز بروز

بڑھ رہی ہے، لہذا امریکہ کو اپنی اس پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہیے، اور بے

جا اپنی ناجائز اولاد (اسرائیل) کی ہر ناجائز خواہش سے اپنے کو بچانا

چاہیے۔ تاکہ آئندہ غریب و کمزور اور بے وسائل قوموں کے غیظ و غضب

کا وہ شکار نہ ہو سکے۔

ظالم ابھی ہے فرصت توبہ نہ دیر کر

وہ بھی گرا نہیں جو گرا اور سنبھل گیا

احقر نے فاضل خیر عالم شہیر علامہ محمد بشیر القادری دامت برکاتہم العالیہ کی مرتب کردہ

کتاب ”اسلام اور دہشت گردی“ کو چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھنے کا شرف

حاصل کیا۔ احقر مولانا کو اس کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہے کہ موصوف نے عصر حاضر کے

اس سگتے ہوئے مسئلے پر قلم اٹھایا جبکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ ہر طرف خوف اور دہشت کا عالم

ہے اور بتایا کہ اسلام اور مسلم قوم دہشت گرد نہیں۔

اسلام اور مسلمانوں نے ہمیشہ پیار و محبت امن و سلامتی کا درس دیا۔ قائد ملت

اسلامیہ امام الشاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عالمی تبلیغی دورے اور بیانات و تقاریر

اس پر شاہد عدل ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانوں کو دہشت گرد کہنے والے خود

عالمی دہشت گرد ہیں۔ ہمارے علماء کرام اور صوفیاء، عظام کی پوری پوری زندگیاں پیار و محبت اتحاد و اتفاق نیز امن و سلامتی پر روشنی کے مینار ہیں۔

دہشت گردی انفرادی ہو یا اجتماعی یا کسی نام نہاد سپر پاور ریاست کی طرف سے ہو قابلِ صدمت اور لائقِ صدمت ہے۔ اس وقت جنوبی و شمالی و زیریں و اُپرین اور سرحد و فانا کے علاقوں میں جو قتل و خونریزی ہو رہی ہے یہ بھی بڑی طاقتوں کی سازش ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ و برطانیہ نیز بھارت و اسرائیل کی ایجنسیاں کام کر رہی ہیں۔ ان بڑی طاقتوں نے اپنی ریشہ دانیوں اور سازشوں کا پاکستان کو آماجگاہ بنایا ہوا ہے، تاکہ ایک تیر سے کئی شکار کیے جاسکیں۔ جس طرح دنیا نے عرب کے سینے پر اسرائیل کو بٹھا رکھا ہے، اسی طریقے سے وہ پاکستان کے دل پر بیٹھ کر اپنی سازشیں کر رہا ہے۔ اور اس طریقے پر وہ کسی مقدس مقام پر بھی نظر رکھ سکتا ہے۔ آج تک کی بڑی طاقتیں بالخصوص اقوام متحدہ کے جیلے نہ عرب و اسرائیل کے مسائل کو حل کر سکے اور نہ ہی مظلوم اور بے بس کشمیری مسلمانوں کا مسئلہ حل کر سکے۔

وقت کا تقاضا ہے کہ ہمارے مسلم ممالک کے سربراہ متحد و متفق ہوں اور بڑی طاقتوں کی غلامی کا قلاوہ اپنی گردن سے تاریں، اور مسلم قوم کا ایک ادارہ قائم کر کے مسلم قوم کی بقاء و تحفظ اور استحکام پر کام کریں۔

باقی یہ جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے حضرت علامہ مولانا محمد بشیر القادری نے حقائق کو حقیقت کی کسوٹی پر رکھ کر مدلل اور دلنواز اور پُر اثر اسلوبِ تحریر، منفرد انداز، بے باک اور دلچسپ طریقہ جہاں دہشت گردوں کو بے نقاب کیا وہاں سے طالبان کی اقسام، کون سا گروہ کس کے لیے کتنا کام کر رہا ہے۔

اسلام اور عصرِ جدید دنیا کو دہشت گردی کی لعنت سے کیسے بچایا جائے، جیسے مسائل سے جامع حوالہ جات کی روشنی میں پردہ اٹھایا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مغربی استعمار نے پچھلی تین صدیوں سے عالم اسلام میں جو تباہی مچا رکھی ہے، اس کے مختلف پہلو ہیں اور ہر پہلو اپنی جگہ اہم دور رس اثرات کا حامل ہے۔ مسئلہ سیاسی ہو یا معاشی، فکری ہو یا ثقافتی،

اخلاقی ہو یا معاشرتی، ہنگامہ کے ہر نقشے میں استعمار کی فسوں کاری کا فرما نظر آتی ہے۔ مغربی قوتوں کا حملہ ہر اس چیز پر ہے جو ہماری مسلمانوں کی شناخت ہے اور جس میں ہماری زندگی اور بقاء کا راز ہے۔ حضرت علامہ بشیر القادری نے اس کتاب میں جن موضوعات کو اپنی تحریر اور توجہ کا مرکز بنایا، اُن کو عصری تقاضوں کی روشنی میں اور اُن کے مختلف پہلوؤں پر جامع اظہار خیال فرمایا ہے اور یہ اُن ہی کا حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اُن کی حفاظت فرمائے آمین!

دعا گو احقر جمیل احمد نعیمی

ناظم تعلیمات دارالعلوم نعیمیہ کراچی

یہ اُن کا کرم بس اُن کا کرم ہے
ان کے کرم کی بات نہ پوچھو

وَلَا يَخْشَوْنَ الْبَسَّ الْاَهْمِيَاءَ

لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر مت دو۔ القرآن

مقدمہ

طالبان یا آستین کے سانپ

طالبان کون لوگ ہیں: ان کے کتنے گروہ ہیں، کس گروہ کے پیچھے کون سی طاقت ہے، اور کس نے مسلمانوں کے خلاف دشمن قوتوں سے شرمناک اور خفیہ معاہدے کئے ہوئے ہیں، اور کون کس گروہ کی کتنی مدد کر رہا ہے، ان میں کون اسلام کے لیے لڑ رہا ہے اور کون امریکہ اور بھارت کے لیے لڑ رہا ہے؟

قارئین کرام! اب بعد آنے والی تحریر ان تمام سوالات کے جوابات لے کر آ رہی ہے، جس سے سب کچھ معلوم ہو جائے گا، مگر یہاں جو اصل حقیقت آپ لوگوں کے گوش گزار کرنی ہے، وہ یہ ہے کہ طالبان جو بھی ہیں، وہ اپنی جگہ، مگر یہ سارے کا سارا کیا دھڑا ہمارے سیاسی حکمرانوں، فوجی جرنیلوں اور مذہبی انتہا پسندوں، نام نہاد، جہادی تنظیموں اور لیسانیت و قومیت پرست قوتوں کا ہے۔ جو آج طالبان کی صورت میں اکیسویں صدی کا چیلنج بن کر سامنے آئے ہیں، اور بے گناہ مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، فوج کو بدنام اور اسلام کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، اور ستم بالا ستم تو یہ ہے کہ کچھ ہمارے مذہبی اور سیاسی لیڈران کے اب بھی بات سمجھ میں نہیں آ رہی، اور وہ طالبان کی وحشی اور شرمناک حرکتوں، امریکی ایجنڈے کی تکمیل کی طرف جاتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی، جیسے بلی کو دیکھ کر خرگوش آنکھیں بند کر لیتا ہے کہ وہ بلی سے محفوظ ہو چکا ہے۔ کی طرح جان بوجھ کر چشم پوشی سے کام لے رہے ہیں، یا خطرناک منافقت کی چال چل رہے ہیں، پاکستان کے بنیادی دشمن، اپنے سلف و خلف کی ارواحِ ضعیفہ کو خوش کرنا چاہتے ہیں جو پاکستان کے قیام کے دشمن تھے۔ اور بھارت کا پرانا احسان چکانا چاہتے ہیں، امریکہ دشمن اسلام اور دہشت گرد ہے، اُس نے ہمیشہ دہشت گردوں کا ساتھ دیا ہے، اس لیے اُس نے اسرائیلی ملٹا پال رکھا ہے۔ امریکہ نے ہمارا کبھی ساتھ نہیں دیا، اس نظریہ کا اظہار جناب میجر جنرل اطہر

عباس جو کہ سوات آپریشن Spoke sman ہیں، انہوں نے اپنے انٹرویو میں واضح الفاظ میں کہا ہے کہ ہم نے جب بھی امریکہ کو دہشت گردوں کی نشاندہی کی ہے۔ امریکہ نے ہمیشہ نظر انداز کیا ہے۔ میجر جنرل اطہر عباس نے مزید کہا کہ امریکہ اپنے اسلحہ کی حفاظت کرے اُن کا اسلحہ ہمارے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ مگر امریکہ اس آواز پر کان نہیں دھڑ رہا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طالبان جیسے دہشت گرد امریکہ ہی کا کھیل ہے ورنہ جنگ اتنی طول نہ پکڑتی چند گھنٹوں بلکہ منٹوں میں ختم ہو جاتی۔ ڈاکٹر شاہد مسعود کے پروگرام ”میرے مطابق“ جو کہ ”جیو، ٹی وی“ پر نشر ہوتا ہے اتوار کی رات الیگجے حمید گل اور بھارتی صحافی بھرت ورما کے درمیان گفتگو ہوئی، حمید گل نے اُنکے سامنے جہاں کئی حقائق سے پردہ اٹھایا وہاں انہوں نے یہ بھی کہا کہ بھارت اور امریکہ دونوں ملکر پاکستان کو ڈی اسٹبل کر رہے ہیں اور پاکستان کو اقتصادی طور پر تباہ کر کے مختلف حکمرانوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں، جو کہ ہم ہرگز ایسا نہیں ہونے دیں گے، اور بھارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے، انہوں نے بھارتی صحافی بھرت ورما کے سامنے اُن سے سوال کیا کہ بھارت نے افغانستان میں سترہ چیک پوسٹیں پاکستان کے بارڈر کے ساتھ افغانستان کی سرحدوں پر بنارکھیں ہیں، اُن کا کیا جواز بنتا ہے، اور وہ سترہ چیک پوسٹیں بنانے کا مطلب کیا ہے؟

اس کے جواب میں بھارتی صحافی بھرت ورما نے کہا کہ اُن چیک پوسٹوں کا مطلب یہ ہے کہ ہم افغانستان میں ترقیاتی پروگرام چلا رہے ہیں، افغانستان کی تعمیر کے ساتھ ساتھ افغان لوگوں کو تعلیم کے لیے بھارت بھیج رہے ہیں، مگر جنرل حمید گل جیسے لوگوں کو بھارت فوبیا ہو گیا ہے، حمید گل نے کہا کہ ان کے ذریعے پاکستان میں تخریب کاری ہو رہی ہے اور طالبان جیسی دہشت گرد تنظیم کو اسلحہ دیا جا رہا ہے۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۲۵ مئی ۲۰۰۹ء، بروز پیر) قارئین کرام! آج جو انکشاف جنرل حمید گل صاحب کر رہے ہیں، اس جیسے ہزاروں خدشات و انکشافات مولانا الشاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کر دیئے

تھے، جو آج بھی اُن کے انٹرویوز، کنفرنسز، تقریروں اور بیانات کی صورت میں موجود ہیں۔ کئی بار آپ نے حکمرانوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کی سرحدیں محفوظ نہیں ہیں۔ بھارت تحریب کاری کر رہا ہے، وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر مسلم ممالک نے عراق کی طرف توجہ نہ دی تو اس کے بعد ایران اور پھر پاکستان کا نمبر آئے گا۔ لیکن حکمرانوں کو اقتدار کا نشہ طاری رہا۔ اور آج پاکستان پر سخت وقت آچکا ہے۔

سوچنے کی ضرورت ہے، سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ قبائلی علاقوں میں عسکریت مقامی لوگوں کی پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ یہ عسکریت، اسلام آباد اور راولپنڈی نے پاکستانی جہادی تنظیموں سے مل کر قومی مفادات کے تحفظ کے نام پر شروع کی تھی، اکثر لوگ قبائلی علاقوں میں حالیہ عسکریت کو افغانستان میں روسی فوج کی آمد کے باعث پیدا ہونے والے حالات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

مگر یہ ذوالفقار علی بھٹو کا دور حکومت تھا جب نئی دہلی نے کابل کے ساتھ مل کر صوبہ سرحد اور بلوچستان میں مداخلت شروع کی۔ پیپلز پارٹی کے رہنما حیات شیر پاؤ کو پشاور میں ایک بم دھماکے میں شہید کیا گیا اور پھر بھارت نے ایٹمی دھماکہ بھی کر دیا، افغانستان کے راستے سے بھارت کی پاکستان میں مداخلت کو روکنے کے لیے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے فریئر کانسٹیبلری کے آئی جی نصیر اللہ باہر کے ذریعہ ۱۹۷۵ء میں افغان حکومت کے جنیٹوں گلبدین حکمت یار، برہان الدین ربانی اور احمد شاہ مسعود کو پاکستان بلایا اور قبائلی علاقوں میں اُن کے تربیتی کیمپ قائم کروائے۔

دوسری طرف بھارتی پنجاب میں سکھ علیحدگی پسندوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ نصیر اللہ باہر نے خود کئی بار اس بات کا اظہار کیا ہے کہ افغانستان باغیوں کی کاروائیوں کے باعث کابل کے حکمرانوں کی عقل صرف ایک سال میں ٹھکانے پر آ گئی اور ۱۹۷۶ء میں سردار داؤد ڈیونڈر لائن کا مسئلہ طے کرنے کے لیے راضی ہو گیا۔ ۱۹۷۷ء میں بھٹو صاحب کی حکومت ختم نہ ہوتی تو وہ ڈیونڈر لائن کا مسئلہ شاید حل کر چکے ہوتے، جنرل ضیاء الحق نے جبری اقتدار

سنجھانے کے بعد کافی عرصہ تک افغان باغیوں کو فراموش کئے رکھا اس دوران نصیر اللہ باہر ان باغیوں کو سنجھانے کے لیے کبھی شاہ ایران رضا پہلوی اور کبھی امریکی حکومت سے رابطے کرتے رہے، ۱۹۷۹ء میں روسی فوج افغانستان میں داخل ہوئی تو امریکہ نے جنرل ضیاء الحق کے ذریعہ افغان باغیوں کی مدد شروع کر دی۔ یہ وہ دور تھا جب شمالی وزیرستان، جنوبی وزیرستان مہمند، باجوڑ اور خیبر میں ان مجاہدین کے مراکز قائم کئے گئے اور عربوں کو یہاں خوش آمدید کہا گیا۔ ۱۹۸۹ء میں روسی فوج شکست کھا کر افغانستان سے نکلے تو پورے پاکستان میں بھی ضیاء الحق کے ذریعے کلاشکوف کچھر پھیل چکا تھا۔ اُس دوران بھی مولانا شاہ احمد نورانی نے اس کے رد میں بہت تقاریریں کیں، کہ پاکستان میں افغانستان کے راستے کلاشکوف کچھر پھیل رہا ہے۔ قارئین کرام پاکستان..... میں اور سندھ کے اکثر شہروں اور ملخصو شہر کراچی کے ایک مخصوص گروہ کو اسلحہ دے کر طالبان بنایا گیا۔

اب طالبان جنم لیتے ہیں:

روسی فوج کی واپسی کے بعد گلبدین حکمت یار اور احمد شاہ مسعود نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ یہ لڑائی کئی سال تک جاری رہی اور اس خانہ جنگی کے بطن سے افغانستان کے طالبان نے جنم لیا.....

۱۹۹۴ء میں اسپین بولاک سے طالبان تحریک شروع ہوئی تو نصیر اللہ باہر پاکستان کے وزیر خارجہ تھے انہیں افغانستان میں پاکستان کے مفادات کے تحفظ کے لیے ایک گروپ کی ضرورت تھی۔ انہوں نے امریکی آئل کمپنی کے نمائندے رابرٹ اوکلے کے ساتھ مل کر افغان طالبان کی سرپرستی شروع کی اور کچھ عرصے میں پاکستانی فوج نے بھی طالبان کو اپنا قیمتی اثاثہ سمجھنا شروع کر دیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب افغان طالبان نے اپنے جنگ زدہ ملک میں امن قائم کر کے اپنے دشمن کو بھی حیران کر دیا۔

نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں افغانستان ایسے عناصر کی ہاگاہ بننے لگا جو پاکستان میں فرقہ وارانہ دہشت گردی کرتے تھے، لیکن پاکستان کو فوجی قیادت طالبان کی

حمایت سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھی۔ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد جنرل پرویز مشرف نے فوراً اپنی پالیسی تبدیل کی اور امریکی مفاد میں طالبان کو کابل سے نکال دیا۔ طالبان کی حکومت ختم ہونے کے بعد افغانستان کے حالات بہتر ہونے کے بجائے مزید بگڑ گئے اور پاکستان کے قبائلی علاقوں کے نوجوانوں نے بھی افغانستان جا کر امریکی فوج پر حملے شروع کر دیے ۲۰۰۳ء میں پشاور کے گورکھ مانڈر علی محمد جان اور کرنی نے پہلی دفعہ شور شرابہ شروع کیا کہ بھارت نے افغانستان کے راستے قبائلی علاقوں میں مداخلت شروع کر دی ہے۔

۲۰۰۴ء میں پاکستانی فوج نے ایک ناقص حکمت عملی کے تحت جنوبی وزیرستان میں آپریشن شروع کیا تو رد عمل میں قبائلی نوجوانوں نے فوج پر حملے شروع کر دیے۔ اسی آپریشن نے پاکستانی طالبان کو جنم دیا۔ پاکستانی طالبان کوئی ایک منظم اور مربوط گروپ نہیں بلکہ بہت سی جہادی تنظیموں اور گروپوں کا مجموعہ ہیں۔ بیت اللہ محسود بظاہر خود کو پاکستانی طالبانی تحریک کا سربراہ کہتے ہیں، لیکن ان کے اپنے علاقے میں قاری زین الدین محسود کا گروپ ان کا شدید مخالف ہے، بیت اللہ محسود کے جنگجوؤں کی تعداد ۲۰ ہزار کے قریب ہے جب کہ علاقے میں مولوی نذیر کے پاس بھی ۱۰ ہزار جنگجو ہیں، مولوی نذیر کے جنگجو خفیہ مسلمان ہیں، اور یہ گروپ افغانستان میں سرگرم ہے، امریکی ڈرون حملوں کا نشانہ کئی مرتبہ یہی گروپ بننا رہا ہے۔ دوسرے جتنے بھی طالبان کے گروپ ہیں امریکہ نے ان کے خلاف کبھی بھی ڈرون حملے نہیں کئے۔ یہی سوال یہ نشان ہے؟ آخر کیوں؟ اور سوات میں جن لوگوں (طالبان) نے اسلام کے نقاب لگا رکھے ہیں ان کے مارے جانے کے بعد ان کی شناخت کرنے پر پتہ چلا ہے کہ وہ غیر مسلم ہیں، یہاں تک کہ وزیرستان میں واقع ایک ہستی میر علی میں تو یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ دہشت گردوں کے ایک گروپ کو گرفتار کر کے جب تفتیش کی گئی تو پتا چلا کہ انہیں اسلحہ اور پیسہ ایک امام مسجد نے فراہم کیا تھا۔ سیکورٹی فورسز نے اس امام مسجد کو گرفتار کیا اس کی بھی شناخت کی گئی، تو وہ بھی غیر مختون نکلا، مکمل تفصیل سامنے آئی تو پتا چلا کہ وہ ہندو تھا، اس نے پہلے امامت مسجد کی تربیت حاصل کی اور پھر میر علی میں آ کر ایک مسجد سنبھال لی، گرفتار ہونے سے پہلے وہ دس سال تک امامت کے فرائض سر

انجام دیتا رہا، تو قارئین کرام مندرجہ بالا تحریر کے ذریعے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ طالبان کو ان ہیں ان کے کتنے گروہ ہیں کون کس کے لیے لڑ رہا ہے.....

مگر یہ یقین ہے کہ اب پاکستان اور اسلام کی جنگ کوئی طالبانی گروہ نہیں لڑ رہا ہے، ہر طالبانی گروہ کی لگام کسی نہ کسی دوسری طاقت کے ہاتھ میں ہے۔ طالبانی ایک گروہ جس کا موجودہ جنگی باز و ملا فضل اللہ ہے، اور صوفی محمد ان کا سیاسی کردار ادا کرنے والے ہیں، یہ بد عقیدہ وہابی اور جہادی تنظیموں کی پیداوار ہے، یہی گروہ مزارات کی بے حرمتی کر رہا ہے۔ اور اسی گروہ کے تانے بانے اندرون اور بیرون ملک بد عقیدہ جہادی تنظیموں سے ہیں، ملک اور قوم کو دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کی وجہ سے روایتی اور غیر روایتی جنگ دونوں طرح کے مسائل اور مصائب کا سامنا ہے، جس انداز میں بے گناہ اور معصوم لوگوں کو بہم دھماکوں سے مارا جا رہا ہے، اس پر یہ بھی سوال اٹھایا جانے لگا ہے کہ کیا شریعت محمدی کا کوئی بھی حامی ایسے جرائم کا ارتکاب کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر وہ کون لوگ ہیں اور ان کے ساتھ شریعت محمدی کے نفاذ کے حامیوں کا اتحاد کیوں ہے؟ اس پہلو کو سامنے رکھیں تو خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر شریعت محمدی کے نفاذ کے حامی ہی ان علاقوں میں سرگرم عمل ہیں تو کیا ان کے اعمال اس شریعت محمدی سے ذرا برابر بھی مطابقت رکھتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟

آل پارٹیز کانفرنس کے بعد مسلم لیگ (ن) جو پارلیمنٹ کی دوسری بڑی جماعت ہے فوجی آپریشن کی مکمل حمایت کر رہی ہے۔ مسلم لیگ (ق) ایوان میں حزب اختلاف کی سب سے بڑی جماعت ہے وہ بھی آپریشن کی حمایت کر رہی ہے، حکومت میں شامل جماعتوں میں سے صرف ایک مولانا فضل الرحمن کی جمیعت بوجہ کبھی عدم اتفاق کا اظہار کر دیتی ہے، تو کبھی چھپے لفظوں میں حمایت کرتی ہوئی نظر آتی ہے مگر فوج اس آپریشن سے متفق ہے اور قربانیاں دے رہی ہے۔

قارئین کرام! ہمارے لیے تو ایک پہلے ہی مسئلہ کشمیر درپیش تھا اب دوسرا مسئلہ افغانستان بھی مسئلہ کشمیر ہی بنا نظر آ رہا ہے۔“

اسلام کا نظریہ ”جہاد“ اور جہادی تنظیمیں

دین اسلام ”نظام رحمت“ ہے

دین اسلام ”نظام رحمت“ ہے اس کے نظریہ قتال (جہاد) میں فلسفہ امن و سلامتی مخفی ہے، اسلام کی ”۱۳ سو سالہ تاریخ اس پر شاہدِ عدل ہے، مگر وہابیائی فرقے کے علمائے جنم لینے والی نام نہاد جہادی تنظیمیں، جماعت سلفی کی شاخیں، جیش محمد، لشکر طیبہ، لشکر جھنگوی، سپاہ صحابہ، حرکت المجاہدین، الدعوت ولا رشاد القاعدہ، اور پاکستانی طالبان نے اسلام کے نظام رحمت کو دہشت گردی کا نظام بنا کر، اسلام کو مظہر و محرم کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے، ان مذکورہ جہادی تنظیموں کی تاریخ محمد بن عبدالوہاب نجدی سے طالبان تک خود گواہ ہے کہ ہر دور میں باطل قوتوں سے ساز باز کر کے اسلام اور اہل اسلام کے لیے رسوائی کے سامان مہیا کرتے رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بھر کے صلیبی ممالک، جن کی بربریت کے گواہ، ان کے عقوبت خانے جہاں انسانوں کو وحشت ناک اور شرمناک سزائیں دی جاتی رہی، کلیسا کے دہشت گرد و قوانین کے سامنے انسانوں کو حیوانوں سے بھی بدترین زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا۔

وہ یہود و نصاریٰ جن کے سامنے نہ کسی انسان کی عزت محفوظ رہی، نہ جان و مال جو بادشاہ کی خوشنودی اور صحت کے لیے انسانوں کو ذبح کرتے رہے، اور انسانوں کی کھوپڑیوں سے محلات تعمیر کرتے رہے، مورتیوں پر انسانوں کی بھینٹ چڑھاتے رہے اور کہیں چھت چھات کے نیچے انسانیت کراہ رہی تھی.....

انسانیت کو خاک و خون میں تڑپانے والوں و دہندوں کو اسلام جیسے پُر امن اور انسانیت دوست مذہب پر انگشت نمائی کا موقع دیا۔

اسلام میں جو قتال (جہاد) کا حکم ہے، وہ اس لیے ہے کہ جس محروم و مظلوم انسانوں کو آزادی کی نعمتِ عدل و انصاف، تمام انسانوں میں مساوات، حقوق کا تحفظ، جان و مال اور عزت کا تحفظ، دینے کے لیے، اور خود ساختہ انسانی خداؤں کے مظالم سے انسانوں کو نجات

دلا کر انہیں بھی زندگی کا حق فراہم کرنے کے لئے، اور اسلام نے اس (قتال) کے لیے جامع اصول و قوانین عطا فرمائے ہیں۔ مگر نام نہاد جہادی تنظیموں نے بربریت اور ظلم کے ایسے بازار گرم کر کے جہاں، اہل کلیساؤں اور صلیبیوں کی دہشت گردی کو پیچھے چھوڑ دیا، وہاں باطل نظام کی ہڈیوں پر پلنے کا حق نمک بھی ادا کیا، اور کر رہے ہیں، اور آج جو کچھ افغانستان میں ہو رہا ہے یہ بھی کسی باطل قوت کا حق نمک ادا کیا جا رہا ہے، پاک فوج سے جنگ لڑنا، پاک فوج کی مخالفت کرنا، قبروں سے لاشے نکال کر درختوں پر لٹکانا، مزارات کی بے حرمتی، اور ان کو بموں سے اڑانا، مسلمان لڑکیوں سے زبردستی شادیاں کرنا۔ اور اسلام کی سی وضع، قطع بنا کر اہل اسلام پر ظلم اور باطل قوتوں سے اسلحے لے کر مسلمان فوج کے جوانوں علماء کرام پر چلانا، یہ سب کچھ حق نمک کی ادائیگی کا ثمر ہے اس کے ساتھ ساتھ کسی بڑے منصوبے کی کڑیاں بھی نظر آ رہی ہیں، جب کہ اسلام اور نبی رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ کا علم رکھنے والے بربریت پر یقین نہیں رکھتے اور سامراجی طاقتوں کے آلہ کار بن کر مسلمانوں کا جینا حرام نہیں کرتے، اگر طالبان کو شریعت اسلامیہ سے عقیدت و محبت ہوتی تو معاہدہ سوات کے فوراً بعد ہتھیار ڈال دیتے اور اسلامی نظام اسلام کے اصولوں کے مطابق نافذ کرتے، مگر افسوس ایسا نہ ہوا، بلکہ انہوں نے افغانستان اور پاکستان کے لئے مذید مسائل کھڑے کر دیئے، اور اپنے ان سلف و خلف کی ارواحِ خبیثہ کو خوش کر رہے ہیں، جنہوں نے پاکستان بنانے کی شدید مخالفت کی تھی، اور پھر ملک کی تباہی کے اسباب پیدا کر کے اپنے جھوٹے خوابوں کے ذریعے اپنی ولایت و بزرگی ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک بچے کو خواب میں نبی پاک ﷺ نے خواب میں فرمایا ہے کہ پاکستان پر بُر اوقت آنے والا ہے، لہذا افلاں افلاں سورتوں کا ورد کریں، قارئین کرام اس میں کوئی شک والی بات بالکل نہیں ہے کہ نبی پاک کرم فرماتے ہیں اور خوابوں میں تشریف لاتے ہیں، مگر خواب بیان وہ لوگ کر رہے ہیں جن کا عقیدہ ان کو اس طرح کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ سراسر دھوکا اور فراڈ اس کی مثال کچھ اس طرح ہے کہ، ایک لڑکی نے کھانے کی میز پر اپنے امی اور ابو کو بتایا کہ کل ہم میں سے کوئی ایک نہیں ہوگا، اور کل دوسرے دن وہ لڑکی اپنے بنائے ہوئے پُر وگرام کے مطابق گھر سے بھاگ کئی، اس پر بے غیرت باپ لوگوں کو بتاتے

پھر رہے تھے کہ ہماری بیٹی تو ولی اللہ تھی اس نے ایک دن پہلے ہی مجھے بتا دیا تھا کہ کل ہم میں سے ایک نہیں ہوگا۔ اس طرح پاکستان اور مسلمانوں کی تباہی کے اسباب پیدا کرنے والے اپنے ہی عقیدے کے خلاف خوابوں کے ذریعے اپنی ولایت و بزرگی بتانے جارہے ہیں، اور غیر کی امداد کو شرک و کفر بتانے والے بے گھر ہونے والوں کے کیپوں میں جا جا کر ان کی امداد کے بہانے ان کو پاکستان اور افواج کے خلاف بغاوت پر اکسارہے ہیں، تاکہ فوج پریشان ہو کر آپریشن روک دے..... اور اس کے ساتھ ساتھ جیو، ٹی وی پر آکر رور و کران کی ہمدردیاں وصول کر رہے ہیں، یہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی اولاد، یہ لال مسجد کے ہم پلہ اور ہم عقیدہ دیوس جن کے پاس افغانستان سے لال مسجد کے ذریعے ملک کے بڑے بڑے شہروں کی بڑی بڑی مساجد و مدارس میں ناجائز اسلحہ کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں..... جس کے بارے میں انتظامیہ لال مسجد کی طرح خوب باخبر ہے..... تو قارئین کرام! اس کتاب میں جہاں ہم نے طالبان کے گروہ بتائے ہیں، وہاں ان کی سازشیں اور ان کے پیچھے طاقتوں کا ذکر کیا ہے اور ان دہشت گرد تنظیموں کی تاریخ اور تازیانے اور پھر نظام دہشت گردی پر بحث کی ہے کہ دہشت گردی کس کو کہتے ہیں اور دہشت گرد آخر کون ہیں.....؟ اور اس کا اسلام کے ساتھ کتنا تعلق ہے.....؟

آخری گزارش:

پوری قوم کا مطالبہ ہے کہ قیام امن کے لئے فوری طور پر امریکی، جنگ سے علیحدگی اختیار کی جائے، کیونکہ امریکی مفادات کی جنگ نہ تو پاکستان کے حق میں ہے اور نہ ہی اس خطے کے امن کے لیے اس سے صرف اور صرف پاکستان کو قربانی کا بکرا بنایا جا رہا ہے، لہذا ملکی سلامتی اور خود مختاری کو داؤ پر لگانے کی بجائے امریکی پالیسیوں سے فوری طور پر ہاتھ کھینچا جائے، مگر ملاکنڈ میں فوجی آپریشن جاری رکھا جائے، اس میں مقررہ ہدف کوئی نشانہ بنایا جائے۔ اس سے تشدد کے دیگر واقعات میں بھی نہ صرف کمی آجائے گی بلکہ امید ہے کہ تشدد کی کاروائیاں مکمل طور پر ختم ہو جائیں گی، امریکہ کے جانے کے بعد یہ بھی واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ ان طالبان میں کون افغانی، کون امریکی، کون بھارتی، اور کون پاکستانی ہیں۔

”سب نقاب اتریں گے“

میدان جنگ میں کودنے کے بعد جس قوم کے کچھ عناصر دھمل یقین ہوں، اسے ہد نصیب ہی کہا جاسکتا ہے، ہزاروں بے گناہ ہم وطنوں کی قربانی دینے، مسلح افواج کے سینکڑوں افسروں اور جوانوں کی شہادتیں پیش کرنے اور ملک کے تمام بڑے شہروں میں خودکش دھماکوں سے ہونے والی تباہی سے دوچار ہونے کے بعد آخر کار دشمن کے خلاف کھلی جنگ شروع کی گئی ہے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی اس جنگ سے بچنے کی کتنی کوشش کرتے رہے، وہ اجتماعی نقصان پر انتہائی فکر مند تھے میڈیا کے ساتھ انہوں نے جتنی ملاقاتیں بھی کیں، اپنی اس پریشانی کا تفصیل سے اظہار کیا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ دہشت گردوں کے خلاف کسی کارروائی کے نتیجے میں بے گناہ اور پرامن شہریوں کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑے۔ بے گناہ شہریوں کو بچانے کے لیے ان کی آخری کوشش معاہدہ امن کی صورت میں سامنے آئی تھی۔ بے شک یہ ایک سیاسی اقدام تھا۔ لیکن چیف آف آرمی اسٹاف کی رضامندی کے بغیر یہ معاہدہ نہیں ہو سکتا تھا اور انکی رضامندی کی واحد وجہ یہ تھی کہ وہ شہریوں کو اجتماعی نقصان سے بچانا چاہتے تھے دہشت گردوں کے مخالفین میں شاید میں ہی ایک ایسا قلم کار تھا جس نے اس معاہدے کی حمایت کی، میری بھی یہی خواہش تھی کہ ہمارے بے گناہ ہم وطنوں کو جنگی کاروائیوں کا ہدف نہ بننا پڑے، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ ملا فضل اللہ، طالبان کا جنگی باز و تھے اور صوفی محمد سیاسی، دونوں نے اپنے اپنے شعبے میں انڈرا سٹینڈنگ کے ساتھ کام کیا، صوفی محمد نے معاہدہ امن کا کھیل کھیلا اور اس کے پردے میں فضل اللہ کو جنگی تیاریوں کی مہلت لے کر دی، اس کا نتیجہ آج ہماری قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اس میں اب کوئی شک نہیں رہنا چاہیے کہ پاکستان کے خلاف برسر جنگ طالبان کسی نہ کسی کے ایجنٹ ضرور ہیں، جس تیزی کے ساتھ ملا فضل اللہ مسلح قوت لے کر سامنے آئے ہیں ایسا کرنا مقامی وسائل کی بنیاد پر ممکن نہیں ہے۔ اور اب جیسے جیسے فوج پیش قدمی کر رہی ہے دہشت گردوں کے بنائے ہوئے مورچوں اور کمین گاہوں کو دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ انہیں خصوصی تربیت اور وسائل میسر رہے ہیں، اس کا تجربہ ہماری فوج کو باجوز میں ہو چکا ہے وہاں سب کارروائی شروع کی گئی تو پتا چلا کہ طوطے کی ناک جیسے منہ والے بکر زاتی

مہارت اور عمدہ میٹرل سے تیار کیے گئے ہیں کہ خود پاک فوج کو اس طرح کے بکترز دستیاب نہیں، یہ اس طرح کے بکترز تھے جن پر راکٹ یا ٹینک کے گلوے کا براہ راست نشانہ نہیں لگ سکتا تھا۔ ان بکترز میں آمدورفت کا راستہ سامنے سے پوری طرح بند تھا، اندر جانے اور باہر آنے کے لیے پہلے جھک کر طوطے کی ناک جیسے حفاظتی خول کی پناہ ملتی اور اس کے بعد دہشت گرد اپنی کمین گاہ میں داخل ہوتے یہی طریقہ باہر آنے کا تھا۔ ان بکترز کو تسخیر کرنے کے لیے فوج کو خصوصی طریقے اختیار کرنا پڑے، میں بھی اس وقت تک ان کمین گاہوں کے حفاظتی انتظام کو نہیں سمجھ سکتا تھا جب تک اس کی ویڈیو نہ دیکھ لیتا، سننے میں آیا ہے کہ سوات اور اس کے گرد و نواح میں نئی طرز کی بکترز اور کمین گاہیں دیکھنے میں آرہی ہیں اور خونخوار جنگجوؤں نے آمدورفت کے راستوں کو بارودی سرنگوں سے بھر دیا ہے، جن کا نشانہ پاک فوج سے زیادہ بے گناہ شہری بن رہے ہیں یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی، کچھ بے حس لوگ مفتی نعیم جیسے اپنے ہی عوام کی تباہی اور ہلاکتوں کے باوجود قاتلوں کی ہم نوائی کرتے نظر آتے ہیں، اور واضح الفاظ میں حیوانی وی میں انہوں نے کہا ہے کہ خود کش حملوں میں طالبان شامل نہیں ہیں۔

یہ دہشت گرد سات سالوں سے پاکستانی عوام پر ظلم ڈھارہے ہیں مگر تب کسی کو نہ احادیث مبارکہ یاد آئیں اور نہ احکامات الہی وہ گردنیں کاٹ رہے تھے، وہ قبروں سے لاشیں نکال کر چوراہوں میں ٹانگ رہے تھے، وہ اسکولوں اور ہسپتالوں کو بموں سے اڑا رہے تھے، وہ ہماری فوج کے افسروں اور جوانوں کو شہید کر رہے تھے اس وقت کسی کو نہ کوئی حدیث یاد آئی اور نہ کلام پاک کی کوئی آیت، جس میں مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کی جان لینے سے منع کیا گیا ہو، مگر جیسے ہی طویل صبر کے بعد پاک فوج نے جوابی کارروائی کا فیصلہ کیا اور چند دہشت گرد ہلاک ہوئے تو کالموں کے کالم بھرے چارے تھے، جن میں یاد دلایا جا رہا تھا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل نہ کرے، ایسے لوگوں سے پوچھنا چاہیے کہ جو بے گناہ پاکستانی دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہو رہے ہیں کیا وہ مسلمان نہیں تھے، کیا مساجد میں خود کش دھماکوں کا نشانہ بننے والے کافر تھے؟ کیا امام بارگاہوں میں بہایا گیا خون غیر مسلموں کا تھا؟ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اپنے ہی ملک کو برباد کرنے والوں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ کہاں سے آ جاتا ہے۔ دہشت گردی کے خلاف قومی یکجہتی میں وائیں ڈالنے

والوں کی جزیں کہاں ہیں؟ کیا ان کا اسلام صرف دہشت گردی کے فروغ اور تحفظ کا سبق دیا ہے؟ کیا ان کے اسلام میں پر امن شہریوں، عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو کوئی تحفظ حاصل نہیں؟ کیا وحشیانہ درووں کا شکار بننے والی ایک کمزور اور بے بس لڑکی کی چیخیں اور ہلہلا نہیں سن کر ان کی دلوں پر کوئی اثر نہیں ہو رہا کیا وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہ سوچنے کی اہلیت نہیں رکھتے کہ اگر یہ منظر حقیقی ہے تو کس قدر خالمانہ ہے اور وہ بے حس لوگ جو اس منظر کو دیکھ کر بھی اسلامی سزا قرار دیتے ہیں اور اس کے جواز پیش کرتے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ ایک خاتون کو سزا دینے کا یہ طریقہ انتہائی وحشیانہ اور غیر اسلامی تھا۔

جنگ شروع ہو چکی ہے، واپسی کا راستہ نہیں، پاک فوج سے لڑنے والے باغیوں کو شکست نہ ہوئی تو پاک فوج کو شکست اٹھانا پڑے گی یہ ہے جنگ کا سیدھا سادہ نتیجہ، ان حالات میں جو بھی پاک فوج کے سامنے بندوق اٹھاتا ہے۔ وہ ہمارے ملک اور ہمارے عوام کا دشمن ہے اسے کوئی دوسرا نام دیا ہی نہیں جاسکتا اور جو دشمنی کے اس رشتے کو گدلا کر عوام اور فوج کے جذبے میں کمی لانے کی کوشش کرتا ہے، وہ اپنے ملک اور اپنی عوام کا ساتھی نہیں ہو سکتا، اس طرح کے لوگوں پر نظر رکھنا اور ان سے حساب لینا عوام کا فرض ہے میں نے ایک ناک شو میں عرض کیا تھا کہ ہمارے سامنے دو طرح کے طالبان ہیں، امریکی اور پاکستانی امریکا کو شکایت ہے کہ پاکستانی طالبان، افغانستان میں جا کر اس کی فوجوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور ہماری حکومت کو تو نہیں، مگر مجھ جیسے کچھ تشکیک پسندوں کو گلا ہے کہ پاکستانی شہریوں اور انواج پر حملہ آور ہونے والے امریکی اور بھارتی طالبان ہیں اور امریکہ دشمنی کا لبادہ اوڑھ کر جو پاکستانیوں کا خون بہانے والے طالبان کی حمایت کرتے ہیں وہ درحقیقت امریکی ایجنٹ ہیں جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ جنگ سارے پردے اٹھا دے گی، پردے اٹھنے کا وقت آ گیا ہے، ہر چہرے سے نقاب اترے گا، ہر سازش کا راز کھلے گا اور دوستی اور دشمنی کے ساری رنگ سامنے آئیں گے۔ اس وقت نہ لفظوں کی جادوگری کام آئے گی، کہ اسلامی حوالے دے کر لوگوں کو فریب دے سکیں گے جب خون بہتا ہے تو..... فریب کاری کے سارے نقشے مٹ جاتے ہیں مفتی رفیع اور ملا نعیم جیسوں کی چھپے لفظوں طالبانی حمایت ان کو بے نقاب کر دے گی،

طالبان یا امریکہ

ایک امریکی جھٹک ٹینک کے مطابق ۸۳ فیصد پاکستانی فطے میں امریکی فوج کی موجودگی کو خطرہ سمجھتے ہیں، ڈرون حملے بھی پاکستان کی سلامتی کے لیے بڑا خطرہ بن چکے ہیں۔ جنرل ڈیوڈ پیئر یاس کے مشیر نے امریکا کی پاکستان پالیسی پر کانگریس آرمڈ سروس کمیٹی کو بتایا کہ ڈرون حملے جنگجوؤں کے خاتمے کے بجائے مزید دشمن پیدا کر رہے ہیں، جس سے عوام میں غصہ ہے اور وہ انتہا پسندوں کا ساتھ دے رہے ہیں، مسائل کے حل کے لیے جمہوریت میں پارلیمنٹ اور قبائلی روایات میں جرگے کے سوا کوئی دوسرا فورم موثر ثابت نہیں ہو سکتا، حکومتی رٹ انسانوں کے لیے ہی ہوتی ہے، اگر لوگ انتقام اور رد عمل میں ہتھیار اٹھالیں، گھراجز جائیں تو کھنڈرات اور پہاڑوں پر کیا رٹ قائم ہوگی، ڈرون حملوں کے دوران یہ رٹ کہاں رہتی ہے، جو عناصر حکومت کو اپنی رٹ قائم کرنے کے لیے خونریزی پر اکسارہے ہیں، انہوں نے پرویز مشرف کو بھی لال مسجد آپریشن میں طاقت آزمانے کی شہ دی تھی، دنیا نے دیکھا مشرف کو رسوا ہو کر اقتدار چھوڑنا پڑا، خون کی ندیاں بہانے کے حامی شریپند عناصر موجودہ حکمرانوں کو بھی مشرف کے حشر سے دوچار کرنا چاہتے ہوں گے، ماضی سے سبق نہ سیکھنا تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے، گولی اور بم کسی مسئلے کا حل نہیں بلکہ یہ نئے مسائل کو جنم دیتے ہیں، جس طرح بڑی مچھلی چھوٹی کو کھا جاتی ہے اسی طرح اصول اور اخلاقی اقدار سے عاری طاقتیں کمزور پر جھپٹنا اپنا حق سمجھتی ہیں۔

امریکیوں کو لاکھوں پاکستانیوں کی لاشوں کا تحفہ دے دیں ان کا جی نہیں بھرے گا، کیونکہ انہیں دوسرے ممالک میں مداخلت اور قبضہ جمانے کی لت پڑ چکی ہے، پاکستان ایٹمی ملک ہے اس لیے انہیں یہاں آنے کا بہانہ بھی بڑا چاہیے اور اس سے بڑا جواز اور کیا ہو سکتا ہے کہ طالبان یا القاعدہ کے اسلام آباد اور ایٹمی ہتھیاروں پر قبضے کا خطرہ پیدا کیا جائے، افغانستان اور عراق پر جارحانہ قبضے کے لیے اسی طرح کے جواز پیدا کیے گئے تھے

جہاں آج تک تباہی پھیلانے والے ہتھیار تو نہ ملے لیکن ان ملکوں کو تباہ کر دیا گیا۔ امریکی میڈیا آئے روز دنیا کو پاکستان سے خوف زدہ کرنے کے لیے نئی نئی رپورٹیں شائع کر رہا ہے اب یہ کہا جا رہا ہے کہ طالبان یا القاعدہ ایسے حالات پیدا کر دیں گے کہ مجبور ہو کر حکومت کو ایٹمی ہتھیار منتقل کرنا پڑیں گے، اس دوران ان پر قبضہ کر لیا جائے گا یا طالبان کسی طرح ایٹمی مواد چرائیں گے، سابق آرمی چیف مرزا اسلم بیگ کے مطابق سی آئی اے موساد اور ایم آئی ۶ اور جی این پی نے پاکستان کے خلاف سازشیں تیز کر دی ہیں، حکومت نے بھی بلوچستان میں مداخلت کا الزام ہندوستان پر لگایا ہے، لیکن امریکی پاکستان پر مسلسل زور ڈال رہے ہیں کہ بھارت کو نہیں طالبان کو دشمن سمجھا جائے اور پوری قوت سے طالبان کے خلاف آپریشن کیا جائے، جمہوری حکومت کے بجائے امریکی پاک فوج کی تعریف کر رہے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ صدر زرداری کے مشاورتی اور جمہوری طرز کے اقدامات سے ان کو شدید تنگی پڑی ہے، اسی لیے عوام کو حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دی جا رہی ہے، امریکہ کھل کر عوام کو بغاوت پر اکسار رہا ہے، حالانکہ اسے معلوم ہے کہ یہاں کی رائے عامہ اس کے خلاف ہے ملکی معاملات میں امریکہ کی بے جا مداخلت کا یہ حال ہے کہ سفارتی آداب کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اعلامیہ ڈکٹیشن دی جا رہی ہے، پاکستان کے ناکام ریاست ہونے کا کاؤنٹ ڈاؤن شروع کیا گیا ہے، جو کہ شرمناک بات ہے، فانا اور سوات میں طالبان کی سرگرمیوں سے ملک دشمنوں کو پروپیگنڈہ کرنے کا موقع میسر آ گیا ہے، ڈرون حملے اور معصوم شہریوں کا قتل عام قابل مذہب ہے، اپنے ملک میں خود کش حملے اغوا کاری، دھماکے آتشزدگی سرکاری املاک کی تباہی اور رٹ کی بھالی کے لیے فوجی آپریشن مسائل کا حل نہیں، غیر مشروط و دو طرفہ سیز فائر کر کے پارلیمنٹ اور جرگہ میں معاملات پر غور و فکر اور حل تلاش کیا جانا چاہیے۔ طالبان بھی امریکی، اسلحہ بھی امریکی اور ان کے خلاف فوجی آپریشن بھی امریکہ کی مرضی کے مطابق اب نتائج جو کچھ نکلیں گے وہ بھی معلوم ہو رہا ہے۔

آستین کے ساتھ

یہ کہانی بہت پرانی ہے نئے حالات میں اس کہانی کے صرف چند کردار بدل گئے ہیں، افسوس کہ آج اس کہانی کے صرف چند نئے کرداروں پر لعن طعن کی جا رہی ہے، جب کہ پرانے کرداروں کا نام ہی نہیں لیا جا رہا جو ایک دفعہ پھر سرگرم عمل ہیں، آج یہ خاکسار اس کہانی کے ان پرانے کرداروں کے چہرے سے نقاب ہٹانے کی کوشش کرے گا تاکہ نئی نسل کو پتہ چل سکے کہ اس کہانی کا اصل ولن کون ہے؟ اس کہانی کا آغاز ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوا تقسیم ہند کے فوری بعد بھارتی وزیراعظم چنڈت جواہر لال نہرو نے افغانستان کے راستے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں مداخلت شروع کر دی کابل میں بھارتی سفارتخانے کی طرف سے کچھ قبائلی عمائدین کے ذریعے انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی کے ہیرو فقیر اپی کے ساتھ رابطہ قائم کیا گیا اور انہیں کہا گیا کہ قائد اعظم محمد علی جناح کے چہرے پر داڑھی ہے اور نہ اسلام کے بارے میں کچھ جانتے ہیں، لہذا آپ وزیرستان کو افغانستان میں ضم کر دیں یا علیحدہ ریاست کے قیام کا اعلان کر دیں، دوسری طرف ۱۱ اپریل ۱۹۴۸ء کو پشاور میں قبائلی علاقوں کے عمائدین کا ایک جرگہ منعقد ہوا جس میں قائد اعظم محمد علی جناح کے سامنے اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ قبائلی کشمیر کی آزادی کے لیے جہاد کریں گی۔ اس جرگے میں قائد اعظم سے درخواست کی گئی کہ قبائلی علاقوں کو براہ راست مرکزی حکومت کے تابع رکھا جائے، قائد اعظم نے یہ درخواست تسلیم کر لی، اس دوران بنوں میں فقیر اپی کے نام سے یہ پمفلٹ تقسیم ہوا کہ جہاد کشمیر حرام ہے بلکہ قائد اعظم کے خلاف جہاد کیا جائے جنہوں نے پاکستان میں شریعت نافذ نہیں کی، ۲۹ جون ۱۹۴۸ء کو پاکستانی اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ ایک ۳۵ سالہ قبائلی اول حسین کو گرفتار کر لیا گیا ہے جو فقیر اپی کے نام چنڈت نہرو کا ایک خط دہلی سے لا رہا تھا، گیارہ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائد اعظم وفات پا گئے، نہرو کا خیال تھا کہ پاکستان چھ ماہ میں ٹوٹ جائے گا، لہذا انہوں نے قبائلی علاقوں میں شورش کو مزید ہوا دی، تاریخی دستاویزات بتاتی ہیں کہ ۱۹ جنوری ۱۹۵۰ء کو میر علی اور وانا کے علاقوں میں آزاد پشتونستان کا

پرچم لہرا کر فقیر اپی کو امیر سلطنت قرار دیا گیا اور اعلان کیا گیا کہ نئی ریاست کا قانون اسلامی شریعت ہوگی، ۲۶ جون ۱۹۵۰ء کو فقیر اپی کے دوستا تھیوں اختر جان اور سعید نے کابل میں افغان حکام سے ملاقاتیں کیں اور آزاد پشتونستان کی فوج بنانے کے لیے وسائل مانگے، یہ وسائل بھارت نے فراہم کیے جس کی تفصیل ڈاکٹر فضل الرحمن کی کتاب ”بطل حریت فقیر آف اپی“ میں تفصیل کے ساتھ درج ہے، کچھ ہی عرصے میں میر علی سے وانا تک بغاوت کو کچلنے کے لیے نضائی بمباری شروع کر دی گئی، بمباری سے مسئلہ حل نہ ہوا تو مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی کی خدمات حاصل کی گئیں، انہوں نے ۲۲ مارچ کو احمد زئی وزیر، اتھمان زئی وزیر، داؤد زور محمود قبائل کے عمائدین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایک اسلامی ریاست کے خلاف جہاد جائز نہیں اگر جہاد کرنا ہے تو فلسطین اور کشمیر میں جاؤم سید امین الحسینی کے دورہ وزیرستان سے فقیر اپی کی تحریک کمزور پڑ گئی اور انہوں نے حکومت سے نفاذ شریعت کے لیے مذاکرات شروع کر دیے، فقیر اپی نے سیز فائر کر دیا تو بھارت نے ان کی مدد بند کر دی، ۱۶ اپریل ۱۹۶۰ء کو فقیر اپی ابدی نیند سو گئے کئی سال کے بعد بھارت ایک دفعہ پھر پاکستان کے قبائلی علاقوں میں عسکریت کو ہوا دے رہا ہے، ایک دفعہ پھر کابل میں بھارتی سفارتخانہ اس عسکریت پسندی کو رقم اور اسلحہ فراہم کر رہا ہے، پاکستان کے قبائلی علاقوں میں دو طرح کے (طالبان) عسکریت پسند ہیں، ایک قسم وہ ہے جو افغانستان میں غیر ملکی افوج کے خلاف مزاحمت کو جہاد سمجھتے ہیں، دوسری قسم ان کی ہے جو افغانستان میں نہیں بلکہ پاکستان میں کارروائیاں کر رہے ہیں، (نجیدی وہابی) ان عسکریت پسندوں کے لیڈر مولانا فضل اللہ ہیں جو وہابی عقیدہ رکھتا ہے، جنہوں نے نہ کبھی انگلستان میں جہاد کیا اور نہ کشمیر میں جہاد کیا، حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ شمالی وزیرستان، جنوبی وزیرستان اور دیگر قبائلی علاقوں میں پاکستان کے خلاف نہیں بلکہ امریکہ کے خلاف زیادہ نفرت ہے، یہ طالبان صرف حنفی مسلمان ہیں، جنرل پرویز مشرف کے منظر سے ہٹنے کے بعد ان علاقوں میں پاکستانی فوج کے خلاف مزاحمت کمزور پڑ گئی کیونکہ پاکستانی فوج نے ان ان علاقوں کے قبائلی عمائدین اور علماء کے ذریعے کئی مزاحمتی گروپوں کے ساتھ سیز فائر کر لیا

لیکن وادی سوات میں ایسا نہ ہو سکا، وجہ یہ تھی کہ وادی سوات میں قبائلی نظام کمزور ہے، یہ علاقہ صوبہ سرحد کے شہری علاقوں سے متصل ہے اور مقامی لوگ باہر سے آنے والوں پر زیادہ نظر نہیں رکھتے کیونکہ یہاں سیاحوں کی آمد رفت بھی رہتی تھی، مقامی لوگوں کے کان ۱۱۶ اس وقت کھڑے ہوئے جب باجوڑ کے راستے سے ازبک اور تاجک اسلحہ بردار بونیر میں داخل ہونے لگے، یہ اسلحہ بردار بظاہر تو شریعت کی بات کرتے تھے لیکن نہ نماز باقاعدگی سے ادا کرتے اور نہ ہی روزہ رکھتے تھے، ان میں سے اکثر کو پشتو زبان بھی نہ آتی تھی بلکہ وہ لغاری بولتے تھے، راولپنڈی سے مسلم لیگ (ن) کے رکن قومی اسمبلی حنیف عباسی ایک ایسے شخص کو جانتے ہیں جس کی تین بیٹیاں تھیں، ایک دن یہ اسلحہ بردار اس کے گھر پہنچے اور مطالبہ کیا کہ وہ اپنی تین بیٹیوں کا نکاح ان نام نہاد مجاہدین کے ساتھ کر دے، اس شخص نے حکمت سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا کہ اسے شادی کی تیاری کے لیے ایک دن دیا جانا چاہیے، اسلحہ بردار دوبارہ شادی کے لیے آئے تو ان کی تاک میں بیٹھے ہوئے مقامی لوگوں نے انہیں گولیوں سے بھون ڈالا، وادی سوات میں ایسے کئی واقعات ہوئے جن میں غیر مقامی اسلحہ برداروں نے زبردستی مقامی لڑکیوں کے ساتھ شادیاں کیں۔ مولانا فضل اللہ ان غمخیزوں کے سامنے بے بس تھے یا پھر ان کی ملی بھگت سے یہ سب ہو رہا تھا، یہ شواہد بھی سامنے آئے لگے کہ یہ غیر مقامی اسلحہ بردار باجوڑ کے ہمسائے میں واقع افغان صوبے کنڑ سے رقم اور افرادی قوت حاصل کرتے ہیں اور مولانا فضل اللہ نے انہی عناصر کے دباؤ پر مولانا صوفی محمد اور سرحد حکومت کے درمیان امن معاہدہ کو نام بنایا یا پھر فضل اللہ اور صوفی محمد کی ملی بھگت سے سب کچھ ہوا۔

دوسری طرف افغان طالبان کے رہنما ملا محمد عمر نے خوست کے راستے سے شمالی وزیرستان کے عسکریت پسندوں کو حال ہی میں پیغام بھیجا کہ پاکستانی فوج کے خلاف لڑنا جہاد نہیں ہے لہذا انہیں لڑنا ہے تو افغانستان آکر امریکی فوج سے لڑیں، القاعدہ کی حکمت عملی بھی یہی ہے کہ پاکستان میں لڑنے کی بجائے افغانستان پر توجہ دی جائے لیکن پاکستان حکومت کی مشکل یہ ہے کہ ڈھائی ہزار کلومیٹر لمبی پاک افغان سرحد پر کوئی باڑیا دیوار نہیں لہذا وہ قبائلی علاقوں

کے عسکریت پسندوں کو افغانستان جانے سے نہیں روک سکتی اور اس مشکل کا فائدہ اٹھا کر امریکہ پاکستان پر ڈرون حملے کرتا ہے، اس مسئلے کا آسان ترین حل یہ ہے کہ امریکہ افغانستان سے نکل جائے اگر امریکہ کو وہاں سے نہیں نکلا تو پھر پاکستان کو چاہیے کہ پاک افغان سرحد کو بند کر دے، یہ سرحد بند ہوگی تو نہ پاکستانی عسکریت پسند افغانستان جائیں گے نہ افغانستان کے راستے سے ازبک اور تاجک سوات آئیں گے افغانستان کے راستے سے پاکستان میں آکر نفاذ شریعت کے نام پر قتل عام کرنے والوں کو بھارتی اسلحہ اور روپیہ دیا جا رہا ہے اور اس کھیل میں کراچی کے کچھ بڑے سینٹھ بھی ملوث ہیں یہ کھیل ۱۹۴۷ء سے جاری ہے، ۱۹۴۷ء میں نفاذ شریعت کے لیے فیکر اپنی کا نام استعمال ہوا اور ۲۰۰۹ء میں مولانا فضل اللہ کا نام استعمال ہوا۔ دونوں مرتبہ فساد کی جڑ بھارت ہے ہمارے حکمران مولانا فضل اللہ کو تو کوستے ہیں لیکن بھارت کے بارے میں خاموش ہیں کچھ دانشور بھی اچھل اچھل کر کہتے ہیں کہ طالبان اور پاکستان ایک ساتھ نہیں رہ سکتے لیکن جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان میں آگ لگانے والے طالبان کو بارود اور روپیہ کون دے رہا ہے تو یہ دانشور کھسیانی بلی بن جاتے ہیں، پاکستان کے آئین سے انکار کرنے والے طالبان ہمارے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں لیکن ہمیں ایسے دانشوروں اور ریٹائر جرنیلوں سے بھی ہوشیار رہنا ہے جو پاکستانی سرزمین پر امریکی ڈرون حملوں کی حمایت کرتے ہیں، کیا اس امریکی ڈرون حملے ریاست کے آئین اور ریاستی عملداری کے لیے خطرہ نہیں ان دانشوروں اور ریٹائرڈ جرنیلوں کے ماضی کو کریدیں تو پتا چلتا ہے کہ ان کے تانے بانے بھی دہلی کے ساتھ ملتے ہیں، میں دہلی کے ساتھ برابری کی بنیاد پر دوستی کا مخالف نہیں لیکن یہ سیکورائٹیاں پسند ہمیں دہلی کا غلام بنانا چاہتے ہیں لہذا مولانا فضل اللہ کے ساتھ ساتھ ان سے بھی ہوشیار رہیے، ان کی نشانی یہ ہے کہ یہ امریکہ ڈرون حملوں کے حامی ہیں، مسئلہ کشمیر کو سرحد خانے میں ڈالنے کی تجویز دیتے ہیں اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی بھی مخالفت کرتے ہیں، خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ مولانا فضل اللہ اور بھارتی دودھ پر پلنے والے ان آستین کے سانپوں میں کیا فرق ہے؟

صوفی محمد کا ”اسلام“

روزانہ دیوار سے

صوفی محمد کے افکار عالیہ جو سننے کو ملتے ہیں وہ محمد بن عبدالوہاب نجدی ہی کے عقائد و نظریات ہیں، جو آنکھیں بند کر کے اُن پر ایمان نہ لائے اُن کی نظر میں وہ کافر ہے یا کفر کا مرتکب ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ جہاد کے ذریعے تمام مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں، جو ان کے عقائد و نظریات قبول نہ کرے اس کے خلاف جہاد فرض ہے۔ یہی محمد بن عبدالوہاب نجدی کے نمایاں افکار تھے۔ چنانچہ صوفی محمد نے آئین، جمہوریت، پارلیمنٹ اور سپریم کورٹ کو کفر قرار دے کر، مولانا فضل الرحمن، قاضی حسین احمد، مولانا ساجد میر، حافظ حسین احمد اور دیگر علماء کو جو جمہوری عمل پر یقین رکھتے ہیں وہ کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ کافتوی جاری کیا، ”صوفی محمد کا عقیدہ“ اگر ”اپنوں“ کے حوالے سے یہ ہے تو علماء اہلسنت کے بارے میں اُن کی رائے محمد بن عبدالوہاب نجدی سے یقیناً مختلف نہیں ہوگی کیونکہ تاریخ کے واضح الفاظ ملتے ہیں۔ کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور تکفیر مسلمین اور قتل عام، مزارات صحابہ کا سہارا کرنا، اس نجدی کی اشاعت بزور شمشیر اہل ایمان پر کفر و شرک کے فتوے اور ان کے خلاف جہاد، انبیاء کرام، صحابہ عظام اور اولیاء اللہ کی تعظیم کفر و شرک نبی پاک کے مزار اقدس کی حاضری شرک.....؟

اس لیے صوفی محمد کا فتویٰ کفر بظاہر صمد حاضر کے جمہوری علماء کے حوالے سے صادر ہوا ہے لیکن درحقیقت اس کی زد میں قیام پاکستان کے دور کے وہ علمائے کرام بھی آتے ہیں جو صوفی محمد نجدی کے ہم عقیدہ اور فکری استادوں کے استاد ہیں کیونکہ ان چند علماء نے انگریز اور مسلم لیگ کے ساتھ مل کر ہندوستان کی آزادی کے لیے چلنے والی جمہوری تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا تھا۔

یہاں پر کسی مسلک کے جید علماء اکابر اور دینی شخصیات کا تذکرہ دانستہ نہیں کروں گا،

انہوں نے جمہوری تحریک میں سر سے پاؤں تک حصہ لیا تھا۔ صوفی محمد کے وضع کردہ دائرہ میں تو شاید یہ لوگ داخل ہی نہ ہو سکتے ہوں سمجھ میں نہ آنے والا مسئلہ تو یہ ہے کہ صوفی محمد کے دین میں لڑکیوں کو تعلیم دلانا، خلاف اسلام، پگڑی صرف کالے رنگ کی، اس کے علاوہ سب رنگ خلاف اسلام، ٹریفک یا ٹیکس ہاتھ نہیں دائیں ہاتھ چلنا چاہیے، ورنہ خلاف اسلام، مزارات کی حاضری شرک ہے، یا رسول اللہ کہنا کفر ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں استمداد اور استغاثہ شرک ہے۔ تو یہ پوری کی پوری نجدی تحریک کی نجدی شریعت ہے، نجدیوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہابیوں کی صلیبی لڑائیاں مسلمانوں کے خلاف رہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ انگریزوں سے دوستی اور ترکوں سے جنگ کبھی ہندوستان میں ہندوؤں سے دوستی مسلمانوں سے جنگ اور یہ گلہ والی بات نہیں ہے کیونکہ مذکورہ علماء جن پر صوفی محمد نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے وہ سب کے سب صوفی محمد کی ہی فکری لوگ ہیں، ویسے مذکورہ علماء کسی مصلحت کے تحت کھل کر سامنے نہیں آ رہے۔ یہ علماء بھی صوفی محمد کے عقائد و نظریات کے حامل ہیں۔ اس ضمن میں قاضی حسین احمد کا بیان کہ ”میڈیا“ والے مجھے اور صوفی محمد کو لڑانا چاہتے ہیں اور سید منور حسن کا بیان ”جماعت اسلامی اور صوفی محمد کی منزل ایک ہے، جب کہ راہیں مختلف ہیں، یعنی نام بنانے کا طریقہ کار الگ الگ ہے باقی عقائد و نظریات ایک ہیں، تو پھر منافقت کیسی؟

جب یہ لوگ بھی صوفی محمد کے بد احوال میں شامل ہیں تو پریشانی کا سبب کیا ہے انہیں گھل کر اپنا نقطہ نظر عوام کے سامنے لانا چاہیے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو سکے۔ بظاہر صوفی محمد جو کہتے ہیں وہ خود اُن ہی کے فتوے کے خلاف ہے مثلاً انہوں نے اپنے انٹرویو میں کہا کہ یہ نظام کفر کی ایجاد ہے تو وہ خود بتائیں کہ آپ کے پاس انتہائی مہنگی گاڑی، اور اس کے خریدنے کے لیے رقم کہاں سے آئی؟، وہ اسلحہ کہاں سے آیا یا خریدہ، وہ انتہائی مہلک ہتھیار بھی تو کفری ایجاد ہیں، خود جناب تصویر کے خلاف ہیں مگر ٹی وی والوں کو انٹرویو بھی دیتے ہیں۔ جس طرح شراب پینے والا ہی نہیں شراب بیچنے والا بھی گناہ کا مرتکب

سمجھا جاتا ہے، اس لیے صوفی محمد اور ان کے مداحوں کا ایک ہی فکر ہے ایک ہی سوچ ہے اور ایک ہی منزل ہے۔ اللہ نہ کرے صوفی محمد کے مداحوں کے پاس اگر اقتدار آجائے تو یہ کوئی صوفی محمد سے فتویٰ بازی سے کچھ کم نہیں ہیں، مگر ان نجدیوں کو جان لینا چاہیے کہ اگر مشائخ کرام اور علماء اہلسنت میدان عمل میں آگئے اور عوام اہلسنت کو بے دار کر دیا تو نہ صوفی محمد کا فکر رہے گا اور نہ ان کے مداحوں کے لیے کوئی جگہ ہوگی۔ مگر اہلسنت الحمد للہ تشدد کا دین نہیں رکھتے اور تشدد کی سیاست نہیں رکھتے، وہ پاکستان کی سرزمین کو اپنی سرزمین اور دین اسلام کو اپنا دین سمجھتے ہیں پاکستان کی بدنامی اہلسنت کی بدنامی ہیں اور دین اسلام کا بدنامی ان کی اپنی بدنامی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ اولیاء کرام و مشائخ کرام کے لاکھوں مریدین موجود ہیں، مگر کسی پیر نے کسی عالم دین نے آج تک طالبان جیسی تنظیم نہیں بنائی، کہ جس میں ملک و ملت کی بدنامی ہو، شاید یا لوگ اہلسنت کی یہی کمزوری تصور کرتے ہیں جو ان کا پاگل پن ہے۔

پانچ سے دس ہزار طالبان تشدد پسندوں کی وجہ سے، پندرہ لاکھ مسلمانوں کو نقل مکانی کے عذاب سے دوچار ہونا پڑا۔ اور ان چند شدت پسند ظالمان کی وجہ سے مملکت خداداد پاکستان کی سالمیت خطرے میں پڑی ہوئی ہے۔ جو لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں کا شمر ہے۔ آج اس وقت جغرافیائی اور نظریاتی بقاء کی جنگ لڑ رہا ہے، ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق ۵۱ طالبان شدت پسند ہلاک اور ۲۹ جوان شہید ہو چکے ہیں۔ ۱۳ سے ۱۵ لاکھ افراد ہجرت کر کے اپنے گھر، علاقے، مکانات سب کچھ چھوڑ کر خیموں اور کیمپوں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اور مزید یہ سلسلہ جاری ہے اور دشمن امریکہ ہمارے جوہری اثاثوں کی حفاظت کے حوالے سے پریشان ہے۔ جیسے جیسے وقت قریب آ رہا ہے طالبان اور امریکہ کا مشن پورا ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ کیونکہ طالبان کا پودا امریکہ نے لگایا ہی اس لیے تھا کہ وقت پر اس پودے کی کاشت کی جاسکے۔ یہ سب ضیاء الحق کی مہربانی ہے کہ اس نے طالبان کو اسلام کے نام پر اور کسی کو حقوق کے نام پر بنایا۔ مگر حقوق اور اسلام تو مل نہ سکے ہاں جلاؤ گھیراؤ، قتل و

مارت گری، نفرت، لوٹ مار، دھماکے، افراتفری، جبر، استبداد بدعنوانیاں اور ملکی سالمیت کو بھی خطرے میں ڈال دیا۔ لازمی ان سب کا ایصالِ ثواب ضیاء الحق ہی کو پہنچتا ہے۔ اب وقت آپہنچا ہے امریکہ کے بعد دیگرے دونوں سے کام لے رہا ہے۔ اور یہ دونوں اپنا اپنا کام کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

اسلام کا نظام امن سب کے لیے

سعادت اور شقاوت، فطرت انسانی کے دو عنصر ہیں

سعادت آدمی کو آدمیت کا جامہ پہناتی ہے اور شقاوت انسان کو درندہ بناتی ہے۔ اسلام کے رہنما اصول سعادت سے ہم آغوش کرتے ہیں اور شقاوت کی راہ سے دور و نفور رہنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ کاروانِ حیات کا تصور اجتماعیت کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے اسلام فرد و واحد کی اصلاح پر کافی زور دیتا ہے، کیونکہ افراد ہی کے ذریعہ قوم اور جماعت تشکیل پاتی ہے۔ سوسائٹی، سماج اور معاشرہ افراد و قوم کی باہمی ارتباط سے برپا ہوتا ہے، لہذا ضروری ہے کہ ہر فرد کو جرائم سے دور رکھا جائے اور انہیں صالح تربیت دی جائے تاکہ معاشرے کے اندر برائیاں عام نہ ہو سکیں، انسان انسانوں کے آزار، تکالیف کا سبب نہ بن جائے۔ فرد اپنے اہل خاندان اپنے احباب و اقرباء اپنے شہر اور ملک کے باشندگان اور اپنی قوم میں ضم ہو کر نہیں رہے گا تو جی نہیں سکتا۔ انسانی زندگی کی گاڑی ملت کی شاہراہ کے بغیر نہیں چل سکتی۔

ایک صالح معاشرہ، پاکیزہ سوسائٹی قائم کرنے کے لیے دو چیزیں مطلوب ہیں۔ نمبر ۱ وعظ و تبلیغ، نمبر ۲، آئینی حصار اور قانونی ناکہ بندی، سعادت مند تبلیغ و ہدایت قبول کرے اور شرارت پسند کو قانون کا تازیانہ راستہ پر لے آئے گا۔ امن کی ضرورت ہے وہ چاہے ملک کے کسی بھی حصے میں ہو، اور امن عدل سے مشروط ہے۔ سوات ہو یا کراچی آئینی حصار اور قانونی ناکہ بندی ہوتی تو ۱۹۸۵ء کے سہراب گوٹھ آپریشن کی ناکامی کے ذمہ

داران پکڑا جاتا، پھر سانحہ علی گڑھ نہ ہوتا اور اگر یہ ہوا تھا تو سانحہ علی گڑھ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا ہوتا تو سانحہ پکا قلعہ نہیں ہوتا۔ ملک میں لسانی فسادات نہ ہوتے، اگر اسی وقت قاتلوں، دہشت گردوں کو قانون کی لگام دی جاتی تو آرسی ڈی گراؤنڈ سعود آباد میں ایک بزرگ اور مذہبی سیاست دان امام شاہ احمد نورانی صدیقی کے جلسے پر قاتلانہ حملہ نہ ہوتا۔ اس کے بعد قانون کی نافذ ہوتا تو ۱۲ مئی ۲۰۰۲ء کا واقعہ نہ ہوتا۔ اور اگر ۱۲ مئی کے قاتلوں کو پکڑا جاتا اور سزا دی جاتی تو آج ملک میں نظام عدل کا بول بالا ہوتا۔ پھر نہ کوئی طالبان ہوتے اور نہ طالبان کے نام سے شور شرابہ کر کے دشمن کو ملک میں آنے کی دعوت دیتا۔ اور آج جو ہمارا حشر نشر ہو رہا ہے ملک میں لاقانونیت کا شمر ہے کہ ملک میں پریشانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اور یہ ہم سب پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے قانون سے غداری کی اپنی طاقت اور اسلحہ کی زور پر نظام رحمت کو نافذ ہونے سے روکا۔..... اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

طالبان 21 ویں صدی کا چیلنج

مذہبی جنون میں آکر طالبان کی حمایت کرنے والے مذہبی اور سیاسی لیڈران کو ایک تجویز طالبان کون ہیں؟ ان کے مقاصد کیا ہیں؟ کس طاقت کے آلہ کار ہیں؟ اور ان کے ایجنڈا کیا ہے؟ اب یہ جو کچھ مذہبی اور سیاسی لوگ اپنی سیاست چمکانے کے لیے، سب کچھ امریکہ کے سر ڈال رہے ہیں، جب کہ طالبانی فتنہ میں یہ لوگ برابر کے شریک ہیں۔ بہر حال ملاکنڈ ڈویژن کے لوگ اچھی طرح جان چکے ہیں کہ ان کے گھر مصیبت لانے والے اصل کون لوگ ہیں؟ ہم در بدر ہونے والے ہزاروں لوگوں کے خیالات سن چکے ہیں۔ وہ حکمرانوں، جرنیلوں کو اگر ایک گالی دیتے ہیں تو مذہبی اور جنونی لیڈران عسکریت پسندوں کو دو گالیاں دیتے ہیں۔

اب وہ زمانہ گزر گیا جب ان کے دلوں میں پگڑی، جیبہ و دستار یا مجاہد کی قدر ہوا کرتی

تھی۔ اور ان میں کچھ لوگوں کی حالیہ خاموشی، اُن مذہبی لیڈران عناصر کا احترام نہیں خوف ہے۔ خوف کے بادل بھی چھٹ گئے تو وہ صرف طالبان ہی کے نہیں بلکہ دین کے ہر نام لیوا کے خلاف ایسی نفرت کا اظہار کریں گے کہ دنیا دنگ رہ جائے گی۔ ڈاکٹر اسرار نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ غزوہ ہند اس خطے میں برپا ہوگا۔ بلکہ وہ تو امام مہدی کے نزول کا مقام بھی ملاکنڈ ڈویژن کو گردانتے تھے۔ طالبان کی اس لہر کو ہمارے مذہبی سیاسی لیڈران، اسلامی انقلاب کی تمہید قرار دے رہے تھے۔ اُسی دوران جب طالبان کی وہابیت پرستی اور امریکی ایجنڈے کی تکمیل کے پروگرام ظاہر نہیں ہوئے تھے تو حضرت قائد اہلسنت امام الشان احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کچھ مفاد پرست مشیروں نے حضرت کے ہاتھ سے طالبان کی مدد بھی کر دئی تھی۔ مگر اس کے بعد کئی مرتبہ ہم نے طالبان کی مذمت بھی حضرت قائد اہلسنت کی زبانی سنی۔

ان کی تقریر جو افغانستان کے حق میں اور امریکیوں اور طالبان کے خلاف کی تھی ہمارے پاس ویڈیو کیسٹ موجود ہے، بہر حال وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ لوگوں کا رجحان مذہب کی طرف ہے اور اب پورا پختون اسلام کے نام پر اُن کی مٹھی میں بند ہو جائے گا، لیکن دنیا جو کچھ دیکھ رہی ہے اس کے تناظر میں اس خطے کا مستقبل مجھے نہایت سیکولر اور مذہب بیزار نظر آ رہا ہے۔ موقع ملا تو شاید ملاکنڈ کے لوگ اسی طرح داڑھیاں منڈوانے کے لیے حجاموں کی دکانوں پر قطاریں لگائیں گے۔ جس طرح کہ طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد کابل میں آج دیکھنے کو مل رہا ہے، اب تک صورتحال یہ تھی کہ پختون گھر کی فکر بعد میں لیکن مسجد کی پہلے کیا کرتا تھا۔ لیکن مذہب کے نام پر اس کے ساتھ جو کھیل کھیلا گیا اور جس طرح اس کی ماں، بہن کو رسوا کیا گیا، اس سے لگتا ہے کہ کہیں وہ مساجد اور مدارس کو ڈھانے نہ لگ جائیں، یہ جو آوازیں بلند ہو رہی ہیں کہ پاکستان خطرے میں ہے پختون رسوا ہوا لیکن میرے نزدیک ان دونوں سے زیادہ اسلام خطرے میں ہے، اس لیے زیادہ فکر بھی اسلام کے نام نہاد علم برداروں کو کرنی چاہیے، ان کو آگے بڑھ کر طالبان کو بھی سمجھانا

چاہیے اور حکومت کو بھی وہ ایک فریق پر تو تنقید کر رہے ہیں، لیکن دوسری فریق کے بارے میں خاموش ہیں، اب آپریشن کے خلاف تو آواز بلند کر رہے ہیں لیکن گل تک سوات کے عسکریت پسند جو کچھ کر رہے تھے اس کے بارے میں بھڑمانہ خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ وہ بات چیت پر تو زور دیتے ہیں لیکن ثالثی کرانے کے لیے سنجیدہ نہیں، طالبان اور القاعدہ سے بات چیت مولانا فضل الرحمن کر سکتے ہیں، قاضی حسین احمد بھی کر سکتے ہیں، اور ڈاکٹر اسرار احمد بھی کر سکتے ہیں۔ اور اسی نوع کے دیگر لوگ لیکن انہوں نے وہ یہ رول ادا کرنے پر آمادہ نہیں۔ معاملہ القاعدہ کے ہاتھ میں ہے یا پھر طالبان کے ہاتھ میں۔ القاعدہ کی صفوں میں جماعت اسلامی کے لیے خیر سگالی ہے تو طالبان کے ہاں مولانا فضل الرحمن اور ڈاکٹر اسرار احمد وغیرہ کے بارے میں یہ کیفیت ہے۔ طالبان کے حاجی گل بہادر اور حکیم اللہ محمود جیسے لوگ آج بھی مولانا فضل الرحمن کو اپنا امیر مانتے ہیں۔ ماضی میں جب مولانا فضل الرحمن کی بیت اللہ محمود سے ملاقات ہوئی تو ملاقات کے دوران وہ مولانا کے پاؤں دبا رہے تھے۔ سوات کے طالبان ایک سیاسی شخصیت کو اچھے الفاظ میں یاد کرتے ہیں اور وہ ڈاکٹر اسرار احمد ہیں، اس لیے میری تجویز ہے کہ مولانا فضل الرحمن کی قیادت میں دینی شخصیات کا ایک جرگہ تشکیل دیا جائے سید منور حسن، ڈاکٹر اسرار احمد مولانا طیب، مولانا سمیع الحق، مولانا فضل الرحمن، خلیل بخت زمین خان، حافظ محمد سعید اور اسی نوع کے دیگر لوگ اس کے ممبر بن جائیں، وہ بیت اللہ محمود سے بھی ملیں، فضل اللہ سے بھی اور مولانا فقیر محمد وغیرہ سے بھی، یہ لوگ جا کر ان کو سمجھائیں کہ جو طریقہ انہوں نے اپنا رکھا ہے اس سے امریکہ تباہ نہیں، بلکہ اس کا کام مزید آسان ہو رہا ہے اور جس طریقے سے وہ شریعت نافذ کرنے چلے ہیں، اس طریقے سے شریعت نافذ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ لوگ شریعت سے متنفر ہو رہے ہیں۔ یہ آگ وہی بجھا سکتے ہیں جنہوں نے اسے بھڑکا رکھا ہے، یہی لوگ ہیں جنہوں نے انہیں اس راستے پر جنگم امریکہ لگا رکھا ہے اور اب یہی لوگ انہیں سمجھا سکتے ہیں، جماعت اسلامی کے رہنماؤں کی منتیں کرتے کرتے تو میں تھک گیا جب کہ گزشتہ روز خود مولانا فضل الرحمن کی خدمت میں

عرض کیا کہ عسکریت پسندوں کی صفوں میں اپنی کریڈیبلٹی کی بحالی کے لیے حکومت چھوڑ دو اور پھر پل بن کرو، پاکستان سے لے کر سوات تک طالبان اور حکومت کے مابین مذاکرات کا اہتمام کرو، انہوں نے اپنی شوری سے مشورے اور سوچنے کا وعدہ کیا ہے، دیکھتے ہیں سوچنے اور مشاورت کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

حقیقت حال کچھ اس طرح ہے کہ

تحریک ترک موالات، تحریک ہجرت، تحریک خلافت، تحریک غدھی تحریک پاکستان، تحریک قومی اتحاد، تحریک ختم نبوت اور ان تحریکوں کے اندر چھوٹے چھوٹے تحریکیں، اور فوجی جرنیلوں کی جانب سے خرید و فروخت کی منڈیاں، اور ان منڈیوں میں فروخت ہونے والی بدنصیب ارواح، سوداگران اہلسنت، اور آج 2009 تک اہلسنت و جماعت کا نام روشن اور بے داغ ہے۔ آج جب کہ ایک مرتبہ پھر ملک و ملت کے بنیادی دشمنوں کی گندگی، طالبان اور امریکہ کی دریافت کردہ القاعدہ امریکی گند، افغانستان کے درک مافیا کی حمایت اور مخالفت کرنے والے ابھی اظہر من الشمس، علماء و مشائخ اہلسنت استحکام پاکستان کے نام پر مرکزی جماعت اہلسنت کے پلیٹ فارم پر اور آل پارٹیز قومی کانفرنس جمعیت علمائے پاکستان کے پلیٹ فارم پر ہر دو پلیٹ فارموں پر جید علماء کرام و مشائخ اہلسنت نے بھرپور شرکت فرمائی۔ مرکزی جماعت اہلسنت کے مشائخ نے خود کش حملوں کو حرام قرار دیا، اور فوجی آپریشن کی حمایت کا اعلان اور متاثرین سوات کی مدد کو قومی اور مذہبی فریضہ قرار دیا۔ جب کہ جمعیت علمائے پاکستان کے جید علماء و مشائخ نے فوجی آپریشن کی مخالفت اور مذاکرات کا مشورہ دیا، اہلسنت و جماعت کے علاوہ دوسرے فرقے کے علماء طالبان اور صوفی محمد کے مذاہنوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ وہی علماء ہیں جن کے مشائخ قیام پاکستان کے مخالف تھے۔ اور فریق اول یعنی اہلسنت جو امریکہ اور امریکی گندگی ”طالبان“ کے نظریاتی مخالف ہیں۔ ان کے مشائخ نے قیام پاکستان کی بھرپور حمایت کی تھی۔ اور آج بھی

الحمد للہ نظریاتی طور پر ہر صورت میں پاکستان کی حمایت میں ہیں۔ ہاں فریقِ اول کے کچھ علماء نما پیر نما، جنہوں نے چور دروازے سے اقتدار کے مزے لیے اور آج بھی مزے لے رہے ہیں۔ اُن کا کوئی حال ہے نہ مستقبل ہے۔ تاریخ اُن لوگوں کو اُن کا ہی لکھے گی جن کے پلیٹ فارم پر اقتدار میں آئے، اور وزارت کے حلف اٹھائے۔ مگر جماعت اور جمعیت سے ہمیشہ کے لیے ان کا پتہ کٹ چکا۔

امام الشاہ احمد نورانی سنی قوم کے سرمائے حیات تھے۔ وہ چور دروازے سے اقتدار اور وزارت کے سخت مخالف تھے، وہ نسلی، علاقائی اور لسانی قومیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ وہ صرف مسلم قومیت پر یقین رکھتے تھے۔ وہ موجودہ طالبانی فکر کے سخت مخالف تھے۔ وہ افغانستان میں امریکی مداخلت کے بھی شدید خلاف تھے۔ ہمارا اہلسنت کا آج بھی دعویٰ ہے کہ طالبانی گندگی میں اہلسنت کے ایک بھی فرد کی حمایت کا کوئی کردار ہے نہ رہا ہے۔ اور نہ ہی ان کے عقائد و نظریات کی حمایت کرنے والوں میں علماء اہلسنت کا شمار ہے، قائد اہلسنت ریاست کے اندر، ریاست کے شدید مخالف تھے۔ کچھ طالبان افغانستان کے خفی مذہب سادہ مسلمان تھے اور آج بھی ہیں جو صرف اور صرف اپنے ملک و ملت کے حق میں امریکی مخالفت کی جگہ لڑ رہے ہیں، اُن کی کامیابی کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا گو ہیں۔

صوفی محمد کے ”شیخ الاسلام“ ہونے کا لبادہ اُتر گیا مفتی منیب الرحمن

امت کو حضرت محمد ﷺ کی شریعت کی ضرورت ہے، استحکام پاکستان

کانفرنس سے خطاب

راولپنڈی (نمائندہ جنگ) مفتی اعظم پاکستان اور تنظیم مدارس اہلسنت پاکستان کے

سربراہ پروفیسر مفتی منیب الرحمن نے پرائیوٹ ٹی وی چینل کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہوں نے صوفی محمد کے ”شیخ الاسلام“ ہونے کا لبادہ اتار دیا اور ان کا فہم اسلام اور اسلامی احکام کا سحر ٹوٹ گیا ہے، اور ان کی حقیقت پوری قوم پر آشکار ہو گئی، امت کو ”صوفی محمد“ کی شریعت کی ضرورت نہیں بلکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی ضرورت ہے۔ مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان کے زیر اہتمام راولپنڈی میں منعقدہ آل پارٹیز استحکام پاکستان کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مفتی منیب الرحمن نے کہا کہ پاکستان اس وقت جس ابتلا سے دوچار ہے یہ ہمہ گیر، ہمہ جہت اور عینی ہے اور اب پوری قوم کو ملک پر اس ابتلا کا مقابلہ کرنا ہوگا، انہوں نے کہا کہ گزشتہ تین چار عشروں سے ہماری مقتدرہ پہلے افسانوی شخصیات تراشتی ہے پھر وہ انہی کے راستے کا وہ گمراہ بن جاتے ہیں ان جنات کو بوتل سے نکالنے کا منتظر تو ہماری اسٹیبلشمنٹ کو آتا ہے لیکن واپس بوتل میں بند کرنے کا منتظر نہیں آتا، اب ملک انہی جنات اور آسیبی عناصر کی زد میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ریاست و حکومت کی اولین ذمہ داری عوام کی جان و مال اور آبرو کا تحفظ ہے، امن و سلامتی کی ضمانت حکومت کی ذمہ داری ہے اور حکومت اس کی خیرات مسلح گروہوں سے مانگ رہی ہے، انہوں نے کہا کہ وہ طبقہ علماء جو صوفی محمد طالبان سے نظریاتی قربت کے دعویدار ہے ان پر بھی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شرعی موقف دو ٹوک انداز میں بیان کریں انہوں نے ہمیشہ ڈپلومیسی اور مصلحت کی زبان اختیار کی کہ ان کا مطالبہ تو صحیح ہے، طریقہ کار درست نہیں ہے، لال مسجد کے المیہ کو جنم دینے والے عوامل میں سے ایک عامل کی یہی مصلحت پر مبنی پالیسی تھی، مسلمانوں کو ذبح کرنا، نجی و قومی املاک کو تباہ کرنا، مینیوں کو قبروں سے نکال کر درختوں پر لٹکانا، کیا ان جرائم کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ”ان کا مطالبہ تو درست ہے طریقہ کار درست نہیں ہے“ کیا کفر و شرک کے بعد ان جرائم سے بڑھ کر بھی کوئی جرم باقی رہ جاتا ہے ان کا واضح شرعی حکم بیان کرنا چاہیے، انہوں نے کہا کہ بعض ذمے دار حضرات ان فساد کی عناصر کے وکیل صفائی بن جاتے ہیں کہ طالبان کی چھتری تلے امریکی اسرائیلی و بھارتی

ایجنٹ اور جرائم پیشہ عناصر کا ردوائیاں کر رہے ہیں، اگر ان کا یہ تجربہ درست ہے تو پھر ان سب سرگرمیوں کو حرام قرار دینے میں کسی بھی دیندار اور عالم دین کو کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔

پرانی تاریخ، موجودہ سیاسی حالات

سحر ہونے تک ڈاکٹر عبدالقدیر خان

سب سے پہلے آپ کی توجہ عراق، افغانستان کے معاملات کی طرف دلانا چاہتا ہوں، پوری دنیا نے دیکھا کہ کس طرح انسانی حقوق کی سپہ سالاری کا دعویٰ کرنے والے بار بار بے شرمی سے جھوٹ بولتے رہے، ان میں سب سے بڑھ کر بش اور بلیئر تھے اور کس طرح انہوں نے عراق پر ایٹم بم بنانے اور موجودگی کے بارے میں بار بار جھوٹ بول کر ایک اسلامی ملک کو، اس کے عوام کو اور تہذیب و تمدن کو تباہ کر دیا تھا، یہی بلیئر اب فلسطین کا مسئلہ حل کرنے چلا ہے یعنی فلسطینیوں کو وہی پرانی میٹھی گولی دے رہا ہے اس ایک کمزور ملک پر نہ صرف امریکہ اور انگلستان نے تباہی برساتی بلکہ اس غیر انسانی اور جارحانہ عمل میں یورپ کے تیس سے زائد ممالک نے ساتھ دیا، اب تک ایک لاکھ سے زیادہ معصوم بچے، عورتیں مرد اور بوڑھے جاں بحق ہو چکے ہیں مگر یہ بربریت کا سلسلہ جاری ہے قیاس ہے کہ تقریباً بیس لاکھ انسان ہلاک ہو چکے ہیں اور یہ جارحیت بغیر کسی قابل قبول جرم کے، صدام حسین کو تو ۳۳ بے گناہ لوگوں کے قتل کے جرم میں پھانسی دے دی گئی مگر لاکھوں بے گناہ انسانوں کے قاتل آزاد پھر رہے ہیں اور عیاشی کر رہے ہیں، اسلامی ملک سوڈان کے صدر کے خلاف تو بین الاقوامی عدالت جرائم نے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے ہیں مگر نہ ہی بش و بلیئر اور نہ ہی ان کے قاتل کارندوں کے لیے ایک لفظ مذمت کہا گیا، ابامہ سے ہماری کسی قسم کی اچھی توقع کرنا ایسا ہے جیسا کہ ہم ایل کے ایڈوائی سے محبت کی امید کریں۔

اسی طرح عراق کے وزیر ”کیمیکل“ علی کو سزائے موت سنائی گئی کہ ان پر الزام تھا کہ

انہوں نے کیمیکل ہتھیار تیار کیے تھے، (جو جھوٹا الزام تھا) لیکن کوئی بھی امریکن نہ ہی جیل بھیجا گیا اور نہ ہی کسی کو سزائے موت سنائی گئی کہ وہیتام میں نہایت مہلک قاتل گیس ایجنٹ آرنج (Agent Orange) استعمال کی یا اس کی تیاری کی، یہ دہرے قوانین کیوں؟

تمہارے رُخ پر پہنچے تو حسن کہلائے

وہی سیاہی جو میرے نامہ اعمال میں ہے

کیوں ایک کے اعمال قابل قبول ہیں اور دوسرے کے قابل قتل؟ کسی مغربی ملک نے امریکہ کو نسل کشی کا ذمہ دار یا مجرم نہیں ٹھہرایا اور ابامہ کے ساتھ مختلف سلوک نہیں ہونا چاہیے ابھی حال ہی میں پاکستانی امداد پر چند سخت اور توہین آمیز شرائط لگا کر ہمیں ذلیل و خوار کیا جا رہا ہے، لیکن پھر کہاوت ہے کہ فقیر اپنی پسند کی چیز تو حاصل نہیں کرتے جو کچھ ان کے کشکول میں ڈال دو وہ قبول کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں ڈیڑھ ارب ڈالر سالانہ خیرات دینے کا عندیہ دیا گیا ہے جب کہ ہمارے اپنے محبت وطن پاکستانی تقریباً سات ارب ڈالر سالانہ بھیجتے ہیں اور اگر ان سے مخلصانہ درخواست کی جائے اور ان کو شفاف اور ملک دوست پالیسی کا یقین دلایا جائے تو یہ رقم با آسانی دس ارب ڈالر تک جاسکتی ہے اور ہمیں کسی کے آگے فقیر کی حیثیت سے ہاتھ پھیلانے کی قطعی ضرورت نہیں پڑے گی۔

ڈرون حملے جاری ہیں مصدقہ اطلاعات کے مطابق ساٹھ حملوں میں تقریباً سات سو بے گناہ مرد عورتیں اور بچے ہلاک ہو چکے ہیں، اپنے رد عمل کو دیکھ کر سرشرم سے جھک جاتا ہے، امریکہ نے ایران پر مسلسل الزام لگایا کہ وہ عراق میں ہتھیار اور تخریب کا زنجیر رہا ہے مگر آج اس کی جرات نہیں ہوئی کہ ایک ڈرون حملہ بھی کر سکے۔ نہ ہی اس کی آبادی ہمارے برابر ہے اور نہ ہی فوجی قوت ہمارے برابر ہے، اسی طرح آپ کے سامنے ابھی شمالی کوریا کا میزائل ٹیسٹ ہے، امریکہ جنوبی کوریا اور جاپان نے بہت دھمکیاں دیں وادیاں کیا اور میزائل کو مار گرانے کی دھمکی دی مگر شمالی کوریا اس گیدڑ جھکی سے خوفزدہ نہیں ہوا اور کامیابی سے تجربہ کیا، حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ کے حالات میں چند منٹ میں جنوبی کوریا کا دارالحکومت اور کئی

شہر دنیا کے نقشے سے غائب ہو جائیں گے اور تقریباً یہی حال ٹوکیو کا ہوگا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ شمالی کوریا نے بہت عرصہ پیشتر امریکی جاسوس Pueblo پکڑ لیا تھا اور اس کے اسٹاف کو جیل میں ڈال دیا تھا۔ میں نے شمالی کوریا کے دورے کے دوران اس جہاد کا معائنہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کے سامنے ایرانی طلباء کا امریکی سفارت خانہ پر قبضہ اور وہاں کے اسٹاف کو قید کرنے کا واقعہ بھی ہے۔ اگرچہ یہ عمل سرکاری و سفارتی آداب کے خلاف تھا مگر کیونکہ امریکہ نے شہنشاہ کے دور میں ایران کو بہت نقصان پہنچایا تھا اس لیے ایرانی طلبہ نے یہ کارروائی کی تھی۔

صومالیہ کے بحری قذافوں نے مغربی جہازوں کا انگو اکرنے میں مہارت حاصل کر لی ہے نہ ہی وہاں ڈرون کام آ رہے ہیں اور نہ ہی ٹوماہاک میزائل یہ ہتھیار صرف نہتے معصوم قبائلی لوگوں پر بے دریغ استعمال ہوتے ہیں اور ان پر دہشت گرد القاعدہ اور طالبان کی پرچی لگا دی جاتی ہے اور ہم فخر یہ اس مسلم کش مہم میں شامل ہوتے ہیں، ابھی حال ہی میں امریکہ کے شہر پرائیڈوپیہا کی عیسائی حکومت نے بلا جواز ایک خود مختار آزاد ملک صومالیہ پر کھلم کھلا جارحانہ حملہ کر دیا تھا اور دارالحکومت موغادیشو اور کئی شہروں پر قبضہ کر کے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام کر دیا تھا۔ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل بان کی مون اور مغربی ممالک نے اس جارحیت پر قطعی کوئی اعتراض یا احتجاج نہیں کیا اور نہ ہی مذمت کی، اس کے برعکس جب انڈونیشیا کے صوبہ آچے میں عیسائیوں نے بغاوت کی تو امریکہ اور تمام مغربی ممالک نے اقوام متحدہ پر دباؤ ڈال کر آزادی دلا دی تھی۔

پچھلے دنوں ایک لڑکی کو سوات میں کوڑے مارنے والا ایک افسوس ناک و قاتل مذمت منظر دکھایا گیا اس کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے کیونکہ اسلام کی مقرر کردہ سزا کے قطعی منافی تھا لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل بان کی مون صاحب نے فوراً ایک مذمتی تیرہم پر داغ دیا، ابھی چند ماہ پیشتر جب اسرائیلی حکومت و فوج نے نہایت بربریت سے تقریباً چودہ سو فلسطینی مرد، بچے اور عورتوں کا قتل عام کیا تھا تو یہ

صاحب دوسری جانب دیکھ رہے تھے اور امریکہ نے اقوام متحدہ میں کوئی قرارداد اسرائیل کے خلاف منظور نہیں ہونے دی، خواہ فلسطین ہو یا کشمیر جہاں لاکھوں لوگ بربریت کے شکار ہو چکے ہیں اس میں برطانیہ کا ہاتھ ہے، انگریزوں کی اسلام اور مسلم دشمنی کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے اور انگریزوں نے جہاں یہ مہم چھوڑ دی تھی امریکہ نے اس کو اپنا لیا ہے، فلسطین کی تاریخ دیکھیں تو صدر نکسن سے لے کر اوبامہ تک ہر صدر آتے ہی اعلان کرتا ہے کہ فلسطینیوں کو اپنی مملکت کا حق ہے اور ان کو یہ ملنا چاہیے اور تو اور کارڈ نے تو ایک کتاب بھی لکھ ڈالی، پہلے چار سال کارڈ، پھر آٹھ سال ریگن، پھر چار سال باپ بش اور پھر آٹھ سال کلنٹن اور پھر آٹھ سال بلینا، بش اسی طرح پچھلے بیس سالوں سے ہم یہ کہانی سنتے آرہے ہیں اور فلسطینی عوام کو دھوکہ اور بربریت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، دیکھتے مسئلہ اگر مغربی ممالک دیانتداری سے حل کرنا چاہیں تو ایک ہفتے میں حل ہو سکتا ہے، یہ لوگ اسرائیل اور عرب رہنماؤں کو ساتھ لے کر بیٹھ جائیں اسرائیل مقبوضہ علاقے خالی کرے اور تمام عرب ممالک اس کو ایک خود مختار ملک کی حیثیت سے قبول کر کے سفارتی تعلقات قائم کر لیں لیکن ایسا کیوں ہو؟ ایسا نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ انگلستان اور دوسری سفید قومیں اس کوشش میں ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسرائیل اپنے ملک کو وسیع کرتا جائے گا فلسطینیوں کی زمین پر قبضہ کرتا جائے گا اور وہ مالدار بزدل عرب انگلی نہ اٹھائیں گے، تین ماہ تیل پر پابندی لگانے سے تمام اسرائیلی دوست گھٹنوں پر آ جائیں گے اگر عربوں کا امریکہ انگلستان آسٹریلیا، جاپان اور کینیڈا کے معدنی وسائل پر کوئی حق نہیں بناتا تو پھر ان ممالک کا بھی عرب ممالک کے وسائل پر کوئی حق نہیں ہے۔

پچھلے دنوں دو واقعات مغربی ممالک کی آنکھ میں کاشا بن کر کھٹک رہے ہیں ایک شمالی کوریا کا میزائل ٹیسٹ اور دوسرے ایران کا ایٹمی پروگرام آپ ان ممالک کی دوغلی پالیسی کو ملاحظہ کریں، جب اسرائیل، ہندوستان، جاپان جنوبی کوریا اور دوسرے بڑے ممالک ایسے میزائل ٹیسٹ کرتے ہیں تو مہارکبادی دی جاتی ہے مگر شمالی کوریا یہ ”گناہ“ کرے تو جہنم کا عتاب نازل ہو جاتا ہے، اسی طرح ایران کے ایٹمی پروگرام پر الزام تراشی اور شور مچایا ہوا

ہے، یہ خدائی فوجدار کبھی اسرائیل سے یہ مطالبہ کیوں نہیں کرتے کہ وہ اپنے اسٹیٹی پروگرام کا عربوں اور پاکستانیوں سے معاوضہ کرائے اور اس کے پرامن ہونے کا ثبوت دے بد معاشی اور دوغلانہ پالیسی یہ ہے کہ اسرائیل کو ایک پاگل طاقتور کتے کی طرح چھوڑ دو اور عربوں کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔ اس میں بہت قصور عرب ممالک کا بھی ہے، حضرت عمر، حضرت امیر معاویہ اور سلطان محمد فاتح کے دور میں ان کی کھلی بنی رہتی تھی کیونکہ اس وقت کے مسلمان صحیح مسلمان تھے، ایماندار تھے اور طاقتور تھے آج کل خود پرستی اور عیاشی عروج پر ہے اور ذلت و بے غیرتی کو زندگی کا شیوہ بنا لیا گیا ہے۔

آپ کے ہمارے سامنے ویٹنام، کوریا، عراق اور افغانستان میں مغربی ممالک کی مداخلت اور قتل عام کی مثالیں موجود ہیں اور یہ بھی علم ہے کہ اگر دشمن یا مد مقابل سخت ثابت ہوا تو ان لوگوں کے بہادری کے دعووں کا کیا حشر ہوا، مدت بیتی، سفارتی تقریبات میں میری ملاقات لا تعداد سفیروں سے ہوتی رہتی تھی ان میں جنوبی کوریا کے سفیر بھی تھے انہیں پاکستان اور شمالی کوریا کے تعلقات پر فکر تھی۔ میں نے ایک دن الگ بیٹھ کر ان سے گفتگو کی اور ان کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ آپ کیوں امریکی بل ڈاگ بن کر اپنے ہی ہم وطن شمالی کوریا کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں اور دشمنی میں اضافہ کیے جاتے ہیں، پرانی جنگ کو چالیس سال گزر گئے ہیں اور امریکن آپ کو مرغوں اور کتوں کی لڑائی کا تماشا بنا رہے ہیں، آپ ایک قوم ہیں آپ کا ایک کلچر ہے، آپ دونوں یعنی پوری قوم ایک ہی دشمن کی جارحیت کا شکار رہا ہے، اور لا تعداد مظالم اٹھائے ہیں، شمالی کوریا کے عوام آپ کے دوست ہیں، بہن بھائی ہیں ان کو ملٹری میکانائوجی میں بہت مہارت ہے اور اگر آپ دونوں مل جائیں گے تو ایک بہت بڑی طاقت بن جائیں گے اور آپ کے نام نہاد دوستوں اور ہمدردوں کو یہ بات گوارا نہیں ہے آپ کے سامنے مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی کا الحاق ہے، الحاق سے پیشتر امریکہ نے مشرقی جرمنی کو شیطان کے طور پر پیش کر رکھا تھا پھر جنوبی اور شمالی یمن کا الحاق بھی سامنے ہے اور ویٹنام کا الحاق بھی، ویٹنام میں امریکہ نے بد معاشی کر کے الیکشن معطل کر دیا اور ایک ڈکٹیٹر کو بٹھا کر جنگ شروع کرادی، تمام زہریلی گیسوں کا وہاں

استعمال کیا، لاکھوں لوگوں کا قتل عام کیا اور ذلت سے شکست کھا کر بھاگنا پڑا آج ویٹنام ایک قابل دید ملک ہے اس نے بہت ترقی کی ہے لوگ خوش حال ہیں جس طرح جرمنی دنیا کی اہم معاشی قوت بن گیا ہے میں نے سفیر اوان کے اسٹیٹ سے عرض کیا کہ آپ محبت، ملوس اور مالی مدد سے الحاق کی کوششیں کریں امریکن بل ڈاگ کا ردل ادا نہ کریں، دیکھئے شاید کبھی ان لوگوں کو یہ بات سمجھ آ جائے اور یہ اپنے مفاد کو امریکی مفاد پر ترجیح دے کر الحاق کی جانب قدم بڑھائے۔

ابھی چند دن پیشتر اوباما نے سی آئی اے کے تمام درندوں کو جنہوں نے لا تعداد بے گناہ قیدیوں پر نہایت نفرت انگیز اور تکلیف دہ مظالم ڈھائے تھے کھلے عام معافی دے دی حالانکہ خود امریکی حکومت نے اعتراف کیا تھا کہ یہ قیدی کسی جرم کے مرتکب نہ تھے اور یہ کہ یہ مظالم بین الاقوامی قوانین اور یو این یعنی اقوام متحدہ کے منشور کے تحت بھی ناقابل معافی جرائم کے تحت آتے تھے لیکن جس کی لاشیٰ اسی کی بھینس والی بات ہے۔ ابھی ایک اور واقعہ قابل غور ہے، سویٹزر لینڈ کے شہر جینیوا میں اقوام متحدہ کے زیر سایہ ایک بین الاقوامی کانفرنس نسلی امتیاز پر کی گئی اس میں ایران کے صدر احمدی نژاد نے بھی شرکت کرنا تھی۔ کانفرنس کے شروع ہونے سے پیشتر ہی امریکہ اور اس کے حواری ممالک آسٹریلیا، اسرائیل، کینیڈا، جرمنی، اٹلی، ہالینڈ، نیوزی لینڈ اور پولینڈ نے اس کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کر دیا۔ ایرانی صدر نے اسرائیل کو ایک نسل پرست ملک قرار دیا جو ایک حقیقت ہے اس بات پر بان کی مون اور دوسرے مغربی لیڈروں نے سخت احتجاج کیا لیکن ان کی دوغلی پالیسی کا منظر اس وقت دیکھئے جب بے گناہ مسلمانوں کے خون سے تر ہاتھوں والا اسرائیلی وزیراعظم اولمرٹ یا پیرس کسی کانفرنس میں تقریر کرتے ہیں تو یہی لوگ اس طرح باادب بیٹھ کر سنتے ہیں گویا نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ انجیل کی تلاوت کر رہے ہوں۔ بس مسلمانوں کی حالت زار کی یہ شعر عکاسی کرتا ہے۔

دل ہلا دوں کس کے غم کی داستاں کس سے کہوں
بے کسوں کی کون سنتا ہے فغاں کس سے کہوں

ایک اور مثال بھی انگلینڈ میں گیارہ پاکستانی طلباء کی گرفتاری، ان پر دہشت گردی کا الزام زمین پر لٹا کر ہندو قیس سر پر لگانا، ہتھکڑیاں لگانا ہے۔ وزیراعظم گورڈن براؤن نے ٹی وی پر ایک ٹھیڑ بنادیا اور ایک ہفتہ بعد یہ تمام طلباء بے گناہ پائے گئے، آپ سوچئے کہ ان بچاروں پر کیا گزری ہوگی لیکن اس بد معاشی پر نہ ہی پولیس اور نہ ہی حکومت نے معافی مانگی بلکہ ان کو ملک بدر کرنے کی بات ہو رہی ہے، یہ ہے مغربی قانون عدل اور انسانی حقوق کا تحفظ مگر ہماری اپنی بے غیرتی ایسے واقعات کی ذمہ داری ہے۔ اب کس کو معلوم نہیں کہ طالبان کون ہیں ان کا ایجنڈا کیا ہے۔ اُن کو خطرناک اور جدید اسلحہ کون سی طاقت کس کے ذریعے دے رہی ہے۔ نیا جال لائے، پرانے کھلاڑی، وقت بتا دے گا، اور بتا رہا ہے، مگر پاکستانی طالبان نجدی ہیں امریکی طالبان، یہودی ہیں اور بھارتی طالبان ہندو ہیں۔ ہر ایک، ایک دوسرے کا مددگار ہے، آپ کس کی مخالفت اور کس کی حمایت کرنے جا رہے ہیں.....؟ جنرل حیدر گل نے حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ افغانستان کے وہ لوگ (طالبانی گروہ) جو امریکہ کا وجود وہاں نہیں چاہتے ان سے مذاکرات کرنے چاہیے، باقی جو طالبان امریکہ اور بھارت کی پیداوار ہیں اُن سے جنگ کے سوا کوئی چار نہیں اُن سے جنگ ہی کرنا مناسب ہے۔



دنیا کو دہشت گردی کی لعنت کیسے بچایا جائے؟

امریکہ اور امریکی طالبان کے پاس نہ اسلام ہے اور نہ امن ہے
(۱) دہشت گردی کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور اس کو حق کی جنگ سے کیسے ممتاز کیا جاسکتا ہے؟

(۲) آج دنیا کے مختلف حصوں میں خفیہ یا اعلانیہ جو غیر حکومتی جنگیں ہو رہی ہیں، ان میں دہشت گردی کون سی ہے اور حق کی جنگ کون؟
(۳) دہشت گردی کے واقعات کو سب سے پہلے اسلام اور مسلمانوں سے جوڑ دیا جاتا ہے، آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا ہمیں اسے تسلیم کر لینا چاہیے کہ اس کے ذمہ دار مسلمان ہی ہیں؟ یا پس پردہ کچھ اور بھی ہے؟

(۴) آج دنیا مسلسل جنگ اور خون ریزی کے خطرے سے دوچار ہوتی جا رہی ہے، اس خوف سے دنیا کو آج آزاد کرانے کا قابل فہم امن کا فارمولا کیا ہو سکتا ہے؟

(۵) امریکہ کی دہشت مخالف جنگ نے دہشت گردی کو ختم کیا یا اسے بڑھا دیا؟ بصورت دیگر امریکی پالیسی سے دنیا کو کیسے بچایا جائے؟
”جو افراد یا تنظیمی تخریبی کارروائیوں میں ملوث ہیں وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں، لہذا آج کی دنیا کے سامنے سب سے بڑا سوال یہی ہے کہ ایسے افراد یا تنظیموں کو دہشت گرد کہہ بھی سکتے ہیں، یا نہیں؟ دہشت گردی کا خاتمہ اسی سوال کے جواب میں مضمر ہے۔“

مولانا رحمت اللہ صدیقی



دہشت گردی ایک ایسا لفظ ہے جس کے صحیح معنی و مفہوم پر آج تک دنیا متفق نہیں ہو سکی ہے، اس سلسلے میں لغت سے بھی اطمینان بخش رہنمائی نہیں مل پاتی، لغت میں اس لفظ کا معنی خوف و ہراس پیدا کرنا بتایا گیا ہے اگر لغوی معنی کے تناظر میں دیکھا جائے تو صرف ہندوستان اور امریکہ ہی میں ایک درجن سے زائد سیاسی و نیم سیاسی جماعتیں دہشت گردی کے دائرے میں آ جاتی ہیں۔ اس فہرست میں ایک بھی مسلم جماعت شامل نہیں، اگر عالمی پیمانے پر دہشت گردی کا جائزہ لیا جائے تو دنیا کی ساری بڑی طاقتیں اس کے فروغ میں کسی نہ کسی طرح ملوث نظر آتی ہیں بلکہ انہیں طاقتوں کی کوکھ سے دہشت گردی جنم لیتی ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لفظ صحافتی زبان سے تعلق رکھتا ہے اور عام طور پر اس کا استعمال میڈیا میں ہوتا ہے، قانون میں نہیں، اس کے پس پشت سیاسی اغراض و مقاصد کارفرما ہوتے ہیں اس لیے اس کی کوئی اصولی اور قانونی تعریف نہیں کی جاسکتی، اس تعلق سے اہل علم و فن و صاحبان زبان و قلم اور دنیا کی بڑی طاقتوں کے خیالات کیا ہیں ملاحظہ کریں، Encyclopaedia Britanica کے مقالہ نگار نے دہشت گردی کی تعریف اس کی طرح ہے۔

”دہشت گردی کے نام ہے منصوبہ بند طریقے سے خوف و ہراس پھیلانے اور تشدد کے غیر متوقع طریقے کے استعمال کا، جن کا ارتکاب عوام یا افراد کے خلاف سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے کیا گیا ہو۔“

دہشت گردی کے حوالے سے حکومتوں کے نظریات کی وضاحت بہت مشکل سے ہو پاتی ہے، غالباً حکومتیں اس تعلق سے خاموشی میں اپنی عافیت سمجھتی ہیں، گہرائی میں اترنے سے اس بات کے بہت ہی واضح اشارات ملتے ہیں، گویا دہشت گردی حکومتوں کے زیر سایہ ہوتی ہے، لیکن اس کی ساری ذمہ داری کسی بے گناہ تنظیم کے سر ڈال دی جاتی ہے، اور اس کا بڑے پیمانے پر پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے تاکہ رائے عامہ کا رخ دوسری سمت مڑ

جائے، عوام آخری ہتھیار کے طور پر دہشت گردی کے مرتکب ہوتے ہیں، بہر حال اس سلسلہ میں حکومتوں کے نظریات کیا ہیں، ذیل میں ملاحظہ کریں۔

۱۹۷۷ء میں یوروپین ممالک کا ایک کنونشن دہشت گردی کے موضوع پر منعقد ہوا لیکن اس میں دہشت گردی کی کوئی تعریف نہیں کی گئی یا متعین نہیں کی جاسکی، صرف جرائم کی درست پیش کی گئی گو اس فن کی مرتکب کو دہشت گرد کہا جائے گا۔ اس حوالے سے اقوام متحدہ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۷ء تک مسلسل پندرہ سال تک دہشت گردی کی تعریف و تشریح کے لیے کلیس سجاتا رہا۔ لیکن اس کی چند سالہ کوششیں کوئی ٹھوس، نتیجہ سامنے نہ لاسکیں۔ ۱۹۸۵ء میں مغربی جرمنی نے سرکاری سطح پر دہشت گردی کی یہ تعریف بیان کی کہ سیاسی مقصد حاصل کرنے کے لیے پر تشدد کارروائی کرنا، جس میں لوگوں کی جان و مال پر حملہ، قتل، نسل کشی، اغوا اور ہم دھماکے کرنا شامل ہو۔

۱۹۸۰ء میں سی، آئی، اے نے دہشت گردی کی یہ تعریف کی کہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے تشدد یا خوف و ہراس کا استعمال کرنا چاہے ایسا کسی فرد کی طرف سے کیا گیا ہو، کسی گروہ کی طرف سے، چاہے کسی قائم شدہ حکومت، جماعت کے خلاف ہو یا اور کسی کے خلاف۔

۱۹۷۴ء میں برطانیہ کی حکومت نے دہشت گردی کی یہ تعریف کی تھی، قانون کی نظر میں دہشت گردی نام ہے سیاسی مقاصد کے لیے تشدد کے استعمال کا، جس میں عوام کے کسی حصے کو خوف و ہراس میں مبتلا کرنا شامل ہے۔

آج دنیا کا بیشتر حصہ دہشت گردی کی آگ میں جھلس رہا ہے، ہر آنے والا دن اس کی تمازت میں اضافے کا سبب بن رہا ہے، بے گناہوں کی مجلسی ہوئی لاشیں دنیا کی نام نہاد عدالتوں سے انصاف مانگ رہی ہیں اور اپنے قتل کے اسباب جاننا چاہتی ہیں، لیکن دنیا کی کوئی عدالت سسکتی روحوں کی فریاد سننے کے لیے تیار نہیں، انسانی جانوروں کی ایسی بے

قدری تاریخ میں کبھی دیکھی نہ گئی، جانوروں کے قتل کے بھی کچھ اصول متعین ہیں، جنگلی جانوروں کا شکار قانونی جرم ہے، اگر کوئی نادانستہ طور پر جنگلی جانوروں کا شکار کر لیتا ہے تو حکومتوں کے عتاب سے وہ بچ نہیں پاتا ہے، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسانوں کے قتل کے سارے اصول کتابوں سے نکال دیئے گئے ہیں، پوری کی پوری انسانی آبادی لحوں میں ویران کر دی جاتی ہے، اس ویرانی کے ذمہ دار یا تو حکومتیں یا تنظیم یا بعض اوقات افراد ہوتے ہیں، آج دنیا آخر الذکر دونوں قسموں کو بغیر کسی تامل کے دہشت گردی سے تعبیر کر دیتی ہے جو قطعی درست نہیں، موجودہ عہد میں دہشت گردی کے فروغ کے اسباب و علل پر غور کریں تو ایک ہی نتیجہ سامنے آتا ہے وہ ہے طاقت و قوت کا حصول اور اقتصاد پر قبضہ و قدرت، یہ دونوں محرکات ملکی اصول و آئین کے ساتھ ساتھ عالمی اصول و آئین کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں، لہذا اس کے مرتکب کو دہشت گرد کہنا زیادہ درست ہے کیونکہ ان کا دائرہ اثر زیادہ وسیع ہوتا ہے، اب رہی بات ان افراد یا تنظیموں کی جو ان کے ظلم و ستم کے شکار ہوتے ہیں تو وہ رد عمل کے طور پر تخریبی کارروائیاں کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، گویا یہ خود محرک تو نہیں ہوتے مگر ان کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اس فعل کا ارتکاب کریں، لہذا آج کی دنیا کے سامنے سب سے بڑا سوال یہی ہے کہ کیا ایسے افراد یا تنظیموں کو دہشت گرد کہہ بھی سکتے ہیں یا نہیں، میرا خیال ہے جس دن اس کا جواب مل جائے گا اسی دن دہشت گردی کا خاتمہ ہوگا کیونکہ عالمی سطح پر دہشت پھیلانے والی طاقتیں انگلیوں پر شمار کی جاسکتی ہیں لیکن ان کے اثرات پوری دنیا پر دیکھے جاسکتے ہیں، اس لیے خود دہشت گردی کی اصطلاح رائج کرنے میں ان کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے گویا دہشت گرد اپنا الزام معصوموں کے سر تھوپ کر خود کو بری الذمہ سمجھ رہا ہے اور دنیا ہاں میں ہاں ملا رہی ہے، اسی حق اور سچ نہ بولنے کی سکت کو دہشت گردی سے تعبیر کر سکتے ہیں، کیونکہ طاقت و قوت کے سامنے اپنے عارضی مفاد کے تحفظ کے لیے سچ نہ بولنا ہی سب سے بڑی دہشت گردی ہے۔

دہشت گردی کی جو تعریف ہے اس کی روشنی میں کسی بھی جنگ باقی کی جنگ کا نام نہیں دے سکتے، لیکن اس لفظ کا رشتہ میڈیا کی زبان سے ہے اور میڈیا یا ایبھودی اور امریکی مفادات سے جدا نہیں کر سکتے، میڈیا کی کوشش ہوتی ہے کہ سچائی کے اس پہلو کو دنیا کی نگاہوں سے چھپا دیں جو امریکی مفادات کی نفی کرتے ہوں، اور مظلوموں کی مظلومیت کو اجاگر کرتے ہوں، دنیا کا مظلوم طبقہ اپنے حقوق کی حصول یابی کے لیے ہر جگہ جدوجہد کر رہا ہے، جب اقتدار و قوت ان کی آوازوں پر توجہ نہیں دیتا اور امید کی ساری راہیں ان کے سامنے مسدود ہو جاتی ہیں تو قانون کو وہ اپنے ہاتھوں میں لینے پر مجبور ہ جاتے ہیں، ہر شخص کو اپنی جان، عزت و آبرو اور وطن کی عظمت پیاری ہوتی ہے، فلسطینی ہم برسوں سے ظلم و جبر کی چکی میں پس رہے ہیں، اپنے ملک میں وہ ایک اجنبی جیسی زندگی گزار رہے ہیں، موت کا بھیا تک سایہ ہر وقت ان کے تعاقب میں ہوتا ہے، جب رات کی سیاہی گہری ہوتی ہے تو وہ سوچنے لگتے ہیں کہ نہ جانے صبح کا سورج ہمارے لیے کیا پیام لاتا ہے، عراق، افغانستان، کشمیر اور چین یا ہر جگہ کے عوام اسی طرح کی کشمکش کا شکار ہیں نہ دن کا اجالا نہیں سکون دیتا ہے، نہ رات کی تاریکی ان کی زندگی سے وابستہ ہر شعبہ سکول کی دولت سے محروم ہے۔ ایسی صورت میں ان کے سرفروشانہ جذبے کو دہشت گردی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا اور بھی دنیا کے مختلف حصوں میں جو خون ریز تصادم ہو رہے ہیں انہیں کبھی دہشت گردی سے جوڑا نہیں جاسکتا۔

ہٹلر نے اپنے زمانے میں یہ بات کہی تھی۔ ”کہ ایک جھوٹ کو آٹھ بار بولو کہ دنیا اسے تسلیم کرنے لگے۔“ آج امریکہ عملی طور پر اپنے میڈیا کے ذرائع اتنی غلط بیانی کر رہا ہے کہ دنیا انہیں گمراہیوں میں بھٹکنے لگی ہے۔ ہٹلر کے اسی قول کو بنیاد بنا کر دہشت گردی کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہی ہے۔ دہشت گردی ایک قابل نفرت عمل ہے چاہے اس کا مرتکب کوئی بھی ہو، کسی مذہب نے اسے جواز کی سند نہیں دی ہے۔ اسلام جس

کی غیر مساوات اور امن کی مٹی سے تیار ہوئی ہے وہ اپنے ماننے والوں کو دہشت گردی کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔ جس طرح آگ پانی کی ضد ہے، دونوں کا اجتماع ممکن ہی نہیں محال ہے، اسی طرح دہشت گردی اسلام کی ضد ہے، اسلام پوری دنیا کو امن و سلامتی کی دعوت دیتا ہے اسلام کی تعلیم ہے۔

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔ یہ قرآنی پیغام ہے پوری دنیا کے نام، لیکن مغربی طاقتیں یہ طے کر چکی ہیں کہ اسلام کے خلاف اتنی غلط فہمیاں پھیلاؤ کہ مہذب دنیا اس سے نفرت کرنے لگے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کر کے امریکہ اور مغربی دنیا مسلمانوں پر نفسیاتی دباؤ ڈالنا چاہتا ہے تاکہ مسلم ممالک کے تمام ذخائر اور مال و دولت کو حاصل کر سکے، ان کی نگاہیں قطعاً اسلام اور مسلمانوں پر نہیں ان کا ہدف تو ازن ذخائر کا حصول ہے اور حصول کا راستہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے اور دہشت گرد کہنے سے نکلتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی دنیا کے کسی حصے میں کوئی تخریبی کارروائی ہوتی ہے تو اس کا رشتہ فوراً اسلام اور مسلمانوں سے جوڑ دیا جاتا اور اس کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی جاتی ہے، مغربی دنیا اسلام کو اپنے لیے مسلسل خطرہ تصور کرتی ہے، اس لیے کہ اسلام دنیا کے کسی بھی حصے میں ظلم، نا انصافی، عریانی، فحاشی شراب نوشی، سود خوری اور اسی طرح کی دوسری برائیوں کو برداشت نہیں کرتا اور باطل طاقتیں سر سے پاؤں تک برائیوں کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ وہ اسلام کا نام و نشان کو مٹا دینا چاہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ تخریبی افعال کا رشتہ اسلام اور مسلمانوں سے جوڑ دیتی ہیں، جب کہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہوتی ہے، اس سلسلے میں بے شمار شواہد پیش کیے جاسکتے ہیں، آخر اسلام مخالف نظریات رکھنے

والوں کو مغربی دنیا کیوں پناہ دیتی ہے، مسلمان رشدی، تسلیمہ، نسریں، جیسے درجنوں افراد ہیں جن کی مغربی دنیا پرورش اور تربیت کر رہی ہے، مسلمان دنیا کی غالب اکثریت ہونے کے باوجود غربت کا شکار ہے اور اسلام مخالف طاقتیں اسی غربت کا فائدہ اٹھا رہی ہیں، وہ مسلمانوں کو خون سے ایک نئی تاریخی تربیت دینا چاہتی ہیں۔

خون ریزی اور جنگ سے دنیا کو ایک ہی صورت میں نجات مل سکتی ہے کہ دنیا میں امن و سکون کے حوالے سے وجود میں آنے والی بڑی تنظیموں بالخصوص اقوام متحدہ کو غیر جانب دار اور طاقتور بنانا ہوگا، یا اس کے آئین اور ضوابط کو از سر نو مرتب کرنا ہوگا۔ اقوام متحدہ کے بے اثر ہونے کے سبب ہی خلیج کی جنگ ہوئی اور اس سے شہہ یا کرامریکہ جیسی طاقتور حکومت اقوام متحدہ کو بھی اپنے زیر اثر لانا چاہتی ہے، یہ بہت ہی Alarming صورت حال ہے۔ کیا دنیا کے پاس اس سوال کا کوئی جواب ہے کہ امریکہ مہلک سے مہلک ہتھیار تیار کر لے اور جس ملک کو چاہے دے دے اور وہ جس طرح چاہے اس کا استعمال کرے، مگر امریکہ کے علاوہ اگر کوئی اور ملک جوہری توانائی حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ نہیں کر سکتا؟ جب تک امریکہ نہ چاہے، میرا خیال ہے یہی اس سوال کے لیے متوازی سوال ہے، جس میں ان تمام پہلوؤں کے جوابات موجود ہیں۔

حالات و واقعات تو اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ امریکی اقدامات سے دہشت گردی میں کمی آئی ہے بلکہ دہشت گردی میں اضافہ ہوا ہے۔ دہشت گردانہ کارروائی کے جرم میں امریکہ نے جن ممالک کو نشانہ بنایا ہے، دہشت گردی کے فروغ میں ان ممالک کا کبھی کوئی رول نہیں رہا، غربت اور افلاس کے شکار لوگ وقتی طور پر اپنے ملک کے امن کے لیے تو خطرہ بن سکتے ہیں امن عالم کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا، امریکی امن پالیسی فریب نظر ہے، امریکی جارحیت نے خون ریز تصادم کو بنیاد فراہم کیا ہے۔ امریکہ طاقت کی بنیاد پر ساری دنیا کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔ اس کا یہی انداز حکمرانی دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے۔

امریکہ جنوں فکر کو خود تصور کرتا ہے۔ امریکی پالیسی کے نتیجے میں دنیا مسلسل خطرات کی طرف بڑھ رہی ہے۔

دہشت گردی کا جواب کبھی دہشت گردی سے نہیں دیا جاسکتا۔ اگر امریکہ دہشت گردی ختم کرنے میں غفلت ہوتا تو افغانستان اور عراق میں انسانیت کش جنگ کے بجائے گفت و شنید کے ذریعے ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا اور یہی مناسب ترین طریقہ بھی تھا اور دنیا کے سب سے طاقتور ملک ہونے کے ناطے یہی اس کا فریضہ بھی تھا مگر اس نے صلح کی بجائے دہشت کا راستہ اختیار کیا، آج امریکہ اپنی طاقت کی دہشت سے دنیا کو اپنے جنگل میں رکھنا چاہتا ہے اس لیے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ کی دہشت گرد مخالف پالیسی اور جنگ ہی دہشت گردی کو پھیلا رہی ہے۔

آج دنیا کو امریکہ کے جنگل سے بچانا اتنا آسان نہیں ہے کیونکہ امریکہ نے جس طرح سے مفادات کے ٹکراؤ کی پالیسی کے تحت مختلف ممالک کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے، اس سے ٹکنا دلدل کی مانند ہے کہ کوشش کے ہر قدم کے ساتھ آپ دلدل میں دھنستے جائیں گے، اس کی مثال جنوبی ایشیاء بالخصوص پاکستان کو دیکھیں کہ وہ چاہ کر بھی امریکہ سے نجات حاصل نہیں کر سکتا، ٹھیک ہے اسی طرح اور بھی خطے ہیں جہاں امریکہ نے اپنے جال پھیلا رکھے ہیں۔ اس کی واحد صورت یہ ہے کہ یورپین یونین کی طرح جنوبی ایشیاء متحدہ ہو جائے اور وہ ترقی یافتہ ممالک جو امریکہ کے سامنے کم از کم آنکھ ملا کے کھڑے ہو سکتے ہیں ان کو امریکہ کے بجائے متوازی طاقت و قوت بنانے کی طرف راغب کیا جائے یا یوں کہیں کہ جب تک امریکہ کے مد مقابل کوئی دوسری طاقت کھڑی نہیں ہوگی دنیا کو امن و سکون نہیں مل سکتا۔

کیا خبر تھی کہ لیکر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

دنیا میں جب تک اسرائیل کا وجود ہے، دہشت گردی کا خاتمہ ناممکن ہے

اس کی جڑیں تو کہیں اور سرایت کی ہوئی ہیں،

ڈاکٹر رضاء الرحمن عاکف

میرے نزدیک دنیا کو دہشت گردی سے بچانے کا سب سے آسان اور موثر طریقہ یہی ہے کہ انسانوں کے درمیان پنپ رہی نفرت اور بغض و عناد کو ختم کیا جائے، ان کے اندر پیار و محبت کی فضا قائم کی جائے اور مختلف ناموں سے قائم نفرتوں اور عداوتوں کا خاتمہ کیا جائے، اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام مذاہب کے ماننے والوں کے جائز حقوق تسلیم کیے جائیں اور کسی بھی مخصوص مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ کسی طرح کا امتیاز و تعصب نہ برتا جائے، اس طرح ہم لوگوں کے دلوں سے ایک دوسرے کے تحین پائی جانے والی نفرت دور کر سکتے ہیں اور انہیں قریب لا کر پیار و محبت کی فضا ہموار کر سکتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ جب سبھی کو ان کے حقوق ملتے رہیں گے، پیار و محبت قائم رہے گا تو پھر دہشت گردی کا وجود ہی کیوں کر باقی رہ جائے گا؟ حقائق بتاتے ہیں کہ دہشت گردی کے جاری رہنے کی اصل وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک مخصوص کمیونی کے لوگوں کو بڑی طاقتوں کے ذریعے امتیاز و تعصب کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، انکے حقوق سلب کیے جا رہے ہیں، ان کو ہراساں کیا جا رہا ہے جس سے تنگ آ کر وہ دہشت گردوں کا آلہ کار بن جاتے ہیں۔

(۱) دنیا کا کوئی بھی شخص، جماعت یا ملک ابھی تک دہشت گردی کا صحیح مفہوم و معنی متعین کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے، یہاں پر اتنا کہہ دینا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ دہشت گردی دراصل ہمارے عہد کا وہ خطرناک و مہیب المیہ ہے جس کا مفہوم وجوہات اور حدود متعین کرنے میں ابھی تک پوری دنیا مکمل طور پر ناکام نظر آرہی ہے۔ رہا یہ سوال کہ حق کی جنگ سے اسے کس طرح ممتاز کیا جاسکتا ہے؟

تو اس سلسلہ میں تو یہی عرض کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ ابھی تک اس کا صحیح مفہوم متعین نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پوری طرح ہم سمجھنے سے قاصر ہیں، تو جب تک یہ واضح نہیں ہو جاتا کہ دہشت گردی کیا ہے؟ تب تک اس سوال کا صحیح و مکمل جواب دیا ہی نہیں جاسکتا، اور پھر اس سوال سے یہ بھی واضح نہیں ہو پا رہا ہے کہ آپ حق کی جنگ کسے مانتے ہیں، کیونکہ ہر ایک جنگ کرنے والا یوں تو خود کو حق پر ہی مانتا ہے، اور اس کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہی حق پر ہے اور اس کا مقابل باطل پر ہے، اس طرح موجودہ دہشت گردی کو نہ تو حق و باطل سے جوڑا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس سے اسے ممتاز ہی کیا جاسکتا ہے۔

(۲) جیسا کہ پہلے کہا جاسکتا ہے کہ ہم ابھی تک دہشت گردی کو کسی بھی جنگ کے تناظر میں دیکھنے میں ناکام رہے ہیں، یہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ دنیا میں مختلف ممالک میں برسرِ اقتدار طاقتوں کے خلاف جو مزاحمت ہو رہی ہے وہ ان مزاحمت کاروں کے اس عمل کو ”دہشت گردی“ کا نام دے رہے ہیں اور بین الاقوامی طور پر بھی انہیں مزاحمت کاروں کے عمل کو ہی دہشت گردی کہا جا رہا ہے، اس طرح کسی بھی متاثرہ ملک کو دیکھ لیجئے کہ وہاں قائم اقتداروں کے خلاف جو گروپ، جماعتیں یا افراد برسرِ پیکار ہیں انہیں ہی دہشت گرد کہا جا رہا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ معیار درست نہیں، کیونکہ آج ایسے بھی بہت سے اقتدار وجود میں ہیں جنہیں دنیا کی بڑی طاقتوں کے سہارے ان کے عوام کے خلاف ان پر تھوپ دیا گیا ہے، اور کچھ غیور، جوان مردان ان کے خلاف برسرِ پیکار ہیں تو انہیں دنیا جو کہے، ہم تو دہشت گرد نہیں کہہ سکتے، ہمارے نزدیک تو دہشت گرد وہی ہیں جو دوسروں کے گھروں پر حکمرانی کرنے کا گناہ کر رہے ہیں، ان کی آزادی کو چھین رہے ہیں، اور پوری خود ساختہ حکومتیں ان پر تھوپ رہے ہیں۔

(۲) دہشت گردی کے واقعات کو اسلام سے جوڑنا تو دراصل اس منصوبے کی سب سے بنیادی کڑی ہے اور اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ اصطلاح وضع ہی اس وجہ سے کی گئی ہے کہ اس کے سہارے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام و رسوا کیا جائے، اس سلسلے میں اگر تھوڑا سا غور و فکر کیا جائے تو حقائق بہت جلد ہی عیاں ہو جاتے ہیں اور پوری طرح یہ بات سمجھ

س آ جاتی ہے کہ دہشت گردی کے سلسلے میں اس وقت پوری دنیا کے عزائم کیا ہیں؟ اور وہ دہشت گردی کا نام لے لے کر اپنے کون سے اہداف پورا کرنا چاہتی ہے اور دنیا میں وہ کون سی جماعت یا کمیونٹی ہے جس پر دہشت گردی کا لیبل لگا کر اقوام عالم سے اس کو الگ تھلک کر دینے کی مذموم سازش کی جا رہی ہے۔

ظاہری بات ہے کہ چونکہ یہ اسلام کے خلاف باطل پرست طاقتوں کا ایک گھٹاؤنی اسکیم ہے، لہذا مسلمانوں کو ہرگز ہرگز اسے تسلیم نہیں کرنا چاہیے، اور اس کے سد باب کے لیے ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے، خواہ اس کے لیے عالم اسلام کو متحدہ پلیٹ فارم قائم کرنا پڑے، یا عالمی طاقتوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی جائے، بہر حال ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں پر چسپاں کیے جا رہے ہیں۔ ”دہشت گردی“ کے اس الزام کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے اور پوری شد و مد اور صلاحیت و طاقت کے ساتھ اس الزام کو مسترد کر دینا چاہیے۔

(۴) یہ بات تو پوری طرح طے شدہ ہے کہ ابھی تک دہشت گردی کو پوری طرح سمجھا ہی نہیں جاسکا ہے، نہ تو اس کے معنی ہی متعین ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اس کا مفہوم طے کیا جاسکتا ہے، اس وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ جو اصل دہشت گرد ہیں بڑی طاقتوں کی پشت پناہی کی بنا پر وہ تو تادیبی کاروائیوں سے بچ جاتے ہیں اور کمزور اور مظلوم لوگوں پر یہ بجلی گر کر ان پر قہر ڈھا جاتی ہے، اسی وجہ سے نہ تو اصل دہشت گردوں کو سزا مل پاتی ہے اور نہ ہی دہشت گردی کا سد باب ہو رہا ہے، اس خوف سے دنیا کو چھٹکارا دلانے کا آسان اور قابل فہم طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ پہلے دہشت گردی کو سمجھا جائے، اس کے سونے کہاں سے پھوٹ رہے ہیں؟ اس کی جڑیں کہاں پر ہیں؟ اور کون سی طاقتیں اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں؟ غرض کہ ان سبھی باتوں کو پوری طرح سمجھنا لازم ہے۔ تب ہی ہم دہشت گردی کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اس کی جڑیں کاٹ سکتے ہیں اور اس کی بنیادیں ہلا سکتے ہیں۔

(۵) دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے آسیب اور اس کا دن بدن مضبوط و طاقتور ہونا آپ کے اس سوال کا اصل جواب ہے، تاہم اس موقع پر ہم تو یہی کہنا چاہتے ہیں کہ چونکہ امریکہ کبھی بھی دہشت گردی کے تعلق سے سنجیدہ ہی نہیں ہوا۔ نہ ہی اس نے دہشت

گردی کو صحیح مفہوم دیا نہ ہی اس کے حقیقی مرتکبین کو یہی واجب سزائیں دی، بلکہ اس نے تو ایک سوچی سمجھی اسکیم اور اپنے صہیونی پلان کے مطابق مسلم ممالک پر دہشت گردی کا لیبل لگا کر ان کے خلاف سخت تادیبی کارروائیاں کیں، وہاں کے معصوم عوام پر ناطقہ حیات بند کر دیا اور وہاں کے اقتداروں کو اپنے آلہ کاروں کو منتقل کر دیا، اس نے دہشت گردی کے اصل محرک اسرائیل کو مکمل پشت پناہی میں رکھا۔ معصوم و مظلوم فلسطینیوں پر ہور ہے، اسرائیلی مظالم کو ہمیشہ ہی نظر انداز کیا اور فلسطین کی سر زمین پر ظالم و غاصب اسرائیلی حکومت قائم کر کے مشرق وسطیٰ میں دہشت گردی کا ایک ایسا سلسلہ قائم کیا جس نے نہ صرف خطے کے امن و امان کو ہی تہہ و بالا کر ڈالا بلکہ پوری ہی دنیا میں نفرت اور قتل و غارت گردی کی آگ سی لگا دی۔

جہاں تک امریکہ کی انسداد دہشت گردی کی مہم کا سوال ہے تو یہاں کہ امریکہ اور اسکے ہمنواؤں سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا اس نے دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد اسرائیل پر کبھی اخلاقی، اقتصادی یا سیاسی دباؤ ڈالا کہ وہ فلسطین کی غصب کردہ زمین خالی کر دے؟ کیا ان ظالم فوجیوں کی خلاف کوئی تادیبی کارروائی کی جن کی بند و قید معصوم و بے گناہ فلسطینیوں کے سینوں کو چھلی کرتی رہی ہیں؟ کیا اس نے دہشت گردی کے اصل مرکز تل ابیب کے خلاف کوئی اقدام کیا؟ جہاں پر معصوم فلسطینیوں پر ناطقہ حیات بند کرنے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں، عالم اسلام کو غیر مسلم کرنے کی سازشیں رچی جاتی ہیں۔ یہاں ہم صاف اور واضح طور پر اسرائیلی کو دہشت گرد کہنے پر اس لیے مجبور ہیں کہ اس کا قیام، اس کے منصوبے اس کی سازشیں اس کی جارحانہ کارروائی مسلمانوں اور امن پسند لوگوں کی خلاف گھنونی سازشیں، کیا یہ سب اس کے دہشت گرد ہونے کی شہادت نہیں؟ اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بہ جانب ہیں کہ دنیا میں جب تک اسرائیلی کا وجود ہے دہشت گردی کا خاتمہ ممکن نہیں، غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ صاف سی بات ہے کہ دہشت گردی ان سے نہیں بلکہ دہشت گردی تو جڑی ہوئی ہے اسرائیل سے اور امریکہ سے۔

اس تمام تفصیل کی روشنی میں ہم یہ کہنے پر حق بجانب ہیں کہ دہشت گردی کا اسلام اور

مسلمانوں سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں، دہشت گردی کا اصل مرکز مجبور اسرائیل ہی ہے، جو اپنی خطے میں ایک مضبوط ایٹمی طاقت بنا بیٹھا ہے، اور امریکہ کو مسلم ممالک کے خلاف بھڑکا رہا ہے کبھی اس کے نشانے پر افغانستان تھا، کبھی عراق اور اب وہ ایران اور پاکستان ہے کے خلاف اپنے خونی پنجے سیدھے کر رہا ہے اور ایٹمی ہتھیاروں کا نام لے لے کر صہیونی د سامراجی ممالک کو اس کے خلاف صف آرا کر رہا ہے۔ اس عالمی سیاسی تناظر میں ہم دنیا کے تمام انصاف پسند ممالک سے کہنا چاہتے ہیں کہ وہ امریکہ و یورپ کے ناپاک سازشوں کو سمجھیں اور انسداد دہشت گردی کے نام سے فروغ دی جانے والی اس صہیونی دہشت گردی سے دنیا کو بچائیں، اگر اب بھی پس ماندہ ممالک اور تیسری دنیا نے طاقتور ممالک کے خلاف صف آراء ہونے کی ضرورت محسوس نہ کی تو یقیناً اس دہشت گردی کی زد میں کوئی مخصوص ملک ہی نہیں آئے گا، بلکہ دہشت گردی کی یہ آگ دنیا کے ہر ایک ملک کو جلا کر خاکستر کر دے گی اور دنیا امن و امان کو ترستی رہ جائے گی۔



”ایسی سنگین صورت حال میں اس بھیا نک خوف و خوں ریزی سے دنیا کو آزاد کرانے کا کوئی قابل فہم فارمولا اور نسخہ کیسیا ہے، تو وہ صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے“

ڈاکٹر غلام جابر مصباحی

(۱) وہ جنہوں نے دہشت گردی پیدا کی ہے، یا دہشت گردی کا ہوا کھڑا کیا ہے، تا حال ان کی طرف سے کوئی ”جامع تعریف“ ہوئی ہے، نہ اس کا ”واضح مفہوم“ متعین کیا گیا ہے۔ دہشت گردی کی واضح تعریف اور قطعی و حتمی معنی و مفہوم کا تعین نہ ہونے کے باوجود اس کے ذکر سے پوری دنیا گونج رہی ہے اور جو تعریفیں سامنے آرہی ہیں، گویا سب

قیاسی ہیں، تاہم نتائج تک پہنچنے میں بہت حد تک مدد مل جاتی ہے، آسان اور کم لفظوں والی چند تعریضیں یہ ہیں۔

☆ دہشت گردی دفعتاً پر تشدد حملے کا نام ہے۔

☆ جدید وحشیانہ پن کو دہشت گردی کہتے ہیں۔

☆ دہشت گردی دراصل سیاسی تشدد کی ایک شکل ہے۔

☆ طاقت کا غیر قانونی و غیر اخلاقی استعمال اور غیر آئینی جبر و استبداد خواہ حکومت

کرے یا غیر سرکاری لوگ، دہشت گردی کہلاتا ہے۔

☆ دہشت گردی کسی مقتدر طاقت سے ایسی کشمکش کا نام ہے جو گوریل جنگ، روایتی

جنگ اور انقلابی جنگ سے مختلف ہے۔

☆ دہشت ایک گہرا اور مسلط ہو جانے والا خوف ہے۔ دہشت گردی کی مختلف شکلیں

ہیں، نئے رنگ و روپ ہیں، ان میں قدر مماثلت بھی ہے، مثلاً چند صورتیں یہ ہیں۔

☆ طاقت ور افراد کی دہشت گردی۔

☆ جاہلانہ مذہبی جنون کی دہشت گردی۔

☆ قوم پرستی و نسل پرستی کا جنون و تشدد۔

☆ اعلیٰ ترین ٹیکنالوجیکل سطح کی دہشت گردی۔

☆ مذہبی کٹر پتھیوں کی دہشت گردی۔

☆ سرمایہ دارانہ کٹر پتھی

☆ دولت و اقتدار کی حرص و ہوس والی دہشت گردی

☆ وردی پوش پیشہ وارانہ دہشت گردی۔

دہشت گردی کی تعریف ہو، شکل و صورت ہو، اس میں جو بات قدر مشترک ہے، وہ

ہے حیات انسانی کی ہلاکت و بربادی اور تحقیر و تذلیل، تاریخی اعتبار سے لفظ دہشت گردی یا

دہشت گرد کا جو سب سے پہلے استعمال ہوا ہے، وہ فرانسیسی حکومت کے عہد دہشت کے لیے

ہے، اس کا دورانیہ مارچ ۱۷۹۳ء تا جولائی ۱۷۹۴ء ہے، حکومت مخالف سرگرمیوں کے

اظہار کے لیے دہشت گردی کا لفظ ۱۸۶۶ء میں آئرلینڈ اور ۱۸۸۳ء میں روس کے حوالے

سے تحریری شکل میں آیا۔ سن تیس سے چالیس کی دہائیوں میں زیر زمین کام کرے والے

یہودیوں کو دہشت گرد کہا جاتا تھا۔

دہشت گردی کی تعریف و ہیبت اور تاریخی پس منظر کا منظر غائر تجزیہ کریں، تو تقریباً

پانچ نکات کا جواب تلاش کرنا چنداں مشکل نہیں دنیا کے مختلف خطوں میں جو حکومتی یا غیر

حکومتی جنگیں، خواہ وہ خفیہ ہوں یا اعلانیہ ہو رہی ہیں، ان میں دہشت گردی کی جنگ کوئی ہے

اور حق کی جنگ کون؟ سوال میں لفظ ”حق“ سے مراد اگر اسلامی جنگ ہے، تو اسلامی جنگ کو

دہشت و دہشت تشدد اور جبر و استبداد سے کیا علاقہ؟ اسلامی جنگ کی جو قیود و شرائط اور

اسلامی حدود و تعزیرات کا محکم اور پر حکمت اصول و آئین ہے، اس پر شاہد عدل ہیں، شرط یہ

ہے کہ ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے اور اگر یہ مرا نہیں، تو چونکہ حق کا معیار متعین نہیں ہے،

اس لیے دونوں میں امتیاز مشکل ہے، جو قوم یا گروہ برسرِ پیکار ہے، وہ حق ہی کا دعویدار ہے،

چاہے وہ سی آئی اے ہو، یا آرائس ایس ہو، اس لیے کہ ایک شخص کے نزدیک جو دہشت گرد

ہے، وہ دوسرے کے نزدیک حریت و آزادی کا ہیرو ہے، جب ۱۹۸۰ء کے عشرے میں

ڈاک چیچی جیسے سیاست دان نیلسن منڈیلا کو دہشت گرد قرار دے رہے تھے کہ اسی وقت

امریکی حکومت اسامہ بن لادن کی پیٹھ تھپ تھپا رہی تھی، جرمن سائنس دان ورنروان براؤن

ٹرتھا، جب اس نے دی راکٹ ایجاد کیے، جو ہٹلر لند پر برسا دے مگر اس دن وینر مجسم میں

تبدیل ہو گیا جب اس نے اپنی مہارت امریکہ کی خدمت میں پیش کر دی، یا سر عرفات اور

سدام حسین کا لبادہ خیر و شر میں تبدیل کیا جاتا رہا، خود ہمارے ملک میں زیندہ رمودی اور اس

جیسے لوگ خیر و شر کی متضاد سے متصف ہیں غرض حق کا پیمانہ کیا ہے؟

(۳) یہ الزام ہمیں تسلیم نہیں، اس میں یقیناً بدترین تحریک کار قوموں کا غیر محسوس ہاتھ

اگر فرما ہے، جو اسلامی حقانیت و صداقت ظاہر ہونے کے باوجود، نہ اسے بہ صدق دل قبول

کرتی ہیں، نہ نچلے بیٹھنا چاہتی ہیں، کیونکہ وہ اپنی سرشت کے اعتبار سے بدقماش واقع ہوئی ہیں گوارا کہاں کہ فضا میں امن دشمنی اور صلح و آشتی بحال رہے۔ دراصل یہی انسانیت کش قوتیں تمام فساد فی الارض کی ذمہ دار ہیں۔ جیسے طالبان.....

بالفرض اگر ہم مان لیں کہ بعض ضمنی و جزوی واقعات و واردات میں کچھ مسلم نوجوان ملوث ہیں تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں، دنیا صرف واقعات کو یاد رکھتی اور دہراتی ہے اس کے اسباب و عوامل کیا ہیں، ان پر حقیقت پسندانہ و ہمدردانہ نظر نہیں ڈالتی، مرض اور علامات مرض ختم کیے بغیر صحت و تندرستی کا تصور دیوانہ پن ہے، نتائج کی ہلاکت خیزی سے پہلے اسباب و محرکات کا خاتمہ از بس ضروری ہے۔ اس کے بناء وحشیانہ دہشت گردی کے خاتمہ کا خیال ایسا ہی ہے جیسے دریا کی سرکشی پر شور موجوں پر شیش محل تعمیر کرنا، پھر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ان دہشت گرد بنایا کس نے؟ دہشت گردی کی گڑ اور آلات دہشت گردی فراہم کیے کیس نے؟ خود امریکی و یورپی حقیقت بین تجزیہ نگار ان اس بات کا اعتراف کرتے ہیں، ایک مغربی مبصر نے یوں لکھا ہے۔

”طیش کو مٹانے کے بجائے بھڑکانے کی یہی کوششیں ہیں جو دہشت گردی کو پیدا کرتی ہیں، نفرت اور انتقام ایک ساتھ باہر آجائے تو وہ واپس جا کر اپنے صندوق میں بند ہونے کو تیار نہیں ہوتا۔ دہشت گرد یا اس کے حامی کے ہلاک ہونے کے نتیجے میں اس بات کا خاص امکان موجود ہے کہ اس کی جگہ مستقبل میں کئی دہشت گرد پیدا ہوں گے، یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ مار کھاتے کھاتے ایک انسان جب تھک چکا ہوتا ہے تو پھر اس کے اندر نفرت و انتقام اور عداوت و بغاوت کا وہ آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے کہ وہ کچھ کر گزرنے کو آمادہ ہو جاتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ اسے اس آمادگی پر کس نے اکسایا، یہی وہ نقطہ سمجھنے کا ہے۔

(۴) اس میں دورانے نہیں کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر مذہب کچھ نہ کچھ اخلاقی اصول ضرور رکھتا ہے لہذا اگر وہ ان اخلاقی قدروں کی پاس داری کرتا ہے تو کسی حد تک خوف

دن ریزی کے منحوس سایہ سے بد دنیا محفوظ ہو سکتی ہے مگر ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ دنیا کی ہر قوم نے اپنے مذہب اور مذہبی تعلیمات کو بھلا دیا ہے، اور اپنے وضع کردہ من مانی نفس پرست اصولوں کو اپنالیا ہے۔ درحقیقت ابلیس لعین نے بڑی چالاکی سے انہیں ان کے مذہب سے آزاد کرا کر اپنی اطاعت میں لگا لیا ہے اور وہ خود اپنی زمین میں جا بیٹھا ہے۔ اب اصل شیطان ہے کہاں وہ تو بہت پیچھے چلا گیا اور اس کے لاتعداد جانشین اپنی اپنی سرکشی پر غم لوگ کر تلا اور تباہوا کھڑا ہے۔ ایسی سنگین صورت حال میں اس بھیانک خوف و خوں ریزی سے دنیا کو آزاد کرانے کا کوئی قابل فہم فارمولہ اور نسخہ کیمیا ہے، تو وہ صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے، اس لیے اسلام کے خمیر میں امن شامل ہے۔ اس نے اپنے دور اقتدار میں اس کا مظاہرہ بھی کر دکھلایا ہے تاریخ شاہد ہے لیکن سوال میں ”قابل فہم“ کی قید سے یہ فارمولہ بلاشبہ دوسری اقوام کے لیے ”نا قابل فہم“ ٹھہراتا ہے، جب تک یہ فارمولہ نا قابل فہم بنارہے گا، فساد و بربریت اور قتل و خوں ریزی کا ناسور ستارہ ہے گا، اور جس دن یہ قابل فہم قرار پائے گا اسی دن دنیا امن و امان کا لہلہاتے لالہ زار میں بدل جائے گی۔

(۵) اولاً اس نکتہ کا جواب قریب قریب وہی ہے جو تیسرے نکتہ میں گزرا، ثانیاً امریکہ جو جنگیں لڑ رہا ہے، وہ دہشت مخالف ہیں کہاں وہ تو سر تاپا دہشت گردی کی جنگیں ہیں، یا دہشت موافق رہی بات دہشت گردی کو ختم کرنے یا بڑھاوا دینے کی تو خود امریکن و یورپین مبصرین کے لفظوں میں جواب یہ ہے، یہ بات ہم امریکیوں کی سمجھ میں کب آئے گی کہ جب تک ہم دنیا کو اپنے ہی مفادات کی غرض سے چلاتے رہیں گے، ہمیں کسی نہ کسی انتقام کا نشانہ ضرور بننا پڑے گا جب تک ہم اپنے انداز کی دہشت گردی چلاتے رہیں گے اس وقت تک کوئی جنگ بھی دہشت گردی کو ختم نہیں کر سکتی، دہشت گردی کے خلاف جنگ نفرت کی آگ کو مزید بھڑکائے گی کیونکہ دہشت گردی کی جنگ میں عراقی و فلسطینی عوام اور دنیا بھر میں ظلم و تشدد اور جبر و استحصاں کے شکار لوگ امریکہ کی نظروں سے اوجھل ہیں، دہشت، تشدد، اذیت اور دہشت گردی کے اسلحہ و آلات استعمال کرنے والی حکومتوں کی دو تہائی تعداد امریکہ کی گاہک ہیں، صرف ۱۹۹۳ء سے ۱۹۹۷ء تک امریکی حکومت نے روئے زمین

اسلام اور دہشت گردی

دو متضاد حقیقتیں

دہشت گردی اور اسلام دو ایسے لفظ ہیں جن کا آپس میں دور کا بھی کوئی تعلق نہ ہونے کے باوجود کئی دہائیوں سے باہم جڑے ہوئے ہیں اور اس ذیل میں اسلام پر میڈیا کی بڑی مہربانیاں رہی ہیں، میڈیا ہمیشہ سے یہ محسوس کرتا رہا ہے کہ اسلام اور دہشت گردی کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اب اس غلط فہمی کے لیے ہم اپنی کوتاہیوں کو مورد الزام قرار دیں یا پھر میڈیا کے افراد کی تن آسانی اور ان کے اندر تفتیش و تحقیق کی بھرمانہ حد تک کمی کو، یا پھر ہم یہ مان لیں کہ میڈیا خاص نقطہ نظر کے ساتھ تجاہل عارفانہ برتتے ہوئے ان الفاظ کو باہم جوڑ کر پیش کر رہا ہے، اور اس کے پس پردہ جو فکر کام کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کو یہ باور کرا دیا جائے کہ اسلام امن و آنتی کا مذہب نہیں بلکہ دہشت گردانہ سرگرمیوں کا مصدر و منبع ہے۔

اور اسلامی تعلیمات کے اندر ہی کچھ ایسی باتیں ہیں، جو اس کے پیروکاروں کو دہشت گردانہ اعمال کی انجاء دہی پر اکساتی ہیں، حقیقت حال جو بھی ہو لیکن اتنا تو مسلم ہے کہ اس حوالے سے مختلف تحریکوں، تنظیموں اور جہادی آؤٹ فٹ کی سرگرمیاں اخباروں کی شہ سرفی بنتی رہی ہیں، انہی تنظیموں میں ایک مشہور و معروف نام اسٹوڈنٹ اسلامک موومنٹ آف انڈیا (Simi) کا بھی ہے۔

۲۰۰۱ء میں پابندی کے بعد یہ تنظیم منظر نامے سے بالکل ہی غائب ہو گئی تھی اور پھر گاہے بگاہے اس کی سرگرمیوں کے تعلق سے بعض معمولی قسم کی خبریں آتی رہیں، لیکن میری حیرت کی انتہا اس وقت نہ رہی جب میں نے ملاحظہ کیا کہ انگریزی میگزین فرنٹ لائن کے ۲۱ دسمبر ۲۰۰۷ء کے شمارے میں کورا سنوری (Cover Story) کا کالم سیمی کی نشوونما اور

پر عمل پیرا قوم کو ایک سو نوے ارب ڈالر کا اسلحہ فروخت کیا، یا منظور دی، یا بلا قیمت بائیں (۱) افغانستان میں طالبان کے پاس جو جدید اسلحہ ہے وہ بھی امریکہ ہی کی مہربانی ہے، جو آج مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ طالبان اگر دہشت گرد ہیں تو ان کو بنایا کس نے؟

تناسب کے اعتبار سے امریکہ دنیا کے کسی بھی ملک سے زیادہ قاتل پیدا کرتا ہے، آئی اے وہ امریکی ادارہ ہے جو ملک کے اندر بہت کم اور ملک کے باہر بہت زیادہ کام کر رہا ہے، خوفناک اور روح فرسا حادثات و سانحات سے اس کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

دنیا کا یہ واحد ترین مادر پدر آزاد ملک ہے جو تھکنے کا نام نہیں لیتا، اب سوال یہ ہے کہ امریکی جنگ جو نیا نہ پالیسی سے دنیا کو کیسے بچایا جائے بلفظ دیگر اس شتر بے مار کو کیل کیسے پہنائی جائے، اقوام متحدہ جو اپنی اہمیت کھو کر محض ایک بے اثر مخفف U.N.O کی شکل میں رہ گئی ہے اس کی بچا رگی بھی ڈھکی چھپی نہیں، یہ ایک ایسا سوال ہے جو اقوام عالم کو پھر سے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، بقول مغربی مفکرین کے مغرب کے جنگی نعرے قوم پرستانہ تقریریں اور تیز و تند طوفانی فوجی حملے اکثر اپنا الٹ ہی رخ اختیار کرتے ہیں، افہام و تفہیم میں اضافے کے بجائے مغرب کے کئی حالیہ اقدامات، رویے اور پالیسیاں بڑی تیزی کے ساتھ دنیا کو امن سے دور لے جا رہی ہیں، امریکہ کیا، جو بھی طاقت برسر اقتدار آئے گی، دہشت و وحشت کی یہ گرم بازاری ایسی ہی جاری رہے گی جیسے کمہار کا چاک، ہاں اسلام کا نظریہ امن و مساوات ہی دنیا کو امن و سکون سے ہمکنار کر سکتا ہے، طالبان والا اسلام نہیں، اللہ رسول اور مسلمانوں والا اسلام امن سکون کا ذمہ دار ہے۔ سوائے اس کے اور کوئی حل نہیں۔

☆☆☆

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

ہندوستان میں اسلام پسندوں کی بنیاد پرستی کے ارتقائی جائزہ کی نذر ہے، یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ میگزین ”کورا سنوری“ کے تحت نہایت اہم موضوعات کا مختلف زاویوں سے جائزہ پیش کرتی ہے، بہر حال ۱۶ صفحات پر مشتمل اس کالم میں تین مضامین شائع ہوئے ہیں۔ Terror Links (دہشت کے رشتے) کے عنوان سے شائع مضمون میں مضمون نگار پروین سوامی کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ۲۰۰۱ء میں اگرچہ اس تنظیم پر پابندی عائد کی جا چکی ہے لیکن اب بھی یہ ہندوستان کے ریڈیکل اسلام پسندوں کے لیے سب سے بڑا پلیٹ فارم ہے اور اب تک ملنے والی شہادتوں سے یہی پتا چلا ہے کہ ۲۳ نومبر ۲۰۰۷ء کو وارانسی، فیض آباد اور کھنوی میں ہوئے، سلسلہ وار بم دھماکوں اور آندھرا پردیش، گجرات اور اتر پردیش میں ہوئے کم از کم ایک درجن بم دھماکوں میں اس کا ہاتھ ہے، تنظیم اسلام پسندوں کے تشدد کے لیے ایک بنیادی پلیٹ فارم کے طور پر معرض وجود میں آئی تھی۔ حیران کن بات یہ ہے کہ اس کی تاریخ بنم کے ساتھ اس کے لواغیر کاراز ہنوز غیر واضح ہے۔

جنوبی ایشیاء کی دوسری تنظیموں کی طرح یہ تنظیم بھی فکری طور پر ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی خوشہ چین ہے جنہوں نے ۱۹۳۱ء شریعت اسلامیہ پر مبنی نظام حکومت کے قیام کے لیے جدوجہد کی غرض سے جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی تھی۔ لیکن جماعت اسلامی گزرتے ایام کے ساتھ ایک ایسی ثقافتی تنظیم میں تحلیل ہو گئی جس کا مطمح نظر مسلمانوں کے مابین Neo Coservative اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہے، پورے ملک میں اس نے ایسے اسکولوں اور اسٹڈی سرکل کا جال بچھا رکھا ہے جس کا ہدف آزادی کے بعد کمیونزم اور سوشلزم

مسلمانوں کے مابین بڑھتے اثرات پر بند باندھنا ہے، ۱۹۵۶ء میں اس کی ایک طلبہ وفد SIO کے نام سے قائم ہوئی جس کا ہیڈ کوارٹر علی گڑھ تھا۔ لیکن چونکہ شمالی ہندوستان کے مسلمان فرقہ وارانہ فسادات کے متاثر ہوئے تھے اس لیے جماعت کے تشددانہ نظریات قبولیت عام کا درجہ نصیب نہیں ہوا اور منطقی نتیجے کے طور پر جماعت نے آہستہ آہستہ

مودودی صاحب کے پر تشدد نقطہ نظر سے بریک آپ کر کے سیکولرزم کو اپنی نئی معشوقہ بنالیا، جمیعت اسلامی کے اصلاح پسند طبقے اور سخت گیر نظریہ کے حاملین کے مابین فکری ٹکراؤ کے نتیجے میں اپریل ۱۹۷۷ء میں SIO کے لمبے پریمی کی داغ بیل پڑی اور پھر آندھرا پردیش، مغربی بنگال، بہار اور کیرالا کی ان طلبہ تنظیموں سے رابطے قائم کیے گئے جو جماعت کے ہم نوا تھیں، اسی دوران دوسری بہت سی چھوٹی چھوٹی تنظیمیں منظر عام آئیں لیکن ان کا دائرہ بہت محدود رہا جب کہ سبکی کا حلقہ اثر پورے ہندوستان میں وسیع ہو گیا، مغرب سے چلنے والا اسلام مخالف تندہ و تیز استعماری جھونکوں نے اسے اور مضبوط بنانے کا کام کیا، سوویت یونین میں لڑنے والے امریکہ سے شہ یافتہ مجاہدین کی تنظیموں نے حمایت کرنی شروع کر دی اور کھلے بندوں یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام ہی کے دامن میں ساری دنیا کے مسائل کا حل ہے، ان حالات سے خوف زدہ ہو کر جماعت اسلامی قیادت نے اپنے آپ کو اس سے الگ کرنے کی کوشش کی لیکن اندرون خانہ دوستانہ تعلقات میں کوئی کمی نہیں آئی ۱۹۸۲ء کے بعد اس کے حامیوں کا حلقہ اور بھی وسیع ہو گیا، مغربی ایشیا کی مختلف تنظیموں مثلاً کویت کی ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم یوتھ، سعودی عرب کی اسلامک فیڈریشن آف اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن کی جانب سے داد و تحسین ملی اور ان ممالک سے بے اندازہ رقم کی آمدنی کے نتیجے میں اس نے انگریزی، اردو، ہندی میں ”اسلامک مومینٹ“ گجراتی میں ”اقرا“ بنگالی میں روپن تارز (Rupantar) تامل میں سیدی مالار (Seidi Malar) اور ملیالم زبان میں ویوکم (Vivekam) نامی میگزینیں نکالنی شروع کیں، سبکی نے تحریک طلبہ عربیہ کے نام سے مدارس کے طلبہ کی ایک خاص ونگ اور شاہین فورس کے نام سے ۷ سال سے لے کر اس سال کی عمر کے لڑکوں کی بھی ایک ونگ قائم کی۔

مڈل کلاس کے مسلمانوں کے درمیان اس تنظیم کی مقبولیت کی وجہ یہ رہی کہ مسلمانوں کے بچے ان کے ہندو بھائیوں کی ہی طرح اکٹھے، ڈرگ اور جرائم کے عادی ہو چکے ہیں،

اسلامی رجحان کی آمد کے نتیجے میں یہ بچے بری عادتوں سے دور ہو چکے تھے، اسلامی رجحان کی آمد کے نتیجے میں یہ بچے بری عادتوں سے دور ہوتے چلے گئے، اس لیے تنظیم کو مسیحا کے طور پر دیکھا گیا، ایک دوسری وجہ یہ بھی رہی کہ اس طبقے کے مسلمانوں کو محسوس ہوا کہ ہندوستان میں پیدا ہونے والی ترقی کے مواقع کے سلسلے میں ان کے ساتھ دھوکے کا کھیل کھیلا جا رہا ہے، لہذا ضروری ہے کہ حقوق کی بازیابی کے لیے تشدد کا راستہ اختیار کیا جائے اور اسی تناظر میں سیکی کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ مافیا سے جڑے بہت سے مسلم نوجوانوں نے سیکی میں شرکت اختیار کر لی، جس سے تنظیم کا مالی فائدہ تو ہوا ہی دنیا کو یہ باور کرائیگی کوشش کی گئی کہ وہ جرائم پیشہ افراد نہیں بلکہ مظلوم مسلم امت کا دفاع کرنے والے ہیں۔

1992ء میں بابر مسجد کی شہادت کے بعد سیکی نقطہ نظر (View Point) میں زبردست تبدیلی آئی، بابر مسجد شہادت کی پہلی برسی کے موقع پر سیکی سے مربوط لشکر طیبہ کے افراد جلیس انصاری محمد اعظم غوری، عبدالکریم تونڈا نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں سلسلہ وار دہشت گردانہ حملے انجام دیئے، یوں ہی سیکی کے ممبران کی ایک بڑی تعداد نے جیش محمد، حرکت الجہاد الاسلامی جیسی تنظیمیں جو اُن کر لیں، ۱۹۹۶ء میں سیکی نے یہ بیان دیا کہ جب ڈیموکریسی اور سیکولرزم مسلمانوں کے تحفظ میں ناکام ہو چکی ہے تو اب واحد راستہ یہ ہے کہ خلافت کے قیام کے لیے کوششیں کی جائیں اور محمود غزنوی کا طریقہ اختیار کیا جائے، اسکے علاوہ مسلسل دو قومی نظریہ کا نعرہ، ۱۱ ستمبر کے بعد القاعدہ کی حمایت میں مظاہرے، بامیان میں بودھ کے مجسمہ کے انہدام پر جشن جیسے اعمال نے تو اس کی جد و قتال پسندی کو اور برہنہ کر دیا۔

گفتگو کا خلاصہ کرتے ہوئے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ سیاسی اسلام کے ارتقا کی بنیادی وجہ یہ رہی ہے کہ حکومتیں مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اسلامی کمیونٹیز کی

ہانہب سے صرف نظر کرتی رہی ہیں اور کمیونٹس لیڈر پر کاش کرت کے مطابق ہندو کمیونٹیز ہندوستان میں اس لیے مضبوط ہوا ہے کہ سیکولر طبقہ نے مسلم فرقہ واریت کے لیے رسی ڈھیلی کر رکھی ہے لہذا اس کی بات کی ضرورت ہے کہ ایسی سیاسی پالیسی کی جس کی کوکھ سے اس قسم کی تنظیمیں جنم لیتی ہیں بج گئی کے لیے محکم اور مضبوط اسٹریٹیجی وضع کی جائے، اور یقیناً یہ سیکولر ہندوستان کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔

نئے اڈوں کی تعمیر (Building New Bases) کے عنوان سے لکھی گئی دوسری تحریر دراصل چنتی سے ٹی، الین سوبرا مینم، تروٹنچپورم سے آر کرشنا کمار، کوکناٹا سے سوہرید شنگر چتو پادھیائے کار پورٹوں کی مجموعہ ہے، جس میں انہوں نے بالترتیب تامل ناڈو، کیرالا اور بنگال کے متعلق سے یہ ذہن دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ صوبے اسلامی دہشت گردی کی مکمل گرفت میں ہیں، دہشت گردی کے حوالے سے چیرنیل ٹرسٹ فار مائی ناریز (C.T.M) نیشنل ڈیولپمنٹ فرنٹ آف کیرالا (N.D.F) کرناٹکا فورم آف ڈھکنی (K.F.D) جیسے خیراتی اداروں پر بھی ان کے جارحانہ تیور کی وجہ سے کڑی نظر ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان تمام اداروں کے چیئرمین سیکی کے سابق علاقائی صدر اور اس کے ممبران سیکی کے سابق انصار ہیں۔

پولیس کا ماننا ہے کہ تامل ناڈو میں لشکر طیبہ، جیش محمد جیسی تنظیموں کے سلیپر سیل کی موجودگی کے امکان کو مسترد نہیں کیا جاسکتا، ویسے تامل ناڈو میں سیکی اس وقت لوگوں کی نظر میں آئی جب ۱۹۹۹ء میں ان کے دعوتی آڈرگن (Seithi Madd) خبر نامے میں جموں کشمیر کی سرگرمیوں کو سود اور چینپا کی آزادی تحریک کے مماثل قرار دیا گیا تھا اور اسی بنا پر اس پر پابندی بھی عائد کر دی گئی تھی، ان دنوں سیکی کے سابق ممبران لاہوریوں، خیریاتی اداروں اور دعوتی کاموں میں مصروف ہیں، پولیس افسران کے مطابق سعودی عرب کی زیر حمایت مختلف غیر ملکی ایجنسیاں نہ صرف انتہا پسند تنظیموں کو بلکہ انفرادی طور پر بھی مالی تعاون

فراہم کر رہی ہیں، مقالہ نگار خلاصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگرچہ ذمہ داران کی جانب سے حالات کنٹرول میں ہونے کی بات کہی جا رہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے وہ ہشت گردی کے حوالے سے طاری اس سکون کو پر فریب سکون سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

کیرالا کی صورت حال تو بالکل ہی مختلف ہے، یہ بڑی تیزی کے ساتھ ہندوستان میں دہشت گردی کا سب سے بڑا مرکز بنتا جا رہا ہے، یہاں سے مالدیپ کی دہشت گرد تنظیموں کو اسلحہ، آتش گیر مادے سپلائی کیے جا رہے ہیں، ایم، ڈی، ایف، این ڈی ایف جیسی سیکی سے مربوط تنظیمیں سرگرم عمل ہیں، ان ساری تنظیموں کا پردہ فائل حالات کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، کبھی وہ ہندو تو اس کے بالمقابل اسلامی آئیڈیالوجی کو نمایاں کرتے ہیں تو کبھی کیرالا کے مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، اقتصادی مسائل کو، تو کبھی استعماریت مخالف، گلوبلائزیشن مخالف ایجنڈوں کو، سیکی کے دفتر پر پولیس کے چھاپے سے یہ بھی سامنے آیا ہے کہ حوالہ چینل کے ذریعہ مغربی ایشیاء سے ہر ہفتہ ایک لاکھ سعودی ریال کی رقم تعاون فنڈ کے طور پر آتی ہے، مقالہ نگار خلاصہ کرتے ہیں اس وقت کیرالا میں سب بڑی دہشت گردانہ سرگرمی یہ جاری ہے کہ نو جوانوں اور کم سنوں کی برین واشنگ ہو رہی ہے اور انہیں فکری طور پر ریغمال بنایا جا رہا ہے۔

مغربی بنگال کو عام طور سے دہشت گردانہ سرگرمیوں سے پاک مانا جاتا رہا، لیکن ۲۱ نومبر کو ککاتا میں ایک مظاہرے کے دوران جس تیزی سے حالات خراب ہوئے اس سے پتا چلتا ہے کہ وہاں بھی فکری بمباری شروع ہو چکی ہے، پولیس کو شبہ ہے کہ سیکی سے مربوط کچھ ہنگہ دیشی اور اتر پردیش کی تشدد پسند تنظیموں نے حالات خراب کرنے میں رول ادا کیا ہے۔ اگست ۲۰۰۶ء اور اپریل ۲۰۰۷ء کے درمیان لشکر طیبہ، حزب المجاہدین، جماعت المجاہدین ہنگہ دیش کے افراد بنگال میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے، جون ۲۰۰۷ء میں کوکاتا پولیس نے تین تشدد پسندوں کو گرفتار کیا تھا جن کے بارے میں شبہ ہے کہ

حزب المجاہد الاسلامی ہنگہ دیش سے ان کے رابطے ہیں، خلاصہ یہ کہ حالات یہاں بھی اچھے نہیں ہیں اور مغربی بنگال بھی اب دہشت گردوں کی آماجگاہ بنتا جا رہا ہے۔

تیسرے مضمون Uneasy in Paradise (جنت میں اضطراب) میں مضمون نگار پروین سوامی نے ذکر کیا ہے کہ اسلام پسندوں کی سرگرمیاں ان آنس لینڈ میں بھی فروغ پا رہی ہیں جو ان سماجی، سیاسی تناؤ سے آزاد ہیں جن کی بنا پر یہ سرگرمیاں فلورس ہو کر تھیں، چنانچہ فصیحو اور واحد نامی مالدیپ کے دو طالب علم جامعہ سلفیہ اسلامیہ فیصل آباد گئے جہاں کے پروڈکٹ میں مختلف القاعدہ اور لشکر طیبہ کے قائدین شامل ہیں، اسی مدرسہ سے ابراہیم شیخ نامی شخص نیوکنزرویو روایات سے آراستہ ہو کر مالدیپ لوٹا اور صدر ماموں عبد القیوم کی حکومت کے خلاف جو کہ سنی شافعی مسلک کی نمائندگی کرتی ہے آواز اٹھائی، سلطان پارک بم دھماکہ ہوا یا کوئی اور پردہشت حادثہ ان سب میں جماعت اہل حدیث کے افراد ملوث نظر آتے ہیں۔

Fiyes میگزین کے رپورٹر احمد عبداللہ کے مطابق ابو عیسیٰ اور اس جیسے لوگوں نے سامنے سے متاثرین کی مدد میں بھی بھید بھاؤ روا رکھا اور ان کی یہ کوشش رہی کہ ریلیف فنڈ ان لوگوں کو دیا جائے جو ان کی مرضی کے اسلام (سلفیت) کی پیروی کے لیے تیار ہوں۔

مالدیپ حکومت نے سلفی حضرات کی سرگرمیوں سے پریشان ہو کر ان کے تمام نیٹ ورک پر پابندی عائد کرنا شروع کر دیا ہے، کیونکہ اسے پتا ہے کہ جنت سے جہنم کا راستہ بہت دور نہیں ہے۔

کوراستوری کی تلخیص سے چند باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ (۱) میڈیا سیاسی اسلام سے بہت زیادہ خوف زدہ ہے (۲) شعوری یا لاشعوری طور پر پوری دنیا میں سلفی اسلام کے ذریعے اسلام کی رسوائی اور بدنامی ہو رہی ہے اور اس پورے منظر نامے میں ابن تیمیہ کی حیثیت ایک ہیرو یا ولین کی ہے (۳) سرکاری ذرائع سے فراہم سلفی حضرات (میری مراد

ہندوستانی سیاق میں ہے جس میں دیوبندی، جماعت اسلامی اور اہل حدیث حضرات سب کسی نہ کسی طرح ابن تیمیہ کے فکری خوش چین ہیں، کے وہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث ہونے کی خبر پراگر آنکھ بند کر کے یقین نہیں کیا جاسکتا تو اس کی صحت کے امکان کو یکسر مسترد بھی نہیں کیا جاسکتا۔

(۴) جماعت اسلامی ایک ایسی تنظیم ہے جو اپنے خدوخال علاقائی اعتبار سے متعین کرتی ہے، شمالی ہندوستان میں اگر وہ ایک طرف صوفیہ اور انکے رسوم و روایات کے خلاف سخت گیر نظر آتی ہے تو دوسری طرف جنوبی ہندوستان میں وہ میوزک فلم اور دوسری ثقافتی سوسائٹیوں کی سرپرستی بھی کرتی ہے، شمالی ہندوستان میں ان کا ایجنڈا اگر عمومی مذہبی ہوتا ہے تو جنوبی ہندوستان میں تعمیری، تربیتی اور کمیونسٹ و استعماریت مخالف اور یہ علاقائی اثر ہی کا نتیجہ ہے کہ مودودی صاحب کی کتاب ”پردہ“ کی اشاعت اب تک ملیالم زبان میں نہیں ہو سکی ہے۔

کوراستوری سے متعلق میں چند سوالات قائم کرتے ہوئے گزر جانا چاہتا ہوں۔

(۱) کیوں میڈیا دہشت گردی کے ساتھ اسلام کے مقدس لفظ کو جوڑتا ہے جب کہ خود اسکا ہی ماننا ہے کہ دہشت گردوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا؟

(۲) اور اگر وہ دہشت گردی کے ساتھ اسلام کا اضافہ امتیاز کے لیے کرتا ہے تو پھر وہ ہندو دہشت گردی یا یہودی دہشت گردی کی اصطلاح استعمال کیوں نہیں کرتا۔

(۳) اسلامی دہشت گردی اور اسلام پسندی کے ارتقائی جائزے کے لیے میگزین کا اہم ترین کالم وقف کر دیا جاتا ہے لیکن ہندوستان میں آرائیں ایس، جرنلنگ دل جیسی تنظیموں کے نشوونما اور ان کی دہشت گردانہ سرگرمیوں کو بے نقاب کیوں نہیں کیا جاتا؟ اگر یہی جیسی تنظیمیں سیکولر ہندوستان کے لیے چیلنج ہیں تو کیا ہندو دہشت گرد تنظیمیں ہندوستان کے ماتھے کا جھومر ہیں؟ میرے خیال میں سیکولر ہندوستان کے لیے سب سے بڑا چیلنج میڈیا کا دوہرا

معیار ہے۔

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ سکے کے دنوں رخ دکھائے جائیں، درحقیقت اس سلسلے میں راز پنہاں یہ ہے کہ دہشت گردی کی تو صرف دہائی دی جا رہی ہے، امریکہ کے سابق اٹارنی جنرل رامسی کلارک کے مطابق اصل نشانہ پر اسلام ہے، امریکہ اسلام سے خوف زدہ ہے، کیونکہ اسلام نے افریقی، امریکی نسل کے لوگوں کو امن، سکون، عظمت و قار اور ایمان کیوں عطا کیا ہے جس کی وجہ امریکہ کا مادی مفاد داؤں پر ہے۔

(دیکھئے رامسی کلارک کا انٹرویو، دی ہندو ۱۷ اکتوبر، ۲۰۰۷ء) اور اسی بنا پر اسلام اور دہشت گردی کی افواہ پھیلانی جا رہی ہے۔

دوہرا رویہ.....

ایسا عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جب کبھی دہشت گردی کے حوالے سے ان جماعتوں کے ملوث ہونے کی خبر آتی ہے جو سوادا عظیم اہل سنت و جماعت اور مسلک صوفیہ سے الگ ہیں تو فوراً ہی اس طرح کی خبروں کو بے بنیاد ٹھہرا دیا جاتا ہے اور پھر تصوف و صوفیاء کی دہائی دی جاتی ہے، ابھی کچھ دنوں قبل اجمیر بم دھماکے میں کچھ سلفی حضرات کے ملوث ہونے کی خبر آئی تو فوراً ہی جماعت کی جانب سے تردیدی بیان شائع ہوا اور کہا گیا کہ حضرت شیخ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہم سب کے آقا اور سر تاج ہیں، لیکن دوسری طرف جب کبھی موقع ملتا ہے تو یہ کہنے سے بھی نہیں چوکتے کہ صوفیہ کی ان تمام جماعتوں نے عالم اسلام کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ (دیکھیے ادارہ مجلہ الفرقان، عربی (جون، جولائی ۲۰۰۶) اور کبھی کویت سے شائع ہونے والے سلفی مجلہ اجتماع میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ صوفیاء کے تمام گروہ گمراہ اور گمراہ گر ہیں، بلکہ کچھ لوگوں کی قبائے حیا یہ کہنے میں بھی تار تار نہیں ہوتی کہ خواجہ غریب نواز تو (معاذ اللہ) ایک سنت تھے مسلمان نہیں، ایسے حضرات سے میں صرف ایک ہی گزارش کروں گا۔

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا

سراسر موم ہو جا یا سراسر سنگ ہو جا

ویسے یہ حضرات اگر اپنے رول ماڈل شیخ ابن تمیہ کی بات پر کان دھریں تو مسائل حل ہو جائے لیکن اصل پریشانی ان کے ساتھ یہ ہے کہ جب یہ پھنتے نظر آتے ہیں تو امام مالک سے استعانت کرتے ہوئے ان کا یہ قول کل یوخذ من قولہ ویرد الا صاحب هذا القبر (یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ہر شخص کچھ بات مقبول اور کچھ مردو ہے) پیش کر کے راہ فرار اختیار کرتے نظر آتے ہیں، شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

”صوفیہ کبھی اپنے زمانے کے صدیقین میں ہوتے ہیں اس بنا پر کہ ان میں بہتوں سے اجتہاد واقع ہوتا ہے اور اس سے نزاع و اختلاف واقع ہوتا ہے لوگوں کا ان کے طریقہ کے بارے میں اختلاف ہے، ایک جماعت صوفیا اور تصوف کی مذمت کرتی ہے اور ایک جماعت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق میں سب سے افضل و کامل ہیں یہ دونوں فریق غلطی پر ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ وہ حضرات اللہ کی اطاعت میں کوشش کرنے والے ہیں..... تو ان میں اپنی کوشش کے لحاظ سے سبقت کرنے والے اور مقرب ہیں اور ان میں درمیانی راہ اختیار کرنے والے ہیں جو اہل یمن سے ہیں اور دونوں قسموں میں کچھ لوگ کبھی اجتہاد کرتے ہیں اور ان سے کبھی غلطی ہوتی ہے۔“ (التصوف والصوفیہ فی ضوء الکتاب والسنة سید یوسف ہاشم رفاعی کویت، اردو ترجمہ شاہ قادری سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی، ص ۹۱، مطبع الاصلاح بنگلور، سن اشاعت ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

صوفی اسلام سے میڈیا کی محبت کا راز:

اس وقت پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ صوفی اسلام کی قصیدہ خوانی کر رہے ہیں اور یہ آواز بلند کر رہے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ صوفی اسلام لوگوں تک پہنچایا جائے، آخر راز کیا

ہے؟ کیا واقعی میڈیا صوفی اسلام کے تعلق سے سنجیدہ ہے؟ اور اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور کیا ہم یہ مان لیں حضرت مولانا روم علیہ الرحمٰن اور شیخ ابن عربی علیہ الرحمہ کی شخصیتوں اور ان کی تحریروں سے مغربی دنیا کا شغف کسی نکلنے ہوئے سورج کی افق تابی ہے؟ میرا اس سلسلے میں اپنا خیال یہ ہے کہ اس بابت بہت زیادہ خوش فہمی میں رہنا خام خیالی کے مترادف ہے، ایسا یقیناً ہے کہ ان حضرات کے پیغام محبت و انسانیت سے متاثر ہو کر لوگ اسلام کے مطالعہ میں مصروف ہیں اور ان کی تحریروں کی مانگ مغربی ماریکیٹوں میں بہت بڑھ گئی ہیں، لیکن یہ بھی ناقابل انکار سچائی ہے کہ ان حضرات کی تحریروں کے جو ترجمے شائع ہوئے ہیں اور ان کی شخصیتوں پر جو کام ہوئے ہیں وہ اس نوعیت کے ہیں کہ ہم جماعت صوفیہ سے متعلق ہوتے ہوئے بھی اسے مکمل طور پر اپنا نہیں سکتے، کیونکہ ان کی شخصیت کو وحدت ادیان کے نمائندے اور ان کے افکار کو اس نظریے کے ناطق کے طور پر پیش کرنے کی بھرپور کوشش ہو رہی ہے، انکے حوالے سے آئی تحریروں کو پڑھنے کے بعد ایک سادہ لوح مسلمان اس نتیجے تک پہنچنے میں ذرا بھی نہیں جھکتا کہ واقعی سارے مذاہب کی روحانیت برحق ہے اور سب کا سرچشمہ دراصل ایک ہی ہے، درحقیقت پوری دنیا کی یہ خواہش ہے کہ اسلام کے تعلق سے مسلمانوں کا جنون ختم یا کم ہو یا کم از کم وہ یہ باور کر لیں کہ دنیا کے سارے مذاہب سچے ہو سکتے ہیں، ابھی چند ماہ قبل پونے کے ایک اسکالر نے مشہور انگریزی اخبار The Hindu میں لکھا تھا: ”بڑے افسوس کی بات ہے کہ میں اپنی پوری کوشش کے باوجود اپنے مسلمان دوستوں کو یہ یقین کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں بھی کچھ خوبیاں اور کچھ خامیاں ہیں۔“ اور اسی طرح کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمان شعوری یا لاشعوری طور پر وحدت ادیان کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔ جس کا سبق نام نہاد شیخ الاسلام طاہر القادری اور جاوید احمد غامدی جیسے بد نصیب پڑھارہے ہیں۔

آخری بات:

اب ایسے میں ہم اہل سنت و جماعت کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ نہ تو اسلام کے نام پر سلفی نظریہ جہاد کی حمایت کریں، اور نہ ہی موجودہ افغانستان کے طالبانی اور صوفی محمد اور نہ

ہی صوفیہ اور تصوف کی وہ صورت قبول کریں جسے پیش کیا جا رہا ہے بلکہ سواد اعظم سے منحرف جماعتوں جیسے اس دور کے جعلی پیروں والا تصوف وہ شیطان کی پیداوار ہے جسے پیر سیف الرحمن اور ان کے پیچھے دل جاری کرنے کے بہانے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

ایسے جالی اور بناوٹی پیروں کی فکری کمزوریوں کو اجاگر کر کے تصوف کے رخ روشن کو دیدار عام کے لیے وا کر دیا جائے، دہشت گردی کے مفاہیم و معاہیم و معانی واضح کیا جائیں اور بتایا جائے کہ جہاد (بمعنی قتال) ایک مقدس فریضہ ہے جو عدل و مساوات، امن و امان کی حکمرانی، ظلم و ستم کی بیخ کنی کے لیے بوقت ضرورت ہتھیار کے استعمال سے عبارت ہے اور اس قدر تشدد سے جو بظاہر تشدد ہے اور درحقیقت امن کا پیام بروقت ضرورت گریز ایک بحرمانہ قدم ہی کہا جاسکتا ہے۔ ابھی کچھ دنوں قبل جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں سٹیپ گڑھ تحریک کی بین الاقوامی کانفرنس کا افتتاحی خطبہ پیش کرنے کے بعد تبت کے روحانی پیشوا دلائی لامہ صاحب نے اس سال کے جواب میں کہ اگر کوئی انسان کسی انسان کے خلاف سازشوں کا جال بنتا ہے اور وہ اسی انسان سے مسکراتے چہرے کے ساتھ ملتا ہے تو یہ تشدد ہے یا عدم تشدد، انہوں نے کہا کہ یہ بھی تشدد ہی کے زمرے میں آئے گا لیکن اگر والدین یا استاذ اپنے بچوں کے ساتھ کسی حکمت کی وجہ سے تشدد کو بروئے کار لاتے ہیں تو اسے عدم تشدد ہی مانا جائے گا، کیونکہ اعتبار مال اور نتیجے کا ہوتا ہے، گاندھیائی، فلسفہ عدم تشدد کا مداح اگر تشدد اور عدم تشدد کی یہ تعبیر و تشریح کر سکتا ہے تو ہم دنیا کے سامنے یہ واضح کیوں نہیں کر سکتے کہ اسلام کے نظریہ قتال میں فلسفہ امن مخفی ہے۔

وہی انصاف سے کہہ دیں کہ کسی کی جگہ اچھی ہے
بغل میں ان کی ہم، پہلو میں وہ دشمن کے پیچھے ہیں

کارٹون سے ”فتنہ“ تک

۳۰ ستمبر ۲۰۰۵ء میں ڈنمارک کے ایک اخبار نے نبی اکرم ﷺ سے متعلق توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کر کے مسلمانوں کے جذبات کو جس شدت کے ساتھ کچلا اس کی مذمت جتنی بھی کی جائے کم ہے۔ خاکوں کی اشاعت سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ کم و بیش دنیا کے ہر گوشہ میں مظاہرے کیے گئے تاہم مظاہروں میں شدت دیکھنے میں نہیں آئی۔ اعدائے اسلام کا دل نہیں بھرا اور نہ ہی ان کے عزائم پورے ہوئے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو اس حد تک ورغلا یا جائے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے محلوں کو خود اپنے ہی ہاتھوں سے نذر آتش کریں۔ ان کے جذبات کو اس قدر بھڑکا دیا جائے کہ برسہا برس کی محنتوں سے نکھارے گئے حسین شہروں کو خود کھنڈرات میں بدلنے پر مجبور ہو جائیں۔ ان کے ضمیر کو اس طرح جھنجھوڑ دیا جائے کہ خود ان کے حکمران ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر سلاخوں کے پیچھے دھکیلنے پر مجبور ہو جائیں، چنانچہ ۱۰ جنوری ۲۰۰۶ء کو تروئج کے ایک اخبار نے دوبارہ اس گندی حرکت کا ارتکاب کیا۔ پھر کیا تھا مسلمان کب اپنے نبی کی شان میں اس بے ہودگی کو برداشت کر سکتے تھے۔ پوری دنیا میں توڑ پھوڑ، لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ بڑے بڑے محلات نذر آتش کر دیئے گئے۔ یورپی اور امریکی سفارت خانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ امریکی جھنڈے جلانے لگے۔ تروئج، ڈنمارک اور بالعموم یورپ و امریکہ کے شہریوں کو دھمکیاں ملنے لگیں اور کئی جگہ انہیں ہدف بھی بنایا گیا۔

مغربی حکومتیں، سیاستدان اور مفکرین ملزم کو سزا دینے کی بجائے حمایت دینے لگے۔ دانشوروں نے انصاف پسندی کا ثبوت دیا اور اس ماحول میں بھی حق گوئی سے باز نہ آئے۔ مارک بلوخ یونیورسٹی، فرانس کے پروفیسر، مشہور مفکر ڈاکٹر Eric Geoffroy نے اپنے ایک بیان میں کہا، خاکوں کی اشاعت نے آزادی رائے سے متعلق یورپ کے

دو ہرے معیار کو ثابت کیا ہے۔ جب ہم نے دینی اور روحانی اقدار کے حفاظت کی بات کی تو مغرب ”آزادی اظہار“ اور ”جمہوریت“ جیسے نعرے بلند کرنے لگے، بعض اسلامی مقالہ نگاروں نے اس فکر کی تنقید کی تو مغربی میڈیا نے شدت کے ساتھ ان کا رد کرنا شروع کر دیا۔ یہی حقیقت میں دو ہرے معیار ہے۔

رسول کریم ﷺ کا مرتبہ مسلمانوں کے نزدیک ہمیشہ بلند و بالا رہا ہے۔ مسلمان بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دیگر انبیاء سے متعلق بھی ادب و احترام مسلمانوں کی فطرت میں ہے۔

بلاشبہ یہود و نصاریٰ کو گستاخی رسول اکرم ﷺ میں مزید جری کرنے پر اس لٹریچر کا بھی بہت بڑا حصہ ہے جو شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے زیر اثر عرب اور برصغیر پاک و ہند کی بعض گمراہ شخصیات مثلاً مولوی اسماعیل دہلوی وغیرہ کی تقویت الایمان جیسی کتاب کی اشاعت کے ذریعہ عربی، فارسی، اردو اور پھر انگریزی زبان میں ترجمہ ہو کر دشمنان اسلام کے ہاتھوں میں آیا۔

سید عالم ﷺ کی تکذیب و توہین کا سلسلہ فتح خبیر (مدینہ منورہ) سے لے کر صلیبی جنگوں سے قبل کی صدی تک اور پھر صلیبی جنگوں اور اس کے بعد کے دور سلطنت عثمانیہ کی تباہی اور سرزمین عرب کے قلب میں یہودی اور نجدی اسٹیبلشمنٹ کے قیام تک اور ان کے بعد ۱۱/۹ کے واقعات اور افغانستان و عراق و فلسطین پر ناجائز قبضہ تک تہذیب مغرب اور اس کے پروردہ لوگوں کے ذہن میں اسی طرح قائم و دائم اور برسرِ پیکار ہے۔ جہاں اس حادثہ سے مسلمانان عالم کے خلاف ان کا بغض اور ان کی قلبی خباثت، ان کے دل پر شقاوت کی مہر اور ان کی قلم کی روشنائی میں دشمن کا خمیر شامل ہوا، وہاں ان کی زبان و قلم اور آنکھ پر تعصب کا پردہ بھی اظہارِ من الشمس ہو چکا۔

مزید اس کا مناسب رد بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا ڈنمارک کے ان میڈیائی افراد کا رد غالباً قرآن کریم کی یہ آیت ہو سکتی ہے، وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“

ابھی مسلمانوں کا زخم مندمل نہیں ہو سکا تھا۔ کہ افق عالم پر مسلمانوں کے خلاف ایک دوسری سازش رچی گئی۔ عیسائیوں کے روحانی پیشوا سولہویں پوپ بندیکٹ نے ۱۲ دسمبر ۲۰۰۶ کو Uneversity of Regensburg میں اپنی ایک تقریر کے دوران رومن بادشاہ 11 Paleologus کی بات چیت جو کسی فارسی مسلمان کے ساتھ ہوئی تھی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:

Show me just what Muhammad brought that and there you will find things only evil was new, and inhuman, such as his command to pread by the sword the faith he preached.

مجھے دیکھاؤ محمد (ﷺ) کیا نئی چیز لے کر آئے ہیں، آپ کو برائی اور غیر انسانی چیزوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملے گا۔ مثلاً آپ کو ان کا یہ حکم ملے گا کہ دین کو تلوار کی جھک سے پھیلایا جائے۔

گرچہ پوپ نے ایک بادشاہ کا محاورہ کسی فارسی مسلمان کے ساتھ کے ضمن میں یہ بات کہی تھی۔ تاہم دل میں جب میل اپن ہوتا ہے تو کسی نہ کسی طرح باہر آ ہی جاتا ہے۔ مسلمانوں نے اسے پوپ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر ناپاک حملہ تصور کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں، اخلاق و کردار اور مسلمانوں کی مساعی سے پھیلا۔ نگاہ رسول کی تاثیر، زبان محمدی کی حلاوت تھی جو ہر آنے والے کو اپنا اسیر بنا کر ہی چھوڑتی۔ صحابہ کرام کا کردار تھا جس کو دیکھ کر پورا علاقہ مسلمان ہو جاتا تھا۔ اور آج تک محمدی رنگ میں رنگے ہوئے صوفیاء کرام کے وہ داعیانہ اسلوب ہیں جو دیکھنے اور سننے والوں پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ اس موضوع پر اپنوں سے لے کر غیروں (بدعقیدہ فرقے) تک نے درجنوں کتابیں، سینکڑوں مقالے تحریر کیے ہیں۔ ہم ایک جھلک صرف عیسائی مذہب کی دکھانا چاہتے ہیں، جہاں یہ کہتے ہوئے زبان نہیں دکھتی کہ عیسائیت امن و امان کا

مذہب ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب اس قول کو بات بات پر دلیل بنایا جاتا ہے، اگر کوئی تمہارے دائیں رخسار پر تھپڑ مارے تو بائیں رخسار بھی ان کے حوالے کر دو۔
New Testament کی ان عبارتوں پر نظر ڈالئے۔

**Think not that I am come to send peace on earth : I came not send peace but a sword.
For I am, Come to set a man at variance against his father, and the daughter against her mother and the daughter in law against her mother in law, and a man.s foes shall be they of his own household**

(Matthew, 10, ve34-37. Nashville, Tennsee, 37214)

یہ مت سوچو کہ میں زمین پر امن و امان قائم کرنے آیا ہوں۔ میں امان قائم کرنے نہیں آیا بلکہ تلوار کی طاقت لے کر آیا ہوں۔ میں تو اس لیے آیا ہوں تاکہ انسان اور اس کے باپ کے درمیان جدائی کی بجائے بودوں، ماں اور بیٹی کے درمیان اختلاف پیدا کر دوں اور ساس اور بہو کے درمیان تفریق ڈال دوں۔ اس طرح انسان خود اپنے اہل خانہ کا دشمن بن جائے گا۔

یہ تو موجود بائبل کی بات ہے اگر صلیبی جنگوں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو امن و امان کے داعیوں کا دامن خون سے لٹ پٹ نظر آتا ہے۔ اس طرح کی ایک جنگ سے متعلق ابن اثیر کی یہ عبارت دل تھام کر پڑھ لیجئے۔

ملك الفرنج القدس نهار يوم الجمعة، لسبع بقين من شعبان، وركب الناس السيف، ولبث، الفرنج في البلدة اسبوعاً يقتلون فيه المسلمين، واحتسمى جماعة من المسلمين بمحراب داوود، فاعتصموا به، وقاتلوا فيه

ثلاثة ايام، وقتل الفرنج بالمسجد الاقصى ما يزيد على سبعين الفاً، منهم جماعة كبيرة من أئمة المسلمين وعلمائهم وعبادهم وزهادهم مم فارق الاوطان وجاور بذلك الموضوع الشريف (تاريخ ابن اثير ۸/۱۹۰)

فرنگیوں نے بیت المقدس پر سات شعبان بروز جمعہ قبضہ کیا، لوگوں نے تلواریں اٹھالیں، فرنگی شہر میں ایک ہفتہ تک رہ کر مسلمانوں کو قتل کرتے رہے مسلمانوں کا ایک گروہ محراب داؤد میں جا کر پناہ گزین ہو گیا فرنگی وہاں تک پہنچ گئے اور تین دن تک لڑائی کی، فرنگیوں نے مسجد اقصیٰ میں تقریباً ستر ہزار لوگوں کو قتل کیا۔ ان میں ایک بڑی تعداد ایسے علماء آئمہ، عباد، زہاد کی تھی، جنہوں نے اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر اس مقدس سرزمین کی سکونت حاصل کر لی تھی۔

اس طرح کے دل دہلا دینے والے کئی واقعات اور شواہد یورپی مؤرخ گوسٹا لوپین نے بھی عیسائی پادری اور راہبوں کے حوالہ سے اپنی کتاب مترجم ”المحصارة العربیہ“ میں نقل کیا ہے، دور نہ جا کر منگلن کی مشہور کتاب Clash of the civilization کو پڑھیے، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

”مغرب دنیا پر اپنی فکری برتری، اخلاق، دین کی وجہ سے غالب نہیں ہوا، بلکہ منظم ظلم و زیادتی کے ذریعہ دنیا پر غلبہ حاصل کیا۔ مغرب عام طور پر اس کو بھول جاتا ہے مگر غیر یورپی شخص اسے کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔“

تاریخ کے ان واقعات اور ان جیسے درجنوں واقعات بالخصوص انجیل کے مذکور اقتباسات کے بعد محمد عربی ﷺ کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ ان کا لایا ہوا دین تلوار سے پھیلایا گیا، جس کی شان کے اس کے رب نے ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ بتایا۔

بعض عیسائی معتدل مفکرین نے پوپ کی باتوں کی تاویل کی ہے، اور یہ کہا کہ پوپ کی تقریر کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ اگر اسلام پر حملہ ہے تو عیسائیت پر بھی جارحانہ حملہ ہے۔ ڈاکٹر رفیق حبیب مصری جو عیسائی مفکر ہیں اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں۔

پوپ کا خیال ہے کہ عیسائیت کا ملاپ جب یونانی فلسفہ کے ساتھ ہوا تو عقل اور ایمان میں توازن پیدا ہوا، پولس کے پیغام نے ایمان اور عقل کے درمیان یہ توازن پیدا کیا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام مشرقی فکر رکھنے والے اشخاص یا یہودیوں یا عربوں تک پہنچانے میں ان کے کچھ تلامذہ کا اہم رول ہے۔ جن میں متی، بطرس، مرقس کا نام نمایاں ہے۔ تلامذہ کی ایک دوسری ٹیم جن میں پولس، یوحنا اور لوقا سرفہرست ہیں نے یونان و روم کے خطہ میں عیسائی افکار کی ترویج و اشاعت کے لیے نمایاں فریضہ انجام دیا۔ اس تناظر میں اگر پوپ کا قول دیکھا جائے تو عیسائیت کے حق میں نہایت خطرناک بات ہے۔ انہوں نے ان مبشرین کے پیغامات پر زور دیا ہے جو یورپیوں کے لیے تھا۔ جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ پیغام ایمان اور عقل کا حسین امتزاج ہے۔ اس کو واضح مفہوم یہ ہے کہ پوپ کے نزدیک عیسائیت کی ایک دوسری قسم بھی ہے جہاں ایمان اور عقل کے درمیان ہم آہنگی نہیں۔ یہ وہ عیسائیت ہے جو یونانی افکار سے میل نہیں کھاتی۔

سچ یہ ہے کہ پوپ کا یہ کلام عرب عیسائی جو عیسائیت کی اصل

ہے پر جارحانہ حملہ ہے یعنی قبطیوں پر

ہم یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ دین ایک ایسا آسمانی پیغام ہے جس میں تمام امت شامل ہے، اس کا تعلق مختلف تمدن سے ہوتا ہے۔ تمدن کے بدلنے سے دین کی بنیادیں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ دین لوگوں کے تمدن کے مخالف بھی نہیں بلکہ اس کی توجیہ کرتا ہے اور بیک وقت اس کے اختلاف کی نگہبانی بھی کرتا ہے۔ ٹھیک یہی واقعہ عیسائیت کے ساتھ ہوا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کے تلامذہ نے ان کا پیغام دنیا کے ان ملکوں تک پہنچایا جن کا تمدن مختلف تھا۔ وہ جہاں گئے وہاں کی زبان اپنایا اور تہذیب و تمدن کے لوگوں تک حضرت مسیح کا پیغام ان کی زبان میں پہنچایا۔ مگر پوپ نے حضرت مسیح کے ان پیغام کا انتخاب کیا جو یونانیوں (یورپ) کے لیے تھا۔ پوپ کا یہ موقف دینی ہونے، ثقافتی ہونے کے ساتھ ساتھ تعصب پر بھی مبنی

ہے، جس کی کوئی ایک دلیل بھی نہیں۔ لہذا پوپ کے نزدیک یورپ کے علاوہ یعنی عرب اور اسلامی ملکوں کے مسلمانوں کا ایمان اور اسی طرح ان ملکوں کے عیسائیوں کا ایمان خرافات پر مبنی ہوگا۔ یہ نظریہ عقل اور منطق کے بالکل خلاف ہے۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ پوپ کا مقصد متعصبانہ یورپی عیسائی نظریہ کو پیش کرنا ہے اور یورپی عیسائیوں کو غیر یورپی عیسائیوں پر فوقیت دینا۔ اس نظریہ کا نقصان کسی قدر پوشیدہ نہیں۔ ملکھا

بدتمیزیوں کا طوفان کچھ دیر کے لیے ختم تھا کہ ۲۰۰۸ء نے ایک بار پھر مسلمانوں کے ضمیر کو چیلنج کیا۔ ناپاک ذہنیت رکھنے والے ہولنڈی ممبر آف پارلیمنٹ Geert Wilders نے ایک فلم بنام ”قذف“ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ فلم کے منظر عام پر آنے سے پہلے ہی بحث و مباحثہ شروع ہو گیا تھا۔ تمام ترقی یافتہ ممالکوں کے بعد آخر کار فلم منظر عام پر آئی گئی۔ اس فلم میں جرمنی میں شائع ہونے والے پیغمبر اسلام کے بعض توہین آمیز خاکوں کو دکھایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ سورہ توبہ اور سورہ محمد کی بعض آیتوں کو توڑ مروڑ کر، سیاق و سباق سے ہٹا کر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ اسلام دہشت گرد مذہب ہے۔ اپنے ماننے والوں کو دہشت گردی پر اکساتا ہے۔ دین اسلام کے دشمنوں کو اس بار کافی حد تک ناکامیوں کا سامنا رہا۔ کیونکہ ان کا مقصد اس ناپاک حرکت کی آڑ میں مسلمانوں کو اکسا کر انکے اپنے ہاتھوں اپنے الماک کو برباد کر دینا تھا مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ مسلمانوں نے دانشمندی کا ثبوت دیا۔ جوش و جذبات کا مظاہرہ ضرور کیا گیا مگر نقصانات نہیں ہوئے، اس کی وجہ یہ تھی کہ فلم بنانے والوں کو اپنے ہی ملک میں تنقیدی کا سامنا کرنا پڑا۔ یورپی دانشوروں اور سیاستدانوں نے خود کھل کر مخالفت کی، حتیٰ کہ ہالینڈ کے صدر اور وزیر خارجہ نے اپنی برائت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ فلم ”قذف“ حکومت کے نظریات کی ترجمانی نہیں کرتی ہے۔ دہشت گردی جس شکل میں بھی، بری چیز ہے، دہشت گردی کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ”قذف“ کے ذریعہ مسلمانوں پر جس حد الزام لگانے کی کوشش کی گئی ہے اس میں کچھ صداقت نہیں، ہالینڈ میں بسنے والے آٹھ لاکھ مسلمان جن کی چار سو پچاس مسجدیں ہیں، امن و امان اور رواداری کے ساتھ رہتے ہیں۔

یہ اور اس طرح کے بیانات تھے جس نے Dr. Ingrid Mattson کو یہ صفائی دینے پر مجبور کر دیا کہ ہالینڈ اسلام یا مسلمانوں کا دشمن نہیں۔ یورپی و امریکہ مسلمانوں کے حالات اور بڑھتی ہوئی تعداد پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی ایک تحریر میں ڈاکٹر مٹسن نے کہا کہ یورپ کے گر جا گھر اگر خالی ہو رہے ہیں، مسلمانوں کی مسجدیں بھری جا رہی ہیں تو اس میں مسلمانوں کی کوئی غلطی نہیں۔ ان سب کی سزا مسلمانوں کو نہیں ملنی چاہیے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح کے واقعات کوئی نئے نہیں، اس کی بھی کوئی گارنٹی نہیں کہ آئندہ کوئی اور اس طرح کی مذموم حرکت نہیں کرے گا۔ ان واقعات سے کئی سوالات جنم لیتے ہیں۔ عالم اسلام نبی آخر الزماں اور اسلام کے تعارف میں ہر سطح پر کوشاں ہے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود اس سلسلہ کا دراز ہونا کیا کوئی معقول بات ہے؟ ہر آئے دن ڈائلاگ کا ایک نیا دور شروع کیا جا رہا ہے، کیا اس کے بعد بھی ناپاک حرکتوں کا سلسلہ بند نہیں ہوگا؟ اگر نہیں تو ان ڈائلاگ کا کیا فائدہ؟ کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ ان جرموں میں ملوث اشخاص اسلام سے نااہل ہیں؟ کیا محمد عربی ﷺ کی شان میں گستاخی سے باز آ رہنا کسی علم کا محتاج ہے؟ یا یہ کہا جائے کہ اس طرح کی تمام حرکتوں کا سبب تعصب، فکری انحطاط، اخلاقی اقدار سے محروم رہنا ہے۔ جواب جو بھی ہو مسلمانوں کو سر جوڑ کر اس کا مستقل حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ میرے نزدیک اس کی وجہ مسلمانوں کا دین سے غافل ہو جانا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان جس کو امام احمد بن حنبل نے حضرت ثوبان سے باسناد حسن روایت کیا ہے: ”عنقریب (باطل) امتیں تمہارے اوپر ایسی ہی ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کہ کیڑے پیالوں کے ارد گرد ٹوٹ پڑتے ہیں۔“ سوال کیا گیا: کیا اس کی وجہ ہماری تعداد کا کم ہونا ہوگا؟ فرمایا: نہیں تم ایسے گھاس کی طرح ہو گے جسے سلاب بہا لے جاتا ہے۔ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت ختم ہو جائے گی۔ تمہارے دلوں میں کمزوریاں ڈال دی جائیں گی۔ پوچھا گیا ”کمزوری“ سے مراد کیا ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ ”یا اللہ مسلمانوں کے حال پر رحم فرما۔“

☆☆☆☆

مسلمان ہے تو دہشت گرد نہیں اگر دہشت گرد ہے تو

مسلمان نہیں

حاصل یہ ہے کہ اسلام سے وابستگی میں تعصب چاہیے، نہ تساہل اور نہ ہی تشدد کیوں، کہ بڑی ہی خوبصورت بات ہے کہ تعصب سے وابستہ شخص اور نظریے دونوں کی نشوونما ہوتی ہے، صلح کلیت سے شخصیت کا نقصان ہوتا ہے اور وہ شکوک کے دائرے میں گھر جاتی ہے اور تشدد سے متعلقہ نظریے کا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے اور وابستہ افراد و گروے انجام بھگتتے پڑتے ہیں۔

☆☆☆

دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں

اسلامی آئینک واد کے مضمرات اور غیر مسلم دہشت گردی کا

تاریخی جائزہ

۱۱ جولائی عرصہ البلاد ممبئی کی لوکل ٹرینوں میں مسلسل آٹھ بم دھماکے ہوئے، جس میں کئی سول لوگ جان بحق ہو گئے اور بے شمار شدید زخمی ہو کر اسپتالوں میں داخل کر دیے گئے، یہ سننے ہی بدن میں ایک جھرجھری سی پیدا ہوئی اور دل کی دھڑکن خون میں تھڑکی ہوئی انسانی لاشوں کے تصور سے اپنی طبعی رفتار سے دوگنی ہو گئی، اس المناک خبر کے ساتھ ہی پورا ملک ریڈ ہو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ پر کان اور آنکھ لگائے بیٹھ گیا اور ان دل دوز مناظر کو سننے اور دیکھنے کے بعد غم و اندوہ میں ڈوب گیا، ادھر دھماکوں کے بعد مذہبی اور نسلی تفریق سے ہلاتر

ہو کر انسانیت کی امداد و رسانی کے لیے ممبئی کے علاقائی عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں نے جو کردار نبھایا، اس نے ایک شب کے لیے مذہبی منافرت کا کھیل کھیلنے والوں کی سیاسی بساطیں الٹ کر رکھ دیں۔

ان دھماکوں میں مرنے اور زخمی ہونے والی بڑی تعداد میں ہندو بھی تھے، سکھ، و عیسائی بھی اور مسلمان بھی، اس لیے اندھیرے میں ان دہشت گردانہ کارروائیوں کے پیچھے کوئی مذہبی ہاتھ تلاش کرنے کی بجائے پورا ملک تھوڑی دیر کے لیے اس مشترکہ غم کو بھول کر ممبئی والوں کی انسانیت کی گن گانے لگا۔ لیکن افسوس اس بچہتی کا تسلسل بہت دیر تک قائم نہیں رہا۔

ویسے بھی ہندوستان کی ہتھیلی پر سرحد کی سیدھی لکیر کھینچنے کے بعد دست شناسوں نے موجود ہندوستان میں قومی بچہتی کے مناظر بہت کم ہی دیکھے ہیں تو پھر اس دورانیے پر شکوہ کیسا؟ ابھی اس خونی کھیل کو گزرے ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا، تو پھر اس دورانیے پر شکوہ کیسا؟ ابھی اس خونی کھیل کو گزرے ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ تفتیش اور کسی سراغ کے بغیر یکا یک ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ سے یہ شور مچتا ہے۔ کہ ”اس کے پیچھے اسلامی آئنگ واد کا ہاتھ ہے، شک کی سوئی لشکر طیبہ اور سیکی (تنظیم جماعت اسلامی) کی طرف گھوم رہی ہے۔“

مسلم دہشت گردوں سے نپٹنے کے لیے پونا کا نفاذ بہت ضروری ہے، پھر کیا تھا، مذہبی منافرت کا جن بوتل سے باہر آ جاتا ہے، ابھی صبح کا جالا پھیلنا بھی نہ تھا کہ سیاسی بساطیں پھر سے بچھ جاتی ہیں اور مسلم علاقوں پر پولیس کا قہر نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے، ان علاقوں میں بڑے پیمانے پر کومنگ آپریشن کے بعد بڑی تعداد میں بے قصور مسلمانوں کو پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا، مدرسوں کا حسب و نسب چیک کیے جانے لگا، مسجدوں کے ذمہ داروں کو پولیس اسٹیشن طلب کر کے زد و کوب کیا جانے لگا اور پورے ہندوستان میں ہائی الرٹ کے نام پر مسلمانوں خاص طور پر اصحاب کلاہ و دریش کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے انہیں جگہ جگہ پریشان کیا جانے لگا اور یہ سلسلہ ہنوز کئی روز جاری رہا۔

تعبیر کی غلطی:

دنیا میں مزاحمتی کارروائیوں کی تاریخ جسے حکومتی اور میڈیائی زبان میں ”دہشت گردانہ کارروائیوں“ سے تعبیر کیا جاتا ہے، صدیوں پرانی ہے، اس تاریخ کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دنیا میں ان مزاحمتی یا بلغظ دیگر دہشت گردانہ کارروائیوں کے لیے جتنی بھی تنظیمیں منظر عام پر آئیں ان کی بنیاد مذہبی منافرت پر نہیں بلکہ سماجی محرومی، معاشی بد حالی، نسلی اور علاقائی تشخص کے اصرار اور ظلم و بربریت پر ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کا ہدف ملکی امن کو خراب کرنا ہوتا ہے اور انکی مزاحمتی کارروائیوں کی زد میں آنے والا کوئی ایک خاص طبقہ نہیں ہوتا بلکہ پوری انسانیت ہوتی ہے تاکہ ان کی آواز ارباب حکومت سن سکیں اور ان کی مانگیں پوری کی جاسکیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلم تنظیموں کی مسلح کوششوں اور کارروائیوں کے نتیجے میں مسلمان نہیں مارے جاتے، حالیہ ممبئی دھماکوں کی زد میں مسلمان نہیں آتے اور مسجدوں کے اندر یہ دھماکے نہیں کیے جاتے۔ اگر القاعدہ اور طالبان لشکر طیبہ، حرکت المجاہدین اور جیش محمد جیسی مسلم تنظیموں کا ڈانڈا مذہبی منافرت سے جوڑ کر ملک و بیرون ملک میں ہونے والی ان کارروائیوں کو اسلامی آئنگ واد کہا جاتا ہے، تو پھر ہر خالص تسلسل وادیوں، مانواؤں ایل ٹی ٹی ای ناگا باغیوں اور الفا کی دہشت گردانہ کارروائیوں کو ”ہندو آئنگ واد، عیسائی آئنگ واد یا سکھ آئنگ واد“ کیوں نہیں کہا جاتا؟

ان مزاحمتی تنظیموں میں کسی کی بھی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے، ان کی تشکیل کی بنیاد مذہبی تشخص پر نہیں ملتی، القاعدہ کا قیام مشرق وسطیٰ میں امریکی بربریت کا نتیجہ ہے، ہندو پاک میں سرگرم مسلم باغی تنظیموں کا وجود ریاست کشمیر کی تحریک آزادی کی وجہ سے ہے، پیر خالصہ اور پنجاب میں سرگرم دوسری سکھ تنظیموں کا قیام ”خالستان“ کی مانگ پر ہے، شمال مشرقی ہندوستان میں ناگا تھپیار ہند گروہ کی آئنگ وادی سرگرمیاں علاقائی علیحدگی کے سوال پر ہے، آسام میں الفا کی باغیانہ کارروائیاں نسلی و علاقائی تشخص کی بنیادوں پر ہیں اور صوبہ بہار، بنگال، مدھیہ پردیش اور چھتیس گڑھ میں کسل وادیوں کا قہر سماجی محرومی کا شاخسانہ

ہے، اسی طرح کسی بھی باغی عظیم کی تفکیک کی وجہ جاننے کی کوشش کی جائے تو اس کی بنیاد نسلی و علاقائی تشخص، سماجی محرومی، معاشی بد حالی اور ظلم اور بربریت پر ہی ہوگی، مذہبی تشخص یا منافرت پر نہیں، لیکن ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا ان دہشت گردانہ کارروائیوں کو امریکی عینک سے دیکھنے کی عادی ہو چکی ہے، جس نے پروفیسر سیسول کی تہذیبی تضادم Clash of Civilization کی تھیوری کو اپنے ملک کی خارجہ پالیسی کا اٹوٹ حصہ بنالیا ہے، اس کے نزدیک ایک طرف عالمی امن و امان کو چاٹ جانے والی مسلم درندہ قوم ہے اور دوسری طرف باقی ماندہ مہذب قومیں، اس لیے اس تضادم کے نتیجے میں مسلمانوں کو معاشی، مذہبی، علاقائی اور سماجی سطح پر مفلوج کر دیا جائے تاکہ دنیا کو خطرے سے بچایا جاسکے۔

اس تھیوری پر عمل کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کو ہر سطح پر مفلوج بنانے کی امریکی کوششیں تو کامیاب ہوتی نظر آتی ہیں، لیکن اس کی وجہ سے دنیا کے بہت سے ملکوں کو داخلی اور خارجی سطح پر نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے، خود ہندوستان میں حکومت اور میڈیا کا اس تھیوری پر عمل کرنے کی وجہ سے ملک کی سالمیت اور ترقی کو کافی نقصان پہنچا ہے، اس تھیوری نے حکومت کی توجہ بہت سی دوسری غیر مسلم دہشت گرد تنظیموں کی طرف سے ہٹادی جو پورے ملک میں آزادی کے ساتھ دہشت پھیلا کر ملک کی ترقی اور سالمیت کو زک پہنچا رہی ہیں اور اپنی مسلح اور افرادی قوت کو بڑھا کر اپنا دائرہ وسیع تر کرتی جا رہی ہیں، جب کہ حکومت ان کارروائیوں کے بعد تفتیش کیے بغیر مسلم دہشت گردی کا رونا رورہی ہے اور بڑی ملک پر اپنا بخارا تار رہی ہے، مزاحمتی سرگرمیوں کے خلاف امریکی پالیسی پر عمل کرنے کی وجہ سے دوسرا نقصان ہندوستان کو یہ ہو رہا ہے کہ اقلیتوں کے خلاف نفرت رکھنے والی سیاسی اور نیم سیاسی پارٹیاں اس طرح کی دہشت گردانہ کارروائی کر کے اس کی ساری ذمہ داری مسلم تنظیموں پر ڈال رہی ہیں اور اقتدار کی ہوس میں سیاسی روٹی سینک رہی ہیں، گجرات کے فسادات اور ممبئی بم دھماکوں کا تجزیاتی مطالعہ ہمارے اس نظریے کی توثیق کرتے ہیں اور مضامی میں اکثر دھام مندر پر حملہ، جامع مسجد اور عین عید الفطر سے قبل بم دھماکے ہمارے اس نظریے کو

ملوث پہنچاتے ہیں۔

دہشت گردانہ کارروائیوں کا سرا اسلام اور مسلمانوں سے جوڑ کر اپنی داخلی نفرت کو تسکین یا امریکی مفادات کو تقویت پہنچائی جاسکتی ہے، لیکن ان کارروائیوں کو ختم نہیں کیا جاسکتا، انہیں ختم کرنے کے لیے حالات و اسباب کا معروضی جائزہ لے کر ان کے تدارک کی ضرورت ہے۔

عالم اسلام دو حصوں میں منقسم:

اسلامی دنیا اس وقت واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے، ایک طبقہ اہل توحید (وہابیوں، اہل حدیث، یا سلفیوں) کی نمائندگی کرتا ہے جب کہ دوسرا طبقہ اہل تصوف (اہل سنت و جماعت) کے نظریات کا حامی اور پیروکار ہے۔ ۱۷۴۳ء میں جزیرہ عرب کے ایک علاقے نجد سے ابن عبدالوہاب نجدی نے خالص وحدانیت کے تحفظ کے نام پر برسوں سے مروج اسلامی رسوم و رواج کو شرک قرار دیتے ہوئے علاقائی سطح پر اپنا تحریبی آپریشن شروع کیا اور بنام وحدنیت مسلمانوں میں تشددانہ اور تصوف مخالف نظریات کی تبلیغ شروع کی، ابتداء سے ناکامی کا منہ دیکھنا پانچ لیکن سعودی حکمران شاہ سعود نے جب اس نظریے کا علم اپنے ہاتھوں میں لیا تو نظریاتی قتل و غارت گری کی اس تحریک کو پاؤں پھیلانے کا پورا موقع ملا، شاہی محل میں پروان چڑھنے والی اس تحریک نے پورے سعودیہ میں طوفان برپا کر دیا، آثار رسول و صحابہ، تبرکات رسول، گنبد و مینارے جو اسلام کی مقدس ہستیوں کی آرام گاہوں کے علامتی نشان تھے ان پر بلند و زبر چلا دیئے گئے، نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جاں نثار صحابہ اور اہل بیت اطہار کے کاشانوں کو ہولوں، پارکوں اور باتھ رومز میں تبدیل کر دیا گیا، تاکہ وہاں دنیا کے کروڑوں مسلمان حاضر ہو کر اپنی مذہبی عقیدتوں کا خراج نہ پیش کر سکیں۔ (کیونکہ یہ ان کی شریعت میں کفر و شرک کو تسلیم تھا) اور خالص توحید کے نام پر مذہبی تشدد اور گمراہ کن عقائد پر مبنی لیٹرچر تیار کرائے گئے اور پوری دنیا میں اس کی تبلیغ کے لیے شاہی خزانوں کے دہانے کھول دیئے

گئے۔ ہندوستان میں انیسویں صدی کے نصف اول میں اس تحریک کی نمائندگی اسماعیل دہلوی نے کی، اور ابن عبد الوہاب نجدی، کی لکھی دل آزار اور گمراہ کن نظریات پر مبنی کتاب "التوحید" کی مشمولات اور فکر کو نئے رنگ و آہنگ میں ڈھال کر ایک نئی کتاب "تقویت الایمان" تیار کی جس نے پورے برصغیر میں آگ لگا دی، اور پھر اس نظریاتی جنگ نے پورے عالم اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، پچھلی ایک صدی میں نجد سے اٹھی اس وہابیائی جماعت کے نظن سے کئی جماعتوں نے جنم لیا، جو اہل حدیث، سلفی، دیوبندی، تبلیغی جماعت وغیرہ کے ناموں سے جانی جاتی ہیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ اس ایک صدی میں اس وہابیائی تحریک سے جب کوئی نئی جماعت پیدا ہوئی اس نے تشدد میں اپنی پچھلی جماعت کو پیچھے چھوڑ دیا۔ جس کی موجودہ کڑی "القاعدہ" اور طالبان ہیں جس کی اسلام مخالف اور انسانی سوز سرگرمیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے تہین غیر مسلم دنیا کا زوایہ نظر ہی بدل کر رکھ دیا۔ ان کے نزدیک چند ہزار افراد جو ان کی فکر و نظر سے منسلک ہیں، وہ مسلمان ہیں باقی پوری دنیا کافر و مشرک اور واجب القتل ہیں۔

اس تاریخی حقیقت کے جان لینے کے بعد مسلم تنظیموں اور ان کی مزاحمتی سرگرمیوں کا غیر جانب دارانہ مطالعہ کیا جائے تو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ میڈیا میں "اسلامی آنک واد" کی اصطلاح کا چلن، اسلام کے تعلق سے عام ذہنوں میں تشددانہ نظریات کی سوچ اور عام مسلمانوں کے بارے میں شکوک و شبہات کا رواج صرف امریکی پالیسی یا مذہبی منافرت پر نہیں ہے بلکہ خود یہ مسلم تنظیمیں بھی بڑی حد تک اس کی ذمہ دار ہیں، جو اپنی سماجی محرومی، معاشی بد حالی، علاقائی و نسلی تشخص اور ظلم و بربریت کے نتیجے میں اٹھائے گئے ہتھیاروں کو مذہب کے کندھے پر رکھ کر چلا رہی ہیں تاکہ انہیں اسلامی دنیا اور کروڑوں مسلمانوں کی حمایت حاصل ہو سکے۔ حال ہی میں ۲۸ جولائی کے انگریزی اخبار "ٹائمز آف انڈیا" میں اسامہ بن لادن کے دایاں ہاتھ اور القاعدہ نمبر ۲ کہلانے والے ایمن الفلواہری کی ایک اپیل "الجزیرہ" چینل کے حوالے سے شائع ہوئی، جس میں انہوں نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو اسرائیل کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دی ہے، اس دعوت کی

اپیل میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ۔

"یہ ایک جہاد ہے جو خدا کے لیے ہے اور یہ جہاد اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اسلام اسپین سے لے کر عراق تک غالب نہیں آ جاتا، جس کے لیے ہم ہر جگہ حملے کریں گے۔"

It is a Jihad for the sake of God and will last Spain to Iraq. We will till our religion prevails attack everywhere.

یہی وہ سوچ ہے جو میڈیا کو "اسلامی آنک واد" کہنے کے لیے مجبور کرتی ہے، مذہبی منافرت رکھنے والوں کے لیے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مقوی غذا کا کام کرتی ہے۔ یہاں قارئین کو میں ایک اہم نکتے کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ جس امر کی ظلم و بربریت کے خلاف "القاعدہ" اور اس کی حلیف تنظیمیں آسمان سر پر اٹھاتی ہوئی ہیں، اسی امریکہ کے مفادات میں بلا واسطہ اور بالواسطہ یہ کل بھی کام کر رہی تھیں اور آج بھی کر رہی ہیں اور لطف کی بات یہ بھی ہے کہ دہشت گردی اور مذہبی تشدد کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے راتوں کی نیند حرام کرنے والے امریکہ بھی اسی ملک (سعودیہ عربیہ) کا سب سے بڑا خلیف اور ہمدرد ہے جہاں سے ان تشدد جماعتوں کا ظہور ہوا۔ ۸۰ کی دہائی میں روس کو افغانستان سے باہر نکال کر ساؤتھ ایشیاء پر اپنا سیاسی تسلط جمانے کے لیے امریکی نے ہی "القاعدہ" کو افغانستان پہنچایا اور علاقائی حمایت کے لیے طالبان کو پیدا کیا اور انہیں پردے کے پیچھے سے کمک پہنچا کر ان سے اپنا مقصد پورا کیا۔

۹۰ء کی دہائی میں مشرق وسطیٰ پر اپنا تسلط قائم کر کے اسرائیل کو فوجی قوت پہنچانے اور پیٹرول پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے لیے عراق پر حملے کیے، اول الذکر مقصد میں کامیابی کے بعد اس نے ہندو پاک کو اپنا نظریاتی ہمنوا بنالیا، لیکن جب یہی طالبان اور القاعدہ اس کے لیے لیے گلے کی ہڈی بن گئے اور عراق پہ حملے کے باوجود مقصد میں کامیابی نہیں ملی تو اس نے انسانی سوز ہتھیار Mass Distruction رکھنے کے الزام میں عالمی برادری اور

اقوام متحدہ کی رضامندی کے بغیر دوبارہ ۲۰۰۳ء میں عراق پر حملہ بول دیا اور طالبان کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے (کیونکہ وہ امریکہ کے لیے سرورہ بن چکے تھے) عراق کا حلیف بنا کر افغانستان پر حملہ کر دیا، حالیہ دنوں لبنان پر اسرائیلی بمباری اور وحشیانہ مظالم میرے مذکورہ دعوے کو دلیل فراہم کرتے ہیں اور غالباً اسی لیے امریکہ اپنی فوج عالمی مذمت کے باوجود ہٹانے کے لیے تیار نہیں، اس کے بعد اس کا نشانہ ایران اور شام ہیں تاکہ پورے مشرق وسطیٰ پر اس کا کنٹرول ہو سکے۔ اب وہ اسی القاعدہ اس کی حلیف تنظیموں کو ختم کرنے کے نام پر خود ہی حملے کر داتا ہے اور پھر ان کے تارن تنظیموں سے جوڑ کر اپنے مفادات حاصل کرتا ہے۔ ۲۰۰۲ء میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ اس حقیقت کا کھلا ثبوت ہے جس کی طرف خود امریکی اور مغربی ماہرین نے اشارے کیے ہیں۔

کئی دہائی قبل ہی پوری دنیا بالخصوص مغربی دنیا کے سامنے اہل تصوف کا اعتدال اور اہل توہب کی بے راہ روی، گمراہی اور تشددانہ نظریات اس قدر واضح ہو چکے تھے کہ انہیں اپنے خطرناک عزائم اور سیاسی و مذہبی مفادات کے لیے ان دو طبقوں میں سے اہل توہب کے انتخاب میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی، اس لیے اس طبقے کو مغربی دنیا خصوصاً امریکہ نے کل بھی استعمال کیا اور آج بھی کر رہا ہے، صرف طریقہ استعمال تبدیل ہوا ہے ورنہ کل انہیں گود میں بٹھا کر استعمال کر رہا تھا اور آج ان کی کندھوں پر بیٹھ کر اپنے مفادات حاصل کر رہا ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ بڑے پیمانے پر پکڑے جانے والے تخریب کار کہیں عقیدے کی سطح پر اور کہیں فکری سطح پر اسی تحریک کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔

ممفی دھماکے کے بڑے پیمانے پر پولیس نے جن مشتبہ لوگوں کو ماضی میں ان کی تخریبی رویے کی بنیاد پر گرفتار کیا ہے ان میں اکثریت کا تعلق بھی وہابیائی تحریک اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والی جماعتیں اہل حدیث اور تبلیغی جماعت وغیرہ سے ہی ہے۔ ان گرفتار کیے گئے افراد میں ضلع بیڑمہارشر کے رہنے والے دو افراد سید فوج الدین اور محمد فیاض بھی تھے ان دونوں کا نام اس وقت ریکارڈ میں آیا جب ۹ مئی کو ایلورا (مہاراشٹر) کے قریب بڑے پیمانے پر RDX پکڑا گیا یہ دونوں ہی جماعت اہل حدیث کے ممبر ہیں ان کے تعلق

تمام تر تفصیلات ۲۳ جولائی کے سنڈے ٹائمز آف انڈیا میں شائع ہوئی ہیں، اس میں تمام نامہ نگار نے تبصرہ کرتے ہوئے واضح طور پر لکھا ہے کہ ”ممفی بم دھماکے میں بنیادی طور پر دونوں بھی مشتبہ ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس کام کے لیے ان دونوں کی ذہن سازی جماعت اہل حدیث نے ہی کی تھی۔“

They are key suspects in Mumbai Blasts. And Said to have been indoctrinated by Ahle Hadees,

تبصرہ نگار اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھاتے ہوئے آگے لکھتا ہے کہ ”ممفی اور لشکر طیبہ سے دونوں دوستوں کی قربت اہل حدیث کے توسط سے ہوئی، لشکر طیبہ کے بارے میں یہ یقین سے کہا جاتا ہے کہ اس کے مذہبی نظریات وہابیائی تحریک سے ماخوذ ہیں۔“

The two friends seem to have got close to Simi and Let Through their Ahl-e-Hadees Connection Let is Belived to draw its religious Moorings From the Wahabi-Style sect.

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ وہابی تحریک کے تشددانہ رویے اور ان کی دین کی خود ساختہ گمراہ کن تعبیرات نے ہی بنام جہاد دنیا میں انہیں قتل و غارت گری پر آمادہ کیا، جس نے اسلام کو ملزم کے کنبہ میں کھڑا کر دیا اور دنیا کے تمام مسلمانوں کو مشتبہ بنا دیا ہے حالانکہ جماعت اہل حدیث کے ذمہ داران اپنے آفس میں بیٹھ کر ان دہشت گردانہ کارروائیوں سے اپنی لائقیت کا اظہار کرتے ہیں، جیسے آج افغانستان میں طالبان کی کارروائیوں سے لائقیت کا اظہار بھی کیا جا رہا ہے، چھپے الفاظ میں طالبان کی ہمدردیاں بھی شامل حال ہیں، تھوڑی دیر کے لیے اس لائقیت کو ہم تسلیم کر بھی لیتے ہیں، لیکن اس تاریخی اور زمینی حقیقت سے وہ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ آج دنیا میں جتنی بھی دہشت گرد تنظیمیں کام

کر رہی ہیں ان تمام کا تعلق عقیدے کی سطح پر نہ کسی کم از کم فکری سطح پر انہی جماعتوں سے جن کا سرشتہ و ہابیائی تحریک سے جاملتا ہے۔

دہشت گرد صرف مسلمان نہیں:

وہابیائی تحریک، امریکی پالیسی اور میڈیا کی پروپیگنڈہ، یہ وہ تثلیث بے کلیسا ہے جس نے ممبئی بم دھماکوں کے بعد مسلمانوں کے تعلق سے ایک دل آزار شوشہ چھوڑا ہے کہ: ”تمام مسلمان دہشت گرد نہیں لیکن تمام دہشت گرد مسلمان ہیں“

All Muslims may not be terrorists, but all terrorists are Muslims.

تعبیر کے فرق سے دلوں کی کدورت نہیں چھپائی جاسکتی، اس جملے کو کسی طرح بھی کی جائے، برق بے چارے مسلمانوں پر ہی گرتی ہے، مگر اس تثلیث کے باوجود یہ زمینی حقیقت عام نگاہوں سے اوجھل ہے کہ آج بھی دنیا خصوصاً ہندوستان اور پاکستان میں جتنی بھی بائی اور دہشت پسند تنظیمیں کام کر رہی ہیں ان کی اکثریت ہندو عیسائی اور سکھ تنظیموں کی ہے ہندوستان میں کشمیر ہی ایک ایسی ریاست ہے جہاں آزادی کشمیر کے نام پر مسلم تنظیمیں ہتھیار اٹھاتی ہوئی ہیں جب کہ حیرت انگیز حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے تقریباً 600 اضلاع میں سے 150 ضلعوں اور بیسویں ریاستوں میں ہندوؤں، عیسائیوں اور سکھوں کی، بہر حال، نسل واد، ماؤنواز، الفاء، ایل ٹی ٹی جیسی دہشت پسند تنظیمیں سرگرم عمل ہیں، ان تنظیموں میں ایک بھی مسلمان شریک نہیں، ریاست کشمیر میں سرگرم، دو ایک مسلم تنظیموں اور ہندوستان کی دیگر غیر مسلم تنظیموں میں صرف فرق اتنا ہے کہ وہ بڑے شہروں میں ہی کبھی کبھار اپنی دہشت گردانہ کارروائی کرتی ہیں، اور دنیا کی نگاہوں میں آسانی سے آجاتی ہیں جب کہ مذکورہ غیر مسلم تنظیموں کی دہشت گردی کا دائرہ چھوٹے شہر، قصبے اور دیہات ہیں بلکہ کئی ریاستوں میں کچھ علاقے ایسے بھی ہیں جہاں ان کی اپنی متوازی حکومت (Parallel Government) چل رہی ہے، وہاں ہندوستان کا قانون

ان کے اپنے خود ساختہ اصول چلتے ہیں، جہاں ہندوستانی پولیس بھی قدم رکھتے ہوئے نہیں آتی ہے، انہوں نے اب تک ہندوستان کے ہزاروں کلومیٹر کے دائرے میں ان گنت ایسی اشیانوں پر حملے کیے، ہزاروں بے گناہ شہریوں کو مارا، کروڑوں کا صرفہ لوٹا، حکومتی اداروں کو نشانہ بنایا اور انکی املاک پر قبضہ کر لیا، ایسے میں یہ کہہ کر ”تمام دہشت گرد مسلمان ہیں“ حقیقت سے آنکھیں چرا کر دنیا میں مذہبی منافرت کو ہوا دی جاسکتی ہے، لیکن دہشت گردی کا خاتمہ کر کے امن و امان کی طرف پیش قدمی نہیں کی جاسکتی۔

یہاں اگر دہشت گردی اور مزاحمت کی ملکی تاریخ پر بھی نظر ڈالی جائے تو ماضی میں کوئی ایسی مسلم تنظیم یا فرد نظر نہیں آتا جس نے حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھا کر بے قصور عوام کو اپنے مفادات کا نشانہ بنایا ہو بلکہ بغاوت اور دہشت پسندی کی یہ خونخواری تاریخ بھی ہندوؤں، عیسائیوں اور سکھوں کے نام ہی منسوب کی جائے گی۔

ہندوستان میں اجتماعی دہشت گردی کی پہلی صورت حال ۱۹۴۰ء اس وقت سامنے آئی، جب ہندوستانی ریاست ناگا لینڈ اور میزورم میں علاقائی ہندوؤں اور عیسائیوں نے ناگہا ہتھیار بند گروہ بنا کر عموماً پورے ملک اور خصوصاً مذکورہ ریاست کو علیحدہ ملک کے مطالبہ پر اپنی باغیانہ سرگرمیوں کا ہدف بنایا، انکی تحریکی کارروائیوں سے پریشان ہو کر ہندوستانی حکومت اور نیشنلسٹ کونسل نے وہاں کے عام شہریوں کے ساتھ سمجھوتہ کیا اور علاقائی کونسلوں کو بہت سے حقوق دیئے، اس سمجھوتے کے بعد ناگہا بانیوں کی دہشت گردانہ سرگرمیوں میں بہت حد تک کمی آئی لیکن اب بھی ان کے کچھ مطالبات ہیں جن کی وجہ سے ان کی مزاحمت سرگرمیاں جاری ہیں، اسی کے نتیجے میں ۱۹۹۲ء سے لے کر ۲۰۰۰ء تک اس کے درمیان صرف آٹھ سالوں میں ۵۹۵ شہری، ۲۲۵ سیکوریٹی جوان اور ۸۶۶ ناگہا بانی مارے گئے ہیں، جب کہ کروڑوں کی سرکاری وغیرہ سرکاری املاک کا نقصان بھی ہوا ہے۔

☆ آسان میں ۱۹۷۹ء میں غیر آسامیوں کی آمد کو لے کر ”آسام تحریک“ شروع ہوئی (کیوں کہ آسامی قبائل اقلیت میں تبدیل ہو رہے تھے) چھ سالوں کی دہشت گردانہ کارروائیوں کے بعد ۱۹۸۵ء میں ”آسو“ نے سمجھوتہ کیا اور آسام گن پریشد بنا کر الیکشن لڑا

بوڈر تحریک اسی کا نتیجہ ہے، اس نے شروع میں علیحدہ بورڈ ولینڈ کی تحریک چلائی یہاں تک کہ حکومتی سمجھوتے میں بوڈو کونسل کے قیام کے بعد یہ تحریک سرد پڑی حالانکہ چھوٹی چھوٹی شکلوں میں اب بھی یہ موجود ہے۔

☆ آسام تحریک میں اہم کردار ادا کرنے کے لیے ۱۹۷۱ء میں الفا کی بنیاد پڑی، اس کا ابتدائی مقصد آسام کو ہندوستان سے آزاد کرنا ایک سوشلسٹ صوبے کا قیام تھا، مگر اس کی دہشت گردانہ سرگرمیوں کے باوجود یہ تحریک کئی وجوہوں سے کامیاب نہیں ہو پائی، ان وجوہات میں ایک بڑی وجہ تھی وہاں کے مسلم طبقے کی عدم حمایت، بعد میں الفا نے نسل وادیوں، ناگاباغیوں اور ماؤ وادیوں سے اپنے تعلقات استوار کر لیے اور اب ان کا آئنگ پورے ہندوستان کو اپنی زد میں لیے ہوئے ہے، جس میں کوئی غریب مسلمان شامل نہیں۔

☆ شمال مشرقی ہند میں ہی چار دہائی قبل اٹھنے والے ”الگا واد“ کے انقلاب نے بھی ایک عرصے تک ہندوستان کے طول و عرض میں کشت و خون کا بازار گرم رکھا۔ ۱۹۸۰ء میں

علیحدہ ”ملک خالصتان“ کو لے کر پنجاب میں اٹھنے والی تحریک نے پورے ہندوستان میں دہشت گردی کی جو تاریخ رقم کی ہے وہ اتنی آسانی سے بھولی نہیں جاسکتی، پنجاب کی اس تحریک نے ۱۹۸۴ء میں وزیراعظم شری متی اندرا گاندھی کو چتا پر لٹا دیا تھا۔ اس کے بعد ہندو سکھ فسادات نے کئی ریاستوں کو اپنی پلیٹ میں لے لیا۔ جس کے نتیجے میں ہزاروں ہزار بے گناہوں کے لہو سے ہندوستان کی زمین سرخ ہو گئی، یہ فسادات آج بھی ہندوستان کی پیشانی پر ایک بد نما داغ ہیں، جن میں کسی مسلمان کا ہاتھ نہیں تھا۔

ان تمام تاریخی سچائی کی طرف ٹائمز آف انڈیا کے مشہور کالم نگار سوامی ناتھن ایئر نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ۔

”ہندوستان میں عیسائیوں، یہودیوں، سکھوں یہاں تک کہ بدھسٹوں کے بہت سے گروپ تھے اور ہیں، جن سے ہندوستان کے ایک تہائی حصے کو مسلم دہشت گردوں سے زیادہ خطرہ ہے، بڑے شہر صرف مسلم گروپ سے خطرہ محسوس کرتے ہیں اور اسی لیے قومی قائدین اور زعماء کی نظریں بھی مسلم دہشت گردی پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہیں۔“

(ترجمہ انگریزی سے سنڈے ٹائمز آف انڈیا، ۲۳ جولائی ۲۰۰۶)

یہ تو ہندوستان کی دہشت گردی اور قتل و غارت گری کی مختصر تاریخ تھی، اگر بغاوت مزاحمت، دہشت گردی اور خودکش حملے کی عالمی تاریخ پر بھی نظر ڈالی جائے تو یہ بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے نام ہوگی، جن کے آگ اگلنے والے ہتھیاروں نے پوری دنیائے انسانیت کو وہ زخم دیئے ہیں جو سو کھنے کا نام نہیں لیتے۔ آئیے دہشت، بربریت اور خون سے لکھی اس تاریخ پر بھی نظر ڈال لیں۔

۱۸۸۱ء میں انارکیوں نے اپنی دہشت گردانہ کارروائیوں کے نتیجے میں روسی صدر تسر الیگزینڈر Tsar Alexander کو مار دیا جب کہ ۱۹۰۱ء میں امریکی صدر مائیک کنکلی Mckinley اور اٹلی کے بادشاہ، ہمبرٹ Humbart کو مارا اور جب پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی تو انہوں نے آسٹریلیا کے حکمران Archduke Ferdiand کو مار دیا لیکن اتنے بڑے پیمانے پر عوامی قتل و غارت گری کے ساتھ ساتھ ان بڑے حکمرانوں کے خون کا وبال کسی مسلمان کی گردن پر نہیں۔

☆ تاریخ بتاتی ہے کہ گوریلا جنگ جوؤں میں ماؤزی دوئنگ Mao Zedong سے لے کے ہو چی من Hocht Minh اور فیڈرل کیسٹر و Fidel Castro تک، اپنی انقلابی تحریک کے دوران ہزاروں بے گناہ شہریوں کو مارا اور اربوں کی املاک کو ضائع کر دیا۔ اس تحریک میں بھی کوئی مسلمان شامل نہیں تھا، لطف کی بات تو یہ ہے کہ جب تک انہیں فتح نصیب نہ ہوئی تھی دنیا انہیں دہشت گرد کہتی تھی لیکن جب یہ اپنی تحریک میں کامیاب ہوئے تو ہیرو اور جاں باز کہلائے۔

☆ ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کے بعد فلسطین میں یہودی گروپ ہگانہ، ارگن اور اوراسٹرن (Haganah, Irgan and Stern) نے علیحدہ یہودی ریاست کے لیے لڑائیاں لڑیں، سرکاری اور عام عمارتوں، ہوٹلوں کو بم سے اڑایا اور ہزاروں بے گناہ شہریوں کو قتل کیا، اس وقت برطانوی حکومت وہاں قابض تھی، جس نے ان گروپ کو واضح طور پر دہشت گرد قرار دیتے ہوئے ان کے گرد زندگی کا حصار تنگ کر دیا، یہاں بھی دلچسپ

بات یہ ہے کہ جب یہ تحریک کامیابی سے ہم کنار ہوئی تو ان باغی تنظیموں کے تمام دہشت گرد آزاد اسرائیل کے ہیرو اور لیڈر بن گئے یہ دہشت گرد قائدین کوئی اور نہیں اسحق رابن، موسیٰ دیان، یگن اور امیریل شرون تھے، جو آج اسی آزادی کے لیے لڑنے والے فلسطینی مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیتے ہوئے ان پر مظالم کے وہ پہاڑ توڑ رہے ہیں کہ اب ان کے اندر سے جینے کی آرزو ختم ہو چکی ہے۔

☆ جرمنی میں ۱۹۶۲ء سے ۱۹۹۲ء تک ہادر مین ہوف Baadr Menhoof گینگ نے پورے جرمنی میں اپنا خطرناک آٹھک پھیلا دیا اور اس بڑے شہریوں یہاں تک کہ پرائیویٹ سٹیشن ایجنسی کے سربراہ تری ہینڈ Treahand کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جرمنی میں نصف صدی تک قتل و غارت کی ہولی کھیلنے والے اس گینگ میں کوئی مسلمان نہیں تھا۔

☆ افریقہ ایک عرصہ تک داخلی نزاع اور خانہ جنگی کی وجہ سے تباہ و برباد رہا، لیکن پوری عالمی برادری انسانیت کی ارزانی پر خاموش تماشائی بنی رہی اور وہاں کے مختلف دہشت گرد تنظیموں کو پورے براعظم میں اپنی دہشت پھیلانے کا پورا موقع دیا۔ ان تمام دہشت گرد گروپوں میں سب سے خطرناک اگائڈا کی لورڈ سالویشن آرمی Lord's Salvation Army یعنی ”خدا کی نجات کی فوج“ تھی، اس تنظیم کے بانی اور اراکین تمام کے تمام عیسائی تھے جو بچوں کو بھی اپنے مفادات کے لیے جنگجو کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

☆ سری لنکا میں تامل نائیکرس Ltte ہے جسے دہشت گرد تنظیموں میں سے ایک نہایت بدنام اور ممنوع تنظیم تسلیم کر لیا گیا ہے یہ وہ پہلی دہشت گرد تنظیم ہے جو چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی دہشت گردی کی تربیت دیتی ہے۔ خودکش حملے Socide Bombing کو بڑے پیمانے پر عراقی اور فلسطینی مسلمانوں سے جوڑا جاتا ہے، لیکن یہ جان کر حیرت ہوگی کہ تامل نائیکرس ہی پہلی وہ دہشت گرد تنظیم ہے، جس نے اپنی تحرشی کارروائیوں کے لیے خودکش حملے کو استعمال کیا، اسی خودکش حملے میں اس تنظیم کی ایک

خاتون دہشت گرد نے ۱۹۹۱ء میں وزیراعظم اچیوتگا گاندھی کے چہیتھڑے اڑا دیے تھے۔ ان تمام تاریخی شواہد کے نتیجے میں اب مسلمان یہ کہنے کے مجاز ہیں کہ ”تمام دہشت گرد صرف مسلمان نہیں بلکہ ہندو، سکھ اور عیسائی بھی ہیں“

All terrorists May not only be Muslims
but hindu, sikh and christians also

رہی بات مسلم تنظیموں کی بنام جہاد و دہشت گردانہ سرگرمیوں کی تو اسلام سے ان کا کیا تعلق؟ مذہبی نظریات کی خود ساختہ تشریحات اور تحریفات کے ذریعہ چلنے والی وہابیائی تحریک نے اب تک انہیں یہی بتایا کہ اس ”مجاہدے“ سے عرفان اور ایمان حاصل ہوتا ہے مگر عالم اسلام کی اکثریت جو اعتدال پسندوں کی ہے ان سرگرمیوں کو زوال اور عذاب سے تعبیر کرتی ہے، اب جب کہ دن کے اجالوں اور شب کے اندھیروں میں مگر یہ طاقتیں ان کے گرد اپنا فکلیج کس رہی ہیں تو یہ اپنا مصلیٰ سمیٹنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ افغانستان میں طالبانی طاقت کا حشر نشر وہابیائی تحریک کے خاتمہ کا دوسرا نام ہے۔

مغرب میں آزادی اظہار کا دھڑا لیجانے

یہ بھی بدترین دہشت گردی ہے

”جن چیزوں نے انسانی فکر کو متاثر کیا وہ دو تھیں، قوت اور مذہب، قوت کا اثر محدود تھا، مذہب کا لامحدود، قوت کے ذریعے انسان کے جسم پر تسلط حاصل کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اقلیم دل کی فتح ناممکن تھی، مذہب کی حکمرانی انسان کے ان بنیادی جذبات پر تھی جہاں اس کی فکر و نظر کے سانچے ڈھلتے تھے اور جہاں اس کی شخصیت تعمیر ہوتی تھی۔“

مسلمانوں کے ایمان کا مرکز و محور، قلم و عشق کی موج، سالار کارواں کا میر حجاز اور کتاب زبیت کا عنوان ﷺ کی مغربی میڈیا کی جانب سے اہانت پر عالم اسلام کا فطری

رد عمل اور شدید احتجاج، مغربی مفکر برتھولٹ کے مذکورہ اقتباس کی صداقت کا آئینہ دار ہے۔ آقائے کائنات کے غلاموں اور فرزانوں کے عالمگیر احتجاج کو ہم سلام کرتے ہیں جنہوں نے مادی طاقت کے نشے میں چور مغربی دنیا کو یہ یاد کرادیا ہے کہ دین کے نام پر اگر کوئی مذہب زندہ ہے تو وہ اسلام ہے اور جمہوریت کے نام پر کوئی رائے عامہ ہے تو ہمارے پاس ہے، چندہ صدیاں گزر جانے کے باوجود اپنی ہزار کونہ عملی، حرص اور مجہوریت کے احساس کے ساتھ آج بھی ہم ایمان و عقیدے کی علامت، جذبات کا مظہر اور فکر و خیال کے نازک آئینے پر ذرا بھی آنچ برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

اس مختصر اور خاصی جذباتی تمہید کے بعد اب آئیے ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں، ۳۰ ستمبر ۲۰۰۵ء کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ڈنمارک کے ایک اخبار ”شیلانڈ پوسٹین“ Jylland Posten نے بنام آزادی اظہار، رسول اکرم ﷺ کے ۱۲ اہانت آمیز، انتہائی بے ہودگی اور جارحیت پر مشتمل کارٹون شائع کئے، سرور کائنات ﷺ کا کارٹون بنانا بذات خود ایک بھیانک جرم تھا، چہ جائیکہ ان تمام خاکوں (کارٹون) میں یہ پیغام دینے کی شرپسندانہ کوشش کی گئی کہ حضور ﷺ (معاذ اللہ) ایک دہشت گرد اور ان کی تعلیمات امن عالم کے لیے خطرہ ہیں، ان خاکوں میں کہیں پیغمبر امن امان ﷺ کو عمامہ شریف میں ہم رکھا ہوا دکھایا گیا، کہیں قتل و غارت گردی کے لیے ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے دکھایا گیا۔ اور کہیں یہ تاثر دیا گیا کہ ان کا سورج غروب ہو رہا ہے، اور کہیں ان کی شبیہ کو ایک دیوار اور خطرناک شخص کے طور پر دکھانے کی مذموم کوشش کی گئی۔

عالم اسلام کا احتجاج اور مغرب کا رد عمل:

ڈنمارک کے مقامی مسلمانوں کی گنتہ گار آنکھوں نے جب ان دہشت ناک خاکوں کو دیکھا تو ان کی روح تک کانپ اٹھی اور اس شرپسندی پر انہوں نے صدائے احتجاج بلند کرنا شروع کر دیا۔ لیکن کہتے ہیں کہ ”نفار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے؟“ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا نہ وہاں کی حکومت نے کوئی نوٹس لیا اور نہ ہی مذکورہ اخبار نے اس احتجاج پر کوئی

توجدی بلکہ اس اخبار کے ایڈیٹر فلیمنگ روز Fleming Rose نے یہ کہہ کر دیدہ دلیری کا مظاہرہ کیا کہ یہ ”آزادی کا اظہار کا نمونہ تھا، جس کا حق ہر انسان کو حاصل ہے۔ ۲۰ اکتوبر کو وہاں موجود مسلمان ملک کے سفراء نے ڈنمارک کے وزیر اعظم سے ملاقات کر کے اس مسئلے پر احتجاج درج کرنا اور نتائج کی یقینی پر متنبہ کرنا چاہا تو انہوں نے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا کہ ”یہ پریس کی آزادی اور اظہار رائے کی آزادی کا مسئلہ ہے اور ہمارا پریس اور ہمارے عوام دونوں ہی کو یہ حق حاصل ہے۔“ اس ہٹ دھرمی پر ۱۴ نومبر کو جمعیت علماء پاکستان نے اسلام میں زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا، اسلام دشمنی میں آکر مسلمانوں کے جذبات کو مزید پامال کرنے کے لیے ۱۰ جنوری کو ناروے کے اخبار ”میگزینیٹ“ Magazinet نے ان خاکوں کو دوبارہ شائع کر دیا، جس پر دنیا بھر کے مسلمان مشتعل ہو کر سڑکوں پر اتر آئے، جب کہ ۲۶ جنوری کو سعودی عرب نے ڈنمارک میں مقیم اپنے سفیر کو واپس بلا لیا اور ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ شروع کر دیا، سعودی عرب کی اس پیش رفت پر ۲۷ جنوری کو عراق کے تمام مسلمانوں نے جمعہ کی نماز میں ڈنمارک اور دوسرے مغربی ممالک کی پرزور مذہب کی، ان احتجاجوں پر شرمندہ ہونے اور معافی مانگنے کی بجائے ڈنمارک کے مذکورہ اخبار نے ایک بار پھر ۲۹ جنوری کو اسے حق آزادی اظہار، بتا کر اپنی گندی اور متعصب ذہنیت کا ثبوت دیا اور وہاں سے ریڈیو کے براڈ کاسٹنگ کے دوران لوگوں کی فون کالز موصول کی گئیں، جس میں اکثریت نے اس اخبار کو مسلمانوں سے معافی نہ مانگنے پر اکسایا۔ جس پر فلسطین کے مسلمانوں نے زبردست احتجاج کیا اور ڈنمارک کا قومی پرچم نذر آتش کیا، جب کہ لیبیا نے ڈنمارک میں اپنے سفارت خانہ کو بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس مسئلے میں ایک طرف مسلمانوں کا احتجاج شدت اختیار کرتا جا رہا تھا اور دوسری طرف مغربی ممالک آزادی اظہار کے نام پر اس مذموم حرکت کا جواز پیش کر رہے تھے، جس پر ۳۰ جنوری کو دنیا کی اکثر اسلامی تنظیموں بشمول فلسطین کی حماس اور مصر کی اخوان المسلمین نے ڈنمارک کی مصنوعات کا پوری دنیا میں بائیکاٹ کرنے کا اعلان کیا، اس حکمت

عملی نے اپنا اثر دکھایا اور ڈنمارک کی قومی آمدنی کو چار دنوں میں تین لاکھ ڈالر کا زبردست نقصان ہوا چونکہ وہ مادیت اور معیشت کی ہی زبان سمجھتے ہیں اس لیے ان کی ہٹ دھرمی ٹوٹ گئی اور وہ گھمنوں پر آ گئے اور پھر ۳۱ جنوری کو اس اخبار کے ایڈیٹر نے معافی مانگی، گوکہ عالم اسلام نے محسوس کیا کہ یہ معافی، ندامت اور شرمندگی کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ ان کی معیشت کے احساس زوال کا شہانہ تھی، لیکن مسلمانوں نے صبر و ضبط کیا، یہ معاملہ دھیرے دھیرے سرد پڑ جاتا مگر کلیم فروری کو ڈنمارک کے حق آزادی اظہار کی حمایت میں فرانس، جرمنی، اٹلی اور اسپین، کے اخبارات نے انہی خاکوں کو دوبارہ شائع کر دیا، اور سویڈن کے اخبار نے اپنے قارئین کو اسی طرح کے دوسرے کارٹون بنانے کی عام دعوت دی، قارئین کو یاد ہوگا کہ یہ وہی ملک ہے جس نے کبھی بنگلہ دیش کی بے لگام مصنفہ تسلیمہ نسرین کو سیاسی پناہ بھی دی تھی۔

آخر کار آزادی اظہار کی آڑ میں تاجدار کون و ممالک ﷺ کی ذات مقدسہ پر مغربی میڈیا کے پے در پے حملے اور دریدہ ذہنی پر مسلمان بے قابو ہو گئے اور پھر شام، لبنان، انڈونیشیا، پاکستان اور کئی دوسرے ممالک میں ہونے والے مظاہرے تشدد اختیار کر گئے، لوگ زخمی ہوئے، کئی جانیں گئیں اور کروڑوں کی املاک کا نقصان ہوا، جب کہ عراق جیسے مجبور اور مقہور ملک میں ڈنمارک اور دوسرے کئی مغربی ممالک کی کپنیوں کے ٹھیکے منسوخ ہو گئے۔ ان احتجاجوں کا سلسلہ پوری دنیا میں تادم تحریر جاری رہا، لیکن امن عامہ کے علم برداروں، بقائے باہمی کے ڈھنڈوراپیٹے والوں، دہشت گردی کے نوحہ گروں اور تہذیب و تمدن کے داعیوں کی بیٹا کو تعصب کے جراثیم، اسلام دشمنی کے مہلک مرض اور مغربی تہذیب کے تسلط کے بخار نے اندھا اور کانوں کو بہرا کر دیا تھا، انہیں اب نہ تہذیبی اقتصاد کا دائرہ وسیع ہوتا دیکھائی دے رہا تھا، نہ ہی امن عالم پر خطرہ منڈلاتا ہوا نظر آ رہا تھا، نہ اپنی وحشت و ہربریت کے مناشے بے چین کر رہے تھے، اور نہ کروڑوں مسلمانوں کی صدائے احتجاج ان کے کانوں کے پردوں کو متاثر کر رہی تھی۔

آزادی اظہار کا آئینی مفہوم:-

مذہب اسلام کے خاتمے اور مغربی تہذیب کے تسلط کے لیے پچھلی دو دہائیوں سے مغرب مسلسل اسلامی آثار کی توہین، اسلامی نظریات کے خلاف غلط پروپیگنڈے اور اسلام کی تقدس مآب شخصیت حضور ﷺ کی کردار کشی میں لگا ہوا ہے، لطف کی بات تو یہ ہے کہ یہ تمام شر پسندانہ عمل ”آزادی اظہار“ کے نام پر کیا جا رہا ہے، ۱۹۸۹ء میں سلمان رشدی کی ”شیطانی آیات“ کی اشاعت ۲۰۰۲ء میں ناٹجیرین صحابی اسوما ڈیٹیل Isioma Daniel کا اپنے مضمون میں ”مقابلہ حسن“ کو حضور ﷺ کا حکم بتانا ۲۰۰۴ء میں ڈیج فلم ساز وین گوف Van Gogh کا مسلم خواتین کے جنسی استحصال پر مشتمل فلم بنانا اور ۲۰۰۵ء میں سویڈن میوزیم میں ایک برہنہ مسلم جوڑے کو جن کے جسموں پر قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں پینٹنگ کے ذریعہ مباحثت کرتے ہوئے دکھانا، اسی اظہار کی مادر پدر آزادی کے نتائج تھے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ آزادی اظہار کا آئینی مفہوم کیا ہے؟ اگر ”آزادی اظہار“ کو یوں ہی مطلق العنان رکھا جائے تو پھر دنیا سے امن و امان اٹھ جائے گا۔ اور پھر معاشرتی، مذہبی، اخلاقی اور تہذیبی اقدار کے تحفظ اور قومی مفادات کی تکمیل کے لیے خود ہی مغرب کے بنائے ہوئے دوسرے قوانین کی دھجیاں اڑ جائیں گی۔ کیونکہ حقوق اپنی نوعیت کے اعتبار سے باہم معکوس ہوتے ہیں اور ان کی تنفیذ کا دار و مدار باہمی طور پر دیگر بنیادی حقوق پر ہوتا ہے، اس لیے کسی بھی حق کو مطلق نہیں رکھا جاتا بلکہ اس کے نفاذ کے کچھ حدود اور قیود ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام جمہوری ممالک نے ”آزادی اظہار“ کا حق تو دیا ہے مگر اس اظہار کی آزادی پر اپنے ملک و مذہب کی سالمیت اور مفاد میں کچھ پابندیاں بھی عائد کر رکھی ہیں۔ یہ پابندیاں ان کے معاشرتی، سماجی، تہذیبی، علمی مذہبی اور اخلاقی اقدار کے تحفظ میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر بچوں میں جنسی ہیجان پیدا کرنے والی آزادانہ فحش نگاری اور میڈیا میں مذہبی یا نسلی منافرت کی تشہیر پر دنیا کے بہت سے ممالک میں پابندیاں ہیں، عالمی جنگ کی تباہی سے انکار یورپ کے بہت سے ممالک میں ہر جانے کے

دیوانی قانون کے تحت جہک عزت کا قانون موجود ہے جس میں کسی بھی فرد کو کسی کی حق تلفی یا اس کی حیثیت عرفی کے ازالے پر سزا دی جاسکتی ہے، ان کے علاوہ دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں تقریر، تحریر یا عمل سے قومی دستور کی تضحیک، عدالت کی توہین یا ایوان بالا کی تذلیل بھی قانونی طور پر جرم تصور کی جاتی ہے، اگر آزادی اظہار کا حق مطلق ہے، اس پر کسی طرح کی پابندی نہیں تو پھر ان قوانین پر اعتراضات کیوں نہیں کئے جاتے؟ آخر کیوں ان قوانین کو تسلیم کیا جاتا ہے؟ ہاں اگر آزادی اظہار کے کچھ حدود و اصول ہیں تو پھر حق آزادی اظہار کی آڑ میں کسی بھی قوم کے مذہبی علامات، آثار اور نظریات کی تذلیل اور ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟

احترام مذہب کے بین الاقوامی قوانین:

حق آزادی اظہار کے حدود و اصول سے احترام مذہب اور مذہبی آثار و نظریات کی پاسداری کا منطقی نتیجہ اپنی جگہ، دنیا کے تقریباً تمام ممالک نے اپنے دساتیر میں بنیادی مذہبی آزادی کے تحفظ اور احترام مذہب کے لیے قوانین بھی بنائے ہیں، جن کی رو سے بھی مذہبی نظریات کی تذلیل ایک تعزیری جرم ہے، لیکن آج اسلام کے تعصب میں مغربی ممالک اپنے ہی وضع کردہ قوانین کو پامال کر رہے ہیں اور دنیا کے سوا ارب مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اقوام متحدہ کا قانون:

اقوام متحدہ UNO کی چارٹر کی دفعہ ii (II) کے مطابق اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور انسانی بین الاقوامی تعاون کے حصول کی خاطر انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام کی حوصلہ افزائی کرنا سب کے لیے بلا امتیاز نسل، جنس، زبان و مذہب کی آزادی جیسے بنیادی انسانی حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ نیز اس مشن کو انسانی حقوق کے یورپی کنونشن کی دفعہ 9 میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ (Charters of UNO)

امریکی قانون:

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا دستور، ترمیمی بل برائے حقوق کہتا ہے کہ ”کانگریس مذہب کو قائم کرنے یا اس کی آزادی میں رخنہ اندازی کرنے یا تقریر اور پریس کی آزادی کو پابند نہ بنے گا۔“ یا لوگوں کے آزادانہ اجتماع کے حق کی پاسداری اور حکومت کو شکایات کے ازالے سے روکنے کے لیے کوئی قانون وضع نہیں کرے گی۔“ بعض امریکی ریاستوں نے مذہبی یا شخصی تنقیص، تذلیل اور گستاخانہ تضحیک پر قدغن لگانے کے لیے نہایت سخت تعزیری قوانین بنا رکھے ہیں۔ (پ: ۲۷۲، سیکشن ۲۶۰)

ڈنمارک کا قانون:

ڈنمارک میں جہاں آزادی اظہار کے نام پر حضور ﷺ کی توہین کر کے اپنے بغض کو تسکین فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہاں کے قوانین کی دفعہ ۲۶۶ بی میں یہ قانون ہے کہ ”اگر کوئی عوامی سطح پر کسی مذہب کی کسی بات یا عمل کا مذاق بنائے یا اس کی بے حرمتی کرے تو اس پر جرمانہ ہو سکتا ہے اور اسے چار ماہ سے لے کر دو سال تک سزا ہو سکتی ہے۔“ دیگر مغربی ممالک کے قوانین:

ان کے علاوہ یورپ کے مندرجہ ذیل ممالک میں بھی گستاخانہ کلمات، بے ادبی اور حوصلہ شکنی کے قوانین موجود ہیں، آسٹریا (آرٹیکل ۱۸۸، ۱۸۹ کریمنل کوڈ) فن لینڈ، (سیکشن، ایسیسٹر) پینل کوڈ جرمنی (آرٹیکل 144 کریمنل کوڈ) اسپین (آرٹیکل ۵۲۵ کریمنل کوڈ کے تحت مذہب کی توہین، تعزیری جرم ہے۔

ان قوانین سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اظہار کی مطلق آزادی کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

آزادی اظہار کا دہرا پیمانہ:

مغرب میں اگر آزادی اظہار کا ایک ہی پیمانہ ہوتا تو ہم اس کی مطلق العنانی اور فکری آوارگی پر صبر کر لیتے کہ وہ اس حق کے استعمال میں اپنے اوپر پرانے کا امتیاز نہیں رکھتا، لیکن جہاں اس نے اس حق کے بجا استعمال کو لگام دینے کے لیے مختلف قوانین وضع کئے ہیں

وہیں جب اس حق کو اس کی تہذیب و ثقافت، مذہب، فکر و خیال اور قومی پالیسیوں کے خلاف کوئی دوسرا استعمال کرتا ہے تو پھر اس کی "روشن خیالی" سمندر کا حباب بن جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو احترام مذہب کے بین الاقوامی قوانین کی موجودگی اور آزادی اظہار کی تعین کے باوجود بنام آزادی اظہار توہین آمیز کارٹون کی اشاعت کر کے اسلام کے وقار کو پامال کرنے کی کوشش نہ کی جاتی۔ ایک یہی کیا کم تھا کہ خاکوں کو شائع کر کے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو بیدردی سے پامال کیا گیا، اس جذبات کی پامالی پر مسلمانوں کے حق احتجاج کو بھی اہل مغرب نے حق آزادی اظہار کی خلاف ورزی بتایا، اس ظلم پر برطانیہ کا ایک اخبار گارڈین (Guardian) بھی خاموش نہ رہ سکا اور اس نے برملا اس بات کا اعتراف کیا کہ:

"مسلمانوں پر دوہرا ظلم ہوا، ایک خاکوں کے شائع ہونے سے اور دوسرا ان کے احتجاج کرنے کے جمہوری حق پر سوال اٹھا کر۔"

جب کہ برطانیہ کے ہی ایک دایاں بازو کے سیاسی گروپ کے سربراہ نے بھی مسلمانوں کے ان احتجاجوں پر اعتراض کرتے ہوئے خاکوں کی اشاعت کو جائز قرار دیا ہے۔ اس گروپ کے قول و عمل کی یہ دورنگی دیکھیے کہ یہ وہی ہے جس نے بی بی سی کے خلاف کافی عرصے پہلے اس وقت محاذ کھڑا کر دیا تھا جب اس نے Jerry Springer the Opera نامی فلم کی نمائش کی تھی، اس گروپ کا کہنا تھا کہ "اس میں کچھ ایسی چیزیں ہیں جن سے عیسائیوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔"

یورپ کے دوسرے ممالک کے علاوہ خود برطانیہ میں بھی اہانت کا قانون (Law of Blasphemy) سو لہویں صدی سے بنا ہوا ہے، مگر برطانیہ کی یہ دورنگی ہی ہے کہ اس قانون میں صرف عیسائیت اور حضرت عیسیٰ کے خلاف ہی کچھ ہو تو اسے اہانت مذہب تسلیم کیا جائے گا، لیکن ایسی کوئی حرکت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہو تو وہ اس دو غلے قانون کے دائرے میں نہیں آتی۔

☆ ۲۷ جنوری ۲۰۰۳ء کو ایک برطانوی اخبار نے اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون کا ایک کارٹون شائع کیا جس میں فلسطین پر اسرائیلی بربریت کو اس طرح دکھانے کی کوشش کی گئی کہ "وہ ایک فلسطینی بچے کا سر کھارہا ہے۔" اس خاکے کی حقیقت افروزی کے باوجود بری دنیا کے یہودی طبقے میں ایک طوفان برپا ہو گیا، لیکن مغرب کے متعصب ذہن کے ادارہ تصور سے بننے والا یہی توہین آمیز خاکہ جب پیغمبر امن و امان ﷺ کی ذات بابرکت کا ہو، اگرچہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو، مگر وہ ان کے نزدیک حق آزادی اظہار کا ایک جرات مندانہ نمونہ ہوتا ہے اور اس بدتمیزی اور عالمی دہشت گردی کے رد عمل میں مسلمانوں کا عالمگیر احتجاج ناجائز اور خلاف حق متصور کیا جاتا ہے۔

☆ آج سے کچھ عرصہ پہلے برطانیہ کی عدالت نے برٹش نیشنل پارٹی کے ایک ممبر تک گرافن کو اس کے یہ توہین آمیز بیان دینے کے باوجود کہ "اسلام ایک برا اور گندہ مذہب ہے" (نعوذ باللہ) باعزت بری کر دیا جب کہ لندن کے Finsbury Park کے امام ابو حمزہ کو عیسائی دنیا کے خلاف بولنے کے جرم میں سات سال کی سزائے گئی اور اسی جرم کی پاداش میں مغرب کے کئی ملکوں نے علامہ یوسف القرضاوی کو اپنی سرحدوں میں داخل ہونے پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ اہل مغرب نے کئی ممالک میں امام الشاہ احمد نورانی صدیقی پر پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ ان قادیانیت اور عیسائیت و یہودیت کے خلاف دلائل رکھتے ہیں۔

☆ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے رد عمل میں جب پوری دنیا کے مسلمانوں نے ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا شروع کیا تو پوری عالمی برادری چیختے لگی، لیکن جب دوسری خلیجی جنگ میں فرانس نے عراق پر حملے کے لیے امریکہ کی حمایت نہیں کی تو اسی امریکہ نے انتقامی کارروائی میں فرانس کی شراب اور مکھن کا بائیکاٹ کیا اور پوری مغربی دنیا اس پر خاموش رہی۔

یہ تو چند مثالیں تھیں، اگر اہل مغرب کی سیاسی، تمدنی، تہذیبی اور سماجی زندگی کا سرسری

جائزہ لیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ وہ اپنے اور دوسروں کے لیے ہر سطح پر دوہرا رویہ رکھتے ہیں، اسی دوہرے رویے نے انہیں مذہبی، تہذیبی اور معاشرتی سطح پر اضطراب اور کشمکش سے دوچار کر رکھا ہے، ان کی مذہبی، تہذیبی اور معاشرتی قدریں زوال پذیر ہیں اور وہ روحانی سکون کی تلاش میں کبھی کلیساؤں اور مصلیوں کی آغوش میں پناہ لے رہے ہیں، کبھی رہبانیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں تو کبھی دھرم شالہ اور بھوج شالہ کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔

کارٹون کی اشاعت کا مقصد آزادی اظہار کا استعمال یا کچھ اور؟

مذہب اسلام پر الزام و افتراء اور حضور ﷺ کی ذات پاک پر اچھے حملے دراصل مغرب کی بوکھلاہٹ، حسد اور نفسیاتی خوف کا رد عمل ہے، جن کو وہ آزادی اظہار کی آڑ میں کرتے رہتے ہیں۔ دنیا میں کیونز م کی آمد کے بعد جہاں مغربی معاشرہ تیزی سے اپنی مذہبی قدریں کھونے لگا وہیں حقیقت کی متلاشی روحیں بے تابانہ اسلام کی طرف مائل ہونے لگیں، اس کے رد عمل میں مغربی دانشوروں نے پہلے پہل اپنے عوام کو اسلام سے دور رکھنے کے لیے سنجیدہ اور علمی پیرائے میں کوششیں کیں، تربیلی نظام بہت زیادہ متحرک اور موثر نہ ہونے کی وجہ سے انہیں اس میں بڑی حد تک کامیابی بھی ملی، مگر جیسے جیسے تربیلی فاصلہ Communication Gap ختم ہوتا گیا۔ طرح طرح کی معلومات کا حصول آسان ہو گیا نتیجے میں عوام کو اپنی پسند اور ناپسند کا اختیار زیادہ ہو گیا اور پھر وہ اسلام کے متاثر کن نظریات کی طرف مائل ہونے لگے۔ مغرب کے عام افراد کے اسلام کی طرف رجحان نے ان کے حواس باختہ کر دیے، کیونکہ اسلامی نظریات ان کی نام نہاد تہذیب و تمدن، ثقافت اور مادی جبلت سے متناقض تھے، انکے دل و دماغ میں یہ بات گھر گھر گئی کہ اگر مغرب میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اپنے مفادات میں بنائی ہوئی لچر قدریں ختم ہو جائیں گی اور ان کا آبائی مذہب اپنی شناخت کھو بیٹھے گا۔ اس نفسیاتی خوف اور بوکھلاہٹ نے انہیں اپنی نام نہاد شرافت اور تہذیب کے جاے سے بھی باہر لاکھڑا کر دیا اور وہ اسلام کے خلاف

و قماش، بدتمیزی اور جارحیت پر اتر آئے، پچھلی دودھانیوں میں جن کے متعدد دکر وہ نمونے ہم دیکھ چکے ہیں۔

حالیہ خاکوں کی اشاعت بھی اسی خوف اور بوکھلاہٹ کا بدترین رد عمل ہے، اس سلسلے میں ۱۰ فروری ۲۰۰۵ء کو ڈنمارک کے اخبار ”شیلانڈ پوسٹین“ کے چیف ایڈیٹر فلیمنگ روز کا ایک تفصیلی مضمون آن لائن اخبار Washington Post.Com میں شائع ہوا ہے، اس مضمون کا عنوان ہے؟ Why I published those cartoons?

(میں نے کیوں ان خاکوں کو شائع؟) عنوان سے ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ اس نے اپنے اس مضمون میں کارٹون کی اشاعت کے مقصد کو بیان کیا ہے، بظاہر اس کے مقصد کا مرکزی نقطہ آزادی اظہار کی تحدید کو ختم کرنا تھا، تاہم ذیل میں ہم اس تفصیلی مضمون کا ایک طویل اقتباس نقل کر رہے ہیں، جس کو پڑھ کر قارئین عبارات کے بین السطور سے اس خوف و دہشت کو ضرور محسوس کریں گے، کہ اسلام کی حقانیت اور صداقت اہل مغرب کو اپنی طرف مائل کر رہی ہیں۔

میں نے ان کارٹون کو شائع کیا، کیونکہ یورپ کے اندر اسلام کے تعلق سے اشاعت کے سلسلے میں خود احتسابی کے کئی واقعات میرے سامنے آئے، یعنی خوف کی وجہ سے اسلام کے تعلق سے کوئی منفی مسئلہ لکھنے یا چھاپنے کو آسانی سے کوئی تیار نہیں تھا اور یہ دہشت بڑے پیمانے پر پھیل رہی تھی، کارٹون کی اشاعت سے ہمارا ارادہ عالم اسلام کے جذبات کو بھڑکانا نہیں تھا، بلکہ آزادی اظہار کی تحدید کو ختم کرنا تھا۔

ستمبر کے آخری حصے میں ڈنمارک کے ایک ابھرتے ہوئے مزاحیہ اداکار نے ہمیں انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ”کیمرے کے سامنے بائبل پر پیشاب کرتے ہوئے مجھے کوئی مشکل نہیں ہے، لیکن یہی میں قرآن کے ساتھ کرنے کی جرأت نہیں رکھتا ہوں۔“

ستمبر کے آخری حصے میں ڈنمارک کے ایک بچوں کے مصنف نے محمد (ﷺ) کی حیات پر ایک تمثیلی اور تصویریری کتاب تیار کرنے کا ارادہ کیا جس کی تصویر بنانے کے لیے کوئی تیار

نہیں ہوا، ایک کمپنی کے تین مصوروں کو جب زیادہ زور دیا گیا تو وہ نوکری چھوڑ کر چلے گئے۔ اسلامی مسائل پر تنقیدی کتابوں کے یورپی ترجمہ نگار اپنا نام کتابوں میں نہیں دینا چاہتے۔ نہ اسلامی تنقید کرنے والے مصنف ہی اپنا نام کتاب میں دینا پسند کرتے ہیں مثلاً میں ہی لندن کی Tale گیلری نے یورپ کے مشہور مصور John Lathan کی پینٹنگ کو لگانے سے انکار کر دیا جس میں قرآن، بائبل اور تلمود کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے دیکھا گیا تھا۔ اس کی وجہ گیلری کے ذمہ داروں نے یہ بتائی کہ لندن بم حادثے کے بعد وہ دوبارہ ایسا کوئی حادثہ نہیں چاہتے اور ستمبر کے آخر میں ہی اماموں کے ایک گروپ نے ڈنمارک کے وزیر اعظم سے ملاقات کی اور ان سے گزارش کی کہ وہ اسلام کے تعلق سے پریس کو مثبت رویہ رکھنے کا حکم دیں۔

ستمبر کے دو ہفتوں میں ہم نے آدھا درجن سے زیادہ اسلام کے تعلق سے لکھنے، کہنے اور چھاپنے کے خوف کا تماشا دیکھ اور یہ خوف آزادی اظہار پر بڑی تیزی سے غالب آ رہا تھا اس لیے شیلانڈ پوٹین نے فیصلہ کیا کہ اس خوف کو کارٹون کی اشاعت سے دور کیا جائے، اس سلسلے میں میں نے ڈنمارک کے کارٹون کی اشاعت سے دور کیا جائے، اس سلسلے میں میں نے ڈنمارک کے کارٹون بنانے والے ایسوسی ایشن کے تمام ممبروں کو لکھا کہ وہ مجھ کو جیسا منظور کرتے ہیں ان کا کارٹون بنائیں جن کے ۲۵ ممبروں میں سے ۱۲ نے یہ کارنامہ کر دکھایا۔“ (انگریزی سے ترجمہ)

قارئین محسوس کر سکتے ہیں کہ یہ آزادی اظہار ہے یا اسلام دشمنی کا گھٹیا نمونہ؟ ماضی میں سینکڑوں اخبارات و رسائل اور کتابوں میں اسلامی نظریات کے خلاف لکھا جا تا رہا لیکن مسلمان صرف ان کی تفہیم کے لیے دفاعی تحریریں لکھتے رہے اور کبھی ان تحریروں پر مشتعل ہو کر سڑکوں پر نہیں نکلے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اسلام پر ہونے والی نظریاتی بحث کا ایک حصہ ہے جو آزادی اظہار کے دائرے میں آتا ہے۔ اب جب کہ علییت اور معقولیت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر مغرب اسلامی نظریات و شخصیات کے خلاف سطحیت اور ذلت پر اتر

آیا ہے، ایسے میں ایک زندہ اور پرکشش مذہب کے ماننے والوں کا پر جوش رد عمل اور شدید احتجاج ایک فطری امر ہے۔

آزادی اظہار کا انہیں اتنا ہی شوق ہے تو وہ کیوں نہیں ڈنمارک کے دستور پر کھڑے ہو کر پیشاب کر کے اپنی آزادی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں؟ کیوں نہیں امریکی پرچم کو کیمرے کے سامنے نذر آتش کر کے آزادی اظہار کی تحدید کے خلاف بغاوت کا اعلان کرتے ہیں؟ اسلام پر عالمانہ تنقید تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن اس بے ہودگی سے آخر وہ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ اس ردالت کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ مسلمانوں کو برا نکھینے کر کے پوری دنیا کے غیر اسلامی طبقے کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ ایک غیر مہذب، جاہل اور دہشت گرد مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے آج تک مغرب نے اسلام سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا، تا کہ اسلام کے وقار، اثرات اور مقبولیت پر قدغن لگایا جاسکے اور ہمیں اسی گمراہ کن سازش کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اور ایسی دہشت گردی کے لیے امریکہ نے پہلے اسرائیل اور اب طالبان کتے پال رکھے ہیں جو اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔

☆☆

ایٹمی اثاثوں کے خلاف سازش

بھارتی مصنف سین گپتا بنگلہ دیش کی تاریخ کے بارے میں اپنی کتاب History of Bangladesh of میں لکھتے ہیں کہ بھارت کی بہت بڑی عسکری قوت کے باوجود اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی اپنے جزیروں سے سوال کرتی تھیں کہ مشرقی پاکستان کی فتح کا امکان کتنے فیصد ہے تو جواب ملتا کہ 50 سے 60 فیصد یہ سن کر اندرا تذبذب میں پڑ جاتیں اور کہتیں کہ میں اس وقت تک پیش قدمی کا حکم نہیں دوں گی جب تک مجھے کامیابی کا ۹۰ فیصد یقین نہیں دلایا جاتا، گور یا جنگ تیز کر دو ہاں کے زیادہ سے زیادہ عوام کو اپنے ساتھ ملاؤ، دشمن افواج کو سرحدوں کے ساتھ اور اندرون ملک اس قدر الجھا دو کہ وہ بھارتی

حملے کے وقت تازہ دم اور اکٹھی ہو کر مقابلہ نہ کر سکی۔ ایسا لگتا ہے کہ پاکستان کو توڑنے کے لیے بنگلہ دیش کی تاریخ کو دوبارہ دہرانے اور اندرا گاندھی کے فارمولے کو اپنانے کے لیے سازشیں پھر سے شروع کر دی گئی ہیں۔ تاہم اس وقت اور اب کے وقت میں یہ فرق ہے کہ بھارت کے ساتھ ساتھ اب امریکا کا کردار کلیدی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

2001ء میں جب امریکا پوری قوت کے ساتھ افغانستان پر حملہ آور ہوا تو اس وقت بھارتی مشیر قومی سلامتی بریجس مشرا بنگالی طور پر واشنگٹن پہنچے اور انہوں نے امریکا کو اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ اگر پاکستان سے طالبان کے خلاف بش انتظامیہ کا ساتھ نہ دیا تو بھارت امریکی حکام کے شانہ بشانہ کھڑا ہوگا موجودہ صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر کوئی سوال کر رہا ہے کہ اب پاکستان کا کیا بنے گا؟

سوات اور پاکستان کے قبائلی علاقوں میں آگ شدت کے ساتھ بھڑک چکی ہے، کراچی کے حالات ناہم بم کی طرح ٹک ٹک کر رہے ہیں، ہر شخص خوف کے عالم میں ہے کہ کراچی خانہ جنگی کی دہلیز پر کھڑا ہے، کم و بیش تمام امریکی تھنک ٹینک پاکستان کو ناکام ریاست قرار دے کر یہ اشارہ دے رہے ہیں کہ طالبان پاکستان کے جوہری ہتھیاروں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، دشمن کا گھیرائنگ سے تنگ ہوتا جا رہا ہے، پاکستان ایسی صورت حال سے دوچار ہے کہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ نہ جانے رفتن نہ پائے مائیدن یعنی انگریزی میں اسے Dilemma کہا جاتا ہے۔ ایک سوات معاہدہ ہوا تھا جس کے بعد لوگوں نے سکون کا سانس لیا لیکن امریکہ نے اس معاہدے کو فوری مسترد کر دیا اور معاہدے کو توڑنے کی صورت میں فوجی اور غیر فوجی امداد سے نوازنے کا اشارہ دیا ساتھ ہی پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کے محفوظ نہ ہونے کے بارے میں خدشے ظاہر کرنا شروع کر دیئے۔ اب یہ بات آہستہ آہستہ حقیقت کا روپ دھار رہی ہے کہ امریکا کا اصل ہدف پاکستان کے ایٹمی ہتھیار ہیں اور امریکی حکام درپردہ ایٹمی اثاثوں کو اپنی تحویل میں لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ امریکی اخبار دی بوسٹن گلوب نے حال ہی میں شائع ہونے والی ایک چونکا دینے والی رپورٹ میں

انکشاف کیا کہ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کی حفاظت اور افزودہ شدید یورینیم کو ضائع کرنے کے لیے امریکا اور پاکستان کے درمیان مذاکرات شروع ہو گئے ہیں جب کہ امریکا نے پاکستان کو افزودہ کیے گئے یورینیم کو جہاز کے ذریعے امریکا لے جا کر تباہ کرنے کی تجویز دی ہے، اخبار نے امریکا کے دو اعلیٰ حکام کے حوالے سے مزید لکھا ہے کہ اگر امریکا کے ایٹمی عدم پھیلاؤ کے ماہرین اور ان کے پاکستان کے توانائی شعبے کے ان اعلیٰ حکام کے درمیان مذاکرات کامیاب ہو گئے تو یہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کو انتہا پسندوں سے محفوظ بنانے کے لیے بہت بڑا بڑیک تھرو ہوگا۔ اگر دی بوسٹن گلوب کی خبر میں صداقت ہے تو امریکی حکمت عملی کے خطرناک نتائج سے ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا اور ہم سقوط ڈھاکا کے بعد جس میں ہم نے بھارتی افواج کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے اب ہم ایٹمی اثاثوں کا ہتھیار ڈالیں گے۔ اگر خدا نخواستہ ایسا ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑا المیہ ہوگا۔

بھارت کو اگر پاکستان سے کوئی خوف رہا ہے تو اس کی صرف وجہ صرف پاکستان کے پاس ۱۰۰ کے قریب ایٹمی ہتھیار ہیں ورنہ ۲۶ نومبر ۲۰۰۸ء میں ممبئی میں ہونے والی دہشت گردی کے بعد دونوں ملک ایک مرتبہ پھر جنگ کے دھانے پر کھڑے تھے۔ بھارتی حکمرانوں نے پاکستان کے خلاف شدید رد عمل ظاہر کرتے ہوئے پاکستان کو دھمکی دینا شروع کر دی تھی مگر جلد ہی پاکستان کی تیاری اور اس خوف سے کہ پاکستان اپنی بقا اور سلامتی کے لیے ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا، بھارت نے پاکستان پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا، تاہم بھارتی حکمران امریکی انتظامیہ کو وقفہ وقفہ سے اپنی ایٹمی جنس رپورٹوں کے ذریعے اس بات سے آگاہ کرتے رہے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی اثاثے خطرے میں ہیں اور یہ الزام عائد کرتے رہے ہیں کہ پاکستان کے بعض اہلکاروں کے طالبان اور القاعدہ کے لوگوں کے ساتھ روابط موجود ہیں اور اس کو ختم کرنا ضروری ہے، اور امریکہ میں بھارتی لابی نے ممبئی حملے کے بعد پاکستان کے خلاف ایک زبردست مہم شروع کر رکھی ہے اور آخر کار بھارتی لابی ادبامانتظامیہ کو اس بات پر قائم کرنے

جنگجوؤں کے خلاف فیصلہ کن برتری کے لیے تمام وسائل

استعمال کریں گے۔ جزل کیانی

قوم کے تمام عناصر ہم آہنگی سے کام کریں، امن کے لیے حکومت کے اقدامات کی حمایت کریں گے، کورکمانڈرز کانفرنس سے خطاب

راولپنڈی (روزنامہ جنگ کراچی) چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے کہا ہے کہ پاکستان ایک خود مختار ملک ہے اور پاکستان کے عوام ایک جمہوری نظام کے تحت جسے فوج کی حمایت حاصل ہے اپنے قومی مفاد میں موجودہ بحران سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتے ہیں شدت پسندوں کے خلاف فیصلہ کن برتری حاصل کرنے کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائیں جائیں گے۔ دہشتگردی سے نمٹنے کے لیے قومی قوتیں ہم آہنگی سے کام کریں، شدت پسندوں کا ایجنڈہ کامیاب نہیں ہونے دیں گے، فوج روایتی خطرات سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار ہے۔ یہ بات آرمی چیف جنرل کیانی نے جمعرات کو یہاں جنرل ہیڈ کوارٹرز میں ۱۱۸ ویں کورکمانڈرز کانفرنس کی صدارت سے خطاب کرتے ہوئے کہی، آئی ایس پی آر سے جاری بیان کے مطابق یہ کانفرنس باقاعدہ ماہانہ اجلاس کا حصہ ہے۔ چیف آف آرمی اسٹاف نے اپنے خطاب میں کہا کہ سلامتی کی موجودہ صورت حال اس بات کی متقاضی ہے کہ قومی طاقت کے تمام عناصر دہشت گردی اور انتہا پسندی کی لعنت کے خلاف لڑنے کے لیے ہم آہنگی کے ساتھ مل کر کام کریں، اجلاس کے شرکاء کو خطہ میں سلامتی کی موجودہ صورتحال کے بارے میں جامع بریفنگ دی گئی جب کہ اجلاس کے دوران آپریشنل تیاری اور پیشہ ورانہ دلچسپی کے معاملات بھی زیر غور آئے۔ چیف آف اسٹاف نے فیلڈ فارمیشنز میں جاری تربیت کے معیار پر اطمینان کا اظہار کیا جو کہ تربیت کا سال کا حصہ ہے، انہوں نے کہا کہ پاکستان آرمی نے کم شدت کی لڑائی سے متعلق آپریشنز پر توجہ مذکور کرنے کے لیے مکمل سہولیات تیار کر لی ہیں۔ امن کے لیے حکومت کے اقدامات

میں کامیاب ہوگی کہ پاکستان دنیا کا سب سے خطرناک ملک ہے اور اس خطرناک ملک کے پاس موجود ایٹمی ہتھیار نہ صرف بھارت بلکہ امریکا اور دیگر یورپی ممالک کو بھی خطرناک صورت حال سے دوچار کر سکتے ہیں۔ بھارت نے پاکستان کے خلاف خفیہ مہم میں اسرائیلی حکمرانوں کو بھی پوری طرح سے اپنے ساتھ شامل کر لیا ہے۔ اگرچہ پاکستان اور اسرائیلی کے درمیان سفارتی تعلقات کبھی نہیں رہے اور نہ کبھی اسرائیلی اور پاکستان کے درمیان کسی قسم کی محاذ آرائی رہی ہے تاہم یہودی ریاست پاکستان کے جوہری منصوبے سے ہمیشہ خائف رہی ہے۔

یہودیوں کی خاموش دشمنی نے حال ہی میں یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ بھی پاکستان کے جوہری اثاثوں کی تباہی کے لیے سرگرم ہیں اور بھارت اور امریکا کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں، اس سلسلے میں اسرائیل کے نئے وزیر خارجہ اویگد لیبرمین نے ایک روسی روزنامہ کو انٹرویو دیتے ہوئے واضح کر دیا کہ اب اسرائیل کے لیے سب سے بڑا سترجھٹ خطرہ ایران نہیں پاکستان ہے۔ انہوں نے پاکستان کو ایک غیر متحکم جوہری طاقت قرار دیا، اسرائیلی وزیر خارجہ کے اس بیان سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان کے خلاف ایک بہت بڑی ساز و رشتہ سے جاری ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ صدر زرداری اور صدر اوباما کے درمیان واشنگٹن میں جاری ملاقات کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں تاہم ایک بات واضح ہے کہ پاکستان کے خلاف بھارت اور اسرائیل کی سازشوں کے ختم ہونے کا امکان فی الحال نظر نہیں آ رہا اور ہمارے حکمران پاکستان کی خود مختاری اور سالمیت کا دفاع کس طرح کرتے ہیں، یہ وقت ہی بتائے گا۔ (اکبر جمال)

ہلکے رضا بنے خنجر خوں خوار برق بار
اعدائے سے کہہ دو کہ خیر مستائیں نہ شمر کرے

کی حمایت کریں گے۔ جنرل اشفاق پرویز کیانی نے کہا کہ پاک فوج داخلی خطرات کی شدت سے پوری طرح آگاہ ہے اور وہ جنگجوؤں کے خلاف فیصلہ کن برتری کو یقینی بنانے کے لیے تمام ضروری وسائل استعمال کرے گی۔ اس وقت فوج روایتی خطرے سے نمٹنے کے لیے بھی پوری طرح تیار ہے، چیف آف آرمی اسٹاف نے فوج کے بلند حوصلے کو سراہا اور اس پختہ عزم کا اعادہ کیا کہ پاک فوج عوام کی مدد سے موجودہ اور آئندہ کے چیلنجوں سے کامیابی کے ساتھ نمٹے گی۔

☆☆

عسکریت پسندی کے خاتمے کے لیے فوج طلب

فیصلہ کن آپریشن ناگزیر ہو گیا؟ (وزیراعظم گیلانی)

نظام عدل کے بعد بھی ہتھیار پھینکنے کا وعدہ پورا نہیں ہوا، حکومت کی امن پسندی کو کمزوری سمجھا گیا، سوات کی موجودہ صورت حال پوری توجہ چاہتی ہے، قوم سے خطاب

اسلام آباد (رونامہ جنگ کراچی) وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے کہا کہ نقل مکانی کرنے والوں کی امداد کے لیے ایک ارب روپے دیں گے، عالمی برادری بھی تعاون کرے، قوم حکومت اور فوج کا ساتھ دے۔ انہوں نے کہا کہ فیصلہ کن آپریشن ناگزیر ہو گیا ہے اور عسکریت پسندوں کے خاتمے کے لیے فوج طلب کر لی ہے، گزشتہ شب قوم سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ نظام عدل کے بعد بھی ہتھیار پھینکنے کا وعدہ پورا نہیں ہوا۔ حکومت کی امن پسندی کو کمزور سمجھا گیا، سوات کی موجودہ صورت حال پوری توجہ چاہتی ہے۔

تفصیلات کے مطابق وزیراعظم نے کہا کہ آج میں آپ سے ایک ایسے موقع پر مخاطب ہوں جب ملک کے بعض علاقوں اور خاص طور پر سوات اور مالاکنڈ ڈویژن کی

صورتحال کے حوالے سے قوم بجا طور پر فکر مند ہے، ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اس وقت قوم کو دو بڑے چیلنجز کا سامنا ہے ان میں سے ایک قومی سلامتی کا اور دوسرا اقتصادی ترقی کا ہے۔ اس پس منظر میں سوات کی موجودہ صورت حال ہماری فوری توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے اور کالائزہ ناگزیر ہو چکا ہے، آپ جانتے ہیں کہ ہم نے کس طرح سوات کے حوالے سے بھی نیک نیتی، صبر و تحمل، مفاہمت اور دوراندیشی سے کام لیا۔ ہماری شروع دن سے ہی کوشش رہی ہے کہ اس مسئلے کو پُر امن طور پر حل کیا جائے۔

اس سلسلے میں ہم نے مذاکرات اور بات چیت کا راستہ اختیار کرنے کو ترجیح دی، حکومت کی نیک نیتی اور اسلام دوستی کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہوگا کہ ہم نے نظام عدل ریگولیشن کے نفاذ کی خاطر ہر ممکن تعاون کیا۔ انہوں نے کہا کہ وقت آ گیا ہے کہ پوری قوم متحدہ اور منظم ہو کر ان عناصر کے خلاف حکومت کا ساتھ دے جو بندوق کی ٹوک پر قائد اعظم محمد علی جناح اور شاعر مشرق علامہ اقبال کے پاکستان کو برغال بنانا چاہتے ہیں طے یہ پایا تھا کہ نظام عدل ریگولیشن کے نفاذ کے بعد سوات اور مالاکنڈ ڈویژن میں مکمل طور پر امن قائم کرنے کی خاطر عسکریت پسند ہتھیار ڈال دیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اُن کی جانب سے خلاف ورزیوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔

میں اس موقع پر آپ کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ سوات اور مالاکنڈ ڈویژن میں عسکریت پسندوں کی جارحانہ اور مسلح کارروائیوں کے نتیجے میں وہاں سے لاکھوں افراد نقل مکانی کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں، اور یہ بے گناہ، مجبور اور پریشان حال شہری ہم سب کی بھرپور اور قومی توجہ کے مستحق ہیں۔ ہمیں اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ سب سے بڑا گناہ شہریوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا گیا ہے، طلباء کو اسکول اور کالج جانے سے زبردستی روکا جا رہا ہے۔ اقلیتوں پر زندگی اجیرن کر دی گئی ہے، قومی اداروں کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے، اختلاف رائے رکھنے والوں پر کفر کے فتوے عائد کیے جا رہے ہیں، سرکاری اور نجی املاک پر قبضہ کر کے انہیں تباہ کیا جا رہا ہے، عوام کے جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنانے

عالم اسلام میں بیک وقت خوف کے سائے اور امید کی کرنیں

وقتی اور دائمی سوچ:

قرآن پاک کا ایک ارشاد ہے:

وكان الانسان عجولا الانسان جلد باز واقع ہوا ہے۔ خالق کائنات نے اس آیت کریمہ میں انسان کی اس نفسیات کو بیان کیا ہے جس کی وجہ سے وہ خوشی پا کر غم کو بھول جاتا ہے اور غم میں مبتلا ہوتے ہی خوشی کے سارے احساسات اس سے رخصت ہو جاتے ہیں، اگر اسے فتح نصیب ہوئی تو سارے جہاں کا فاتح تصور کر بیٹھا اور اگر شکست سے پالا یا سنا تو اس کی ہمتیں ٹوٹ گئیں، دولت ملی تو فرعون بن بیٹھا اور قلاشی سے جو جھٹا پا تو خود کشی کر ڈالی، خالق کا تصور ہر وقت ہر انسان کا پیچھا کرتا ہے، آخرت کا خوف اس پر سوار رہتا ہے لیکن اپنی غفلت پسندی کے باعث وہ دنیا کے بعد کی زندگی سے آنکھیں موند لیتا ہے اور اس کے خیالات کو سر سے جھٹکنے کی کوشش کرتا ہے، یہ صرف اس لیے کہ اس کی طبع غفلت پسند کو دائمی اور حقیقی مسائل پر سوچنا سخت ناگوار ہے۔

سید احتشام حسین سرسید کے فکری رجحان پر اظہار خیالات کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”لیکن بجنور میں تاریخ بجنور اور تاریخ سرکشی بجنوران کے ذہنی موڈ کا پتا دیتی ہے، بجنور میں انہوں نے انگریزوں کی جانیں بچائیں، آفت زدہ لوگوں کی مدد کی اور اپنی جائیں بچائیں آفت زدہ لوگوں کی مدد کیا اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر فادہ عام میں لگے رہے، دلی پینچے تو گھر لٹ چکا تھا، لیکن وہ ہمت نہ ہارے اور انگریزوں اور ہندوستان کے درمیان مفاہمت کرانے کی کوشش کرتے رہے۔ سرسید مسلمانوں کے کانگریس میں شریک ہونے کے خلاف تھے، ان کا خیال تھا کہ عذر میں تباہی کے بعد مسلمانوں کو اپنی حالت درست کرنے

والے سکورٹی فورسز کے جوانوں پر حملے کیے جا رہے ہیں، اسلام کے نام پر ایسے اقدامات کیے گئے جن سے دنیا بھر میں مسلمانوں کے سر شرم اور ندامت سے جھک گئے۔ حکومت بجا طور پر سمجھتی ہے کہ عسکریت پسندوں کی مذموم سرگرمیاں اور امن و امان کو تباہ کرنے کی کوششیں اس مرحلے پر آن پہنچی ہیں جہاں حکومت کے لیے فیصلہ کن انتہائی قدم اٹھانا اب ناگزیر ہو چکا ہے، حکومت نے نہایت سوچ بچار اور باہمی اتفاق رائے سے ضروری کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ پاک سرزمین کے تقدس اور قومی وقار کی سر بلندی کے لیے عسکریت پسندوں کا مکمل طور پر خاتمہ کرنے کے لیے اور عوام کی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے فوج طلب کی جا رہی ہے۔

نقل مکانی کرنے والوں کی بحالی اور فلاں و بہبود کے لیے ایک ارب روپے فراہم کیے جا رہے ہیں، جس خاندان کا کوئی فرد عسکریت پسندوں کے ہاتھوں شہید ہوا ہے اس کے خاندان کے ایک فرد کو فوری طور پر ملازمت دی جائے گی، میں خاص طور پر علماء و مشائخ حضرات سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اسلام کا اصلی اور حقیقی روپ نمایاں کرنے کے لیے آگے بڑھیں اور دنیا پر یہ حقیقت اُجاگر کریں کہ اسلام میں خود کش حملوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ میں ایک بار پھر قوم سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اور اپنے فرض کی آواز کو سنتے ہوئے متحد اور منظم ہو کر ملکی سلامتی اور قومی خود مختاری کو یقینی بنانے کے لیے آگے بڑھیں۔ میں تمام عالمی قوتوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس مرحلے پر نقل مکانی کرنے والے لوگوں کی مالی امداد اور امن و امان قائم کرنے والے اداروں کی صلاحیت میں اضافہ کرنے کے لیے ہمارے ساتھ تعاون کریں۔

روزنامہ جنگ کراچی بروز جمعہ 8 مئی 2009) کراچی

کے لیے انگریزی حکومت سے مراعات حاصل کرنا چاہیے۔“ (اردو ادب کی تنقید کا تاریخ ص ۱۸۶)

سرسید ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بھی خلاف تھے، ان کی نظر میں یہ جنگ حکومت سے بغاوت تھی جو کسی طرح کامیاب ہونے والی نہیں تھی، انہوں نے جنگ سے پہلے بھی مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ انگریزوں سے مفاہمت کر لیں، جنگ نہ کریں، اور جنگ کے بعد اپنی فکری پختگی پر خوش بھی ہوئے کہ بالآخر وہی ہوا جو میں نے کہا تھا۔

یکم مئی ۲۰۰۳ء کو جب جنگ عراق صدام حسین کی شکست اور امریکہ کی فتح پر اختتام پذیر ہوئی تو بہت سے مسلم دانشوروں نے فاتحانہ شان سے اس کا اعلان کیا کہ صدام کو جنگ کرنا ہی نہیں تھی، صدام نے اپنی طاقت کا اندازہ کیے بغیر دنیا کی سپر طاقت سے نبرد آزما کی اور اس کا نتیجہ وہی ہونا تھا جو ہوا۔ کچھ صحافیوں نے دوران جنگ اس خیال کا اظہار کیا تھا۔ کہ صدام کو چاہیے کہ وہ عراق چھوڑ دیں، کیونکہ امریکہ انہی کی وجہ سے جنگ کر رہا ہے اور جب صدام شکست کھا گئے تو یہ بغلیں بجانے لگے اور یہ اس لیے خوش ہوئے کہ صدام نے ان کی نصیحت نہیں مانی اس لیے انہیں شکست کھانی پڑی۔

اس کے علاوہ مسلم صحافیوں کے عمومی رجحان کا تجزیہ کیجئے تو صدام اپنی شکست سے پہلے صلاح الدین ایوبی ثانی تھے اور شکست کے بعد ان کی حیثیت ایک ظالم حکمران کی ہے جس نے اپنے مخالف مسلک اہل تشیع حضرات کو تہ تیغ کرایا، حالانکہ صدام اسلام دوست ایوبی نہیں قومیت پرست عرب تھے اور ری ظلم و جبر کی بات تو موجودہ دور میں یہ کسی بھی شخص حکومت میں ایک عام سی بات ہے، اسامہ کے بارے میں بھی تقریباً مسلم صحافیوں اور دانشوروں کا یہی رجحان ہے، شکست طالبان سے پہلے انہیں ایسی مافوق الفطرت قوتوں کا مالک بنا کر پیش کیا جاتا رہا گویا وہی مسیح، موعود ہوں اور شکست بعد اسامہ اور طالبان کی حیثیت ایک ایسے خونخوار مسلمان کی ہو گئی جس کی وجہ سے دنیا کے سارے مسلمان ذلیل

ہو رہے ہیں۔

یہ سب کچھ ایسا صرف اس لیے ہے کہ انسان غفلت پسند ہے وہ حالات کو صرف موجودہ تناظر سے دیکھتا ہے، اس کی نظر نہ ماضی پر ہوتی ہے۔ اور نہ مستقبل پر، وہ یہ سمجھتا ہے کہ آج کے حالات جیسے ہیں یہی حالات آئندہ بھی قائم رہیں گے، حالانکہ تاریخ پر جس کی ہلکی بھی نظر: وہ خوب سمجھتا ہے کہ ایسا کچھ بھی نہیں، تاریخ کا طالب علم خواہ یہ کہے کہ خدائے تعالیٰ قوم کی آزمائش کے لیے انہیں مختلف مراحل سے گزرتا ہے، یا یہ کہے کہ گردش ایام سلطنتوں اور حکومتوں کو ایک حالت پر قائم نہیں رہنے دیتی، بہر کیف اس اعتراف سے انکار نہیں کر سکتا کہ حالات یکساں نہیں رہتے۔

تاریخ کے چند اوراق:

(۱) پیغمبر انقلاب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے اس وقت عرب کا پورا معاشرہ شرک میں ڈوبا ہوا تھا، آپ نے اپنی ۴۰ سالہ زندگی اس طور پر گزاری کہ مکہ میں آپ کی شخصیت سب سے زیادہ معتد، پاک باز اور صادق و امین تسلیم کی جانے لگی، ۴۰ سال کے بعد آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور توحید کی دعوت دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے حالانکہ آپ نے اپنی شخصیت کو مکمل تسلیم کر دیا تھا لیکن باوجود اس کے آپ کی دعوت کو سنتے ہی مشرکین مکہ بپھر گئے، آپ کو اور آپ کے اہل خاندان کو برا بھلا کہا، لیکن آپ نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل دعوت حق میں مصروف رہے۔

اہل مکہ نے پہلے سمجھانے کی کوشش کی، پھر دھمکیاں دیں، جب اس پر بھی پیغمبر علم و حکمت کے ارادوں میں کوئی تہدیلی نہیں آئی تو یہ شرط رکھی کہ آپ ”دعوت توحید“ کو موقوف کرنے کے عوض میں دولت، حکومت، عورت جس کی خواہش کریں ہم اسے آپ کی پسند کے مطابق آپ کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں، پیغمبر حق نے اسے بھی قبول نہیں کیا، ادھر آپ کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، مشرکین مکہ غصے میں انہیں طرح طرح

سے ستاتے رہے، پیغمبران کی اذیت ناکیاں دیکھتے اور اپنے دیوانوں کو صبر کی تلقین کرتے۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب اہل مکہ نے آپ کا بائیکاٹ کیا، پھر آپ کی جان کے درپے ہوئے، یہاں تک کہ انہیں اپنا شہر عزیز چھوڑنا پڑا اور اس کے بعد بھی کسی پل سکون میسر نہیں آیا، لیکن ان ساری آزمائشوں کے باوجود انہوں نے اپنا ارادہ نہیں بدلا اور دعوت حق سے دست بردار نہ ہوئے، نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ پیغمبر انقلاب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ اگر کوئی آج کا روشن خیال دانشور ہوتا تو وہ حالات سے سمجھوتا کرنے کی بات کرنا، موافق حالات کو موافق بنانے کی بات نہیں سوچتا۔

(۲) کارل مارکس (۱۸۱۸/۸۳ء) جس نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ”انسان کے خیالات اور جذبات اس کے تمام مساعی ایک مخصوص دور کے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں، سیاسیات و اقتصادیات کا ایک جرمین ماہر تھا، اس نے یہ محسوس کیا کہ سرمایہ دار مزدوروں کے خون سے اپنے جسم کی فرہبی کے سامان کر رہے ہیں، محنت مزدوروں کی ہوتی ہے، اور دولت سرمایہ داروں کی مٹھی میں آتی ہے، اس لیے اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ہر ایک ملک کے اندر عوام مزدوروں پر لازم ہے کہ وہ سرمایہ داریت پسند حکومتوں کے خلاف بغاوت کر دیں، اس کے بعد ہی سماج میں پیدا شدہ نابرابری کو ختم کیا جاسکتا ہے، اس نے ۱۸۴۸ء میں کمیونسٹ کا منشور تیار کیا، اور اقتصاد کے حوالے سے اپنا واضح موقف پیش کیا۔ ۲۰ ویں صدی اس کے نظریات سے بری طرح متاثر رہی، خصوصاً روس چین اور مشرقی یورپ میں اس کا برابر اثر رہا، اس کے نظریات نے مزدوروں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا، مرنے مارنے کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا، ابھی صرف ایک ڈیڑھ صدی کا عرصہ گزر رہا ہے اس میں اس کے ایک نظریے کا اثر کیا ہوا آج ہر کوئی محسوس کر رہا ہے اس نے مزدوروں میں ایک احساس جگایا تھا، وہ دور سرمایہ داروں کا تھا، اس ایک احساس نے آج کتنے ملکوں سے سرمایہ دارانہ نظام ختم کر دیا، اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، کچھ نہیں تو نیپال کی حالیہ صورت حال سے ہم اس کے مضمرات کو

بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

(۳) سہولہویں صدی کے اواخر میں انگریز تاجر ہندوستان میں داخل ہوئے، ایسٹ انڈیا کمپنی (تاسیس ۱۶۰۰ء) شاہی مراعات سے شروع ہو کر شاہی اختیارات حاصل کر گئی اور بالآخر ۱۸۵۷ء میں شہنشاہیت کا خاتمہ بھی کر ڈالا، اس پورے دور کا جائزہ لیجئے تو محسوس ہوگا کہ عوام میں احساس غلامی پیدا ہو چکا تھا، جو ہر وقت آزادی کا طالب تھا، اور خواص کو دیکھیے تو ایک بڑا طبقہ وطن کی آزادی کے لیے جان کی بازی لگانے کو تیار تھا، اسے غلام ملک میں جینا مر جانے سے زیادہ عزیز تھا، یہ دیوانوں کی جماعت تھی کہیں ہڑتال کر رہی ہے، کہیں انگریزی مصنوعات کا بائیکاٹ کر رہی ہے، کہیں انگریزی دفاتر کو نذر آتش کر رہی ہے تو کہیں انگریزی مصنوعات کا بائیکاٹ کر رہی ہے کہیں انگریزی دفاتر کو نذر آتش کر رہی ہے تو کہیں ریلوے پٹریاں اکھیڑ کر ایک طرح سے اپنا ہی نقصان کر رہی ہے پھر انگریزوں کی ہندوؤں سے گولیاں نکلتی ہیں اور ان کے سینے سے ہو کر گزر جاتی ہیں ایک جماعت مرتی ہے تو دوسری جماعت اٹھ کھڑی ہوتی ہے اس جماعت کی آخری قیادت گاندھی جی نے کی جن کے ہاتھوں میں ہندوئی نہیں، ایک لکڑی کا ڈنڈا ہوا کرتا تھا، اس وقت ملک میں دانشوروں کی ایک جماعت بھی تھی جو انگریزی سرکار کے ظل عافیت میں بڑے بڑے القابات و خطابات حاصل کر رہی تھی، اور اپنی دوپٹے کی نوکری کے عوض ملک کی غلامی کو گلے لگائے ہوئے تھے، سرسید بھی اسی جماعت کے تھے جنہوں نے ہمیشہ انگریزوں کو تسلیم کرنے اور ان سے مفاہمت کرنے کی بات کی، چوں کہ صورت حال ایسی تھی کہ وقتی دانشوری وہی کچھ کہہ سکتی تھی، جو کہہ رہی تھی، لیکن عوام کے دلوں میں جو بے چینی تھی، جو اضطراب تھا، جو غلامی سے نفرت تھی، وہ کچھ اور ہی کہہ رہی تھی، جلیاں والا باغ تو ہمیں یاد ہے لیکن اس طرح کے اور بھی سینکڑوں باغات ہیں جن کی آبیاری ہندوستانیوں نے اپنے خون سے کی، لیکن مر کر وہ جیت گئے ہمارے نہیں، آج پورا ہندوستان انہیں خراج عقیدت پیش کر رہا ہے۔

مابعد جنگ افغان و عراق.....

خلیجی جنگ کے بعد عالم اسلام کے افق امید پر نین ستارے نمودار ہوئے اور اکیسویں صدی کی پہلی دہائی ختم ہونے سے پہلے ہی تینوں روپوش ہو گئے، یہ اور بات ہے کہ انہوں نے اپنے بعد عالم اسلام میں تجسس اور فکر کی روح پھونک دی، یہی وجہ ہے کہ آج عالم اسلام میں بیک وقت خوف کے سائے اور امید کی کرنیں موجود ہیں، آج کا عالم اسلام فکر کشش کا عالم اسلام ہے متضاد صورت حال سے دو جاہ عالم اسلام میں آج جہاں بیدار یوں کی آہٹ محسوس ہو رہی ہے، وہیں غفلتوں کے بادل اسلامی روح کو یاسیت میں دھکیلتے جا رہے ہیں۔

یہ تینوں ستارے تھے ایسیا کے معمر قذافی جنہوں نے بڑی بڑی چھوڑنے کے بعد بالآخر خاموشی اختیار کر لی اور امریکی بالادستی کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا، دوسرے تھے اسامہ بن لادن جو ۲۰۰۱ میں جنگ افغان میں طالبانیوں کی شکست کے بعد روپوش ہو گئے، چتا نہیں کہ انہیں زمین کھا گئی یا آسمان نکل گیا، تیسرے تھے مرد آہن جناب صدام حسین

عالم اسلام کی ان تین دخشندہ ستاروں کی اس حالت زار کو دیکھنے کے بعد جو طبعی نتیجہ سامنے آتا ہے اس کی تعبیر صرف ایک لفظ سے ہی کی جاسکتی ہے اور وہ ہے ”مایوسی“ مگر عالم اسلام کے عوام کو دیکھیے تو یہ نتیجہ غلط ثابت ہوتا ہے، کیونکہ عوام کے دلوں میں جو امریکی جارحیت سے نفرت کی چنگاری پھوٹی ہے وہ اب سرد پڑنے کا نام نہیں لیتی بلکہ وہ دن بدن تیز سے تیز ہو رہی ہے، اسرائیلی اور امریکہ کے خلاف قذافی، صدام اور اسامہ کے سینوں میں جو آہنی جذبہ تھا، بھلے ہی وقت کی پیش نے اسے پگھلا دیا، ہو لیکن ان ستاروں کی کامیابی صرف اس راز میں مضمر ہے کہ انہوں نے اپنے جذبے کو عوام میں منتقل کر دیا ہے اس طرح صدام کے بارے میں یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے اہداف حاصل نہ کر سکے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شکست کھا گئے وہ بار کر بھی جیتے ہوئے ہیں اور امریکہ جیت کر بھی آج

پنے کو ہارا ہوا محسوس کر رہا ہے۔

یکم مئی ۲۰۰۳ء کو امریکی فوج بغداد پر قابض ہو گئی اور صدر امریکہ جناب ڈبلیو بش نے فتح کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ”اب زمین دہشت گردی سے محفوظ ہو گئی“، مسٹر بش کی یہ بات کتنی فی صد درست ہے اس کو سمجھنے کے لیے سب اتنا جان لینا کافی ہے کہ صرف اسی مہینے یعنی مئی ۲۰۰۳ء میں ۵۰۴ عراقی شہری مارے گئے، ظاہر ہے امریکی فوجیوں نے انہیں دہشت گرد سمجھ کر ہی مارا ہوگا، یہ تعداد ہر ماہ بڑھتی گئی، ۲۰۰۳ء میں ۲۰ عراقی یومیہ شہید کیے گئے جب کہ یہ تعداد ۲۰۰۴ء تک مرنے والے عراقی شہریوں کی تعداد ایک سرکاری شمار کے مطابق ۳۰۲۵۹ ہے اگر یہ صحیح ہو جب بھی خون کی اس طرح ارزانی کیوں ہے؟ صدام تو اسیر زنداں ہیں، ان کے احباب قتل کر دیئے گئے یا جیل کی سلاخوں میں ڈال دیئے گئے، لیکن اس کے باوجود عراقی شہری اس بے دردی سے اپنی جانوں کا نذرانہ کیوں پیش کر رہے ہیں؟ جناب جتیندر کمار سنگھ اس صورت حال پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”خیال تو یہ کیا گیا تھا کہ صدام کے زوال کے بعد عراقی عوام خوشی کے گیت گائیں گے، امریکی اور باطانوی فوجیوں پر پھولوں کی بارش ہوگی۔ لیکن ہوا بالکل اس کے برعکس، پھول بموں میں تبدیل ہو گئے اور عراقی عوام جنگجو بن گئے، مرنے مارنے کا جو سلسلہ مئی ۲۰۰۳ء کے بعد شروع ہوا تھا۔ اس کا انجام نظر نہیں آتا، عراق میں حکومت سازی کو لے کر بہت سے تجربات کیے گئے اور ایاد علاوی سے لے کر توری المالکی تک کو آزمایا گیا لیکن حاصل کیا ہوا؟ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔“ (راشر یہ سہارا، ۱۸ جون ۲۰۰۶ء، اتوار کا خصوصی ضمیمہ)

یہ مرض اس لیے بڑھ رہا ہے کہ امریکہ اپنی میڈیا کی زبان سے اپنی جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کہہ کر خواہ جتنا خوش ہو لے، لیکن عالمی سطح پر اس جنگ کو دہشت

گردی کے خلاف ثابت کرنے میں وہ اب تک ناکام ہے، امریکہ کے خوف سے اگرچہ انٹرنیشنل صحافیوں اور دانشوروں کی زبان و قلم سے سچائی کا صحیح اظہار نہیں ہو پا رہا ہے۔ اور امریکی جارحیت کو مسلسل دہشت گردی مخالف مہم سے تعبیر کرتے جا رہے ہیں، لیکن ان کی بات عوام کے سینوں میں اب تک اپنی جگہ نہیں بنا سکی ہے، اور خصوصاً آج کا مسلم نوجوان بہر کیف یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ امریکہ چاہتا کیا ہے؟ اس تعلق سے دفاعی و خارجی امور کے ماہر جناب ٹی سری دھراؤ کا یہ خیال صد فی صد درست ہے کہ

”عراق کا مارچ اپریل ۲۰۰۳ء میں امریکی فوج کے ذریعہ تختہ پلٹ نہیں ہوا ہے بلکہ آہستہ ہی سہی مگر مستحکم انداز میں القاعدہ کا پھیلاؤ ضرور ہوا ہے، دیگر تجزیہ نگاروں کا خیال یہ بھی ہے کہ عراق پر امریکی حملہ اسامہ بن لادن جیسے لوگوں کے جمع ہونے کا ایک بہانہ ثابت ہوا ہے جو اسلامی دنیا کے لوگوں کو یکجا کر کے امریکی رہنمائی میں جاری دہشت گردی کے خلاف جنگ کے قابل بنا کر اسے کامیاب بنا رہے ہیں۔“ (ایضاً)

۲۶ جون ۲۰۰۶ء کی ایک خبر ہے کہ ”دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کو سرمایہ داری اور اسلام کے درمیان ایک ٹکراؤ بتاتے ہوئے۔“ را کے سابق سربراہ (وکر م سود) نے کہا کہ عراق اور ایران (افغانستان) میں جاری دہشت گردی کے خلاف لڑائی نے جتنے دہشت گردوں کو مارا ہے اس سے کہیں زیادہ دہشت گرد پیدا کیے ہیں۔

(راشتر یہ سہار، دہلی) جناب وکر م سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب جنگ اسلام اور سرمایہ داریت کے بیچ ہے تو اسلام پسند ہی دہشت گرد کیوں ہیں؟ بہر کیف اس خبر کے تین السطور سے مابعد جنگ افغان و عراق کی حقیقی صورت حال کا بڑی حد تک اندازہ ہو جاتا ہے۔

عالم اسلام کی عمومی ذہنیت:

کہتے ہیں کہ حکومت ہمیشہ عوام کی مرضی پر منحصر رہی ہے، شہنشاہیت دنیا میں اسی وقت

ک قائم رہی جب تک عوام میں سیاسی شعور بیدار نہیں تھا، سیاسی شعور بیدار ہوتے ہی عوام اپنی حصہ داری کا مطالبہ کر بیٹھے اور جمہوریت کی داغ بیل پڑ گئی۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر ہمیں عالم اسلام کے حکمرانوں سے زیادہ بحث نہیں کرنی چاہیے، یہ موسم کی گٹھ پتلیاں تو اسی شکل کی بن جائیں گی جیسی عوام کی مرضی ہوگی۔ کیونکہ حکومتوں کا اٹھنا چکرانوں پر نہیں عوام پر ہے۔ اس لیے مستقبل پر گفتگو کرنے کے لیے عوامی ذہنیت، عوامی شعور اور عوامی مزاج کو ہی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

عالم اسلام میں آج مسلمانوں میں تین طرح کا شعور تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے، ایک طبقہ وہ ہے جو مذہب اور اہل مذہب سے پیچھا چھڑا کر بھاگنا چاہتا ہے، یہ وہ طبقہ ہے جس پر انفرادیت پسندی بنام بے شعوری غالب ہے، یہ عصر جدید کے تقاضوں کو صرف اس جہت سے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے کہ اپنے پیٹ میں زیادہ سے زیادہ انگارے کیسے بھر سکیں؟ ہمیں اس طبقہ سے بحث نہیں کرنی ہے، ہمیں دوسرے اور تیسے طبقے سے بحث کرنی ہے، جن کو عصر جدید کے مسائل اور چیلنجز نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور وہ انفرادی سوچ کے ساتھ اجتماعی شعور بھی رکھتے ہیں، عصر جدید کو سمجھنے کا ان کا اندازہ یہ ہے کہ یہ اس بات کو جاننا چاہتے ہیں کہ آج کی دنیا تیزی سے کدھر بھاگ رہی ہے، دنیا کے لوگوں کو دوسروں کی شخصیت، دوسروں کی قومیت اور مذہب کے ساتھ کیسا سلوک ہے؟ اور یہ کہ موجودہ مسائل کی دنیا میں انفرادی و اجتماعی زندگی کیسے گزاری جائے؟

اس میں شک نہیں کہ حالات بظاہر مایوس کن ہیں، ان کو بدلنا آسان نہیں ہے، اس کے لیے ہمہ گیر جدوجہد اور موثر انقلاب کی ضرورت ہے، حالات کی اس سنگینی نے دوسرے طبقے خوشدید جذباتی بنا دیا ہے، وہ حالات سے لڑنے کے لیے ہر صورت تیار ہے، نہ اسے اپنی عزیز جان کی فکر ہے اور نہ دولت و ثروت، عزت و وقار اور اہل و عیال کا خیال ہے، حالات نے اسے ارحامی بنا دیا ہے، دنیا انہیں دہشت گرد کہہ رہی ہے، لیکن ان کے سروں پر

ایسا جنوں سوار ہے جو کم وقتوں میں اپنے حق کی حصولیابی کے لیے انہیں آمادہ کر رہا ہے اور اس کے لیے نہ صرف ہر ممکن قربانی دینے کے لیے تیار ہیں بلکہ ناممکن کو بھی ممکن بنانے کی سوچ رہے ہیں۔

تیسرا طبقہ جو مسائل کا حل جذبات سے نہیں حکمت و دانائی اور معقول طریقے سے چاہتا ہے، امت کے مستقبل کے لیے اس سے زیادہ امیدیں کی جاسکتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ یہ طبقہ خود فکری کشمکش میں مبتلا ہے، یہ طبقہ دو گروپوں میں بنا ہوا ہے، ایک گروپ کے نزدیک طریق حکمت سے مراد طریق مفاہمت سے و Adjustments کی بات کرتا ہے یہ ہر وقت شریعت کے قانون ضرورت کو پیش کرتا ہے اور اس کی روشنی میں حالات سے لڑنے کی بجائے حالات سے ملک رحالات کے ساتھ جینے کی بات کرتا ہے، مثال کے طور پر آج امریکہ ایران سے بلاوجہ یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ اپنا ایٹمی پلانٹ ضائع کر دے، جس کی وجہ سے دنیا پر پھر ایک بھیا تک جنگ کے خطرات منڈلا رہے ہیں، ایسی صورت میں اس گروپ کا کہنا ہے کہ بجائے اس کے کہ ایران امریکہ سے دودھ ہاتھ کرے اور تباہ ہو، اسے غیر مشروط طریقے پر امریکہ کا مطالبہ قبول کرنا چاہیے۔

اور داخلی سطح پر خود کو طاقتور بنانے میں مصروف رہنا چاہیے تاکہ اپنے وجود کو تباہ ہونے سے بچا کر مستحکم بنا سکے۔

دوسرا گروپ اگرچہ مفاہمت Adjustment اور قانون ضرورت کی موافقت کا منکر نہیں، لیکن اس کے ساتھ اس کی نظر نا موافق حالات کو موافق بنانے پر بھی ہے، اس کی فکری توانائی اسی پہلو پر صرف ہو رہی ہے، یہ کام اتحاد و شوار ہے کہ سوچنے کے بعد اکثر کی ہمتیں جواب دے دیتی ہیں، بمشکل ایک دو فیصد یا اس سے بھی کم مسلمان ایسے ہیں جو نظریاتی طور پر اس عمل کے لیے خود کو تیار کر پائے ہیں، لیکن عملی طور پر کام کا آغاز کیسے ہو؟ یہ مسئلہ ان کے لیے اب بھی در دوسر ہے۔

حالات کے اس اجمالی جائزہ کے بعد کم از کم یہ حقیقت تو سامنے آ ہی جا رہی ہے کہ امت کے ایک بڑے طبقہ کو آج امت کی فکر دامن گیر ہے، گو کہ ابھی یہ فکر ناپختہ، عمل کے لیے اس سے کوئی محکم اصول سامنے نہیں آیا ہے، اس کے علاوہ امت کے بے نوا بھی اختلافات و نزاعات، عصبتیں، تحفظات اور جانب داریاں ہیں، جو فکر امت کو کم نہیں ہونے دے رہی ہیں اور جن کی وجہ سے عملی خطوط نہیں بن پارہے ہیں تاہم امت کے بڑے طبقہ میں اس احساس کا پیدا ہو جانا ہی بڑی بات ہے، امت کے باشعور طبقہ کی آغوش سے بڑی ذمہ داری یہی ہے کہ داخلی سطح پر اپنے کو مضبوط کرے اور قتل اس کے اس کو خارجی سطح پر مکمل مفاہمت کی پالیسی اپنانی پڑے، داخلی سطح پر جزوی مفاہمت کی پالیسی اختیار کر لے کہ مستقبل میں امت پر کیے جانے والے خارجی حملوں کا اثر کم سے کم ہو۔

کیا دہشت گردی کا عالمی مسئلہ نظر ثانی کا تقاضا کرتا ہے؟

افغانستان میں دہشت گردی کا موجود امریکہ ہے؟

☆ ملکی اور عالمی میڈیا کے توسط سے دہشت گردی کا جو مفہوم ذہنوں میں اتایا ہے وہ اپنے آپ میں کتنا درست ہے؟

☆ مسلسل پروپیگنڈے کے تحت دہشت گردی کا رشتہ مسلمانوں سے جوڑ دیا ہے، اس سوچ کے اندر کتنی سچائی ہے؟

☆ ملکی اور عالمی سطح پر انسداد دہشت گردی کی جو مہم جاری ہے، یہ کس حد تک ناکام اور نتیجہ خیز ہے؟

☆ مسلمانوں پر الزام دہشت گردی کے رد عمل میں مسلم علماء قائدین اہل ل اور مسلم میڈیا نے جو کچھ کیا وہ کس حد تک تعمیری اور مفید ہے؟

☆ دہشت گردی کا صحیح مفہوم کیا ہے اور انسداد دہشت گردی کے درست طریق کار کیا

ہے؟

”اگر واقعی پوری دنیا سے دہشت گردی کو ختم کرنا ہے تو دنیا کے تمام لوگوں کو ایک نگاہ سے دیکھنا ہوگا، ان کے انسانی اور بنیادی حقوق کی نگہبانی کرنی ہوگی اور ہر طرح کے استحصال سے دنیا کی تمام اقوام کو بچانا ہوگا۔ تبھی دہشت گردی کو جڑ سے ختم کیا جاسکتا ہے۔“

۱۔ دہشت گردی کا جو مفہوم عالمی میڈیا نے عوامی سطح پر عام کیا ہے وہ سراسر غلط اور تعصب پر مبنی ہے تعصب اس لیے کہ اس لفظ کے اندر بھرے زہر اور نفرت کے حوالے سے مسلمانوں کو نشانہ بنانا تھا اسی لیے اس لفظ کا مفہوم اور اس کی تعبیر و تشریح بھی اس انداز سے کی گئی تاکہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا ہدف حاصل کیا جاسکے، حالانکہ دہشت گردی کوئی نئی چیز نہیں ہے، لیکن آج جس انداز سے اس کو پیش کیا جا رہا ہے جیسے یہ آج کے دور کا کوئی نیا مسئلہ ہو اور دہشت گردی کو عالمی میڈیا نے جس طرح ہوا بنا رکھا ہے، جیسے یہ صرف مسلمانوں کی پیدا کردہ مصیبت ہے، جب کہ سچائی یہ ہے کہ دہشت گردی کی ابتدا حکمرانوں سے ہوتی ہے، لیکن تشدد پر مبنی اقدامات اور احکامات کو نائن الیون سے پہلے نہ تو امریکہ اور نہ ماضی کے سپر پاور روس نے اس طرح کے واقعات کو دہشت گردی کا نام دیا، افغانستان میں جب روس اپنی بربریت کا ثبوت دے رہا تھا تو کیا وہ دہشت گردی نہیں تھی؟ یا امریکہ ویتنام اور ہیروشیما پر بم برسا رہا تھا تو کیا وہ دہشت گردی نہیں تھی؟ اگر ماضی کی بات نہ بھی کریں تو ابھی امریکہ اور اتحادی افواج عراق اور افغانستان میں جو کچھ کر رہی ہیں کیا وہ دہشت گردی نہیں ہے؟ بالکل ہے اور اس سے بڑی کوئی دہشت گردی ہو ہی نہیں سکتی کہ کسی ملک پر قابض ہو جائیں اور عوام کے لیے عرصہ حیات جنگ کر دیں، لیکن آج کا میڈیا، دہشت گردی کرنے والے کو دہشت گرد نہیں کہتا بلکہ جو دہشت گردی کے شکار اور مظلوم ہیں وہ دہشت گرد ہیں، دہشت گردی تو یہ ہے کہ کوئی اپنی ذاتی ہلکی سیاسی یا اقتصادی طاقت کا منفی

استعمال اس طرح کرے کہ اخلاقی قانونی اور آئینی اعتبار سے غلط ہو، ہیلری کلنٹن نے اپنے انتخابی مہم کے دوران یہ کہا کہ اگر میں منتخب ہوتی ہوں اور ایران نے اپنا جوہری پروگرام بند نہ کیا تو اسے نیست و نابود کر دوں گی۔ ہیلری کلنٹن کا یہ بیان بھی سیاسی دہشت گردی ہے، لیکن عالمی میڈیا اسے امن قائم کرنے کی کوشش سے تعبیر کر رہا ہے، اس صورت حال میں دہشت گردی کا بھی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ طاقت ور ممالک جو بھی کریں وہ دہشت گردی نہیں ہے لیکن ترقی پذیر اور پسماندہ اقوام اگر اپنے حق کی آواز بھی بلند کریں یا وہ کام کریں جو امریکی اور مغربی ممالک کر رہے ہیں تو وہ دہشت گردی ہے۔ دہشت گردی کا یہ ڈھرا پیمانہ اور حسب ضرورت اس کی تشریح کسی بھی طرح درست نہیں ہے اس لیے عالمی میڈیا (جسے ہم امریکی میڈیا کہیں تو زیادہ درست ہے) جو بھی کہے اور جو بھی تشریح پیش کرے نہ تو کوئی تسلیم کرتا ہے اور نہ کرے گا، کیونکہ یہ سب منصوبہ بند مفاہیم ہیں۔

۲۔ اس سوچ کے اندر ذرا برابر بھی سچائی نہیں۔ اول تو یہ کہ دہشت گردی کو مذہب سے جوڑ کر دیکھنے کی کوشش کی گئی اور وہ بھی صرف اسلام اور مسلمانوں سے جوڑ آ گیا، اور یہ سب جانتے ہیں کہ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں تو ایسی صورت میں صرف اسلام سے جوڑنا، یقیناً اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے پس پردہ کوئی سازش ہے، ورنہ دنیا کے اور بھی بہت سے مذہب ایسے ہیں جن کے ماننے والے دہشت گردی میں ملوث ہیں، لیکن ان کی کاروائیوں کو ان کے مذہب سے جوڑ کر نہیں دیکھا جاتا۔ دوسری جانب یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جب یہ ہوا جلی تو سب سے زیادہ مسلم دانشور اور علماء ہی تھے کہ انہوں نے اس کی مخالفت کی اور اسے غیر شرعی کہا اور اس کے مقابلے دنیا کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں نے اس طرح کھل کر دہشت گردی کی مخالفت نہیں کی، باوجود اس کے مسلمانوں سے جوڑ کر دیکھنے کی یہ سازش اور ہٹ دھرمی مغربی ممالک کی ایک طرح سے دہشت گردی ہی ہے۔

(۳) انسداد دہشت گردی کے لیے کوئی بھی مہم یا کوشش اس وقت تک کامیاب نہیں

ہو سکتی جب تک دہشت گردی کو نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ہے کیا؟ معاملہ یہ ہے کہ ابھی تک دہشت گردی کے خلاف جو مہم جاری ہے وہ صرف مسلمانوں اور مسلم ممالک کو نشانہ بنا کر کیا جا رہا ہے اور البتہ یہ ہے کہ صف اول میں جو ملک کھڑا ہے وہ بھی مسلم ملک ہے، ایک طرف وہ انسداد کی کوشش بھی کر رہا ہے، اور دوسری جانب اسے ہی دہشت گرد کہا جا رہا ہے، یہ تو عالمی صورت حال ہے ملکی سطح پر اس سے بھی بایں کن صورت حال ہے، کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ تو دہشت گردی ہے مگر مٹی پورا اور آسام میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ دہشت گردی نہیں، یا تشدد پسند فلسفی تنظیمیں آئے دن جو خون خرابہ کر رہی ہیں اسے دہشت گردی نہیں کہا جا رہا ہے، اور حد تو یہ ہے کہ جب مہاراشٹرا میں نوزمان سینا اور شیو سینا کھلے عام دہشت گردی مچاتے ہیں تو اسے دہشت گردی سے تعبیر کرنا تو دور کی بات ہے حکومت خود ہی سہی ہوئی نظر آتی ہے۔ انہما پسند ہندو تنظیمیں جو بھی فتنہ پھیلائیں وہ دہشت گردی کے زمرے میں نہیں آتا ہے جب یہ حالت ہوگی تو ملک میں بھی بنائے جانے والے تمام قوانین دہشت گردی کو جڑ سے نہیں ختم کر سکتے اور نہ کوئی مہم کارگر ہو سکتی ہے، ضرورت ہے کہ فتنہ پھیلانے والے تمام لوگوں کو بلا امتیاز مذہب و ملت دہشت گرد کہا جائے اور ایک ہی ترازو میں تولایا جائے۔

۴۔ یہ علماء، مسلم دانشوروں، مسلم میڈیا کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہے، کہ اب بادل چھٹنے لگے ہیں اگر اس سمت میں شد و مد کے ساتھ مدافعت اور تصحیح صورت حال سے عوام کو واقف نہ کرایا جاتا تو شاید آج کے حالات ۱۸۵۷ء سے بھی خراب ہوتے۔

۱۸۵۷ء میں ملک پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں نے یہی کیا تھا کہ ہر طرح سے مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرا کر انہیں ہر طرح کی سرکاری مراعات سے دور رکھا جس کے نتیجے میں ہندوستان کے مسلمان سو سال پیچھے چلے گئے، اس عہد میں بھی ملکی سطح پر یہی کوشش کی گئی تھی لیکن مشترکہ کوششوں کے سبب مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازش ناکام ہو رہی ہے، لیکن صرف اتنی ہی سعی کر کے خاموش بیٹھ جانے کا وقت نہیں ہے بلکہ سیکولر طاقتوں کے

ساتھ مل کر اسے مزید آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

۵۔ دہشت گردی کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی فرد، جماعت، تنظیم ادارہ یا ملک اگر طاقت و قوت کا استعمال اس طرح کرتا ہے کہ اس سے کسی کا استحصال، جانی و مالی نقصان، حقوق انسانی کی پامالی ہوتی ہے یا اس سے کسی قوم یا ملک کی اپنی تہذیبی و ملکی شناخت کو ٹھیس لگتی ہے تو یہ دہشت گردی ہے، اس دہشت گردی میں فرد بھی ملوث ہو سکتا ہے، اور کوئی خاص ملک اور میڈیا بھی ہو سکتا ہے، اس لیے اگر واقعی پوری دنیا سے دہشت گردی کو ختم کرنا ہے تو دنیا کے تمام لوگوں کو ایک نگاہ سے دیکھنا ہوگا۔ ان کے انسانی اور بنیادی حقوق کی نگہبانی کرنی ہوگی اور ہر طرح کے استحصال سے دنیا کی تمام اقوام کو بچانا ہوگا، تبھی دہشت گردی کو جڑ سے ختم کیا جاسکتا ہے، اب اس پیمانے پر طاقتور ممالک اور اقتصادی طور پر مضبوط میڈیا کو اپنا محاسبہ کرنا ہوگا اگر ایسا ہو جائے تو دیکھتے ہی دیکھتے دہشت گردی کو ختم کیا جاسکتا ہے، کیونکہ موجودہ عہد میں دہشت گردی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے جتنا کہ اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے، اسی غلط افواہ اور ہنگامہ آرائی کے چلتے اصل دہشت گرد تو بیچ جاتے ہیں اور جو معصوم اور بے گناہ ہیں وہ مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور انسداد دہشت گردی کی تمام تر کوششیں غلط سمت میں جاری رہتی ہیں۔

☆☆

”ایک مخصوص فرقے کو نشانہ پر رکھ کر ساری انسدادی مہم چلائی جا رہی ہے اس لیے اس کا نتیجہ ظاہر ہے، دہشت گردی کے انسداد کے لیے انصاف پسندانہ نظریے اور مہم کی ضرورت ہے، جس کا ابھی عالمی و ملکی دونوں سطحوں پر فقدان ہے“ (ڈاکٹر انور پاشا)

(۱) اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ دہشت گردی آج کا ایک عالمی فینومینا کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، دنیا کا شاید ہی کوئی خطہ ایسا ہو جو آج دہشت گردی کی زد میں نہیں ہے، دہشت گردی کی مختلف شکلیں ہیں اور اس کے اسباب بھی مختلف، دہشت گردی کی ایک شکل

وہ ہے جو اسٹیٹ یعنی ریاست کی جانب سے مسلط کی جاتی ہے۔ دہشت گردی کی دوسری شکل وہ ہے جو دنیا کی بڑی طاقتوں کی جانب سے اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے جاری و ساری ہے، دہشت گردی کی تیسری صورت وہ ہے جو باہر قوتوں کے خلاف مدافعت کے طور پر مظلوم قوتوں کی جانب سے اختیار کی گئی ہے، دہشت گردی کی چوتھی شکل وہ ہے جو فرقہ وارانہ اور فسطائی ذہن کی اس پیداوار ہے لیکن دہشت گردی کی ان تمام شکلوں کو اس کے صحیح تناظر میں دیکھنے سمجھنے اور اس کے تذکرہ اور خاتمے کے لیے مناسب اقدام اٹھانے کی ضرورت ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ملکی میڈیا یا عالمی میڈیا کے ذریعہ دہشت گردی کو جس طرح غلط تناظر میں دیکھا جاتا ہے اور عوام کے ذہنوں میں اس کی جو شبہ اتاری جا رہی ہے وہ گمراہ کن اور متعصبانہ ہے۔

(۲) عالمی اور ملکی دونوں سطحوں پر متعصب، فسطائی اور سامراجی قوتوں کی جانب سے جس طرح دہشت گردی کو ایک مخصوص قوم سے جوڑ دیا گیا ہے، وہ ایک منظم سازش کا نتیجہ ہے ایک مخصوص قوم کو دہشت گردی کے ساتھ منسلک کرنا اسی طرح کی ذہنیت کا غماز ہے، عالمی اور ملکی سطح پر معروضی اور انصاف پسند نظریہ رکھنے والی قوتیں اس متعصب اور فسطائی سازشوں کے خلاف سرگرم بھی ہیں اور دنیا کی ایک بڑی آبادی کو اس بات کا احساس ہے کہ دہشت گردی کے سلسلے میں ایسا متعصب نظریہ اختیار کرنا نہ صرف گمراہ کن ہے بلکہ دہشت گردی کے تذکرہ کی راہ کی بڑی روک ٹوک بھی ہے۔

(۳) ملکی اور عالمی سطح پر چونکہ دہشت گردی کو صحیح تناظر میں سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی جا رہی ہے بلکہ ایک مخصوص قوم کو نشانے پر رکھ کر ساری انسدادی مہم چلائی جا رہی ہے، اس لیے اس کا نتیجہ ظاہر ہے، دہشت گردی کے انسداد کے لیے انصاف پسندانہ نظریے اور مہم کی ضرورت ہے، جس کا ابھی عالمی و ملکی دونوں سطحوں پر فقدان ہے۔

(۴) مسلمانوں پر الزام دہشت گردی کی پوری مہم کی زمام مغربی قوتوں بالخصوص

امریکہ اور اسرائیل کے ہاتھوں میں ہے لہذا اس الزام کے خلاف محاذ آرائی اسی سطح پر ہونی چاہیے تھی۔ لیکن مسلم ممالک کی جو سیاسی صورت حال ہے وہ اظہر من الشمس ہے، میڈیا کے حوالے سے بھی مسلم قوم کی صورت حال بہتر نہیں، یہ دور میڈیا کا دور ہے، ات گردی کے حوالے سے مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرانے کا پروپیگنڈہ بھی امریکی و اسرائیلی میڈیا کی ہی شراکت داری کا نتیجہ ہے۔ لیکن مسلم دنیا میڈیا کی سطح پر تلاش ہے، ملکی سطح پر گمراہ علم و دانشوروں نے حتی المقدور اس سلسلے میں کوششیں بھی کی ہیں، لیکن وہ کوششیں بہ ترادو اخبارات یا میڈیا تک محدود ہیں، ملک کے قومی و مرکزی دھارے والے میڈیل ان کی آواز کو اہمیت نہیں دی جاتی، یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے، مرکزی دھارے والی میڈیا مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے میں تو خوب پیش پیش رہتا ہے، لیکن انہوں کے ذریعہ کی جانے والی مثبت کوششوں کو بلیک آؤٹ کر دیتا ہے، بہر کیف! مسلم اوروں اور علماء کو اپنے تعمیری اقدام کو جاری رکھنا چاہیے۔

(۵) دہشت گردی کا صحیح مفہوم اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے دہش اور تشدد کا استعمال کرنا ہے، اگر کوئی فرد یا جماعت یا حکومت اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے معصوم انسانوں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے تشدد اور دہشت گردانہ حربے کو اختیار کرتا ہے تو وہ دہشت گردی کا مرتکب ہوگی، یہ عمل انسانیت کشی کے عمل کے مترادف ہے اسے کسی بھی صورت میں جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، یہ مذہب کی رو سے، انسانیت و سے اور انصاف کی رو سے سراسر ناجائز اور قابل مذمت ہے۔

☆☆

”جب تک انصاف کا سلوک اور تمام انسانوں کو مساویانہ انسانی حق حاصل نہ ہوگا، تب تک امن و سلامتی کی باتیں اور اس کا تصور محض خام خیالی ہے“

(ڈاکٹر اخلاق احمد آہن)

ملکی اور عالمی میڈیا کا بیشتر حصہ دہشت گردی کے تعلق سے جو تصور لوگوں کے ذہن و دماغ میں ترسیل کرتا رہا ہے، وہ عموماً گمراہ کن ہے، سب سے پہلے تو یہی بات واضح ہو جانی چاہیے کہ دہشت گردی کے تعلق سے اس تمام ٹھوہنگامہ کے باوجود اب تک اقوام متحدہ یا عالمی برادری کوئی ایسی تعریف پیش نہیں کر پائی ہے، جو سب کو قابل قبول ہو، ظاہر ہے جس تصور کی تعریف ہی نہ ہو سکی ہو، اس کی تفہیم اور اس سے متعلق باتیں کہاں تک درست ہو پائیں گی؟

ابھی دہشت گردی کا نام ہے، کل کچھ اور تھا، اس کے بعد کچھ اور عنوان ہوگا۔ ایمانداری کی بات یہ ہے کہ باطل فکر کو اسلام سب سے بڑا خطرہ نظر آتا ہے، اسی لیے اس نوع کے افکار و نظریات کے متعصب اور ہٹ دھرم نمائندے مختلف سازشوں، ہتھکنڈوں اور جھوٹے پروپیگنڈوں کے سہارے اسلام کی غلط شبیہ پیش کر کے آج کے مادہ پرستانہ سماج میں پل رہی روحانی اور اخلاقی اعتبار سے تشدد انسانیت کو اس سے دور کرنے کے لیے ہمہ دم کوشاں ہیں، وہ ہر اس حرکت یا جرم کو جو کسی مسلمان سے سرزد ہوتا ہے، اسے اسلام سے جوڑ کر اسے بدنام کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جاتے ہیں، اسلامی دہشت گردی، ایسی اصطلاح ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ اسلامی چوری، یا اسلامی ڈاکہ زنی، یا اسلامی جھوٹ وغیرہ، ناچیز نے اپنے حالیہ دورہ امریکہ کے دوران ویسٹ ورجینیا میں منعقدہ حقوق انسانی سے متعلق ایک بین الاقوامی سمینار میں بعض سامراج نواز اور صہیونی دانشوروں کے اس نوع کی اصطلاحات اور پروپیگنڈہ کی سخت تنقید اور مخالفت کی، کسی بھی صاحب فہم و دانش کے لیے یہ

سمجھنا مشکل نہیں کہ جس طرح جھوٹ، فریب، قتل و غارت گری کا اسلام یا کسی مذہب سے تعلق نہیں ہو سکتا، اسی طرح دہشت گردی کو بھی کسی مذہب سے نہیں جوڑا جاسکتا اور یہ کہ ہر مذہب کے پیروکاروں میں ان جرائم کا ارتکاب کرنے والے افراد موجود ہیں۔

عظیم صوفی اور شاعر مولانا رومی کا ایک شعر ہے کہ

خشت اذل چون نہد معمار کج تاثریای رود یوار کج

چونکہ اس تمام پروپیگنڈہ اور ساتھ ہی بددیانتی اور بدینیتی کی بنیاد پر پھیلائے گئے مختلف سیاسی حربے، ہتھکنڈے جو دنیا بھر کے کروڑوں کمزور اور مظلوم عوام کی حق تلفی، ذلت اور بیزاری کا سبب بن رہے ہیں لوگوں میں غم و غصے کا اصل سبب ہیں، جب تک انصاف کا سلوک اور تمام انسانوں کو مساویانہ انسانی حق حاصل نہ ہوگا، تب تک امن و سلامتی کی باتیں اور اس کا تصور محض خام خیالی ہے۔

اس تمام غلط پروپیگنڈے کے فروغ اور اس کی عمومیت کی وجہ مسلم دنیا کی طرف سے مساوی سطح کی کوششوں کا فقدان ہے، اگر آپ گزشتہ بیس پچیس برسوں کے واقعات و حالات کو ہی نگاہ میں رکھیں تو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ عام طور سے مسلم ممالک اور مسلم دانشور حضرات کی بیشتر صلاحیت اپنے دشمن قوتوں کے پھیلائے جال میں پھنس کر صرف ہو رہی ہے، وہ ہمیں کوئی موضوع، قضیہ یا مسئلہ دے دیتے ہیں اور ہم بجائے مثبت کاموں میں اپنی صلاحیتوں کو خرچ کرنے کے بدافعت میں مصروف ہو جاتے ہیں یا احساس کمتری کا شکار ہو کر خود نفسی کمزوری یا کنارہ کشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں، نہ ہمارے پاس بی بی سی یا این این جیسے چینل ہیں اور نہ ہی ناٹم میگزین جیسے رسالے اور اگر ہوں بھی تو ان کی طرف ہم کب توجہ دینے والے، آج شاید مغربی سامراجی پروپیگنڈہ کا سب سے زور دار اور مثبت جواب ”الجزیرہ“ ہے لیکن اسے ہمارے یہاں کتنے لوگ دیکھتے ہیں، یا جس طرح کی خبریں یا مسائل خود ایک ٹی وی اردو پردکھائے جاتے ہیں یا ہمارے بعض حق نما اخبارات و رسائل میں چھپتے

ہیں، انہیں ہم کتنا اعتبار بخشتے ہیں۔

لوگوں کو ہر سطح پر اور ہر اسٹیج پر یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ نا انصافی اور ظلم، کی بنیاد پر قائم نظام اور سیاسی پالیسیاں اصل دہشت گردی ہے، جن کے نتیجہ میں معصوموں اور بے گناہوں کا استحصال کیا جا رہا ہے، تہذیبیں مٹائی جا رہی ہیں قوموں اور ملتوں کو ذلیل اور بے آبرو کیا جا رہا ہے، ناچیز نے دو ہفتہ قبل پچشم خود مشاہدہ کیا کہ واشنگٹن میں پوپ جان پال کی آمد کے موقع پر امریکہ کے دانشوروں کے ایک گروہ نے سوال اٹھایا تھا کہ جس پوپ کی سرپرستی میں لاکھوں لڑکے لڑکیوں کا جنسی استحصال ہوا ہے (جن میں صرف ایک لاکھ امریکی بچے ہیں) وہ بڑا دہشت گرد ہے یا کوئی مسلمان؟ یا جس دہشت گرد مخالف جنگ کے کھیا بش کی رہنمائی میں سات لاکھ سے زائد عسکریوں کا قتل ہوا ہے وہ بڑا دہشت گرد ہے یا کوئی اور؟ یہ آوازیں جو صداقت پر مبنی ہیں زیادہ حق دار ہیں کہ عالمی سماعتوں تک پہنچیں، گوئیں اور سوئے ہوؤں کو جگائیں۔

دنیا کا واحد ملک امریکہ دہشت پسندی کا موجد

ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر خانقاہ حلیمہ ابوالعلائیہ، چک، الہ آباد (یوپی)

امریکہ نے اپنی طاقت و زعم کا استعمال کار خیر اور دنیا کی فلاح و بقا کی خاطر کبھی نہیں کیا ، طاقت اور دولت کا مصرف بے جا طور پر لینا اس کی فطرت میں شامل ہے، اس کے نزدیک اپنے تحفظ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں کہ مقابلہ کے لیے مجبوراً میدان جنگ میں کودنا پڑے، وہ تو ہمیشہ دنیا کے امن و امان کو خطرے میں ڈالنے اور دوسروں کا حق چھیننے کے لیے جنگ کرتا ہے اور میچا کے روپ میں ڈاکوؤں کا کرار بھاتا ہے تاکہ ساری دنیا کو اس کی طاقت اور دولت کی فراوانی کا اندازہ ہوتا رہے، اس اندازے کا احساس عموماً ممالک اسلامیہ کو زیادہ کرنا پڑتا ہے کہ امریکہ کی آگ اگلتی آنکھیں ہمیشہ انہیں ممالک کی طرف تانکتی رہتی ہیں،

اس سے قبل جارج ڈبلیو بش نے افغانستان و عراق کو تباہ و برباد تو کیا ہی مگر اپنی گردن سے ذلت و رسوائی کا طوق نہیں بناسکا۔ جس عراق کو امریکہ اپنے لیے خطرہ سمجھتا رہا چین، فرانس، جرمنی، برطانیہ، آسٹریلیا اور ساؤتھ کوریا وغیرہ نے عراق کو کوئی مسئلہ ہی نہیں بنایا، جس سے جنگ کرتے ہوئے امریکہ نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، اسرائیل کی ہمدردی اور عراق کی تباہی میں اکثر یورپین ممالک کے ساتھ مشترکہ جنگ کا مظاہرہ محض دنیا داری اور جنگی طرفداری کا ڈھکوسلا تھا کہ دنیا اس کے جواز سے انکار نہ کر سکے، جب کہ مرد مجاہد صدام حسین کو سولی پر لٹکا دینے کے بعد کسی بھی غیر عرب ملک نے اپنے لیے اطمینان حاصل ہونے یا خطرہ ٹل جانے کی بات ہی نہیں کہی۔

امریکہ کو کسی سے جنگ کرنا یا کسی کا حق چھیننا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ بے پناہ اسلحے اور جہاز ضائع ہوتے ہیں اور بے شمار فوجیوں کی جانیں بھی جاتی ہیں، ان بیوڑاں سے پوچھیے جن کے فوجی شوہروں کو محض حق چھیننے اور تباہی و غارتگری کی بنیاد پر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ چند فوجیوں کو اسپتال بھیج کر باقی کو سمندر میں ڈال دیا جاتا ہے، کیا دوسروں کا غضب کرنے اور بے گناہوں کا قتل عام کرنے والے یہ ہلاک شدہ امریکی فوج جذبہ حب الوطنی اور مرتبہ امتیاز و قربانی کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ قطعاً نہیں، حب الوطنی کا خطاب اسے دیا جاتا ہے جو حق کے تحفظ میں جان قربان کرتا ہے، دوسروں کا حق چھیننے اور ظلم و ستم کرنے والے کو نہیں، مگر امریکی حکومت کو ان سب باتوں سے کوئی مطلب نہیں، اپنے فوجیوں کے تمام عیش و عشرت اور شراب و شباب کا بدلہ خون سے لینے کا پرانا رواج ہے تاکہ نئی بھرتی کے لیے راستہ ہموار ہوتا رہے۔

عراق و افغانستان کو تباہ و برباد کرنے اور لاکھوں لاکھ مسلمانوں کو شہید کر دینے کے بعد بھی چین نہ ملا تو پینا گن پر حملہ کو مسلمانوں سے جوڑ دیا اور دہشت گردی کا الزام لگاتے ہوئے ساری دنیا کے مسلمانوں کو چونکا دیا، یہ الزام چونکہ دنیا کے سب سے بڑے میڈیا کی

جانب سے لگایا گیا اس لیے مسلمانوں کا متاثر ہونا لازمی امر تھا۔ مسلم مخالف جماعتوں کو اگرچہ اس شعلہ بار الزام کی تقویت ضرور پہنچی ہے، مگر ہم انہیں اس حقیقت سے بھی آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ الزام وہ داغدار امریکہ لگا رہا ہے، جس نے ہیروشیما پر بم گرا کر دہشت گردی کی بنیاد رکھی، جس نے جاپان پر ہتھیار بنانے پر پابندی عائد کر دی اور جو عرصہ دراز تک دیتنام کی زمینوں کو خون سے سرخ کرتا رہا اور جس نے اپنی دھرتی پر سابق صدر کینیڈی کی جان لے لی، زمانہ ہنسے پر مجبور ہو گیا، کہ دنیا کے سب سے بڑے فتنہ طراز کی زبان سے دہشت گردی کا الزام کس قدر خراب لگتا ہے، یہ الزام چونکہ مسلمانوں کے سر تھوپا گیا ہے اس لیے ایسے الزام کی کوئی اہمیت نہ بن سکی، کسی دوسری قوم پر یہ الزام لگایا گیا ہوتا تو اس کی سیکڑوں مثالیں سامنے آگئی ہوتیں، امریکہ میں بسنے والے بے شمار مسلمانوں کے اخلاقی و کردار اور حسن عمل کو دیکھ کر خود امریکہ گواہ ہے کہ مسلمانوں کا کردار دہشت پسندی سے وابستہ ہو ہی نہیں سکتا، امریکہ چاہے تو اپنے الزام کے مطابق امریکہ مسلمانوں کو پریشان کر سکتا ہے، مگر اس کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں، کہ ان کے اخلاقی کردار اور حسن سلوک میں کوئی ٹپک ہے، برطانیہ میں امریکہ سے کہیں زیادہ کثرت سے مسلمان آباد ہیں وہاں کے شہروں میں سینکڑوں مسجدیں اور مذہبی ادارے قائم ہیں، اسلامی تقریب کا علی الاعلان انعقاد ہوتا رہتا ہے، اسلامی لٹریچر شائع ہوتے ہیں اور بعض دینی عالموں کو ان کی بہترین کارکردگی پر سرکاری مراعات تک حاصل ہیں۔

ان حقائق کے پیش نظر برطانوی حکومت بھی دہشت گردی کا الزام لگانے سے قاصر ہے، مسلمان جن جن غیر اسلامی ملکوں میں رہتے بستے ہیں، اپنے اخلاقیات کی بنیاد پر رہتے ہیں، کسی ملک نے بھی ان پر انگلی اٹھانے کی ضرورت نہیں محسوس کی، کیونکہ مسلمان جانتا ہے کہ اسلام میں دہشت پسندی اور شراغیزی کی قطعی اجازت نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کا کبھی یہ شیوہ رہا ہے اسلام تو امن و امان کا پیغام دینے، اتحاد و اتفاق کا نوید سنانے، شرافت نفسی کا

پر اُغ جلانے اور جذبہ حق تلفی کو کچلنے کے لیے آیا ہے، مسلسل اور لگاتار ظلم و بربریت اور غیر منصفانہ رویے کے خلاف آواز بلند کرنے اور اس پر قابو پانے کا حق جہاں دنیا کی ساری قوموں کو حاصل ہے، وہی مسلمانوں کو بھی حاصل ہے، کیا ایسا ہونا چاہیے کہ کوئی ظالم بغیر کسی قصور و خطا کے تلوار لے کر سامنے آجائے اور مسلمان تلوار دیکھ کر اپنا سر جھکا دے کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے؟ مجھے بتایا جائے کہ اگر کوئی کسی کا گھر جلا دے، کوئی حاملہ عورتوں کے پیٹ میں نیزہ ڈال دے، چھوٹے چھوٹے بچوں کو ماں کی گود سے چھین کر زندہ جلا دے، نوجوانوں کو تختہ دار پر لٹکا دے، پوری پوری بستی کو دھماکوں سے اڑا دے تو ایسی صورت میں رد عمل کا کیا کردار ہونا چاہیے۔

بار بار عالمی سطح پر اعلان و اشاعت کے باوجود مسلم دہشت گردی کے الزام کا اثر کہیں اور تو نہیں دیکھا جاسکا البتہ امریکہ کی شہ پر ہندوستان، کشمیر اور سوات“ میں یہ تحریک ضرور رنگ لائی ہے جب کہ صوبوں کی مسلم حکمرانی، صوبوں کی مسلم تہذیب، اخلاقی روایات، روشن مراسم اور حسن سلوک سے وابستہ و متعلق رہنے اور عینی مشاہدات کے زیر اثر ہندوستان پر تو اس غلیظ تحریک کا سایہ نہ پڑنا چاہیے تھا تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کچھ تشدد پسند افراد اس کے منتظر تھے کہ مسلمانوں کے خلاف کچھ مسالہ مل جائے تو سیاسی کھیل کھیلنے اور خود کو بھولا بنائے رکھنے کا بہانہ ہاتھ آجائے، مجرم خواہ کسی بھی قوم کا فرد ہو کسی بھی جماعت کا ہو، اسے سزا ضرور ملنی چاہیے کہ یہی قانون و آئین کی پاکبازی ہے، مگر دوسروں کے گناہوں اور دوسروں کے آئین کو فضول مسلمانوں کے سر تھوپ کر فی سیاسی چال کا زہر گھولنا اچھی بات نہیں، یوں بھی ہندوستان کے اکثر و بیشتر سیاسی دگیوں کی ہر شوریدہ روش مسلمانوں ہی کے گرد گھومتی رہتی ہے، وہ جانتے ہیں کہ ایسا کرنے سے اگر ایک طرف اپنی ہر کرم کو ہر بدنامی سے بچایا جاسکتا ہے تو دوسری طرف فتنے کی حقیقت کو غلط راستے پر لگایا جاسکتا ہے، سیاسی بازی گری کی یہ شتر گرگی عرصہ دراز سے جاری ہے کہ فائدہ بھی مسلمانوں ہی سے حاصل کیا

جائے اور نقصان بھی انہیں کو پہنچایا جائے اس کے برعکس اگر حقائق و روایات کو انصاف کے آئینہ میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت حال ہندوستان کے چپے چپے میں نظر آئے گی کہ کسی نہ کسی مقصد اور کسی نہ کسی جذبے کے تحت غیر مسلموں کی کثیر تعداد مسلم تہذیب، اسلامی روحانیت اور پیر فقیروں سے ہر دور میں وابستہ و متاثر رہی ہے، ہندوستان کا کوئی ایسا آشتانہ و خانقاہ اور درگاہ و بارگاہ نہیں، جہاں کثرت سے باادب حاضر ہو کر فریاد نہ کرتے ہوں اور مصیبتوں سے نجات نہ پاتے ہوں۔

بیشتر شہروں کے بعض آستانوں کے ارد گرد غیر مسلموں کی اتنی کثیر تعداد جمع ہو جاتی ہے کہ ہم لوگوں کو قریب جانے میں دشواری ہو جاتی ہے، بالخصوص خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے آشتانے کے آس پاس ہزاروں غیر مسلموں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کتنے جذبے کے ساتھ سر جھکاتے ہوئے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور آنسوؤں کی سوغات نذر کرتے ہیں، جادو ٹونا آسب اور پرانے امراض سے نجات پانے کے لیے بالخصوص آستانوں اور خانقاہوں کا سہارا لیتے ہیں اور شفا پاتے ہیں۔

نماز مغرب کے وقت عموماً ہر مسجد کے سامنے اپنے بچوں اور دودھ پانی پر دم کرانے کے لیے عورتوں اور مردوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے، اس کے علاوہ شادی بیاہ اور بعض تہواروں کے موقع پر ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے اور تجارت کے تعلق سے ملنے جلنے اور اٹھنے بیٹھنے کا مشغلہ جاری رہتا ہے، گویا کسی نہ کسی طور پر بیشتر شعبہ حیات میں باہمی رسم و رواج کا تسلسل قائم ہی رہتا ہے، ایسے بھرپور مظاہرات و مشاہدات کے باوجود مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کو ہوا دینا اور اتحاد و دوستی کے گلشن کو مسمار کرتے رہنا کتنی شرم و غیرت کی بات ہے۔ مسجدوں، آستانوں اور خانقاہوں کے فیوض و برکات کے آگے سر جھکانے والے اور جادو ٹونوں کی شدید مصیبت سے نجات پانے والے لاکھوں کروڑوں غیر مسلم افراد مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کا نعرہ کیسے بلند کرنے لگے اور سیاسی چال بازوں کے

چل میں کیسے آگئے، بڑے تعجب کی بات ہے، ہر حادثے کو مسلمانوں سے جوڑ دینے اور ایک خطا کار کے بدلے سینکڑوں کو پریشان کرنے کی جہلت سے باز آنا ہوگا، ایسے غیر قانونی عمل سے اگر ایک طرف جمہوریت کی دھجیاں اڑتی ہیں تو دوسری طرف شرافت و انسانیت کا خون ہوتا ہے۔

ہندوستان میں گاندھی جی کو قتل کیا گیا، اندرا گاندھی اور راجیو گاندھی کا خون بہایا گیا، جبل پور، جمشید پور، مراد آباد ممبئی اور گجرات وغیرہ میں ہزاروں مسلمانوں کے لہو سے ہولی کھیلی گئی، کبھی جامع مسجد دہلی میں بم پھینکا گیا، تو کبھی خواجہ اجیمیری کے دربار میں دھماکہ کیا گیا مگر مسلمانوں نے اپنے جلسوں اور اپنے اخبارات و رسائل میں کسی قوم پر آئنگ وادی ہونے کا الزام نہیں لگایا، سدا یہ اپیل کی کہ مجرم کو پکڑنے میں کوتاہی نہ کی جائے، اس کو سزا دینے میں تاخیر نہ کی جائے، اور جمہوری اتحاد کا تحفظ کیا جائے، پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے، کہ وہ مسئلہ امریکہ کا تھا کہ اس نے اپنے طور پر مسلم بغاوت و جنگ کے ماحول میں الزام لگانے اور گمراہ کرنے کی کوشش کی مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ امریکہ کے اس الزام کو فضول ہندوستان میں اپنایا جائے، اور صرف امریکہ کی تائید میں آپسی بھائی چارے کو پارہ پارہ کیا جائے۔ میرے بھائی یہ یاد رکھو کہ اپنے اپنے وقت پر سب کو مر جانا ہے، دھن، دولت، کرسی اور دادا گیری سب یہیں رہ جائے گی، دنیا کو اگر کچھ یاد رہ جاتا ہے تو انسان کا تقویٰ و طہارت، علم و ادب، اخلاص و اخلاق، اتحاد و اتفاق، وفاداری اور امن و شanti کا پیغام۔

یورپ نے دیکھا کر رنگ اپنا، سید کو مرید بنائی لیا
سب پیروں سے توفیق نکلے، اس پیر کے آگے کچھ نہ چلی

دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر

ضیاء الرحمن علی

دہشت گردی عصر حاضر کا فینومینا ہے، پوری دنیا پر تشدد واقعات کی لپیٹ میں ہے، گزشتہ شب و روز کے ساتھ دہشت کے سائے دراز ہوتے چلے چارے ہیں، عالمی برادری آف دہشت کے ماحول میں جی رہی ہے، ہر طرف عدم تحفظ کا احساس بڑھتا جا رہا ہے اگر خاتمے کے لیے پوری دنیا نے دہشت گردی کے خلاف ہم چھیڑ رکھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود دہشت گردوں کے دست و بازو کمزور ہوتے نظر نہیں آ رہے ہیں، اسباب و عوامل کیا ہیں؟ دہشت گردی کے پتے مردوں کے لیے میدان میں اتاری طاقتیں کس حد تک خواہش گردی کی مجرم نہیں ہیں؟ ان کے عزائم میں کس قدر سچائی ہے؟ یہ دہشت گردی ان کے لیے سے جڑے چند سوالات ہیں جن کا جواب ہم آئندہ صفحات میں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے، سر دست ہم دہشت گردی کے مفہوم کے لیے انگریزی میں استعمال ہونے والے اصطلاح ”میرزم“ (Terrorism) کو یقیناً کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابلس لرنڈ کشتی آف کرنٹ انگلش میں میرزم کی توضیح میں لکھا ہے۔
 "The use of violent action in order to achieve political aims"

یہ مقاصد کے حصول کے لیے پر تشدد عمل کو بروئے کار لانے کا نام دہشت گردی ہے۔

نہت میں کھوٹ :-

یہ خیال میں دہشت گردی کی یہ تعریف مبہم اور غیر واضح ہے، اس تعریف کی رو سے ہر ملکہ جس میں سیاسی مقاصد و عوامل کا رفرما ہوں، دہشت گردی قرار پائے گا اور پھر دنیا بالکل بھی طاقت دہشت گردی کے الزام سے اسے اپنے آپ کو بچا نہیں پائے گی، کیونکہ عملاً تشدد نہ عمل میں خواہ وہ حق و صداقت کی بالادستی ہی کے لیے کیوں نہ ہو سیاسی

عوامل در اندازہ ہوتے ہیں، اور دنیا کا کوئی بھی ہوشمند انسان تسلیم نہیں کر سکتا کہ حق و صداقت پر مبنی سیاسی اہداف کے حصول کے لیے کی جانے والی مسلح جدوجہد دہشت گردی کے زمرے میں آتی ہے، مجھے ایسا لگتا ہے کہ انگریزی دنیا نے شاید کسی سیاسی مجبوری کی وجہ سے دانستہ طور پر دہشت گردی کے حقیقی خدو خال واضح کرنے سے گریز کیا ہے، انہیں معلوم ہے کہ دہشت گردی کی تصحیح تو صیح گردی گئی تو برطانیہ کی پوری تاریخ ہی دہشت گردی کی داستان ہوگی، اسرائیل کا جواب ہی سراپا دہشت گردی قرار پائے گا اور دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی ”مقدس مہم“ کی قلعی کھل جائے گی۔ اس لیے جان بوجھ کر دہشت گردی کی ایسی تشریح کی گئی ہے کہ اگر اس کی رو سے برطانیہ امریکہ اور اسرائیل اور دوسری جارح مغربی طاقتیں دہشت گردی کے الزام سے نہ بچ سکیں تو کم از کم ان کے مظالم کے نتیجے میں پھوٹ پڑنے والے پر تشدد واقعات اور ظلم و جبر کے خلاف مسلح کوششوں کی اہمیت کم ہو جائے اور عام انسان یہ باور کر لے کہ پر تشدد عمل بہر حال دہشت گردی ہی ہے۔

غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ دہشت گردی کے مختلف پیمانے ہیں، ایک ہی عمل ایک قوم کی نظر میں دہشت گردی ہے تو دوسری قوم کی نگاہ میں حق و صداقت کی جنگ، فلسطینیوں کی مسلح جدوجہد صیہونی نقطہ نظر سے دہشت گردی ہے، اور فلسطینیوں اور انصاف پسندوں کے زاویہ نظر سے جان و مال، عزت و آبرو کا دفاع جو ایک مقدس عمل ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ دہشت گردی کے خلاف مہم اس حقیقت پر عالمی اتفاق کے باوجود دہشت گردی انسانیت کا ناسور ہے، انفراتق و انتشار کا شکار ہے۔

دہشت گردی کا محرک:

موجودہ دور میں دہشت گردی کے لفظ کو پوری دنیا میں عموماً اور مغربی دنیا میں خصوصاً جن لوگوں سے جوڑا جا رہا ہے یا جن علاقوں کو دہشت گردی کا محور و مرکز کہا گیا ہے، ان کے پیچھے مظالم کی ایک مکمل تاریخ ہے، پروفیسر دابرٹ، اے، پیپ، نے لکھا ہے کہ خود کش دہشت گردی کی بنیاد وطن پرستی ہے، یہ غیر ملکی طاقتوں کے چنگل سے ملک کو آزاد کرانے کی ایک اسٹریٹیجی ہے۔ (دیکھئے اے جی نورانی کا مقالہ ”میرزم اینڈ راج“ فرنٹ لائن شمارہ ۱۴)

آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل ہندوستان میں ہوئی پہلی جنگ آرازی جسے عموماً "غدر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، پر تشدد پس منظر کے نتیجے میں ہوئی تھی، مغربی ایشیا میں جاری مسلح کشمکش نگین بین الاقوامی جرم کا ہی نتیجہ ہے۔

حاصل یہ کہ عموماً پر تشدد واقعات مظالم کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں، اگر حق و انصاف کی بالا دستی قائم ہو جائے، طاقتور قومیں کمزور قوموں کو اپنے زیر اثر کرنے کی کوشش چھوڑ دیں تو دنیا دہشت گردی کا خاتمہ ہو سکتا ہے لیکن ایسی کوئی امید نظر نہیں آتی کیونکہ ہوا مخالف سمت میں بہہ رہی ہے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر انسانی قدروں کو پامال کیا جا رہا ہے، انسانیت کے دامن عزت کو تار تار کیا جا رہا ہے، یہ سارے "کارنامے" وہ ممالک انجام دے رہے ہیں جو اپنے آپ کو حقوق انسانی کا علمبردار سمجھتے ہیں، اور اس کا پوری دنیا میں ڈھنڈورا بھی پیٹتے ہیں، ان طاقتوں اور ان ممالک کی سربراہی عصر حاضر میں امریکہ کر رہا ہے، آئیے ذیل میں امریکہ کے کچھ "کارناموں" کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

بربریت کی تاریخ:

امریکہ نے ظلم و بربریت کی تاریخ میں مظلوموں کے خون رنگین سے نئے ابواب لکھ دیئے ہیں، غیر انسانی سلوک روار کھے جانے کے سارے پیمانے توڑ دیئے ہیں، پہلے اس نے ناگاساکی پر بمباری کی، ویتنام کو برباد کیا اور بعد میں عراق اور افغانستان میں دہشت گردی کے نام پر وہ ننگا ناچ کھیلنا کہ پوری انسانیت شرمسار ہے، لیکن امریکہ اس کے اتحادی پشیمان نہیں ہیں، امریکہ دہشت گردوں پر لگام کسے جانے کی بات کہتا رہا، لیکن جب جنگ ختم ہوئی تو مغرب کے سیاسی مبصرین نے بھی امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی اس جنگ کو "ناکامی" سے بھی آگے منزل قرار دیا، اور پروفیسر پال راجرس (Paul Rogers) ڈپارٹمنٹ آف پیس اسٹڈیز، یونیورسٹی آف بریڈ فورڈ نے تو اپنی ایک رپورٹ میں جس کا عنوان تھا۔

"Towards Sustainable Security:"

Alternative Approaches to the war on terror"

اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے کہ عراق اور افغانستان میں امریکہ کے خلاف جاری مسلح جدوجہد ایسی ہے جیسی کہ سویت یونین کے قبضے کے خلاف افغانستان کے مجاہدین کی تھی، (دیکھئے حوالہ سابق)

امریکہ کی جارحیت کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے گوانتانامو کے قیدیوں کے ساتھ جو غیر انسانی سلوک روار کھا جا رہا ہے اس کی خبریں انتہائی پابندی کے باوجود اخباروں میں آتی رہی ہیں، ابھی ۲۹ مئی ۲۰۰۸ء کو اخباروں میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کے حوالے سے ایک خبر شائع ہوئی ہے جس میں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے مغرب کو اور خصوصیت کے ساتھ امریکہ کو حقوق انسانی کی پامالی پر لتاڑا ہے اور کہا ہے کہ امریکہ کو گوانتانامو اور حراست کے دوسرے خفیہ مراکز بند کر دینے چاہیے اور زیر حراست افراد کو منصفانہ جانچ کے بعد رہا کر دینا چاہیے، ایمنسٹی انٹرنیشنل کے سیکریٹری جنرل Irena Khan نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ دنیا کے قائدین حقوق انسانی کے پامال کیے جانے کا انکار کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عراق اور افغانستان میں حقوق انسانی کی پامالی فی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اور یہ واقعات درحقیقت دانش کی مانند ہیں، جو نہایت تیزی کے ساتھ پھیلنے جا رہے ہیں۔

اب گوانتانامو کے ایک قیدی اسلامی الحاح کی داستان سنئے، یہ الجزیرہ کے کیمبرہ مین اور صحافی ہیں جن کو ۱۵ دسمبر ۲۰۰۱ء کو صرف اس بنیاد پر گرفتار کیا گیا تھا کہ انہوں نے اسامہ بن لادن سے انٹرویو لیا ہے اور بعد میں مختلف لرزہ برانداز کر دینے والی اذیتوں کے ذریعے ان سے زبردستی یہ اقرار کروایا گیا کہ القاعدہ سے ان کے روابط ہیں، یہ وہی صحافی ہیں جنہوں نے ان ساری اذیتوں کے باوجود باہری دنیا کو گوانتانامو میں قیدیوں پر ہوئے مظالم سے آگاہ کرایا۔ اور انہیں کی بدولت قرآن کریم کی بے حرمتی کی خبر دنیا کو لگی، گوانتا نامو میں وہ پانچ سال سے زائد عرصہ گزار چکے ہیں، لیکن اب تک ٹرائل نہیں ہو پایا ہے، جنوری ۲۰۰۷ء سے یہ بھوک ہڑتال پر ہیں، ان کی صحت روز بروز گرتی چلی جا رہی ہے، یادداشت کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے، لیکن پھر بھی امریکی ظلم و بربریت کے خلاف انہیں

نے جنگ کا بگل بجا رکھا ہے۔

سامی کہتے ہیں کہ جبری غذا خورانی کے وقت انکی ناک میں نہایت سختی سے ساتھ نیوٹ لگا دیا جاتا ہے اور زبردستی ریلٹریٹ چیر، میں ان کو بٹھا کر منہ پر اس طرح ماسک لگا دیا جاتا ہے کہ بولنا مشکل ہو جاتا ہے اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں، اس حالت کو دیکھ کر مسلط شخص بولتا ہے میں تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک کروں گا، ان کے پیشاب میں خون آرہا ہے، انہیں کینسر کا خطرہ ہے، شکایت درج کرائے جانے پر ایسے ڈاکٹر کو بھیجا گیا جس کے پاس چیک اپ کے ضروری آلات ہی نہیں تھے، وہ چیک اپ کے بعد کہتا ہے مجھے تمہاری تکلیف کی کوئی پرواہ نہیں، کینسر کی ہی وجہ سے فیلو پر زرنر عبدالرزق حکمتی کی دردناک موت ہو چکی ہے، سخت سردی کے موسم میں ۱۰ بجے رات میں ایک پلاسٹک کا کابل دیا جاتا ہے، عبادت و ریاضت، تسبیح و تہلیل کی مہلت نہیں دی جاتی ہے۔ قرآن کریم کے سوا کسی دوسری دینی کتاب کے رکھنے کی اجازت نہیں ہے اور بیچ کلاتھ، قرآن کریم ایک جوڑا سلیپر، ایک بوتل پانی ہی کل متاع کائنات ہے، کچھ قیدی ایسے بھی ہیں جنہیں پانی رکھنے کے حق سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ (دیکھئے اینڈی ڈار ٹھٹکنن کا مقالہ: سامی الحاج اے جرنلسٹ آن دی فرنٹ لائن ان گوانٹانامو، دی ہندو، ۳۰ اپریل ۲۰۰۸)

امریکہ کی انسانیت سوز داستان یہیں ختم نہیں ہوتی، اسلام اور مسلم دشمنی امریکہ کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے، بے گناہ اور بے قصور افراد کو صرف شیعہ کی بنا پر گرفتار کر کے قید خانے میں بھیج دیا جاتا ہے۔ ابھی حال میں ایسے چھ نو جوانوں کی داستان پر مبنی ایک کتاب نیویارک سے شائع ہوئی ہے جس کا عنوان ہے۔

"The Jihad Next door the lackawanna six and rough terror." justice in the age of

و جے پرشاد کا فرنٹ لائن شمارہ ۹ مئی ۲۰۰۸ء میں اس کتاب پر شاندار تبصرہ شائع ہوا ہے، ان چھ نو جوانوں کی کہانی اسی تبصرے کے حوالے سے مختصر آئیں۔

۱۹۴۰ء کی دہائی میں لیکاوانا میں دنیا کی سب سے بڑی اسٹیل فیکٹری تھی جس میں

تقریباً ۲۰ ہزار ملازمین کام کرتے تھے ان میں اکثر آئرلینڈ، پولینڈ اور یمن کے باشندے تھے، ۱۹۸۰ء کی دہائی میں یہ کمپنی تباہی کا شکار ہو گئی اور نو جوان نسلیں بے روزگار ہو گئیں۔ کچھ یمنی نژاد امریکی نو جوان کامل درویش کی جانب مائل ہو گئے، جو ۱۹۹۰ء میں جاری جہاد سے لوٹا تھا، یہ نو جوان اس کے پاس جانر بوسینیا کی کہانی، بڑے دلچسپی کے ساتھ سنا کرتے، آخر ایک دن کامل نے ان سے بھی جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی درخواست کی، وہ نو جوان لاشعوری طور پر تیار ہو گئے اور القاعدہ کی کیمپ الفاروق جو قندھار میں تھا پہنچ گئے، تھوڑی مدت کے بعد انکی طبیعت استگائی، انہیں وہاں کی دنیا عجیب لگی اور کمپ چھوڑ کر واپس امریکہ اپنے وطن لوٹ آئے، ایف بی آئی ان نو جوانوں کی ناک میں تھی، ۹ ستمبر ۲۰۰۲ کو ان چھ نو جوانوں کو گرفتار کر لیا گیا اور پھر ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، انکی جنس نے اس حقیقت کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ یہ نو جوان غلطی سے وہاں پہنچے تھے اور امریکہ کے خلاف انکے کوئی خطرناک عزائم نہیں تھے۔

تشو بہ حیدر ایک سولہ سالہ بنگلہ دیشی دو شیزہ کو صرف اسی شیعہ کی بنا پر جلا وطن کی گیا کیا کہ وہ امریکہ کی پہلی خودکش حملہ آور لڑکی ہو سکتی تھی۔ اور اس شیعہ کی تائید میں لفظ Suicide کے گرد ایک صفحہ پر بنائے گئے ایک خاکے کو پیش کیا گیا جس کے متعلق قن کے والد حیدر کا کہنا ہے کہ وہ خاکہ مذہب خودکشی کا مخالف کے موضوع سے متعلق اس کے کلاس نوٹ کا حصہ تھا۔

احساس برتری:

درحقیقت اس سلسلے میں راز پنہاں یہ ہے کہ امریکی کی خارجہ پالیسی میں ہی جارحیت ہے اور کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی دراصل اس ملک کے سیاسی کلچر کی پیداوار ہوتی ہے۔ اس کی خارجہ پالیسی میں جارحیت اس احساس برتری اور شعور بالادستی کی بنا پر ہے کہ امریکہ کو ثقافتی نسلی اور مختلف قسم کا تفوق حاصل ہے،

اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ دنیا میں جہاں چاہے جیسے چاہے اپنی طاقت کا استعمال کرے۔ اب ذرا امریکہ کی دہشت گردانہ سرگرمیوں سے جٹ کر دہشت گردی سے ہی

جڑے ایک دوسرے اہم پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں، دہشت گردی کے روز بروز اضافے سے علم کی ایک نئی شاخ نکل آئی ہے جسے Terrorology یعنی علم دہشت گردی کا نام دیا گیا ہے، برطانیہ اور امریکہ میں اس سے متعلق خصوصی مطالعہ کرانے والے شعبے قائم ہو گئے ہیں۔

۹/۱۱ سے پہلے تک حالات ایسے نہیں تھے، امریکہ میں دہشت گردی سے متعلق ۲۰۰۱ء میں صرف ایک سو مقالے شائع ہوئے تھے لیکن ۲۰۰۷ء میں یہ تعداد ۲۳۰۰ ریکارڈ کی گئی، اب اس موضوع پر مختلف پروجیکٹ کرائے جا رہے ہیں اور آہستہ آہستہ مارکیٹ میں ایسے افراد کی بہتات ہو رہی ہے جو اپنے آپ کو ٹیررزم ایکسپٹ کا نام دے رہے ہیں، مختلف ممالک نے دہشت گردی کے امور میں تعاون اور ایکسپٹ ایویڈنس کے لیے ان کی خدمات حاصل کرنی شروع کر دی ہیں، یہ اپنے ماہرانہ مطالعے کی روشنی میں دہشت گردوں کی تشخیص کرتے ہیں اور شہادتیں دیتے ہیں۔

اس کا باضابطہ آغاز امریکہ میں اس وقت ہوا جب ڈاکٹر ریوین پاز (Reuven Paz) ڈائریکٹر آف پروجیکٹ فار ریسرچ آف اسلامسٹ موومنٹ اینڈ ریڈی انٹرنیشنل سینٹر، ہرزلیا، اسرائیل اور ڈاکٹر میتھو لیوٹ (Matthew Levit) ممبر آف انٹرنیشنل سینٹر فار پالیٹیکل وائے لینس اینڈ ٹیررزم ریسرچ نے بطور ماہر امور دہشت گردی اپنی گواہی پیش کے طور پر پیش کرنا شروع کیا، سال گزشتہ ایک برطانوی مسلمان محمد عاطف صدیقی کو انٹرنیٹ سے جڑی دہشت گردانہ سرگرمیوں کے سلسلے میں ماہرین کی شہادت کے ذریعے ہی مجرم قرار دیا گیا تھا۔

اسلوب میں خامی:

لیکن جنہیں ایکسپٹ کہا جا رہا ہے ان کے ایکسپٹ پر انگلیاں اٹھ رہی ہیں، مختلف قسم کے سوالات کے گھیرے میں ہے ان کی مہارت، صرف ایک انڈرگریجویٹ قانون کی ڈگری اور نٹرنل شپ لے چکا شخص امریکہ کے شعبہ دفاع اور شعبہ انصاف کا مشیر ہے، یہی نہیں بلکہ ناقدین تو ان ماہرین کے غیر جانب دارانہ کردار کو بھی شک کی نگاہوں سے دیکھ

رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ ماہرین عموماً رائٹ ونگ سے تعلق رکھتے ہیں یا پھر صہیونی حامی تنظیموں سے اور ایسے میں یہ توقع کیوں کر کی جاسکتی ہے کہ یہ عام طریقے سے ہٹ کر غیر متعصبانہ انداز میں اپنی ذمہ داری نبھائیں گے، دہشت گردوں کی شناخت کے سلسلے میں ماہرین کی شہادت، اس کے معیار اور طریقہ کار پر اپنے شعبے کا اظہار کرتے ہوئے انتہونی گلینر (Anthony Glees) پروفیسر آف انٹلی جنس اینڈ سیکورٹی سرورسز بروئیل یونیورسٹی لکھتے ہیں۔

"by its very nature terrorism is shrouded in secrecy.... the only way academics can get inside information is if they have extremely close links either to intelligence services or to terror groups, and even then there have to be doubts about its accuracy as intelligence reports are often contradictory, any work academic does must inevitably be then regarded as researched opinion which I am not all sure meets the standard of evidence and Cross examination required in court of Law".

دہشت گردی اپنی طبیعت کے اعتبار سے ہی راز سرآستانہ ہے، امور دہشت گردی کے ماہرین کو اندرونی اطلاع ملنے کی صرف ایک صورت یہ ہے کہ ان کے انسٹیبل جنس سرورسز سے یا دہشت گردوں کو واپس سے انتہائی قریبی روابط ہوں، اس کے باوجود اس کی صحت سے متعلق شبہ ضرور باقی رہتا ہے، کیونکہ بسا اوقات انسٹیبل جنس کی خبریں باہم بگربیاں ہوتی ہیں، ماہرین کا کوئی بھی علمی کام بھینا تحقیق سے حاصل شدہ رائے ہی کے زمرے میں آئے گا اور میں اس بابت یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ کورٹ آف لاء میں مطلوب "شہادت" اور "تفتیش" کے معیار کے مطابق ہے۔ جان کرلس کا مقالہ

Just how expert the terror expert witnesses
خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ امریکہ اور اس کے حواریوں نے دہشت گردی کے خاتمے کے

نام پر جو ہم چھیڑ رکھی ہے اس میں کہیں بھی انصاف، غیر جانب داری اور شفافیت کا دور دورہ نہ ملے گا۔ اس کی یہ مہم عالمی دہشت گردی کی مہم بن چکی ہے، وہ دہشت گردی کو اور فروغ پانے کا موقع فراہم کر رہا ہے وہ خود مسلسل جرائم پر جرائم کا ارتکاب کرتا جا رہا ہے پہلے اس نے دہشت گردی کو مذہب اسلام سے جوڑا پھر عراق اور افغانستان کو تاراج کیا، قیدیوں کو فخر نائل کا حق نہیں مل پا رہا ہے ان کو غیر انسانی طریقے پر زد و کوب کیا جا رہا ہے، اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ دہشت گردی کے خاتمے اور دہشت گردوں کی شناخت میں ان افراد کی مدد لی جا رہی ہے جو نہ تو ماہر ہیں اور نہ غیر جانب دار، دہشت گردی کی مہم کے ان سارے کمزور پہلوؤں نے امریکہ کو شاہرہ عام پر ننگا کر دیا ہے، دوسری طرف امریکہ ان ریاستوں کی غیر مشروط حمایت میں ہم وقت لگا رہتا ہے جو دہشت گردی کے کارخانے چلا رہی ہیں، وہ اب تک سنگین بین الاقوامی جرم کے کھٹن سے پیدا ہونے والی خون آشام ریاست اسرائیل جس کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی کے ہتھیار موجود ہیں کے تحفظ کے لیے یو این سیکورٹی کونسل میں ۳۹ بار اپنے ویٹو پاور کا استعمال کر چکا ہے، اور اب ایٹھویپا کو اسلحہ فراہم کر رہا ہے کہ وہ وشنائی مسلمانوں کو پھل دے، ایسے میں اگر امریکی کی خون ریزیوں کا جائزہ لیا جائے تو امریکہ ہی دنیا کا سب سے بڑا مجرم اور بین الاقوامی دہشت گرد ملک قرار پائے گا، لیکن ہے کوئی جو امریکہ کی دہشت گردی کو لگام دینے کی جرات کر سکے؟

عرض آخر:

امریکہ اگر واقعی اپنی اس مہم میں مخلص ہے اور وہ اس مہم میں حقیقی کامیابی دیکھنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے خود اسے معصوموں کی خون ریزی، بے گناہ افراد کی گرفتاری اور دوسرے صہیونی حامی عزائم سے باز آنا ہوگا، صہیونی طاقتوں کا آلہ کار بننے سے گریز کرنا ہوگا، اسلامی دہشت گردی کی رٹ لگانا چھوڑنا ہوگا، کیونکہ اسلام میں ناحق خون ریزی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اسے القاعدہ، طالبان اور دوسری دہشت گرد تنظیموں کے پس منظر کا مطالعہ کرنا ہوگا، اپنے گریبان میں بھی جھانکنا ہوگا، وہ اسباب و علل تلاش کرنے ہوں گے جنہوں نے انہیں مسلح جدوجہد پر مجبور کر دیا ہے کہیں وہ خود اس کے اور دوسرے مغربی

استعمار پسند ممالک کے مظالم کا رد عمل تو نہیں۔

اگر ان حقائق پر غور و فکر کیا گیا تو پھر پوری دنیا اس کی اس مہم میں شانہ بشانہ شریک ہوگی اور مہم کامیاب ہو کر رہے گی اور اگر ان حقائق کو نظر انداز کر دیا گیا تو دہشت گردی کے طوفان کے تھمنے کی کوئی امید نظر نہیں آتی بلکہ حالات تو اس بات کے غماز ہیں کہ صورت حال بد سے بدتر ہوگی اور پوری دنیا قتل و غارت گری کے جہنم میں جھلس کر خاکستر ہو جائے گی۔

اسلام اور عصی جات

۱۸۵۷ء کی ۵۰ سالہ تاریخ اور عصی تصور

۱۸۵۷ء کی تاریخ رقم کرنے والے اکثر مصنفین کا یہ دھیرہ بن چکا ہے کہ وہ تاریخ کا آغاز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی آفاقی شخصیت سے کرتے ہیں، انکی سیاسی، سماجی اور فکری تحریروں کی تعریف کرتے ہیں، انکے افکار جہاں بانی دجہاں بنی کا ذکر کرتے ہیں (جن کا رشتہ ہندوستان کی آزادی سے جوڑنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ اسلام آزادی ہند کا سبب بنا کیونکہ اسلام کی تعلیمات مجموعی طور پر آزادی کے حق میں ہیں نہ کہ غلامی کے حق میں) پھر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ایک تحریر کا حوالہ دیتے ہیں جس میں انہوں نے انگریزی تسلط کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد اس خانوادے کی تعریف جذباتی انداز میں کرتے ہیں اور پھر اسی خانوادے کے فرزند (اور فکری باغی) اسماعیل دہلوی اور انکے شیخ سید احمد رائے بریلوی کا تذکرہ کرتے ہیں اور انکی جہادی کارناموں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں، پھر ۱۸۵۷ء کا ذکر کرتے ہیں، مزید یہ کہ وہ افراد جو نظریاتی طور پر احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی کے قبیح و مقلد ہیں اور جن کا کسی نہ کسی طرح جنگ آزادی ۱۹۴۷ء میں نام بھی آتا ہے ان کا نام لے لیں، اس جذباتی تاریخ نگاری کے بین السطور سے جو بات باور کرائی جاتی ہے، وہ یہ کہ ہندوستان کی آزادی حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی کے نظریات کی رہین منت ہے جس کا علم عملی طور پر شاہ اسماعیل دہلوی، سید احمد رائے بریلوی اور ان کے معتقدین و متوسلین بلند کیے ہوئے تھے چونکہ ایک کھلی سچائی یہ ہے کہ اکثر اردو تاریخ نویس وہ افراد تھے جن کا سررشتہ رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی صاحب کے اس فکری نظام سے جاتا ہے، جس کے خالق وہ خود تھے، نتیجہ کے طور پر ۱۸۵۷ء کی تاریخ اپنے پس منظر و پیش منظر کے ساتھ ایسی تحقیقات کا مجموعہ بن گئی ہے، جس میں انقلاب ۱۸۵۷ء کی حقیقی تصویر کے سوا سب کچھ ہے، چلتے چلتے یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ رائے بریلوی اور دہلوی صاحب کے پیروکاروں کا ”وہابی“ نام انگریزوں نے نہیں ہندوستانی سنی مسلمانوں نے رکھا ہے، برعکس اس کے وہابی علماء کی درخواست پر انگریز حکومت نے ان کا نام ”اہل حدیث“ رکھا تھا۔ (ملاحظہ فرمائیں محمد جعفر تھا۔ تمانیری کی کتاب تواریخ عجیب یعنی کالا پانی پر پروفیسر محمد ایوب قادری کا مقدمہ اور مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب ہندوستان کی پہلی تاسلامی تحریک)

رائے بریلوی صاحب کے جہاد کا مقصد.....

پروفیسر خلیق انجم صاحب کی محمولہ بالا عبارت پر ایک بار پھر نظر ڈالیے جو وہابیانی تحقیقات کا حاصل ہے۔ محمولہ عبارت کا پہلا جملہ ہے: حقیقت یہ ہے کہ سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کار کے خون سے آزادی کا پودا ہندوستان میں بیجا گیا۔ اس جملے پر تنقیدی نظر ڈالنے سے پہلے رائے بریلوی صاحب کی زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہیں، رائے بریلوی صاحب یکم محرم ۱۲۰۱ھ ۷۸۶ء کو پیدا ہوئے ۳ سال ۳ ماہ کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا، طبیعت پڑھنے کی طرف مائل نہ تھی، (سیرت سید احمد شہید لؤل ۱۱۰) معاش کے مسئلہ سے دو چار حیران و پریشان ۲۰ سال کی عمر میں دہلی پہنچے اور شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر دہلوی سے ملاقات اور استفادہ کیا (سوانح نگاروں کا اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے) ۲ جون ۱۸۲۱ھ یکم شوال ۱۲۳۶ھ کوچ کے لیے روانہ ہوئے اور ۳ سال بعد ۱۸۲۳ء میں سفر حج سے واپس ہوئے، واپسی کے بعد ہی جہاد کی تیاری شروع کر دی، ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء ۷ جمادی الآخر ۱۲۳۱ھ کو رائے بریلی سے روانہ ہوئے اور گوالیار ٹوٹک، اجمیر پالی عمر کوٹ حیدر آباد، کوئٹہ

قندھار، کابل اور پشاور ہوتے ہوئے ۱۱ دسمبر ۱۸۲۶ء / ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۲ھ کو نوشہرہ پہنچے ۴ سالوں تک چھوٹی بڑی جھڑپیں اور جنگیں ہوتی رہیں اور بالآخر ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۳۶ھ کو بالا کوٹ کے میدان میں یہ داستان جہاد اپنے اختتام کو پہنچ گئی، ناکامی کیوں ہوئی؟ تدبر کے ساتھ مولانا محمد سلیمان قاسمی کی ان سطور کو پڑھا جائے تو بات واضح ہو جائے گی۔

”براہونسل غرور کا، براہوقباہلی عصیت کا، براہوجہالت کا اور ستیاناس ہوعلماء سوء کی پھوٹ ڈالنے والی حرکات کا اور خدا معاف کرے تخلصین کی بے صبری، بے تدبیری اور ناتجربہ کاری کو، سب نے مل کر کیے کرائے پر پانی پھیر دیا، حقیقت اور وہابیت کے جھگڑے کھڑے کر دیئے گئے، قبر پرستوں نے سرفروشان اسلام پر کفر کے فتوے داغے، سرحد کے پٹھانوں نے غداری کی“ (کربلا سے بالا کوٹ تک ص ۲۳۱، ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ستمبر ۲۰۰۵ء) ہر چند کہ یہ پوری عبارت رائے بریلوی صاحب کی گرداب عقیدت میں ڈوبی ہوئی ہے تاہم غیر شعوری طور پر وہ سارے حقائق سامنے آ گئے ہیں جن کو سمجھنے کی ضرورت ہے، ان میں دو باتیں نمایاں ہیں اول یہ کہ ان جہادیوں میں بے صبری، بے تدبیری اور ناتجربہ کاری تھی اور دوم یہ کہ شکست کی وجہ وہابیت اور حقیقت کا جھگڑا ہی، بلفظ اگر سید صاحب نے جہاد کا رخ منکھوں سے ہٹا کر مسلمانوں کی طرف پھیر دیا تھا۔

سید صاحب کی زندگی کو سامنے رکھیے اور اس کے بعد پروفیسر خلیق احمد کے اس ادعاء کا تجزیہ کیجئے کہ ”حقیقت یہ ہے سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کار کے خون سے آزادی کا پودا ہندوستان میں بیجا گیا۔ تو سخت مایوسی ہوتی ہے، افق ذہن پر یہ چند سوالات یکا یک کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۱) یہ بات اس وقت درست تسلیم کی جاتی کہ سید صاحب اور ان کے رفقاء کا خون انگریزوں نے بہایا ہوتا۔

(۲) سید صاحب نے اپنی جنگ کے لیے فوج و سامان فراہم کرنے کے لیے جن علاقوں کا دورہ کیا ان میں اکثر انگریزوں کے زیر نگیں تھے، لیکن انگریزوں نے کہیں بھی سید صاحب کی اس ”فوجی کارروائی“ سے تعرض نہ کیا، کیا انگریز اتنے ہی بے وقوف تھے؟“

(۳) سرحد کے علاقوں پر یا تو سکھوں کا قبضہ تھا یا مسلمانوں کا پھر آزادی کے پودے کی پہچانی کرنے سید صاحب کو وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۴) ہندوستان کے مرکز دہلی پر ایک کمزور سی مسلم سلطنت قائم تھی، اور ہندوستانی علاقے نوابوں اور راجاؤں کے زیر نگیں تھے، ایسے میں انگریزوں کی ایک بیرونی طاقت تیزی سے ہر جگہ ہر معاملے میں دخل ہوتی جا رہی تھی، ایسی صورت حال میں جہاد کی صرف دو صورتیں ہو سکتی تھیں۔

(الف) سید صاحب دہلی کے تخت پر جلوہ فرما مغل شہنشاہ کے تعاون میں اپنی فکر و عمل کی ساری توانائیاں صرف کر دیتے اور اس وقت کی ایک مسلم حکومت کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دے کر ایک مضبوط سلطنت قائم کرتے اور پھر غیر ملکی تسلط ختم کرنے کی تدبیریں کرتے۔

(ب) سید صاحب اپنے اجتہاد کی بنیاد پر تخت دہلی پر جلوہ افروز شہنشاہ کو نااہل قرار دیتے اور اس کو معزول کر کے دوسرے مستحکم مسلم/ اسلامی حکومت قائم کر کے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے انگریزوں اور مشرکین سے جہاد کرتے۔ یا انگریزوں اور مشرکین سے ایک ساتھ جہاد کرتے۔

مگر سید صاحب نے ان دونوں میں سے کچھ بھی نہ کیا اور کسی مسلم حاکم و امام کے فرمان کے بغیر جو جہاد کی شرط ہے، ہزاروں میل کا سفر کیا اور جہاد کے نام پر غیر منظم لڑائیاں شروع کر دی۔ انگریزوں سے رابطے ہموار ہیں، ہندو راجوں، مہاراجوں، کی دعوتیں اڑا رہے ہیں اور جہاد کا رخ صرف سکھوں کی طرف اور خفی سنی مسلمانوں کی طرف ہے، بالفرض اگر یہی عمل ان کا جہاد ہے تو اس جہاد سے ہندوستان کی آزادی کا کیا رشتہ؟

(۵) جناب شاہ حسین گردیزی صاحب کی تحقیقی کتاب ”حقائق تحریک بالاکوٹ“ میرے سامنے ہے، اس میں سید صاحب کے متعدد موافقین و مخالفین اور غیر جانب دار قلم کاروں کے حوالوں سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ سید صاحب کسی طور پر بھی انگریزوں کے مخالف نہیں تھے ان حوالوں میں شیخ اکرام کا یہ اقتباس بڑا واضح ہے۔

”جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے، کسی شخص نے آپ

سے دریافت کیا اتنے دور سکھوں سے جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو، انگریز جو اس ملک پر سلاطین ہیں وہ دین اسلام کے کیا منکر نہیں ہیں، گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو، یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائے گا، سید صاحب نے جواب دیا، سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی، اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے۔ (حقائق تحریک بالاکوٹ ص ۷۱) مجلس اتحاد اسلامی کراچی بحوالہ موج کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۲۰۔

کیا اس کے بعد بھی سید صاحب کو تحریک آزادی کا ہیرو ثابت کرنے کا جنون صحت فکر کا اشاریہ ہو سکتا ہے؟ لیکن یہ سوال بہر کیف اپنی جگہ پر رہ جاتا ہے کہ پھر سید صاحب کی ان معرکہ آرائیوں کا کیا مقصد تھا؟

میرا خیال ہے کہ اس سوال کا جواب سید صاحب کی زندگی کے جزئیاتی واقعات میں تلاش کرنے کی بجائے سرحدی مسلمانوں اور خانوادہ ولی اللہ سمیت پوری ہندوستانی مسلمانوں کی دو خانوں میں تقسیم اور ان کے گزشتہ ۱۵۰ سالہ باہمی جنگ و جدال کا علمی، فکری اور نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو حقیقت حال سے آگہی زیادہ آسان ہو جائے گی، اور اگر خلیفہ احمد نظامی صاحب کے جملے کو معمولی تبدیلی کے ساتھ اس طرح کر دیا جائے کہ ”حقیقت یہ ہے کہ سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کار کے خون سے وہابیت“ کا پودا ہندوستان میں پیلا گیا، تو یہ ایسی حقیقت ہوگی جس کا انکار سید صاحب کے موافقین اور مخالفین میں سے کسی کے لیے بھی ممکن نہ ہوگا۔

۱۸۵۷ء کی یاد، غفلت اور شکایت:

سال ۲۰۰۷ء شروع ہونے سے چند ماہ پیشتر ہی ایک دن حضرت مولانا حسین امین مصباحی صاحب کی مجلس میں حاضر تھا، حضرت نے ۲۰۰۷ء کا ذکر کیا اور کہا کہ ”آٹے والے سال ۲۰۰۷ء کو انقلاب ۱۸۵۷ء کے ۱۵۰ سال مکمل ہو جائیں گے، اس کی یاد حکومتی سطح پر کچھ نہ کچھ متائی جائے گی۔ اور غیر حکومتی سطح پر بھی، اس موقع پر ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ام

طور پر سیمنا رو سپوزیم منعقد کریں، رسائل و جرائد کے خصوصی شمارے شائع اور ان میں خاص طور ان علماء کو پیش کریں جن کا کردار انقلاب ۱۸۵۷ء میں کلیدی نوعیت کا ہے۔“

۲۰۰۷ء کی آمد کے ساتھ ہی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے علمی ترجمان ماہنامہ اشرفیہ شمارہ جنوری ۲۰۰۷ء کا ادارہ ”سال ۲۰۰۷ء انقلاب ۱۸۵۷ء کے نام“ تشریف لایا جس میں مدیر محترم مولانا مبارک حسین مصباحی نے اوارے کے مرکزی نکتے پر زور دینے کے ساتھ کئی دوسرے گوشوں کو اجاگر کیا، دوسرے اردو ہندی اور انگریزی اخبارات و رسائل میں بھی اس موضوع پر مضامین شائع ہوئے مختلف زبانوں میں اس موضوع پر نئی نئی کتابیں بھی آئیں، مئی کے مہینے میں حکومتی سطح پر مختلف ثقافتی تقریبات منعقد ہوئیں، اب سال نصف سے زائد گزر گیا، اور ۱۸۵۷ء کے تعلق سے انگلیں عموماً ختم ہو گئیں، تاہم میری معلومات کی حد تک ابھی ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور ایک ضخیم نمبر کی تیاری میں مصروف ہے، اس کے ساتھ ہی اعلیٰ پیمانے پر ایک سیمنا کے انعقاد کا بھی ارادہ رکھتا ہے، مولانا یسین اختر مصباحی کی کوششوں سے دہلی، ممبئی، لکھنؤ میں کئی پروگرام ہو چکے اور ابھی کئی تیاری کے مرحلے میں ہیں، تنظیم اہلئے اشرفیہ شاخ دہلی اور مسلم فاؤنڈیشن دہلی کے اشتراک سے عنقریب ایک پروگرام جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں منعقد ہونے کو ہے مولانا یسین اختر مصباحی صاحب کی اب تک تین کتابیں ”انگریز نوازی کی حقیقت“، ”چند ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء اور علماء وقائدین جنگ آزادی ۱۸۵۷ء شائع ہو چکی ہیں، قائد جنگ آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی زیر اشاعت ہے، اور ان کے علاوہ ۱۸۵۷ء سے ہی متعلق کئی موضوعات حضرت مصباحی صاحب کے ذہن میں موجود اور صفحہ قلم اس پر اترنے کے لیے بے تاب ہیں۔ (اعلایہ بقاء و جملہ نفعاً و خیر الاسلام و المسلمین اس کے ساتھ ہی مولانا بعد الملک مصباحی کی ایک عمدہ کتاب ”جنگ آزادی اور وطن کے جاننا“ جلد ہی شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکی ہے۔

ان یادوں کی بہاروں کے بعد ہمارے سماجی شعور کو تین احساسات سختی سے جکڑے ہوئے ہیں، یہ احساسات مختلف شکایات ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) ۱۸۵۷ء کی یادشایان شان نہیں منائی گئی۔

(۲) مسلمانوں کو اور خصوصاً علماء کو نظر انداز کر دیا گیا یا ان کے کردار کو وہ مقام نہیں دیا

گیا جس کے واجبی طور پر وہ مستحق تھے۔

(۳) انقلاب کا مرکز ہندوستان کا مرکز رہا، جہاں جہادی جذبہ پیدا کرنے میں

علمائے اہل سنت کا مرکزی کردار رہا لیکن اردو کی معاصر تحریروں میں ان جید علماء کو شعوری طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔

ان شکایات و احساسات کے تجزیہ سے پیشتر لازم ہے کہ تاریخ کے مفہوم و مزاج کا تجزیہ کر لیا جائے، علامہ عبدالرحمن ابن خلدون اپنی شہرہ آفاق تصنیف، مقدمہ ابن خلدون، کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں۔

”واضح رہے کہ تاریخ ایک مقبول، نفع بخش اور مقصد خیر کا حامل فن ہے، یہ گزشتہ قوموں کے اخلاق و اطوار، انبیاء کرام کی سیرت طیبہ اور سلاطین کی حکومتوں کے اخلاق اور ان کی تدابیر جہاں بانی کے احوال سے واقف کراتا ہے، یہاں تک کہ تاریخ کا طالب علم اپنے دینی و دنیوی امور میں ایک بصیرت حاصل کر لیتا ہے۔“ (ص ۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۲)

فن تاریخ کے موجد مسلم علماء نے تاریخ نگاری کو اسی مفہوم میں لیا تھا اور مذکورہ مقصد کے لیے ہی اس راہ پر خار کی آبلہ پائی کی تھی، لیکن عصر حاضر میں تاریخ نگاری کا مفہوم یکسر بدل چکا ہے، اب پیش کی طور پر کوئی مدعا طے کر لیا جاتا ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لیے چند نمونے خوردہ کتابوں کے حوالے پیش کر کے اپنے نظریے کی صداقت کا ڈھنڈورا پیٹ دیا جاتا ہے۔ استراق کے بعد تاریخ نگاری نے ایک نئی کروٹ لی اور غایت درجہ خطرناک بنیادی مقصد کے تحقیقات کے صفحوں میں چھپا کر بظاہر نیک مقاصد کے تحت تاریخ نگاری کی جانے لگی۔

تاریخ کے اس مزاج کو سامنے رکھنے کے بعد جب ہم اپنی شکایت پر دوبارہ نظر ڈالتے ہیں تو ہماری ساری شکایات بے سود اور لا حاصل معلوم ہوتی ہیں، پہلی شکایت تو اس لیے کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کی جدوجہد کا مرکزی مقصد (دیگر تمام اسباب و مقاصد کے ساتھ) قائم

السطور کی نظر میں مسلم سلطنت کا دوبارہ سہارا دینا تھا اور اس پر مسلط غیر ملکی عیسائی تسلط کا خاتمہ کرنا تھا، اس کی واضح دلیل چوٹی کے علماء کا فتویٰ جہاد دینا ہے، اس کے علاوہ دیگر مقاصد کے تحت برپا ہوا ہوا اس کا بہت زیادہ چرچا موجودہ جمہوریت کے مفاد کے خلاف ہے، اس کا ذکر اسی قدر کافی ہے جس سے ”ہندوستانی قومیت“ اجاگر ہو سکے، ملکی سطح پر کیے جانے والے انقلاب ۱۸۵۷ء کے چرچوں کا چشم پینا سے جائزہ لیا جائے تو اس مدعی پر کسی دلیل کی ضرورت بالکل ہی نہ ہوگی۔

دوسری شکایت کی وجہ بھی ”ہندوستانی“ کا یہی مزاج ہے، تیسری شکایت کی وجہ بھی اردو مورخین اور قلم کاروں کی یہی ”بامقصد تاریخ نگاری“ ہے چوں کہ ان میں بیشتر وہ افراد ہیں جن کا فکری سررشتہ ان علمائے اہل سنت سے کٹا ہوا ہے، پھر بھلا وہ تاریخ نگاری کے چکر میں ایسا کام کیوں کرنے لگے، جس سے ان کے اسلاف کے فکری حریفوں کا نام روشن ہو، یہاں تک تو بات کسی قدر سمجھ میں آتی ہے لیکن اس کے بعد انکا اہل سنت مجاہدین کی کردار کشی میں تاریخ نگاری کے نام پر مذہبی حرکتیں کرنا ناقابل برداشت ہو جاتی ہیں۔

آخر میں اپنی تسابی کا برملا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہم شکایت کے مرحلے میں اس لیے ہیں کہ جو کام ہمیں کرنا تھا وہ ہم نے نہیں کیا اور احمقانہ طور پر دوسروں سے یہ امید لگائے رہے کہ وہ ہمارا کام کر دیں گے۔ ہم اس رویہ کو بدل لیں تو پھر شکایت کی گنجائش ہی نہ رہ جائے گی۔ درج کردہ شکایات کے پہلے اور دوسرے نکات پر مسلم دانشوران کو بطور خاص سنجیدہ غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے، یہ اسلام، ریاست، عصر اور عروج زوال کا سنگین مسئلہ ہے، جس کی طرف یہاں صرف اشارہ ہی کر دینا ممکن ہے، سو میں نے کر دیا، رہی تیسری شکایت تو اس کے ازالے کی کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے، یہ ایک خوش آئند بات ہے تاہم اس عمل میں عموماً ”رد عمل“ کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے، اس لیے اس موضوع پر لکھنے والوں سے صرف یہی گزارش ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں معروضیت لانے اور عصری اسلوب کی پیروی کرنے کی کوشش کریں۔

نقابوں میں چھپنے والوں کو ذرا جھانک کر دیکھ لے

امریکی طالبان، جن پر اسلام کا نقاب ہے، ان میں کچھ بھارتی کچھ نام نہاد مسلمان جن کا رابطہ لشکر جھنگوی، اور تمام دہابیہ تنظیموں، اور القاعدہ سے ہے، اور القاعدہ امریکی دریافت ہے، ان میں کوئی مسلمان نہیں، سارا کھیل پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کا ہے، پاکستان آج اپنے ایٹمی اثاثوں کی دستبرداری کا اعلان کر دے تو نہ کوئی طالبان اور نہ القاعدہ کا وجود ہوگا۔ لشکر جھنگوی جو طالبان کی سرپرستی امریکہ کے بعد وہ کر رہی ہے تو، جو امریکہ اور بھارت سے اسلحہ لے کر مسلمان فوج کے خلاف استعمال کرے، کیا وہ مسلمان ہے اگر یہ اپنے دعوؤں کے مطابق امریکہ کے خلاف ہیں، ایران میں کون سے امریکی بیٹھے ہیں؟ جہاں جند اللہ ایران کے ۴۰۰ فوجیوں کو ہلاک کر چکی ہے، پاکستان میں کون سی امریکی فوج بیٹھی ہے؟ جہاں گھروں، بازاروں مسجدوں میں بم چلائے جا رہے ہیں، اور ان بہوں کا نشانہ بننے والوں میں کتنے امریکی ہوتے ہیں؟ جن تین ملکوں میں مسلح کارروائیوں کی مزید تیاریاں کی جا رہی ہیں، وہ تینوں ہی مسلمان ملک ہیں، اور تینوں ملک ہیں اور تینوں ہی ستر جنگ اعتبار سے اسلامی دنیا کی بڑی طاقت میں بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس لیے راقم بار بار لکھتا رہا ہے کہ یہ جنگ ابھی شروع ہوئی ہے، وقت کے ساتھ ساتھ ہمارے سامنے کئی پردے اٹھیں گے، کئی چہرے بے نقاب ہوں گے، اور کئی راز کھلیں گے، یہ جنگ افغانستان اور پاکستان کے شمالی مغربی علاقوں تک محدود نہیں، پورے پاکستان میں پھیل چکی ہے۔

لاؤ تو قتل نامہ ذرا ہم بھی دیکھ لیں
کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

اسلام اور عصرِ جدید



ذیشان احمد مصباحی

عہد تضاد ہے، عصر حاضر کو عہد تضاد سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، انسانی آبادی کی کثرت اور آزادی فکر و نظر سے پیدا شدہ کثرت افکار و نظریات نے ہر مسئلہ کے کئی پہلو پیش کر دیئے ہیں اور عجب یہ ہے کہ ہر پہلو میں ایک فلسفے کے تحت جتنی خوبیاں نمایاں کی جاتی ہیں، دوسرے فلسفے کے تحت اتنی ہی خامیاں بھی دکھائی جاتی ہیں، اس کی سادہ مثال عصرِ جدید میں عورت کے لباس کا مسئلہ ہے، جہاں اسلامی فکر اس کے تعلق سے یہ کہتی ہے کہ عورت کو بے جا بکر کر کے یا باریک کپڑے پہنا کر اس کی جسمانی شراب سے نفسانی سرور حاصل کرنا عورت کا جنسی استحصال اور اس پر کھلا ظلم ہے، وہیں غیر اسلامی فکر کا یہ پرزور ادعا ہے کہ عورت کو باحجاب کر دینا اس کو ایک طرح سے کپڑے میں جکڑ دینا اور بوریے میں کس دینا ہے اور اسے مونے کپڑے پہننے کو کہنا اسے ٹھنڈی ہوا کھانے کے فطری حق سے محروم کرنا ہے اور یہ سراسر ظلم ہے اور یہ اس زاویے سے بھی ظلم ہے کہ عورت کا جسم اس کی ملکیت ہے، وہ چاہے چھپا کر رکھے یا اپنے حسن کو بے حجاب کر دے اس مسئلے میں دوسروں کا پڑنا اس کو اس کی شخصی آزادی سے محروم کرنا ہے۔

یہ ایک مثال ہے، موجودہ دور میں کسی بھی مسئلہ پر غور و خوض کرنے بیٹھ جائیں تو تضاد کی صورت ہمیں صاف نظر آئے گی، اسلامی اعتقادات اور اسلامی نظامِ حیات آج پوری دنیا میں زیر بحث ہے، یا دوسرے لفظوں میں ہدفِ تنقید ہے، ان کے بارے میں نہ صرف یہ کہا جا رہا ہے کہ عصرِ جدید میں ان کا نفاذ مشکل ہے، بلکہ انہیں خلاف واقع، غلط اور خلاف انسانیت ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، دوسری طرف اسلام پسندوں اور اسلامی دانشوروں کو دیکھیے تو وہ کائنات کے لیے صالح زندگی کے لیے اور پر امن معاشرے کی تشکیل کے لیے صرف اسلامی نظامِ فکر و حیات کو بنیاد سمجھتے ہیں، اسلام اور کفر پر مشتمل پوری

دنیا اس نظری جنگ میں شامل ہے، جنگ زوروں پر ہے، جو جب جہاں اور جیسے غالب آتا ہے فریقِ مخالف کا ایک برا گروہ اس کا ہم نو اُمتا چلا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ غیر مسلموں کا ایک برا حلقہ دامنِ اسلام میں آ رہا ہے، وہیں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اسلام کے کتنے ہی فرزندانوں پر غیر اسلامی فکر و نظر اور طرزِ بود و باش غالب آتی جا رہی ہے، اپنے آپ میں مسلمہ کالراور دانشور کہے جانے والے افراد بھی مغرب سے فکری و عملی اور معاشرتی شکست تسلیم کرتے جا رہے ہیں۔

دورِ جدید کا یہ متضاد پہلو ہمیں بتاتا ہے کہ آج حالات کے تجزیہ میں خواہ ہم جو کایہ بھی بنائیں وہ مکمل طور سے نئی برحقیت نہیں ہو سکتا، بعض نہیں بہت سے زاویوں سے اس میں استثناء کی صورت ہمیں نظر آئے گی، اس کا مطلب یہ ہے کہ مثال طور پر جس طرح یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ موجودہ دور اسلام موافق دور ہے، اور اب جلد ہی اسلام کا غلبہ عام ہونے والا ہے، اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ موجودہ دور اسلام مخالف دور ہے اور اب جلد ہی اسلام پوری دنیا میں مغربی زیر اثر آ کر مکمل طور پر شکست و رنجت سے دو چار ہو جائے گا، اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عصرِ جدید اسلام پسندوں کے لیے نہ تو خوش میبودوں کی جنت ہے کہ مارے خوشی کے غلیں بچانا شروع کر دیں، اور نہ ہی مایوسیوں کا مدفن ہے جہاں زندگی حرکت اور موثر عمل کا ہر تصور بے معنی ہوتا ہے کہ شدید قنوطیت سے مجبور ہو کر وہ مصلیٰ عینے کی تیاری میں لگ جائیں۔

دورِ جدید کا جو سبق ہمارے لیے سب سے اہم ہے وہ یہ کہ کسی بھی کام کے لیے جس قدر کوشش ہوگی اس کے اثرات بھی اسی قدر سامنے آئیں گے اگر ہم کسی گاؤں میں جلے کر کے شہر والوں تک اپنا پیغام پہنچانا چاہیں، اسلام کی حمایت میں ایک مضمون لکھ کر مخالفین کے دانت کھنکھنے کر دینے کا خواب دیکھیں اردو مضامین لکھ کر انگریزی پڑھنے والوں کو بھی حقیقت آشنا کرنے کا تصور کر لیں، کسی ریڈیو اسٹیشن یا ٹیلی ویژن چینل سے ایک بار اپنی بات کہہ کر خود کو دعوت حق کی ذمہ داریوں سے سبکدوش سمجھ لیں تو ہماری سوچ مضحکہ خیز ہی نہیں قابلِ ماتم بھی ہوگی۔ کوئی بھی نظریہ، کوئی بھی تصور یا کوئی بھی نظام، اگر اسلامی طور پر ہم

اسے حق مانتے ہیں، اسے فلاح انسانی کا ضامن سمجھتے ہیں تو ہم پر فرض ہے کہ دنیا کے ہر فرد تک اس کو پہنچانے کا عزم کر لیں ابلاغ حق میں ہماری جتنی کاوشیں ہوں گی ان کا اثر ضرور مرتب ہوگا، ارشاد باری تعالیٰ لیس الانسان الا ماسعی کو وسیع تناظر میں دیکھیں تو یہ حقیقت سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی۔

اسلام کی داخلی صورت حال:

اسلام قرن اول میں ہی شیعہ اور سنی جماعتوں میں تقسیم ہو گیا، ہر دو فریق نے اپنے حق پر اور دوسرے کو ناحق پر قرار دیا، پھر ہر ایک گروپ سے درجنوں جماعتیں وجود میں آئیں، سنی جماعت کے ماترید یہ و اشاعرہ مکتب فکر کو چاروں مسالک فقہیہ نے قبول کیا اور یہ اتفاقی طور پر تسلیم کیا گیا کہ یہ پورا گروہ اہل سنت و جماعت ہے۔

۱۷۴۴ء میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے شیخ ابن تیمیہ کے فکری منہاج پر تو حید کی دعوت شروع کی اور بزم خویش مسلمانوں میں پیدا شدہ شرک کی آلائشوں کو پاک کرنے کا بیڑہ اٹھایا تو وہابی تحریک کی بنیاد پڑی اور جس طبقہ نے اس نئی دعوت کو مسترد کر دیا وہ صوفیہ کہلایا تقلید شخصی کے تعلق سے وہابی تحریک دو خیموں میں بٹ گئی، غیر مقلدین جنہیں سلفی کہا جاتا ہے، اور مقلدین جو دیوبندی تبلیغی، ندوی وغیرہ ناموں سے جانے جاتے ہیں، جماعت اسلامی اور عالم عرب کی اخوانی تحریک بھی اس سے متاثر ہے، صوفیہ بھی مختلف سلسلوں میں بٹے ہوئے ہیں، ان کے بھی کئی ایک نام ہیں، لیکن باوجود اس کے پوری دنیا (اہل تشیع اور بعض استثناء کے علاوہ) نظریاتی طور پر اسی دونوں گروہوں میں ہی مٹی ہوئی ہے، واضح رہے کہ وہابی تحریک اپنے جملہ تعلقات کے ساتھ ایک نئی تحریک ہے، اس سے وہی لوگ متاثر ہوئے جن پر اس کی تبلیغی کاوشیں ہوئی، اتفاق سے روز اول سے ہی اسے حکومتی پشت پناہی حاصل ہو گئی، اس لیے اس کا تبلیغی دائرہ وسیع ہو گیا، لیکن باوجود اس کے عوامی سطح پر یہ آج بھی بے اثر ہے، اور امت کا بڑا طبقہ اس سے اب بھی بیزار ہے، اور چوں کہ وہابیت ایک نئی تحریک ہے، اس لیے جو فعالیت اور دعوتی اسپرٹ اس کے اندر ہے

وہ صوفیہ کے اندر نہیں ہے، اس کے ساتھ موجودہ دنیا کی ساری مسلم جماعتوں کا فکری و عملی جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک دوسری جماعت کے ساتھ آمادہ پیکار ہے جس کی وجہ سے اس کی نظر خارجی دشمن پر کم پڑتی ہے، یہ تشدد اس قدر ہے کہ جو حملے خارجی سطح سے اسلام پر کیے جا رہے ہیں ان کے رد و ابطال میں گروہی مفاد خالص اسلامی مفاد پر غالب آ جاتا ہے۔

اسلام کی خارجی صورت حال: خلافت راشدہ اسلامی حکومت کی مثالی تصویر تھی، اس کے بعد ۶۶۱/۴ء میں خلافت بنو امیہ کا قیام عمل میں آیا جو ۱۳۲ھ/۷۵۰ء میں عباسی خلافت کے قیام سے اپنی انتہا کو پہنچ گئی، اموی دور اسلامی توسیع کا دور رہا، عباسی دور میں علمی، تعمیری اور فنی کام زیادہ ہوئے، اس کے دور آخر میں صلیبی حملے ہوئے جس کو ایوبی تدبیر نے ناکام بنادیا، لیکن تاتاریوں نے ۶۵۵ھ/۱۲۵۷ء میں حکومت کا تختہ پلٹ دیا اور امت خارجی سطح پر بے حد کمزور ہو گئی، لیکن مشیت ایزدی ایسی رہی کہ صنم خانے سے کعبہ کو پاسبان مل گئے اور عثمانی خلافت قائم ہو گئی، جس کا اختتام ۱۹۲۳ء میں ہو گیا، اس کے ساتھ ہی مغرب کے اشارے پر مرکز خلافت سرزمین ترکی ہے شریعت اسلامیہ کو معطل کر دیا گیا اور سوئزر لینڈ کے مدنی و شہری قانون، اٹلی کے دیوانی قانون اور جرمنی کے تجارتی قانون ترکی میں نافذ العمل قرار پائے اس کے بعد مسلم دنیا کا نقشہ بدلنا ہی چلا گیا اور استعماری زور اور مشینری قوت نے یکے بعد دیگرے مسلم حکومتوں سے اسلامی قوانین کو دیس نکالا دے دیا، ۱۹۲۷ء میں ایران میں رضا شاہ نے اسلامی قوانین کی جگہ فرانسیسی قوانین نافذ کیے، آج حال یہ ہے کہ اسلامی اصول و قوانین کی جگہ فرانسیسی قوانین نافذ کیے، آج حال یہ ہے کہ اسلامی اصول و قوانین تقریباً تمام مسلم ریاستوں میں اجنبی بن گئے ہیں یا ہنستے جا رہے ہیں، اس کے پیچھے دراصل مغرب کی وہ عملی و فکری جنگ کا اثر ہے جسے اسٹشر ابق تبشیر اور دوسرے ناموں سے جانا جاتا ہے۔

عبرت کی دو صدیاں:

اسلام اور مغرب نے تناظر میں جب بھی جنگ و امن کی گفتگو ہوتی ہے تو عموماً ایسا ہوتا

ہے کہ اسلام پر جنگ کی افواہ کا الزام آ جاتا ہے اور مغرب امن کا حامی اور "جیو اور جینے" کے اصول کا علم بردار بن جاتا ہے، مسلمانوں نے چند جنگیں کیا لڑیں کہ آج تک ان کا دفاع کرتے کرتے ان کے قومی مضل ہونے لگے ہیں اور ہمت جواب دینے لگی ہے، مغربی اہل علم نے انہیں علمی اور فکری طور پر ایسے الجھا دیا ہے کہ اب وہ دفاعی پوزیشن سے بھی ہٹ کر راہ فرار تلاش کرنے لگے ہیں، آج جنگ و امن کی پوری بحث ۱۳ سو سال قبل ان جنگوں کے اور گردی گھومتی رہتی ہیں، جنہیں مسلمانوں نے اپنی بقا کے لیے لڑی تھیں۔ اہل مغرب بڑی ذہانتی کے ساتھ اسلامی عروج کے عہد کو وحشت کا عہد کہتے ہیں اور دور جدید کو تمدن کا عہد، حالانکہ پچھلے چار سو سالہ تاریخ کا عین جائزہ لیجئے تو پتہ چلے گا کہ اسلام جس طرح رفتہ رفتہ کمزور ہوتا چلا گیا، دنیا اسی طرح وحشت کا شکار ہوتی چلی گئی، بلکہ درحقیقت اسلام کے خلاف کی جانے والی اسی داخلی و خارجی وحشت ہی کا نتیجہ ہے کہ اسلام کمزور ہوا، خصوصاً پچھلے دو سو سالوں میں استعمار اور تبشیر نے جو کچھ کیا اگر ان کا ناقدانہ اور منصفانہ تجزیہ کیا جائے تو حقیقت سامنے آ جائے گی، معروف عرب قلم کار مصطفیٰ محمد الطحان نے انیسویں اور بیسویں صدی میں عالم اسلام پر صلیبی عسکری حملوں کی جو روداد پیش کی ہے، اسے ذیل میں نقل کرتے ہیں، اس سے عہد تمدن کی وحشت تا کیاں، بخوبی سمجھی جاسکتی ہیں۔

☆ ۱۷۹۸ء میں ہندوستان کے مغربی جزائر ہالینڈ کے تسلط میں آ گئے۔

☆ ۱۸۱۱ء میں فرانس نیپولس پر حملہ آور ہوتا ہے،

☆ ۱۸۲۰ء میں عمان اور قطر کی امارتیں برطانوی تحفظ کے زیر نگین ہو گئیں۔

☆ ۱۸۳۰ء میں فرانس نے الجزائر کی آزادی سلب کر لی۔

☆ ۱۸۳۳ء میں قازقاز روس کی آمرانہ حکومت نے ہڑپ کر لیا۔

☆ ۱۸۳۹ء میں برطانوی حکومت کے زیر نگین ہندوستان اور افغانستان میں پہلی

جنگ ہوئی۔

☆ ۱۸۳۹ء میں برطانیہ عدن پر قابض ہو جاتا ہے۔

☆ ۱۸۳۹ء میں برطانیہ سندھ کی مسلم امارتوں پر اپنا تسلط قائم کرتا ہے۔

☆ ۱۸۳۹ء میں برطانیہ ہندوستان کے مغربی شمالی علاقوں میں قبائل کی اراضی پر قبضہ

کرتا ہے۔

☆ ۱۸۵۳ء میں روس، تاشقند پر قابض ہو جاتا ہے۔

☆ ۱۸۵۴ء میں برطانیہ ہندوستان میں مغلوں کی حکومت کا خاتمہ کرتا ہے۔

☆ ۱۸۵۶ء میں برطانیہ ہندوستان میں اودھ کی مسلم ریاست پر اپنا تسلط قائم کرتا ہے۔

☆ ۱۸۶۶ء میں سمرقند بخارا کی سرزمین پر روس اپنا عفریت مسلط کر دیتا ہے۔

☆ ۱۸۷۳ء میں ازبکستان پر روس مسلط ہو جاتا ہے۔

☆ ۱۸۷۵ء میں خوکند کے علاقے روس ہضم کر جاتا ہے۔

☆ ۱۸۷۸ء میں قبرص پر برطانیہ اپنا قبضہ قائم لیتا ہے۔

☆ ۱۸۷۹ء میں برطانوی ظلم کے خلاف افغانستان کی دوسری جنگ ہوتی ہے۔

☆ ۱۸۸۲ء میں برطانیہ مصر پر قبضہ کرتا ہے۔

☆ ۱۸۸۵ء میں اٹلی نے اریٹر پر حملہ کر دیا۔

☆ ۱۸۹۰ء میں فرانس نے سپرنگال پر یورش کر دی۔

☆ ۱۸۹۱ء میں مسقط اور عمان برطانوی تحفظ میں کر دیئے گئے۔

☆ ۱۸۹۵ء میں روس پامیر کو اپنے اندر ضم کر لینا ہے۔

☆ ۱۸۹۸ء میں برطانیہ سوڈان پر قبضہ جمالیتا ہے۔

☆ ۱۸۹۹ء میں بلوچستان کے مسلم علاقوں کو برطانوی ہندوستان میں ضم کر دیا گیا۔

☆ ۱۹۰۰ء میں فرانس چاڈ پر حملہ کر بیٹھتا ہے۔

☆ ۱۹۰۶ء میں شمالی نائجیریا کی اسلامی سلطنتیں برطانیہ کی چراگاہ بن جاتی ہے۔

☆ ۱۹۱۲ء میں اٹلی لیبیا پر بلہ دیتا ہے۔

☆ ۱۹۱۲ء ہی میں فرانس اور ہسپانیہ مراکش پر حملہ آور ہو جاتے ہیں،

☆ ۱۹۱۳ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی اور ترکی پر حملہ کر دیا گیا۔

☆ ۱۹۱۳ء میں کویت برطانوی تسلط میں چلا گیا۔

☆ ۱۹۱۹ء میں یونان ترکی کی اراضی پر قابض ہو گیا۔

☆ ۱۹۱۹ء میں ترکی میں شامل اٹلی کے حصوں پر اٹلی نے اپنا تسلط قائم کر لیا۔

☆ ۱۹۱۹ء میں ہی فرانس عثمانی سسلی پر قابض ہو گیا۔

☆ ۱۹۱۹ء میں ہی تیسری افغانی جنگ لڑی گئی۔

☆ ۱۹۲۰ء میں عراق برطانوی تحفظ میں چلا گیا۔

☆ ۱۹۲۰ء میں شام اور لبنان فرانسیسی حفاظت میں کر دیے گئے۔

☆ ۱۹۲۶ء میں اٹلی صومالیہ کے ایک حصے پر قبضہ کر لیتا ہے۔

☆ ۱۹۳۱ء میں ایران روسی و برطانوی مشترک مقبوضات میں چلا جاتا ہے۔

☆ ۱۹۳۸ء میں فلسطینی قوم کی پیٹھ میں خنجر گھونپ کر اسرائیل کی مملکت قائم کر دی جاتی ہے۔

☆ ۱۹۵۶ء میں نہر سوئز کے مسئلہ پر برطانیہ اور فرانس مصر پر دھاوا بول دیتے ہیں۔

☆ ۱۹۷۹ء میں روس افغانستان میں اپنی فوجیں اتار دیتا ہے۔ (فی التدریب

التربوی (اردو ترجمہ) ص ۱۳-۱۴، ہلال پبلیکیشنز، کلکتہ ۱۹۱۳ء)

یہ عہد تمدن میں متہدن قوموں کی اسلام مخالف یورشوں اور غاصبانہ قبضوں کی ایک مختصر سی جھلک ہے، اس کے بعد ۱۹۹۲ء کی جنگ خلیج کی وحشتیں اور پھر افغانستان و عراق پر یکے بعد دیگرے مہذب حملوں کی خوں چکاں داستان الگ ہے، اہل مغرب کی ان ساری شرافتوں کے باوجود نہ جانے کیوں آج بھی ظلم و وحشت کی سوئی اسلام اور مسلمانوں کی طرف ہی اٹھی رہتی ہے، مخالفین اسلام کی بات تو چھوڑیے، مسلم علماء، دانشوران اور طلبہ کی نظروں سے بھی یہ دو سو سالہ تاریخ بربریت اوجھل ہے۔ اتنی بڑی مظلومیت کے باوجود مغرب نے انہیں احساس غلیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ساری ذہنی توانائی اسلام اور مسلم حکمرانوں کے دفاع میں صرف ہوتی ہے، آج ضرورت ہے کہ مسلم اہل علم، طلبہ، لیڈران، قائدین سب سے پہلے احساس غلیبت سے باہر آئیں اور دنیا کے سامنے اپنی مظلومیت کو واضح کریں۔ یہ بہت بڑا فریضہ ہے، جب تک ہم دنیا کے سامنے اپنی مظلومیت پیش نہیں کر دیتے عوامی سطح پر ہم کبھی بھی نرمی اور رواداری کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

خطرات کی طرف:

۱۸۹۷ء میں ہرتزل کی قیادت میں وئزر لینڈ میں یہودیوں کی کانفرنس ہوئی جس میں یہودی ریاست کے قیام پر غور و خوض کیا گیا، اس کانفرنس کے بعد جب اخباری نمائندوں نے ہرتزل سے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے اس کانفرنس میں کیا کیا؟ تو اس نے جواب دیا "ہم نے اسرائیل کی سلطنت قائم کر لی۔" سوال ہوا کہ یہ ریاست عملاً کب قائم ہو رہی ہے؟ تو ہرتزل نے جواب دیا۔ "وہ پانچ سال بعد قائم ہو سکتی ہے لیکن پچاس سال بعد تو ضرور قائم ہو کر رہے گی۔" (فی التدریب والتربوی (اردو) ص ۲۰۸)

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انیسویں صدی یہودیوں کی سازش، تلفیق اور عیسائی مشنریوں کے توسط سے اپنے مفاد کی حصولیابی کی فکر میں گزری، اب وہ اس پوزیشن میں تھے کہ باضابطہ اپنی ریاست قائم کر کے اپنے اوپر سے ذلت و مسکینیت کی مہر کو مٹانے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ انیسویں صدی کے اختتام کے ساتھ ہی انہیں اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔ اور ہرتزل کے توقعات کے عین مطابق ۵۰ سال کے اندر اندر یہودی ریاست اسرائیل قائم ہو گئی۔ مسیحی سامراج اور مشنری تحریکات کے ذریعہ انہوں نے راستہ بنایا اور جب منزل کے امکانات روشن ہو گئے تو خاص حکمت عملی کے تحت اب سامراج سے ملکوں کو آزاد کرانا شروع کر دیا۔ اور نتیجہ میں ایک آزاد ریاست ان کے ہاتھوں میں بھی آ گئی۔ یہ ۱۹۴۷ء کی بات ہے، اس کے ساتھ ہی لیگ آف نیشنز کا قیام پھر اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آ گیا جو تنظیم برائے امن بنام تنظیم برائے استیصال اقدار اسلامی ہے اور جس کا کافی مواقع مقصد یہودی عالم نظام کا قیام ہے۔

۱۹۸۳ء میں امریکی صدر جی کارٹر نے "قابل برداشت سوسائٹی Sustainable Society کے قیام کا اعلان کیا جو یہودی عالمی نظام کی عملی تشکیل کی راہ میں پہلا قدم تھا اور اس راہ میں مزید عملی پیش رفت کے لیے ۱۹۹۱ء میں "نیو ورلڈ آرڈر" کا اعلان کر دیا گیا، ا کے مطابق قابل برداشت سوسائٹی کے قیام کے لیے تمام مراحل تفصیل اور نوٹ کر لیے

گئے اور اس منصوبہ کی تکمیل کی مدت ۴۰ سال رکھی گئی، اس طرح ۲۰۳۰ء تک اس نظام کو مکمل طور پر نافذ ہو جانا ہے، یہ قابل برداشت سوسائٹی کیا ہے؟ اس کے بارے میں جناب اسرار عالم لکھتے ہیں۔۔۔

”یہودیوں کی دیرینہ خواہشات کے عین مطابق سیکولر آئین کے ہمہ جہت، ہمہ گیر، ہمہ اطراف اور یک وقت جزوی اور کلی دونوں سطحوں پر نافذ کا دوسرا نام ”قابل برداشت سوسائٹی“ ہے۔ اسے ٹول سیکولر آئین کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ (عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال، ۳۴۶)

اس قابل برداشت سوسائٹی کا قیام نیو ورلڈ آرڈر کے منصوبہ۔ کرخت، اقوام متحدہ کی زیر سرپرستی امریکی قوت نافذہ کے ذریعہ عمل میں آئے گا۔

۱۹۹۱ء کے بعد امریکہ نے اس کے لیے اپنی جدوجہد تیز کر دی ہے، اپنے ارد گرد ہم آنے والے دن جو کچھ دیکھ رہے ہیں من سے ہماری حیرتوں میں ہر دوں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ دراصل اسی نیو ورلڈ آرڈر کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ Dalit Voice کے ایڈیٹوری ٹی راج ٹھیکر کے بقول نیو ورلڈ آرڈر منصفہ سفید فاموں اور صہیونیوں کی سیاہ فاموں اور مسلمانوں کے خلاف عالمی سازش کا نام ہے۔

"Global Conspiracy of white racists and zionists against Blacks and Muslims"

راج ٹھیکر مزید لکھتے ہیں۔ ”اگرچہ یہ منصوبہ یورپی سفید فاموں نے بنایا تھا، لیکن قبل اس کے کہ یہ تمام اہل یورپ کے ہاتھ میں آ جاتا، اس کی قیادت کو امریکہ نے اچک لیا اور اس نے یورپی سفید فاموں سے یہ عہد کر لیا کہ وہ نیو ورلڈ آرڈر کا تجربہ جتنی ممالک سے شروع کرے گا، پہلے عراق کو شکست دے گا، صدام کو قتل کرے گا اور پھر بغداد کو اسلامی عسکری قوت کو کچلنے کے لیے مرکز کے طور پر استعمال کرے گا۔ اس کے بعد پاکستان کو افغانستان کے راستے اپنے پہرہ پیوں کے ذریعے ختم کرے گا۔ (وہ بہرہ و پیہ طالبان اور ان کے ہم فکر اور ہم عقیدہ لوگ ہیں)

جناب راج ٹھیکر نومبر ۱۹۹۱ء کے اپنے اس ادارے میں مزید لکھتے ہیں:

”لیکن بد قسمتی سے نہ تو عالم اسلام کو اب تک کوئی تشویش ہے اور نہ ہی پاکستانی مسلمانوں کے اشرافیہ طبقہ کو کوئی پریشانی لاحق ہے۔ جب کہ قاعدت اسلام امام شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طوفان سے عالم اسلام کے مسلمانوں کو بار بار بیدار کیا، جب کہ ان کے علاوہ وہ کسی پاکستانی مسلم قیادت کو تو اب تک یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ملک کا اعلیٰ طبقہ آریں حکمران نیو ورلڈ آرڈر سے اپنی وابستگی قائم کر چکے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو کچلنے کے سارے اقدامات ہو چکے ہیں۔“

(India's Muslim Problem, P64 Dalit Sahitya Akademy, 1998)

نیو ورلڈ آرڈر کے اعلان کے بعد قابل برداشت سوسائٹی Sustainable Society کے نفاذ کی کوششیں بہت تیز ہو گئی ہیں، اس سوسائٹی کے قیام کے لیے یہودی مشیر کی کوششیں محاذوں پر کام کرنا ہے۔

(۱) معاشی محاذ، جس کے تحت پوری دنیا کو معاشی طور پر غلام بنانا ہے۔

(۲) عسکری محاذ، جس کے تحت پوری دنیا کو نہتہ کرنا ہے اور جنگ سے اپنا ج بٹانا ہے

اور (۳) ماحولیاتی محاذ جس کے تحت پوری دنیا کو ایسے ماحول میں لاکھڑا کر دینا ہے، جہاں لوگ شکم اور نفس کی آگ سرد کرنے سے سروکار رکھیں اور ان کی فکری اور عقلی قوتیں ماؤف ہو جائیں تاکہ وہ کسی بھی مسئلہ پر اپنے طور پر سوچنے کے اہل نہ رہ سکیں۔ ان تینوں محاذوں پر برقی رفتار سے کام ہو رہا ہے، اس کے رد عمل میں مسلم دنیا کیا کر رہی ہے؟ اور مستقبل میں کیا کچھ ہو سکتا ہے؟ اس پہلو پر ہمیں بہت عمیق، بنجیدہ اور بیدار مغفرت سے غور کرنا ہے۔ ہمارے علماء، مشائخ اور پیران طریقت، دانشوروں اور کالم نویسوں، سیاست دانوں، غیر سیاسی تنظیموں، سب کو، پاکستان اور اسلام کے مستقبل کے بارے میں بہرہ و پیہ پوری ذمہ داری کے ساتھ سوچنا چاہیے۔

☆☆☆

11 مذہبی جماعتوں نے مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان کے پلیٹ

فارم پر صوفی محمد کو شریعت اور آئین کا باغی قرار دے دیا

جہاد کشمیر کو غیر اسلامی قرار دینے والے انگریز کے ایجنٹ ہیں، استحکام پاکستان کانفرنس سے پیر عتیق، مفتی منیب الرحمن، ڈاکٹر سر فراز نعیمی، پیر طریقت حضرت پیر عبدالحق آف بھر چونڈی شریف مرکزی امیر مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان اور دیگر کا خطاب

طالبان امریکی جاسوس ہیں، مزارات مسمار کرنے کا سلسلہ بند کیا جائے ورنہ مریدوں کو جہاد کے لیے تیار کریں گے، اظہار احسن اور دیگر کی لاہور میں تقریریں۔

راولپنڈی (نمائندہ ایکسپریس) گیارہ سے زائد مذہبی و سیاسی تنظیموں کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے ملک کی سلامتی استحکام اور بقا کے لیے ہر قسم کی قربانی دیں گے، تمام تنظیموں نے صوفی محمد کو شریعت اور دین کا باغی قرار دیتے ہوئے کہا کہ حکومت پورے ملک میں رٹ قائم کرے، یہ اعلان راولپنڈی میں مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان کے زیر اہتمام منعقدہ استحکام پاکستان کنونشن میں کیا گیا، کنونشن نے مالاکنڈ ڈویژن میں مولانا صوفی محمد کے اقدامات کو مسترد کرتے ہوئے واضح کیا کہ ہندو کے زور پر نفاذ شریعت کا اعلان قابل قبول نہیں، وزیراعظم اور مسلح افواج آئین کی پاسداری کریں، اسلام میں دہشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں، پورے ملک میں نظام مصطفیٰ نافذ کیا جائے، کنونشن کی صدارت مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان کی سپریم کونسل کے چیئرمین پیر عتیق الرحمن نے کی جب کہ سابق صدر وزیراعظم آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان، مرکزی جماعت اہلسنت کے مفتی منیب الرحمن، جے یو پی کے قاری زوار بہادر نے خطاب کیا، پیر عتیق الرحمن نے کہا کہ ہم پاکستان کے خلاف کسی بھی فتنے کو سراٹھانے نہیں دیں گے، اور جہاد کشمیر کو غیر اسلامی قرار دینے

والے انگریز کے ایجنٹ ہیں، سابق صدر وزیراعظم سردار عبدالقیوم نے کہا کہ امریکا یہاں عراق جیسا ڈرامہ دہراتا چاہتا ہے عوام اہلسنت اکٹھے ہو جائیں، مفتی منیب الرحمن نے کہا کہ صدر، وزیراعظم اور پارلیمنٹ جواب دیں کہ ۱۶ کروڑ عوام کو قربانی کا بکرا کیوں بنایا گیا، نظام عدل کا ۲۵ صفحات پر مشتمل مسودہ پونے گھنٹے میں پڑھے بغیر پارلیمنٹ سے کیسے منظور کر لیا گیا، صوفی محمد شریعت اور آئین کے منافی کام کر رہے ہیں۔

☆

جمعیت علمائے پاکستان کے مرکزی جنرل بیکریٹری قاری زوار بہادر نے کہا کہ اسلام امن کا نام ہے اور جو لوگ ملک میں دہشت گردی کر رہے ہیں ان کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، ہمارے اولیاء کرام نے پاکستان بنایا اور جن کے اکابرین نے پاکستان بننے کی مخالفت کی تھی آج ان کی اولاد صوفی محمد، فضل اللہ اور بیت اللہ محسود کی شکل میں پاکستان کے وجود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں، بلوچستان اور سرحد میں اولیاء کرام کے مزارات کو مسمار کرنے اور مشائخ و علماء کرام کو شہید کرنا بند کیا جائے اگر ایسا نہ کیا گیا تو گولی کا جواب گولی میں دینے کے لیے تیار ہیں، ان خیالات کا اظہار استحکام پاکستان کنونشن سے 313 مشائخ نے خطاب کرتے ہوئے کہا، انہوں نے کہا کہ ہمارا مطالبہ ہے کہ پورے ملک میں نظام مصطفیٰ نافذ کیا جائے اور حکومت صوفی محمد، بیت اللہ محسود، فضل اللہ اور اس کے حواریوں کو فوری طور پر گرفتار کر کے ایف آئی آر درج کرے ان سے مذاکرات انتہائی نقصان دہ ہیں، کنونشن میں آئندہ ماہ اسلام آباد میں مشائخ کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا گیا اور کہا گیا کہ دنیا کے امن کی تباہی کا ذمہ دار امریکا ہے اور طالبان اس کے جاسوس ہیں، ہم ملک میں امن قائم کرنے کے لیے کروڑوں مریدوں کو جہاد کے لیے تیار کریں گے۔

(روزنامہ ایکسپریس پروٹو بد 10 جمادی الاول 1430ھ / 6 مئی 2009)

دارالقضاء کا قیام اور طالبان کی سرگرمیاں

سرحد حکومت کی جانب سے مالاکنڈ ڈویژن میں دارالقضاء قائم کرنے کا نوٹیفکیشن جاری ہونے کے بعد سوات میں طالبان کی پُر تشدد کارروائیوں کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا ہے، ایک خبر کے مطابق اتوار کے روز میٹنگورہ میں طالبان سرگرموں پر نکل آئے اور گشت کرتے رہے، اس روز شہر فائرنگ کی آواز سے گونجتا رہا، تھانہ رحیم آباد پر نامعلوم افراد نے راکٹوں سے حملہ کر دیا اور تھانے کے قریب کئی دکانیں نذر آتش کر دیں گئیں، گلوٹی میں ایک ایئر بائی اسکول بھوں سے اڑا دیا گیا اور میٹنگورہ میں واپڈا کے مین گریڈ اسٹیشن پر حملہ کیا گیا، جس سے ایک ٹرانسفارمر تباہ ہو گیا، ایک طرف یہ صورتحال ہے دوسری طرف کالعدم تحریک نفاذ شریعت محمدی کے سربراہ مولانا صوفی محمد نے حکومت کی جانب سے مالاکنڈ ڈویژن میں دارالقضاء کے قیام کے اعلان کو ایک طرفہ قرار دیتے ہوئے مسٹر دکر دیا ہے جب کہ سرحد حکومت کا اصرار ہے کہ دارالقضاء صدر کے دستخط سے قائم ہو چکا ہے، مولانا صوفی محمد کو اس ستر دکر کرنے کا اختیار نہیں ہے، اس طرح معاہدہ سوات پر عمل درآمد کے آغاز میں ہی صورتحال غیر یقینی اور تشویش ناک ہو گئی ہے، سرحد حکومت کی جانب سے نوٹیفکیشن جاری ہونے کے فوری بعد سوات میں تخریب کاری کے واقعات شروع ہونے کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ سوات کے طالبان مولانا صوفی محمد کے کہنے میں نہیں ہیں اور اپنی من مانیوں میں مصروف ہیں اس طرح مولانا معاہدے کے تحت سوات میں طالبان کو غیر مسلح کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حکومت نے دارالقضاء قائم کرنے کا اعلان کر کے معاہدے میں طے پانے والے معاملات میں اپنے حصے کی ذمہ داریاں پوری کرنا شروع کر دی ہیں لیکن مولانا معاہدے میں طے شدہ اپنے حصے کی ذمہ داری پوری کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ سوات میں تخریب کاری بالقصد کرائی جا رہی ہے تاکہ حکومت کو دباؤ میں لا کر مرکز سے مطالبات

منوائے جاسکیں، اس حوالے سے تحقیقات کی جانی چاہیے تاکہ اس میں ملوث عناصر کو بے نقاب کیا جائے، وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد امیر حیدر ہوتی نے اس صورت حال پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ کچھ ایسے عناصر ہیں جنہیں امن راس نہیں آ رہا ہے، انہوں نے واضح کہا ہے کہ نظام عدل کے نفاذ کے بعد اسلحہ اٹھانے والے عناصر کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے گا، وزیر اطلاعات صوبہ سرحد میاں افتخار حسین نے اس معاملے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولانا صوفی محمد حکومت سے جوئے مطالبات کر رہے ہیں ان کی وجہ سے نیا پنڈورا بکس کھل رہا ہے، انہوں نے کہا کہ صوفی محمد کا طالبان پر کنٹرول نہیں ہے، وہ ان کی بات نہیں سنتے۔ اس صورتحال کے سلسلے میں ایک اور خدشے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے ہو سکتا ہے کہ سوات میں وہ عناصر سرگرم ہوں جو نہیں چاہتے کہ امن معاہدے پر عمل درآمد اور اس علاقے میں امن قائم ہو۔ ان عناصر کو ناکام بنانے اور سوات معاہدے کو سبوتاژ ہونے سے بچانے کے لیے اقدامات کیے جانے چاہئیں اور اس کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ اس معاہدے کے فریقین طے کی گئی شرائط پوری کریں۔ حکومت نے اپنے حصے کا کردار ادا کیا ہے تو ضروری ہے کہ کالعدم تحریک نفاذ شریعت محمدی بھی اپنے حصے کی ذمہ داری پوری کرنے پر توجہ دے اور سوات میں امن قائم کرے۔ اس حوالے سے اگر ٹھوس اقدامات عمل میں نہ لائے گئے تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال کی تمام تر ذمہ داری تحریک نفاذ شریعت پر عائد کی جائے گی۔ جہاں تک لوئر دیر اور بونیر میں جاری آپریشن کا تعلق ہے تو اس کی ضرورت بھی ان علاقوں میں طالبان کی نامناسب سرگرمیوں کی وجہ سے پیش آئی ورنہ سوات معاہدے کے نتائج کو پرکھنے کے لیے اس علاقے میں معاہدہ طے پانے کے فوری بعد آپریشن موقوف کر دیا گیا تھا، ضروری ہے کہ اس تعطل کو جتنا جلدی ممکن ہو ختم کیا جائے، کیونکہ اس حوالے سے کسی قسم کی تاخیر حالات کو اس حد تک پہنچا سکتی ہے جہاں سے واپسی ناممکن ہوتی ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اسلامی تعلیمات میں ایفاء عہد پر خصوصی طور پر زور دیا گیا ہے، چنانچہ مناسب یہی ہے کہ معاہدے میں جو معاملات

طے پائے تھے انکے مطابق آگے بڑھا جائے اور معاہدے کے فریقین میں سے کوئی بھی نئے مطالبات نہ کرے، ایفائے عہد کے منہری اصول کا یہی تقاضا ہے۔ علاوہ ازیں معاہدے کے فریقین کی جانب سے غیر ضروری بیان بازی بھی بند ہونی چاہیے، خاص طور پر کالعدم تحریک نفاذ شریعت محمدی کے سربراہ کی جانب سے پاکستان کے آئین، جمہوریت، لڑکیوں کی تعلیم اور ملک میں نافذ نظام پر جو بے جا تنقید کی جا رہی ہے اس سے بھی حالات کے مزید خراب ہونے کا خدشہ ہے، مناسب یہی ہے کہ صرف اسی علاقے میں نظام عدل کا تجربہ کیا جائے جس کے لیے معاہدہ طے پایا ہے اور دیگر علاقوں کو اپنی عمل داری میں شامل کرنے کی بات نہ کی جائے۔ یہ بات طے ہے کہ اگر تحریک نفاذ شریعت محمدی نے نئے نئے مطالبات کا سلسلہ جاری رکھا یا سوات میں امن و امان کی صورت حال کو کنٹرول کرنے کے لیے طالبان کو قابو نہ کیا تو حکومت کے پاس سوات میں آپریشن دوبارہ شروع کرنا کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں بچے گا اور اگر ایسا ہوا تو اس کی تمام تر ذمہ داری فریق ثانی پر عائد ہوگی جو حالات کو سنبھالنے کے بجائے معاملات کو الجھانے کی کوشش میں مصروف محسوس ہوتا ہے۔ (روزنامہ ایکسپریس بروز منگل 9 جمادی الاول 1430ھ / 5 مئی 2009)

اصل خطرہ

وطن عزیز اپنی تاریخ کے خطرناک ترین دور سے گزر رہا ہے۔ محب وطن حلقوں میں ملک کے مستقبل کے حوالے سے تشویش اور فکر مندی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ صوبہ سرحد، فاتا، بلوچستان اور کراچی کے خمدوش حالات پر ہر مکتب فکر کے لوگ دل گرفتہ اور آزرده خاطر نظر آتے ہیں۔ سوات میں نظام عدل کے نفاذ کے باوجود امن کا قیام مشکل ہو رہا ہے۔ طالبان سوات سے آگے پیش قدمی کے لیے کوشاں ہیں، نتیجتاً حکومت کو دیر اور بونیر میں آپریشن کا فیصلہ کرنا پڑا، اور اب عسکریت کے مکمل خاتمے کا آپریشن شروع ہو گیا ہے۔ معاہدے کے تحت مالاکنڈ میں قاضی عدالتیں قائم کر دی گئی ہیں، لہذا طالبان کو ہتھیار

ڈال دینے چاہئیں، لیکن طالبان کے ترجمان مسلم خان کہتے ہیں کہ اسلحہ مسلمانوں کا زیور ہے، اسے نہیں چھوڑ سکتے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سواتی طالبان معاہدہ امن پر اخلاص نیت سے عمل کرنے میں سنجیدہ نہیں، تاہم صوفی محمد کی اب یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے قول اور معاہدے کے مطابق سوات میں قیام امن کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ اب حالات کے بگاڑ کی ذمہ داری بھی انہی پر عائد ہوگی، سواتی طالبان اب پنجاب اور سندھ بالخصوص کراچی تک پیش قدمی کے خواہاں ہیں، میاں نواز شریف پنجاب کے بعض علاقوں میں طالبان کی موجودگی اور ان کی سرگرمیوں کی نشان دہی کر چکے ہیں۔

کراچی میں گزشتہ ہفتے پر تشدد واقعات میں ۳۰ سے زائد انسان لقمہ اجل بن گئے۔ متعدد گاڑیوں، دکانوں اور املاک کو نذر آتش کر دیا گیا۔

کراچی پاکستان کی معیشت کی شہ رگ ہے، یہاں پیدا ہونے والی بد امنی سے پورے ملک کا معاشی نقصان ہوتا ہے۔ کراچی میں قیام امن پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ بڑے مسائل کو جنم دینے کا سبب بن جاتے ہیں۔ جن سے ملک ٹوٹ جاتا ہے۔

شکایات کے ازالے کے وعدے اور مسائل کے حل کی یقین دہانیاں کراچی، لیکن بد قسمتی دیکھئے کہ ہر دور حکومت میں بلوچوں کے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک پاشی کی جاتی رہی۔ کمانڈر و صد۔ جنرل پرویز مشرف نے معروف بلوچ رہنما اکبر گیلانی کی مارگٹ کلنگ کر کے بلوچوں کے سینوں میں سنگتی آگ کو دو آتشہ کر دیا، تاہم صدر آصف علی زرداری جو خود بھی بلوچ قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلوچستان کے دیرینہ مسائل حل کرنے میں پوری طرح سنجیدہ ہیں، بلوچستان کے دیرینہ مسائل کے حل کے لیے زبانی وعدوں کے بجائے عملی اقدامات کرنا ہوں گے۔ کراچی سے خیبر تک حالات جس طرح الجھتے اور گھٹک ہوتے جا رہے ہیں، اسی طور پر عوام کے ذہنوں میں ان گنت سوالات جنم لے رہے ہیں۔ جن کا جواب تلاش کرنا ضروری ہے۔ بد قسمتی یہ ہے کہ ملکی حالات کو جواز بنا کر بیرونی حلقے بھی ہمارے مستقبل پر سوالیہ نشان لگا رہے ہیں۔ بطور خاص امریکہ جیسے ہر زمانے میں ہمارا مخلص دوست، ہمدرد، غمگسار، اور اتحادی ہونے کا دعویدار رہا ہے، آج اس امریکہ کا صدر بارک حسین اوباما پاکستان کی جمہوری حکومت کو ناکام قرار دے رہا ہے۔ اپنے سوروزہ عہد

پاکستانی طالبان اور ان کے حمایتی

دراصل محمد بن عبد الوہاب نجدی کی فکری اولاد ہیں

جوانسان محمد ابن عبد الوہاب نجدی، کی بدعتیہ، انتہا پسندی، شرانگیزی، اہل اسلام کے خلاف کفر و شرک اور بدعت کے فتوے لگا کر مسلمانوں کی تکفیر اور ان کا قتل عام، غیر مسلموں سے دوستی، اہل ترک مسلمانوں سے جنگیں، اور انگریزوں سے شرمناک خفیہ معاہدے، توحید کے بہانے، تنقیص رسالت کی دیدہ دلیری، ستم بالائے ستم کہ ابن سعود کے ہاتھوں، جنت المعلیٰ، دادی بدر، جنت البقیع، دامن اُحد، جبل سلع، المعلیٰ میں مزارات صحابہ کرام کا اتہام، بزور شمشیر وہابیت و نجدیت کا فروغ، جیسے ظالمانہ ہتھکنڈوں سے واقف ہے، وہ فتنہ طالبان ان کرائے کے قاتلوں اور ان کے مخصوص ایجنڈے، ان کی ظالمانہ کارروائیوں کے ذریعے خوب جانتا ہے کہ یہ طالبان بروزن ظالمان، بھی دشمن قوتوں سے شرمناک اور خفیہ معاہدے کے تحت شریعت کا نام لے کر اہل شریعت ہی کے قاتل، شریعت کے فروغ کے بہانے، بزور اسلحہ، شریعت شکن، نفاذ شریعت اور نظام عدل کے بجائے نفاذ شر، پھیلائے میں مصروف عمل ہیں، ان ہلاکوں اور جنگیز خان کے اصلی جان نشینوں، محمد بن عبد الوہاب نجدی کی فکری اور معنوی اور حرامی اولاد، جہاد کے بہانے اور افغانستان کے ذریعے، اور اسلحہ کے زور پر اولیاء اللہ کے مزارات کو مسمار کرنے، حضرت شیخ عمر بابا کے مزار کو دھا کے سے تباہ کرنا، حضرت پیر سراج اللہ قادری کی لاش کو قبر سے نکال کر پھانسی دینا، اور کئی روز تک پیر سراج اللہ قادری کی لاش چورنگی میں درخت پر لٹکائے رکھنا، خود کش بمبارین کر مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارنا، اسرائیلیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں سے مدد لے کر پاکستان دشمن قوتوں کو خوش کرنا، اور پاکستان کو توڑنے کے اسباب پیدا کرنا اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی تفرقہ ڈال کر انتقام لینا، نظام شریعت کی جدوجہد کرنے کو متنازع بنانا یہ سب ان ظالمان کا اہم کردار ہے، اور یہی فکر محمد بن

حکومت کی تکمیل پر منعقدہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے صدر اوہاما فرماتے ہیں کہ پاکستان کی موجودہ سول حکومت بہت کمزور ہے اور عوام کو سحت، تعلیم اور دیگر بنیادی سہولیات و حقوق فراہم کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی اور نہ ہی ملک میں امن و امان اور قانون کی حکمرانی قائم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس لیے وہ اس قابل نہیں رہی کہ عوام کی تائید و حمایت حاصل کر سکے۔ اسی سانس میں انہوں نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ پاکستانی فوج کی بھارت کو اپنے دشمن سمجھنے کی تاریخی غلط فہمی اب بھی دور، کوئی ہے اور فوج کو احساس ہو گیا ہے کہ پاکستان کو اصل خطرہ بمسائے سے نہیں بلکہ ملک کے اندر موجود انتہا پسند اور دہشت گرد عناصر سے ہے کہ جن کے ہاتھ جوہری ہتھیاروں تک پہنچ سکتے ہیں۔ صدر اوہاما کا یہ بیان عین اس وقت سامنے آیا کہ جب صدر پاکستان آصف علی زرداری سرکاری دورے پر امریکہ پہنچ چکے ہیں، صدر اوہاما کی حکومت پاکستان پر بے جا تنقید ایک آزاد خود مختار ملک کے معاملات میں براہ راست مداخلت اور براہ کروز عوام کی توہین کے مترادف ہے جس پر ملک کے سیاسی صحافی اور عوامی حلقوں میں سخت تشویش اور غم و غصے کا پایا جانا قابل فہم نہیں، وزیراعظم گیلانی نے امریکی صدر کے اس بیان پر اپنا رد عمل ظاہر کرتے ہوئے اسے پرویز مشرف آمریت کی امریکی پشت پناہی کا شاخسانہ قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کو مزید حالات تک پہنچانے میں امریکہ ہی کا کردار ہے جو جہل ضیاء الحق اور جہل پرویز مشرف کی آمریت کی سربراہی کرتا رہا ہے، افغان روس، لڑائی میں طالبان اور ان کا مخصوص اسلام پاکستان کو برآمد کیا گیا، نشیات و کلاشنکوف کلچر کو فروغ ملا۔ ۹/۱۱ کے بعد پاکستان کو فرنٹ لائن اتحادی بنا کر امریکہ نے بد امنی کی فضا کو پروان چڑھایا، خود کش حملوں، بم دھماکوں کو تحریک ملی اور انتہا پسندوں نے اپنے قدم جمالیے۔ امریکی واویلہ بلا جواز ہے کہ جوہری ہتھیار شدت پسندوں کے ہاتھ لگ جائیں گے اور وہ اسلام آباد پر قبضہ کر لیں گے، درحقیقت امریکا ہمارے ایسی اٹاٹوں تک پہنچنے کے بہانے ڈھونڈ رہا ہے، ہمارے جوہری ہتھیاروں کو اصل خطرہ امریکہ سے ہے نہ کہ شدت پسندوں سے۔

(ایم جے گوہر) (روزنامہ ایکسپریس بروز جمعہ 9 مئی 2009)

☆☆☆

عبدالوہاب نجدی کی توحید کی کرشمہ سازیاں ہیں، دراصل یہ لڑائی نفاذ شریعت ہے، نہ نظام عدل کی، طالبان نامی جنگجوؤں کے پیچھے پاکستان کے وجود کی کوئی دشمن طاقت موجود ہے جو اس لڑائی کو اتنا لول دینا چاہتی ہے کہ پاکستان کسی حشر سے دو چار ہو جائے، جو حشر افغانستان، عراق وغیرہ کا ہوا۔ اس جنگ میں دشمن باہر سے حملہ آور نہیں ہوا بلکہ وہ ملک کی سرحدوں کے اندر سے ہی ہمارے شہروں، قصبوں، اور دیہاتوں میں بستے شہریوں کے درمیان چھپا ہوا اور مل جل کر بیٹھا ہے، دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے اندر یہ تصور بھی پایا جاتا ہے کہ وہ ہمارے ہی مسلمان بھائی ہیں۔ اب تک ہماری ساری ناکامیوں کا بنیادی سبب یہی دو پہلو ہیں۔“

یہ پاکستان اور اس کی 17 کروڑ عوام کی توہین ہے، دراصل طالبان مافیاضہب کے نام پر اور دوسری تنظیم حقوق کے نام پر ہے۔ یہ دونوں جنرل ضیاء الحق کی پیدوار ہیں۔ بعد میں جن کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی جنرل پرویز مشرف کی آمریت کرتی رہی۔ درحقیقت امریکا ہمارے ایٹمی اثاثوں تک پہنچنے کے بہانے ڈھونڈ رہا ہے، ہمارے ملک کو کوئی خطرہ نہیں جب تک ہمارے جوہری ہتھیاروں کو ان نام نہاد طالبان کے ذریعے ہمارے وہ ایٹمی اثاثوں تک نہ پہنچ جائے۔ ”اور ان شاء اللہ عزوجل یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ طالبان، جاہل لوگوں کو جنت میں جانے اور خود کش بمبار کے گھر والوں کو بھاری رقم سے خرید کر، ان دونوں چیزوں کا لالچ دے کر خود کش حملہ کرنے کی تربیت دیتے ہیں اور وہ جاہل بد نصیب ان ظالموں کے دھوکے اور فراڈ میں آ کر بے گناہ انسانوں کی جانوں پر خود کش حملے کے ذریعے کھیل جاتے ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم رسید ہو جاتے ہیں۔

اس تعلیم و تربیت سے یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کا تعلق اور واسطہ تو ہو سکتا ہے کسی مسلمان صاحب ایمان کا ہرگز نہیں۔ کیونکہ اسلام اور دہشت گردی دو متضاد چیزوں کا نام ہے۔

وقت کا تقاضا:

آج جب کہ پاکستان ہی نہیں بلکہ پورا عالم اسلام ان طالبان جیسے بد نصیب لوگوں کی وجہ سے گونا گوں مصائب و مسائل سے دو چار ہے اندرونی و بیرونی خطرات پوری شدت سے اس کے گرد منڈلا رہے ہیں اور دنیائے اسلام پر دشمنان اسلام کی مسلسل یلغار جاری ہے۔ اندرون ملک اسلام دشمن طالبان عناصر کے جارحانہ عزائم کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی، وہ مسلمان فوج کے مقابلے میں جنگ لڑ رہے ہیں۔ عوام الناس، جس میں عورتیں، مرد، نوجوان بچے، بوڑھے بیمار سب کے سب گھر سے بے گھر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

(۱) اگر طالبان حقیقتاً مسلمان ہوتے، دین اسلام کی ہمدردیاں ان کے شامل حال ہوتیں، ان کی جنگ ”اسلام“ کی جنگ ہوتی تو وہاں کے عوام کا رد عمل فوج کے خلاف ہوتا، وہ فوج کے خلاف احتجاج کرتے۔“ جب کہ ایسا ہرگز نہیں ہوا۔

(۲) لڑائی میں ہلاک ہونے والے طالبان کے بارے میں اخبار نے لکھا ہے کہ وہ غیر محنتوں ہیں، اب آپ بتائیں کہ مسلمان تو وہ ہیں نہیں، ہندو ہی ہو سکتے ہیں۔ جو اسلام کے نام پر اہل اسلام کو ختم کرنا چاہتے ہیں، اور اپنے آقا یا نبی ولی نعمت عیسائیت و اسرائیلیت و قادیانیت و یہودیت کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں۔ ان حالات میں تمام مسلمانوں کو سر جوڑ کر بیٹھ جانا چاہیے اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کے فروغ کو عام کر کے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

کلکِ رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار
اهدائے ہے کہہ دو کہ خیر مستائیں نہ شر کریں

محمد بن عبد الوہاب نجدی شیطان کا سینگ

جس طرح نبی پاک پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک آنے والی تمام قوتوں سے اپنی اُمت کو آگاہ فرمایا تھا تا کہ مسلمان اُن سے دھوکہ نہ کھائیں، اسی طرح اُن قوتوں میں سے ایک بڑا فتنہ ”نجدیت و خارجیت“ ہے اس شیطانی گروہ کے مسکن خاص نجد کے متعلق بھی نبی اکرم نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

حدیث نمبر ۱: نجدی فتنہ شیطان کا سینگ ہیں:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيَّ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمِينِنَا قَالُوا وَفِي نَجْدِنَا قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمِينِنَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَفِي نَجْدِنَا فَأُظْنُّهُ قَالَ الثَّالِثَةُ هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قُرْنُ الشَّيْطَانِ

(بخاری جلد سوم کتاب الفتن ۱۹۷۱، ترمذی کتاب مناقب فضل شام ۱۸۸۸)

ترجمہ :- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ہمیں ملک شام میں برکت دے۔ اے اللہ! یمن (ملک) میں برکت دے، حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے نجد میں بھی برکت کی دعا فرما دیجئے تو آپ نے دعا فرمائی مگر نجد کا نام تک نہ لیا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے نجد میں بھی برکت کی دعا فرما دیجئے، (راوی کا کہنا ہے تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کرنے کے باوجود آپ نے نجد کے لیے برکت کی دعا نہیں فرمائی، بلکہ جب تیسری مرتبہ لوگوں نے عرض کی تو آپ نے فرمایا: ”وہاں سے زلزلے اور فتنے ظاہر ہوں گے اور شیطان کا سینگ اُسی جگہ سے نکلے گا۔“

حدیث نمبر ۲: نجدی فتنہ کفر کی چوٹی ہے:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْتِ عَائِشَةَ فَقَالَ رَأْسُ الْكُفْرِ مِنْ هُنَا مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قُرْنُ الشَّيْطَانِ يَغْنِي الْمَشْرِقُ (مسلم شریف کتاب الفتن ۷۱۶۷)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے باہر آ کر ارشاد فرمایا: کفر کی چوٹی ادھر سے نکلے گی۔ جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے یعنی مشرق سے۔

حدیث نمبر ۳: نجدی فتنہ شیطان کے سینگ کی طرح مشرق سے نکلے گا

عَنْ ابْنِ عُمَرَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يُبَشِّرُ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَيَقُولُ هَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هُنَا هَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هُنَا فَلَا تَأْخُذْ حَيْثُ يَطْلُعُ قُرْنُ الشَّيْطَانِ (مسلم شریف کتاب الفتن ۷۱۶۸)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مشرق کی طرف ہاتھ سے یہ اشارہ کر کے فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک یہاں فتنہ ہے۔ بے شک یہاں فتنہ ہے۔ بے شک یہاں فتنہ ہے۔ جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔ آپ نے یہ تین بار ارشاد فرمایا۔

کرماتی شرح بخاری شریف میں علامہ کرماتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

یعنی نجد سے شیطان کی اُمت اور اُس کا گروہ پیدا ہوگا۔ (ص ۱۲۳ ج ۶)

جب کفار مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف مشورہ کرنے کے لیے دار الندوہ میں جمع ہوئے تو شیطان مردود شیخ نجد، بن کر اُن میں آیا اور ابو جہل کے مشورہ کو اسی نجدی شیطان نے سراہا یعنی شیطان کو شیخ نجد، کا بہرہ دہ رسول دشمنی کے لیے نہایت موزوں نظر آیا۔ اس کے علاوہ یہ الفاظ بھی نجدی ذہنیت کی خباثت پر حرف آخر ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

ثُمَّ يَزِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَلِيسَ فِي صُورَةِ الشَّيْخِ النَّجْدِيِّ
ترجمہ: سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شیطان کو جب بھی دیکھا۔ شیخ
نجدی ہی کی صورت میں دیکھا۔

نجید بھی حجاز مقدس کا ایک علاقہ ہے جیسے شام اور یمن۔ مسند احمد کی اسی روایت (جو
حدیث نمبر ۱) کے آخر میں یہ بھی ہے کہ شمر کا 9/10 حصہ وہیں (نجید میں) ہے۔

صحیح بخاری، جلد اول میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اسی
علاقہ نجد بنی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وَأَمْسَ الْكُفْرُ قرار دیا ہے۔

بخاری کی جلد اول میں حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی
اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں شیطان کے دو ساتھی یا شیطان کے دو پیرو کار نکلیں گے۔ اُن
دونوں پیرو کاروں سے مراد ایک مسلمہ کذاب اور دوسرا محمد بن عبد الوہاب نجدی ہے، یہ
دونوں خبیث ایک ہی (مُضَر) قبیلے کے فرد تھے۔

محمد بن عبد الوہاب نجدی قبیلہ بنی تمیم سے ۱۱۱ھ بمقام عینہ، ملک نجد میں پیدا ہوا اور
۱۲۰۶ھ میں جہنم رسید ہوا۔ اس حساب سے اس خبیث کی کل عمر ستانوے سال ہوتی ہے۔

محمد بن عبد الوہاب نجدی، منافق، خارجی، وہابی، الہدایت، محمدی، سلفی
اور طالبانی سب کا بانی ہے۔ "مختلف حالات کے لحاظ سے یہ فرقہ نجدیہ اپنے نام تبدیل
کرتا رہا۔" اس شخص نے تمام عرب خصوصاً حرمین شریفین میں بہت شدید فتنے پھیلائے، علماء
کو قتل کیا، صحابہ کرام و ائمہ عظام و علماء و شہداء کے مزارات اور قبریں کھود ڈالیں، روضہ انور کا
نام معاذ اللہ صنم اکبر رکھا (یذانت) اور اہل اسلام پر طرح طرح کے ظلم کیے۔ حدیث مذکورہ
کے مطابق نجد سے شیطان کا گروہ اور فتنے اُٹھیں گے۔ بارہ سو برس بعد ظاہر ہوا جس کے
بارے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس خارجی اور مسلمہ کذاب کے گروہ کے بارے
میں بتایا کہ عبد الوہاب کے بیٹے نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "کتاب التوحید" رکھا۔

جس کا اردو ترجمہ ہندوستان میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کی فکری اور معنوی اولاد اسماعیل
قتیل دہلوی نے کیا۔ جس کا نام "تقویۃ الایمان" رکھا۔ اور ہندوستان میں ایسی خبیث وہابی
نجدی نے وہابیت پھیلائی۔

عزیز قارئین کرام! ان وہابیہ کے عقائد بتانے سے قبل، نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور صحابہ کرام کی زبانی اس گروہ کی چند علامات، نشانیاں تحریر کی جاتی
ہیں۔ جس سے نام نہاد مجاہدین، مسلمانوں کے قاتلوں، بنام طالبان کے بارے میں اُن
کے سمجھنے والے، اور تحریک نفاذ شریعت محمدی کی حقیقت اور اُن کے مقاصد، اور جس کفری
طاقت کے آلود کار ہیں معلومات ہو جائے گی۔ یہ نشانیاں محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بارے
میں سب سے بڑی پہچان ہے کہ شیطان کے دوسرے پیرو کار سے یہی مراد ہیں جب کسی
مسلمان کو یہ اپنے دین میں داخل کرتے تو اس کا سر ضرور منڈواتے تھے۔ خواہ وہ مرد ہو یا
عورت محمد بن عبد الوہاب نجدی کے حالات اور اسلام و مسلمین پر مظالم دیکھنے ہوں تو مکہ
مکرمہ کے مفتی سید احمد بن ڈنڈی و حلان رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۰۴ھ کا رسالہ البدو والسیہ اور مفتی
عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ کے نام سے چھپی ہوئی کتاب "تاریخ نجد و حجاز" اور حضرت شیخ
عبد الحکیم خان اختر شاہ جہاں پوری کی بڑی کتاب "برطانوی مظالم کی کہانی" جو تقریباً ۱۰۰۶
صفحات پر مشتمل ہے اور حضرت شیخ مولانا غلام مہر علی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب دیوبندی مذہب
وغیرہ کتب کا مطالعہ کریں۔

☆☆

شیطانی گروہ کی علامات:

نمبر ۱: کافروں و مشرکوں کے رد میں نازل ہونے والی آیات

انبیاء و اولیاء کے خلاف پڑھیں گے:

وہ آیات جو یوں اور مشرکین کے رد میں نازل ہوئیں نجدی اُن آیات کو اللہ تعالیٰ

کے خاص و عام مسلمانوں، اولیاء اللہ پر ڈالیں گے۔

تمام امور خیر کو ڈھال بنا کر کسی اور لہادے میں نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جیسی شخصیت کو عدل و انصاف کا درس دینا، جس نبی کی صداقت اور امانت داری کی گواہی مکہ کے مشرکین اور کافر بھی دیں، ان کے عدل و انصاف میں شک کرنا کفر اور منافقت ہے اور یہی چیز سرکار نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنانا چاہتے ہیں کہ آپ ان کی شکلوں اور اعمال کی طرف نہ جانا یہ ایسی شکلیں اور بظاہر اچھے عمل کرنے کے باوجود بھی دین اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے۔ واپس نہیں آتا۔ یہ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے گروہ کی علامات ہیں، ان کی شکلوں کو غور سے دیکھیں۔

شیطانی گروہ کی علامت نمبر ۳:

نجدیوں کی ڈاڑھیاں بڑی، گال ابھرے ہوئے، آنکھیں اندر دھنسی ہوئی، پیشانی اونچی، سر منڈا ہوا ہوگا: نجدی کافروں کے دوست اور مسلمانوں کے دشمن ہوں گے لہذا نجدیوں نے اپنے عمل نے ثابت کر دیا.....؟

حدیث: فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنَ اللَّحِيَّةِ مُشْرِفٌ الْوَجْتَيْنِ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ بَاتِي الْعَجِينِ مَخْلُوقِ الرَّأْسِ فَقَالَ أَلْقِ اللَّهُ يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ يَبْطِخُ اللَّهُ انْظُرْ غَضِيئُهُ أَيَا مُنْبِي عَلَى الْأَرْضِ وَلَا تَأْمَنُونِي قَالَ ثُمَّ أَذْبَرَ الرَّجُلُ فَاسْتَاذَنَ دَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فِي قَتْلِهِ يَرَوْنَهُ نَحَابِلُذِينَ الْوَلِيدِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ ضُلَّطِيئِي هَذَا قَوْمٌ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَا جِزْهَمَ يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدْعُونَ أَهْلَ الْأَوْتَانِ يَمُرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمُرُقُ السُّهْمُ مِنَ الرِّمِيَةِ لَنْ أَذَرَ كَتِفَهُمْ لَا قَتْلَهُمْ قَتْلَ عَادٍ (مسلم شریف)

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہالی غیبت تقسیم فرما رہے تھے کہ اسی دوران ایک شخص آیا جس کی ڈاڑھی گھٹی تھی، گال ابھرے ہوئے تھے اور آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، پیشانی اونچی تھی اور سر منڈا ہوا تھا۔ وہ (بد بخت) کہنے لگا اے محمد اللہ سے ڈریے،

حضرت ابوسعید کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو پھر اس کی اطاعت کون کرے گا، اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین پر امین بنا کر بھیجا ہے اور تم مجھے امین نہیں مانتے، پھر وہ شخص پشت پھیر کر چل دیا۔ قوم میں سے ایک شخص نے قتل کی اجازت چاہی، لوگوں کا خیال ہے وہ حضرت خالد بن ولید تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی نسل سے ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو قرآن پڑھے گی اور قرآن اس کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا، یہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور کافروں کو چھوڑ دیں گے اور یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ اگر میں ان لوگوں کو (یعنی ان کا زمانہ) پالیتا تو قوم عادی کی طرح ان کو قتل کر ڈالتا۔

نوٹ: قارئین کرام آپ اس حدیث کو پڑھیں اور نجدیوں کی شکلیں اور ان کے اعمال، کردار، محمد بن عبد الوہاب نجدی، اسماعیل دہلوی صوفی محمد نجدی سے طالبان تک ایک نظر دیکھیں۔

جو قوم نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، اور انصاف کی تبلیغ کرے وہ کون ہو سکتے ہیں؟ آج نجدیوں کے اعمال و کردار سے ثابت ہو چکا کہ کافروں سے رقم لے کر مسلمانوں کو قتل کرنا کافروں سے دوستی، طالبان روس جیسے کافر ملک سے امداد لے کر افغانستان کے مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں۔ مسلمانوں سے دشمنی اظہار من اشمس ہو چکی کہ ڈاڑھی، پردے، عدل و انصاف کے بہانے مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں۔

قارئین کرام! آپ اسی حدیث کو پڑھیں اور اس وقت کے کسی نجدی وہابی مولوی کو سامنے رکھیں ان کی شکل کو دیکھیں آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ فخر صادق سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس نجدی وہابی قوم سے امت کو پہلے سے خبردار فرما دیا تھا۔ آگے چل کر ہم اس نجدی قوم کے ظالمانہ کارنامے تحریر کریں گے۔

شیطانی گروہ کی علامت نمبر ۴:

نجدی کی نمازیں لمبی، قرآن کا حوالہ بات بات پر مگر بے فائدہ ہو گا وہ دین سے نکل جائیں گے

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَخْرُجُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ وَلَسْمَهُ يَنْقُلُ مِنْهَا قَوْمٌ تُحْقِرُونَ صَلَواتَكُمْ مَعَ صَلَواتِهِمْ فَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يَجَاوِزُونَ مُلُوكَهُمْ أَوْ خُتَانَهُمْ يَمُرُّونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَةِ الْخ (مسلم شریف)

ترجمہ: حضرت سعید الخدری کے والد سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے، آپ نے فرمایا اسی امت میں ایک جماعت نکلے گی، یہ نہیں فرمایا کہ اس امت سے ہوگی وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ ان کی نمازوں کے مقابلہ میں تم اپنی نمازوں کو پیچ سمجھو گے، وہ قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کے حلقوم یا گلوں سے نیچے نہیں اترے گا۔ اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

نوٹ: نجدیوں کی مذہبی علامات میں سے یہ بھی اُن کی ایک علامت ہے کہ وہ لوگوں کو دیکھاوے کے لیے لمبی لمبی نمازیں پڑھیں گے اور ہر وقت اُن کی زبانوں پر قال اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی آیات جاری رہتی ہیں۔ "قارئین بظاہر یہ عمل بہت اچھا ہے مگر اس عمل کو نجدی علامات دین کے دشمنوں کی علامت بیان فرمائی گئی ہیں۔ آپ یہ علامت بھی نجدیوں میں بدرجہ اتم دیکھتے ہیں۔

شیطانِ گروہ کی علامت نمبر ۵:

بڑی ڈارھی و سرمندا ہوا و تہہ بند پنڈلیوں سے اونچا، آنکھیں اندر دھنسی ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اللہ سے ڈرنے کی دعوت دیں گے:

حدیث: قَالَ فَقَامَ رَجُلٌ غَائِرًا الْعَيْنَيْنِ مُشْرِفًا الْوَجْهَيْنِ نَاشِرًا الْجَهِيئَةَ كَيْتَ السَّحَابَةِ مَخْلُوقِ الرَّاسِ مُشْبِرًا الْأَزَاذِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اتَّقِ اللَّهَ فَقَالَ وَيَسْأَلُكَ أَوْ لَسْتُ أَحَقُّ أَهْلَ الْأَرْضِ بِأَنْ يُتَّقِيَ اللَّهَ قَالَ ثُمَّ وَلَّى الرَّجُلُ الْخ (مسلم شریف)

ترجمہ: آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک آدمی (نجدی) کھڑا ہوا جس کی دونوں آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں اور دونوں گال بھولے ہوئے تھے۔ پیشانی اُبھری ہوئی تھی، وارحمی گھٹی سرمندا ہوا تھا۔ اور تہہ بند پنڈلیوں سے اونچا تھا۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ سے ڈر! آپ نے فرمایا تجھے عذاب ہو، کیا روئے زمین پر میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا سب سے زیادہ حقدار نہیں ہوں۔ پھر وہ شخص پشت پھیر کر چل دیا، باقی حدیث ماقبل کی طرح ہے۔"

نوٹ: قارئین کرام آپ غور فرمائیں آج کل کے نجدیوں، وہابیوں، دیوبندی محمد بن عبد الوہاب نجدی کی معنوی اولاد کو دیکھیں۔ اور اُن کی علامات کو دیکھیں اپنی احادیث میں سرکار نے اُن کی مزید علامت بتائی ہے کہ اُن کا تہہ بند پنڈلیوں سے اونچا تھا۔ اس زمانے میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ علامت کون سے گروہ کے افراد میں پائی جاتی ہے۔ تہہ بند یا شلوار کا پنڈلیوں سے اونچا ہونا شریعت کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ تہہ بند یا شلوار کا ٹخنوں سے اونچا ہونا شریعت ہے۔ اور یہ لوگ اپنی شلواروں اور تہہ بندوں کو اپنی پنڈلیوں سے اونچا کر کے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم ہی ہیں جو شریعت پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ یہ شریعت نہیں بلکہ نجدی گروہ کی علامت ہے۔ جو وہ کر کے دیکھاتے ہیں کہ ہم ہی ہیں محمد بن عبد الوہاب نجدی کی معنوی اور فکری اولاد۔

شیطانِ گروہ کی علامت نمبر ۶:

نجدیوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی منصف نہیں، نجدی صحابہ کے نزدیک واجب القتل ہیں:

حدیث: وَهُوَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! اَعْدِلْ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَيْلَكَ وَمَنْ يَّعْدِلُ اِذْ لَمْ اَعْدِلْ
قَدْ خَبِثَ وَخَسِرَتْ اَنْ لَمْ اَعْدِلْ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ
يَا رَسُولَ اللَّهِ اَنْتَ لِي فِيهِ اَضْرَبْ عَنْقَهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
دَعْنَهُ فَاِنَّ لَهُ اصْحَابًا يَخْفَرُ أَحَدُكُمْ صَلَواتَهُ مَعَ صَلَواتِهِمْ وَصِيَامِهِ مَعَ
صِيَامِهِمُ الْخ

ترجمہ: وہ آدمی بنی تمیم سے تھا، آیا اور اُس نے کہا اے اللہ کے رسول عدل کرو! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تجھے عذاب ہو اگر میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کرے گا؟ اگر میں عدل نہ کروں تو تم ناکام اور نامراد ہو جاؤ، حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے اس کی گردن اڑا دوں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رہتے دو، کیونکہ اس کے ایسے ساتھی ہیں جن کی نمازوں کے مقابلہ میں تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے اور اس کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر گردانو گے باقی حدیث اسی طرح ہے۔

نوٹ: اس حدیث میں اس گستاخ رسول نجدی کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ شخص بنی تمیم کا تھا، جیسے شیطان کا سینک محمد بن عبد الوہاب نجدی بھی بنی تمیم سے تعلق رکھتا تھا، یہ نجدی گستاخوں کا ٹولہ نمازوں اور عدل و انصاف کے بہانے مسلمان بن کر ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا رہا اور آج تک آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کی علامات ان کے اعمال و کردار اور اب تو کسی کے لیے ان نجدیوں کے بارے میں سمجھنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ طالبان نے نجدی ہونے کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔

نجدی گروہ بدترین مخلوق ہے:

فرمایا: هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ یہ مخلوق خدا میں سب سے بدترین لوگ ہوں گے اس بدترین مخلوق نے دین اسلام کو جتنا بدنام کیا ہے کسی کھٹے کافر نے بھی نہیں کیا ہوگا۔

بات بات پر مسلمانوں پر کفر و شرک اور بدعتی ہونے کے فتوے، انبیاء کرام و اولیاء عظام کے گستاخ و بے ادب، جس جگہ گاؤں، شہر، یا محلے میں ایک بھی نجدی ہوگا اُس کی اپنی فطرت میں لکھا ہوا ہے کہ وہ اُس شہر، گاؤں یا محلے والوں کے لیے بدنامی پھیلانے کا سامان ہوگا، اور آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ افغانستان میں اسی شیطانی گروہ کی ناخلف اور حرامی اولاد ہیں جو طالبان اسلام اور عدل و انصاف کا بہانہ بنا کر اسلام اور اہل اسلام کو بدنام اور دہشت گرد مذہب بنا رہے ہیں، اور پوری دنیا میں اسلام اور اہل اسلام تمام مسلمانوں کے لیے رسوائی کے سامان پیدا کر رہے ہیں، اب چونکہ پاکستانی فوج کے سامنے صوفی محمد کے شیخ الاسلام ہونے کا لبادہ اُتر گیا اس کے ساتھ ساتھ طالبان کا ایجنڈا کیا تھا وہ بھی سمجھ میں آچکا۔ اور جیسے ہی 09-5-9 کو اُن کے خلاف فیصلہ سن آپریشن شروع ہوا پاکستان کے سارے نجدی یکدم حرکت میں آ گئے۔ اس سے قبل یہ تمام نجدی طالبان سے لائقیتی کا اظہار کرتے رہے۔“

☆☆

یہ نجدی وہابی طالبان کی یہودنوازی:

اس فرقہ نجدیہ، طالبانیہ کے متعلق جیسا کہ مذکورہ احادیث مبارکہ میں آپ نے پڑھ لیا ہوگا۔ یہ فرقہ مختلف ناموں کے ساتھ قیامت تک رہے گا اور اُن کا آخری گروہ دجال علیہ العینہ کے ساتھ ہوگا۔

اسی بد نصیب شیطان کے سینک نجدیہ کے بارے میں علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے حاشیہ رد المحتار میں تصریح فرمائی ہے کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی اور اس کے تبعین زمانہ حال کے خوارج ہیں۔

موصوف کے اس بیان کی مولوی حسین احمد ڈانڈوی المتوفی (۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء) نے اپنی تصنیف ”الشہاب الثاقب“ میں مولوی ظلیل احمد انصاری (المتوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۲۶ء) نے المہند میں تصدیق و تائید کی ہے۔ یہ دونوں کتابیں تمام علمائے دیوبند کی مسلمہ اور موثر

الذکر اکثر اکابر دیوبندی مصدقہ ہے۔“

ہندوستان میں مولوی اسماعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۳۶ھ/۱۸۳۱ء) نے محمد بن عبد الوہاب نجدی کے مذہب کی ترویج و اشاعت کی تھی۔ موصوف کے جملہ متبعین بھی خوارج ہی کی ماڈرن آفس کا پیاں ہیں۔ احادیث میں نجدیوں و ہابیوں کی ایک پہچان یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور کافروں مشرکوں سے بنا کر رکھیں گے، چنانچہ نجدی مذکور نے اور اس کے اتباع و خلفاء نے جزیرہ عرب کے مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہانے اور ان کے اموال کو غنیمت کا مال سمجھ کر چھیننے میں کون سا دقیقہ فرو گزاشت کیا تھا۔ ظالموں نے حرمین کا ادب بھی قطعاً ملحوظ نہ رکھا۔

ملکہ مکرّمہ اور مدینہ منورہ کے مسلمانوں پر وہ قیامت ڈھائی جس کے سننے سے مسلمانوں کا خون کھول اٹھتا ہے۔ یہاں تک کہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی آخری آرام گاہوں میں تنگ کیا۔

مزارات شہید کروادیئے اور جنت البقیع میں مل چلوادیئے۔ نیز کتنی ہی مقدس یادگاروں کا اس طرح سے نام و نشان مٹا دیا کہ صرف کتابوں میں تذکرے ہی رہ گئے۔

اگر نجدی، وہابی، خارجیوں نے یہ کچھ کیا تو ہندی، نجدی وہابی خارجی کون سے پیچھے رہ گئے، انہوں نے انگریزوں کی مدد سے سکھوں سے مقابلہ کرنے کی آڑ میں دل کھول کر پنجاب اور سرحد کے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی، خادی خان سردار ہند، یار محمد خان حاکم یاغنان اور اس کے بھائی سلطان محمد خان سے یکے بعد دیگرے لڑائیاں بنام جہاد کیں، اوّل الذکر دونوں شہید کیا، ان لڑائیوں میں جو مال چھینا اُسے مال غنیمت شمار کیا۔ اسی کھلاہٹ، مرغز، کد اٹھنڈ کوٹی، پنج پیر، ہنڈ، چار گلٹی، مصدم، گھڑیالی، نو اکلٹی، شیخ جانا، اسماعیلہ، امان زئی، کاٹ لنگ، موئد خور، مرذان، ہوتی، مایار، تور و وغیرہ دیہات کو بزور شمشیر مسلمانوں سے چھینا گیا۔ مایار کی لڑائی میں سینکڑوں مسلمانوں کو شہید کیا اور پشاور پر پیش قدمی کی لیکن سلطان محمد خان کی دانشمندی سے جنگ کا خطرہ ٹل گیا۔

ہزاروں مسلمانوں کا خون رنگ لایا اور ظالموں کو غلوہوں کا خون نکل گیا۔ وذلک جزاء الظلمین

قتل و قتل مسلمانین:

قارئین کرام! مولوی اسماعیل دہلوی نجی وہابی المتوفی (۱۲۳۶ھ/۱۸۳۱ء) کا ایک سوچے سمجھے اور کیجئے سکھائے منصوبے کے تحت آج کل کے طالبان کی طرح مسلمانوں کو کافروں مشرک بھڑائے کا زبانی جمع خرچ۔

محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتاب ”التوحید“ کا اردو ترجمہ بنام تقویۃ الایمان سے مطابقت کر کے سوچئے! اگر تعلیمات قرآن و حدیث اور تصانیف علمائے دین پر نظر ہے تو بتائیے کیا موصوف کے اس خانہ ساز مشرک سے اُسٹ محمد یہ کا کوئی ایک فرد بھی بچ سکا ہے؟“ بات دراصل یہ تھی کہ موصوف نے محمد بن عبد الوہاب المتوفی (۱۲۰۶ء) کی طرح مسلمانوں کو کافروں مشرک ٹھہرا کر اپنے خارجی نجدی ہونے کا عملی ثبوت بھی پیش کرنا تھا۔ مسلمانوں سے قتل و قتل کر کے اپنی ہوس ملک گیری کو تسکین دینی تھی اس لیے مولوی اسماعیل نجدی وہابی نے حصول سلطنت کی خاطر مسلمانوں کو کافروں مشرک ٹھہرانے کے لیے تقویۃ الایمان کتاب لکھی۔ تاکہ برٹش گورنمنٹ کے حکم کے مطابق پنجاب کے سکھوں اور سرحد کے مسلمانوں کو زیر کیا جائے، اور جس طرح محمد بن عبد الوہاب نجدی نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل کر آل سعود کے سہارے، خارجی حکومت قائم کی تھی۔ متحدہ ہندوستان میں بھی اسی طرح انگریزوں کے سہارے اپنی سلطنت قائم کرنے کا شوق و امن گیر ہوا۔ سکھوں سے لڑنے کی خاطر پنجاب سرحد کی خواتین و روسا کا تعاون ضروری تھا، جب یہ حضرات اپنی جمعیت سمیت انواح پشاور میں پہنچے تو جن خواتین کو آپ کی اطلاع ہوتی گئی وہ بڑی خوشی سے دست تعاون بڑھاتے چلے گئے، کیونکہ ابتداء وہ انہیں رحمت خداوندی شمار کرتے تھے۔

۱۳ ربیع الثانی (۱۲۴۴ھ) کو ہنڈ کے مقام پر مجمع عوام و خواص یعنی خواتین و رعایا نے سید

احمد صاحب کے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی۔ آپ کو جناب امیر المومنین بنالیا گیا، جمعہ میں آپ کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ جس طرح آج کل اُن نجدیوں، وہابیوں، خارجیوں کی معنوی اور فکری اولاد صوفی محمد اور طالبان“

اب کیا ہوا جناب سید صاحب کی مہر اسمہ احمد اور آپ کے مشیر خاص وسیعہ سالار افواج نجدیاں یعنی مولوی اسماعیل دہلوی کی مہرہ اذکریٰ الکتاب اسماعیل مقرر ہوئی عمال اور قاضی مقرر کیے گئے علاقے کا انتظام سنبھال لیا۔ زکوٰۃ و عشر کا وصول کرنا شروع کیا۔ نام نہاد و مقدمات کی سماعت کرنے لگے تو جن مسلمانوں نے انہیں تالیف قلوب کے سارے اسباب سے لیس دیکھ کر رحمت خداوندی عز و جل سمجھا تھا انہیں چند روز میں ہی معلوم ہونے لگا کہ ظلم و ستم کے اصل بانی نیز ہلا کو اور چنگیز خان کے اصلی جان نشین یہی ہیں۔ جس طرح آج کل کے صوفی محمد اور طالبان تمام مسلمان اُن کی شرعی عدالتیں اور جہاد اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔“

تو قارئین کرام اس کے ساتھ ہی اُن پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوگئی کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھانے اور اُن کی آبروریزی کا سلسلہ اس لیے جاری ہے کہ یہ البیلے مجاہد نجدیت و خارجیت کے مرض میں گرفتار اور مسلمانوں کو مشرکین و کفار سمجھتے ہیں۔

برطانوی ڈپلومیسی میں پورے ماہر ہیں کہ جو امیران سے تعاون کا اعلان کرتا ہے اس کا علاقہ زیر نگین و خزانہ زیر تصرف یہ صورت حال دیکھ کر جو رئیس ذرا پیچھے ہٹا، اُسے باغی اور منافق قرار دے کر واجب القتل ٹھہرا دیا۔ موقع ملنے پر حملہ کر دیا مسلمانوں کے خون سے خوب ہولی کھیلی، قیدیوں کو لونڈی، غلام بنایا اور جو مال ہاتھ لگا وہ کافروں کا مال ٹھہرا کر مال غنیمت شمار کیا اور شمس نکال کر باقی فوج خارجیت میں تقسیم کر دیا جاتا۔ ان خارجی وہابی نجدی مولوی اسماعیل دہلوی نے کہا کہ سکھوں سے زیادہ ان کلمہ گو کافروں (اہلسنت) پر جہاد فرض ہے۔

(حیرت دہلوی مرزا: حیات طیبہ، مطبوعہ لاہور جلد اول ص ۲۱۸)

جزیرہ عرب سے اسلامی تشخص کے مٹانے میں

آل سعود کا کردار

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرزمین حرمین میں نبی کریم ﷺ کے آثار اور باقیات کی امت مسلمہ کے علماء و مشائخ کے نزدیک بہت بڑی اہمیت رہی ہے اور ہے۔ آپ ﷺ کی پیدائش مکہ میں ہوئی ہے وہاں پر ان کی طفولیت، لڑکپن اور جوانی کے ایام گزرے، یہاں تک کہ چالیس سال تک پہنچ کر ایک مرد کامل بن گئے۔ آپ کی بعثت ہوئی تو بعثت کے بعد بھی آپ ﷺ تیرہ سال تک اس شہر کے سرد گرم کو دیکھتے رہے۔ اہل ایمان کی محبت دیکھتے اور اہل کفر کی سرکشی اور طغیان کو برداشت کرتے رہتے تھے۔

آپ ﷺ نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں پر انصار مدینہ نے ان کو محبت کی گود میں لے لیا اور سر آنکھوں پر بٹھایا، مہاجرین صحابہ بھی آپ کے ساتھ رہے۔ مہاجرین اور انصار نے دین اسلام کا جھنڈا بلند کر کے کفر و شرک اور یہودیت و منافقت کو شکست دی اور جزیرہ عرب میں اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن مکہ مکرمہ کی سرزمین میں بھی آپ ﷺ اپنے صحابہ اور جان نثاروں کی معیت میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے اور خانہ خدا کو بتوں اور بت پرستوں سے پاک کر دیا۔ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے، عالم عربی نے وفود کی شکل میں آکر اسلام کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا، تاکہ قرآنی آیت نازل ہوئی۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا

(سورہ المائدہ آیت ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری طرح

تہیں دے دیں اور میں نے اسلام کو تمہارے لیے دین کے طور پر پسند کر لیا۔
نبی کریم ﷺ نے دنیا سے آخرت کی طرف سفر کیا اور رفیقِ اعلیٰ کو اختیار کر لیا۔

تاریخ اسلام کا یہ پورا زمانہ جو گزرا ہے اس میں اس سے زمین نے نبی کریم ﷺ کے آثار اور نشانیوں کو مختلف اوقات میں مختلف شکلوں اور رنگوں میں دیکھا۔ اس سے قبل بھی سرزمین مکہ تو مناسب حج کی سرزمین ہونے کی وجہ سے مختلف آثار و معالم کا مرکز تھا۔ بیت اللہ الحرام، حجر اسماعیل، مسجد حرام، حجرہ اسود، مقام ابراہیم، صفا و مرہ، منیٰ و مزدلفہ اور عرفہ وغیرہ یہ تمام مقامات اپنی جگہ اس سرزمین کے آثار و معالم میں اور نبی ﷺ کی آمد اور تشریف آوری کے بعد تو اس سرزمین نے آپ کے قدموں کی قدم بوسی کا شرف حاصل کر لیا آپ دن رات اس میں گھومتے رہے قبل ازل سے ملتے رہے رشتہ داروں کے پاس جاتے تھے مشرکین مکہ کے ظلم و بربریت کو سہتے رہے اور دورانِ ہجرت طریقِ ہجرت کو منور کر کے مدینہ منورہ کو اپنے انوار و برکات سے منور و مبارک کرتے رہے، مدینہ منورہ میں آپ نے قیام گھر مایا اسلامی ریاست قائم کی مسجد بنا کی اپنے صحابہ کی ملاقات اور عیادتوں کے لیے انکے گھروں میں تشریف لے جاتے رہتے تھے۔ وہاں باغات میں داخل ہو کر آرام فرماتے رہے وہاں کے کنوؤں میں لعاب مبارک ڈال کر میٹھا اور متبرک کرتے رہے، احد گئے وادیِ عقیق، احجار الزیت گئے بقیع گئے، مدینہ منورہ کا ذرہ ذرہ آپ کے انوار و برکات سے مزین ہو گیا۔ یہ آثار صحابہ کرام تابعین اور امت مسلمہ نے تیرہ سو سال سے ایک مقدس امانت کے طور پر محفوظ رکھے تو اتر کے ساتھ اس کی حقیقت معلوم رہی، جب بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی خوش قسمت بندہ حج و عمرہ کے لیے حرم اطہر جاتا تھا تو حج و عمرہ سے فراغت کے بعد زیارت مدینہ سے محفوظ ہوتے تھے اور مناسک کے علاوہ ان معالم و آثار کو دیکھ کر ان کی زیارت مدینہ سے محفوظ ہوتے تھے اور مناسک کے علاوہ ان معالم و آثار کو دیکھ کر ان کے ایمان تازہ ہو جاتا تھا وہیں کے رہائشی لوگ خوشی خوشی سے ان لوگوں کو بتاتے تھے یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جائے پیدائش ہے، یہاں پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آرام کیا

تھا، یہاں بیعت عقبہ ہوئی، یہاں آپ نے شعب ابی طالب والا زمانہ گزارا۔ یہاں ام المومنین خدیجہ الکبریٰ کی قبر ہے، وغیرہ وغیرہ مسلمان ان تمام معالم اور آثار کو جو وہ کتابوں میں پڑھ چکے ہوتے تھے آنکھوں سے دیکھ کر آبدیدہ ہوتے تھے۔ ایمان کو تازگی ملتی تھی، اور حج و عمرہ کی سعادت کے علاوہ حاجی و زائر کو ان مقامات مقدسہ کی زیارت بھی نصیب ہوتی تھی۔ لیکن جب سعودی طاغوت نے ارضِ حرمین پر قبضہ جمالیا تو بدعات کا بہانہ بنا کر آثار و معالم کو بے دردی کے ساتھ نہایت سفاکانہ طریقے سے بلند و گردیا۔ یہودی پروگرام کے مطابق جب ان کا روحانی اور مذہبی پیشوا ابن عبدالوہاب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو وہ تمام معالم و آثار مناد کیے جو سا لہا سال سے محفوظ تھے قائم تھے جس کا مقصد یہ تھا کہ امت مسلمہ کا تعلق اور رابطہ ماضی سے کٹ جائے اور سرزمینِ حجاز میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آثار باقی نہ رہے تاکہ مستقبل میں یہودی اور نصرانی مستشرقین یہ دعویٰ کر سکیں کہ حضرت محمد کا مکہ میں پیدا ہونا اور مدینہ منورہ میں مدفون ہونا درست نہیں ہے، کیونکہ مکہ میں یا مدینہ میں ان کے رہنے کے کوئی آثار موجود نہیں۔ ایک درد دل رکھنے والے نے ان لوگوں کا قصہ کچھ یوں بیان کیا ہے۔

جب ان طاغوتوں نے سرزمینِ حرمین پر قبضہ کیا تو مکہ مکرمہ میں جتنے معالم و آثار تھے اس کو مسمار کر دیا۔ یہ آثار صدیوں سے مسلمانوں نے سنبھال رکھے تھے، ان آثار پر بزرگوں نے مسجدیں بنائی تھیں ان لوگوں نے جہلس اور ہتھوڑوں سے ان سب کو مسمار کر دیا، جنت المعلیٰ کا مقبرہ مکمل طور پر تباہ کر دیا وہاں کے گنبد گرا دیئے، ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ کی قبر کا گنبد بھی گرا دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مولد کا گنبد بھی گرا دیا، ابو بکر عمر عثمان و علی کے گھروں پر بنے ہوئے گنبدوں کو مسمار کر دیا و زمزم کا گنبد بھی گرا دیا اور جہاں جہاں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آثار ملتے تھے ایک ایک کر کے اس کو خراب کر دیا۔ ان اعمال کے ساتھ وہ لوگ گانے بھی گاتے تھے، طبلے بھی بجاتے تھے اور قبروں کو کا لیاں دیتے، ایک تتم نظریف نے تو سید محبوب بزرگ کی قبر پر پیشاب بھی کیا، اور

مکہ مکرمہ میں تو اللہ تعالیٰ نے بے انتہاء برکات رکھے ہیں، اس میں بیت اللہ الحرام، مشاعر الحج، مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وغیرہ جیسے اہم مقامات ہیں آپ ﷺ وہاں پیدا ہوئے، طفولت اور بچپن کی زندگی وہاں ہی گزاری۔ جوان ہوئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا اس لیے اس شہر میں ایک نہیں ہزار پایادگاریں ہیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیاں اور آثار ہیں بعض معالم کا تعلق تو ہے ہی مناسک حج کے ساتھ اور بعض مقامات کا تعلق اگرچہ مناسک حج سے نہیں ہے لیکن ان کی زیارت موجب اجر و ثواب اور موجب تبرک ضرور ہے۔ بعض آثار مقامات کی زیارت کا مقصد کسی ثواب کی نیت سے نہیں بلکہ اس لیے ہوتا ہے کہ ان کے دیکھنے سے دل کو اطمینان اور سرور نصیب ہوتا ہے اس کا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ امت کو اپنے شائد ارماضی کے کچھ آثار نظر آتے ہیں اور ان مقامات کا تعارف ہو جاتا ہے جن کی رسول ﷺ سے کوئی نسبت ہوتی ہے۔

مناسک حج سے متعلق کا ذکر تو تمام کتابوں میں موجود ہے۔ ہم اس رسالہ میں اس کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے ہیں، دوسری قسم کے معالم میں وہ مزارات شامل ہیں جیسے جنت المعلیٰ میں موجود ہیں جس قبرستان میں اس امت کے سابقین اولین موحو اب ہیں ان میں ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ جیسی ہستی بھی ہے ان قبور کو صحیح معنوں میں ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے، اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ان کی زیارت سنت ہے اور موجب برکت ہے اس بارے میں بے شمار احادیث نبوی موجود ہیں۔

معالم و آثار کی تیسری قسم سے مراد وہ مکانات، مقامات، راستے مساجد وغیرہ ہیں جن کا رسول اللہ ﷺ سے کسی طرح نسبت ثابت ہے تمام سلف صالح ان مقامات کی زیارت کو موجب سعادت سمجھتے تھے۔ علامہ محمد بن اسحاق الفہکی (۳۱۷-۳۷۵) نے اپنی کتاب (اخبار مکہ) میں ایک باب ذکر کیا ہے جس میں ان مقامات کا ذکر ہے جہاں پر جا کر نماز پڑھنا مستحب ہے۔ ان میں اس گھر کا ذکر ہے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی

پیدائش ہوئی تھی اس کو دار ابی یوسف کہا جاتا ہے بی بی خیزران خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ ماجدہ نے اس گھر کو مسجد بنایا اور چار دیواری کے حصے سے اس کو باہر کر دیا (اخبار مکہ ۵/۳) ایک وہ گھر ہے جس میں آپ ﷺ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہتے تھے، یہ آپ ﷺ کی رہائش گاہ تھی، اس گھر میں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی تمام اولاد رسول ﷺ سے ہوئی، اس مکان میں ان کی وفات بھی ہوئی تھی۔ رسول ﷺ ہجرت تک اس گھر میں مقیم تھے اور اس گھر ہی سے ہجرت فرما گئے تھے، اس کے بعد یہ مکان عقیل بن ابی طالب نے لے لیا ان سے امیر معاویہ نے خرید کر اس کو مسجد بنادیا اور اس کی تعمیر کی تجدید کر دی۔ اس گھر میں ایک پتھر کا بھی ذکر ہے۔ سلیم بن مسلم وغیرہ رجال مکہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس پتھر پر تشریف رکھا کرتے تھے اور اس کے پیچھے مشرکین کے نشانوں سے آپ اپنے آپ کو بچاتے تھے۔ یہ جملہ آپ ﷺ پر دار عدی بن الحمراء اور دار ابی لہب سے ہوتے رہتے تھے یہ پتھر ایک ہاتھ اور ایک بالشت لہا ہے۔ (اخبار مکہ ۸/۴)

ان مقامات میں سے وہ مقام بھی ہے جو اجیاد صغیر میں ہے، کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ وہاں نماز پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ (والقد رای من آیا تر بہ) میں یہ ذکر ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ سدرۃ المنہی پر اور دوسری مرتبہ اجیاد میں اس کے چھ سو پر تھے جس نے پورے اُفق کو چھپا رکھا تھا۔

ان مقامات میں دار ارقم والی مسجد بھی ہے جو مسجد خیزران کے نام سے معروف ہے، یہ دار ارقم وہی مقام ہے جس میں ابتداء میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سابقین اولین کے ساتھ مشاورت فرمایا کرتے تھے اور اس مقام میں حضرت عمر بن الخطاب نے اسلام قبول فرمایا تھا۔ ان مقامات میں مسجد عرفہ، مسجد الکبش، مسجد اعلیٰ، مکہ، مسجد مزدچاہ جیسے پیر علیا کہا جاتا ہے، کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام میں نماز پڑھی تھی قابل ذکر ہیں نیز ان مقامات میں غار ثور اور غار حراء تو بہت مشہور ہیں۔ یہ ان چند مقامات کا ذکر ہے

جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں ان آثار نبوی کو اس طائفہ سے الگ کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگ اس کے ساتھ تبرک کرتے ہیں اور تبرک شرک ہے، یہ ایک نامعقول اور جاہلانہ دلیل ہے، اگر ان سے پوچھا جائے کہ انصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کرتے ہیں اور اس کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں کیا اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمہارے سامنے ہوتے تو آپ تو ان کو اس بہانے قتل کرتے کہ لوگ ان کے بارے میں غلو کرتے ہیں۔

برین عقل و دانش بیاید گریست

یہ آثار تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام کی طرف منسوب اشیاء کی علامات ہیں اگر بعض لوگ ان کے بارے میں غلو کرتے ہیں تو اس کا علاج ان آثار کو مٹانا نہیں۔

آل سعود تو اپنے باپ دادا کے آثار کا بہت خیال رکھتے ہیں اور ان کی ہر چیز کو مقدس سمجھ کر محفوظ رکھتے ہیں، غیر ملکی مہمانوں کو دکھاتے ہیں اور ان کی تصویریں تختہ میں دیتے ہیں، رابطہ عالم اسلامی کے اخبار العالم اسلامی کی ایک خبر ملاحظہ ہو۔

خادم الحرمين الشريفين شاه عبد الله بن عبدالعزيز آل سعود حفظه الله جمهورية فرنسا کے سربراہ جان شیراک کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے جو کہ شاہی مہمان خانے کے قصر میں مقیم ہیں اس کے بعد خادم الحرمين الشريفين اپنے مہمان فرانسیسی سربراہ کے ساتھ ایک سرکاری پروٹوکول کے ساتھ مربع میں شاہ عبدالعزیز آل سعود کے قصر میں تشریف لے گئے، اس کے بعد بادشاہ معظم اور فرانس کے سربراہ نے شاہ عبدالعزیز کے قصر کا تفصیلی دورہ کیا جہاں پر انہوں نے شاہ عبدالعزیز کے دفاتر اور بیٹھنے کی جگہ دیکھی اور شاہ عبدالعزیز کی تاریخی تصویریں دستاویز دیکھی دونوں نے ان مکاتیب و مجالس اور تاریخی تصویروں اور قلعہ سے متعلق تفصیل شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز سے سنی، انہوں نے قصر کی تاریخ اور ان کے اندر موجود اشیاء کے بارے میں بتایا، خادم الحرمين الشريفين نے مہمان سربراہ کو شاہ عبدالعزیز

کی تصویروں پر مشتمل ایک البم جس پر ان کے دستخط تھے تختہ کے طور پر پیش کی نیز جناب شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز گورنر ریاض نے محترم مہمان کو فرانسیسی میں لکھی ہوئی ایک کتاب بھی پیش کی جس کا نام ہے (ریاض ترقی اور تاریخ) نیز ایک دستاویزی فلم بھی پیش کی جو فرانسیسی زبان میں تھی اور شاہ عبدالعزیز کی ایک اصل دستاویزی تصویر بھی پیش کی جو فرانسیسی زبان میں تھی جو ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۹۲۷ء فرانسیسی قونصلر مقیم جدہ نے شاہ عبدالعزیز کو ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر لکھا تھا۔ (اخبار العالم اسلامی ۱۳ مارچ ۲۰۰۶ء)

آپ اب اندازہ لگائیں کہ یہ طاغوتی خاندان اپنے آباؤ اجداد کی نشانیوں کے تحفظ کا کتنا خیال رکھتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آثار اور نشانیوں کو کس بے دردی کے ساتھ پامال کرتے ہیں واپس اپنے باپ شاہ عبدالعزیز کے میز کرسی تلواریزہ اور عقاب وغیرہ کو تو ایک مقدس یادگار کے طور پر سنبھالتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش والا گھر، قبور صحابہ اور اس کے کتبے وغیرہ بلند و بالا کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت یہود کے ایجنٹ ہیں اور اپنی آجگئی کرتے ہیں۔ دراصل یہ خادم الحرمین بلکہ خائن الحرمین ہیں۔

مدینہ منورہ کے آثار و معالم کو مٹانا:

مدینہ منورہ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آثار سے بھرا ہوا ایک نورانی شہر ہے اس شہر میں آپ ﷺ کے آثار کا ذکر تو علماء امت نے مستقل تصنیفات میں کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی مشہور تاریخ کی کتاب (البدایہ والنہایہ) میں ایک مستقل باب آپ ﷺ کے آثار و معالم کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اس کا عنوان ہے (باب آثار النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم النبی کان یختص بہافی حیاتہ) دیکھئے البدایہ والنہایہ ۲/۲ اور علامہ علی بن ابی السمو دی التتوی ۹۱۱ھ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب (وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ) کو اس موضوع کے لیے خاص کیا ہے وہ اس کے خطبے میں رقمطراز ہیں۔

میں نے اس میں ایک تحفہ کیسے دیکھا جو کسی اور چیز میں ہیں، نہ مختصرات میں اور مبسوطات (تفصیلی کتابوں) میں خاص طور پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ مبارکہ سے جو متعلق ہے اور اس کی شاندار معالم و آثار میں نے اپنی آنکھوں سے اس کا نظارہ کیا ہے۔ اور ان کے بارے میں معلوم کیا ہے اور یقین حاصل کر لیا۔ کیونکہ ہمارے زمانے میں جو پیش آیا تھا اس کا میں بعد میں ذکر کروں گا اور اس کی تعمیر جدید کے دوران جو خیال آیا تھا کہ قریب تھا کہ وہ گر جائے میں نے حجرہ کے محکم بنیادوں کے بارے میں بھی معلوم کیا اور تعمیر نو میں خود اس کے میدان میں کھڑے ہونے کا شرف حاصل کر لیا اور اس کی مٹی کی خوشبو سونگھ لی اور اس گردوغبار سے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا۔

علامہ سہودی نے یہ کتاب مدینہ منورہ کے آثار کے بارے میں لکھی ہے اس میں مدینہ منورہ کے مختلف نام ذکر کیے ہیں اس کے فضائل ذکر کیے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی زیارت کی فضیلت کا ذکر کیا ہے آپ کے رونے کی مجاورت کا ذکر کیا ہے اور اسطوانہ حنا نہ کا بھی ذکر کیا ہے، جہاں ممبر بننے سے پہلے آپ خطبہ دیا کرتے تھے۔

آل سعود نے مدینہ منورہ میں جن آثار کو ملیا میٹ کیا ہے

اس میں چند اہم آثار مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اسعد بن زرارہ کی قبر جو جنت البقیع میں دفن ہونے والے پہلے انصاری تھے۔

۲۔ عثمان بن مظعون کی قبر جو سن ۳ ہجری میں وفات پائے تھے۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں کی قبور ام کلثوم، رقیہ، اور زینب رضی اللہ عنہا بین گیت میں داخل ہونے کے بعد تیس میٹر کے فاصلے پر۔

۴۔ اہل بیت رسول ﷺ کی قبریں جو کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیٹیوں کی قبور سے کوئی پینتالیس میٹر کے فاصلے پر ہیں، ان میں مندرجہ ذیل اہل بیت کی قبور ہیں، حضرت فاطمہ، حضرت عباس بن عبدالمطلب، حسن بن علی، حضرت حسین کا سر مبارک، علی زین العابدین، محمد الباقر، امام جعفر صادق۔

۵۔ امہات المؤمنین کی قبور جو آپ ﷺ کے بیٹیوں کی قبور کے شمال میں کوئی آٹھ میٹر کے فاصلے پر واقع ہیں ان میں مندرجہ ذیل امہات المؤمنین کے مدفن شریف ہیں۔
حضرت عائشہ، حضرت سودہ، حضرت خضہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام سلمہ، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ، حضرت زینب جحش رحمہما اللہ تعالیٰ عنہما۔

۶۔ آل ہاشم کی قبریں جو امہات المؤمنین کی قبور سے پانچ میٹر کے فاصلے پر شمال کی جانب ہیں ان میں مندرجہ ذیل شخصیات کی قبور ہیں، عقیل بن ابی طالب عبد اللہ بن جعفر الطیار، ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب۔

۷۔ امام مالک اور ان کے استاد نافع کی قبریں۔

۸۔ سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف، حنیس بن حذافہ اور فاطمہ بنت اسد کی قبریں۔

۹۔ شہداء حرہ کی قبریں۔ ۱۰۔ حضرت عثمان غنی کی قبر۔

۱۱۔ سعد بن معاذ کی قبر ۱۲۔ حضور کی پھوپھیاں، صفیہ اور عائشہ کی قبریں۔

دیگر معالم میں مندرجہ ذیل مقامات شامل ہیں

(۱) دار عمر مسجد نبوی کے قبلہ کی طرف پہلا گھر۔ (۲) بیت ابی بکر

(۳) دار عثمان (۴) دار ابی ابیوب

(۵) مصلی الرسول ﷺ (۶) دار کلثوم بن الہدم (۷) بیراریسو

اس کے ساتھ اس میں جنت البقیع کا ذکر کیا ہے جہاں پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ترین صحابہ مدفون ہیں اور ان کے نور چشم اولاد بھی مدفون ہیں اور دیگر ہزاروں صحابہ کرام اور صحابیات بھی دفن ہوئی ہیں، اس کی فضیلت میں تو یہ بھی کافی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان قبور کی زیارت کے لیے خود تشریف لے جاتے تھے اور ان کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے اور اس مقبرہ میں وہ لوگ بھی مدفون ہیں جن کا جنازہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود پڑھایا تھا۔ ان سے بعض کو خود آپ ﷺ نے قبر

میں بھی اتارا تھا۔

لوگوں نے خیر القرون کے زمانے سے ان آثار کا خیال رکھا تھا ان کی حفاظت کی تھی وہ قبریں بنا چکے تھے اور گنبد بھی تعمیر کروائے تھے اور خاص طور پر اہل بیت رسول ﷺ کی قبور پر تمام اقدامات کا مقصد ان قبور کی حفاظت اور ان کی پہچان کو باقی رکھنا تھا چونکہ لوگ مشرق و مغرب سے ان قبور کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے تھے اس لیے ان قبور کو بناتے تھے تاکہ ان کی پہچان کے بارے میں کسی کو کوئی دقت اور مشکل پیش نہ ہوتی کہ یہ معلوم ہو کہ یہ قبر فلاں اور فلاں ہستی کی ہے تاکہ وہاں پر ان کے لیے دعاء ہو جائے اور ان قبروں سے تبرک حاصل ہو جائے اس کے بعد ممالک اور پھر عثمانی ترکوں کے زمانے میں ان کی اور بحال و تزیین ہوئی جنت البقیع کی یہی روئیں ۱۱۲۰ھ تک تھیں۔

1120ھ میں جب اس شہر پر نجدی طاغوت کا قبضہ ہوا تو انہوں نے ان مزاروں اور گنبدوں کو گرا دیا اور سب کو زمین کے ساتھ ملیا میٹ کر دیا اس بارے میں ان کی دلیل یہ تھی کہ یہ قبریں اور گنبدیں تعمیر کرنا بدعت ہے۔

اور جب 1344ھ میں شاہ عبدالعزیز نے ایک بار پھر حرمین شریفین پر قبضہ کر لیا تو باقی ماندہ گنبدوں اور قبروں کو بلند کر دیا۔ اور قبروں کی جگہ صرف ایک پتھر چھوڑ دیا بالکل اس طرح کہ وہاں پر قبر کا کوئی نام و نشان ہی نہیں۔

شاہ عبدالعزیز کے اس اعتداء اور تجاوز سے عالم اسلام میں ایک ہنگامہ ضرور پیدا ہوا چونکہ ان دنوں میں عالم اسلام کا اکثر حصہ استعمار کے قبضے میں تھا اس لیے مصر افریقہ مغرب ترکی اور ہندوستان میں مسلمانوں نے چند مظاہروں قرار دادوں، خطوط اور ٹیلی گراموں کے سواء کچھ نہیں کیا تاہم ان ہنگاموں کا یہ اثر ضرور ہو گیا کہ شاہ عبدالعزیز روضۃ الاقدس کے گنبد خضراء کو گرانے سے باز رہا۔ پاکستان کراچی سے امام شاہ احمد نورانی نے نجدیوں کو چیلنج منظرہ کے کئی خطوط ارسال کئے جس کا انہوں نے جواب نہیں دیا مگر امام نورانی پر پابندی لگا دی۔

یہ تمام فسادات اور توڑ پھوڑ درحقیقت یہود و نصاریٰ کے اشارے پر ہوا تھا جن کی تمام تر کوششیں یہ ہیں کہ بدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ سے آثار نبوت کو ختم کیا جائے اور یہود و نصاریٰ کے اس منصوبے کو عملی شکل دینے کے لیے مذہبی لباس میں آل سعود کے طواغیت اور ابن عبدالوہاب میدان میں اترے جن کو یہود و نصاریٰ کا تعاون حاصل تھا۔

دشمنان اسلام یہود اور نصاریٰ کے ساتھ آل سعود کی دوستی

ہم نے گزشتہ صفحات میں یہ بات ذکر کی ہے کہ آل سعود و اصل یہودی نسل سے ہیں یہ عراق میں آباد تھے اور ان کا دادا (مرد خاکی) نے عراق چھوڑ کر ۸۵۱ھ میں جزیرہ عرب میں آباد ہوا تھا تاہم یہ خاندان اپنے آپ کو عبری نسل سے ظاہر کرتا تھا اور دعویٰ کرتا تھا کہ وہ ربیعہ مضر سے ہیں۔

نیز مسلمان ہونے کا بھی دعویٰ کرتا تھا۔ (اور اب بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں) لیکن جب اس کی ماضی میں کوئی جھانکتا ہے اور حال کو دیکھتا ہے تو اس میں ان کے نزدیک کوئی شک نہیں رہتا ہے کہ اس خاندان کا خون پوست یہودیت سے ہے اس لیے کہ یہودیوں کے ساتھ اور نصرائیوں کے ساتھ ان کی نہایت گہرے دوستانہ مراسم ہیں اور ان کے ہر پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں یہ خاندان پیش پیش ہوتا ہے۔ ذیل میں ان تعلقات کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

اپنی حاکمیت قائم کرنے کے لیے اسلام کا نام استعمال کرنا:-

جب آل سعود اور استعمار میں معاہدہ ہو گیا تو آل سعود نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اسلام کا نام استعمال کرنا شروع کیا۔ یقیناً ان کا مقصد اسلامی خلافت کا خاتمہ اور یہود کو فلسطین میں اپنی ریاست قائم کرنے کا موقع دینا تھا۔ نیز خلافت کے آثار کا خاتمہ اور حرمین شریفین سے اسلامی تراث کے آثار کا خاتمہ بھی ان کا ایک اہم ہدف تھا تا کہ جزیرہ عرب میں ان کی حکومت اور شہنشاہت کو کوئی چیلنج نہ کر سکے۔

آل سعود نے اسلام کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا تاکہ یہ مقصد حاصل ہو جائے اور جوش و غارت گری وہ کرتے تھے اس کا جواز پیدا ہو جائے کیونکہ اپنے ان اعمال کو وہ جہاد کا نام دیتے تھے۔ جس طرح آج طالبان کر رہے ہیں یہ وہی چال ہے۔

جہاد اور آل سعود:

جب محمد بن سعود نے وہابیت قبول کر لی اور ان کے اور ابن عبد الوہاب نجدی کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا پھر ابن عبد الوہاب نجدی اپنے پیروکاروں کو جمع کر کے انہیں جہاد کا حکم دیتے تھے یہ جہاد مسلمانوں کے خلاف ہوتا تھا، ان مسلمانوں میں نجد، حجاز، مکہ مدینہ جدہ اور طائف کے قبائل اور باشندے اور عثمانی ترک اور اشرف مکہ سب شامل تھے وہ ابن سعود کے جہنڈے کے تحت لوگوں کو جہاد کی تلقین کرتے تھے اور قرب و جوار کے ملکوں اور قبائلی سرداروں کو وہابیت قبول کرنے اور ابن سعود کے زیر نگیں رہنے یا جزیہ دینے کا حکم دیتے تھے اسی طرح انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کو تیغ کر دیا ان کے پاس وہابیت قبول کرنے یا قتل ہونے کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہیں تھا یہ طریقہ بالکل خوارج کا تھا۔ اور افغانستان میں طالبانی بھی وہی کر رہے ہیں۔

سعودی شاہی خاندان ایک خارجی فتنہ:

جب سعودی طاغوت اور وہابیت کے فتنے کا کوئی مطالعہ کرتا ہے تو تاریخ کے اوراق میں موجود فرقہ خوارج کے ساتھ ان کے ڈانڈے ملا سکتے ہیں آئیے کہ پہلے خوارج کے بارے میں بتا دیں۔

خوارج کون ہیں؟

علامہ عبد الکریم شہرستانی نے اپنی کتاب (السلل والخل) میں لکھا ہے:

کہ ہر وہ شخص جو مسلمانوں کے مقتصد امام کی اطاعت سے خارج ہو جاتا ہے وہ خارجی کہلاتا ہے سب سے پہلے جن لوگوں نے خارجیت اختیار کی تھی انہوں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغاوت کی تھی وہ ان کی قیادت میں جنگ صفین میں شریک

تھے، لیکن انہوں نے خارجیت اختیار کر لی وہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ سے براءت کا اعلان کرتے تھے اور یہ براءت ان کے نزدیک ایمان کا حصہ تھا جس کے بغیر کسی کا نکاح بھی صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ نیز وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر اور امام المسلمین کے خلاف میدان جنگ میں نکلنا فرض سمجھتے تھے جب وہ کسی دینی معاملے میں مخالفت کرتا ہو۔

اب دیکھتے ہیں کہ طاغوت آل سعود اور نجدی وہابیوں پر خارجیوں کا اطلاق کیونکر ہو سکتا ہے۔

۱۔ مسلمانوں کو کافر کہنا یہ بات معلوم ہے کہ جب مسلمان کلمہ توحید پڑھتا ہو اور وہ اہل قبلہ میں سے ہو تو اس کو کافر کہنا جائز نہیں جب تک کلمہ کفر کا ارتکاب نہ کرے یا ضروریات دین میں سے کسی کا منکر نہ ہو جائے جیسے وہابیہ، دیابنہ اور شیعہ وغیرہ اس پر تمام امت کا اتفاق اور اجماع ہے کہ جب تک اس مسلمان نے کوئی ایسی حرکت نہ کی ہو جو اس کے کفر کی دلیل ہو، مثلاً وہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا توحید کا انکار کر دے یا نبوت سے منکر ہو جائے یا قیامت کا منکر ہو جائے وغیرہ۔

اب دیکھیں کہ آل سعود خاندان اور وہابیوں نے تو پوری دنیا کے مسلمانوں کو کافر بنا دیا، بلکہ یوں لگتا ہے جیسا کہ انہوں نے کفر کے کارخانے بنائے ہوں ان کارخانوں کو اصل کام مسلمانوں کو کافر کہنا ہے، یہ درحقیقت لوگوں کو کافر مشرک اور متبدع کہنے کے امام ہیں، بہت جلد ایک مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں ان کے نزدیک دنیا میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے، اور یہ مسلمان جو نظر آتے ہیں یہ سب مشرک اور کافر ہیں۔ (واللہ وانا الیہ راجعون)

ان کا طریقہ واردات یہ ہے کہ جب کسی ایک آدمی کو کوئی غلط کام پردیکھتے ہیں پوری قوم کے بارے میں وہی بات کرتے ہیں کہ یہ لوگ اس غلط کام کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مثلاً اگر مصر میں ایک آدمی نے قبر کو سجدہ کیا تو یہ کہتے ہیں مصری کافر ہیں، اگر پاکستان میں ایک آدمی نے غیر اللہ سے مدد مانگی تو یہ کہیں گے پاکستانی مشرک ہیں یہ لوگ صرف اپنے آپ کو

مسلمان مانتے ہیں اور دیگر تمام مسلمانوں کے بارے میں یقین سے کہتے ہیں کہ کافر ہیں اور شرک کرتے ہیں۔

ایک دفعہ ان کے سامنے یہ ذکر ہوا کہ اس وقت مسلمان دنیا میں شکست خوردہ کیوں ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ان کو نہیں آتی ہے تو سعودی طاغوتوں کا جواب یہ تھا۔ دراصل کسی کافر نے مسلمان کو شکست نہیں دی بلکہ کافر نے کافر کو شکست دی ہے۔ (نعوذ باللہ) کیونکہ ان مسلمانوں نے شرک شروع کیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے دین اور مذہب دونوں کو خراب کر دیا تھا ان میں بت پرستی کے آثار بالکل نمایاں ہیں تمام عالم اسلام میں یہی حال ہے۔ یہ لوگ نہ صرف بزرگوں اور بیروں پر عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ یہ تو پتھروں اور درختوں سے بھی برکتیں مانگتے ہیں، اس طرح یہ لوگ خوارج کے راستے پر چل کر لوگوں کو کافر بناتے رہے گناہ کبیرہ صرف خوارج یا طاغوتی وہابیوں کے نزدیک کفر ہے، حالانکہ اگر معاصی کفر ہوتے تو حدود و تعزیرات مرتکب کبیرہ کے لیے بے معنی رہ جاتی ہیں کیونکہ ایمان کے بعد کفر تو ارتداد ہوتا ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے، پھر دیگر سزاؤں کا کیا مقصد ہے؟ اور اسی طرح تو تمام مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگانا پڑے گا، کیونکہ گناہوں سے معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی اپنے آپ کو پاک نہیں کہہ سکتا، ان طاغوتی آل سعود وہابیوں کے مذہب کی بنیاد ہی تمام مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگانا ہے ابن عبد الوہاب نجدی کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں کا شرک بہت سخت اور زیادہ خطرناک ہے، بت پرستوں کے شرک کے مقابلے میں کیونکہ وہ مشرکین تو خوشی کی حالت میں شرک کرتے تھے اور خفی میں ایک اللہ کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور یہ لوگ یعنی مسلمان جو شرک کرتے ہیں یہ تو ہر حالت میں شرک کر لے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

ابن عبد الوہاب نجدی نے اپنے رسالہ کشف الشبهات (57-72) میں عام مسلمانوں پر شرک کا اطلاق چوبیس مرتبہ سے زیادہ کیا ہے، اس طرح ان کو کفار، بت پرست، مرتدین، منافقین، منکرین توحید، اللہ تعالیٰ کے دشمن اسلام کے مدعی، اہل باطل اور

اہل جہالت کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ ابن عبد الوہاب نجدی کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی اس کے مذہب میں داخل ہوتا تھا اگر وہ پہلے حج کر چکا ہوتا تو انہیں کہتے تھے کہ دوبارہ حج کرو، پہلا حج تو شرک کی حالت میں کیا ہے جو ناقبول ہے، اس طرح جو کوئی اس کے مسلک میں داخل ہوتا تو اس کو کلمہ شہادت پڑھا کر اس سے کہتا تھا کہ اب تم یہ کہو کہ تم پہلے مشرک تھے اور اب مسلمان ہو گئے ہو اور یہ کہ تمہارے والدین اس دنیا سے کافر جا چکے ہیں۔ نیز یہ کہو کہ فلاں فلاں (چند علماء و مشائخ کا نام لے کر) کافر ہیں، اگر وہ آدمی سب باتوں کے لیے تیار ہوتا تھا اور یہ اقرار کرتا فہماور نہ اس کو قتل کرتے تھے، ابن عبد الوہاب نجدی یہ بھی کہا کرتا تھا کہ گزشتہ چھ سو سال سے یہ امت کافر ہو چکی ہے وہ صرف اپنے پیروکاروں کو مسلمان سمجھتے تھے ان کے علاوہ کسی کو مسلمان کہنے سے اپنے پیروکاروں کو روکتے تھے۔ (دیکھو رسالہ خلاصۃ الکلام ص 229-230)

آج کے وہابی بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں جس نے ایصال ثواب کے لیے فاتحہ کر دی، وہ مشرک، جس نے یا رسول اللہ کہا وہ مشرک، جو مزارات پر چلا گیا وہ مشرک، اور طالبان بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

اسی طرح یہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ مسلمانوں کا کفر اصلی ہے ردت نہیں، انہیں مشرک اور ملحد کے نام سے بھی پکارتے تھے انبیاء اور اولیاء جن کا لوگ وسیلہ کرتے تھے ان کو بت اور الہ (خدا) اور خدا کے شریک کے نام دیتے تھے یہ اطلاق کوئی دس مقامات سے زیادہ اس نے کیا ہے۔ اس طرح ان لوگوں نے مسلمانوں کی نیتوں پر بھی حملہ کیا جب وہ لوگ جو کہ کسی نبی یا ولی سے محبت کا اظہار کرتے تھے یہ لوگ ان کو مشرک کہتے تھے، حالانکہ شرک کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور دل کی باتیں تو ایک اللہ کو معلوم ہوتی ہیں، یہ بات تو معلوم ہے کہ ایک اللہ عالم الغیب ہے مگر جن انبیاء اور اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے عطا کر دیا، اس کے علاوہ کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا ہے لیکن ان طاغوتی وہابیوں کی ان باتوں سے یہ اندازہ ہوتا تھا جیسا کہ یہ اپنے علم غیب ثابت کر رہے ہیں۔

اب آپ خود اندازہ لگالیں یہ آل سعود کا طاعنوتی خاندان اور نجدی وہابیوں کا ٹولہ ال قبلہ کو کافر بنانے میں کتنا آگے جا چکا ہے۔ ان لوگوں کا یہ سلسلہ اور تحریک مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی مصیبت سے کم نہیں ہے، جس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک سازش کو عملی جامہ پہنانا ہے، خاندان سعود یہود و نصاریٰ کے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے راستہ ہموار کرتے تھے جس میں وہ کہتے تھے کہ ہماری کوشش اس وقت تک جاری رہے گی جب تک مکہ کی فضاؤں میں صلیب نصب نہ ہو جائے اور مکہ و مدینہ میں جود کے بجائے اثنوکار تقدس قائم نہ ہو جائے۔ آج کے طالبان امریکہ کے ذریعے ہی کرنا چاہتے ہیں اور اپنے امام محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی خمیس روح کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔

سعودی جامعات یا تکفیر کے کارخانے:

سعودی طاعنوتی خاندان نے جزیرہ عرب میں کئی جامعات قائم کیے ہیں۔ مثلاً جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، جامعہ ام القرئی مکہ مکرمہ اور جامعہ الامام محمد بن سعود، ریاض، یہ جامعات جو کردار ادا کرتے ہیں وہ دین کی خدمت اور دین کی تدریس نہیں بلکہ دینی علوم کی تدریس سے زیادہ یہاں پر تکفیر مسلمین کا کام ہوتا ہے۔ ان جامعات میں ایسے عناصر داخل ہیں جن کا کام مسلمانوں پر کفر کا پلگانا ہے اور کچھ بھی نہیں، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک طالب علم نے ایم اے کا تھیسز لکھا ہے (ماتریدیہ) کے عنوان سے اور پی ایچ ڈی کا تھیسز لکھا ہے (اشعریہ) کے عنوان سے یہ دونوں رسالے بعد میں کتابی شکل میں چھپ گئے ہیں اور سعودی وزارت اوقاف کی طرف سے دنیا میں مفت تقسیم ہو رہی ہیں، ماتریدیہ کے عنوان سے جو رسالہ چھپ گیا ہے اس کو جو نیا نام دیا گیا ہے وہ (عداء الماتریدیہ للعقیدۃ السلفیہ و تاریخہم و مذہبہم فی الصفات الالہیہ) ہے آگے رسالہ میں لکھا ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ میں ان ماتریدیہ پر رد کرنے کے سلسلے میں ایک بہادر مجاہد، طاقتور جنگجو اور ایک نوجوان شیر ہوں (ص 22) کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہابیت کا یہ بغل بچہ شمس السنہی امت مسلمہ کے اکثر علماء کو کافر کہتے ہیں بلکہ برصغیر

کے ممتاز علماء کا نام لے کر کافر کہتا ہے ان کے نزدیک امام رازی، امام غزالی، علامہ بیضاوی، شاہ ولی اللہ ہندوستان میں مشائخ اور پاکستان میں توحید کے علمبردار بھی کافر تھے۔ ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ سعودی خاندان اور ان کے شہزادوں سے معلوم کریں کہ کیا تمہارے خاندان نے یہ جامعات اسلام پر اس امت مسلمہ کو کافر بنانے کے لیے قائم کیے ہیں؟ اور ان جامعات کا ہدف اور مقصد امت مسلمہ میں تفریق کا بیج بونا تھا۔ کیا یہ تمہارا موقف ہے؟ اگر آپ کا یہ موقف نہیں ہے تو اس قسم کے رسالے لکھنے، چھاپنے اور دنیا میں مفت تقسیم کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ سب کچھ سوچی سمجھی سازش کے تحت ہو رہا ہے یہ سب کچھ وہ نہایت ہوشیاری سے ایک جارحانہ انداز میں کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں بے اتفاقی پیدا کرنا:

یہ تو ثابت ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی توحید اور نبی کریم ﷺ کی رسالت، قرآن کریم کی از جانب اللہ ہونے اور آخرت پر یقین رکھنے میں متفق اور متحد ہیں کوئی مسلمان عقیدہ توحید اور عقیدہ ایمان سے باہر نہیں نکلتا ہے البتہ فقہی طور پر مسلمان مختلف فقہاء امت کے پیروکار ہیں تو جیسے حنفی مالکی شافعی اور حنبلی اس طرح مسلمانوں میں مختلف سلاسل صوفیہ رائج ہیں جیسے شاذلیہ، نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، اور سہروردیہ وغیرہ۔ لیکن ان فقہی اور صوفیانہ اختلاف کے باوجود مسلمان، دین اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں متحد و متفق ہیں اور زمین کے کسی کونے میں جب اسلام کے خلاف کوئی سازش تیار ہو رہی ہو تو مسلمان بیک آواز اس کی سرکوبی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(انما المؤمنون اخوة) بے شک مؤمن بھائی بھائی ہیں۔

لیکن آل سعود طاعنوتی خاندان اور اس کے وہابی ٹولے کی تمام کوشش یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کی جائے تاکہ مسلمان ایک دوسرے سے دور ہوں یوں ان میں وحدت اور اتفاق نہ ہو، چنانچہ ان لوگوں کا ایک حربہ یہ ہے کہ ہر وہ مسلمان جو کسی امام کی تقلید

کرتا ہے یہ اسے مشرک کہتے ہیں اور اگر کوئی کسی صوفی سلسلے سے وابستہ ہے تو ان کے نزدیک وہ مشرک سے بھی بدتر ہے، نیز جو لوگ انبیاء و صالحین کے وسیلے کے قائل ہیں ان کو بھی یہ لوگ مشرک قرار دیتے ہیں۔ سعودی اسکولوں کالجوں اور جامعات میں ایک اسٹیشنل مضمون (توحید) کے نام سے پڑھایا جاتا ہے اس مضمون کے پڑھانے کا مقصد ان طلبہ کا (برین واش) یعنی عقل دھونا ہوتا ہے تاکہ ان کے دماغوں میں یہ بات بٹھائی جائے کہ یہ تمام مسلمان جو اسلام کے دعویدار ہیں مشرق و مغرب میں یہ سب کافر ہیں اور درست عقیدہ اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک یہ لوگ ابن عبدالوہاب نجدی کی کتاب (التوحید) یا اس کی (فتح المجید) یا (تہذیب العزیز الحمید) نہ پڑھ لیں، جب تک یہ سعودی توحید کوئی نہیں پڑھتا ہے اور نہیں اپناتا ہے تب تک وہ مسلمان نہیں ہو سکتا، اس تمام پروگرام کا مقصد ہی یہ ہے کہ عالمی سطح پر مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کی کوئی تحریک یا کوشش کامیاب نہ ہو جائے، ظاہر ہے جب تمام مسلمان آپس میں دست و گریباں ہو جائیں اور ایک دوسرے کو مشرک اور کافر قرار دینا شروع کر دیں تو کیسے متحد و متفق ہو سکتے ہیں، علماء سلف کے اندر ایک تسامح ہوتا تھا رائج اور مرجوع کا اختلاف ہونے کے باوجود یہ لوگ امت کو متحد رکھتے تھے، لیکن اس طاغوتی فتنہ نے مسلمانوں میں اس رواداری کو ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے میں تبدیل کر دیا، دراصل یہ لوگ یہود و نصاریٰ کے اس پلان کے مطابق کام کرتے ہیں جو کہ (مسٹر ہمفر) انگریزی جاسوس کی ڈائری میں ذکر کیا گیا ہے، بلکہ یہ اختلاف تو اب اس حد تک پہنچ گیا کہ خود مسلمان ایک دوسرے کی تباہی پر خوش ہو جاتے ہیں ان لوگوں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ کفار نے مسلمانوں کو شکست نہیں دی بلکہ کافروں کو شکست دی ہے۔

بہر حال اس سلسلے میں مسلمانوں سے جتنی کوتاہی ہو رہی ہے وہ اپنی جگہ ایک جرم ہے، لیکن یہ طاغوتی خاندان جس سازش کے تحت مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے پر تلا ہوا ہے اس میں ان کے پاس کوئی عذر نہیں، جو نوجوان طاغوتی قوتوں کے پیچھے چھپے جا رہے

ہیں ان کو یہ نصیحت ہے کہ یہ لوگ ان کو غلط راستے پر ڈال رہے ہیں، یہ طاغوتی خاندان ان کے جذبے کو اپنے ناپاک مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، کیا آپ یقین نہیں کرتے کہ آئمہ اربعہ کے مذاہب اور ان کی کتابوں کو چھوڑنے کا کاہلی مقصد ہو سکتا ہے۔؟ وہ اس امت کے مہربان تھے اور سلف صالح یہی تھے، ان لوگوں کی اس دیدہ دلیری سے امت مسلمہ میں دیگر کئی فتنے پیدا ہو گئے، جیسے سلمان رشدی کا فتنہ یا ڈنمارک اور یورپ میں توہین رسالت پر مبنی کارٹونوں کا فتنہ، اور افغانستان میں امریکی طالبانی فتنہ اور جابلی بیروں کا شدید فتنہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت مسلمہ کو اس قسم کے فتنوں سے نجات دلائے اور ان کو اتحاد و اتفاق اور اخوت نصیب فرمادیں۔ آمین۔

وہابی مذہب اور آل سعود کی عملیات پر عالم اسلام کے علماء کا ردِ عمل:

حرین شریفین میں آل سعود کے ظلم و جبر اور بے ادبی کی خبریں، جب عالم اسلام میں پھیل گئیں تو مسلمانوں میں بہت سخت بے چینی پھیل گئی، برصغیر پاک و ہند میں تو حالات بہت خراب تھے کہ برطانوی استعمار کا قبضہ تھا یہ مسلمان چند مظاہروں اور قراردادوں کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے تاہم یہ مظاہرے نہایت جذباتی ماحول میں ہوتے تھے، چنانچہ دہلی لاہور بمبئی اور حیدرآباد میں بڑے بڑے مظاہرے ہوئے اور قراردادیں پاس ہوئیں کہ آل سعود کی حریم الشریفین اور مقابر صحابہ و اہل بیت کی توہین مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت ہے اور سب نے اعلان کیا کہ وہ اس مفسدانہ عمل کا مقابلہ کریں گے، انہوں نے آل سعود کے نام ایک سخت مکتوب ارسال کیا اور انہیں اپنے جذبات سے آگاہ کر دیا۔ بالکل اسی طرح مظاہرے دیگر مسلم شہروں میں بھی ہوئے جن میں دمشق، طہران، کابل اور قاہرہ بھی شامل ہیں۔ ہندوستان میں خلافت کمیٹی نے قرارداد پاس کی اور ایک برقیہ سعودی خاندان کی طرف بھیج دیا برقیہ میں لکھا تھا کہ مسلمان حاجی جو کہ بیت اللہ الحرام کے قرب و

جوار میں مقیم تھے جن میں کوئی بیس ہزار انڈونیشیا، ہندوستان اور الجزائر کے تھے وہ وہابیوں نے قتل کر دیئے اور اس دن وہابی طائف شہر میں داخل ہو گئے اور وہاں کے باشندوں پر بے حد ظلم و تشدد کیا جس کا بیان زبان قلم سے ممکن نہیں وہاں پر عبداللہ بن عباس کی قبر کو بھی مسمار کر دیا، اور پھر عام لوگوں کا قتل عام کر دیا۔ (دیکھئے نگارشات محمد علی)

ایرانی حکومت نے تحقیق کے لیے ایک وفد بھیج دیا اس وفد کی رپورٹ میں جو باتیں شامل تھیں ان میں مندرجہ ذیل باتیں بھی تھیں۔

روضہ رسول کے گنبد خضراء پر پانچ گولیاں لگی ہیں سعودی بادشاہ عبدالعزیز نے اس کے جواب میں علماء ہندوستان کو ایک خط لکھا جس میں اس نے لکھا تھا۔

مدینہ منورہ کی تمام قبریں اور مزارات بالکل محفوظ ہیں اور انہیں کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ البتہ جو کچھ مکہ مکرمہ میں ہوا ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان قبور اور مزارات کو دوبارہ تعمیر کریں گے اور سعودی حکومت نے روضہ اطہر اور مسجد ابی قیس کی دوبارہ تعمیر شروع کی ہے۔

شاہ عبدالعزیز کا یہ خط بھی ایک دھوکہ تھا آل سعود نے بعد میں تمام گنبدیں گرا دیں قبروں کو مسمار کیا اور تمام تاریخی مقامات کو ملیا میٹ کر دیا۔

علماء نے انکے خلاف فتوے دیئے مختلف ممالک میں ان کے فقہی مذہب کے علماء نے وہابیت کے بارے میں یہ فتوے جاری کر دیئے کہ وہابیت ایک گمراہ فرقہ ہے جو توحید کے نام سے کام کرتا ہے اور آل سعودی دین اسلامی کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں ان کی غرض صرف اسی ملک یا اپنا اقتدار قائم کرنا ہے تاکہ استعماری منصوبے اور یہودی خواہش کو عملی جامہ پہنایا جائے، اس سلسلے میں کئی علماء نے وہابیت کے خلاف قلم بھی اٹھایا اور سینکڑوں کتابیں تالیف کی گئیں ان میں چند اہم کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ علامہ ابن مرزوق نے ایک کتاب لکھی (رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ اور

جابل وہابی)

۲۔ علامہ سلیمان کردی شافعی نے کتاب لکھی (الصواعق الالہیہ فی الرد علی الوہابیہ)

۳۔ علامہ عبداللطیف الشافعی جو کہ ابن عبدالوہاب کے استاد تھے نے وہابیت کے

خلاف ایک کتاب لکھی (تحریر الجہاد المدنی والاجتہاد)

۴۔ علامہ عقیف الدین عبداللہ بن داؤد حنبلی نے ایک کتاب لکھی اس کا نام تھا۔ (الصواعق والرعود) اس کتاب پر علماء حلف بغداد اور احساء کی تقریظات بھی ہیں۔

۵۔ علامہ محمد بن عبدالرحمن بن حقائق حنبلی نے ایک کتاب لکھی (تہکم المتقلدین لمن ادعی تہجد الدین) انہوں نے یہ کتاب ابن عبدالوہاب کو ارسال بھی کی لیکن وہ اس کا رد نہ کر سکے۔

۶۔ (السیوف الثقال) کے نام سے بیت المقدس کے ایک عالم نے کتاب لکھی۔

۷۔ علامہ عطاء کی نے ایک کتاب (الصارم الہندی فی حق النجدي) کے نام سے لکھی۔

۸۔ علامہ سید علوی بن الحداد نے (السیف الباتر لعق المنکر علی الاکابر) کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اسی منصف نے ایک دوسری کتاب (مصباح الانام وجلاء الظلام) کے نام سے لکھی۔

۹۔ علامہ ابراہیم میرغنی نے ایک کتاب لکھی (تخریض الاغیاء) کے نام سے اس میں وہابیت پر نہایت عالمانہ طریقہ سے رد کیا تھا۔

۱۰۔ علامہ سید عبدالرحمن جو کہ احساء کے رہنے والے تھے اس نے ایک قصیدہ قافیہ لکھا جس میں ۶۸ بیت تھے یہ پورا قصیدہ رد وہابیت میں لکھا تھا۔

۱۱۔ علامہ عبدالوہاب بن ہرکات نے وہابیت کے رد میں ایک رسالہ لکھا تھا۔

۱۲۔ علامہ احمد بن علی القباہی الشافعی نے بھی رد وہابیت پر ایک کتاب تصنیف کی تھی۔

۱۳۔ علامہ عبداللہ بن عیسیٰ المرہبی نے رد وہابیت میں ایک رسالہ لکھا تھا۔

یہ چند کتابوں اور ان کے مصنفین کے نام ہیں جو اس زمانہ میں وہابیت کے رد عمل کے طور پر ان علماء حق نے لکھے تھے اور اسی زمانے میں مذہب رابعہ سے متعلق بہت بڑے علماء

نے وہابیت اور ان کے عقائد پر اپنے فتوے بھی جاری کر دیے تھے، جن میں ایک فتویٰ کا متن اور اس کی تصدیق کرنے والے علماء کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ وصی احمد بن حنفی	۲۔ قاضی شیخ احمد	۳۔ محمد عادل	۴۔ مفتی محمد علی
۵۔ محمد عبداللہ الحسینی الواسطی	۶۔ محمد عبدالحق	۷۔ احمد منصور علی	۸۔ خوشا جانیاز محمد عمر
۹۔ محمد منشا	۱۰۔ فقیر محمد حسین	۱۱۔ محمد نصر الدین	محمد نذیر
۱۳۔ محمد اسماعیل	۱۴۔ محمد عبدالغفور خان	۱۵۔ محمد قاسم	۱۶۔ الہی بخش
۱۷۔ محمد عبدالنبی	۱۸۔ محمد عبدالرؤف	۱۹۔ شیخ الدین	۲۰۔ عبدالعزیز
۲۱۔ عبداللہ	۲۲۔ احمد علی	۲۳۔ محمد غریب الدین	۲۴۔ عبداللہ جان
۲۵۔ سید محمد اسماعیل	۲۵۔ محمد گلاب	۲۷۔ محمد محسن علی	۲۸۔ محمد شہید آراں
۲۹۔ حافظ محمد عبدالحق	۳۰۔ حکیم الرشید	۳۱۔ محمد عبدالکریم	۳۲۔ حاجی محمد جی
۳۳۔ محمد غریب الدین	۳۳۔ احمد کریم	۳۵۔ عبدالحکیم	۳۶۔ فیض اللہ
۳۷۔ عبدالرشید	۳۸۔ احمد حسین	۳۹۔ محمد الدین	۴۰۔ نور الہی
۴۱۔ محمد عبدالرحمن	۴۲۔ محمد اسحاق	۴۶۔ محمد میر	

علماء لدھیانہ کے دستخط

۴۷۔ ابو الشیر عبدالعلی القادری	۴۸۔ محمد عبدالرحمن پانی پتی	۴۹۔ محمد عبدالرحمن عبدالقادر	۵۰۔ محمد عیسیٰ بن عبداللہ
۵۱۔ عبدالعزیز بن عبدالسلام	۵۲۔ محمد حبیب الرحمن ندوی	۵۳۔ الہی بخش	۵۴۔ حیدر علی
۵۵۔ محمد عبدالرحمن عیسیٰ الاسلام	۵۶۔ محمد یعقوب غلام رسول	۵۷۔ مظاہر الحق	۵۹۔ محمد عزیز الرحمن

وہابیت کے خلاف علماء حق کے فتوے:

ایک مشہور عالم دین علامہ وصی احمد محدث سورتی نے علماء کرام کے سامنے ایک استفسار پیش کیا اور ان سے ان وہابیوں کے بارے میں پوچھا جو نام تو قرآن و سنت کے لیتے ہیں لیکن کام وہی کرتے ہیں جو قرآن و سنت کے خلاف ہو سعودی عرب کے وہابیوں نے حرمین شریفین کے اندر جو اعمال کیے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ درحقیقت قرآن و سنت کے پیروکار نہیں بلکہ دشمن ہیں نیز وہابیت کا عقیدہ بھی اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے ان وہابیوں نے خانہ کعبہ کو نقصان پہنچایا اور یہ اعلان کیا تھا کہ گنبد خضراء کو مسمار کر دیں گے اور اگر عالمی طور پر مسلمانوں کا پریشان پر نہ ہوتا تو وہ کب کے یہ کام کر چکے ہوتے جیسا کہ انہوں نے سرزمین وحی میں تمام آثار نبوت منادیے ہیں اب صرف کتابوں میں ان کا ذکر ملتا ہے، زمین پر ان کا آثار کا کوئی وجود نظر نہیں آتا ہے۔

علامہ وصی احمد نے یہ استفتا ہندوستان کے تمام علماء اہل سنت والجماعت کو پیش کر دیا کہ وہ اس سلسلے میں اپنی آراء پیش کر دیں، چنانچہ مندرجہ ذیل فتویٰ انہیں نے صادر کر دیا۔ وہابی غیر مقلد ہیں اور وہ چاروں آئمہ متبوعین میں سے کسی ایک امام کی تقلید کو بھی نہیں مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فقہ اسلامی سنت رسول کے خلاف ہے اور آئمہ کرام کی تقلید شرک ہے اور وہ متبذع تھے، ان تمام باتوں میں وہابیہ کے ڈانڈے خوارج سے ملتے ہیں اس میں شک نہیں کہ یہ ایک گمراہ فرقہ ہے اور ان کا دین اسلام اور اہل سنت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، نیز وہابی صوفیاء کی تکفیر بھی کرتے ہیں، جن کا تصوف کے سلسلوں سے تعلق ہوتا ہے اور کہتے رہتے ہیں کہ یہ تصوف سب فریب اور دھوکہ ہے یہ تمام باتیں ان وہابیوں کی گمراہی اور بے راہ روی کی دلائل ہیں نیز یہی وہابی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بری ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت ثابت کرتے ہیں اور (استوی علی

العرش) میں استواء حقیقی کا معنی لیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے قدم وجہ اور نزول حقیقی بالکل اسی معنی میں ثابت ہیں جو دیگر جگہوں میں ان سے مراد لیا جاتا ہے، یہ سب حشو یہ اور مجملہ کے عقائد ہیں اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ۲۰ رکعت تراویح بدعت ہے اور جو آدمی یہ کہتا ہے کہ (یا شیخ عبدالقادر الجیلانی) وہ مشرک ہے انبیاء اور اولیاء کی روحانی قوت کے منکر ہیں ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے لیے سفر کرنا جائز نہیں یہ لوگ سعدی جامی اور حافظ جیسے مشائخ کی تکفیر کرتے ہیں نیز ان وہابیوں نے حریم شریفین کے اندر جو غلط اقدامات کیے ہیں وہ بہت ناپسندیدہ اعمال ہیں، انہوں نے وہاں گھروں کو مسما کرنا لوگوں کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا جیسے اقدامات کیے ہیں۔

پھر ان لوگوں کے بارے میں فتویٰ یہ ہے کہ ان وہابیوں کا ایمان اور اسلام سے کوئی تعلق نہیں ان کے ساتھ اشتراط جائز نہیں نہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جائز ہے اور ضروری ہے کہ ان وہابیوں کو مساجد میں نہ آنے دیا جائے کہ ان کا وجود مسجد میں فتنہ پیدا کرنے کا سبب ہو سکتا ہے اور مشہور صوفی مفسر علامہ سہیل بن عبد اللہ تستری نے فرمایا ہے جس آدمی کا ایمان پختہ عقیدہ توحید درست ہو تو وہ کسی متبدع کے ساتھ تعلق قائم نہیں رکھے گا نہ ان کے ساتھ بیٹھے گا نہ ان کے ساتھ کھائے گا نہ پیئے گا، بلکہ ان کے ساتھ عداوت اور دشمنی رکھے گا اور جو آدمی متبدع کو خوش آمدید کہے گا وہ ایمان کی حلاوت سے محروم ہوگا مو اور جو آدمی کسی متبدع سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل سے ایمان کا نور سلب کرے گا۔

اور خطاوی حاشیہ در مختار کتاب الذبائح میں ہے طائفہ ناجیہ آج مذاہب اربعہ کے اندر جمع ہو گیا ہے وہ حنفی مالکی شافعی اور حنبلی ہیں اور جو شخص ان سے خارج ہے وہ اہل بدعت میں سے ہے جو جہنمی ہے ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں کہ وہ اپنے عقیدے کے اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں اور علامہ شافعی نے رد المحتار میں لکھا ہے ہمارے زمانے کے وہابیوں کا اتباع ایسا ہے جیسا خوارج کا اتباع جو کہ حضرت علی کے زمانے میں نکل آتے تھے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۰۹)

جید عالم..... عظیم انسان

ڈاکٹر سرفراز نعیمی ایسے عظیم عالم اور بڑے شخص تھے ان کی اندوہناک اور المناک شہادت پر اپنے ہی نہیں غیروں نے بھی آنسوؤں کا نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ وہ ممتاز عالم دین تو تھے ہی لیکن وہ ایک عظیم اور آج کے دور میں سچے انتہائی روایتی اور ایسی شخصیت تھے کہ ان کے پچھڑ جانے کے بعد ان کا خلاء کبھی پورا نہیں ہوگا۔ میری ان کی نصف صدی کی نیاز مندی تھی، ان کے والد گرامی حضرت مفتی محمد حسین نعیمی مجھ سے بڑی شفقت اور محبت کرتے تھے۔ مجھے ان کی صحبت میں بیٹھنے، ان سے علم حاصل کرنے کا شرف و اعزاز حاصل ہوا۔ عام طور پر یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ بڑے عالم دین کی اولاد ان جیسی بڑی عظیم نہیں ہوتی، لیکن علامہ سرفراز نعیمی اپنے والد گرامی کے صحیح اور سچے جانشین تھے۔ والد کا علم و فضل، سادگی، دین و مذہب سے انتہائی محبت اور موقف پر چٹان کی طرح ڈٹے رہنا سب سے بڑھ کر عشق رسول انہیں وراثت میں ملا تھا۔ انہوں نے ساری زندگی انتہائی سادگی سے بسر کی، کبھی بھی کسی عہدے کی آرزو نہیں کی اور نہ ہی سرکار و دربار سے وابستہ ہوئے، اگرچہ میاں نواز شریف، میاں شہباز شریف سے ان کا قریبی تعلق تھا۔ وہ میاں نواز شریف کے بچپن کے ساتھیوں میں سے تھے۔

مرحوم میاں شریف کا مولانا مفتی محمد حسین نعیمی سے عقیدت و احترام کا ایک دیرینہ رشتہ تھا۔ مولانا نعیمی چوک دالنگراں کی جامع مسجد میں خطیب تھے۔ ان دنوں میاں شریف کی سرانے سلطان میں رہائش تھی، جہاں میاں نواز شریف، شہباز شریف کی علامہ سرفراز نعیمی سے دوستی اور تعلقات کا آغاز ہوا اور محبت کا یہ رشتہ آخری وقت تک قائم رہا، میاں نواز شریف دو بار وزیر اعظم اور شہباز میاں وزیر اعلیٰ پنجاب رہے اور اس وقت بھی ہیں، ان کی خواہش رہی کہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی کی ملکی خدمات سے استفادہ کیا جائے، لیکن ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کبھی بھی ان کی ایسی کسی پیش کش کو قبول نہیں کیا اور نہ ہی کوئی سرکاری مراعات حاصل کی، جب وزیر اعلیٰ پرویز الہی نے قرآن بورڈ قائم کیا تو ان کی خواہش تھی کہ ڈاکٹر نعیمی

کو کورس کا سربراہ بنایا جائے، لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس پیش کش کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ میں سرکاری عہدہ لینا پسند نہیں کرتا۔ آج بہت سے علماء کرام ایسے ہیں جن کے پاس بڑی بڑی گاڑیاں ہیں، ٹھاٹس ہاٹ ہیں لیکن ڈاکٹر شہید درویش صفت شخصیت تھے۔ ان کے پاس ایک پرانی موٹر سائیکل تھی جس پر وہ زندگی بھر سفر کرتے رہے، ان کا تعلق اہلسنت (بریلوی) مسلک سے تھا، لیکن تمام مسالک میں مقبول و محبوب تھے۔ مولانا مفتی محمد حسین نعیمی کا تعلق جمعیت علماء پاکستان سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قائد اہلسنت قائد ملت اسلامہ امام مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد ملت مولانا عبدالستار نیازی، ڈاکٹر سرفراز نعیمی سے بڑی محبت کرتے تھے، اور جامعہ نعیمیہ کی تقاریب میں شریک ہوا کرتے۔ مولانا نورانی جب لاہور تشریف لاتے تو جامعہ نعیمیہ جایا کرتے اور ڈاکٹر صاحب بھی ان سے ملنے جاتے تھے اور یہ دونوں قائدین ان کی دینی علمیت اور کردار کے معترف بھی تھے، اگرچہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی کا کسی سیاسی جماعت سے عملاً تعلق تو نہیں تھا لیکن دینی جماعتوں کے پلیٹ فارم سے ملک میں نظام اسلام کے نفاذ کے لیے جدوجہد میں ہمیشہ شریک رہے۔ یہ ان کا ایک بڑا دینی کارنامہ ہے کہ انہوں نے 22 دینی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا اور جب توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کا فتنہ برپا کیا گیا تو جناب ڈاکٹر نعیمی کی قیادت میں سارا ملک سراپا احتجاج بن گیا جس نے حکومت کو بھی احتجاج کرنے پر مجبور کر دیا۔ آج جب ملک دہشت گردوں کے شدید بحران سے دوچار ہے اس وقت جن علماء کرام و مشائخ عظام نے آگے بڑھ کر ان کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کیا اور رائے عامہ کو ہموار کرنے میں کردار ادا کیا۔ ان میں ڈاکٹر نعیمی قائد کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے سوات، مالاکنڈ میں فوجی آپریشن کی بھرپور حمایت کی اور اسے ملک کے استحکام کی جنگ قرار دیا۔ ملک میں فتنے کی دینی تربیت کے لیے مولانا محمد حسین نعیمی نے جامعہ نعیمیہ قائم کر کے جس مشن کا آغاز کیا تھا اسے ڈاکٹر سرفراز شہید نے اسی جذبہ و لگن سے جاری رکھا، اس وقت لاہور میں ان کے 11 مدارس موجود ہیں اور دوسرے شہروں میں بھی بہت سے مدرسوں کا ان سے الحاق ہے، جہاں دینی تعلیم کے علاوہ جدید تعلیم کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

جامعہ نعیمیہ میں آئی ٹی کی تعلیم کا بھی اہتمام کیا گیا۔ میاں طارق شفیع نے شورکوٹ میں شوگر ملز کے ساتھ ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا تو جناب ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے اس کے قیام و انتظام کی ذمہ داری لی۔

ڈاکٹر سرفراز نعیمی شہید میں وہ تمام انسانی اقدار و روایات موجود تھیں جن سے آج کا نوجوان محروم ہے۔ وہ ایسے بڑے آدمی تھے جنہوں نے دین کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ یہ سچ ہے کہ وہ دین کی سربلندی اور وطن کے استحکام کے لیے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس طرح ملک ایک جید عالم، دردمند انسان اور محبت کرنے والی شخصیت سے محروم ہو گیا۔

آخر میں ان کے ہونہار صاحبزادے مولانا راغب نعیمی سے دلی اظہار تعزیت اس یقین کے ساتھ کہ وہ اپنے شہید والد گرامی کے مشن کی تکمیل تک نظریہ پاکستان کے تحفظ اور استحکام وطن کی جدوجہد میں اسی جذبے، لگن کے ساتھ شریک رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب شہید کو جنت الفردوس میں بلند درجات عطا فرمائے۔ (آمین)

اس سے قبل: پنجاب ہی کے ضلع قصور میں حضرت علامہ مولانا محمد اکرم رضوی کودن کی روشنی میں شہید کر دیا گیا تھا، مجرم گرفتار بھی ہوئے جن کا تعلق وہابی جہادی تنظیم سے تھا۔ مگر وہ چند دنوں کے بعد رہا کر دیئے گئے، کشمیر میں کتنے ہی صوفیوں اور سنی عالموں کو دن کے اجالے میں گولیوں سے بھون دیا گیا، اس کے علاوہ 13 اپریل 12 ربیع الاول 2006ء کراچی کے نشتر پارک میں ٹھیک اس وقت جب کہ اجتماع میلاد کے لوگ نماز مغرب ادا کر رہے تھے، نمازیوں کو دھماکے کے ذریعے شہید کر دیا گیا، اسی میں تقریباً 50 سے زیادہ شہید ہوئے اور 100 افراد شدید زخمی ہوئے، جب کہ تاحال مساجد و مدارس اور خانقاہوں میں مسلسل مسلمانوں کے اجتماعی قتل ہو رہے ہیں، یا اللہ آخر یہ کون سا جہاد ہے، اور یہ کیسی حکمرانی ہے، کہ جس میں اہل وطن کے مال، جان اور عزت تک کا تحفظ نہیں ہے۔“

فرقہ واریت پھیلانے کی امریکی سازش کو جمعیت

علمائے پاکستان نے ناکام بنا دیا

جمعیت علمائے پاکستان کی جانب سے آل مذہبی پارٹیز قومی کانفرنس مورخہ 14 مئی 2009ء کو لاہور میں منعقد ہوئی جس میں ملک کی 17 مذہبی جماعتوں نے شرکت کی۔
 (۱) جمعیت علمائے پاکستان کے صاحبزادے ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر، پیر اعجاز ہاشمی، قاری زوار بہادر، علامہ سید شبیر احمد ہاشمی، چودھری محمد یعقوب، ڈاکٹر جاوید اعوان، علی حیدر نور خان نیازمی، ایم پی اے (۱) جماعت اسلامی پاکستان سید منور حسن، قاضی حسین احمد لیاقت بلوچ، ڈاکٹر فرید احمد پراچہ (۳) جمعیت علماء اسلام (ف) مولانا فضل الرحمن اور دیگر (۴) اسلامی تحریک پاکستان کے علامہ سید ساجد علی نقوی، اور دیگر (۵) جمعیت علماء اسلام (س) مولوی اجمل قادری اور دیگر (۵) مرکزی جمعیت الامجدیث پروفیسر ساجد میر، (۶) مرکزی جماعت اہلسنت کے پیر میاں عبدالحق آف بھر چوٹدی شریف (۷) جمعیت علماء جموں کشمیر کے پیر عتیق الرحمن (ایم ایل اے) (۸) جمعیت علماء پاکستان نفاذ شریعت کے خان سلیم اللہ خان (۹) کاروان اسلام مفتی محمد خان قادری (۱۰) تنظیم المدارس کے ڈاکٹر سرفراز نعیمی (۱۱) وفاق المدارس کے مولانا فضل الرحیم، (۱۲) وفاق المدارس شیعہ کے علامہ قاضی نیاز حسین نقوی، (۱۳) تحریک منہاج القرآن والے ڈاکٹر رفیق عباسی، (۱۴) اسلامی شریعہ کونسل مولانا زاہد الراشدی (۵) جمعیت الامجدیث مولانا اہتسام الحق ظہیر (۱۶) تذکرہ اسلام کونسل پاکستان مولانا اکرم کشمیر، (۱۷) پاکستان امن کونسل مفتی صفدر علی، اس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر نے وزیر اعظم کی

A.P.P.C میں J.U.P کا فوجی آپریشن کی مخالفت کی اور کہا کہ مزارات، خانقاہوں، دینی مدارس، مساجد، امام بارگاہوں کی بے حرمتی کی ہم شدید اور سخت مذمت کرتے ہیں، اور ملک بھر میں امام بارگاہوں، اسکولوں، مسجدوں، سیکوریٹی فورسز منتہی عوام پر خودکش حملوں کی سخت مذمت کرتے ہیں، طالبان کے بعض گروپ بھارتی اور امریکی ایجنڈے کی تکمیل کر رہے ہیں جس کی ہم سب مذمت کرتے ہیں یہ سب کھیل مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی بہت بڑی سازش ہے، جس کو ہم کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے، تمام شرکاء نے اس کی حمایت کی۔

اپر رحمت تیرے مرقد پر گہر باری کرے
 حشر میں شان کریں ناز برداری کرے

یہ صدی غلبہ اسلام کی صدی ہے
 قول نائب مجدد الف ثانی
 مجدد امام شاہ احمد نورانی صدیقی

سانحہ نشر پارک کی آزادانہ تحقیقات ہو جائیں تو یہ سانحہ کبھی رونما نہ ہوتا۔
 واشنگٹن مسلمانوں میں جذبہ جہاد سرد اور اپنے مخالفین کو ختم کرنا چاہتا ہے
 ہم مشرف کے کیے کو آج تک بھگت رہے ہیں۔ پاکستان میں بلیک وائر
 نامی امریکی تنظیم کے ایجنٹ بھی آگئے ہیں، لیفٹیننٹ جنرل (ر) حمید گل
 پاکستان اس وقت اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے، دہشت
 گردی، فائرنگ اور خودکش حملوں کے ایک نہ رکنے والے سلسلے نے ملکی سالمیت کے حوالے
 سے ہر کسی کو پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے، پشاور کے خودکش حملے سے ابھی سنبھل نہ پائے تھے
 کہ جامعہ نعیمیہ لاہور کے منتظم اعلیٰ علامہ سرفراز نعیمی کو ایک خودکش حملے میں شہید کر دیا گیا۔
 دوسری جانب نوشہرہ میں آرمی سپلائی ڈپو کے نزدیک مسجد میں خودکش دھماکے سے قیمتی
 جانیں ضائع ہوئیں، ملک میں ہونے والے ان خودکش حملوں کے پیچھے کون کون سے عناصر
 ہو سکتے ہیں یہ جاننے کے لیے امت نے ملٹری انٹیلی جنس اور آئی ایس آئی کے سابق ڈی جی
 معروف عسکری دانشور لیفٹیننٹ (جنرل ر) حمید گل سے گفتگو کی جو پیش خدمت ہے۔

س: جنرل صاحب مساجد پر حملے اور اب دارالعلوم نعیمیہ میں خودکش حملے کے نتیجے میں
 مولانا مفتی سرفراز نعیمی کی شہادت کے پیچھے کون سے عناصر کارفرما ہو سکتے ہیں؟

ج: مجھے ڈاکٹر سرفراز نعیمی اور ان کے ساتھیوں کی شہادت پر شدید صدمہ ہے، ڈاکٹر سرفراز
 نعیمی صاحب کے ساتھ میرے بہت اچھے دیرینہ مراسم تھے، میں ڈاکٹر صاحب کا بہت
 احترام کرتا تھا اور وہ جہاد کے مخالف بالکل بھی نہیں تھے، اگر کسی کے ذہن میں یہ ہو کہ وہ جہاد
 کے خلاف تھے تو وہ غلط فہمی پر مبنی ہے، بلکہ جب افغانستان پر امریکی حملہ ہوا تھا تو سب سے
 زیادہ احتجاج جامعہ نعیمیہ نے کیا تھا اور انہوں نے اس حملے کے خلاف ایک اجتماع جامعہ
 میں منعقد کیا تھا جس میں، میں بھی شریک ہوا تھا۔ یہ امریکہ کی گھناؤنی اور خطرناک سازش

ہے جس کے تحت پاکستان کو فرقہ واریت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔

س: آپ نے کہا کہ یہ ایک گھناؤنی سازش ہے، اس سازش کا پس منظر ہے؟

ج: میں نے کچھ عرصہ پہلے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ تھنک ٹینک رپنڈ کارپوریشن
 کی یہودی اسکالر اور زلمے خلیل زاد کی بیوی شرل برنارڈ (Chyral Bernard) نے
 ایک تحقیقی مقالہ لکھا تھا، امریکہ کی تمام خفیہ کارروائیاں اسی مقالے کی روشنی میں ہو رہی ہیں،
 اس مقالے میں واضح اشارے دیئے گئے تھے کہ مسلمانوں کے اندر جذبہ جہاد ختم کرنے
 کے لیے کون کون سے طریقے اختیار کیے جائیں، مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو بے اثر کر دیا
 جائے، مسلمانوں کی فرقہ وارانہ تقسیم پر اس مقالے میں بھرپور طریقے سے جائزہ لیا گیا ہے
 اور مسلم معاشرے کے اندر فرقہ وارانہ تقسیم کا نہایت گہرائی سے جائزہ لیا گیا تھا۔ اسی کو مسلم
 معاشرے کی تحلیل کے منصوبے کے لیے استعمال کیا گیا۔ شرل برنارڈ نے مسلمانوں کو چار
 طبقات میں تقسیم کیا تھا۔ پہلے طبقے میں بریلوی، دوسرے میں دیوبندی اور اہل حدیث اور
 تیسرے میں شیعہ مکتبہ فکر کے تمام مسلمانوں کو شامل کیا، جب کہ چوتھا طبقہ لبرل مسلمانوں پر
 مبنی تھا جو کسی بھی مسلک پر عمل نہیں کرتا، لبرل مسلمانوں کے بارے میں شرل برنارڈ کی
 رائے تھی کہ ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ لہذا یہ کچھ نہیں کر سکتے البتہ باقی تین مسلمان
 طبقات کو آپس میں متصادم کرانے کے اچھے نتائج نکل سکتے ہیں، اس وقت پاکستان میں
 بھی کھیل کھیلا جا رہا ہے، خاص طور پر شمال مغربی علاقے اس منصوبے کا ہدف ہیں، اس کھیل
 میں ضروری نہیں کہ فرقہ وارانہ عصبیت رکھنے والے ہی ہوں کوئی دوسرا بھی ہو سکتا ہے، اگر کھلی
 آنکھ اور کھلے ذہن کے ساتھ تحقیقات کی جائے تو اس کھیل کے اصل کھلاڑی سامنے آئیں
 گے۔

س: کیا یہ کھیل کے تحت پہلی کارروائی تھی؟

ج: نہیں اس کا آغاز سانحہ نشر پارک سے کیا گیا تھا، اس امر کی منصوبہ کے تحت

2006ء میں نشتر پارک میں سنی تحریک کی پوری قیادت کو ختم کیا گیا تھا اور یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے لبرل مسلمانوں کو استعمال کیا گیا تھا۔ جس کی قیادت پرویز مشرف کر رہے تھے۔ اس واقعے میں 51 مسلمان شہید ہوئے تھے اور ان کی شہادت کے لیے اس قدر مقدس دن کا انتخاب کیا گیا تھا اور ایک مقدس اجتماع کو نشانہ بنایا گیا تھا، اسی وقت سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اب یہ نیا سلسلہ شروع ہوگا۔ اس وقت مجھے پاکستان کے دشمن اپنے دو مقاصد میں کامیاب نظر آ رہے ہیں، جس کا اور اک کرنا چاہیے، سابقہ اور موجودہ حکومت نے سانحہ نشتر پارک کی کوئی تحقیق نہیں کی، اسے سرخانے میں ڈال دیا، باوجود اس کے کہ بہت احتجاج ہوتے رہے لیکن اس مسئلے پر حکومت کے کان پر کوئی جوں تک نہیں رہی، اب بات حد سے بہت آگے نکل گئی ہے اور وہ دو بڑے مقاصد میں کامیاب نظر آتے ہیں ایک تو اس مقالے کی روشنی میں امریکیوں کا مقصد تھا کہ پاکستانی فوج کو پاکستان کے قبائلیوں کے ساتھ لڑا دیا جائے، میں اس وقت اس بحث میں نہیں پڑتا۔ کہ کون غلط ہے کون صحیح ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ امریکی عناصر قبائلیوں کے اندر سرایت کر گئے اور امریکی شیطانی منصوبے کے تحت اس کے ایجنٹوں نے ان کے اندر اپنے پورے قدم جما لیے ہیں، ایک بار بار یہ کہتا رہا۔ ہوں کہ پاکستان میں بلیک وائرنامی تنظیم کے لوگ بھی آگئے ہیں اور انہوں نے یہاں پر اسپانڈ گروپ بھی قائم کیے اور ڈکٹیٹر پرویز مشرف کی موجودگی میں انہوں نے سب کچھ کیا اور انہیں اس نے اپنا کام پھیلانے کی پوری آزادی دی۔ نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق امریکیوں نے اپنی اسپیشل فورسز کے پونٹ بھی پاکستان میں داخل کیے، اس کے علاوہ را، موساد اور افغانستان کی سابق کیوٹس انٹیلی جنس نے اپنا کھیل کھیلنا شروع کر دیا ہے، ان ایجنسیوں نے اپنا پہلانیٹ ورک کراچی میں قائم کیا اور سابقہ دور میں لاہور میں بھی یہ نیٹ ورک قائم کر لیا، مجھے تو اسی نیٹ ورک کا یہ شاخسانہ لگتا ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ پرویز مشرف نے دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ میں امریکہ کا آلہ کار بننے کا جو

فیصلہ کیا یہ اسی کرنی کا پھل ہے، ہم مشرف کے کیے کو آج تک بھگت رہے ہیں کہ 30 لاکھ افراد اسی پالیسی کے نتیجے میں آج بے گھر ہیں۔ اس سے نجات کے لیے ہم سب کو سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا، اور بہت کوشش کرنا ہوگی۔ اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے لیکن یہ بھی بڑی واضح حقیقت ہے، کہ حکومت اس ذمہ داری کو نبھانے میں ناکام ہو گئی ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ اب یہ حکومت کے بس کا روگ نہیں رہا ہے۔ امریکہ کے یہی دونوں مقاصد تھے، یعنی فرقہ واریت کا پھیلاؤ اور فوج کو عوام سے لڑا دینا اب اس مسئلے کے حل کے لیے علماء اور رسول سوسائٹی کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ لیکن حکومت کسی کو بھی خاطر میں نہیں لارہی، وہ اپنی نئی ڈگر پر چلی جا رہی ہے، وہ ایک ڈکٹیٹر کی غلط پالیسیوں کے تسلسل پر نہ صرف قائم ہے بلکہ اسے جاری رکھنے پر مصر ہے، ہم پر یہ حکومت جس ذیل کی وجہ سے ہم پر مسلط کی گئی ہے اس ذیل کو اب عوام کے اندر لانا ہوگا، یہ کام پارلیمنٹ کا ہے کیونکہ 18 فروری 2008ء کے انتخابات میں عوام نے ڈکٹیٹر شپ کے خلاف ووٹ دیا تھا، اس کی پالیسیوں کو مسترد کیا تھا۔ ان انتخاب نے پارلیمنٹ تو قائم کی لیکن حکومت قائم نہیں کی۔ حکومت اسی ذیل کے نتیجے میں آئی۔

س: بلیک وائرنظیم کس کی ایجنسی ہے؟

ج: بلیک وائرن سابق نائب امریکی صدر ڈک چین کی ایجنسی ہے، اسے آپ ان کا گینگ سمجھ سکتے ہیں کیونکہ یہ ایک پرائیویٹ ایجنسی ہے جس میں کرائے کے قاتل ہوتے ہیں جو اس بات پر اصرار کر رہے تھے کہ ہم پاکستان کے فوجیوں کو دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے تربیت دیں گے کیونکہ ڈک چین نے اپنے ٹی گینگ کو یہی قانونی لہاؤ پہنایا تھا۔ جس کے جواب میں چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق کیانی نے کہا کہ ہمیں ایسے ٹرینرز یا اس قسم کی تربیت دینے والوں کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس سے پہلے پرویز مشرف کے دور میں ان کے کچھ لوگ آچکے تھے لیکن جنرل کیانی نے انہیں دور کیا اور کہا کہ ہم ٹریننگ کی

ضرورت نہیں ہے، ہماری فوج تربیت یافتہ ہے، یہ عام باتیں جو صیغہ راز میں رہی ہیں ان کا منظر عام پر آنا اب ضروری ہے کہ اس ایجنسی کے کتنے ٹرینرز ہیں، کون ہیں، کہاں کہاں پر ہیں۔ ان کے پاس کون سے آلات اور ہتھیار ہیں ان تمام باتوں کو اور ان کے نیٹ ورک کو قوم کے سامنے لایا جائے۔ قوم کو دھوکے میں نہ رکھا جائے قوم کو تاریک راہوں پر نہ مارا جائے، میں یہ بھی کہوں گا کہ اس سانحہ سے بعض ایسے عناصر بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں جن کا دینی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر سانحہ فکٹر پارک کی آزادانہ تحقیقات ہو جائیں تو شاید یہ سانحہ بھی رونما نہ ہوتا۔ لیکن اس واقعے کی آڑ میں بہت سے سیکولر عناصری اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے شامل ہو جائیں گے حقیقت یہ ہے کہ ملک انتشار کا شکار ہو رہا ہے، ملک کو سنبھالنے کے لیے ضروری ہے کہ علمائے کرام اپنا کردار ادا کریں اور اسی کے لیے سنجیدگی کے ساتھ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہمارے آلہ کار بننے کی حیثیت کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور اس شراکت کو ختم کیا جائے کیونکہ اس وقت ڈرن حملے بھی جاری ہیں اور خود کش حملے بھی جاری ہیں۔

س: شریک عناصر کو کیسے ہمارے اندر داخل ہونے کا موقع مل گیا؟ ہماری انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اس کا سد باب کیوں نہیں کیا؟

ج: پرویز مشرف نے سی آئی اے کو قبائلی علاقوں میں سرگرمی سے کام کرنے کی اجازت دے دی تھی، اور اپنی انٹیلی جنس ایجنسیوں کو وہاں کام کرنے سے روک دیا تھا، یہ اس کے بھی اثرات ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکی ایجنٹ ہمارے اندر بری طرح داخل ہو چکے ہیں، ہم اپنے دشمنوں کو اپنا دوست سمجھ کر بلکہ اس سے بھی آگے ہم ان کے غلام بن کر کام کر رہے ہیں، طالبان کی بظاہر دشمنی کے رنگ میں جو یہ آواز بلند کر رہے ہیں کہ اپنے اپنے علاقوں اور محلوں میں فورسز اور ٹیمیں لڑائی کے لیے تیار کریں، دراصل یہ بھی امریکی ایجنڈا ہیں کہ جس طرح طالبان مختلف گروہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں، اسی طرح پورے

ملک میں یہ بنائی ہوئی فورسز اور ٹیمیں اندرون ملک خانہ جنگی شروع کر دیں۔ سرفراز نسیمی کی شہادت ایک ایسی علامت ہے جس سے لگتا ہے کہ امریکہ اپنے تمام سنجیدہ مخالفین کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

بدقسمتی تو یہ ہے کہ اب تک لاہور میں ہونے والی دہشت گردی کی تمام وارداتوں میں بھارت ملوث نظر آیا ہے، انہوں نے کہا کہ جامعہ نعیمیہ میں ہونے والی دہشت گردی فرقہ وارانہ کارروائی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ڈاکٹر سرفراز نسیمی کی شخصیت ایسی نہیں تھیں، اکثر جگہ ہم لوگ اکٹھے ہوا کرتے تھے، مگر ان کی ذات میں ایک فرقہ پرست میں نہ کبھی نہیں دیکھا، جب وہ فرقہ پرست تھے ہی نہیں تو پھر ان کا قتل فرقہ وارانہ کیسے ہو گیا۔ جو لوگ ایسا کہہ رہے ہیں وہ ان کے قتل کی اہمیت کم کر رہے ہیں۔

علامہ سرفراز نسیمی کی المناک شہادت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لال مسجد اسلام آباد کے نائب خطیب مولانا عامر صدیق نے کہا: ”اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ علامہ ڈاکٹر سرفراز حسین نسیمی انتہائی معتدل مزاج اور قابل قدر عالم دین تھے، تمام مسالک فکر میں ان کا یکساں احترام کیا جاتا تھا۔ وہ مصلحت کے بغیر حق پر ڈٹ جانے والی شخصیت تھے، لال مسجد کے سانحے میں حضرت سرفراز حسین نسیمی ہمارے ساتھ رہے، ان کی شہادت بہت بڑا سانحہ ہے، موت العلم موت العلم ہے۔ یہ انتہائی قابل مذمت فعل ہے، ملک دشمن عناصر کی اس کارروائی سے مذہبی طبقے کا بڑا نقصان ہوا ہے۔ ہم اس واقعہ کی شدید مذمت کرتے ہیں اور آپس میں اتحاد و اتفاق رہ زور دیتے ہوئے ہم تمام علماء سے گزارش کریں گے کہ اس طرح کے ملی سانحات سے بچنے کے لیے عملی اقدامات کریں، اگر ڈاکٹر سرفراز نسیمی صاحب جیسی شخصیات کے ہمارے درمیان اس طرح اٹھ جانے پر بھی ہم نے ہوش کے ناخن نہ لیے۔

☆☆☆

دہشت گردی اور قتلِ ناحق کا حکم

مفکرِ اسلام حضرت علامہ مفتی منیب الرحمان کا فتویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پاکستان میں متعدد مقامات (مساجد، امام بارگاہیں اور پبلک مقامات وغیرہ) پر اندھا دھند فائرنگ کر کے یا بم بلاسٹ کر کے اجتماعی قتل کے واقعات ہو رہے ہیں، اسی طرح بعض اشخاص پر خصوصی ہدف بنا کر حملے کیے جا رہے ہیں، جنہیں عرف عام میں (Target Killing) کہا جاتا ہے، بعض علمی، سماجی، ملی اور قومی شخصیات بھی اس کا ہدف بن رہی ہیں۔ اب ایک عرصے سے فکری و نظریاتی طور پر سیکولر، لیبرل اور اسلام کو ناپسند کرنے والے افراد اس کا سارا الملبہ اسلام پر ڈال رہے ہیں اور ان کی رائے میں یہ سب کچھ اسلام کے نام پر ہو رہا ہے۔ اور اسلام کے نام پر جذباتی نوجوانوں کو ایسی کاروائیوں پر آمادہ کیا جاتا ہے اور ان کے ذہنوں میں یہ راسخ کر دیا جاتا ہے کہ گویا یہ ”جہاد فی سبیل اللہ“ ہے، تو جب تک اس مسئلے کے بارے میں اسلام کے شرعی احکام کو واضح نہیں کیا جائے گا، موجودہ دور میں اس کا ذمہ دار اسلام اور علماء اسلام ہی کو گردانا جاتا رہے گا، لہذا الزام کرم ایسی کاروائیوں کا شرعی حکم بیان فرمائیں تاکہ عام مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلامی تعلیمات کا حقیقی تصور واضح ہو۔

المستفتی

مولانا محمد نصیر اللہ نقشبندی

نیریاں شریف، آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام مسلمان محفوظ الدم ہیں، فقہی اصطلاح میں اسے ”محقون الدم“ اور ”مصنون الدم“ بھی کہتے ہیں، یعنی بغیر کسی وجہ شرعی کے ان کا خون بہانا حرام ہے اور وہ شرعی وجوہ، جن کے سبب کسی مسلمان کا خون مباح ہو جاتا ہے، یہ ہیں۔

(الف) یہ کہ کوئی مسلمان العیاذ باللہ مرتد ہو جائے۔

(ب) کسی کو ناحق قتل کرے۔

(ج) شادی شدہ زانی ہو۔

ان وجوہات کے سوا مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے۔ اور جو مسلمان ان وجوہ میں سے کسی ایک کا ارتکاب کر لے، تو وہ پھر ”محقوق الدم“ نہیں رہتا۔ بلکہ ”مباح الدم“ ہو جاتا ہے، یعنی اس کی جان کی حرمت باقی نہیں رہتی، لیکن اس کے باوجود اس کو قصاص یا حد شرعی میں قتل کرنا عوام کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ اسلامی حکومت کا منصب اور اس کی ذمہ داری ہے، قرآن مجید میں ہے۔

ترجمہ: ”جو شخص کسی مومن کو عداقت کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اور (اللہ تعالیٰ نے) اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (سورۃ النساء: 93) اس آیت کے تحت مومن کے قتل عائد (یعنی دانستہ کسی ایسی جان کو ارادہ قتل سے تلف کرنے والا، جسے شریعت نے حرام و محفوظ قرار دیا ہے) کو آخرت میں جہنم کی دائمی سزا، اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب عظیم کا سزاوار قرار دیا گیا ہے۔ پھر اس پر مفسرین و فقہاء نے بحث کی ہے کہ آیا اب ”قتل عمد“ کا مرتکب ابدی اور دائمی جہنم کی سزا کا حقدار ہے یا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، کیونکہ اگر یہ حکم مطلق اور قطعی ہے تو بظاہر یہ قرآن کی اس آیت سے متعارض ہے کہ:

ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ شریک ٹھہرانے کو تو (ہرگز) معاف نہیں فرماتا اور اس کے علاوہ دیگر گناہوں کو جس کے لیے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔ (النساء: 48) تو اس استثناء کے عموم میں تو ”قتل عمد“ بھی آتا ہے۔ چنانچہ ان دونوں آیات میں تطبیق کرتے ہوئے سورۃ النساء آیت نمبر 93 کی تفسیری بحث میں علامہ محمود آلوسی نے تفسیر

روح المعانی میں لکھا ہے۔

اگر اس آیت کو اپنے ظاہری مفہوم پر قائم رکھا جائے تو پھر مومن کے "قاتل عام" سے مراد وہ قاتل ہوگا، جو اسے حلال سمجھ کر قتل کرے، تو پھر تو ایسے شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے اور نہ ہی یہ پھر محل نزاع ہے۔ (کہ وہ دائمی طور پر جہنمی ہی ہے) انہوں نے مزید لکھا کہ عکرمہ، ابن جریج اور مفسرین کی ایک جماعت نے اس آیت میں "معتدا" کی تفسیر میں مستحلاً کی قید لگائی ہے کہ جو حلال جان کر "قتل عمد" کا ارتکاب کرے۔

(روح المعانی جلد 5: ص 17 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

"عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: لا يحل دم امرئ مسلم يشهد ان لا اله الا الله واني رسول الله، الا باحدى ثلث بالنفس، والقيب الزاني، والمارق لدينه التارك للجماعة" ترجمہ: "عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کہ جو مسلمان اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی جان لینا سوائے تین وجوہ کے حلال نہیں ہے۔ (ایک) جان کے بدلے میں جان (یعنی اس نے ناحق کسی کو قتل کیا ہو اور قصاص میں اس کی جان لی جائے)، (دوسری) شادی شدہ زانی اور (تیسری) جماعت (کی متفق علیہ راہ) کو چھوڑ کر دین سے نکلنے والا (یعنی مرتد ہو جائے)، (مکتوبہ بحوالہ صحیح بخاری صحیح مسلم)"

صحیح مسلم کتاب الایمان میں ہے۔

عن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه، قال قال رسول الله ﷺ

سباب المسلم فسق وقتاله كفر

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳)"

اس حدیث کی شرح میں علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدین نووی لکھتے

ہیں۔

ترجمہ: "کسی کو ناحق قتل کرنے سے اہل حق کے نزدیک ایسا کفر لازم نہیں آتا، جس کے باعث وہ ملت اسلام سے خارج ہو جائے، جیسا کہ ہم نے متعدد مقامات پر پہلے بھی بیان کیا ہے، سوائے اس کے کہ وہ قتل ناحق کو حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرے، تو کہا گیا ہے کہ حدیث کی تاویل میں کئی اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ (اگر کفر کو اپنے حقیقی اصطلاحی معنی پر محمول کیا جائے) تو اس سے مراد وہ شخص ہے، جو حلال جان کر قتل ناحق کا ارتکاب کرے، (شرح نووی، جلد 1 ص 54)

فتاویٰ عالمگیری جلد نمبر 6 ص 3 پر ہے۔

"ويقتل المسلم بالدمي"

ترجمہ: "اور مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قصاصاً قتل کیا جائے گا۔"

امام ابوحنیفہ کے نزدیک غیر مسلم کی بھی جان اور مال محفوظ ہے اور اگر کسی مسلمان نے اس کو بغیر کسی وجہ شرعی کے قتل کر دیا تو وہ مسلمان بھی واجب القتل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان میں رہنے والے تمام ایسے مسلمانوں (جو شرعی طور پر محفوظ الدم ہیں) اور ایسے تمام پابند آئین و قانون غیر مسلموں (جو پاکستان کے مستقل شہری ہیں یا بذریعہ ویزا آنے کی وجہ سے قانونی طور پر حکومت پاکستان کی امان میں ہیں اور جنہوں نے کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کیا، جس سے وہ مباح الدم ہو گئے ہوں) کی جان و مال محفوظ ہے اور ان کو کسی وجہ سے شرعی کے بغیر ناحق قتل کرنا حرام ہے اور ان کو حلال اور جائز سمجھ کر قتل کرنا فقہاء احناف کے نزدیک کفر ہے اور ہر مسلمان، جو شرعاً محفوظ الدم ہے، کو بغیر کسی شرعی وجہ کے جائز سمجھ کر قتل کرنا تمام آئمہ کے نزدیک کفر ہے، فتاویٰ عالمگیری جلد 6 ص 3 پر ہے۔

"القصاص واجب بكل محقون الدم على التابيد اذا قتل عمدا كذا

في الهداية"

ترجمہ: "جس جان کو شریعت نے ہمیشہ کے لیے محفوظ و محترم قرار دیا ہے، اسے عمداً قتل

کر دیا جائے، تو قصاص واجب ہے، ہدایہ میں اسی طرح ہے۔“

لہذا جہاد سمجھ کر خود کش حملے کرنا، بمب بلاسٹ کرنا، اور فائرنگ کر کے مساجد اور عوامی اجتماعات میں مسلمانوں کا قتل عام کرنا صرف حرام ہی نہیں ہے بلکہ حلال، جائز اور کار ثواب سمجھ کر یہ کام کرنا کفر صریح ہے۔ اور اگر وہ قتل کرنے کو شرعی طور پر حرام سمجھتے ہوئے مغلوب الغضب ہو کر ذاتی دشمنی کے تحت انتقام یا کسی اور نفسانی وجہ سے کسی مسلمان یا غیر مسلم ذمی (Legal & Law Abiding Non-muslim Citizen) کو قتل کر دے تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔

حدیث پاک میں ہے۔

”عن عبد اللہ بن عمرو قال ، قال رسول اللہ ﷺ الکبائر الاشرک باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس والیمن الغموس“

ترجمہ ”عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، (ناحق) انسانی جان کو قتل کرنا اور (ماضی کے بارے میں قصداً) جھوٹی قسم کھانا (سب کے سب) کبیرہ گناہ ہیں، (صحیح بخاری و صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ، باب الکبائر)“

یہ مسئلہ ہم نے پاکستان کے تناظر میں لکھا ہے، جہاں حاکم بھی مسلمان ہیں، عوام کی غالب اکثریت بھی مسلمان ہے اور ملک آئینی طور پر ایک اسلامی جمہوری مملکت ہے، اور جہاں وقتاً فوقتاً افراد اور بعض صورتوں میں اجتماعات (مساجد، امام بارگاہوں اور پبلک مقامات) پر قاتلانہ حملے ہوتے ہیں، بمب بلاسٹ کیے جاتے ہیں اور تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ اس کے پیچھے دینی اور مذہبی محرکات کارفرما ہیں۔ اور بعض عناصر یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ دینی اور مذہبی رہنمایا تنظیمیں اپنے جذباتی کارکنوں کو اس قسم کی کارروائیوں پر ان کی ذہنی تطہیر (Brain Washing) کر کے ان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہیں کہ وہ بمب بلاسٹ یا حملہ کر کے انسانوں کی جانیں لیں۔ انہیں آج کل عرف عام میں ”خود کش

حملے“ (Suicidal Attacks) کہا جاتا ہے اور یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی گئی ہے کہ یہ کار خیر اور جنت کا راستہ ہے اور یہ بات اسلام کی بدنامی کا باعث بنتی ہے، لہذا ہم نے اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہوئے شرعی حکم بیان کیا ہے، تاکہ اسلام کی پوزیشن واضح ہو جائے۔

البتہ وہ ممالک، جہاں غیر ملکی ظالمانہ اور جاہلانہ قوتوں کا تسلط ہے اور کھلے میدان میں مظلوم اور مجبور عوام شدید ترین وسائل اور اسلحہ سے ایس ان غاصب طاقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یا جہاں مسلمانوں کو ان کے اپنے وطن میں ان کے مسلمہ انسانی، قومی، دینی، ملکی اور ملکی حقوق سے محروم کر کے انہیں محکوم اور غلام قوم کی حیثیت سے رہنے پر مجبور کیا گیا ہے، ان کے معروضی حالات اور احکام کی نوعیت الگ ہے، کیونکہ مسلمہ بین الاقوامی قوانین کے تحت اپنی وطنی، قومی، ملکی و ملی آزادی کے لیے غاصب و قابض قوتوں سے برسر پیکار ہونا کبھی بھی جرم نہیں گردانا گیا، امریکا اور افریقہ کے بیشتر ممالک کی جدوجہد آزادی اور ہندوستان کی تحریک آزاد اس کی نمایاں مثال ہے۔ لہذا پاکستان اور ان مقبوضہ خطوں (جیسے کشمیر و فلسطین وغیرہ) کی معروضی صورت حال اور اس کے شرعی اور فقہی احکام کو باہم خلط ملط نہ کیا جائے۔

نوٹ: اس فتوے پر پاکستان کے تمام مسالک کے نامور علماء و مشائخ کے دستخط ہیں۔ جنہوں نے اس فتوے کی تائید و توثیق و تصویب کی ہے۔

مرتب

9 دسمبر 2004ء

(مفتی منیب الرحمن)

چیرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان

(مہتمم دارالعلوم نعیمیہ، کراچی)

مسلمانین غیر مسلموں کے ساتھ رواداری

چار سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا کہ صدر ریش نے اپنے ایک اعلان میں کہا: اسلام فاشٹ مذہب ہے۔ میڈیائی افراد نے اس فقرہ کو خوب ہوا دی، پھر کیا تھا دانشوران اور مفکرین کو فکری گھوڑے دوڑانے کا ایک اور موقع ہاتھ آ گیا۔ ہر ایک نے اپنے اپنے اعتبار سے تحلیل و تجزیہ کیا جبکہ اسلامی مفکرین نے کبھی تنقیدی، کبھی تشریحی اور کبھی معروضی انداز اپنایا۔ تیرکمان سے نکل چکا تھا اس لئے فقرہ کو واپس لے بھی لیا جاتا تو بھی کوئی بات نہیں تھی۔ نوگیارہ کے بعد سے اس طرح کے اور بھی کئی فقرے مثلاً بنیاد پرستی (Fundamentalism)، تشدد پسندی (Extremism)، دہشت گردی (Terrorism)، ریڈیکل ازم (radicalism) اور اسلام ازم (Islamism) اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ چسپاں کیے جانے لگے جن کا مقصد اسلاموفوبیا کو ہوا دینا اور اسلام کے خلاف نفرت کے جذبات کو بھڑکانا ہے، ابھی حالیہ دنوں قبل صدر ریش کے اس جملہ کو مزید تقویت دینے کے لیے ملکی سطح پر ۲۲/ اکتوبر ۲۰۰۷ء سے ۲۶/ اکتوبر ۲۰۰۷ء تک امریکہ کی تقریباً ایک سو سے زائد یونیورسٹیوں کے طلبہ نے Islamo-Fascism Awareness week کے عنوان سے مسلمانوں کے خلاف پورا ہفتہ وقف کیا، پروگرام کی کامیابی کے لئے بڑے بڑے پوسٹرز اور چھوٹے چھوٹے فلائرز کا سہارا لیا گیا، پوسٹروں میں حلی حروفوں سے لکھا تھا ”کیا تم مسلمانوں سے نفرت کرتے ہو اگر یہ سچ ہے تو ہم بھی ہمارے ساتھ ہیں“ Hate Muslims so do we، اسلامک اویر نہیں ہفتہ کا اہتمام تشدد پسندی طلبہ نے کیا تھا، ملک کی کئی معتدل یونیورسٹیوں نے اس پروگرام کا بائیکاٹ بھی کیا، بالخصوص جورج واشنگٹن یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے اس پر سخت نوٹس لیا، یہ کہہ کر یونیورسٹی کی دیواروں پر آویزاں

پوسٹروں کو ہٹانے کا حکم دیا کہ ہم کسی مذہب یا فرد کے خلاف نفرت پھیلانے کے جذبہ کو فروغ دینا نہیں چاہتے۔ پروگرام کے اہم نکات یہ تھے: اسلام دہشت گرد مذہب ہے، عیسائیوں، یہودیوں، عورتوں اور لہڈین کے ساتھ سخت رویہ رکھنے کا حامی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اسلام مخالف عنوانات تھے۔ ہم اپنی اس تحریر میں غیر مسلم افراد خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب کے ساتھ اسلام کی جو روش رہی ہے اس کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے۔

اسلامی اصول اور اسلام کے عصر اول کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کی بنیاد کبھی بھی ظلم و جور اور انتہا پسندی پر نہیں رہی اسلام نے اپنے عصر اول میں غیر مسلموں کا جس قدر لحاظ کیا وہ تاریخ میں منبرے حروف لکھا ہوا ہے عورتوں اور بچوں کے حقوق کی جس قدر رعایت کی اس کی مثال یورپ کے کسی دور حکومت میں نہیں ملتی، اسلام نے ہمیشہ بات چیت اور گفتگو کو اپنی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنایا ہے۔

اہل کتاب سے حسن معاملہ کی تلقین: نبی اسلام ﷺ نے جب اسلام کی دعوت پھیلانے کی مہم شروع کی تو جزیرہ عرب میں دو محاذ پر بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، ایک طرف عرب کے مشرکین اور کفار بلکہ خود قریش کے افراد کی دشمنی انتہا کو پہنچ گئی اور دوسری طرف اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) نے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا، ان تمام مخالفتوں کے باوجود قرآن کریم نے اہل کتاب کے ساتھ نرم رویہ رکھنے کا مطالبہ مسلمانوں سے کیا۔ ان سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو خوش اسلوبی سے دور کرنے کی تلقین کی اور بات چیت کے ذریعہ معاملات حل کرنے پر زور دیا، ولا تسجادوا اهل الكتاب الا بالتي هي احسن (القرآن ۲۹/۲۶) اہل کتاب سے معاملہ کا تصفیہ اچھے انداز میں کرو۔

غیر مسلموں سے جنگ و حرب کا قرآن کریم نے دفاعی تصور دیا ہے، اگر وہ مسلمانوں سے نہ تو آذما ہوں، مسلمانوں کے مال و متاع پر حملہ کریں تو اپنا دفاع کرنا ضروری قرار دیا اور عقل سے باہر میل کھاتی ہوئی بات بھی ہے مگر اہل کتاب کی جب بات آئی تو

ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی، کتنی عجیب بات ہے کہ منہاج زندگی اور نظریات کے واضح اختلاف کے باوجود اہل کتاب سے سکون زندگی حاصل کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے، ان سے شادی بیاہ کو مباح قرار دیا جا رہا ہے جن کے ہاتھوں میں ہماری حیات کا مستقبل ہے ان سے نباہ کرنے کی سند فراہم کی جا رہا ہے۔ مہ اسم کی ادائیگی کے بعد یہودی اور عیسائی عورت کے خویش ہمارے بچوں کے خویش واقارب ہوں گے، ان سب کے بعد کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ اسلام نے اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) سے دشمنی کی تلقین کی اور بنیاد پرستی کو ہوا دی ہے؟

ذمیوں کے ساتھ رواداری، شرکاء و یمینار نے حالت جنگ اور اسلامی معاشرہ میں ذمیوں کے ساتھ ہونے والے سلوک پر بھی تبصرہ کیا اور اسلام کی روش پر جی کھول کر تنقید کی جبکہ حالت جنگ ہو یا حالت امن دونوں میں اسلام نے ذمیوں کو جو سہولت فراہم کی ہے اس کی بھی مثال ہمیں تاریخ میں نہیں ملتی، اس لئے اس مسئلہ پر بھی شرح و بدط کے ساتھ روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ کسی حد تک مخالف نظریات کے شکوک و شبہات دور ہو سکیں۔

ذمی کی تعریف: ذمت کا مطلب عہد و میثاق ہے اور ”ذمی“ کا مطلب ایسا شخص جس کے ساتھ عہد و بیان کیا گیا ہو۔ (لسان العرب ۱۲-۲۲۳)

فقہاء کی اصطلاح میں ”ذمی“ اس غیر مسلم کو کہا جاتا ہے جو ایک معاہدہ کے تحت دار الاسلام کے زیر سایہ امن و امان کی زندگی گزارتا ہو ملخصاً (شرح سیر کبیر ۱-۳۰۰) برائع صنائع ۵-۲۸۱) عام حقوق میں مسلمان اور ان کے مابین کوئی تفریق نہیں کی جاتی، بادشاہ اسلام ان کے عقیدے اور شعائر کی حفاظت کا ضامن ہوتا ہے۔ شخصی معاملات میں انہیں اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، اسلام نے ان پر زکوٰۃ واجب نہیں کی جبکہ مسلمانوں پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری قرار دیا، اپنے ملک کے لیے فوجی خدمات انجام دینے پر بھی ان پر دباؤ نہیں ڈالا جاتا اگر وہ بہ طیب خاطر ان خدمات کو بجالا نا چاہیں تو کوئی حرج

نہیں ملک کے دفاعی امور میں جو اخراجات آتے ہیں ان کا ادا کرنا ان پر ضروری قرار دیا گیا، وہ بھی صرف ان افراد پر جو اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوں، چنانچہ عورتیں، بچے عاجز، بوڑھے، راہب اور ہر طرح کے مجبور لوگوں کو اس حکم سے خارج کر دیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی معاہدہ پر ظلم کیا یا اس کی طاقت سے زیادہ اسے مکلف کیا یا اس کے حقوق کی ادائیگی میں کمی کی یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو یاد رکھو قیامت کے دن میں اس کا خصم رہوں گا۔ (الخران حلالہ امام ابی یوسف ص ۶۸ بیروت) ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: جس نے کسی ذمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا، جنت کی خوشبو ستر برس میں ایک بار سونگھنے کو ملتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے عمرو بن حزم کو یمن کا نمائندہ بنا کر بھیجا تو ”نجران“ کے باشندوں سے متعلق ایک معاہدہ تحریر کروا کر عمرو بن حزم کے حوالہ کیا، اس معاہدہ میں سب سے پہلے تقویٰ اور اتباع شریعت کی وصیت کی گئی ہے، نجران کے غیر مسلم باشندوں سے مال وصول کرنے کی مقدار کا ذکر کر کیا گیا اور پھر ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی تاکید کی گئی ہے، معاہدہ کا آخری پیرا گراف آپ بھی پڑھئے اور اسلامی معاشرہ میں غیر مسلموں کے ساتھ رواداری سے متعلق نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے لطف اندوز ہوئے:

اہل نجران اللہ تعالیٰ کے جوار اور محمد رسول ﷺ کے معاہدہ کے تحت آچکے ہیں، ان کی جان، مال جائیداد، دین و مذہب اہل و عیال، موجود اور غیر موجود اشخاص، معاملات اور جو کچھ بھی ان کے قبضے میں ہے اللہ و رسول ان سب کے ضامن ہیں کسی پادری کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کیا جائے، نہ ہی کسی راہب اور کاہن کو ایذا دی جائے، ان کے ساتھ کوئی گھناؤنی حرکت بھی نہ کی جائے، زمانہ جاہلیت میں جو کچھ ان سے سرزد ہوا اس کا بدلہ بھی نہ لیا جائے، انہیں کسی قسم کی تکلیف اور مشقت دینے سے گریز کیا جائے، فوج کا کوئی فرد بھی ان کے علاقہ میں داخل نہ ہو، کوئی شخص اگر اپنا حق طلب کرے تو بغیر کسی ظلم و زیادتی کے اسے آدھا دیا جائے۔

عیسائیت و یہودیت کی عالمی دہشت گردی و بربریت کا منہ بولتا ثبوت

مندرجہ ذیل تصویر جو آپ کو نظر رہی ہے یہ خانہ کعبہ کے ماڈل (مجسمہ) پر تعمیر کی جانے والی ایک عمارت ہے جس کا نام یہودیوں نے اپیل مکہ رکھا ہے جس میں 24 گھنٹے، شراب کے کاروبار کے ساتھ ساتھ ہر وقت عریانی و عاشق کا اعلان کیا گیا ہے اور یہ عیسائیوں اور یہودیوں کی مذہبی انتہا پسندی و دہشت گردی اور بربریت کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کے مسلم حکمرانوں کی بے غیرتی کی ٹین ویلن بھی ہے جو اس وقت یہودیوں اور عیسائیوں کے دلال بنے ہوئے ہیں۔

جب سر مشر وہ پوچھے گا بلا کے سامنے
کیا جواب جرم دو گے تم خدا کے سامنے



On October 10, 2006, an Islamic website posted a message alerting Muslims to what it claims is a new insult to Islam. According to the message, the cube-shaped building which is being constructed in New York City, on Fifth Avenue between 58th and 59th Streets in midtown Manhattan, is clearly meant to provoke Muslims. The fact that the building resembles the Ka'ba (see picture below), is called "Apple Mecca," is intended to be open 24 hours a day like the Ka'ba, and moreover, contains bars selling alcoholic beverages, constitutes a blatant insult to Islam. The message urges Muslims to spread this alert, in hope that "Muslims will be able to stop the project."

ایسلاہ

اور

وائرس مسیحیت

طاہر القادری کا یہودی و نصاریٰ سے فکری،
فطری اور عقلی عقیدتوں کا اظہار
حضرت علامہ
مولانا مفتی محمد بشیر القادری

ایسلاہ

اور

وائرس یہودییت

فتنہ جاوید اجدادِ عامدی

ۛ

فکری اور عقلی عقیدتوں کا اظہار

ایمان و عقیدے کی تباہ کاریوں کا آغاز

حضرت علامہ
مولانا مفتی محمد بشیر القادری

اختلاف ختم ہو سکتا ہے

ابوالحقائق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرّقوا (القرآن)

،، اتحاد امت ،، کی طرف پیش قدمی

تقریباً ایک صدی پر مشتمل سنی، وہابی اور دیوبندی اختلاف کے متعلق ایسے ،، تابندہ
نقوش ،، جن کی پیروی کرنے سے واقعی اتفاق و اتحاد کے نئے دور کا آغاز کیا جاسکتا ہے

بنام

اختلاف ختم

ہو سکتا ہے

WWW.NAFSEISLAM.COM

از

ترجمان اہلسنت

ابوالخاتق علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی لاہور مجدد

﴿جملہ حقوق محفوظ﴾

نام کتاب..... اختلاف ختم ہو سکتا ہے؟

مصنف..... ابوالحقائق علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی زید مجہد

با اہتمام..... شیخ محمد سرور اویسی

کمپوزنگ..... ساقی کمپوزنگ سنٹر گوجرانوالہ، قاری محمد امتیاز ساقی مجددی

03466049748

تعداد..... 1100 سن اشاعت..... اگست 2009ء

صفحات..... ہدیہ.....

ملنے کے پتے

سنی پبلیکیشنز گوجرانوالہ، مین بازار محلہ رحمت پورہ نوشہرہ روڈ گوجرانوالہ

جامعہ جلالیہ رضویہ لاہور مکتبہ فیضان مدینہ گھٹڑ

مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں رضا بک شاپ گجرات

مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ مکتبہ حافظ الحدیث بھکھی شریف

مکتبہ فیضان مدینہ سرانے عالمگیر مکتبہ الفجر سرانے عالمگیر

مکتبہ رضائے مصطفیٰ چوک دارالسلام سرکلر روڈ گوجرانوالہ

اویسی بک سٹال گوجرانوالہ 03338173630

صراط مستقیم پبلی کیشنز 6 مرکز الاولیٰں دربار مارکیٹ لاہور

042,7115771=03219407699

انتساب

ہر اس دردمند، مخلص، منصف مزاج مسلمان کے نام!

جو

فرقہ داریت سے بچ کر جادہ حق پر گامزن ہونا چاہتا ہے۔

میری قسمت سے الہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے داماں کے لیے

WWW.NAFSEISLAM.COM

خیر اندیش:

ابوالحق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی

03007422469

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
1	تقاریظ	8
2	مقدمہ	12
3	سخنہائے گفتنی	26
4	نور انیت مصطفیٰ ﷺ	31
5	اول ما خلق اللہ نوری	38
6	جسم نبوی کا سایہ نہ تھا	39
7	آپ ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنا	42
8	حضور مالک و مختار ہیں	43
9	علم غیب	47
10	رسول اللہ ﷺ کو پکارنا	50
11	مخلوق کو مشکل کشا ماننا	53
12	مخلوق کو مدد کے لیے پکارنا	55
13	وصال کے بعد مدد کرنا	57
14	جو کہہ دیا وہ ہو گیا	61
15	حاضر و ناظر	62
16	تبرکات	65

68	وسیلہ	17
71	عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا	18
72	حیات النبی ﷺ	19
76	مزارات کے فیوض و برکات	20
78	غائبانہ جنازہ	21
79	دعا بعد از نماز جنازہ	22
81	بیداری میں زیارت	23
84	قبروں پر حاضری	24
87	ایمان والدین مصطفیٰ	25
89	اعمال امت سے آگاہی	26
91	جشن میلاد النبی ﷺ	27
93	ختم کا جواز	28
97	الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ کا وظیفہ	29
100	عرس منانا	30
101	ننگے سر نماز	31
102	ترک رفع یدین	32
103	فاتحہ خلف الامام	33
103	تین طلاقیں	34
105	حلالہ	35

106	بیس تراویح	36
107	قبر پر تختی	37
108	قبلہ کی طرف پاؤں کرنا	38
109	پکی قبر اور عمارت میں قبر بنانا	39
110	نذر و نیاز	40
111	دم اور تعویذ	41
113	قربانی کے تین دن	42
115	نماز میں پاؤں چوڑے کرنا	43
117	جراہوں پر مسح کرنا	44
118	سحری کی اذان	45
119	فرض نماز کے بعد دعا	46
120	درود و سلام ہر وقت جائز	47
123	شب برات کی فضیلت	48
124	تقلید کی حمایت	49
126	ہر نیا کام بدعت نہیں	50
130	اہلسنت برحق ہیں	51
137	دیوبندی نیا فرقہ	52
137	وہابی نیا فرقہ	53
140	ہندوستان کا پہلا فرقہ باز شخص	54

142	کس ادا سے کیا اقرار گنہگاروں نے	55
143	دیوبندیوں کا اقبال جرم	56
145	وہابیوں کا اعتراف جرم	57
148	گستاخانہ عبارتیں	58
148	وہابیوں کے باطل عقائد	59
148	مشترکہ عقائد	60
149	ذات خداوندی کے متعلق	61
150	ذات رسالت کے متعلق	62
152	دیوبندیوں کے باطل عقائد	63
152	ذات باری تعالیٰ کے متعلق	64
153	ذات رسالت کے متعلق	65
155	توہین ہی توہین	66
157	ہر کوئی رحمۃ للعلمین	67
158	صحابہ کرام کے متعلق نظریات	68
160	نجدی وہابیوں کے عقائد	69
160	ذات باری تعالیٰ کے متعلق	70
162	ذات رسالت کے متعلق	71
164	ختم نبوت پر ڈاکہ	72
165	صحابہ کرام کے متعلق	73
168	کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا	74

تقریظ جمیل

شیخ الحدیث، رئیس المدرسین، حضرت

علامہ حافظ غلام حیدر خادمی مدظلہ العالی

مہتمم جامعہ نعمانیہ شہاب پورہ سیالکوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم
ساقی ملت ابوالحقائق حضرت علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی صاحب حفظہ اللہ
تعالیٰ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ ایک بہترین خطیب، مدرس، مصنف اور اعلیٰ
پایہ کے مناظر ہیں۔ آپ کی متعدد کتب منصفہ شہود پر آ کر علمی حلقوں میں کافی شہرت
حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کی علمی و تحقیقی کتب میں سے چند کے نام یہ ہیں: کیا جشن میلاد
النبی ﷺ غلو فی الدین ہے؟، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مسلک اہل سنت، اسلامی تربیتی
نصاب، قربانی، یہ مسائل ثابت ہیں، دعا بعد نماز جنازہ، حضور ﷺ مالک و مختار ہیں،
دروس القرآن فی شہر رمضان، خارجیت کے مختلف روپ، مسئلہ رفع یدین وغیرہ۔ زیر نظر
کتاب، اختلاف ختم ہو سکتا ہے،، ناچیز کو اکثر مقامات سے پڑھنے کا موقع ملا اس میں
متنازع مسائل مثلاً نورانیت مصطفیٰ علیہ التحیۃ الثناء، جسم نبوی کا سایہ نہ تھا، نام نامی سن کر
انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مالک و مختار ہونا، مسئلہ علم غیب،
مسئلہ حاضر و ناظر، قبروں پر حاضری، عرس منانا، استمداد اولیاء، ننگے سر نماز پڑھنا، فاتحہ

خلف الامام، تبرکات کی اہمیت، بیس تراویح وغیرہ پر اس انداز سے گفتگو کی گئی ہے کہ بنظر انصاف اگر اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو نفرتوں کی جگہ محبتیں لے لیں اور اتحاد و یگانگت اور صلح و آشتی کی فضا قائم ہو جائے۔

کیونکہ اس میں مخالفین و معترضین کے نامور اور قابل اعتماد اکابرین کی کتب کے حوالہ جات سے مسئلہ کی تصریح کی گئی ہے۔ پڑھنے والا بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ

الفضل ما شهدت به الاعداء

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

تعصب، ہٹ دھرمی اور جہالت کا کوئی علاج نہیں۔

یاد رہے کہ اہل سنت و جماعت اور وہابیہ و دیابنہ کے درمیان اصل اختلاف کا سبب وہ کفریہ عبارات ہیں جو ان کے اکابرین نے نبی اکرم ﷺ کے حوالہ سے لکھ کر اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کیا ہے۔ ”مشتی نمونہ از خروارے“

مولوی اسماعیل دہلوی اپنی کتاب ”صراط مستقیم“، صفحہ ۷۹ پر لکھتا ہے نماز میں زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا اس جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بُرا ہے۔

”اور یہ یقین جان لینا چاہیے ہر کہ مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چہرے سے بھی ذلیل ہے“، (تقویۃ الایمان ص ۲۶)

خلیل احمد انبیٹھوی نے لکھا ہے: ”غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم ﷺ کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت

کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان ہے؟ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہے، فخر عالم ﷺ کی وسعت علم پر کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے،، (براہین قاطعہ ص ۵۶)

کتاب کے آخر میں علامہ ساقی صاحب مدظلہ نے مخالفین کی کتب سے ثابت کیا کہ اہلسنت و جماعت حق پر ہیں اور فقہائے حدیث یہی فرقہ ناجیہ ہے۔ دیوبندی اور وہابی نیا فرقہ ہے اور برصغیر پاک و ہند میں اس افتراق و انتشار کی بنیاد رکھنے والا پہلا شخص اسماعیل دہلوی ہے اور جس کتاب نے فرقہ واریت کی آگ لگائی وہ تقویۃ الایمان ہے۔ اور پھر مخالفین کی کفریہ عبارات پیش کر کے ہر خاص و عام کو دعوت غور و فکر دے دی ہے اور حضرت ساقی ملت کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ انہوں نے مخالفین کے اقرار سے ان کا گستاخ و بے ادب ہونا روز روشن کی طرح واضح فرما دیا ہے۔

آخر میں بارگاہ الہی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور امت مسلمہ کے لیے اتحاد و اتفاق کا مینارہ ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ بطیفیل حبیب لبیب ﷺ ساقی ملت کے علم و عمل میں اضافہ فرمائے اور اسی طرح دین متین کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ طہ و یسین علیہ التحیۃ والتسلیم

خط ان کا بہت خوب، عبارت بہت اچھی

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

تحریر کنندہ

حافظ غلام حیدر خادمی عفی عنہ

خادم جامعہ نعمانیہ رضویہ سیالکوٹ

تقریظ

نازش اہلسنت حضرت علامہ

مفتی محمد نعیم اختر نقشبندی مجددی (کاموئے)

سابق مفتی جامعہ حزب الاحناف لاہور

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

کائنات عالم میں غور کریں تو مختلف اشیاء اپنی ضدوں کے ساتھ اپنی اہمیت و افادیت اجاگر کر رہی ہیں، دن کے مقابل رات، علم کے مقابل جہل، جوانمردی کے مقابل بزدلی، ایمان کے مقابل کفر، ہدایت کے مقابل گمراہی و ضلالت۔ مشیت الہی کے مطابق انسان کو ایک نوع کا اختیار دیا گیا ہے اب اس اختیار کے باعث وہ اچھائی، برائی کو اپنالیتا ہے۔ حدیث شریف میں اختلاف امت کی بابت بتایا گیا ہے اور فرقوں کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت مولانا ابوالحق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی زید مجدہ نے اپنی اس گراں قدر تالیف میں، مخالفین کے ساتھ اصولی اختلاف کی نشاندہی فرما کر اختلاف ختم ہونے کے امکان کو بیان فرمایا ہے، سعادت مند روحیں اس سے ہدایت پائیں تو الحمد للہ اور اگر کوئی اپنی خفتہ بختی سے حق کو نہ پہچانے تو اس کا نصیب۔ فقیر نے چند مقامات کو ملاحظہ کیا ماشاء اللہ عمدہ پایا..... اللہ تعالیٰ مولف دامت برکاتہ کی سعی کو مشکور فرمائے

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

حررہ الفقیر محمد نعیم اختر غفرلہ

۴ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

مقدمہ

از

ممتاز ادیب جناب

رانا محمد نعیم اللہ خان قادری

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

آج کا دور اختلافات کے عروج کا دور ہے۔ ہر شعبہ ہائے زندگی میں اختلافات کا وجود ایک لازمی جزو ہے۔ اختلاف اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی، اگر اختلاف اللہ عزوجل اور رسول کریم ﷺ کی رضا کے لیے ہو تو خیر ہی خیر ہے اور اگر اس کے برعکس ہو تو شر ہی شر ہے۔ اختلاف کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ خیر اور شر کا ہی اختلاف ہے، نیکی اور بدی کا ہی اختلاف ہے، انبیاء اور شیطان لعین کا ہی اختلاف ہے، اولیاء الرحمن اور اولیاء الشیطان کا ہی اختلاف ہے۔ نہیں بلکہ دواہل خیر، اہل ایمان اور اہل حق کا بھی آپس میں اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اس کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ جیسے فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر خلیفہ بنائے جانے کے مسئلہ پر اختلاف کیا، اس کے بعد احادیث میں بھی یہ موجود ہے کہ فرشتے جو کہ سرتاپا اطاعت و فرمانبرداری کے علمبردار ہیں ان میں بھی کئی مسئلوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ میں فرشتوں کے متعلق دو احادیث پیش کر کے اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔

صحیح مسلم شریف کتاب التوبہ کے باب،، قبول توبۃ القاتل وان کثر قتله،، میں

ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص نے ننانوے قتل کئے، پھر اس نے زمین والوں سے

پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اسے ایک بڑے راہب (عیسائیوں میں تارک الدنیا، عبادت گزار) کا پتہ بتایا گیا، وہ شخص اس راہب کے پاس گیا اور یہ کہا کہ اس نے ننانوے قتل کئے ہیں، کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا: نہیں..... اس شخص نے اس راہب کو بھی قتل کر کے پورے سو قتل کر دیئے، پھر اس نے سوال کیا کہ روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو اس کو ایک عالم کا پتہ دیا گیا، اس شخص نے کہا کہ اس نے سو قتل کئے ہیں، کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ عالم نے کہا: ہاں! توبہ کی قبولیت میں کیا چیز حائل ہو سکتی ہے! جاؤ، فلاں فلاں جگہ پر جاؤ۔ وہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں تم ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنی زمین کی طرف واپس نہ جاؤ کیونکہ وہ بری جگہ ہے۔ وہ شخص روانہ ہوا، جب وہ آدھے راستہ پر پہنچا تو اس کو موت نے آلیا، اور اس کے متعلق رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا، رحمت کے فرشتوں نے کہا: یہ شخص توبہ کرتا ہوا اور دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا آیا تھا اور عذاب کے فرشتوں نے کہا: اس نے بالکل کوئی نیک عمل نہیں کیا، پھر ان کے پاس آدمی کی صورت میں ایک فرشتہ آیا، انہوں نے اس کو اپنے درمیان حاکم بنا لیا۔ اس نے کہا: دونوں زمینوں کی پیمائش کرو، وہ جس زمین کے قریب ہو اسی کے مطابق اس کا حکم ہوگا۔ جب انہوں نے پیمائش کی تو وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا، جہاں اس نے جانے کا ارادہ کیا تھا، پھر رحمت کے فرشتوں نے بیان کیا ہے کہ جب اس پر موت آئی تو اس نے اپنا سینہ پہلی جگہ سے دور کر لیا تھا۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۵۹)

اور اس سے اگلی حدیث میں ہے: وہ ایک بالشت کے برابر نیک آدمیوں کی بستی کے قریب تھا سو اس کو اس بستی والوں سے لاحق کر دیا گیا۔

یہ حدیث اختصار کے ساتھ بخاری شریف کتاب الانبیاء کے آخر (پارہ ۱۴) میں بھی ہے بخاری ج ۱ ص ۲۹۳۔ اس کے علاوہ ملاحظہ فرمائیں! مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ پہلی فصل ص ۲۰۳، ریاض الصالحین ص ۱۴، ابن ماجہ ص ۱۹۲، مسند امام احمد ج ۳ ص ۲۰۔ اس واقعہ کی تصدیق میں اسی مفہوم کی ایک حدیث اور ملاحظہ فرمائیں!

مشکوٰۃ شریف کتاب الآداب باب الحب فی اللہ ومن اللہ کی پہلی فصل میں ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو ایک قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن ان تک پہنچ نہیں سکتا؟ فرمایا کہ آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے محبت رکھے۔

اب فرشتوں کے درمیان اختلاف کی دوسری حدیث شریف کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں! یہ حدیث شریف مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، کی دوسری فصل میں ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن عائش رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے رب تعالیٰ کو ایسی اچھی صورت میں دیکھا جو اس کی شان کے لائق ہے رب تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ ملائعہ اعلیٰ کے فرشتے کن اعمال کے فضائل میں اختلاف کرتے ہیں؟ میں نے کہا: میرے رب تو خوب جانتا ہے، تب رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے کاندھوں کے درمیان رکھا اور اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پھر میں نے آسمانوں اور زمینوں کے تمام علوم کو معلوم کر لیا (یعنی تمام جزوی و کلی علوم مجھے حاصل ہو گئے، اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۹۸) اس کے بعد آیت تلاوت فرمائی!

(ترجمہ) اور اسی طرح ہم نے جناب ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی مملکت دکھائی تاکہ وہ پختہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں (ترمذی و دارمی مرسل)

حضرت ابن عباس اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما سے اضافہ کے ساتھ اس طرح مروی ہے، اے محمد ﷺ کیا تم جانتے ہو کہ مقربین فرشتے کس بارے میں گفتگو کرتے ہیں؟ میں نے کہا کہ وہ کفارات کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں اور کفارات کا مطلب نماز کے بعد مسجد میں بیٹھا رہنا ہے اور جماعت کے لیے پیادہ آنا ہے، اور ناگواری کے باوجود مکمل وضو کرنا ہے، اور جس نے ایسا کا تو وہ بھلائی کے ساتھ زندہ رہے گا اور خیر پر ہی اس کو موت آئے گی اور گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جائے گا جیسا کہ پیدائش کے وقت تھا۔ رب کریم نے فرمایا:

اے نبی! جب تم نماز سے فارغ ہو تو یہ دعا پڑھو!

(ترجمہ) خداوند! میں تجھ سے نیکی کا سوال کرتا ہوں اور برائی کے ترک کی توفیق طلب کرتا ہوں اور مسکینوں سے دوستی طلب کرتا ہوں خداوند جب تو اپنے بندوں کو فتنوں کی آزمائش میں ڈالے تو بغیر فتنہ کے مجھے اپنی طرف اٹھالے۔

رب کریم نے فرمایا: درجات کی بلندی کا سبب سلامتی کا عام کرنا، ضرورت مندوں کو کھانا کھلانا اور ایسے وقت نماز ادا کرنا جبکہ دوسرے سوتے ہوئے ہوں۔

فرشتوں کی طرح جنات کے اختلافات کے واقعات کتب احادیث میں موجود ہیں، حتیٰ کہ انبیاء کرام کے آپس میں اختلاف کی بھی احادیث موجود ہیں ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں!

مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان کے باب الایمان بالقدر کی پہلی فصل میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام آپس میں رب تعالیٰ کے سامنے مصروف مذاکرہ ہوئے اور اس مذاکرہ میں جناب آدم، جناب موسیٰ پر غالب آئے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: آپ وہ شخصیت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا، اپنی روح پھونکی، پھر فرشتوں کا مسجود بنایا، اپنی جنت میں رکھا لیکن آپ کی لغزش کی وجہ سے بندوں کو زمین کی طرف اتار دیا گیا۔ جناب آدم علیہ السلام نے اس کا جواب اس طرح دیا کہ اے موسیٰ! آپ بھی وہ شخصیت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام سے مشرف فرمایا، آپ کو الواح توریت ملیں، جن میں ہر چیز کا بیان ہے، اور سرگوشی کے لیے آپ کو تقرب عطا ہوا اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ میری تخلیق سے کتنے سال قبل اللہ رب العالمین نے الواح توریت لکھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: چالیس سال، تب حضرت آدم علیہ السلام نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ کو توریت میں یہ آیت نہ ملی و عصی آدم ربہ فغوی جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ آیت ملی، تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا آپ مجھے ایسے عمل پر ملامت کرتے ہیں جو میری تخلیق سے چالیس سال قبل کہا جا چکا ہے اور اللہ عز و جل نے لکھ دیا تھا کہ میں یہ کام کروں گا۔ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ آدم، موسیٰ پر غالب آئے۔ (مسلم شریف کتاب القدر)

یہ حدیث بخاری شریف کتاب القدر کے باب تحاج آدم و موسیٰ عند اللہ میں بھی ہے، یہ حدیث بخاری شریف کتاب التفسیر سورہ طہ میں بھی ہے۔

اسی طرح خیر اور شر، بھلائی اور برائی، نیکی اور بدی کے نمائندوں میں اختلافات ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔

حق کے مقابلہ میں اختلاف کرنے کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو سب سے پہلے شیطان لعین ہی اس کا اوّلین نمائندہ نظر آتا ہے جب اللہ عزوجل نے فرشتوں اور شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تو ابلیس لعین نے اللہ عزوجل کے حکم سے اختلاف کیا اور نہ صرف اختلاف کیا بلکہ اپنے دلائل بھی پیش کیے۔

بلاشبہ ابلیس لعین کے دلائل اس کے بظاہر تو توحید پرست ہونے کی طرف واضح نشاندہی کرتے ہیں اور دوسری طرف فرشتوں کے لیے بھی کسی طرح سے یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ وہ توحید کے ماننے والے نہیں تھے لیکن وہ حکم الہی بجالاتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ میں جھک گئے۔ اس طرح دو قسم کی توحید سامنے آگئی یعنی ایک توحید شیطانی توحید ہے جس کے علمبردار آج بھی وہی دلائل پیش کرتے ہیں جو شیطان مردود نے پیش کیے تھے اور دوسری طرف فرشتوں کی توحید ہے کہ وہاں سر تاپا فرمانبرداری اور اللہ عزوجل کے احکامات کی تعمیل ہے۔

شیطان ازل سے تا امروز خود بھی اور اپنے چیلوں کو بھی اسی راہ پر گامزن رکھے ہوئے ہے، اور قیامت تک اسی شیطانی توحید پر رواں دواں رکھنے کے لیے سرگرم عمل رہے گا۔ دوسری طرف انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کو ماننے والے قیامت تک اس کے خلاف نبرد آزار ہیں گے۔

حضور نبی اکرم ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں اس لیے اب آپ کی امت کے علماء اولیاء اتقیاء قیامت تک اس شیطانی گروہ اور شیطانی توحید کے علمبرداروں کے خلاف نبرد آزما

رہیں گے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے جب اسلام کی کھل کر تبلیغ شروع فرمائی تو کفار و مشرکین مکہ نے کھل کر اور منافقین نے اندرون خانہ آپ سے شدید اختلاف کیا۔ خلفاء راشدین کے دور میں بھی اسی اختلاف کی وجہ سے یہود و نصاریٰ نے خفیہ سازش سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور پھر سبائی فتنہ کی شکل میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں خارجیوں کا ظہور ہوا اور انہوں نے قرآن کے متعلق اپنے خود ساختہ عقائد و نظریات کی روشنی میں اختلاف کیا تو جید صحابہ کرام نے ان کے عقائد و نظریات کا ردّ بلیغ فرمایا بالآخر جنگ نہروان میں ان کی قوت کو کچل کے رکھ دیا گیا۔

مسلمانوں کے درمیان پائے جانے والے فرقوں کی تاریخ پڑھیں تو ان کے اور اہل سنت و جماعت کے درمیان پائے جانے والے اختلاف سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اہل سنت و جماعت کے اندر ہی فقہ کے اماموں کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ اختلاف بنیادی عقائد میں نہیں صرف فروعات تک ہے۔

بالآخر ابن تیمیہ اور اس کے بعد محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اہل سنت و جماعت سے شدید اختلاف کیا اور اسے ایسے عقائد و نظریات اور مسئلے مسائل بیان کئے کہ تاریخ اسلام میں اس اختلاف کی جھلک نظر نہیں آتی، انہیں اختلافات کو برصغیر میں مخصوص حالات میں اپنے مخصوص انداز میں، تقویۃ الایمان، کی صورت میں مولوی اسماعیل دہلوی نے ہوا دی، اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل سنت و جماعت سے اختلاف رائے کر کے وہ اپنی مخصوص سوچ و فکر کے پھیلائے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔

پارہ ۵ سورہ النساء آیت نمبر ۳۵ میں ہے کہ اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک حکم (بیچ) مرد والوں کی طرف بھیجو اور ایک حکم (بیچ) عورت والوں کی طرف سے، یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کر دے گا۔

اور جب مختلف فرقوں اور گروہوں میں اختلاف ہو جائے تو اس اختلاف کو ختم کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو اس موقف پر اکٹھا کر دیا جائے جو ان کے درمیان مشترک ہے۔ ارشادِ بانی میں اس کی مثال موجود ہے جیسا کہ فرمایا:

قل يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الآية (آل عمران ۶۴)
 فرمادے! اے کتاب والو! آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔

مناظر اسلام ابوالحق مولانا غلام مرتضیٰ ساقی مجددی مدظلہ العالی نے بھی اس کتاب میں یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ اہل سنت و جماعت، غیر مقلدین اور دیوبندیوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے تو کیوں نہ ان کو ایک مشترک موقف پر اکٹھا کر دیا جائے۔ کیونکہ اہل سنت و جماعت کے عقائد و نظریات پندرہ سو سال سے اسی طرح نسل در نسل اور کتب در کتب منتقل ہو رہے ہیں اور کبار علماء کے اقوال کے مطابق اہل سنت و جماعت ہی وہ واحد جماعت ہے کہ جس کے عقائد و نظریات پر نجات کا دار و مدار ہے۔

اس لیے اختلافی مسائل میں بھی مخالفین اہل سنت کو یہ سوچ اور لمحہ فکر یہ دیا گیا ہے کہ وہ عقائد و نظریات اور مسائل جن میں آپ کے اکابر علماء اور مصنفین ہم سے متفق ہیں، وہ آپ بھی اپنائیں اور ان میں اختلاف کرنا چھوڑ دیں۔

یہ روز روشن کی طرح واضح حقیقت ہے کہ دیوبندیوں اور وہابیوں نجدیوں سے ہمارا

اختلاف کوئی فروعی اختلاف نہیں ہے، مکمل طور پر سو فیصد، عقائد کا اختلاف ہے اور یہ اپنے کفریہ عقائد و نظریات، جو ان کی کفریہ عبارات سے واضح ہیں، کی وجہ سے احکام شرعیہ کی روشنی میں گستاخ، گمراہ، بے دین اور کفریہ عبارات کو درست تسلیم کرنے کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ عزوجل، حضور نبی کریم ﷺ انبیاء کرام، صحابہ کرام، اہل بیت اور اولیاء اللہ میں سے کوئی بھی ان کی زبان درازی سے محفوظ نہیں رہا، مثلاً

☆..... اللہ عزوجل کے لیے جھوٹ بولنا ثابت کرنا۔

☆..... اللہ عزوجل کو بندوں کے فعل سرانجام دینے کے بعد علم ہونے کا یقین رکھنا۔

☆..... حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا انکار کرنا۔

اللہ عزوجل نے تو قرآن مجید میں واضح طور پر بیان فرمادیا کہ آپ خاتم النبیین ہیں، لیکن یہ لکھتے ہیں کہ آپ کے بعد بھی اور نبی آجائے سے ختم نبوت میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اللہ عزوجل تو فرمائے کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو آخری نبی بنایا ہے آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا لیکن یہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل کیونکہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے اس لیے اللہ عزوجل چاہے تو کروڑوں محمد پیدا کر دے۔

ہمارے ایک بزرگ دوست عبداللہ بریلوی صاحب سے ایک قادیانی کی ملاقات ہوئی تو آپ نے جہاں ان کفریات، جہالتوں اور قادیانی کذبات کو بیان کیا وہاں اس قادیانی کو جب یہ کہا کہ یہ تو قطعی حتمی سو فیصد درست ہے کہ تم دائرہ اسلام سے خارج ہو لیکن تمہارے ساتھ ایک زیادتی بھی ہوئی ہے اس قادیانی نے بڑی حیرانگی سے پوچھا: وہ کیا ہے؟ آپ نے اسے کہا کہ تمہارے ساتھ یہ زیادتی ہوئی کہ تم کو یعنی چھوٹے بھائی کو تو

واضح کفریات کی بنا پر کافر قرار دے دیا گیا لیکن قادیانی کی ماں کو چھوڑ دیا گیا، ان کے دو بڑے بھائیوں کو چھوڑ دیا گیا جس کی وجہ سے آج تم پوری دنیا میں تنہائی کا شکار ہو۔ اس نے پوچھا کہ وہ ہمارے دو بڑے بھائی کون سے ہیں؟ آپ نے اسے بتایا کہ دیوبندی اور غیر مقلد نجدی وہابی..... کیونکہ انہیں دوتے تو تمہاری پرورش کی، تمہیں بنیاد فراہم کی، جب ان کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ کے بعد اور نبی آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو قادیانی کذاب نے جھٹ سے دعویٰ نبوت کر دیا۔

یہ مسئلہ تو علیحدہ رہا، حضور نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی ارفع و اعلیٰ ذوات میں ان کی گستاخیاں بے باکیاں ان کی ایمانی زندگی کے لیے موت ہے۔ دیوبندیوں اور غیر مقلدین کے اکابرین نے ایسی ایسی گستاخیاں رقم کی ہیں کہ قلم لکھتے ہوئے شرماتا ہے لیکن یہ ایسے ضدی لوگ ہیں کہ ان کو پھر بھی توبہ کرنا نصیب نہیں ہوتا بلکہ قیامت تک کے لیے اپنے ماننے والوں کو گمراہی کے گڑھے میں پھینکنا قبول ہے، ان تمام کا گناہ اپنے سر لینا منظور ہے لیکن توبہ نہیں کریں گے یعنی شیطان کے چیلے قدم بہ قدم شیطان کے ہی نقش قدم پر چلتے ہیں۔ ان کی شیطانی توحید اس اعلیٰ و ارفع معیار کی ہے کہ شیطان کے ساتھ ساتھ یہ انبیاء کرام کو بھی من دون اللہ ثابت کرتے ہیں۔ من دون اللہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوں گے، لہذا انبیاء کرام کو من دون اللہ ثابت کرنے والے کچھ تو عقل و فہم سے کام لیں۔

اہل بیت کو جہاں اللہ عز و جل اور حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں اعلیٰ و ارفع اور رفیع الشان مقام حاصل ہے وہاں ان سے لازوال محبت اہلسنت و جماعت کا ایمان ہے۔ ان دیوبندیوں، وہابیوں کو یہ معلوم ہے کہ امہات المؤمنین کا ثانی نہیں، حضرت فاطمہ الزہراء

رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں، حسنین کریمین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں لیکن ان کو یزید پلید سے کچھ ایسی محبت ہے کہ اس آشفۃ سری میں یزید پلید کو جنتی ثابت کرنے اور اس کے حق پر ہونے کو ثابت کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے۔ دیوبندیوں، وہابیوں کی اولیاء دشمنی تو اپنا ثانی نہیں رکھتی، اولیاء الرحمن کی ذات مقدسہ میں مسلسل بکواس کرتے رہتے ہیں یہ اسی ولی اللہ دشمنی کا نتیجہ ہے کہ ایمان جیسی دولت بے بہا سے محروم ہونا تو قبول کر لیں گے لیکن اولیاء اللہ سے اپنی شقاوت قلبی کا اظہار ان کا وطیرہ ہے۔

یہ مسلمہ بات ہے کہ جو بھی گستاخ و بے ادب ہے، وہ شیطان کی طرح زمین کے چپے چپے پر بھی عبادت کر لے، پوری دنیا کے ہر شہر اور قصبہ میں تبلیغی جماعتیں لے جا کر تبلیغ کر لے، اسے اللہ عزوجل کے ہاں کوئی قبولیت نہیں، خراب عقیدے کے حامل کی عبادت و ریاضت مردود ہے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ عزوجل منافق سے بھی اپنے دین کا کام لے لیتا ہے میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ ان کی بظاہر لمبی لمبی داڑھیاں نہ دیکھو بلکہ ان کے اندر کی قدورت دیکھو، ان کے درس قرآن اور دورہ حدیث کی بھرمار نہ دیکھو، بلکہ ان کی قرآن اور مفہوم قرآن پر کی جانے والی واردات دیکھو، ان کی کتب نہ دیکھو بلکہ ان کی کتب میں کی جانے والی گستاخیوں، بے ادبیوں کو دیکھو، ان کی تقریروں میں جوشِ خطابت کو نہ دیکھو بلکہ انبیاء کرام اور اولیاء الرحمن کی شان میں بولی جانے والی گندی زبان کو دیکھو۔

علمائے اہلسنت و جماعت نے ہر دور میں گمراہ فرقوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے تقریری و تحریری طور پر مثبت انداز میں جدوجہد کی۔ اس موضوع پر ہماری درجنوں کتب

موجود ہیں، محترم علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی صاحب نے جدید دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان کو دعوتِ فکر دی ہے کہ اختلاف برائے اختلاف کو ترک کرتے ہوئے اختلاف برائے اصلاح کی پالیسی پر عمل پیرا ہوں۔ جہاں تک میری اپنی رائے ہے کہ یہ اختلاف کیوں ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر اختلاف کی نوعیت واضح نہیں کی جاتی۔ دیوبندیوں اور غیر مقلدوں کو کبھی اپنی جہالت کی بناء پر یہ توفیق نہیں ہوئی کہ ہمارے ساتھ قواعد و ضوابط کے مطابق بات کریں۔

اگر عقیدہ کا مسئلہ ہے تو اس کے مطابق دلائل طلب کیے جائیں۔ اس کی ایک مثال دے دیتا ہوں کہ بشریت ہمارا قطعی عقیدہ ہے اور اس کا منکر ہمارے نزدیک کافر ہے اور نورانیت مجسمہ ہمارا ظنی عقیدہ ہے اس کا منکر کافر نہیں، بد مذہب نہیں، (ہاں مطلق حضور کی نورانیت کا انکار کفر ہے) اب دیوبندیوں، غیر مقلدوں کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں کہ سینکڑوں صفحات صرف بشریت ثابت کرنے کے لیے سیاہ کیے ہوں گے اور لوگوں کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ ہم بشریت کے منکر ہیں۔

علم غیب کا مسئلہ بھی اسی طرح کا ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف،، خالص اعتقاد،، میں آج سے سو سال پہلے اس مسئلے کی نوعیت کو واضح فرمایا کہ اس مسئلہ میں ہمارا قطعی عقیدہ کیا ہے اور ظنی عقیدہ کیا ہے آپ نے فرمایا.....

۱..... بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں، اس کا منکر کافر۔

۲..... بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الہی کو حاوی نہیں ہو سکتا، مساوی درکنار تمام اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ و مقربین سب کے علوم ملکہ علوم الہیہ سے وہ نسبت نہیں

رکھ سکتے جو کروڑ ہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرہ سی بوند کے کروڑ ویں حصے کو۔

۳..... یونہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کثیر وافر غیبوں کا علم ہے۔ یہ بھی ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

۴..... اس پر بھی اجماع ہے کہ فضل جلیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کا حصہ تمام انبیاء، تمام جہان سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم ﷺ کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے اور جن علوم میں دیوبندی، وہابی حضرات اختلاف کرتے ہیں جیسے جمیع غیوب خمسہ، تعین وقت قیامت، حقیقت روح، اور جملہ تشابہات کا علم وغیرہ تو یہ ظنی مسائل ہیں، ان کے متعلق آپ نے واضح طور پر فرمادیا کہ ان میں خود علماء اہلسنت مختلف رہے ہیں، ان میں مثبت و نافی، کسی پر معاذ اللہ کفر کیا معنی ضلال یا فسق کا حکم نہیں ہو سکتا اب دیوبندیوں وہابیوں کی اس موضوع پر جملہ کتب کا مطالعہ فرما کر دیکھ لیں کہ انہوں نے ہمارے خلاف کس طرح کا محاذ کھول رکھا ہے، خود تو یہ ضروریات دین کے منکر ہیں، اور ظنی عقائد کے اختلاف میں لوگوں کو الجھائے رکھتے ہیں۔ کیا ان کی کسی بھی کتاب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں ان کا قطعی عقیدہ کیا ہے اور ظنی عقیدہ کیا ہے؟ ظنی عقیدہ کے مسائل بیان کرتے ہیں اور قطعی عقیدہ والے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ ان کی جہالت ان کی تمام کتب سے روز روشن کی طرح واضح ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا مختار کل ہونا کیا یہ ہمارا قطعی عقیدہ ہے۔ کہ اس کے قطعی عقیدہ والے دلائل طلب کیے جاتے ہیں۔ ہم مختار کل کا جو مفہوم لیتے ہیں اس کو بھی بگاڑ کر پیش کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اسی طرح کی صورت حال حاضر و ناظر کے

مسئلہ کی ہے شرک کے ساتھ ساتھ بدعت کے معاملہ میں غلو بے جا ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں تراویح، جمع و تدوین اور اذان ثانی سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ہر وہ کام جو سنت کو تقویت پہنچائے وہ بدعت نہیں، بدعت تو سنت کو مٹاتی ہے کیونکہ جب بدعت آتی ہے تو سنت مٹی ہے کیا تراویح کو اس طرح اہتمام سے پڑھنے سے سنت کو تقویت پہنچی یا سنت مٹی! جمع و تدوین قرآن سے دین کو تقویت پہنچی یا دین کو نقصان پہنچا! اذان ثانی سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا یا نقصان! اسی قاعدہ پر آئندہ زمانے کے علماء فقہاء اور مفسرین نے ہر اس نئے کام کو جائز قرار دیا جس سے دین کو، مسلمانوں کو فائدہ پہنچا، سنت کو تقویت ملی، اہلسنت کے جتنے معمولات جن پر دیوبندی، غیر مقلدین بدعت کے فتوے صادر کرتے ہیں ان کو اس قاعدہ اور اصول پر پرکھیں گے تو انہیں واضح طور پر معلوم ہوگا کہ یہ معمولات، سنت کو فروغ دیتے ہیں، دین کو تقویت پہنچاتے ہیں، مسلمانوں کو ان سے فائدہ پہنچتا ہے۔ ہاں! اگر ان میں کچھ کمیاں، کوتاہیاں یا خامیاں ہوں تو ان کو دور کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

آخر میں میں مناظر اسلام علامہ مرتضیٰ ساقی مجددی صاحب کو اس تحقیقی کاوش پر مبارک باد پیش کروں گا۔ واقعی یہ اختلاف ختم کرنے کی طرف ایک انتہائی احسن اور جامع کوشش ہے۔ آپ نے ان حوالہ جات کو اکٹھا کرنے میں انتہائی محنت، لگن اور خلوص نیت سے کام لیا ہے۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ آپ کی اس تحقیقی کاوش پر بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد نعیم اللہ خاں قادری

جولائی ۲۰۰۹ء

سخنہائے گفتنی

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے روز ازل جلسہ انبیاء علیہم السلام میں وعدہ فرمایا تھا کہ میں سب نبیوں کے آخر میں اپنا عظیمستوں اور رفعتوں والا رسول بھیجوں گا، تمام انبیاء اس پر ایمان لائیں گے اور اس کی مدد بھی کریں گے، سو وقت گزرتا رہا، زمانہ بدلتا رہتا آ نکہ وہ سہانی گھڑی آ پہنچی جب سیدہ آمنہ کا لال، جناب عبداللہ کا در یتیم، ختم نبوت کا زریں تاج زیب سرفرما کر سر زمین مکہ مکرمہ میں ضوافشاں ہو گیا، فرشیوں کے نصیب چمکے، عرشیوں نے اہل زمیں کو واہ واہ اور مبارک باد کے تحائف دیئے، پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب سرور کائنات، سید المرسلین، خاتم النبیین، محمد رسول اللہ ﷺ نے چالیس سال کی عمر مبارک میں اعلان نبوت فرمایا، خوش بخت لوگوں نے لبیک کہا، نامراد منکر ہو گئے اور مختلف حیلے بہانوں سے اعتراضات و اختلافات کا معرکہ پیا کر دیا۔ قرآن مجید، صاحب قرآن اور اہل ایمان ان کے اعتراضات و اختلافات کا قلع قمع کرتے رہے۔ کچھ اسی قسم کا بلکہ اس سے بھی شدید رد عمل مدینہ طیبہ ہجرت کرنے پر وہاں کے یہود اور منافقین نے ظاہر کیا، مشرکین مکہ اور یہود مدینہ کو تو جانے دیجئے کیونکہ وہ تو سرے سے اسلام کے دشمن اور مخالف تھے، حیرت تو ان لوگوں پر ہے جو خود کو مومن اور اسلام کا پیروکار بھی باور کراتے اور اختلافات کا سلسلہ بھی شروع کر دیتے۔ مسلمان کہلا کر بانی اسلام سے اختلاف ایک ایمان کش حرکت ہے لیکن انہیں کون سمجھاتا وہ تو اسے اسلام کی (بالفاظ دیگر اپنے مشن کی تکمیل کے لیے) بہت بڑی خدمت تصور کرتے تھے بلکہ اپنے مصلح یقین کرتے، وہ حق و باطل کو سمجھنے کے باوجود دونوں کو آپس میں ملا دینا چاہتے تھے اور

یہ سب کچھ محض اپنے مفاد کی خاطر تھا انہیں یقین تھا کہ وہ اسلام کو مانے بغیر چین کی زندگی نہیں پاسکتے اس لیے اپنی جان بچانے کی غرض سے ظاہراً کلمہ تو پڑھ لیا لیکن اندر سے پکے کافر و منکر ہی رہے اسی لیے تو، منافق،، کہلائے وہ یہی چاہتے تھے کہ ہم ایک ہی وقت میں مسلمانوں کی آنکھوں کے تارے اور کفار و مشرکین کے دلوں کے سہارے رہیں اگر رحمان سے تعلق ہے تو شیطان بھی ناراض نہیں ہونا چاہیے، دونوں طرف ہی رابطہ استوار رہنا چاہیے تاکہ

راضی رہے رحمان اور خوش رہے شیطان بھی

اور ہمیں دو طرفہ مفادات ملتے رہیں چنانچہ ان لوگوں نے دنیاوی لالچ میں آکر ایمان سے ہاتھ دھو لیے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں سب سے نچلے طبقہ میں اپنا ٹھکانا بنالیا ارشاد قرآنی ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء ۱۴۵)

بلاشبہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے

معلوم ہوا ایسے لوگ جو خود کو مسلمان کہلا کر باطل سے ساز باز کر لیں، اپنے مفاد کی خاطر اسلام اور بانی اسلام پر اعتراضات کریں، ضروریات دین پر حرف گیری کریں، مسلمانوں کو غیروں کے ماتحت کرنا چاہیں، وہ منافق ہیں اور دور اول کے منافقوں ہی کے حکم میں ہیں ان کا انجام اُن سے مختلف نہیں ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ ایسے منافق ہر دور میں پیدا ہوئے اور مسلمانوں کے ایمان اور جذبہ خیر پر ڈاکہ زنی کرنے کے لیے مختلف روپ دھارتے رہے، منافقت، خارجیت، رافضیت، ناصبیت، نجدیت، وہابیت، دیوبندیت، چکڑالویت، قادیانیت وغیرہ یہ اس کے مختلف روپ ہیں جنہیں ہر دور میں

عشاقِ رسول ﷺ نے بے نقاب و لا جواب کیا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ گواہ ہے کہ سرزمین ہند میں عرصہ دراز تک حنفی مسلمانوں کی حکومت رہی، حتیٰ کہ شاطراگریز برطانیہ سے لکلا، اور تجارت کا چور دروازہ عبور کر کے ہندوستان پر ظالمانہ قبضہ جمایا۔ اور اپنے قدم مضبوط کرنے کے لیے کچھ،، خیر خواہوں،، کو خریدا جنہیں مسلم رہنما ہونے کا دعویٰ تھا، ایسے لوگوں کے ہاتھوں شاطراگریز نے،، فرقہ واریت،، کا سنگ بنیاد رکھوایا اور،، لڑاؤ اور حکومت کرو،، کے مشن کی آپیاری کے لیے ان،، رہنماؤں،، کو ہر طرح کی فکر معاش سے آزاد کرتے ہوئے ان سے ہر طرح سے کی مالی امداد کی اور انہیں وعظ و تقریر اور تحریر و مباحثہ کا محاذ سونپا ان لوگوں نے تقریر و تحریر کے دونوں محاذوں پر انگریز کے اشارے پر چلتے ہوئے مسلمانوں کے ایمان، عقائد، جذبات اور نیاز مندانہ انداز کا خون کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ کہیں رسول اللہ ﷺ کی شان میں توہین آمیز عبارات، کہیں دیگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی تنقیص، اور مسلمانوں کو کافر، مشرک اور بدعتی بناتے ہوئے خود اللہ رب العزت جل جلالہ کی شان میں بھی گستاخی اور بے ادبی کرنے میں بھی گریز نہ کیا۔ انگریز خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا جبکہ اہل اسلام خون کے آنسو رو رہے تھے، غیرت مند مسلمان اور اپنے آقا ﷺ کے سچے غلاموں یعنی علمائے اہلسنت نے ایسے منافقوں، بے ادبوں، گستاخوں، اور انگریز کے نمک خواروں کا ہر محاذ پر خوب خوب محاسبہ کیا، انہیں ہر طرح سے لا جواب کر دیا ان کے ہر اعتراض کا دندان شکن جواب دیا، جب انہیں ہر طرح سے چاروں شانے چت کر دیا تو ان انگریزی وفاداروں نے ایسے غلامان رسول ﷺ کو فرقہ باز، فتنہ ساز اور باغی کہہ دیا، عوام الناس سے دعا کرتے ہوئے یہ جھوٹ بولنے لگے کہ،،

ہم تو اصل اسلام پیش کرتے ہیں اور یہ لوگ اس کے برخلاف ہیں،،

ان لوگوں نے قیام پاکستان کے بعد بھی آج تک اپنی اسی روش کو قائم رکھا۔ ابتداء میں ”قیام پاکستان“، میں روڑے اٹکائے اور جب فیصلہ خداوندی کے تحت اولیاء کرام کے فیضان سے پاکستان معرض وجود میں آگیا تو وہ مفاد پرست طبقہ اس کی اہم پوٹوں اور اونچے عہدوں پر فائز اور قابض ہو کر اپنے باطل مشن کو سہارا دینے لگا، سکولوں، کالجوں کا نصاب اپنی مرضی سے مرتب کیا، دینی مدارس میں گستاخیوں اور بے ادبیوں کا سبق دیا۔ اور انگریز کے مشن کو اس انداز میں بھی پورا کرتے رہے کہ ایسی کتابیں چھاپی جائیں کہ جس کی وجہ سے ان مسلمانوں کے عقائد خراب ہوں، نظریات متزلزل ہوں، وہ آپس میں ایک دوسرے کو مشرک و کافر قرار دے کر باہم دست و گریبان رہیں، اور اپنے مقاصد کو فراموش کر کے اسی کام میں مگن رہیں، آج یہی کچھ ہو رہا ہے۔ ایسے لوگ خود کو اسلام کا بہت بڑا خدمت گزار، محسن، خادم اور وفادار باور کر رہے ہیں۔ اور علماء اہلسنت کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ یہ لڑانے والے ہیں۔

ان لوگوں نے مزید چالاکی یہ کی کہ دھوکہ فریب کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے فروغی مسائل کو مشہور کر دیا اور اپنی گستاخیوں کو پس پردہ کر دیا تا کہ ان کا اصل چہرہ چھپا رہے۔ ان لوگوں کے ہنگامے، پراپیگنڈہ اور شور و غوغا کی وجہ سے آج کئی خاص لوگ بھی یہ سمجھے بیٹھیں ہیں کہ اہلسنت کے ساتھ ان لوگوں کا اصل اختلاف میلاد، فاتحہ، ندائے یارسول، علم غیب، وسیلہ، رفع یدین، فاتحہ خلف الامام اور ان جیسے دیگر فروغی مسائل میں ہے جبکہ ایسا ہرگز نہیں، اگر یہ مسائل اختلاف کی بنیاد ہوتے تو مخالفین کے اپنے ذمے دار حضرات ان کی تائید ہرگز نہ کرتے جس کی مثالیں آئندہ صفحات میں ہم

پیش کرنا چاہتے ہیں۔ سر دست یہی بتانا چاہتے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنی چالاکی کی وجہ سے ان مسائل کو،، بنیادی اختلاف،، ظاہر کیا ہے جبکہ ہمارا ان سے اختلاف ان کی ایسی عبارات پر ہے جن میں ان لوگوں نے باگاہ الوہیت، شان رسالت، صحابہ و اہلبیت کی ذوات مقدسہ کی بے ادبی، گستاخی اور توہین کی ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف اپنے بیگانے سب کو ہے مثلاً اہلسنت کے بزرگ علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ نے الحق المسبین صفحہ ۱۲، مولانا محمد منشاء تابلش قصوری نے دعوت فکر صفحہ ۱۲، علامہ عبدالستار خان نیازی علیہ الرحمۃ نے اتحاد بین المسلمین صفحہ ۷۴ جزء ۱، مولانا غلام مہر علی نے دیوبندی مذہب صفحہ ۱۳۳، ۵۶ پر یہی لکھا ہے، اور دیوبندیوں کے مناظر منظور نعمانی نے فیصلہ کن مناظرہ صفحہ ۶، مشتاق علی نے میزان الحق صفحہ ۳۰ پر اس کا اعتراف کیا ہے، اور غیر مقلدوں کے امام العصر محمد جونا گڑھی نے بھی لکھا ہے کہ حنفیوں اور وہابیوں کا اصولی اختلاف ہے (در محمدی صفحہ ۲) اور ان کے محقق زبیر علی زئی نے بھی فروعی مسائل کے بجائے عقائد کے اختلاف کو بنیاد قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو الحدیث صفحہ ۳۶-۳۷ شمارہ کا نمبر ۲۳، بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم صفحہ ۱۳ وغیرہ۔

فروعی مسائل میں مخالفین کی تائید والی عبارات پیش کرنے کے بعد آخر میں ہم ان کی کفریہ عبارات پیش کر کے ہر مسلمان کو دعوت فکر دیں گے اور یہ پیشگی وعدہ کرتے ہیں کہ اگر مخالفین اپنی ان عبارتوں سے توبہ کر لیں تو اختلاف ختم ہو سکتا ہے

خیر اندیش:

نور انیت مصطفیٰ ﷺ

عام طور پر اس مسئلہ پر مناظروں اور مباحثوں کے چیلنج دیئے جاتے ہیں جبکہ یہ بات مخالفین کے گھر سے ثابت ہے، ملاحظہ ہو!

دیوبندیوں کی حمایت:

۱..... بانی مدرسہ دیوبند قاسم نانوتوی نے لکھا ہے:

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت
نہ جانا کون ہے کچھ بھی کس نے بجز ستار

(قصائد قاسمی ص ۶)

۲..... دیوبندیوں کے امام، یعقوب نانوتوی نے لکھا ہے:

وہ نور غیب سے ظاہر بشر کی صورت میں ہے
کہ جیسے ضمہ کا کسرہ سے کیجیے اشام

(بیاض یعقوبی ص ۱۷۰)

۳..... مفتی محمد شفیع آف کراچی نے لکھا ہے:

وہ نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ (تفسیر معارف القرآن ج ۸ ص ۴۶۵)

۴..... یوسف لدھیانوی نے لکھا ہے:

میرے عقیدے میں آپ ﷺ بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی۔

(اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۳۹)

۵..... دیوبندیوں کے، حضرت اقدس، مفتی رشید احمد نے بھی یہی لکھا ہے:

(احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۷)

۶..... دیوبندیوں اور وہابیوں کے امام مولوی اسماعیل نے لکھا ہے:

سو اوّل ہی ہے ہر طرح ان کا نور
بظاہر کیا گیا گو کہ آخر ظہور

(کلام شاہ اسماعیل ص ۳۲)

اسماعیل دہلوی نے رسول اللہ ﷺ کو نور مجسم بھی تسلیم کیا ہے، ملاحظہ ہو!

(منصب امامت ص ۱۲، ۱۳ فارسی)

۷..... قاسم نانوتوی کے پوتے طاہر قاسمی نے لکھا ہے:

نور محمدی بلحاظ خلقت سب مخلوق سے اوّل ہے۔ (عقائد اسلام ص ۳۳)

۹..... اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے:

(اللہ تعالیٰ نے) اپنے نور کے فیض سے (نور محمدی) پیدا کیا۔

(نشر الطیب ص ۶)

نشر الطیب ص ۶ پر پوری، فصل نور محمدی کے بیان میں، مختص کر رکھی ہے۔

مزید کہا: حضور ﷺ کا ایک نور سب سے پہلے پیدا فرمایا اور وہ وجود کا نور ہے

(السرور ص ۷، مواعظ میلاد ص ۶۶)

مزید کہا:

نبی خود نور اور قرآن ملا نور
نہ ہو کیوں مل کے پھر نور علی نور

(مواعظ میلاد ص ۲۴۰، النور ص ۲)

۱۰..... مدرسہ خیر المدارس ملتان کے مفتی انور دیوبندی نے اضافت تشریفی کے اعتبار

سے نور من نور اللہ اور نور اللہ کہنا درست قرار دیا (خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۶)

۱۱..... دیوبندی مفتی عبداللہ نے خیر محمد جالندھری کی تصدیق سے لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے نور کو سب اشیاء سے پہلے پیدا فرمایا۔

(ایضاً ج ۱ ص ۱۳۸)

۱۲..... امداد اللہ مہاجر کی نے لکھا ہے:

نہ پیدا اگر ہوتا احمد کا نور

نہ ہوتا دو عالم کا ہر گز ظہور

(کلیات امدادیہ ص ۱۰۸)

مزید کہا:

سب دیکھو نور محمد کا سب بیچ ظہور محمد کا

وہ منشاء سب اسماء کا ہے وہ مصدر سب اشیاء کا ہے

وہ ظہور سب خفا کا ہے

سب دیکھو نور محمد کا

(نالہ امداد غریب ص ۲۲، کلیات امدادیہ ص ۹۱)

۱۳..... دیوبندیوں، اوروہابیوں کے پیشوا سید احمد نے لکھا:

السلام اے نور رب العالمین

السلام اے محیط روح الامین

(مخزن احمدی ص ۱۰۴)

۱۴..... ادریس کاندھلوی نے لکھا ہے:

سراج منیر کشمس الضحیٰ

خیر البرایا ونور قدیم

(مقدمہ مقامات حریری ص ۱)

۱۵..... انور شاہ کشمیری نے کہا:

نور ایمان کو نور محمدی ﷺ کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے جہاں یہ تعلق العیاذ باللہ

قطع ہوا فوراً یہ نور ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ (انوار الباری ج ۳ ص ۳۴)

۱۶..... ضیاء الرحمان فاروقی نے کہا:

سب سے پہلے مشیت کے نور سے نقش روئے محمد بنایا گیا۔ پھر اسی نقش سے

مانگ کر روشنی بزم کون و مکان کو سجایا گیا۔ (یادگار تقریریں ص ۳۲۵)

غیر مقلد وہابیوں کی صراحت

۱..... حافظ محمد لکھوی نے لکھا ہے:

اول نام نبی دا گنیاتے فضل تے شرف ودھایا

جو وچ پیدائش اول خلقیا کچھے دنیا آیا

(تفسیر محمدی ج ۲ ص ۲۰۷)

۲..... صادق سیالکوٹی نے لکھا:

حضور جان بہاراں، حضور موج طہور تمام روح معانی، تمام پیکر نور
حضور صبح تجلی، حضور عین ظہور حضور سلسلہ انبیاء میں نور ہی نور
حضور نور مجسم، حضور خلق عظیم حضور امت عاصی پہ ہیں رؤف رحیم

(جمال مصطفیٰ ص ۲۱۸، ۲۶۷)

۳..... فیض عالم صدیقی نے مانا ہے کہ:

نور محمدی کی تخلیق، سب سے پہلے ہوئی (صدیقہ کائنات ص ۶۳)

۴..... نواب صدیق حسن نے لکھا:

كانت لآدم ارض الهند منهبطاً وفيه نور رسول الله مشعول

(خطيرة القدس ص ۳۷۶)

۵..... وحید الزمان نے لکھا:

اللہ نے سب سے پہلے نور محمدی کو پیدا کیا، نور محمدی تمام آسمانوں اور زمینوں

اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کی پیدائش کی پہلی اصل ہے۔ (ہدیہ الہدی ص ۵۶)

۶..... عبدالستار دھلوی نے لکھا:

سب تھیں اوّل نور نبی دارب کریم اوپایا

اوّل سب نبیاں تھیں اس نون قرب حضوری آیا

(اکرام محمدی ص ۲۶۸)

۷..... نواب صدیق حسن خاں نے مزید لکھا:

نور الہی تجلی رحمة، حتی انار حنادس الغبراء

(ماثر صدیقی ج ۲ ص ۲۹)

۸..... ثناء اللہ امرتسری نے دو ٹوک لکھا ہے:

ہمارے عقیدے کی تشریح یہ ہے کہ رسول خدا، خدا کے پیدا کیے ہوئے نور

ہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۷۹۳)

مزید لکھا:

سلام اس نور رب العالمین پر

اسکی سب آل اور اصحاب دین پر

(ترک اسلام ص ۱۳)

۹..... عبداللہ روپڑی نے لکھا:

سورج چاند رسول اللہ کے نور سے چمکتے ہیں۔ (مظالم روپڑی ص ۴۷)

☆..... مزید لکھا:

انت الذی من نور البدر اکتسی

والشمس مشرقة بنور بہاک

(ایضاً)

۱۰..... قاضی سلیمان منصور پوری نے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف میں لکھا ہے کہ:

رحمت ربانی کا پیکر نور، نور عالم۔ (سید البشر ج ۲ ص ۶۱)

☆..... مزید لکھا:

احتشام او هوید از کلام ذوالجلال
نور او پیدا وہم پنہاں بآیات مبین
(الجمال والکمال ص ۱۳)

۱۱..... نور حسین گر جاکھی نے کہا:

ہادی عالم ہے وہ نور میں
ہے مخالف ان کا ناری بالیقین
(فضائل مصطفیٰ ص ۱)

۲۱..... ابو بکر غزنوی:

نے سرکار اقدس ﷺ کی نورانیت و بشریت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے: صحیح
مسلك یہی ہے کہ وہ بشر ہوتے ہوئے از فرق تا بقدم نور کا سراپا تھے۔ (یعنی نور مجسم
تھے)۔ (تقریظ بر رسالہ بشریت و رسالت ص ۱۷)

اول ما خلق الله نوری

اس جملے کو بطور حدیث دیوبندیوں اور وہابیوں نے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو!

مفتی محمد شفیع: تفسیر معارف القرآن ج ۳ ص ۵۱۰،

نور الہی دیوبندی: منظوم قصص الانبیاء ص ۱۷۷،

ادریس کاندھلوی: عقائد الاسلام، ج ۲ ص ۷۷،

رشید احمد گنگوہی: فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۹۸،

میاں اصغر حسین دیوبندی: علم الاولین ص ۶۰،

حسین احمد مدنی: الشہاب الثاقب ص ۴۷،

اسماعیل دہلوی: یک روزہ ص ۱۱۔

وحید الزمان حیدر آبادی: وحید لغات ج ۴ ص ۱۵۶۔

قد جاء کم من اللہ نور

اس آیہ کریمہ سے دونوں فرقوں نے ذات رسالت مآب ﷺ مراد لی ہے مثلاً

اشرف علی تھانوی: مواعظ میلاد النبی ص ۱۰۴، ۱۱، ۱۲۔

شبیر عثمانی: تفسیر عثمانی ص ۱۴۶۔

رشید گنگوہی: امداد السلوک ص ۱۹۹۔

مفتی شفیع: معارف القرآن ج ۲ ص ۳۱۱۔

عبدالماجد دریا آبادی: تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۲۲۲۔

قاضی سلیمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین ج ۳ ص ۲۲۵۔

ثناء اللہ امرتسری: تفسیر ثنائی ج ۲ ص ۱۱، ۹۔

حافظ محمد لکھوی: تفسیر محمدی ج ۲ ص ۲۳۔

یہ چند حوالہ جات ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، نورانیت و حاکمیت،، از مولانا محمد کاشف اقبال خان مدنی حفظہ اللہ۔

فیصلہ کیجئے! آج مخالفین بھی سنیوں کی بولی ہی نہیں بول رہے اگر اس عقیدہ کی وجہ سے سنیوں سے ناراضگی ہے تو اپنے،، بزرگوں،، کے متعلق کیا خیال ہے۔

جسم نبوی کا سایہ نہ تھا

دیوبندیوں کا موقف

رشید احمد گنگوہی:

تواتر سے ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ سایہ نہ رکھتے تھے اور نور کے سوا تمام

اجسام سایہ رکھتے ہیں (حضور نور ہیں، اس لیے آپ کا سایہ نہ تھا) (امداد السلوک ص ۱۵۶)

اشرفعلی تھا نوی:

مشہور ہے کہ ہمارے حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔

(شکر النعمۃ ص ۲۰، خطبات حکیم الاسلام ج ۳۱ ص ۱۱۷)

مزید لکھا: یہ جو مشہور ہے کہ سایہ نہ تھا حضور ﷺ کا تو یہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے

(مواعظ میلاد النبی ص ۴۵۰)

اور لیس کا ندھلوی:

آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کا سایہ نہ تھا۔ (اصول الاسلام ص ۹۲)

مفتی عزیز الرحمن:

امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں آنحضرت ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل فرمائی..... آپ کا بدن نور تھا اس وجہ سے آپ کا سایہ نہ تھا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۴۲)

عابد میاں و دیگر دیوبندی اکابر:

آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک نورانی تھا جس وقت آپ دھوپ اور چاندنی رات میں آمد و رفت فرماتے تو مطلقاً سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا۔ (رحمۃ للعالمین ص ۵۳)

نوٹ: اس کتاب پر کئی اکابر دیوبند کی تقریظات ہیں۔

ظفر احمد عثمانی: WWW.NAFSEISLAM.COM

(روایات لکھ کر) آپ کے سایہ کو زمین پر واقع نہ کیا، تاکہ اس پر کسی کا قدم نہ

پڑے۔ (امداد الاحکام ج ۱ ص ۳۴۰)

مہدی حسن اور جمیل الرحمن:

آنحضرت کا سایہ نہ تھا اس کے ہم معتقد ہیں۔ (ماہنامہ تجلی دیوبند مارچ ۱۹۵۹ء)

خلیفہ تھانوی عنایت علی شاہ نے لکھا ہے:

جسم پاک ان کا سراپا نور تھا

اس لیے سائے سے بالکل دور تھا

(باغ جنت ص ۲۸۴)

خلیفہ تھانوی مصنف اشرف السوانح، عزیز الرحمن نے لکھا ہے:

سارا بدن حضور کا جب نور ہو گیا

پھر دور کیا ہے سایہ اگر دور ہو گیا

(شکول مجذوب ص ۹۲)

مفتی عبدالرحمن اشرفی:

بطور معجزہ آپ ﷺ کا سایہ مبارک نہیں تھا۔

(روزنامہ جنگ لاہور فروری ۱۹۹۰ء)

وہابیوں کا نظریہ:

نور محمد جوڑا سوتری:

نے رسول اللہ کے سایہ نہ ہونے پر ۱۳ وجوہ بیان کی ہیں پہلا شعر یہ ہے۔

اس رحمت عالم سدا سایہ دھرتی مول نہ پوندا

منافق کافر قدم دھرے کوا یہ کم مول نہ تھیندا

(شہباز شریعت ص ۱، ۲۱۰)

یاد رہے کہ اس کا حاشیہ حافظ محمد لکھوی نے لکھا ہے اور تائید کی ہے

نواب صدیق:

آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا۔ (الشمامۃ العنبر یہ ص ۵۱)

محمد لکھوی:

جاں گرمی سخت ہوندی تاں سر پر بدل سایہ کر دا

تے اپر زمین نہ پوندا سایہ حضرت پیغمبر دا

(تفسیر محمدی ج ۱ ص ۱۳۵)

آپ ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنا

دیوبندی مفتی عزیز الرحمن سے سوال ہوا، اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھے

چومنا اور آنکھوں سے لگانا اور قرۃ عینی بک یا رسول اللہ پڑھنا کیسا ہے؟۔

تو لکھا: الجواب..... علامہ شامی نے کنز العباد سے نقل کیا ہے کہ شہادتین کے وقت اذان

کے دوران ایسا کرنا مستحب ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۹۰)

مزید ج ۲ ص ۱۰۶ پر بھی اس کی حمایت کی ہے۔

☆..... اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے:

کہ بطور علاج انگوٹھے چومنا جائز ہے۔ (بوادر النواذر ص ۴۰۹)

☆..... دیوبندیوں کے مفتی عبدالشکور لکھنوی نے بھی مستحب لکھا ہے۔

(علم الفقہ ص ۱۵۹ کراچی)

☆..... محمد تقی عثمانی نے لکھا ہے کہ:

محبت میں انگوٹھے چومنا اجر و ثواب کا باعث ہے (بدعت ایک سنگین گناہ ص ۳۸)
☆..... مفتی عبدالرحمن اشرفی نے تسلیم کیا ہے کہ:

اس کا تعلق محبت کیساتھ ہے (روزنامہ جھنگ لاہور ص ۲۰ اگست ۱۹۹۳ء)

حضور مالک و مختار ہیں

دیوبندیوں کی عبارتیں:

دیوبندیوں، وہابیوں کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے
رسول اللہ ﷺ کو بیان، خبر دینے، روکنے اور حکم دینے میں اپنا قائم مقام بنایا ہے۔
(الصارم المسلول ص ۴۱)

ابن قیم نے لکھا ہے:

آپ ان خزانوں میں خالص امر کے تحت تصرف کرتے ہیں، اس خالص عبد
کی طرح جس کا وظیفہ اپنے آقا کے احکام کو نافذ کرنا ہے۔ (طریق البحر تین ص ۷۱ قطر)
www.nafseislam.com اشرفی تھانوی:

نبی خداوند ذوالجلال کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے۔

(ماہنامہ انوار العلوم لاہور دسمبر ۱۹۵۵ء)

مزید لکھا: آپ ﷺ کو تمام خزان روئے زمین کے اور تمام شہروں کی کنجیاں عالم کشف
میں عطا کی گئی تھیں۔ (نشر الطیب ص ۱۶۶)

اسماعیل دہلوی:

ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے متعلق ماذون و مجاہد ہوتے ہوتے ہیں۔ (صراط مستقیم ص ۱۳۸، ۱۳۹)

ظاہر ہے کہ ایسے مراتب و مناقب کے سب سے زیادہ لائق رسول ﷺ ہیں۔

مودودی:

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تشریحی اختیارات عطا کیے ہیں، جو کچھ نبی ﷺ نے حرام یا حلال قرار دیا ہے اور جس چیز کا حضور نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے، وہ بھی اللہ کے دیے ہوئے اختیارات سے ہے۔ (سنت کی آئینی حیثیت ص ۷۳)

شبیر احمد عثمانی:

(اللہ نے اپنے نبی کو کوثر دیا ہے) کوثر کے معنی خیر کثیر..... ہر قسم کی دنیوی دولتیں اور حسی و معنوی نعمتیں داخل ہیں (تفسیر عثمانی ص ۷۸۸)

عنایت علی شاہ خلیفہ تھانوی:

شاہ کر دیتے ہیں پیغمبر گدا کو دیکھ کر
بخش دیتے ہیں خزانے بے نوا کو دیکھ کر

(باغ جنت ص ۳۱۶)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی:

محمد کی مرضی ہے مرضی خدا کی..... خدا کی رضا ہے رضائے محمد

(کلیات امدادیہ ص ۹۱)

شبیر عثمانی:

حضرت ربیعہ کو حضور نے فرمایا جو چاہے مانگ لے، کوئی قید نہیں لگائی
(گویا ہر شے کے مالک ہیں)۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۹۶)
دیوبندیوں، وہابیوں، کے امام، ابن قیم:

دنیا و آخرت میں جو نعمت آپ کو ملی وہ حضور ہی کے ہاتھ سے ملی ہے (زاد
المعاد علی ہامش الزرقانی ج ۱ ص ۳۷۳)
سرفراز گکھڑوی:

امت کو جو کچھ بھی ظاہری اور باطنی کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں تو وہ آپ ہی کی
بدولت اور آپ ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں۔ (دل کا سرور ص ۱۵۲)
محمود الحسن:

آپ اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات بنی آدم ہوں
یا غیر بنی آدم القصہ آپ اصل میں مالک ہیں۔ (ادلہ کاملہ ص ۱۲)
وہابیوں کی صراحت
فاروق یزدانی:

شریعت رسول اللہ کا امر ہے۔ (احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف ص ۲۹)
احمد حسن دہلوی:

پھر فرمایا اے رسول اللہ کہ ہم نے اپنا نائب اور رسول بنا کر تم کو دنیا میں بھیجا۔

(احسن التفاسیر ج ۱ ص ۳۴۹)

فضل احمد غزنوی:

قرآن صاف فرما رہا ہے، سید دو جہاں کی اپنی مرضی کعبۃ اللہ کو قبلہ بنانے کی تھی، رب اکبر اپنے رسول کی رضا کا خود طالب ہے۔

(ہفت روزہ المحدث سوہدردہ ۱۵ نومبر ۱۹۶۱ء)

عزیز الرحمان:

خزائن کی چابیاں حضور کے پاس ہیں۔ (سردلبریں ص ۱۴۸)

نواب صدیق:

آپ نے حضرت ربیعہ کو عام اجازت دی کہ جو چاہے مانگ لے۔

(مسک الختام شرح بلوغ المرام ج ۱ ص ۵۲۱)

صادق سیالکوٹی:

نے حضرت ربیعہ والی حدیث کو نقل کیا ہے۔ (جس میں آپ کے مالک و معطی

ہونے کا بیان ہے)۔ (صلوۃ الرسول ص ۲۵۰)

مبشر ربانی:

(حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے) مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں

(الدعوة لاہور نومبر ۱۹۹۶ء ص ۳۴)

عبدالستار دہلوی:

نے چاند و ٹکڑے ہو نیوالے واقعہ کو پنجابی اشعار میں بیان کیا ہے۔

(اکرام محمدی ص ۱۶۶)

نذیر حسین دہلوی:

نے رسول اللہ ﷺ کو سلطان دو جہاں لکھا ہے۔ (معیار الحق ص ۴۱۹، ۴۲۱)

تفصیل کے لیے ہماری کتاب،، حضور مالک و مختار ہیں،، دیکھیے!

علم غیب

وہابیوں کی تائید:

دیوبندیوں، وہابیوں کے ولی، اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے:

غیب کے خزانہ کی کنجی اللہ ہی کے پاس ہے..... جتنا جس کو چاہے بخش دے،

اس کا ہاتھ کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ (تقویۃ الایمان ص ۴۵)

عبداللہ روپڑی:

،، آسمان و زمین میں موجود اشیاء کا،، علم کلی،، معلوم ہوتا ہے،، (اتنا علم آپ کو

حاصل ہے)۔ (فتاویٰ الہمدیث ج ۱ ص ۲۲۱)

نواب صدیق حسن:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علم (غیب) عطا کیا ہے جو اوروں کو نہیں دیا۔

(الخطہ فی ذکر الصحاح السہ ص ۹۶)

داؤد غزنوی:

اس نے بعض غیب کی باتوں کا علم اپنے رسول پاک کو عطا فرمایا ہے..... نبی اکرم ﷺ کا علم اولین و آخرین سے بڑھ کر ہے۔ (داؤد غزنوی ص ۳۴۲)
صادق سیالکوٹی:

ہاں اللہ جتنا چاہے علم غیب اپنے پیغمبر کو بتا دیتا ہے۔
(شان رب العالمین ص ۵۸، ۵۷)

زبیر علی زئی:

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو غیب کی بہت سی خبریں بذریعہ وحی بتادی تھیں۔
(الحديث نمبر ۵۳، ص ۱۲)

دیوبندیوں کی حمایت

حسین علی واں بھجروی: خواجہ عثمان نے فرمایا:

اولیاء سب کچھ جانتے ہیں لیکن ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

(فوائد عثمانی ص ۹۸)

امداد اللہ مہاجرکی:

لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں دریافت و ادراک غیبات کا ان کو ہوتا ہے اصل میں یہ علم (غیب، نبیوں، ولیوں کو ہونا) حق ہے (امداد المہتاق ص ۷۶، ۷۷، شائع امدادیہ ص ۶۱)

اشرفعلى تھا نوى:

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ایک شخص حضور ﷺ کے علم غیب کا قائل ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ میں نے کہا کہ جو شخص علم بلا واسطہ کا قائل ہے وہ کافر ہے اور جو علم بواسطہ کا قائل ہو یعنی خدا کی عطاء کے واسطہ کا، وہ کافر نہیں اگرچہ وہ علم محیط ہی کا قائل ہو۔ (افاضات یومیہ ج ۸ ص ۷۶)

ذوالفقار علی:

اور منجملہ آپ کے علوم و معلومات کے علم لوح و قلم ہے۔

(عطر الوردہ فی شرح البردہ ص ۱۰۳)

شبیر عثمانی:

یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۸۰ حاشیہ نمبر ۷)

سرفراز لکھڑوی:

جناب رسول کریم ﷺ کو تمام وہ جزئی اور کلی علوم حاصل ہو گئے تھے جو حق تعالیٰ کے نزدیک آپ کی شان اقدس کے لائق اور مناسب تھے یا بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ آپ کو بہت جزئی اور کلی علوم حاصل ہو گئے تھے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں۔

(ازالۃ الریب ص ۱۳۸)

مرتضیٰ حسن:

غیب..... سرور عالم ﷺ کے علم غیب پر بھی صادق آتا ہے اور غیر کے علم غیب پر بھی۔ (توضیح البیان ص ۱۵)
قاسم نانوتوی:

اس صورت میں آپ کا علم وہ خدا ہی کا علم ہوا اور آپ کا کہا وہ خدا ہی کا کہا نکلا۔ (فیوض قاسمیہ ص ۴۲)
نوٹ: دیوبندیوں کے نزدیک ہر ایرے، غیرے، پاگل، جانور اور دنیا کی ہر گھٹیا سے گھٹیا چیز کو بھی علم غیب حاصل ہے ملاحظہ ہو! حفظ الایمان ص ۸۸ از تھانوی، توضیح البیان ص ۲۱ از مرتضیٰ حسن، شہاب ثاقب ص ۱۰۵ از حسین مدنی، سیف یمانی ص ۷۰ از منظور نعمانی، عبارات اکابر ص ۱۸۸، ازالۃ الریب ص ۳۲ از سرفراز گکھڑوی، میزان الحق ص ۱۶۱ از مشتاق علی، مزید وضاحت کے لیے، زلزله، اور زیروزبر، (از علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ) دیکھیے!

لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ ان کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے لیے، علم غیب، کا لفظ استعمال کرنے کو شرک اور کفر وغیرہ لکھا گیا ہے۔

ایں چہ بولہبی است

رسول اللہ ﷺ کو پکارنا

دیوبندیوں کا عمل

امداد اللہ مہاجر مکی:

ذرا چہرے سے پردہ اٹھاؤ یا رسول اللہ
مجھے دیدار تک اپنا کراؤ یا رسول اللہ
(کلیات امدادیہ ص ۲۰۵)

قاسم نانوتوی:

کروڑوں جرموں کے آگے یہ نام کا اسلام
کرے گا یا نبی اللہ مجھ پہ کیا پکار
(قصائد قاسمی ص ۶)

سرفراز گکھڑوی:

اگر کوئی شخص محض عشق و محبت کے نشہ میں سرشار ہو کر یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ
کہے تو بالکل جائز ہے اور صحیح ہے ہم اور ہمارے اکابر اس کے قائل ہیں۔
(تہذیب النواظر ص ۷۲)

اشرف علی تھانوی:

یا رسول الا له بابک لی من غمام الغموم ملتحدی

(نشر الطیب ص ۱۹۴)

شبیر احمد:

امت کے لاکھوں عاشقان رسول نے حضور ﷺ سے اپنے والہانہ عشق و محبت کا اظہار بے بیغہ ندا و خطاب کیا ہے (یا حرف محبت/ص ۲۸)

وہابیوں کا طرز

غلام رسول قلعوی:

میرادل چور کیتا درد دے غم..... ترحم یا نبی اللہ ترحم

(سوانح حیات ص ۱۶۱)

نواب صدیق حسن:

یاسیدی یاعروتی ووسیلتی یاعدتی فی شدہ و رخاء

(ماثر صدیقی ج ۲ ص ۳۰، ہدیۃ الہدی ج ۱ ص ۲۰ حاشیہ)

عبدالغفور اثری:

،،ندائے یا محمد کی تحقیق،، کے نام پر پوری کتاب لکھ کر ثابت کیا ہے، کہ رسول

ﷺ کو آپ کی زندگی اور وفات دونوں صورتوں میں یا رسول اللہ و یا نبی اللہ کہنا چاہیے

وحید الزمان:

یا محمد، یا عبدالقادر پکارنے کو شرک کہنا عجیب بات ہے۔ (ہدیۃ الہدی ج ۱ ص ۲۳)

مزید لکھا: لغوی اعتبار سے دعا کرنا، ندا کرنا مخلوق کے لیے جائز ہے جسے پکارا جائے

چاہے وہ زندہ ہو یا وفات یافتہ۔ (ایضاً ص ۲۳)

مزید لکھا: رسول اللہ کو پکارنا جائز ہے (ایضاً ج ۱ ص ۲۳)

مخلوق کو مشکل کشا ماننا

دیوبندی انداز

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی:

سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل
اے میرے مشکل کشا فریاد ہے

(کلیات امدادیہ ص ۹۰)

اشرف علی تھانوی:

کھول دے دل میں در علم حقیقت میرے رب
ہادی عالم علی، مشکل کشا کے واسطے

(شجرہ طیبہ چشتیہ صابر یہ ص ۲)

نوٹ: یہی حوالہ تعلیم الدین ص ۱۴۲، اصلاحی نصاب ص ۵۷۴ از تھانوی، سلاسل طیبہ ص

۶، پر بھی ہے۔

شبیر احمد:

ہزاروں مشائخ کرام اور لاکھوں مریدان طریقت پر مشتمل ہے ان سب کا
محبوب شجرہ..... اس کے چند اشعار..... ان اشعار میں حضرت علی کو ہادی عالم یعنی تمام
دنیا کو ہدایت کرنے والا اور مشکلات کو حل کرنے والا (مشکل کشا) کہا گیا ہے۔

(یا حرف محبت ص ۹۶، ۹۷)

محمد علی دیوبندی نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے متعلق لکھا ہے:

قطب دین مشکل کشا عبدالعزیز۔ (مخزن احمدی ص ۸)

وہابی اطوار

خواجہ قاسم:

اپنی کتاب کو، مشکل کشا، کہا (تین طلاقیں ص ۶)

ابن قیم:

نے اپنی کتاب کا نام، اغاثۃ اللہ فان، (پریشانوں کی مشکل کشا) رکھا ہے

نواب صدیق:

نے رسول اللہ کو مشکل کشا، سہارا، سختی و نرمی میں کام آنے والا اور فریاد رس لکھا

ہے۔ (ماثر صدیقی ج ۲ ص ۳۰)

ایک غیر مقلد حکیم عبداللہ نے تمباکو کو مشکل کشا قرار دیا ہے۔

(خواص تمباکو ص ۸۴، ۸۵، از عبداللہ آف جہانیاں منڈی خانیوال)

مخلوق کو مدد کے لیے پکارنا

دیوبندی عبارات

حاجی امداد اللہ:

یا رسول کبریا فریاد ہے یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے (کلیات امدادیہ ص ۹۰)

اشرفعلی تھانوی:

دشگیری کیجئے میرے نبی..... کشمکش میں تہی ہو میرے نبی

(نشر الطیب ص ۱۹۴)

مزید لکھا: صاحب نے اپنے مرشد کو یوں پکارا، یا مرشدی یا موئلی یا مغزعی یا

ملجائی فی مبدئی و معادی ارحم علی یا غیاث فلیس لی کھفی سوی

جیکم من زاد (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۱۴)

مزید لکھا: جو استعانت و استمداد بالخلق باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم و

قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائز ہے خواہ وہ مستمد منہجی ہو یا میت۔

(بوادر النواذر ص ۸۲، فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص ۹۹)

قاسم نانوتوی:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا

نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

(قصائد قاسمی ص ۸)

محمود الحسن:

ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔ (حاشیہ قرآن ص ۲)

دیوبندیوں کے نزدیک یا شیخ عبدالقادر جیلانی ہیما اللہ پڑھنا درست ہے۔
(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۴، فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص ۹۴، یا حرف محبت ص ۹۸، کلیات امدادیہ ص ۸۴)

وہابی حوالہ جات

وحید الزمان:

نے کتاب کی تکمیل کے لیے انبیاء صالحین ملائکہ کی روح سے مدد مانگی۔
(ہدیۃ المحدث ص ۳۴)

مزید لکھا ہے: واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ جو امور مخلوق کی قدرت میں ہیں، ان میں پکارنا، متوجہ ہونا یا مدد مانگنا یا غیر اللہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے اذن، اس کے حکم اور ارادہ سے نفع و ضرر کا اعتقاد کرنا شرک اکبر نہیں۔ (ہدیۃ المحدث ص ۲۰)

ایسے ہی ایسا ک نستعین سے غیر اللہ سے مدد مانگنے کو مطلقاً شرک کہنے والے کو غالی (حد سے بڑھنے والا) قرار دیا۔ (ایضاً ص ۱۹)

نواب صدیق:

متعدد اشعار میں رسول اللہ سے مدد طلب کی آخر میں کہا،، مالی و رائج مستغاث (ہدیۃ المحدث ص ۲۰) میرا آپ کے سوا کوئی مشکل کشا و مددگار نہیں ہے۔

مزید کہا: قبلہء دین مددے کعبہ ایماں مددے۔ ابن قیم مددے قاضی شوکاں مددے
(ایضاً ص ۲۳)

قاضی شوکانی:

دکھائی نہ دینے والے لوگوں سے مدد مانگنے کا ثبوت ہے۔

(تحفۃ الذاکرین ص ۱۵۵)

اسماعیل دہلوی:

اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان عالم مثال اور عالم
شہادت میں تصرف کرنے کے مطلق ماذون و مجاز ہیں۔ (صراط مستقیم ص ۱۳۸)
ثناء اللہ امرتسری:

کالی کملی والے آقا خبر لیجئے

منجد ہار میں ہے بیڑا خیر الانام اپنا

(المحدیث امرتسر ص ۶، ۷ جولائی ۱۹۱۶ء)

وصال کے بعد مدد کرنا

دیوبندیوں کا طریقہ

اوپر والے مضمون میں متعدد حوالہ جات موجود ہیں کہ دیوبندیوں، وہابیوں

نے بعد از وصال بھی مدد مانگی ہے تاہم چند مزید درج ذیل ہیں:

حسین علی واں پھر وی:

شالامد دہوے پیر جیلانی (بلغۃ الحیر ان ص ۳۶۴)

امداد اللہ:

اپنے پیر سے، اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا (امداد المہتاق ص ۱۱۶)

نجم الدین احیائی:

اسی طرح وہ (دیوبندی) اس بات کے بھی قائل نہیں ہیں کہ انسان اپنی زندگی میں یا مرنے کے بعد سرے سے کوئی تصرف نہیں کر سکتا (بلکہ زندگی اور وصال کے بعد بھی مدد اور تصرف کر سکتے ہیں)۔ (زلزلہ در زلزہ ص ۱۰۱)

مزید کہا: جب تک اجازت ہے تب تک عالم برزخ سے بھی کچھ روئیں آ کر دنیا والوں کی مدد کرتی ہیں (ایضاً ۱۰۲)

رشید احمد گنگوہی:

اولیاء کے تصرفات و کرامات بعد از وصال بھی باقی رہتے ہیں بلکہ ترقی کر جاتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۵۲)

دیوبندیوں، وہابیوں کے بزرگ سید احمد نے ام المؤمنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے مزار پر حاضری دی اور بھوک مٹانے کے لیے گدایا نہ فریاد کرتے ہوئے کھانا مانگا۔ (مخزن احمدی ص ۹۹)

دیوبندیوں، وہابیوں کے امام اسماعیل دہلوی نے سیدنا علی المرتضیٰ کو مرجع ارباب

ہدایت، مرکز دائرہ ولایت، دلیل سبیل فلاح و ارشاد، رہنمائی طریق استقامت لکھا ہے
(صراط مستقیم فارسی ص ۳)

وہابیوں کا عمل

ثناء اللہ امرتسری:

اے ناخدائے امت اب آن کر ترادو
عالم سے ورنہ شاہا مٹتا ہے نام اپنا
(المحمدیہ امرتسر ص ۶، ۷ جولائی ۱۹۱۶ء)

وحید الزمان:

امت کے اولیاء و صلحاء سے تو اتر کیسا تھ رسول اللہ کو بعد از وفات پکارنا ثابت
ہے۔ (ہدیۃ المحدثین ج ۱ ص ۱۹)
منیر سلفی نے لکھا ہے:

کہ حضور غوث پاک نے عبدالمنان وزیر آبادی کی مدد کی۔

(عبدالمنان ص ۶۵، ۶۶)

حضرت شیخ جیلانی کو غوث اعظم کہنا:

عام طور پر دیوبندی، وہابی حضرات حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ
الرحمہ کو غوث، غوث الثقلین یا غوث اعظم کہنے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ خود ان
لوگوں نے بھی بے دھڑک حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ منصب و مقام دے رکھا ہے۔ چند
حوالہ جات درج ذیل ہیں:

دیوبندیوں، وہابیوں کے مشترک فرد اسماعیل دہلوی نے آپ کو جگہ جگہ غوث اعظم لکھا ہے ملاحظہ ہو! صراط مستقیم ص ۴۷، ۶۱، ۷۷، ۸۱ وغیرہ۔

دیوبندیوں کے حوالہ جات:

اشرف علی تھانوی: امداد المشتاق ص ۴۳، افاضات یومیہ ج ۱ ص ۳۳۲/۳۳۳/۳۳۴ ج ۲ ص ۹۱ ج ۳ ص ۳۲۶ ج ۵ ص ۸۶، سفرنامہ لاہور و لکھنؤ ج ۱ ص ۲۵۳، اشرف الجواب ج ۲ ص ۸۳، تعلیم الدین ص ۱۱، تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۰۶/۱۰۷/۳۱۲، مذکورہ مقامات پر غوث اعظم کا جملہ ہے، جبکہ تعلیم الدین ص ۱۲، اصلاحی نصاب ص ۵۶۱ پر غوث الثقلین کا جملہ لکھا گیا ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم میں مفتی عزیز الرحمن نے بکثرت مقام پر بار بار غوث اعظم و غوث الثقلین مانا ہے۔

نوٹ: دیوبندیوں نے حضرت غوث پاک کے مقابلے میں رشید احمد گنگوہی کو، غوث اعظم،، لکھنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں ہوئی شائد اس وقت ان کے لیے کوئی نئی شریعت نازل ہوئی ہو۔ ملاحظہ فرمائیں! تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۲۔

غیر مقلدوں کی تصریح

نذیر حسین دہلوی:

نے فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۱۱۳ پر غوث اعظم لکھا ہے۔

جو کہہ دیا وہ ہو گیا

دیوبندیوں کا عقیدہ

سرفراز گکھڑوی:

دلی کے منہ سے جو نکلی تھی بات وہ ہو کے رہی۔ (مقام ابی حنیفہ ص ۱۴۸)

مزید لکھا: حضرت پیران پیر کی بات جو دلی مسلم ہیں کیونکر غلط اور خطا ہو سکتی ہے۔

(ایضاً ص ۲۷۸)

قاسم نانوتوی:

(عبداللہ خان) فرمایا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا اور جو آپ

بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا (ارواح ثلاثہ ص ۱۶۷ حکایت نمبر ۱۴۷)

عاشق الہی:

مولوی نظر محمد خاں..... بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا، وہ کب تک رہے گا

چند روز گزرے تھے کہ وہ شخص انتقال کر گیا۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۱۴)

اشرف علی تھانوی:

میری نانی نے ایک مجذوب سے شکایت کی کہ میری لڑکی کی اولاد زندہ نہیں

رہتی انھوں نے فرمایا اس کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوں گے دونوں زندہ رہیں گے.....

انھوں نے جو فرمایا وہ ہو کے رہا۔ (اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۷)

وہابیوں کا نظریہ

عبدالحمید خادم:

سلیمان روڑوی کو ان کے ایک مرید نواب نے اپنی بیٹی کو دم کرنے کے لیے بلایا چنانچہ آدمی بھیجا، سواری منگائی گئی کہ معاً آپ نے فرمایا: اب جانا فضول ہے لڑکی کا تو انتقال ہو گیا ہے چنانچہ آدمی جب واپس گیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی وقت جب مولوی صاحب نے فرمایا تھا اس کا روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

(کرامات الہمدیٹ ص ۲۸)

غلام رسول قلعوی کے ایک مرید نے شکایت کی کہ میرا ہمسایہ چور ہے ہر وقت خطرہ رہتا ہے انھوں نے کچھ پڑھنے کو کہا ساتھ ہی فرمایا بے فکر رہ کتا بھونک بھونک کر خود ہی چلا جایا کرے گا سوایسا ہی ہوتا رہا..... ان کی زبان سیف الرحمان تھی جو کچھ انھوں نے کہا وہ ضرور ہوا اور آئندہ بھی انشاء اللہ ہوتا رہے گا۔ (سوانح حیات ص ۱۳۸)

حاضر و ناظر ماننا

دیوبندیوں کا نظریہ

حاجی امداد اللہ مہاجر کی:

سب دیکھو نور محمد کا سب بیچ نور محمد کا
جبریل مقرب خادم ہے سب جا مشہود محمد کا

(رسالہ امداد غریب ص ۲۲۔ کلیات امداد یہ ص ۹۱)

قاسم نانوتوی:

رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہے (تحدیر الناس ص ۱۴) یہی مضمون آب حیات ص ۳۷ پر لکھا ہے۔
شبیر عثمانی:

ہم کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۵۶)
رشید گنگوہی:

مرید کو یقین کے ساتھ یہ جاننا چاہیے کہ شیخ کی روح کسی خاص جگہ میں مقید و محدود نہیں ہوتی، پس مرید جہاں بھی ہوگا خواہ قریب ہو یا بعید..... دور نہیں۔
(امداد السلوک ص ۶۴)

نوٹ: یہی بات حسین مدنی نے الشہاب الثاقب ص ۶۱ میں بھی لکھا ہے۔
گنگوہی نے مزید لکھا: تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا اتنے سال حضرت ﷺ میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی کام آپ سے پوچھے بغیر نہیں کیا (ارواح ثلاثہ ص ۲۶۵)
انور شاہ کشمیری:

نے مانا ہے کہ اولیاء کرام اشیاء کو موجود ہونے سے پہلے ہی دیکھ لیتے ہیں۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۲)

اشرف علی تھانوی: محمد الحضری مجذوب..... ابدال میں سے تھے..... ایک دفعہ تیس شہروں میں..... نماز جمعہ بیک وقت پڑھایا (جمال الاولیاء ص ۱۸۸)

فضل الرحمان دیوبندی نے لکھا ہے:

اگر حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نور سمجھ کر ہر جگہ سمجھا جائے تو کوئی جھگڑا نہیں، اور جسم مبارک کر ہر جگہ جانا جائے تو یہ مسئلہ علمائے بریلی بھی بیان نہیں کرتے، تو پھر جھگڑا کس بات پر ہے۔ (پندرہ روزہ ندائے اہلسنت ص ۵، ۱۶ تا ۳۰ جون ۱۹۹۳ء)

وہابیوں کا عقیدہ

نواب صدیق:

حقیقت محمدیہ تمام موجودات کے ذروں اور افراد ممکنات میں جاری و ساری ہے پس آپ ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں۔ (مسک الختام ج ۱ ص ۲۴۴)

وحید الزمان حیدر آبادی نے لکھا ہے:

روح از قبیل اجسام نہیں ہے، اجسام کی یہ صفت ہے کہ جب وہ ایک مکان میں ہوں تو دوسرے مکان میں موجود نہیں ہو سکتے۔ (روح ایک ہی وقت کئی جگہ ہو سکتی ہے)۔ (ہدیۃ المہدی ص ۶۳)

یہی گوند لوی کا دعویٰ ہے:

جانتا ہوں سب مجھے غافل نہ جائیے

ان کی ہر بات میری نظر نظر میں ہے

(مطرقۃ الحدید ص ۱۲)

عبدالغفور اثری نے دعویٰ کیا ہے:

دور ہوں ان کی بزم سے لیکن بتا سکتا ہوں

کیا ہوا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے کو ہے

(ندائے یا محمد کی تحقیق ص ۱۱۹)

تبرکات

وہابیوں کا عمل

نذیر حسین دہلوی:

نے عبدالمنان وزیر آبادی کو اپنی دستار اتار کر دے دی اور فرمایا عبدالجبار کرتہ

لے گیا ہے تم دستار لے جاؤ۔ (عبدالمنان ص ۱۶)

یہی بات دوسری جگہ لکھ کر (منیر سلفی نے) کہا ہے آپ نے وصیت کر دی تھی کہ میری

تجہیز و تکفین کے وقت کفن کے نیچے یہ دستار لپیٹ دی جائے (ایضاً ص ۹۰)

پھر لکھا ہے: تبرک لپیٹ دیا گیا (ایضاً ص ۹۷)

عبداللہ روپڑی:

تبرک بآثار صالحین سے کسی کو انکار نہیں۔ (فتاویٰ الہدٰی ج ۱ ص ۳۴۷)

یچی گوند لوی:

نے، تبرکات نبوی ﷺ، کے عنوان کے تحت تمام انبیاء کرام خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے جسم کے ہر عضو کو تبرک مانا ہے۔ (عقیدہ مسلم ص ۲۹۷)

وحید الزمان:

صالحین کے آثار سے برکت لینا درست ہے۔

(تیسیر الباری ج ۱ ص ۳۳۷، ج ۷ ص ۵۹۷، صحیح مسلم مترجم ج ۶ ص ۳۷)

دیوبندیوں کا عمل

منظور نعمانی دیوبندی:

اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کے لباس وغیرہ کا تبرک کے طور پر اس طرح کا استعمال درست ہے اور نفع کی امید ہے۔ (معارف الحدیث ج ۳ ص ۴۷۰)

شبیر عثمانی دیوبندی:

تبرک بآثار صالحین جائز ہے (فضل الباری ج ۲ ص ۲۸۲)

محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت کی نانی کے بارے میں لکھا ہے:

جس وقت انتقال ہوا ان کپڑوں میں کہ جن میں پاخانہ لگ گیا تھا عجیب و غریب مہک تھی کہ آج تک کسی نے ایسی خوشبو نہیں سونگھی۔

(حاشیہ تذکرۃ المشائخ دیوبند ص ۹۶ از مفتی عزیز الرحمن)

مزید لکھا ہے: پوترے نکالے گئے جو نیچے کودے جاتے تھے تو ان میں بدبو کی جگہ خوشبو

اور ایسی نرالی مہک پھوٹی کہ ایک دوسرے کو سنگھاتا اور ہر مرد اور عورت تعجب کرتا تھا چنانچہ بغیر دھلوائے ان کو تبرک بنا کر رکھ دیا گیا (تذکرۃ التحلیل ص ۹۶، ۹۷) دیکھیے کہ دوسروں کو بزرگوں کے صاف اور شفاف تبرکات کا طعنہ دینے والے،، پاخانے،، کو تبرک بنا رہے ہیں۔ العیاذ باللہ

اشرف علی تھانوی:

اکثر اہل محبت کا یہی معمول ہے کہ تبرکات کو حتی الامکان بعینہ محفوظ رکھتے ہیں اور اسی کو ادب سمجھتے ہیں یہ حدیث اسکی مؤید ہے۔ (الکشف ص ۶۱۶)

مزید لکھا: ان بزرگوں کے آثار و برکات اس مبارک جگہ ظاہر ہوتے رہتی ہیں۔

(جمال الاولیاء ص ۹۵)

مزید کہا: نقش نعلین پاک بھی برکات کا ذریعہ ہے (نشر الطیب ص ۳۸۵)

رشید گنگوہی:

WWW.NAFSEISLAM.COM

مقام ابراہیم کا ٹکڑا آپ (گنگوہی) کے پاس تھا جس کو خدام کی خواہش پر آپ صندوقچی سے نکالتے اور پانی ڈال کر نکال لیتے اور پانی کو مجمع پر تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۶۸)

دیوبندی حضرات برکت و شفا کے لیے یعقوب نانوتوی کی قبر کی مٹی لے جاتے اور آرام پاتے (ارواح ثلاثہ ص ۲۹۰، آپ بیتی ص ۹۸۲)

ذکر یا سہارنپوری نے رائے پوری اور مدنی صاحب کے متعلق کہا:

آپ دونوں کی جوتیوں کی خاک اپنے سر پر ڈالنا باعث نجات اور فخر اور موجب عزت سمجھتا ہوں۔ (آپ بیتی ص ۴۵۹)

عاشق الہی میرٹھی نے لکھا ہے:

واللہ العظیم مولانا تھانوی کے پاؤں کو دھو کر پینا نجات اخروی کا سبب ہے
(تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۱۳)

وسیلہ

دیوبندیوں، وہابیوں کے امام، ابن قیم نے لکھا ہے:

دنیا و آخرت میں سعادت و فلاح رسولان گرامی کے ہاتھوں ہی مل سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ان ہی کی بدولت میسر آ سکتی ہے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۲۸)

ابن تیمیہ نے کہا ہے:

صحابہ مہاجرین و انصار کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا صحیح اور اہل علم کے نزدیک بالاتفاق ثابت ہے، حضرت فاروق اعظم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے دعا مانگی۔ یہ وہ دعا ہے جسے تمام صحابہ نے برقرار رکھا اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا حالانکہ یہ دعا مشہور ہے۔ یہ واضح ترین اجماع اقراری ہے۔ (التوسل والوسیلہ بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۲۸۲ لعبد الرحمن مبارکفوری)

دیوبندی عقیدہ

اشرف علی تھانوی:

توسل بالحق وبالمیت (زندہ اور فوت شدہ کا وسیلہ) دونوں جائز ہیں۔

(امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۸۹)

تھانوی صاحب نے نعلین پاک کے نقش کو وسیلہ بنانے کا حکم دیا ہے۔

(نشر الطیب ص ۳۸۵)

خلیل احمد انبیٹھوی:

ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء و صلحاء

و اولیاء و شہداء و صدیقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں یا بعد وفات الخ

(المہند ص ۳۱)

مزید دیکھیے! تسکین الصدور از سرفراز گلکھڑوی، وسیلہ رحمت از شبیر احمد بن عبداللطیف

تسکین الخواطر از شوکت علی اکوڑہ خٹک وغیرہ۔

وہابی نظریہ:

دیوبندیوں وہابیوں کے امام اسماعیل ہلوی نے لکھا:

بے شک مرشد اللہ تعالیٰ کے رستے کا وسیلہ ہے۔ (صراط مستقیم مترجم ص ۶۹)

وحید الزمان:

جب بندوں کا وسیلہ ثابت ہے تو زندوں کے ساتھ خاص کرنے کی کون سی

دلیل ہے؟ (فوت شدہ گان کا وسیلہ بھی درست ہے)۔ (ہدیۃ المحدث ص ۴۷)

مزید لکھا: تمام صوفیہ کے ہاں بحق فلاں یا بحرمت فلاں کے طریقہ سے دعا کی جاتی ہے صحیح یہی ہے کہ یہ جائز ہے (ایضاً ص ۴۹)

مزید لکھا: یا اللہ اپنے حبیب کی دعا پوری کر اور آخرت کے عذاب سے امام حسین کے طفیل ہمیں بچا دے (تیسیر الباری ج ۲ ص ۳۸۸)

نذیر حسین دہلوی:

نے یوں وسیلہ پیش کیا ہے: اللہ تعالیٰ نذیر حسین کو سلطان دو جہاں کا صدقہ عافیت فرمائے۔ (معیار الحق ص ۴۱۹)

مزید لکھا: اس کو مدت دراز تک حسنین کے نانا سلطان دو جہاں کی حرمت کے طفیل اہل بدعت و طغیان کے مطاعن سے بچائے (ایضاً ص ۴۲۱)

ابراہیم سیالکوٹی: WWW.NAFSEISLAM.COM

روحانی جسم کے لیے مرشد وسیلہ ہوتا ہے (سراج منیر ص ۱۳، ۱۴)

ابن تیمیہ:

نے ائمہ دین کو وسیلہ ماننے کی تعریف کی ہے (نقص المنطق ص ۴۶)

حافظ محمد بن بارک: نے یہ اشعار لکھے ہیں:

بھی کعبے حج کرائیں زیارت روئے پاک نبی دے
 ایہہ عرض قبول بحرمات نبیاں حرمت کل ولی دے
 توں رب غفور شکور رحیماں بخش ظلوم جھولاں
 بحرمات خاص حبیب محمد حرمت کل رسولاں

(احوال الآخرت ص ۱۴۰)

قاضی شوکانی نے کہا ہے:

حضور اکرم ﷺ سے توسل آپ کی حیات میں بھی ہے اور وصال کے بعد بھی
 آپ کی بارگاہ میں بھی ہے اور بارگاہ سے دور بھی، آپ ﷺ کی حیات میں آپ سے
 توسل ثابت ہے آپ کے وصال کے بعد دوسروں سے توسل باجماع صحابہ ثابت ہے۔
 (الدر النضید بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۲۸۲)

عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا

رشید گنگوہی نے لکھا ہے:

بندہ کا بندہ ہونے کے معنی درست ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۹۶)

حاجی امداد اللہ مہاجر کی نے لکھا ہے:

چونکہ آنحضرت ﷺ واصل بحق ہیں عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں جیسا
 کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من
 رحمۃ اللہ، مرجع ضمیر متکلم آنحضرت ﷺ ہیں۔ (شائم امدادیہ ص ۱۳)
 اشر علی تھا نوی نے کہا:

کہ قرینہ بھی انہی معنی کا ہے (شائم امدادیہ ص ۱۳۵)

رشید گنگوہی:

کے نانا فرید بخش اور دادا پیر بخش بن غلام حسین بن غلام علی ہیں۔

(تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۳)

قاسم نانوتوی:

کے دادا غلام شاہ بن محمد بخش اور دادا کا بھائی خواجہ بخش ہے۔

(سوانح قاسمی ج ۱ ص ۲۵، ۹۱۱۳)

وحید الزمان غیر مقلد وہابی:

عبدالحسین، عبدالنبی نام شرک نہیں، غلام علی غلام محی الدین اور غلام غوث نام

رکھنا حدیث سے بلا کراہت جائز ہے۔ (ہدیۃ المہدی ج ۱ ص ۳۷)

حیات النبی ﷺ

دیوبندیوں کا موقف

خلیل احمد انبیٹھوی:

ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک

میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص

ہے آنحضرت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ..... حضرت ﷺ کی حیات

دنوی ہے۔ (المہند ص ۲۸)

حسین احمد ٹانڈوی:

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۱۵۳)

اور یس کاندہلوی:

اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز و عبادت میں مشغول ہیں..... یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔

(حیات نبوی ص ۲)

شبیر عثمانی:

بے شک نبی ﷺ زندہ ہیں اور اپنی قبر میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹)

قاسم نانوتوی:

رسول اللہ ﷺ کی حیات دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے۔

(آب حیات ص ۳۷)

اس مسئلہ پر دیوبندیوں کی مستقل کتب بھی دستیاب ہیں۔ مثلاً

تسکین الصدور از سر فراز گکھڑوی، رحمت کائنات از قاضی محمد زاہد الحسینی، آب حیات از قاسم نانوتوی، مقام حیات از خالد محمود، مناظرہ حیات النبی از الیاس گھمن، قبر کی زندگی از نور محمد تونسوی وغیرہ

وہابیوں کا عقیدہ

نذیر حسین دہلوی:

حضرات انبیاء کرام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت ﷺ..... الخ

(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۵۲، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۹ ص ۲۸۲)

وحید الزمان حیدر آبادی:

کل پیغمبروں کے جسم زمین کے اندر صحیح و سالم مع جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر

شریف میں زندہ ہیں۔ (مترجم سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۶۵)

شمس الحق عظیم آبادی:

نے بھی لکھا ہے کہ آپ امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں۔ (گویانی آپ

زندہ ہیں)۔ (عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

نواب صدیق حسن خان:

بے شک آپ ﷺ اپنی وفات کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں جیسے حدیث میں

ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اسے امام بیہقی نے صحیح کہا ہے۔

(السرائج الوہاج ج ۱ ص ۵۰۴)

قاضی شوکانی:

بلاشبہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں..... محققین کی ایک جماعت کا یہ موقف ہے

کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی نیکیوں سے خوش

ہوتے ہیں..... انبیاء و مرسلین کی حیات ان کی جسم سے متعلق کیوں نہیں؟

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۳۸)

نواب صدیقی:

آپ زندہ ہیں اپنی قبر میں اور نماز پڑھتے ہیں اندر اس کے اذان و اقامت کے ساتھ و کذلک الانبیاء (الشمامۃ العنبر یہ ص ۵۲)

اسماعیل سلفی:

اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں وہ عبادات و تسبیح و تہلیل فرماتے ہیں۔ ان کو رزق بھی ان کے حسب حال اور حسب ضرورت دیا جاتا ہے۔

(تحریک آزادی فکر ص ۳۸۵)

عطاء اللہ حنیف:

انبیاء کرام اپنی قبروں میں نمازیں ادا کرتے ہیں۔

(التعلیقات السلفیہ ج ۱ ص ۲۳۷)

حافظ محمد گوندلوی:

انبیاء علیہم السلام عالم برزخ میں زندہ ہیں یہ زندگی برزخی ہے نہ کہ دنیوی انبیاء علیہم السلام برزخ میں زندہ..... حدیث الانبیاء فی قبور ہم یصلون حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (فتح الباری)۔

(الاعتصام ۲ شمارہ نمبر ۸ بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ج ۹ ص ۱۲۵)

مزارات کے فیوض و برکات

دیوبندیوں کا عمل

مفتی عزیز الرحمان:

اولیاء اللہ کی کرامات اور تصرفات بعد ممات بھی ثابت ہیں۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۳ ص ۱۷۸)

مفتی عزیز الرحمان ہی لکھتے ہیں:

کہ فیوض و برکات ان کے بعد ممات کے باقی رہتے ہیں مثلاً یہ کہ ان کی زیارت اور قرب سے زائرین کو برکات حاصل ہوں اور ان پر بھی درود و رحمت ہو۔

(ایضاً ج ۵ ص ۲۷۷)

امداد اللہ:

ایک بار میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر شریف پر تین روز تک مقیم رہا حضرت قطب صاحب کے مزار مقدس سے ایک نور کا ستون نکل کر بلند ہوا اور حضرت پیر و مرشد کے جائے اقامت پر جا کر چھپ گیا۔ (امداد المصباح ص ۱۴۰) رشید گنگوہی:

تصرفات و کرامات اولیاء اللہ بعد ممات بحال خود باقی می ماند بلکہ دودر ولایت بعد موت ترقی می شود۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۶۵۲)

عاشق الہی:

آپ (گنگوہی) دنیا سے تشریف لے گئے مگر آپ کے تصرفات عالم میں اپنا کام برابر کر رہے ہیں۔ (ایضاً ج ۲ ص ۱۵)
اشرفعی تھا نوی:

جاننا چاہیے کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات اور خوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امر معنی حد تو اتر تک پہنچ گیا ہے۔ (بوادرا النوادر ص ۸۰)
حاجی امداد اللہ:

فقیر مرتا نہیں ہے صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے
فقیر کی قبر سے وہی فائدہ حاصل ہوگا جو زندگی میں میری ذات سے ہوتا ہے۔
(امداد المشتاق ص ۱۱۳)

وہابیوں کا طریقہ:

وہابیوں، دیوبندیوں کے بزرگ اسماعیل دہلوی نے سیدنا علی المرتضیٰ، سیدتنا فاطمہ الزہرا، حضرت غوث پاک، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری، اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہم کے بعد از وصال فیوض و برکات کے واقعات لکھے ہیں۔ (صراط مستقیم ص ۲۲۱، ۲۲۳)

وہابیوں کے قاضی سلیمان منصور پوری ضیاء معصوم کے ساتھ دربار سیدنا امام ربانی علیہ الرحمۃ پر حاضری دی، ضیاء صاحب نے مراقبہ کیا، قاضی جی نے خیال کیا، دونوں بزرگوں نے کوئی اندر کی بات کرنی ہے، وہ الگ ہونے لگے تو حضرت مجدد پاک نے بیداری کی حالت میں قاضی کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ ہم کوئی بات بھی تجھ سے راز میں نہیں رکھنا چاہتے۔

(کرامات الہمدیث ص ۱۱۹ از عبد المجید خادم سوہدروی)

عبد المجید خادم نے قاضی سلیمان کے متعلق لکھا ہے:

ایک قبر پر ٹھہر گئے اور کہا دیکھو اس صالح مرد کی قبر سے کس قدر خوشبو آ رہی ہے

(ایضاً ص ۱۸)

وحید الزمان:

اولیاء اللہ کی ارواح سے بعد موت حکم مرضی الہی تصرفات ہوتے ہیں اور طرح

طرح کے فیوض و برکات بھی۔ (لغات الحدیث ج ۲ ص ۱۷)

وہابیوں نے ابن تیمیہ کی قبر کی مٹی سے بھی فائدہ حاصل کیا۔ (ابن تیمیہ ص ۹۹)

تفصیل کے لیے، مزارات و تبرکات اور ان کے فیوض و برکات،، از مولانا

کوکب نورانی اوکاڑوی اور،، اسلام اور ولایت،، از راقم الحروف ملاحظہ ہو!

غائبانہ جنازہ

چونکہ اس مسئلہ کو وہابی غیر مقلدوں نے اپنی نشانی بنا رکھا ہے اور جگہ جگہ حالات بگاڑنے

کی کوشش کی جاتی ہے اس لیے ان کے چند حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں:

ابن قیم نے کہا ہے:

اہل اسلام میں سے خلق کثیر کی وفات ہوئی مگر نبی ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز

جنازہ نہ پڑھی (زاد المعاد ج ۴ ص ۱۶۳)

عبداللہ روپڑی:

نماز جنازہ غائب میں نہیں پڑھتا (فتاویٰ الہمدیث ج ۲ ص ۱۲۳)

عبدالرؤف سندھو:

اس (واقعہ نجاشی) سے مطلق غائبانہ نماز جنازہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔
(القول المقبول ص ۷۱)

ناصر الدین البانی:

اسی (غائبانہ جنازہ نہ پڑھنے والے) مذہب کو اختیار کیا اور کہا ہے کہ محققین کی
ایک جماعت نے بھی یہی مذہب اختیار کیا ہے۔ (ایضاً ص ۷۱۴)

دعا بعد نماز جنازہ

دیوبندی حوالے

انور شاہ کشمیری:

نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعائے گنگنے کا ذکر ہے بھلا جس امر کا ثبوت خود
حضور اکرم ﷺ سے ہوا ہے وہ بھی کبھی بدعت ہو سکتی ہے یہ بھی بے جا تشدد نہیں تو اور کیا
ہے؟ (انوار الباری ج ۱۹ ص ۳۸۲)

فضل الرحمان:

نے ملک قاسم جیسے سیاسی لیڈر کی نماز جنازہ کے بعد دعائے گنگی۔

(روزنامہ پاکستان لاہور جمعرات ۱۹ ستمبر ۱۹۹۶ء)

عبدالقادر آزاد:

۱۹۸۸ء کے فضائی حادثہ میں جنرل ضیاء الحق کے جاں بحق ہونے کے بعد دیوبندی اور وہابی مولوی جنازہ میں شریک ہوئے اور عبدالقادر آزاد اور عبدالملک کاندھلوی نے نماز کے بعد دعا مانگی۔ مذکورہ تاریخ کے اخبارات گواہ ہیں۔

اکرم اعوان:

نے تسلیم کیا ہے علماء کے نزدیک صفیں توڑ کر دعا مانگنا درست ہے۔

(ماہنامہ المرشد لاہور ص ۴۵ نومبر ۱۹۹۴ء)

مفتی عزیز الرحمان:

نماز جنازہ کے بعد نمازیوں کا ایصال کے لیے فاتحہ و خلاص پڑھ کر دعا کرنے میں حرج نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۳۴) ایسے ہی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۶ ص ۱۸۷/۱۸۸، ج ۱ ص ۳۳۷ پر بھی یہی مضمون ہے۔

وہابیوں کے حوالے

اسماعیل سلفی: WWW.NAFSEISLAM.COM

میت کے لئے دعا ہر وقت بلا تخصیص کی جاسکتی ہے۔ (فتاویٰ سلفیہ ص ۲۳)

ابوالبرکات احمد:

میت پر جب چاہیں دعا مانگیں گھر والے جب چاہیں دعا کریں خواہ نماز کے

بعد ہو یا آگے پیچھے سب جائز ہے۔ (فتاویٰ برکاتیہ ص ۱۴۷)

بشیر الرحمان سلفی:

قبولیت (ہر نمازی میں جنازہ پڑھنے والا بھی ہے) کا وقت ہر نمازی کے لیے ہے لہذا ہر نمازی کو دعا کرنی چاہیے۔ (الدعاص ۲۴)

جنرل ضیاء الحق کے جنازے کے بعد وہابی مولویوں نے بھی دعا مانگی۔

بیداری میں زیارت

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دیگر فوت شدگان کی بیداری میں زیارت ہو سکتی ہے

دیوبندیوں کا اقرار

اشرف علی تھانوی:

حضرت شیخ جلال الدین سیوطی بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کو روز حضور ﷺ کی زیارت ہوتی تھی..... ان کو حضور کی رویت بیداری میں بھی ہوتی تھی۔

(الکلام الحسن ج ۲ ص ۱۷۵، افاضات یومیہ ج ۷ ص ۱۲۲)

کانپور میں ایک بہت مشہور اور مستند بزرگ گزرے ہیں حضرت شاہ غلام رسول صاحب جن کا لقب „رسول نما“ تھا کیونکہ وہ اپنے تصرف سے حضرت رسول پاک ﷺ کی بیداری میں زیارت کروادیا کرتے تھے (اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۲۶)

امداد اللہ مہاجر کی:

مشرف کر کے دیدار مبارک سے مجھ کو یک دم

میرے غم دین و دنیا کے بھلاؤ یا رسول اللہ

(کلیات امدادیہ ص ۲۰۶)

مزید لکھا ہے: اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جاوے مضائقہ نہیں، کیونکہ عالم خلق مقید بزمان و مکان ہے، لیکن عالم امردونوں سے پاک ہے پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔ (شائم امدادیہ ص ۳)

گل بادشاہ:

اولیاء اللہ..... اپنے مرید اور نسبت والے کو کبھی اپنی صورت پر مشتمل ہو کر سامنے آ کر طریقہ کامیابی ارشاد فرماتے ہیں (دعوت الحق ص ۴۲، ۴۳)
اشرف علی تھانوی:

نے حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی کو بارگاہ رسالت کا، حضوری،، بھی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو! (افاضات یومیہ ج ۹ ص ۱۰۸)
انور شاہ کشمیری نے لکھا ہے:

کہ بیداری میں رسول اللہ کی زیارت ممکن ہے اور امام سیوطی کو بائیس مرتبہ یہ نعمت حاصل ہوئی (فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴)
تھانوی جی کے پردادا قتل کے بعد اپنے گھر واپس آتے اور اپنی بیوی کو مٹھائی بھی لا کر دیتے تھے۔ (اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۵)

تھانوی نے لکھا کہ اسماعیل دہلوی کے قافلہ کا ایک شخص بیدار بخت قتل کے بعد گھر آیا۔

(افاضات یومیہ ج ۱۰ ص ۲۱۰، ۲۰۹)

مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ ایک دیوبندی کی رہنمائی کے لئے قاسم نانوتوی نمودار ہوتے تھے۔ (سوانح قاسمی ج ۱ ص ۳۳۱)

ایسے ہی تھانوی نے لکھا ہے کہ نانوتوی جی دیوبند میں رفیع الدین سے بھی ملنے آئے تھے
(ارواح ثلاثہ ص ۲۶۱)

وہابیوں کا اعتراف

عبدالمجید خادم:

سیدنا امام ربانی کا ہاتھ قبر سے باہر نکلا اور قاضی سلیمان کو پکڑ لیا۔

(کرامات الہمدیث ص ۱۹)

ابن قیم نے لکھا ہے:

کہ زندوں اور مردوں کی روحیں اس طرح ملاقات کرتی ہیں جس طرح
زندوں کی روحیں آپس میں ملتی ہیں۔ (کتاب الروح مترجم ص ۶۱)
عبدالمنان وزیر آبادی کا دعویٰ ہے:

کہ اسے کئی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی ہے کبھی تو اس کے منہ میں
لعاب مبارک ڈالا، کبھی معانقہ کیا، کبھی پریشانی کے وقت دلا سہ دیا اور کبھی ٹا بیٹے عبدا
لمنان کو بازو سے پکڑ کر مسند حدیث پر بٹھایا۔ (عبدالمنان ۵۷، ۸۲، ۹۴)
ابراہیم سیالکوٹی:

نے رسول اکرم ﷺ کی زیارت و ملاقات کا طریقہ بھی بتایا اور لکھا کہ حضرت
شاہ عبدالعزیز صاحب کو حضور کی حضوری کا مرتبہ حاصل تھا۔ ایک دفعہ آپ کے ہاں کوئی
مہمان آیا، اور وہ حقہ پیتا تھا خادم اس کے لیے کہیں سے حقہ لے آئے لیکن خادموں کو اس
حقہ کا مکان سے نکال دینا یاد نہ رہا، کئی روز کے بعد حضرت شاہ صاحب سے آنحضرت

ﷺ نے فرمایا مکان میں حقہ ہے اس لیے ہم اس جگہ تشریف فرما نہیں ہوتے۔

(سراج منیر ج ۱ ص ۳۰)

صادق سیالکوٹی:

نے بھی رسول اللہ ﷺ کی زیارت و ملاقات کا وظیفہ لکھا ہے۔

(جمال مصطفیٰ ص ۱۴۱، ۱۴۲)

غلام رسول قلعوی کا کہنا ہے:

ایک دن میں مسجد میں سویا ہوا تھا کہ ایک شخص نے مجھے آکر جگایا اور کہا کہ میرے ساتھ چلو تم کو رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں، میں اس کے ساتھ ہولیا جب گاؤں سے باہر نکلا تو دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ کی پاکی پڑی ہے، حاضر ہو کر میں نے سلام کیا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا غلام رسول، ہم تمہاری مسجد کو جانا چاہتے ہیں آپ نے ہاتھ پکڑے رکھا اور پاکی والوں نے پاکی اٹھالی مسجد میں تشریف لا کر اسی پکڑے ہاتھ سے مجھے منبر پر بٹھایا اور فرمایا وعظ کیا کرو..... الخ (سوانح حیات ص ۱۴۱)

قبروں پر حاضری

دیوبندیوں کا عمل

اشرف علی تھانوی:

آخر میں نے چاہا کہ کس طرح اس ظلمت کو رفع کروں..... زندوں میں تو کوئی ایسا قریب موضع میں ملا نہیں..... لہذا پھر یہ کیا کہ بزرگوں کے مزارات پر گیا، چنانچہ

وہاں تین کوس کے فاصلے پر ایک بزرگ کا مزار ہے وہاں گیا تب ظلمت رفع ہو گئی۔

(ملفوظات حکیم الامت ج ۹ ص ۵۱)

مزید لکھا: بزرگوں کے مزار پر جانے سے یہ خاص نفع بھی ہوتا ہے (ایضاً ج ۱۰ ص ۱۱۵)
مفتی عزیز الرحمان:

جو شخص ان کی زیارت کرے گا وہ حسب المراتب مستفیض ان کی برکات سے ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۷۷)
حاجی امداد اللہ:

ایک روز میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر شریف پر تین روز تک مقیم رہا۔ (امداد المشتاق ص ۱۴۰)
دیوبندیوں، وہابیوں کے بزرگ سید احمد نے بھوک کے وقت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے مزار پر حاضری دی۔ (مخزن احمدی ص ۹۹)

وہابیوں کا فعل
www.nafseislam.com
سلیمان منصور پوری:

ضیاء معصوم کے ساتھ سیدنا امام ربانی علیہ الرحمہ کے روضہ پر گئے۔ (کرامات الہیہ ص ۱۹) علاوہ ازیں ایک بار اپنے عقیدت مند سے پوچھا کیا یہاں کوئی قبر ہے؟
(ایضاً ص ۱۹)

اسماعیل دہلوی:

اور سید احمد دونوں مزارات پر جاتے اور مراقبہ کرتے تھے۔ (صراط مستقیم ص ۲۲۳)

ابراہیم سیالکوٹی:

سفر حج میں دیگر بلاد اسلامیہ کا سفر بھی کیا..... مصر میں نماز جمعہ جامع امام شافعی میں پڑھ کر امام شافعی کی قبر پر فاتحہ پڑھی یوں مغرب کی نماز شیخ عبدالوہاب شعرانی صاحب کی جامع مسجد میں پڑھی اور آپ کی قبر کی زیارت کی اور فاتحہ پڑھی۔

(تاریخ الہمدیٹ ص ۲۷۱)

مزید لکھا: مصر میں ان کی مسجد میں نماز مغرب ادا کی اور ان کے مزار مقدس پر فاتحہ پڑھی

(ایضاً ص ۸۲)

مزید کہا: شیخ عبدالوہاب شعرانی کے مرقد منور کی زیارت کی۔ (ایضاً ۷۹)

وحید الزمان:

امام شافعی امام ابو حنیفہ کی قبر سے برکت حاصل کرتے رہے وہاں دعائیں مانگتے

آپ کی دعا قبول ہوتی۔ (ہدیۃ الہمدی ج ۱ ص ۲۲)

قاضی شوکانی نے لکھا ہے:

تمام احادیث میں قبور کی زیارت کے لیے جانا ثابت ہوا اور زیارت نہ کرنے

کی تمام حدیثیں منسوخ ہو گئیں۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۱۷)

صادق سیالکوٹی:

نے بھی زیارت قبور کی احادیث اور مسنون دعا لکھی ہے۔ (نماز جنازہ ص ۶۳، ۶۴)

جمعیت اہلحدیث کے امیر ساجد میر نے امام بخاری کی قبر پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی

(ہفت روزہ تصویر پاکستان ص ۱۹ مارچ ۱۹۹۳ء)

قاضی سلیمان، قریب ایک قبر آئی جس پر آپ ٹھہر گئے اور کہا دیکھو شاہ جی اس صالح

مرد کی قبر سے کس قدر خوشبو آ رہی ہے (کرامات اہلحدیث ص ۱۸)

نواب صدیق:

مغرب ہے کہ نیکوں کی قبروں پر دعا قبول ہوتی ہے۔ (نزل الابرار ص ۴۵)

ایمان والدین مصطفیٰ ﷺ

وہابیوں کا عقیدہ:

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کیا یہاں تک کہ وہ ایمان لائے علی

ما قبل واللہ اعلم، ما ثبت بالسنہ میں کہا ہے کہ بعض علماء نے جزم کیا ہے حضور ﷺ کے

والدین ناجی ہیں، وہ آگ میں ہرگز نہیں۔ (الشمامۃ العنبر یہ ص ۷۱)

ابراہیم سیالکوٹی نے لکھا ہے:

آنحضرت ﷺ کے والدین کی اخلاقی پاکیزگی اور عملی طہارت ہر کہ و مہ کے

نزدیک مسلم ہے۔ باقی رہا مذہبی طور پر اعتقادی حالت، سو اس کے لیے اگر کسی کے پاس

ایسی شہادت موجود ہو کہ معاذ اللہ انہوں نے بت کو سجدہ کیا یا اس کے نام کی نذر و قربانی

چڑھائی یا کسی بت سے دعا کی ایسی شہادت کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکے گی۔ پس کسی

معین پاکباز اور صالح الاعمال شخص کے متعلق اس کی ہرگز درست نہیں۔

(سیرت مصطفیٰ ص ۷۹)

☆..... آنحضرت کے والدین اپنے بزرگوں کی طرح اپنے جد اعلیٰ حضرت خلیل اللہ کے دین پر تھے کیونکہ ان کے برخلاف شرک و بت پرستی ہرگز ثابت نہیں۔ (ایضاً ۹۱)

ابراہیم میر نے ایمان والدین پر تفصیلی سے بحث کی اور اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں، ملاحظہ ہو! سیرت مصطفیٰ۔

فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۶۸، پر سائل کا قول لکھا ہے کہ بعض علماء (وہابیہ) کے نزدیک والدین رسول کریم موحد مومن تھے۔

دیوبندیوں کا مسلک

شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

آنحضرت صلعم کی والدہ حضرت آمنہ..... حضور کے والدین کے بارہمیں علمائے اسلام کے قول بہت ہیں۔ بعض نے ان کو مومن و ناجی ثابت کرنے کے لیے مستقل رسائل لکھے ہیں اور شراح حدیث نے محدثانہ و متکلمانہ بحثیں کی ہیں، احتیاط و سلامت روی کا طریقہ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ زبان بند رکھی جائے۔

(حاشیہ قرآن، سورۃ توبہ ص ۲۳۵، ۲۶۶)

☆..... یہی بات سرفراز گکھڑوی کے بھائی عبدالحمید سواتی نے ”البیان لازہر ترجمہ الاکبر“ کے ص ۵۲ پر لکھی ہے۔

اور ساتھ یہ بھی لکھا:

حضرت مولانا گنگوہی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ عبد الحمید سواتی کا اپنا میلان طبع بھی اسی طرف ہے۔ اور سرفراز گکھڑوی صاحب کا اس کتاب پر مقدمہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

اعمال امت سے اگاہی

وہابیوں کی عبارات

نواب صدیق حسن:

اعمال امت کے آپ پر عرض کیے جاتے ہیں آپ امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ (الشمامۃ العنبر یہ ص ۵۲۰)
قاضی شوکانی نے لکھا ہے:

بلاشبہ آپ ﷺ اپنی امت کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں۔

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۴۸)

صفدر عثمانی نے مانا ہے:

کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں عرضت علی اعمال امتی حسنہا و

سینہا (الحدیث) مجھ پر میری امت کے اچھے اور برے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔

(تحقیقی جائزہ ص ۱۹ جز ۱)

عبداللہ روپڑی نے لکھا ہے:

یہاں تک کہ ایک حدیث میں آیا ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھ پر میری

امت کے اعمال کا ثواب پیش کیا گیا اس میں ایک تنکے کا ثواب بھی تھا جس کو کوئی شخص مسجد سے نکالے۔ (فتاویٰ الہمدیث ج ۱ ص ۳۶۰)

یہاں وہابیوں کے محدث نے،، ثواب،، کا لفظ اپنی طرف سے گھڑا ہے حدیث میں ہرگز ثواب کا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ تنکا دور کرنے کا ذکر ہے۔

شمس الحق عظیم آبادی:

نے بھی رسول اللہ ﷺ کا اپنی امت کے نیک اعمال پر خوش ہونا لکھا ہے
(عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

دیوبندیوں کی تصریحات

شبیر احمد عثمانی:

رسول اللہ ﷺ جو اپنے امتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں ان کی صداقت وعدالت پر گواہ ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۷)

مفتی محمد شفیع دیوبندی:

رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے سب افراد کے اچھے اور برے اعمال کی شہادت دیں گے (تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۱۷۶)

اشرف علی تھانوی نے لکھا:

بلا مشاہدہ کے شرعاً شہادت جائز نہیں۔ (افاضات یومیہ ج ۲ ص ۲۸۱) یعنی آپ امت کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اس لیے قیامت کے دن ان کی گواہی دیں گے۔

خلیل احمد انیسٹھوی:

یہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں باز نہ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت آپ پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت حق تعالیٰ چاہے دنیا کے احوال کشف ہو جاتے ہیں۔ اس میں کوئی مخالف نہیں۔
(براہین قاطعہ ص ۲۰۳، ۲۰۴)

قاسم نانوتوی:

یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں۔ (تحدیر الناس ص ۱۰)
جشن میلاد النبی ﷺ

دیوبندیوں کا اقرار

حاجی امداد اللہ:

محفل مولود شریف میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۱۳)

نوٹ: امداد المہتاق ص ۸۸، شائم امدادیہ ص ۶۸، پر بھی ذکر و قیام کو درست کہا ہے۔

رشید احمد:

جب ابولہب جیسے کافر کے لیے میلاد النبی ﷺ کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں

تخفیف ہوگئی جو کوئی امتی آپ کی ولادت کی خوشی کرے اور حسب وسعت آپ کی محبت میں خرچ کرے تو کیونکر اعلیٰ مراتب حاصل نہ کرے گا۔ (احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۴۷)
 رشید گنگوہی نے خلیل انبیٹھوی کو کتاب،، توارخ حبیب الہ،، دے کر،، محفل میلاد،، میں وعظ کے لیے بھیجا (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۲۸۴)

قاسم نانوتوی:

سے پوچھا گیا آپ میلاد نہیں کرتے مولانا عبدالسمیع کرتے ہیں کہا ان کو حضور
 [سے محبت زیادہ ہے دعا کرو ہمیں بھی زیادہ ہو جائے۔

(سوانح قاسمی ج ۱ ص ۴۷۱ سفر نامہ لاہور و لکھنؤ ص ۲۲۸، مجالس حکیم الامت ص ۱۲۴)
 دیوبندیوں، وہابیوں کے امام، ابن تیمیہ نے کہا کہ محبت و تعظیم کے لیے میلاد منانا کار
 ثواب ہے۔ (ملخصاً اقتضاء الصراط المستقیم ج ۲ ص ۶۱۹)

وہابیوں کا اعتراف

ثناء اللہ امرتسری:

بارہویں (میلاد شریف کرنا) ایصال ثواب کی نیت سے درست ہے اختلاف
 اٹھ جاتا ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۷۱)

عبداللہ لاہوری:

میلاد شریف کرتے وقت قیام کرنا مستحسن سمجھتے ہیں۔

(المحدیث کا مذہب ص ۳۵ معہ حاشیہ)

وحید الزمان:

فاتحہ ومیلاد کا انکار جائز نہیں (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۸)

مزید اس نے محفل میلاد کو اچھی چیز قرار دیا ہے (تیسیر الباری ج ۲ ص ۱۷۷)
مزید لکھا: کرمس کے دن جو حضرت عیسیٰ کا یوم ولادت ہے خوشی کرنا، ہمارے نبی ﷺ
کی ولادت والے دن کی خوشی کرنے کی طرح ہے اور ہم تو حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور
تمام نبیوں کی ولادتوں کے دن خوشی کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ (ہدیۃ المہدی ص ۴۶)
مزید لکھا ہے: معتبر قول یہی ہے کہ محفل میلاد جائز ہے، کیونکہ یہ ثواب کی نیت سے ہی
ہوتی ہے۔ پھر اس میں بدعت کا کیا دخل ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۴۶)
نواب صدیق نے کہا:

جسے آپ کے میلاد کا حال سن کر اور آپ کے میلاد کی خوشی نہ ہو وہ مسلمان نہیں
(الشمامۃ العنبر یہ ص ۱۲)

تفصیل کے لیے ہماری کتاب،،آؤ میلاد منائیں،، دیکھیے!۔

ختم کا جواز

دیوبندی عبارتیں

رشید گنگوہی:

قرون ثلاثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۴۷)

مزید لکھا: مروجہ فاتحہ یعنی کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنا اور دعا کرنا (درست ہے) کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۵۲)

مزید لکھا: نے ختم بخاری بھی لکھا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۰۲) دیگر دیوبندی بھی اس کے قائل ہیں۔

مزید لکھا: گیارہویں ایصالِ ثواب کی نیت سے گیارہویں کو توشہ کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۶۴)

تقی عثمانی:

”ختم بخاری شریف“ کے نام سے پورا کتابچہ شائع کیا ہے۔

اشرف علی تھانوی:

گیارہویں میں گیارہ تاریخ کی پابندی نہ کرو کبھی نویں کو کر لو کبھی بارہویں کو کر لو۔ (مواعظ میلاد النبی ۶/۳۷)

اسماعیل دہلوی: WWW.NAFSEISLAM.COM

پس امور مروجہ یعنی اموات کے فاتحوں، عرسوں اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ (صراطِ مستقیم ص ۶۳)

حاجی امداد اللہ:

جب مشنوی شریف ختم ہو گئی بعد ختم حکم شربت بنانے کا دیا اور ارشاد ہوا کہ اس پر مولانا روم کی نیاز بھی کی جائے۔ (شائم امدادیہ ص ۶۸)

فیصلہ ہفت مسئلہ میں بھی اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔

وہابیوں کی صراحتیں

عبدالستار دہلوی:

دعا منکن میں کارن مومن کراں سوال نمانا

فاتحہ، کلمہ، ترے کل پڑھ کر ختم درود پہنچانا

(قصص الحسین ص ۴۹۴)

وحید الزمان حیدر آبادی:

فاتحہ مروجہ کا انکار نہیں (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۸)

نواب صدیق حسن بھوپالوی:

ختم برائے میت، ختم خواجگان، ختم قادریہ، ختم بخاری وغیرہ پڑھنے کی تفصیلات

لکھی ہیں ملاحظہ ہو! (کتاب التعویذات ص ۱۱۸، ۱۱۲، ۱۱۱)

عبداللہ روپڑی: WWW.NAFSEISLAM.COM

مرنے والے کو قرآن کا ثواب پہنچتا ہے۔ (فتاویٰ الہمدیث ج ۱ ص ۱۳۵)

مزید ختم قرآن کو جائز کہا ہے۔ (ایضاً ج ۱ ص ۶۷۶)

ابوالبرکات احمد:

قرآن خوانی کے لیے طلباء اور مولویوں کو گھر بلانا، الگ الگ سپارے پڑھنا،

ان کیلئے کھانا پکانا اور دعا کروانا، آیہ کریمہ پڑھوانا وغیرہ وغیرہ گھر والوں کا ان کو معاوضہ

دینا یہ خدمت ہے بدعت نہیں (فتاویٰ برکاتیہ ص ۱۹۲)

نذیر حسین دہلوی:

متاخرین علمائے اہلحدیث میں سے علامہ محمد بن اسماعیل امیر رحمۃ اللہ علیہ نے سبل السلام میں مسلک حنفیہ کو راجح دلیل بنایا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ قرأت قرآن اور تمام بدنی عبادات کا ثواب از روئے دلیل میت کو پہنچنا زیادہ قوی ہے اور علامہ شوکانی نے بھی نیل الاوطار میں اسی کو حق کہا ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۴۴۱)

ثناء اللہ امرتسری:

گیارہویں، بارہویں ایصال ثواب کی نیت سے درست ہیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۷۱)

صادق سیالکوٹی:

نے بھی ایصال ثواب کے طور پر گیارہویں کو درست قرار دیا ہے۔

(ارشادات شیخ عبدالقادر جیلانی ص ۳۷)

علماء و خواتین وہابیہ خواجہ قاسم نے لکھا ہے:

اب بعض اہلحدیث علماء بھی میت والے گھر تیسرے دن اجتماعی دعا کروانے کے لیے تشریف لے جاتے ہیں..... کچھ مولوی قسم کی (وہابی) عورتیں بھی وعظ شریف ارشاد فرماتی ہیں۔ (دم اور تعویذ ص ۳۸)

وہابیوں کے نواب صدیق حسن خاں، عبدالرحمن مبارکپوری اور وحید لڑمان حیدر آبادی نے بھی ختم بخاری لکھا ہے ملاحظہ ہو! الحظہ ص ۷۹، تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۸۳، تیسیر الباری ج ۱ ص ۴۴

الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ کا وظیفہ

دیوبندیوں کا اعتراف

تقی عثمانی:

ازراہ محبت یہ درود پڑھنا جائز ہے۔ (بدعت ایک سنگین گناہ ص ۳۹)

حاجی امداد اللہ:

الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ تین بار عروج و نزول کے طریقے پر پڑھے

(کلیات امدادیہ ص ۱۵)

ایسے ہی کلیات امدادیہ ص ۸۴، ۶۱، حیات امداد ص ۱۶۶، فیصلہ مفت مسئلہ ص ۱۰، امداد ا
لمشتاق ص ۵۹، شائم امدادیہ ص ۵۲ پر اس درود کو پڑھنا جائز کہا ہے۔

رشید گنگوہی:

اس نیت سے پڑھنے کو درست کہا کہ فرشتے پہنچاتے ہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۷۶)

قاسم نانوتوی:

نے بھی لکھا ہے کہ الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ بہت مختصر ہے..... یہ پیام

فرشتے ہیں۔ (فیوض قاسمیہ ج ۱ ص ۴۱)

تھانوی:

جی چاہتا ہے کہ آج درود زیادہ پڑھوں اور وہ بھی ان الفاظ سے الصلوۃ

والسلام علیک یا رسول اللہ (شکر النعمۃ ص ۱۸، ۴۴)
حسین مدنی:

ہمارے مقدس بزرگان دین جملہ صور درود شریف اگرچہ بصیغہ ندا و خطاب کیوں نہ ہو، مستحب و مستحسن جانتے ہیں اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں
(الشہاب الثاقب ص ۶۵)

سرفراز گکھڑوی:

نے بھی یہی لکھا ہے (درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ ص ۷۵)

ظفر احمد دیوبندی:

یوں جی چاہتا ہے کہ آج درود شریف زیادہ پڑھوں اور وہ بھی ان الفاظ سے
الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ۔

(عشق رسول اللہ اکابر علماء دیوبند ص ۴۴، ناقل عن تھانوی)

وہابیوں کا اقرار

ثناء اللہ امرتسری:

نے اسے درود مانا ہے (الحدیث کا مذہب ص ۳۴)

نواب صدیق حسن:

نے کہا کہ بعثت کی رات پتھروں اور درختوں نے الصلوة والسلام

علیک یا رسول اللہ پڑھا (الشہامة العنبر یہ ص ۷۱)

ابوالبرکات احمد:

نے اسے درود بھی مانا اور پڑھنے کی اجازت بھی دی۔

(فتاویٰ برکاتہ ص ۷۷، فتاویٰ علمائے اہلحدیث ج ۹ ص ۱۵)

حافظ محمد گوندلوی نے اس فتوے کی تصدیق کی ہے۔

صلاح الدین یوسف:

نے لکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ الصلوٰۃ والسلام علیک

یا رسول اللہ پڑھتے تھے کوئی پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

(ماہنامہ حرمین جہلم جنوری ۱۹۹۲ء)

عبدالسمیع بستری:

یوں کہو..... الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ من عبد السلام

بن عباد علی بستری بعد معلومات اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) سلام کو سن کر جواب

دیتے ہیں۔ (اسلامی تعلیم، ج ۱ ص ۸۲۶)

پروفیسر مطیع اللہ سیالکوٹی:

آپ (ﷺ) کی قبر اطہر کے قریب کھڑے ہو کر یوں کہیے

السلام علیک یا رسول اللہ ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

(مشکوٰۃ الحج والعمدہ ص ۶۴، ۶۳)

یونس مرچالیدی:

نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (مسائل حج ص ۱۸۳، ۱۸۴)

اس مسئلہ کو مفصل طور پر دیکھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں!،، الصلوٰۃ والسلام علیک
یا رسول اللہ کہنے کا ثبوت،، (از مولانا کاشف اقبال مدنی)

دیوبندیوں، وہابیوں کے بزرگ اسماعیل دہلوی:

اموات کے فاتحوں، عرسوں اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ بھی
شک و شبہ نہیں۔ (صراط مستقیم ص ۶۳)

حاجی امداد اللہ:

جب منکر نکیر قبر میں آتے ہیں مقبولان الہی سے کہتے ہیں: نم كنومة
العروس عرس کہ رائج ہے اسی سے ماخوذ ہے اگر کوئی اس دن کو خیال رکھے اور اس دن
میں عرس کرے تو کونسا گناہ لازم ہوا (شائم امدادیہ ص ۶۸، امداد المہتاق ص ۸۸)

نوٹ: فیصلہ ہفت میں بھی تفصیلاً لکھا ہے۔

اشرف علی تھانوی:

تھانہ بھون میں ایک شاہ ولایت صاحب کا مزار ہے..... ان کے مزار پر عرس
بھی ہوتا ہے عرس کے موقع پر والد صاحب مرحوم بڑے اہتمام سے التزاماً کھانا پکوا کر
وہاں بھجوا کر دیتے تھے (اشرف السوانح ج ۴ ص ۴۴)

مزید کہا: پر دادا صاحب..... بہت عرصہ تک ان کا عرس بھی ہوتا رہا (ایضاً ج ۱ ص ۱۵)

ننگے سر نماز

نذیر حسین دہلوی:

نماز میں سر ڈھانپنا ایک مسنون عمل ہے..... برہنہ نماز پڑھے تو مکروہ ہے۔

(فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۳۷۲)

ثناء اللہ امرتسری:

سر ڈھانپنا اچھا عمل ہے (نماز میں) آنحضرت ﷺ نماز میں اکثر عمامہ یا ٹوپی

رکھتے تھے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۲۳)

شرف الدین دہلوی:

یہ بعض کا جوشیوہ ہے کہ گھر سے ٹوپی سر پر رکھ کر آتے ہیں اور ٹوپی یا پگڑی

قصہ اسر سے اتار کر ننگے سر نماز پڑھنے کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور اس کو سنت کہتے ہیں یہ

بالکل غلط بات ہے..... خلاف سنت بے وقوفی ہی تو ہوتی ہے۔

(شرفیہ بر فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۲۳)

ابوالبرکات:

ننگے سر پھرنا..... آج کل بے دین لوگوں نے اپنا خاص حلیہ اور خاص لباس بنایا

ہوا ہے۔ (فتاویٰ برکاتیہ ص ۳۰۴)

داؤد غزنوی:

ننگے سر نماز پڑھنا مولانا کونا گوار گزرتا..... کہا ننگے سر نماز نہ پڑھا کریں

(داؤد غزنوی ص ۱۳۴)

اسماعیل سلفی:

ٹنگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۴ ص ۲۸۹)
تفصیل کے لیے،، ٹنگے سر نماز پڑھنے کی شرعی حیثیت،، دیکھیے! از مولانا کاشف اقبال مدنی

ترک رفع یدین

اسماعیل دہلوی:

اگر کوئی ساری عمر رفع یدین نہ کرے تو اسے برا نہیں کہنا چاہیے۔
(تنویر العینین ص ۵)

نواب صدیق:

ترک رفع یدین بھی سنت ہے۔ (الروضۃ الندیہ ص ۹۴)
بلاشبہ آخری عمل رفع یدین چھوڑ دینا ہے۔ (ایضاً ص ۹۵)
نذیر حسین دہلوی:

علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں..... رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں۔
(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۴۴۱)

ابن حزم:

اگر ہم رفع یدین کے بغیر نماز پڑھیں تو (یہ بھی) رسول اللہ ﷺ کی نماز کی
طرح ہی ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۳ ص ۲۳۵)

عطاء اللہ حنیف:

صحابہ اور تابعین کے فعل میں اختلاف ہے..... یہ درست ہے کہ دونوں (کرنا اور نہ کرنا) ہی سنت ہیں۔ (تعلیقات سلفیہ ج ۱ ص ۱۰۲)

ثناء اللہ امرتسری:

ہمارا مذہب ہے کہ نماز میں رفع یدین نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۷۹)

فاتحہ خلف الامام

وہابیوں کے امام العصر حافظ محمد گوندلوی نے لکھا ہے:

ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فروعی اختلافی ہونے کی بناء پر اجتہادی ہے پس جو شخص حتی الامکان کوشش کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سہری اپنی تحقیق پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی (خیر الکلام ص ۳۳) یہی بات ارشاد الحق اثری نے بھی لکھی ہے۔ (توضیح الکلام ص ۴۵) زبیر علیزئی نے بھی اسے فروعی مسئلہ تسلیم کیا۔

(ماہنامہ الحدیث شمارہ نمبر ۲۳ ص ۳۶، ۴۲، ۴۷۔ مقالات ص ۵۹۱)

تین طلاقیں

شرف الدین دہلوی:

تین طلاقوں کو ایک قرار دینا یہ مسلک صحابہ، تابعین، تبع تابعین وغیرہ ائمہ

محدثین، متقدمین کا نہیں ہے یہ مسلک سات سو سال بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں ہجری کے اخیر یا آٹھویں میں دیا تھا تو اس وقت کے علمائے اسلام نے ان کی سخت مخالفت کی تھی..... جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تین طلاق ایک مجلس میں ایک ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد ابن قیم پر مصائب برپا ہوئے ان کو اونٹ پر سوار کر کے درے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی، قید کیے گئے اس لیے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامت روافض کی تھی..... امام شمس الدین ذہبی باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت مخالف ہیں۔

(شرفیہ بر فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۲۱۶، ۲۲۰)

ابن حزم:

مرد کا عورت کو ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں اس نے اس سے قربت نہ کی ہے، وہ طلاق لازم ہے چاہے ایک طلاق دے دو اکٹھی دے یا تینوں اکٹھی دے دے (تینوں واقع ہو جائیں گی)۔ (المحلی بالآثار ج ۹ ص ۳۹۶)

عبداللہ روپڑی:

نے تسلیم کیا ہے کہ اس مسئلہ میں وہابی لوگ امام بخاری کے بھی مخالف ہیں (امام بخاری کے نزدیک تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں)۔ (فتاویٰ المحدثین ج ۱ ص ۷) سعودی وہابی بھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی مانتے ہیں۔ (تحفہ وہابیہ ص ۷۳)

حلالہ

عبداللہ روپڑی:

(حلالہ کیا ہے) جس عورت کو تین طلاقیں ملی ہوں..... وہ خاوند پر حرام ہو جاتی ہے اگر دوسرا نکاح کر کے خاوند سے ہمبستر ہو جائے اور یہ خاوندنا موافقت کی وجہ سے اپنی مرضی سے طلاق دے دے تو پہلے خاوند کے لیے نکاح حلال ہے، قرآن مجید میں ہے الخ..... (فتاویٰ الہمدیث ج ۱ ص ۴۶۲)

گویا یہ بات (حلالہ) خود ساختہ نہیں بلکہ قرآن کا مسئلہ ہے۔

شاء اللہ امرتسری:

جب کوئی عورت پہلے خاوند سے علیحدہ ہو کر اس درجہ پر پہنچ جائے پھر وہ خاوند اگر طلاق دے تو عورت عدت گزار کر پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے یہی حلالہ ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۲۸۳)

ابن حزم:

نے (بعد از جماع) شرط لگا کر بھی دوسرے شوہر سے نکاح کر کے طلاق کے بعد پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کو صحیح کہا ہے۔ (المحلی بآثار ج ۹ ص ۴۲۲)

رانا شفیق پسروی: نے، حلالہ کی شرعی حیثیت،، ص ۱۰۷، ۱۰۸ پر۔

صدر عثمانی نے نفث روزہ الہمدیث فروری ۲۰۰۲ء میں۔

محمد جونا گڑھی نے طریق محمدی ۲۰۰۸ پر اس مسئلہ کو مانا ہے۔ مزید حوالہ جات بھی ہیں۔

بیس تراویح

ثناء اللہ امرتسری:

بیس رکعتیں در صورت ثبوت کے مستحب ہیں کیونکہ صحابہ نے پڑھی ہیں۔

(المحدیث کا مذہب ص ۹۸)

غلام رسول قلعوی:

حضرات صحابہ کرام اور تابعین اور ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی بڑی جماعت کا عمل ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے لیکر اس وقت تک مشرق و مغرب میں جاری ہے وہ (تین و تریسیت) تیس رکعت ہی پڑھتے رہے ہیں۔

(رسالہ تراویح مترجم ص ۲۸، ۵۸)

نواب صدیق:

حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں جو طریقہ قرار پایا وہ اجماع کی طرح ہے۔

(عون الباری ج ۲ ص ۳۰۷)

عبدالمنان نورپوری:

بیس رکعت حضرت ابی بن کعب سے ثابت اور صحیح ہیں۔ (تعداد تراویح ص ۵۳)

ابن تیمیہ:

علماء کی اکثریت کی رائے میں بیس رکعت ہی سنت ہیں، کیونکہ حضرت ابی بن کعب کے پیچھے مہاجرین و انصار بھی کھڑے ہوتے تھے، اس کا کسی منکر نے بھی انکار

نہیں کیا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۸۶)

زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیس رکعت پڑھنے کی بات عبدالرحمان مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۲۳، ۲۴، ۲۵ غلام رسول قلعوی نے رسالہ تراویح ص ۲۸ نواب صدیق نے مسک الختام ج ۲ ص ۴۴۶، عون الباری ج ۲ ص ۳۰۷، ثناء اللہ امرتسری نے المحدث کا مذہب ص ۹۸ پر نقل کی ہے۔

تفصیل کے لیے ہماری کتاب،،دروس القرآن فی شہر رمضان،، دیکھیے!

قبر پر تختی

دیوبندیوں کا طریقہ

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی:

نے اپنے پیر نور محمد جھنجھانوی کے مزار پر کتبہ نصب کیا جس پر یہ اشعار ہیں

شہر جھنجھانہ ہے اک جائے ہدی

مسکن و ملائی ہے جس جا آپ کا

مولیٰ پاک آپ کا ہے اور مزار

اس جگہ تو جان لے اے ہوشیار

اس جگہ مرقد پاک جناب

جس کو ہو شوق دیدار خدا

انکی قبر کی زیارت کو وہ جادیکھے

یہی اس کے مجھ کو یقین

اس کو ہو دیدار رب العالمین

(تاریخ مشائخ چشت ص)

دیوبندیوں کے ہفت روزہ ضرب مومن شمارہ ۱۶۰ اور شمارہ ۲۰۰۱ پر مفتی محمود، انور شاہ اور اسماعیل دہلوی کی قبروں کے عکس دیے ہیں، ان کی قبروں پر کتبے نمایاں ہیں روزنامہ جنگ ۱۲ دسمبر ۱۹۸۰ء میں کتبے سمیت شبیر عثمانی کی قبر کا عکس چھپا ہے

غیر مقلدوں کا نظریہ

شاء اللہ امرتسری:

پتھر پر نام میت لکھوا کر سرہانے کی طرف کھڑا کر دیا جائے تو میرے خیال میں منع نہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۳۰)

وہابیوں کی عوام و خواص کی قبروں پر تختیاں لگی ہوئی ہیں۔ مثلاً ابراہیم میرسیا لکوٹی کی قبر، اسماعیل دہلوی کی قبر،

قبلہ کی طرف پاؤں کرنا

محبت اللہ راشدی وہابی نے ایک مضمون لکھا جس میں فیصلہ کیا کہ جب بیت اللہ یا قبلہ کی تعظیم شرعاً مطلوب ہے تو راقم الحروف کے خیال میں قبلہ کی طرف پاؤں دراز کرنا.....

اس سے اجتناب کرنا اولیٰ و افضل ہے (ماہنامہ الاعتصام لاہور ص ۱۸-۱۱ محرم ۱۴۱۲ھ)

اشر علی تھا نوی دیوبندی نے عذر، بے خبری کے علاوہ حالت میں قبلہ کی جانب جان بوجھ

کر پاؤں کرنا مکروہ لکھا ہے (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۸۶)

پکی قبر اور عمارت میں قبر بنانا

اثر فعلی تھا نوی نے لکھا ہے:

حدیث میں صرف بناء علی القبر کی ممانعت ہے قبر فی البناء کی تو ممانعت نہیں..... لہذا اس حدیث کا حضور ﷺ کے گنبد شریف سے کوئی تعلق نہیں۔

(آپ کی قبر انور کا گنبد صحیح ہے)۔ (افاضات یومیہ ج ۷ ص ۱۹۱)

عزیز الرحمان نے لکھا ہے:

بعض آثار سے ثبوت قبہ کا معلوم ہوتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام کی قبر پر پہنچے اور وہاں دو رکعت نفل پڑھی اور انہدام قبر کا حکم نہیں فرمایا۔ لہذا یہ فعل انہدام قبات کا جس نے کیا، اچھا نہ کیا اور قبر پر کوئی علامت رکھنا خود آنحضرت ﷺ کے فعل سے ثابت ہے..... اثر حضرت عمر سے معلوم ہوا کہ ان کے زمانہ میں بھی وجود قبہ کا تھا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۳۸۹)

دیوبندیوں کے ہفت روزہ ضرب مومن: ۱۰ تا ۱۶ نومبر ۲۰۰۰ء کو مولانا روم کی پکی قبر اور عمارت میں قبر کی تصویر شائع کی۔

اسی طرح شمارہ نمبر ۱۶ میں مفتی محمود اور انور شاہ کی پکی قبروں کے عکس چھاپے ہیں۔

۱۲ دسمبر ۱۹۸۰ء کے روزنامہ جنگ میں شبیر عثمانی کی پکی قبر کی تصویر دکھائی گئی ہے۔

وہابیوں کے ابراہیم سیالکوٹی کی قبر آج بھی ان کی عید گاہ شہابہ روڈ سیالکوٹ میں ایک

عمارت میں موجود ہے۔

نذرون نیاز

وہابیوں کا موقف

وحید الزمان:

ہمارے زمانہ کے لوگوں میں یہ رواج ہے کہ طعام پکاتے ہیں یا حلوہ مٹھائی بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اولیاء میں سے فلاں ولی اللہ کے لیے اور انبیاء کرام کے لیے ہے پس اس کا معنی نیاز، فاتحہ اور ہدیہ ہے..... جو کہتے ہیں یہ، نذر نبی،، ہے اور یہ، نذر ولی،، ہے تو یہ نذر شرعی ہرگز مراد نہیں ہوتی اور حکم نبی میں داخل نہیں، اس میں نذر شرعی کا معنی نہیں، یہاں اکابر نے تو ہمیشہ، عرف نذر، کی بات کی ہے۔

(ہدیۃ المحدث ج ۱ ص ۳۸)

ثناء اللہ امر تسری:

بزرگوں سے دعا کرنا سنت ہے اور ان کی، نذر، کو کوئی پسندیدہ چیز لے جانا بھی جائز ہے آنحضرت ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم ایسا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ منع نہ فرماتے تھے (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۳۶۵)

دیوبندیوں کا طرز عمل

اشرفعلی تھا نوی:

بعض یاران طریقت حضرت ایشاں نے ایک مکان خریدا اور بطور خود اس کی

تعمیر کی اور حضرت ایشاں (حاجی امداد اللہ) کے نذر کیا۔

(امداد المشتاق ص ۳۳، شاتم امدادیہ ص ۲۵)

جب مشنوی شریف ختم ہوگئی، بعد ختم حکم شربت بنانے کا دیا، اور ارشاد ہوا کہ اس پر مولانا روم کی نیاز بھی کی جاوے، گیارہ گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھ کر نیاز کی گئی اور شربت بٹنا شروع ہوا آپ نے فرمایا نیاز کے دو معنی ہیں ایک عجز و بندگی اور وہ سوائے خدا کے دوسرے کے واسطے نہیں ہے بلکہ ناجائز ہے، شرک ہے۔ اور دوسرے خدا کی نذر اور ثواب خدا کے بندوں کو پہنچانا۔ یہ جائز ہے۔ لوگ انکار کرتے ہیں، اس میں کیا خرابی ہے۔ (امداد المشتاق ص ۸۷ شاتم امدادیہ ص ۹۸)

جمعرات کے دن کتاب احیاء تمبر کا ہوتی تھی، جب ختم ہوئی تو تبر کا دودھ لایا گیا۔ اور بعد دعا کے کچھ حالات مصنف کے بیان کیے گئے، طریق نذر و نیاز قدیم زمانہ سے جاری ہے لوگ انکار کرتے ہیں۔ (ایضاً ص ۹۲)

ماسٹر امین اوکاڑوی:

اپنے پیر احمد لاہوری کے پاس، پھل، کاہدیہ لے کر گئے۔

(تجلیات صفدر ج ۱ ص ۱۳، ۱۲)

دم اور تعویذ

وہابیوں کے حوالے

دیوبندیوں، وہابیوں کے امام ابن قیم نے مختلف تعویذات نقل کیے ہیں

ملاحظہ ہو! زاد المعاد ص ۲۹۲، ۲۹۳، وغیرہ۔

نواب صدیق حسن خان نے، کتاب التعویذات، کے نام سے پوری کتاب لکھی ہے۔

ایسے ہی وہ دم کرنے اور تعویذ لٹکانے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو! تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۷۵۔

ثناء اللہ امرتسری:

راج یہ ہے کہ آیات یا کلمات صحیحہ دعائیہ جو ثابت ہوں ان کا تعویذ بنانا جائز ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۳۳۹)

شرف الدین دہلوی:

عبداللہ بن عمرو بن عاص صحابی عوذ بکلمات اللہ التامات من غضبه و عقابہ و شر عبادہ..... الخ ساری دعائے ماثورہ لکھ کر اپنے بچوں کے گلے میں لٹکا دیا کرتے تھے..... کتاب پاس نہیں ورنہ محدث ابن قیم کی کتاب زاد المعاد سے بھی کچھ نقل کرتا اس (تعویذ کے حق) میں بھی بہت کچھ لکھا ہے۔

(شرفیہ بر فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۳۳۹)

عبداللہ روپڑی:

اگرچہ کلمات کا پڑھنا افضل ہے لیکن تعویذ کے طور پر چھوٹوں اور بڑوں کو دینا بھی صحیح ہے، فتاویٰ الہدایت ج ۱ ص ۱۸۸ تا ۱۹۶ پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور آخر میں لکھا،، بہر صورت جواز میں کوئی شبہ نہیں،، (ایضاً ص ۱۹۶)

ابوالبرکات احمد:

ان سے سوال ہوا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تعویذ کرنے والوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، اس کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟ جواب لکھتے

ہیں۔ اس طرح کہنے والے لوگ بیوقوف ہیں جن کو نہ قرآن کا علم ہے نہ حدیث کا، قرآن کی آیت، اللہ

لا الہ الاہو الحی القيوم،، ایک پڑھتا ہے بیمار کے اوپر پھونکتا ہے یا ان پڑھ مریض پر لکھ کر باندھتا ہے یہ شرک کیسا؟ یہ تو عین توحید ہے اس میں قطعاً شرک نہیں ہے..... اسکو نہ اللہ نے حرام کیا ہے اور نہ آنحضرت نے، ہمارا چیلنج ہے کوئی ملاں یا مولوی ثابت کر دے اور لفظ واضح ہو..... ہمارا دعویٰ اور چیلنج ہے کہ قیامت تک کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا (فتاویٰ برکاتیہ ص ۲۷۰ تا ۲۷۲)

دیوبندیوں کے اقوال:

دیوبندیوں کے مرکزی ترجمان سرفراز گکھڑوی نے کہا ہے: جب سے راقم نے ہوش سنبھالا ہے اس وقت سے لے کر آج تک جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے کرتا ہے موافق بھی اس کو جانتے ہیں اور مخالف بھی اور کیا موافق و کیا مخالف سبھی مجھ سے تعویذ لے جاتے ہیں اور باقاعدہ جھاڑ پھونک کے لیے آتے ہیں (باب جنت ص ۲۶۹) عملی طور پر بھی ہر جگہ دیوبندی، وہابی یہ عمل سرانجام دے رہے ہیں۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب، دم اور تعویذ،، ملاحظہ فرمائیں!۔

قربانی کے تین دن

وہابیوں کے شارح مشکوٰۃ عبید اللہ مبارکپوری نے لکھا ہے:

یہی بات (کہ قربانی تین دن ہے) حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جیسا کہ محلّی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۷ میں ہے

اور ابن قیم اور ابن قدامہ حضرت امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ کے بے شمار صحابہ کرام کا یہی مسلک ہے اور محدث ابن اثرم نے حضرت ابن عباس سے بھی یہی مسلک نقل کیا ہے۔ (مرعاۃ ج ۳ ص ۳۲۴)

الیاس اثری:

نے حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی تین دن قربانی والی روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ تین اقوال..... سند صحیح و درست ہیں۔ (القول الا نیق ص ۴۰)

فتاویٰ علمائے حدیث:

وہابیوں کا مستند فتاویٰ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر خلیفہ اول اور حضرت عمر خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہما عمر بھر تین دن قربانی کے قائل رہے ہیں۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱۳ ص ۳۴)

ابن حزم:

نے قربانی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ تک والی روایت کو صحیح قرار دیا۔

اور چوتھے دن قربانی کرنے کے متعلق روایات کو مجروح و غلط قرار دیا ہے۔

(المحلی ج ۶ ص ۴۰)

ایسے ہی شمس الحق عظیم آبادی نے التعلیق المغنی ج ۴ ص ۲۸۴، اسماعیل سلفی نے فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱۳ ص ۱۶۹ اور محمد بشیر سہسوانی نے فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱۳ ص ۷۸ پر چوتھے دن قربانی کرنے والی روایات کو شدید ضعیف اور ناقابل اعتبار بتایا ہے۔

وہابیوں کے شیخ الکل ابوالبرکات احمد سے کسی نے سوال کیا کہ اگر ایک آدمی جان بوجھ کر چوتھے دن قربانی کرتا ہے اور دلیل یہ دیتا ہے کہ چوتھے دن قربانی سنت ہے اور میں سنت کو زندہ کر کے سوشہید کا ثواب لیتا ہوں تو کیا وہ ثواب کا حقدار ہے؟ تو جواب دیا، اس آدمی کا عمل نبی کے عمل کے خلاف ہے..... نبی اکرم ﷺ نے تیسرے اور چوتھے دن کبھی بھی قربانی نہیں کی لہذا یہ آپ کی سنت نہیں ہے اور مردہ سنت زندہ کرنے والی بات غلط ہے اور جاہلوں والی بات ہے، جس کے پیچھے کوئی دلیل نہیں ہے۔

(فتاویٰ برکاتیہ ص ۲۸۰)

الیاس اثری اور محمد اعظم نے بھی مانا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دائمی سنت اور ہمیشہ کا عمل پہلے دن قربانی کرنا ہے (القول الا نیق ص ۳، مسائل قربانی ص ۳۹) زبیر علی زئی نے لکھا ہے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کا یہی قول ہے کہ قربانی کے تین دن (عید الاضحیٰ اور دو دن بعد) ہیں، ہماری تحقیق میں یہی راجح ہے اور امام مالک وغیرہ نے اسے ہی ترجیح دی ہے۔ (واللہ اعلم)۔ (ماہنامہ الحدیث ص ۱۱ شمارہ نمبر ۴۴) یہ مضمون زبیر صاحب نے اپنے ایک وہابی کے جواب میں لکھا ہے۔

نماز میں پاؤں چوڑے کرنا

غیر مقلد وہابی حضرات نماز میں پاؤں خوب چوڑے کر کے کھڑا ہونا اور بار بار دوسرے کے پاؤں کے ساتھ پاؤں جوڑنا اپنی فخریہ نشانی بتاتے ہیں آئیے ان کے اپنے گھر سے فیصلہ کرا لیتے ہیں کہ اس عمل کی حقیقت کیا ہے؟

عبداللہ روپڑی نے لکھا ہے:

بار بار (پاؤں) ملانے کا اگر یہ مطلب ہے کہ قیام میں نہیں ملائے جاتے رکوع میں ملائے جاتے ہیں پھر سجدہ میں اپنی جگہ سے ہٹائے جاتے ہیں پھر اٹھ کر ملائے جاتے ہیں جیسے جاہلوں کی عادت ہے ایسا جدا کرنا اور ملانا تو ٹھیک نہیں کیونکہ نماز میں بلا وجہ پاؤں کو ادھر ادھر کرنا جائز ہے، بلکہ تمام نماز میں پاؤں کو ایک جگہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ نماز میں فضول حرکت نہ ہو۔ اگر کوئی شخص جہالت کی وجہ سے پاؤں کو ہٹاتا جائے اور دوسرا پاؤں پھیلاتا ہو اس کے نزدیک کرتا چلا جائے یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ نمازی کو حکم ہے کہ دوسرے نمازی کے کندھے سے اپنا کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملائے۔ پس اس کو چاہیے کہ اپنا پاؤں اپنے کندھے کی سیدھ میں رکھے تاکہ دوسرے کے کندھے اور پاؤں سے مل سکے، اب جو شخص اپنا پاؤں اپنے کندھے کی حد سے اندر کر لیتا ہے وہ حد کو توڑتا ہے۔ پس دوسرا اس حد کو توڑ کر اس حکم کے خلاف کیوں کرتا ہے کہ خواہ مخواہ اپنا پاؤں اس کے نیچے کرتا جاتا ہے اور اپنی نماز میں بھی خلل ڈالتا ہے۔ ملانا صرف اس حد تک ہے جو شرح نے اس کے لیے مقرر کی ہے نہ کہ دوسرے کے نیچے داخل ہو جائے اور بعض جاہل پاؤں خوب چوڑے کرتے رہتے ہیں اور کندھوں کا خیال ہی نہیں کرتے کندھوں کے انداز سے پاؤں بالکل چوڑے نہ کرنے چاہیے تاکہ پاؤں اور کندھے دونوں مل سکیں (فتاویٰ الہدیٰ ج ۱ ص ۵۳۹)

یہی مضمون فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳ ص ۲۶۶، اور ہفت روزہ تنظیم الہدیٰ لاہور ص ۶، ۲۸ مئی ۱۹۹۹ء پر بھی موجود ہے۔

فاروق اصغر صارم:

نے پاؤں خوب چوڑے کرنے کے متعلق لکھا ہے،، یہ محض مبالغہ ہے ہم نے کبھی بھی ایسا نہیں کیا اور نہ بیان کیا۔ کوئی شخص بے خبری میں ایسا کرتا ہے تو درست نہیں کرتا (اہل تقلید کی طرف سے چند سوالات..... ص ۱۴)

جراہوں پر مسح کرنا

وہابی حضرات کی جانب سے اس موضوع پر بھی بڑا شور و غوغا کیا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت کیا ہے؟ آئیے وہابیوں کے اپنے،، بزرگوں،، سے ہی پوچھ لیتے ہیں۔
محمد یونس دہلوی نے لکھا ہے:

معمولی اور پتلی جراہوں پر مسح کرنا ناجائز ہے۔ مسح جراہ کی اکثر حدیثیں ضعیف ہیں امام ابو داؤد نے اپنی کتاب میں ضعیف کہا ہے۔ (دستورالمتقی ص ۷۸)
نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے:

جراہوں پر مسح جائز نہیں ہے کیونکہ اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے مجوزین نے جن چیزوں سے استدلال کیا ہے اس میں خدشات ہیں۔

(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۱۹۳، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱ ص ۹۲)

عبد الجبار غزنوی نے کہا ہے:

جراہوں پر مسح کرنا حدیث صحیح سے ثابت نہیں۔

(مجموعہ فتاویٰ عبد الجبار ص ۱۰۲، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱ ص ۹۹)

شرف الدین دہلوی:

جراہوں پر مسح کرنے کا مسئلہ معرکہ الاراء ہے..... مگر یہ مسلک صحیح نہیں۔ اس لیے کہ دلیل صحیح نہیں ہے۔ (شرفیہ بر فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۴۴۱)

ابوالبرکات احمد نے فتویٰ دیا ہے:

جراہوں پر مسح کرنے کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور بعض ائمہ مجلدین ہونے کی شرط لگاتے ہیں یعنی جراہوں کے نیچے چمڑا لگا ہوا ہو، اور امام احمد، امام محمد اور بہت سے محققین علمائے اہلحدیث رضوان اللہ عنہم اجمعین موٹے ہونے کی شرط لگاتے ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل تحفۃ الاحوذی عون المعبود اور نیل الاوطار میں موجود ہے..... جراہوں پر مسح والی حدیثیں ضعیف ہیں جس سے قرآن کی تخصیص درست نہیں ہے۔ لہذا ہم شرط لگاتے ہیں کہ جراہیں موٹی ہونے کی صورت میں مسح جائز ہے اگر موٹی نہیں تو تو پھر جائز نہیں ہے۔ کیونکہ موٹے ہونے کی صورت میں موزے کے مشابہ ہو جاتی ہیں۔ (فتاویٰ برکاتیہ ص ۲۲۶)

ابوالبرکات احمد کے اس فتویٰ کی تصدیق وہابی حضرات کے، حضرت العلام شیخ القرآن الحافظ محمد گوندلوی، نے بھی کی ہے ملاحظہ ہو! فتاویٰ برکاتیہ ص ۲۲۸۔

سحری کی اذان

وہابی حضرات بڑے اہتمام سے سحری کی اذان پڑھتے ہیں جبکہ اس اذان کا کوئی ثبوت نہیں۔ وہابیوں کے، شیخ الکل، ابوالبرکات احمد نے لکھا ہے: سحری یا تہجد کے نام پر کوئی ا

اذان حدیث میں نہیں ہے۔ (فتاویٰ برکاتیہ ص ۲۲)

مزید لکھا ہے: کسی محدث نے آج تک کتب احادیث میں تہجد یا سحری کی اذان کا باب نہیں باندھا۔ معلوم ہوا اس قسم کی اذان شریعت میں ہے ہی نہیں۔ (فتاویٰ برکاتیہ ص ۲۲)
وہابی ترجمان ہفت روزہ اہلحدیث لاہور جلد ۱ شمارہ ۴۷ میں لکھا ہے کہ سحری خاص کے نام پر اذان کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو! (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۲ ص ۱۶۷)

فرض نماز کے بعد دعا

نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بعد فرض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے۔

(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۵۶۴)

مزید لکھا گیا: ان احادیث سے بعد نماز فرض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قولاً وفعلاً آنحضرت ﷺ سے ثابت ہوا..... حاصل ان حدیثوں کا یہ ہے کہ آپ نے فرمایا صبح کی نماز کے بعد یعنی فرض نماز کے بعد دعا مانگو اور جب دعا مانگو تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو (حاشیہ فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۵۶۷)
یونس دہلوی نے لکھا ہے:

فرضوں کے سلام پھیرنے کے بعد امام اور مقتدی کا ہاتھ اٹھا کر ایک ساتھ دعا

مانگنا ضروری نہیں (بلکہ جائز ہے)۔ (دستورالمتقی ص ۱۱۸)

ابوسعید شرف الدین لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ بعد نماز فرائض ہاتھ اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے فعل اور قول دونوں سے ثابت ہے..... یہ فائدہ جماعت میں ملکر دعاء مانگنے کا ہے خصوصاً بعد فرائض خصوصاً برقع یدین خصوصاً جماعت کیساتھ مل کر دعا کرنے میں۔

(شرفیہ بر فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۰۵)

علاوہ ازیں درج ذیل مقامات پر،، دعا بعد نماز،، کے جواز پر بحث موجود ہے مثلاً فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۰۶، ج ۱ ص ۶۰۵، ج ۱ ص ۵۷۳۔ ہفت روزہ تنظیم الہدیت لاہور ص ۶، ۳ فروری ۲۰۰۰ء ص ۶، ۳ جولائی ۱۹۹۸ء، فتاویٰ الہدیت ج ۲ ص ۱۹۰، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳ ص ۲۱۴، ۲۱۸، ج ۵ ص ۲۲۳، الدعاء از بشیر الرحمان سلفی۔ فرض نماز کے بعد دعا کی اہمیت از حکیم عبدالرحمان عثمانی وغیرہ۔

درود و سلام ہر وقت جائز

دیوبندیوں کا اعتراف

زکریا سہارنپوری:

نماز سے فراغ پر، نماز قائم ہونے کے وقت، صبح اور مغرب کی نماز کے بعد تاکید اتہجد کے لیے کھڑے ہونے کے وقت، اور تہجد کے بعد، مساجد میں داخل ہونے اور باہر آنے کے وقت اور اذان کے جواب کے بعد اور جمعہ کے دن۔

(فضائل درود شریف ص ۶۶)

سید حسن دیوبندی:

اذان کے بعد درود شریف پڑھنا افضل ہے۔ (فضائل درود و سلام ص ۸۸)

دیوبندیوں کے مفتی عزیز الرحمان:

سے ایک سوال پوچھا گیا جس میں واضح طور پر مانا گیا ہے کہ،، اذان سے قبل

الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ وغیرہ جسکو صلوٰۃ کہتے ہیں اور مکہ معظمہ اور

مدینہ منورہ میں ہوتی ہے،، (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۰۲)

معلوم ہوا کہ اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام پڑھنا حرمین شریفین میں بھی جاری تھا۔

والحمد لله علی ذلک

وہابیوں کا اقرار

دیوبندیوں وہابیوں کے امام ابن قیم نے لکھا ہے: چھٹا موقع ہے موزن کی

اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے۔ (جلاء الافہام ص ۳۰۸)

نواب صدیق حسن خان بھوپالوی نے لکھا ہے:

بہت سے اوقات میں آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھنے کے بارے میں

امروارد ہے سو ان میں سے بعض وقتوں میں درود پڑھنا واجب ہے اور بعض میں مستحب

ہے جیسے ہم بیان کرتے ہیں۔ پس ان میں سے ایک اذان کے بعد..... الخ۔

(تفسیر ترجمان القرآن ج ۱۱ ص ۴۰۱)

عبدالعزیز بن باز:

درود و سلام پڑھنا تمام اوقات میں جائز ہے نماز کے بعد پڑھنے کی بالخصوص تلقین ہے۔ نماز کے آخری تشہد میں درود پڑھنا واجب ہے، اذان کے بعد، رسول اللہ کا نام لیتے وقت، جمعہ کے دن اور رات کو درود پڑھنا سنت موکدہ ہے۔ (حکم الاحتفال بالمولد النبویہ ص ۷)

ابوالبرکات احمد:

نے دو ٹوک لکھا ہے اذان کے بعد درود اور دعا کا ذکر ہے۔ (فتاویٰ برکات ص ۲۱)

عبدالغفور اثری:

درود شریف پڑھنے کا ایک اہم اور ضروری موقع اذان کہنے اور سننے کے بعد ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے..... نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا ایک اہم اور موکد موقع اذان (کہنے اور سننے) کے بعد دعائے وسیلہ مانگنے سے پہلے ہے..... اذان کے بعد صرف صلوٰۃ (درود شریف) پڑھنے کا حکم ہے۔

(فضائل و احکام درود و سلام ص ۲۵۰، ۲۵۲)

ایک وہابی مصنف نے مانا ہے کہ درود شریف کیلئے وقت اور انداز مقرر نہیں۔

(ماہنامہ محدث لاہور ص ۷۷ مئی ۲۰۰۳ء)

ابوالبرکات احمد:

نے اذان سے پہلے سپیکر اور بغیر سپیکر کے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی بھی ترغیب دی

ہے۔ (فتاویٰ برکات ص ۸۸)

شب برات کی فضیلت

وہابیوں کی حمایت

زیادہ تر وہابیوں کی طرف سے اس مسئلہ پر طعن و تنقید کا بازار گرم ہوتا ہے۔ جبکہ ان کے پیشواؤں نے بھی اسے تسلیم کر رکھا ہے۔ مثلاً

ناصر الدین البانی:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تمام طرق کے سبب سے (یہ حدیث جس میں شب برات کی فضیلت بیان کی گئی ہے) بلا شک و شبہ صحیح ہے اور صحت حدیث تو ان طرق سے کم سے بھی ثابت ہو جاتی ہے، جب تک وہ شدید ضعف سے محفوظ ہو جیسا کہ اس حدیث (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کی گئی روایت) کا معاملہ ہے (کہ وہ ضعف شدید سے پاک ہے بلکہ تعدد طرق کی وجہ سے صحیح کے درجہ پر فائز ہے) قاسمی نے „اصلاح المساجد“ میں اہل جرح و تعدیل کی جو بات نقل کی ہے کہ „فضیلت شب برات کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں ہے“، تو یہ ایسی بات ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا (سلسلہ الاحادیث الصحیحہ ج ۳ ص ۱۳۸)

ثناء اللہ امرتسری:

نے شب برات میں تلاوت و عبادت کے متعلق کیے گئے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: اس دن کوئی کار خیر کرنا بدعت نہیں ہے بلکہ بحکم انما الاعمال بالنیات موجب ثواب ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۵۶)

عبداللہ روپڑی:

سائل کے سوال کہ شعبان کی چودھویں یا پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھنا جائز ہے، یا نہیں بعض بدعت کہتے ہیں (مخلصاً) کا جواب لکھا ہے: شب رات کا روزہ رکھنا افضل ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ وغیرہ میں حدیث موجود ہے (فتاویٰ اہلحدیث ج ۲ ص ۲۱۸) دیوبندیوں کی صراحت:

دیوبندیوں کے نزدیک شب برات ایک فضیلت و بزرگی والی رات ہے، جس میں شب بیداری، قبور کی زیارت، تلاوت و عبادت، ذکر و فکر اور نوافل و صلوٰۃ التَّسْبِيح بجالانا بالکل درست اور باعث اجر و ثواب ہے ملاحظہ ہو! فضیلت کی راتیں، از نعیم الدین، فضائل و احکام شب برات، از تھانوی، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۶ ص ۵۰۰، از عزیز الرحمن۔

تقلید کی حمایت

غیر مقلد وہابی حضرات تقلید کے خلاف بڑے پر جوش رہتے ہیں جبکہ ان کے بڑوں نے اس کی پر زور حمایت کی ہے..... چند عبارات درج ذیل ہیں:

نذیر حسین دہلوی:

(تقلید کی) قسم اول واجب ہے اور وہ مطلق تقلید ہے کسی مجتہد کی، قسم ثانی مباح آوردہ تقلید مذہب معین کی ہے (فتاویٰ نذیریہ ص ۷۵، ۷۶)

مزید لکھا ہے: قال اللہ تعالیٰ فاسئلواہل الذکر ان کنتم لاتعلمون یعنی پس سوال کرو اہل ذکر سے اگر نہ جانتے ہو تم اور یہی آیت دلیل ہے وجوب تقلید پر (ص ۷۷)

نوٹ: نذیر حسین کی تقلید کی پر زور حمایت والی عبارت کو ابراہیم میرسیا لکوٹی نے تاریخ
المحدث ص ۸۵ پر اور ثناء اللہ امرتسری نے فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۲۵۲ پر بھی نقل کیا ہے۔
وحید الزمان حیدر آبادی نے لکھا ہے:

عامی کیلئے اصول اور فروع میں علماء کی تقلید ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو! ہدیۃ
المحدث ص ۱۱۰، نزل الابرار ج ۱ ص ۷۔

مزید لکھا ہے: مقلد کا ایمان صحیح ہے۔ (ہدیۃ المحدث ص ۱۱۳)
نواب صدیق حسن نے لکھا ہے:

ائمہ میں سے ہر کوئی اپنے سے بڑے عالم کا مقلد ہے (گویا تقلید پر اجماع
ہے)۔ (البحرہ ص ۶۸)
محمد حسین بٹالوی کا بیان ہے:

پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے جو لوگ بے علمی کے
ساتھ مجتہد اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں ان
میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے بغیر ہیں اور
احکام شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ کرشمہ ہے..... دینداروں کے بے
دین ہونے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے..... ترک تقلید
سے ڈرنا چاہیے..... گروہ المحدث میں جو بے علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ
ان نتائج سے ڈریں اور جن مسائل میں وہ قرآن و حدیث سے کچھ علم و خبر نہ رکھتے ہوں
ان میں اجتہاد نہ کیا کریں بے علمی کا علاج سوال اور اہل علم کی پیروی ہے ان کیلئے آزادی

و خود اجتہادی ہرگز جائز نہیں ہے۔ (اشاعت السنہ ۱۸۸۸ء)

نوٹ: داؤدارشد نے تسلیم کیا ہے کہ یہ مضمون بٹالوی صاحب کا ہی ہے۔

(تحفہ حنفیہ ص ۵۱۵)

ثناء اللہ امرتسری:

ہم تقلید مطلق کو مانتے ہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۲۵۶)

ابراہیم سیالکوٹی:

تقلید غیر منصوص احکام میں ہوتی ہے اور وہ بھی اس شرط سے کہ اپنے میں اہلیت استدلال و نظر کی نہ ہو..... اس امر میں کسی اہل علم کا اختلاف نہیں۔ (تاریخ الہدیت ص ۸۲) تفصیل کے لیے ہمارا کتابچہ ”وہابیوں کی تقلید“، ملاحظہ ہو!

ہر نیا کام بدعت نہیں

دیوبندیوں اور وہابیوں کی طرف سے یہ شور مچایا جاتا ہے کہ ہر نیا کام بدعت ہے جو کام رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کیا وہ بدعت اور گمراہی ہے، اس پروپیگنڈے کا مقصد صرف اہلسنت و جماعت کو ناجائز طور پر بدعتی باور کرانا ہوتا ہے اور بس..... ورنہ ان کے اپنے اقوال اور اعمال کثرت کیساتھ اس پر شاہد ہیں کہ ”ہر نیا کام بدعت نہیں ہوتا“ اگر اہلسنت اس وجہ سے مطعون ہیں تو ان لوگوں کے اپنے اعمال پر بھی بدعت و گمراہی کا فتویٰ چسپاں کرنا چاہیے، چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں!

وہابیوں کے حوالے:

عبداللہ روپڑی نے لکھا ہے:

ہر محدث (نیا) کام بدعت نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ الہادیہ ج ۲ ص ۳۵)

شرف الدین دہلوی:

نے مانا ہے کہ بہت سارے کام وہابی حضرات اپناتے ہیں لیکن وہ اس مخصوص

انداز کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نہ تھے۔ (شریہ بر فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۹۰)

داؤدارشد نے اپنی کتاب کا مسودہ پڑھنا اچھا عمل قرار دیا ہے۔ (جبکہ یہ سنت سے ثابت

نہیں ہے)۔ (دین الباطل ج ۲ ص ۶۶)

عبدالستار خان نے لکھا ہے:

کہ اردو میں خطبہ جمعہ اسماعیل دہلوی کی ایجاد ہے۔ (اظہار حقیقت ص ۲۲)

صادق سیالکوٹی نے کہا ہے:

کہ چھلنی حضور کے زمانہ میں نہ تھی۔ (جمال مصطفیٰ ص ۴۹۲)

وہابیوں کے ہاتھوں میں تسبیح بھی پکڑی ہوتی ہے جبکہ ان کے امام ناصر الدین البانی نے

اسے بہت بڑی بدعت قرار دیا ہے۔ (سلسلہ احادیث ضعیفہ مترجم ص ۱۹۲، ۱۹۳)

وہابی لوگ،، سیرت،، کے نام پر مختلف جلسے، محافل اور کانفرنسز کا اہتمام کرتے رہتے ہیں

جبکہ ان کے،، مفسر قرآن،، صلاح الدین یوسف نے دو ٹوک لکھا ہے کہ اس پروگرام میں

بدعتوں کی بھرمار ہے۔ (عید میلاد ص ۱۲)

وہابی حضرات احادیث کی کتابیں پڑھنے، پڑھانے اور ان کی اشاعت پر بغلیں بجاتے

ہیں جبکہ ان کے،، شیخ التفسیر،، یحییٰ گوندلوی نے لکھا دیا ہے،، عہد صحابہ میں حدیث مدون

نہ ہوئی تھی۔ (احناف کا رسول اللہ سے اختلاف ص ۳)

یہی بات ابراہیم سیالکوٹی نے لکھی ہے ملاحظہ ہو! تاریخ الہدایت ص ۷۹، ۸۰، ۷۰۔
آج وہابیوں میں ختم بخاری کا بڑا رواج ہے ان کے عمل سے بھی یہ واضح ہے اور نواب
صدیق نے المخطہ ص ۹۷، عبدالرحمان مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۸۳، اور وحید
الزمان نے تیسیر الباری ج ۱ ص ۴۴ پر بھی،، ختم بخاری،، لکھا ہے جبکہ یہ عمل بعد کی ایجاد
ہے۔

لاہور سے وہابیوں کا ماہنامہ محدث ہفت روزہ الہدایت، الاعتصام اور دیگر
متعدد رسائل شائع ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ تمام ماہنامے اور رسائل بعد کی ایجاد ہیں
لیکن انھوں (محدث رسالے والوں) نے اپنے قارئین کو متوجہ کیا کہ وہ اس رسالے کے
خریدار بنائیں اور یہ بھی لکھ مارا کہ خریدار بنانا بڑا ثواب ہے۔ ملاحظہ ہو! محدث ص ۴۵،
نومبر ۲۰۰۲ء

نواب صدیق نے لکھا ہے:

جو کام اصل اسکی یا مثل اس کے اصل شریعت سے ثابت ہے گو وہ کام بعینہ
آں حضرت ﷺ کے زمانے میں نہ ہوا ہو وہ بدعت نہیں حکماً سنت میں داخل ہے۔
(تمیۃ الصبی ص)

اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے کہ:

خود تراویح بھی اس خاص انداز اور التزام کیساتھ نبی کریم ﷺ کے مبارک
زمانہ میں نہ تھی۔ (ایضاح الحق ص ۱۰۱)

ثناء اللہ امرتسری نے اپنی کتاب کو ایک اچھا عمل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

من سنہ فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرہا و اجر من عمل بہا جو کوئی اسلام میں بحکم شریعت احسن طریق جاری کرے اس کو اپنا اور اس طریق پر چلنے والوں کے برابر بھی ثواب ملے گا۔ (المحدیث کا مذہب ص ۸)

یہی روایت لکھ کر نواب صدیق حسن نے علم حدیث کا اجر مستنبط کیا ہے ملاحظہ ہو!

(المحلہ ص ۱۴۶)

جس سے واضح ہے کہ ہر نیا کام بدعت نہیں ہے اور ہر نیک عمل جاری کرنا سنت ہے اور کار ثواب بھی۔

نیز عون المعبود ج ۴ ص ۳۲۴ پر شمس الحق عظیم آبادی اور لغات الحدیث ج ۱ ص ۲۹ پر اور حدیۃ المحدثی میں وحید الزمان نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

دیوبندیوں کے حوالے
یہاں دیوبندیوں کا ایک آدھ بنیادی حوالہ پیش کر کے انہیں دعوت فکر دیتے ہیں، کہ وہ اپنے موقف پر نظر ثانی کریں
رشید گنگوہی:

قرون ثلاثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے بدعت نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۰۲)

اشرفعلی تھا نوی:

نے ختم بخاری کو باعث برکت لکھا ہے۔ (نشر الطیب ص ۲)

خلیل انپٹھوی:

کے نزدیک جو بات صراحۃً یا اشارۃً یا دلالتاً خاص جزئیہ کی صورت میں یا کسی عمومی قاعدہ کے تحت داخل ہو وہ سنت ہے بدعت نہیں۔ ملاحظہ ہو! براہین قاطعہ ص ۲۸، اس کتاب کی تصدیق رشید گنگوہی نے کی ہے۔

علاوہ ازیں یہی مضمون بوادر النواذر ص ۸۳۷ از اشرف علی تھانوی۔ تذکیر الاخوان ص ۳۷۷ از اسماعیل دہلوی، مائتہ مسائل ص ۸۸ از اسحاق دہلوی، اوجز المسالک ص ۲۹۷ از زکریا کاندھلوی، راہ سنت ص ۵۰ از سرفراز گنگوہی وغیرہ پر بھی موجود ہے۔

اہلسنت برحق ہیں

اہلسنت و جماعت جنہیں آج کل ”بریلوی فرقہ“، کہہ کر نفرت دلائی جاتی ہے، برحق اور سچی جماعت ہے، جس کا اعتراف خود مخالفین نے بھی چار و ناچار کر لیا ہے۔ جبکہ سابقہ گفتگو سے ہر چند واضح ہو گیا کہ اہلسنت و جماعت کے معمولات شرک و بدعت نہیں بلکہ صحیح اور درست ہیں اور یہی اعمال مخالفین کے ایوانوں میں کار فرما ہیں، اگر اسی وجہ سے اہلسنت کو بدنام کیا جاتا ہے تو پہلے وہ لوگ اپنے گھر کی خبر لیں۔ ورنہ اہلسنت کو غلط کہنا چھوڑ دیں پھر معلوم ہو جائے گا کہ وہ لوگ کتنے پانی میں ہیں اور دنیا اس حقیقت سے آگاہ ہو جائے گی کہ ان حضرات کا اہلسنت پر فتوے لگانا محض ضد، تعصب اور عداوت کی بناء پر ہے۔ جبکہ اہلسنت جادہ حق و صداقت پر گامزن لوگ ہیں۔

سطور ذیل میں ہم مخالفین کی واضح عبارتیں پیش کر کے یہ ثابت کر دینا چاہتے ہیں کہ اہلسنت برحق اور ان کے عقائد و اعمال درست ہیں۔ ملاحظہ ہو!

دیوبندیوں وہابیوں کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے لکھا ہے نجات پانے والا اگر وہ اہلسنت و جماعت ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳ ص ۳۳۵)

وہابیوں کا اعتراف

نواب صدیق حسن:

حق اہلسنت و جماعت کے مذہب میں ہے۔ (النبج المقبول ص ۱۱)

عبدالرحمان مبارکپوری:

اہل سنت و جماعت نجات پانے والی جماعت ہے (تحفہ الاحوذی ج ۳ ص ۳۶۷)

عبداللہ روپڑی نے لکھا ہے:

اہل سنت کوئی فرقہ نہیں بلکہ وہی اصل لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے

میں تھے، جبکہ تفریق اسلامی کا نام و نشان تک نہ تھا فرقہ وہ لوگ ہیں جو ان سے الگ ہو

گئے..... الخ۔ (فتاویٰ اہلحدیث ج ۱ ص ۷۲ حاشیہ)

صادق سیالکوٹی:

اہل سنت و جماعت وہ ہیں جو فرقے بندی سے الگ تھلگ براہ راست صرف

رحمت عالم ﷺ کے نقش قدم پر بہ اجماع صحابہ گامزن ہیں۔ (جماعت مصطفیٰ ص ۱۹)

ثناء اللہ امرتسری نے لکھا ہے:

اسی (۸۰) سال پہلے قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل

بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔ (شمع توحید ص ۱۴۰ امرتسر و سرگودھا، ص ۵۳ مکتبہ عزیز یہ لاہور)

نوٹ: یاد رہے ثناء اللہ امرتسری نے یہ بات ۱۹۳۸ء-۴۰-۴۱ میں لکھی تھی۔ اس سے اسی سال قبل تقریباً ۱۸۵۸ء کا زمانہ بنتا ہے اور یہ وہی دور ہے کہ جب انگریز چور دروازے سے ہندوستان پر قابض ہوا اور کچھ، مسلمان رہنماؤں، کو خرید کر فرقہ واریت اور فتنہ و فساد کا آغاز کیا تھا۔ ثابت ہوا کہ انگریز کے بعد ہی دوسرے فرقے معروف ہوئے ورنہ اس سے قبل مسلمان اسی مذہب و طریقہ پر تھے جو آج اہلسنت و جماعت حنفی بریلوی لوگوں کو نصیب ہوا ہے۔ والحمد للہ علی ذالک

تنبیہ: یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ امرتسری کی یہ عبارت بعض وہابی ناشرین نے اڑا دی ہے۔ مثلاً مطبوعہ کراچی و مکتبہ قدوسیہ لاہور

لیکن..... حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے

احسان الہی ظہیر:

نے، البریلویہ،، نامی کتاب لکھنے کے باوجود اس حقیقت کو لکھ ہی دیا ہے کہ یہ جماعت اپنی پیدائش اور نام (بریلوی) اور برصغیر کے فرقوں میں سے اپنی شکل و شباہت کے اعتبار سے اگر چہ نئی ہے لیکن افکار اور عقائد کے اعتبار سے قدیم اور پہلے کی ہے۔

(البریلویہ ص ۷ عربی)

مزید لکھا ہے: ابتدا میرا گمان تھا کہ یہ فرقہ پاک و ہند سے باہر موجود نہیں ہوگا، مگر یہ گمان زیادہ دیر قائم نہیں رہا، میں نے یہی عقائد مشرق کے آخری حصے سے مغرب کے آخری حصے تک اور افریقہ سے ایشیا تک اسلامی ممالک میں دیکھے ہیں۔ (ملخصاً)

(البریلویت ص ۱۰ اردو)

دو ٹوک واضح ہو گیا کہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کائنات کے ہر خطے میں وہی عقائد ہیں جو اہلسنت و جماعت حنفی بریلوی مسلک کے عقائد و نظریات ہیں۔ لہذا مخالفین کا یہ پروپیگنڈا سراسر دھوکہ و فریب کاری پر مبنی ہے کہ بریلوی نیا فرقہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلسنت کوئی نیا فرقہ نہیں بلکہ چودہ سو سال سے ہر دور میں خدمات اسلام سرانجام دینے والی جماعت ہے، جس کا آغاز مدینہ طیبہ میں سرور عالم ﷺ نے فرما دیا تھا۔

وہابیوں کے شیخ الکل ابوالبرکات احمد نے لکھا ہے:

بریلوی کا ذبیحہ حلال ہے کیونکہ وہ اہل قبلہ مسلمان ہیں۔

(فتاویٰ برکاتہ ص ۱۷۸)

نوٹ: یہی بات فتاویٰ علمائے حدیث ج ۲ ص ۲۴۳، ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۰ نومبر ۱۹۵۹ء اور ہفت روزہ تنظیم الہمدیٹ ۱۹ تا ۲۵ مئی ۲۰۰۶ء پر بھی موجود ہے

وہابیوں نے مزید لکھا ہے کہ (بریلوی حضرات کی اقتداء میں) نماز ادا کر لینی چاہیے یہ لوگ اہل اسلام سے ہیں، رشتہ ناطہ میں کوئی حرج نہیں (اہل حدیث سوہدرہ ج ۱۵ شمارہ ۲۰۰، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۲ ص ۲۴۳)

محمد حنیف یزدانی:

نے، تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی،، کے نام پر پوری کتاب لکھی اور اس

میں آپ کو اعلیٰ حضرت شاہ احمد بریلوی لکھا۔ (ایضاً ص ۷)

اور تسلیم کیا آپ نے قلمی جہاد کیا اور آپ کا راستہ صراط مستقیم تھا بلکہ آپ کی تعلیمات اپنانے والا بھی سیدھا راستہ پالیتا ہے۔ (ایضاً ص ۲۰)

نوٹ: اس کتاب پر متعدد وہابیوں کا تبصرہ و تصدیق بھی ہے۔

وہابیوں کے ثناء اللہ امرتسری جیسے متعصب شخص نے بلا جبر و اکراہ بقائمی ہوش و حواس اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو، مجدد مائتہ حاضرہ،، بھی تسلیم کر لیا ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۲۶۳، ۲۶۴)

سچ ہے جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

دیوبندیوں کا اقرار:

دیوبندیوں کی عبارات ملاحظہ ہوں کہ اہلسنت برحق ہیں اور فاضل بریلوی امام احمد رضا خان اہلسنت کے ترجمان اور محبت رسول ہیں۔

رشید احمد گنگوہی نے مانا ہے:

کہ نجات پانے والی جماعت اہلسنت و جماعت ہے۔

(سبیل الرشاد مشمولہ تالیفات رشیدیہ ص ۵۱۶)

خلیل احمد انبیٹھوی نے لکھا ہے:

کہ جنت میں جانے والا ایک گروہ ہے جس کا نام اہل سنت و جماعت ہے

(بذل المجہود ج ۶ ص ۱۸۹)

سرفراز گکھڑوی:

فرقہ ناجیہ صرف اہل السنۃ والجماعۃ کا گروہ ہے اس کے بغیر باقی تمام فرقے

ہلاکت کا شکار ہوں گے۔ دوزخ سے اول تا آخر بچنے والا فرقہ ناجیہ اور اہل سنت

والجماعت کا طبقہ ہوگا۔ (اہل سنت کی پہچان ص ۹)

دیوبندیوں کے شیخ الادب اعزاز علی لکھتے ہیں:

ہم دیوبندی ہیں اور بریلوی علم و عقائد سے ہمیں کوئی تعلق نہیں مگر اس کے باوجود بھی یہ احقر یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اس دور کے اندر اگر کوئی محقق اور عالم دین ہے تو وہ احمد رضا خان بریلوی ہے کیونکہ میں نے مولانا احمد رضا خان کو جسے ہم آج تک کافر، بدعتی اور مشرک کہتے رہے ہیں بہت وسیع النظر اور بلند خیال، علو ہمت، عالم دین، صاحب فکر و نظر پایا ہے..... الخ۔ (رسالہ النور ص ۴۰ شوال ۱۳۴۲ھ)

اور لیس کاندھلوی:

نے دو ٹوک لکھا کہ،، مولانا احمد رضا خان کی بخشش تو انہی فتوؤں کے سبب ہو جائے گی اللہ تعالیٰ فرمائے گا احمد رضا خان تمہیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تو نے معاف نہیں کیا تم نے سمجھا کہ انھوں نے تو حسین رسول کی ہے تو ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیا جاؤ اسی ایک عمل پر ہم نے تمہاری بخشش کر دی، (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت ص ۷ روزنامہ جنگ لاہور ۱۹۹۰-۱۰-۳۱، از کوثر نیازی)

شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

مولانا احمد رضا خان بہت بڑے عالم اور بلند پایہ محقق تھے۔ مولانا احمد رضا خان کی رحلت عالم اسلام کا ایک بہت بڑا سانحہ ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ (رسالہ ہادی دیوبند ص ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۲۹ھ)

اشرف علی تھانوی کا کہنا ہے:

وہ (بریلوی حضرات) نماز پڑھاتے ہیں ہم پڑھ لیتے ہیں۔

(افاضات یومیہ ج ۷ ص ۵۶)

مزید ملاحظہ ہو! لکھا ہے حضرت مولانا احمد رضا خان مرحوم و مغفور کے وصال کی اطلاع حضرت تھانوی کو ملی، تو حضرت نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر فرمایا،، فاضل بریلوی نے ہمارے بعض بزرگوں یا ناچیز کے بارے جو فتوے دیے ہیں وہ حب رسول ﷺ کے جذبے سے مغلوب و محبوب ہو کر دیئے ہیں اس لیے انشاء اللہ تعالیٰ عند اللہ معذور اور مرحوم و مغفور ہوں گے (مسلك اعتدال ص ۸۷)

انور کشمیری نے لکھا ہے:

مولوی احمد رضا خان ایک زبردست عالم دین اور فقیہ ہیں۔

(رسالہ دیوبند ص ۲۱، جمادی الاول ۱۳۳۰ھ)

سلیمان ندوی نے لکھا ہے:

مولانا بریلوی صاحب مرحوم..... جن کے متعلق کل تک یہ سنا تھا کہ وہ صرف اہل بدعت کے ترجمان ہیں اور صرف چند فروعی مسائل تک محدود ہیں مگر آج پتہ چلا کہ نہیں ہر گز نہیں یہ اہل بدعت کے نقیب نہیں بلکہ یہ تو عالم اسلام کے اسکا لرا اور شاہکار نظر آتے ہیں۔ (ماہنامہ ندوہ ص ۷۱، اگست ۱۹۱۳ء)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ اہل سنت برحق ہیں اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی دین اسلام کے عالم، محقق، اسکا لرا اور محب رسول تھے اور ان کے مخالف بدعتی ہیں۔

دیوبندی نیا فرقہ

اہلسنت و جماعت پر بلاوجہ طعن و تنقید کرنے والوں نے اپنی حقیقت خود ہی بتادی ہے اور دو ٹوک تسلیم کر لیا ہے کہ اہلسنت ہمیشہ سے ہیں جبکہ دیوبندی نیا فرقہ ہے۔ ملاحظہ ہو! انظر شاہ کشمیری نے لکھا ہے:

میرا یقین ہے کہ اکابر دیوبند جن کی ابتداء میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ اکبر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے، دیوبندیت کی ابتداء حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے کرتا ہوں۔ (ماہنامہ البلاغ ص ۲۸ مارچ ۱۹۶۹ء)

تقی الدین ندوی دیوبندی لکھتے ہیں:

زکریا سہارنپوری نے کہا، ہمارے اکابر حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی نے جو دین قائم کیا تھا اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ (صحبت اولیاء ص ۱۲۶)

معلوم ہوا کہ دیوبندی فرقہ رشید گنگوہی اور قاسم نانوتوی کا گھڑا ہوا ہے۔

وہابی نیا فرقہ ہے

غیر مقلد وہابی خود کو، اہلحدیث، کہلانے والے لوگ بھی نیا فرقہ ہے۔

نواب صدیق:

اس زمانے میں ایک شہرت پسند اور ریاکار فرقہ پیدا ہوا ہے جو ہر قسم کی خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود حدیث اور قرآن کے علم اور ان پر عمل کا دعویدار ہے

جبکہ علم، عمل اور معرفت والوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ (المحطہ ص ۱۳۹)

عبدالجبار غزنوی:

ہمارے دور میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا ہے جو اتباع حدیث کا دعویدار ہے (۱) بلحدیث کہلواتے ہیں (حالانکہ وہ اس سے الگ ہیں۔

(فتاویٰ غزنویہ بحوالہ، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۷ ص ۷۹)

ثناء اللہ امرتسری کا کہنا ہے:

کہ مولوی (محمد حسین بٹالوی) صاحب اس (اہلحدیث مذہب کی) ایسی تعریف کرتے ہیں جس سے یہ جدید مذہب بن کر بدعتی فرقوں میں آجاتا ہے۔

(اخبار اہلحدیث امرتسر ص ۹، ۵ نومبر ۱۹۱۵ء)

محمد شاہ جہانپوری:

کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں، جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں پچھلے زمانہ میں شافونادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے۔ اپنے آپ کو وہ اہلحدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں (الارشاد ص ۱۳)

وہابیوں کے مناظر طالب الرحمان:

کہ عزیز ڈاکٹر شفیق الرحمان نے بتایا ہے کہ ان کا خاندان دہلی یعنی شاہ عبد الرحیم اور شاہ ولی اللہ وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ (اہل توحید کے لیے لمحہ فکر یہ ص ۱۶)

وہابیوں کے ابو یاسر نے لکھا ہے:

کہ اہلحدیث کہلانے سے ثواب نہیں ملتا۔ (جماعت المسلمین ص ۹)

نواب صدیق حسن:

نے وہابیوں کے،، اہلحدیث،، ہونے کا انکار کرتے ہوئے انہیں فتنہ و فساد

قرار دیا۔ (الحلہ ص ۱۳۹)

اور بتایا ہے کہ اہلحدیث،، محدثین،، کو کہتے ہیں۔ (ص ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۲، ۱۲)

اور یہ ثابت کیا ہے کہ اہلحدیث کہلانے کے اصل حقدار حنفی لوگ ہیں کیونکہ ہندوستان میں علم حدیث کو انہی حضرات نے عام کیا ہے۔

نوٹ: ابراہیم سیالکوٹی نے بھی احناف کی خدمات حدیث کو مانا ہے۔

(تاریخ اہلحدیث ص ۲۷۳)

ابراہیم سیالکوٹی:

اپنے ایک وہابی مولوی کو کہتے ہیں اگر محدثین سے آپ کی ذات گرامی اور اس زمانے کے دیگر علماء اہلحدیث (یعنی وہابی) مراد ہیں تو بے ادبی معاف! مجھے آپ کو اور ان کو محدثین کہنے میں تامل (انکار) ہے (اخبار اہلحدیث ص ۱۵ نومبر ۱۹۹۲ء)

عبدالقادر حصاروی نے لکھا ہے:

یہ نام نہاد اہلحدیث ایسے بے وقوف ہیں۔ (سیاحۃ البھتان ص ۱۹)

وہابی حضرات نے بالاتفاق تسلیم کر لیا ہے کہ محمد حسین بٹالوی کی کوششوں سے ان کو انگریز بہادر سے،، اہلحدیث،، کا نام نصیب ہوا تھا ملاحظہ ہو! ترجمان وہابیہ ص ۶۲، سیرت ثنائی

ص ۴۵۲، المحدث کا مذہب ص ۸۰، مآثر صدیقی ج ۲ ص ۱۶۲، ۱۶۳،

تفصیل کے لیے علامہ ضیاء اللہ قادری علیہ الرحمۃ کی کتاب،، وہابی مذہب،، ص ۳۶۳ تا ۳۶۶ دیکھیے!۔

ہندوستان کا پہلا فرقہ باز شخص

دیوبندی اور وہابی حضرات دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ہندوستان میں جس شخص نے فرقہ بازی کا آغاز کیا وہ اسماعیل دہلوی ہیں اور جس کتاب نے فرقہ واریت کی آگ لگائی وہ،، تقویۃ الایمان،، ہے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں!

اسماعیل دہلوی نے اس بات کا خود اقرار کیا ہے وہ کہتے ہیں،، میں جانتا ہوں کہ اس (کتاب تقویۃ الایمان) میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔

(ارواحِ ثلاثہ ص ۸۴ از اشرف علی تھانوی، اکمل البیان ص ۱۴ از عطاء اللہ حنیف وہابی) معلوم ہوا کہ دہلوی صاحب نے،، تقویۃ الایمان،، کتاب مسلمانوں کو لڑانے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کیلئے لکھی تھی اور وہ بھی انگریز کو خوش کرنے کے لیے۔

احمد رضا بجنوری دیوبندی:

افسوس ہے کہ اس کتاب (تقویۃ الایمان) کی وجہ سے مسلمانان ہند و پاک دو گروہ میں بٹ گئے ہیں۔ (انوار الباری ج ۱۱ ص ۱۰۷)

ایک غیر جانبدار شخصیت مولانا زید ابوالحسن فاروقی لکھتے ہیں: مولانا اسماعیل کا ظہور ہوا

انہوں نے اردو میں تقویۃ الایمان لکھی اس کتاب سے مذہبی آزاد خیالی کا دور شروع ہوا کوئی غیر مقلد ہوا، کوئی وہابی بنا، کوئی اہلحدیث کہلایا، کسی نے اپنے کو سلفی کہا، ائمہ مجتہدین کی جو منزلت اور احترام دل میں تھی وہ ختم ہو گئی..... اس وقت کے تمام جلیل القدر علماء کا دہلی کی جامع مسجد میں اجتماع ہوا اور ان حضرات نے بہ اتفاق اس کتاب کا رد کیا۔ (مولانا اسماعیل اور تقویۃ الایمان ص ۹، ۱۰)

مولانا مخصوص اللہ دہلوی:

(اسماعیل کے چچا زاد بھائی) نے بھی لکھا ہے،، اسی مجلس تک سب (مسلمان) ہمارے طور پر تھے پھر ان کا جھوٹ سن کر کچے کچے آدمی آہستہ آہستہ پھرنے لگے۔ (ایضاً ص ۱۱)

مرزا حیرت دہلوی دیوبندی:

مولوی اسماعیل جو ہندوستان میں فرقہ موحدیہ کا بانی ہے۔

(حیات طیبہ ص ۹۹)

گویا اسماعیل دہلوی نے سرزمین ہند پر نئے فرقے کی بنیاد رکھی۔

وہابیوں، دیوبندیوں کے معتبر ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے: مولانا محمد اسماعیل شہید انہوں نے تقویۃ الایمان اور جلاء العینین لکھی..... تو تمام علماء میں ہلچل مچ گئی، ان کے رد میں سب سے زیادہ سرگرمی بلکہ سربراہی مولانا منور الدین نے دکھائی متعدد کتابیں لکھیں اور ۱۲۴۸ھ والا مشہور مباحثہ جامع مسجد میں کیا تمام علمائے ہند سے فتویٰ مرتب کرایا۔ پھر حرمین سے فتویٰ منگایا..... جامع مسجد کا شہرہ آفاق مناظرہ ترتیب دیا جس میں ایک

طرف مولانا اسماعیل اور دوسری طرف تمام علمائے دہلی۔ (آزاد کی کہانی ص ۳۶)
اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے:

کہ اسماعیل کے چچا شاہ عبدالقادر صاحب، نے بھی اسماعیل دہلوی کو فتنہ گر
قرار دیا۔ (بوادر النواذر ص ۴۶۹)

ارواح ثلاثہ ص ۹۸ پر بھی لکھا ہے کہ شاہ عبدالقادر نے اسماعیل کو فتنہ باز قرار دیا۔
دیوبندیوں کے مرکزی پیر حاجی امداد اللہ نے لکھا ہے: کہ اسماعیل دہلوی نے اپنے
بزرگوں کے مسلک کا انکار کیا (شائم امدادیہ ص ۶۲، امداد المہتاق ص ۷۹)

کس ادا سے کیا اقرار گنہگاروں نے

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ علم غیب، نور و بشر، یا رسول اللہ کہنا، رفع یدین اور
فاتحہ و میلاد جیسے مسائل کی وجہ سے اہلسنت کو بدعتی و مشرک کہنا جھوٹ اور دھوکہ بلکہ محض
ضد اور تعصب ہے کیونکہ یہی مسائل مخالفین کے گھر سے ثابت ہیں۔ اصل بات یہ ہے
کہ اہلسنت و جماعت نے ان لوگوں کے توہین آمیز اور گستاخانہ عقائد کی وجہ سے انہیں
دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا تو ان شاطر لوگوں نے عوام الناس کو بہکانے کے لیے
مذکورہ فروعی مسائل سامنے رکھ کر اصل بات ہی پس پردہ کر دی۔ اور اہلسنت کو بدنام کرنا
شروع کر دیا حالانکہ اہلسنت کا برحق ہونا ان کی کتب سے ظاہر ہے۔

اب ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ کون ہیں؟ اور وہ بھی ان کی اپنی معتبر مستند
کتابوں سے تاکہ انہیں مجال انکار نہ رہے۔

دیوبندیوں کا اقبال جرم

اشرِ فعلی تھانوی نے لکھا ہے:

ہم..... گستاخ ہیں،، (افاضات یومیہ ج ۶ ص ۳۱۲)

مزید لکھا: میں بھی بیوقوف ہی سا ہوں۔

(افاضات یومیہ ج ۱ ص ۲۶۶ ملتان، ج ۱ ص ۲۴۰ تھانہ بھون)

مزید لکھا: یہاں (تھانہ بھون میں) تو جو بہت ہی بے حیا ہوگا وہی ٹھہر سکتا ہے۔

(افاضات یومیہ ج ۳ ص ۱۱۸)

تھانہ بھون، اشرِ فعلی دیوبندی کا علاقہ و مسکن ہے، بتائیے! تھانوں صاحب کے اس فتوے

سے وہاں رہنے والے تمام دیوبندی اور خود تھانوی جی کیا ہوئے؟

مزید کہا: میں اس قدر بکی (بک بک اور بکواس کرنے والا) ہوں کہ ہر وقت بولتا ہی

رہتا ہوں۔ اور کوئی پروہ نہیں کرتا خواہ خدا کی توہین ہو، انبیاء اولیاء یا دیگر مسلمانوں

کی۔ (ایضاً ج ۱ ص ۴۳، قصص الاکابر ص ۳۰۱)

مزید لکھا: ہمارے بزرگ ہم کو بگاڑ (گستاخ و بے ادب بنا) گئے (ایضاً ج ۸ ص ۲۰۵)

مزید لکھا: (میں) بگاڑنے * گستاخ و بے ادب بنانے) کا ولی ہوں سنوارنے کا نہیں۔

(ارواح ثلاثہ ص ۳۳۵)

خضر حیات دیوبندی نے لکھا ہے:

قاضی مظہر (دیوبندی) نے حیات انبیاء کو گدھے کی حیات سے مثال دی ہے

،، جو کہ بدترین گستاخی ہے،، (المسلک المنصور ص ۱۷۰، ۱۶۷)

ایسے ہی امین صفدر اوکاڑوی کی ایک عبارت: آپ ﷺ نماز پڑھتے رہے اور کتیا سامنے کھیلتی رہی اور ساتھ گدھی بھی تھی دونوں کی شرمگاہوں پر بھی نظر پڑتی رہی،، نقل کر کے لکھا،، معاذ اللہ نقل کفر کفر نہ باشد،، (ایضاً ص ۱۷۳)

یعنی اوکاڑوی مذکور نے بھی کفر کیا ہے۔

ایک جگہ انھوں نے اوکاڑوی کمپنی کے متعلق لکھا: انکی کوئی تقریر اہل اللہ کی بے ادبی اور گستاخی سے خالی نہیں ہوتی۔ (ایضاً ص ۱۶۴)

مودودیوں نے لکھا ہے:

کوئی دیوبندی اور مودودی، ارتکاب توہین،، سے نہیں بچا۔ (جائزہ ص ۴۰)

(یعنی یہ سب گستاخ ہیں)

محمد حسین نیلوی نے لکھا ہے:

قاسم نانوتوی کے نظریات قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔

(ندائے حق ص ۶۳۶، ۷۲۱)

مزید لکھا ہے: کہ نانوتوی نے ختم نبوت کا قادیانی معنی کیا ہے (ندائے حق ص ۵۷۵)

اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے:

جب نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس لکھی تو پورے ہندستان میں کسی نے حمایت نہ کی سوائے عبدالحی کے۔

(افاضات یومیہ ج ۵ ص ۲۹۶، قصص الاکابر ص ۱۵۹)

اشرف علی تھانوی نے جب رسول اللہ ﷺ کے علم مبارک کو بچے، پاگل اور جانوروں کے علم

سے تشبیہ دی تو ان کے اپنے مریدوں نے بھی لکھا کہ یہ عبارت ظاہری طور پر بے ادبی پر مشتمل ہے۔ (حفظ الایمان مع بسط البنان ص ۲۸)

مولانا زید ابوالحسن فاروقی فرماتے ہیں:

کہ پیر سید محمد جیلانی بغدادی نے قاسم نانوتوی کے بیٹے حافظ احمد (دیوبندی) کے گھر علماء کے اجتماع میں اشرفی کی عبارت کو گستاخانہ اور،، بوائے کفر قرار دیا،، انہیں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی آپ ﷺ ان کے اس عمل پر خوش ہوئے اور انہیں مدینہ منورہ بلا لیا وہاں دس سال رہے۔ (مقامات خیر ص ۶۱۶)

یہ واقعہ عبدالمجید صدیقی نے بھی لکھا ہے ملاحظہ ہو! سیرت نبی بعد از وصال نبی ص ۱۶۹ تا ۱۷۱۔

گویا خود رسول اللہ ﷺ نے بھی تھانوی صاحب کے گستاخ ہونے پر مہر لگادی اور اسکی تردید کرنے والوں سے خوش ہو گئے۔

وہابیوں کا اعتراف جرم

وحید الزمان نے لکھا ہے:

(وہابی لوگ) ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اور حضرات صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں۔

(لغات الحدیث ج ۲ ص ۹۱)

وہابیوں کے عظیم بزرگ داؤد غزنوی کہتے ہیں:

دوسرے لوگوں کی یہ شکایت کہ اہلحدیث ائمہ اربعہ کی توہین کرتے ہیں بلاوجہ

نہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے حلقہ میں عوام اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں
..... الخ۔ (داؤد غزنوی ص ۸۷)

ابراہیم سیالکوٹی نے لکھا ہے:

جماعت احمدیہ کے گستاخ ہیر و..... الخ (سیرت مصطفیٰ ص ۱۴۴ حاشیہ)
وہابیوں کے شیخ الحدیث اسماعیل سلفی نے رسول اللہ ﷺ کو سخت قسم کے وہابی، لکھا
ہے۔ (فتاویٰ سلفیہ ص ۲۲۶، تحریک آزادی فکر ص ۲۹۵)
جبکہ ایک وہابی مفتی نے لکھا ہے کہ جو لوگ آپ ﷺ کو وہابی کہتے ہیں،، ایسے لوگ بہت
ہی بے وقوف ہیں،، (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۹ ص ۱۳۹)
اور خود اسماعیل سلفی نے کسی کو وہابی کہنا، گالی دینا،، لکھا ہے۔

(فتاویٰ سلفیہ ص ۵، ۶، تحریک آزادی فکر ص ۲۷۲)

معلوم ہوا کہ وہابی نہ صرف بے وقوف ہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں بھی دیتے ہیں۔
(معاذ اللہ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

شاء اللہ امرتسری:

کے نزدیک صرف رسول اللہ ﷺ، رحمۃ للعالمین،، نہیں۔

(احمدیہ امرتسر کا لم نمبر ۱، ۷ فروری ۱۹۰۸ء)

داؤد یہ پارٹی (محمی گوندلوی، مبشر ربانی اور داؤد ارشد):

نے اس نظریہ کو گستاخی قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو! (تحفہ حنفیہ ص ۳۱۹) نتیجہ

صاف ظاہر ہے۔

اسماعیل دہلوی اور ثناء اللہ امرتسری:

،،امکان کذب باری،، کے قائل ہیں ملاحظہ ہو! (یکروزہ ص ۷۱، شمع توحید ص ۱۳)
جبکہ وہابیوں کے ،،فضیلۃ الشیخ،، زبیر علی زئی نے صاف لکھا ہے،،، امکان باری تعالیٰ
،، کا انتساب صریحاً کفر ہے۔ (ماہنامہ الحدیث ص ۲۸ نمبر ۲۰)

عبدالعزیز سیکرٹری مرکزی جمعیت وہابیہ ہند نے لکھا ہے:
،، وہابیوں میں عقائد کی پختگی ختم،، (فیصلہ مکہ ص ۱)

عبدالحمید خادم نے لکھا ہے:

ہم نام کے مسلمان ہیں کام کے نہیں۔ (سیرت ثنائی ص ۸)
ان حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ دیوبندی، وہابی گستاخ ہیں اور اس بات کا انھوں نے
خود اقرار کر لیا ہے۔ تفصیل ہماری کتب، مطالعہ وہابیت، مطالعہ دیوبندیت، دیوبندیت
کیا ہے، مقدمہ مناظرہ گجرات مع تعاقب اور خارجیت کے مختلف روپ،، میں ہے۔
ہم بھی اپنی اس ،، تمہید طولانی،، میں یہی بتانا چاہتے تھے کہ اپنی بے ادبیوں اور گستاخیوں
کو چھپانے کے لیے دیوبندیوں، وہابیوں نے دوسرے مسائل کھڑے کر رکھے ہیں
حالانکہ ان کے اکابر بھی ان مسائل پر کاربند ہیں۔ ہم کہنے چاہتے ہیں کہ اگر اہلسنت سے
دشمنی صرف انہی مسائل کی وجہ سے ہے تو پھر اپنے اکابر سے بھی دامن چھڑالینا چاہیے۔
اور جو فتوے سنیوں پر چسپاں کیئے جاتے ہیں ان کا رخ اپنے اکابر کی طرف بھی ضرور کرنا
چاہیئے، کیونکہ وہ فروعی مسائل ان سے بھی ثابت ہیں اگر دیوبندی وہابی حضرات ان
مسائل کو تسلیم کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ ایسے نظریات کے حامل لوگوں کو وہ مشرک

وغیرہ نہیں کہیں گے تو ہمارا کھلے بندوں اعلان ہے کہ وہ اپنی گستاخیوں اور بے ادبیوں سے آج ہی توبہ بھی کر لیں تو اختلاف ختم۔

بلائی ہیں موجیں طوفانوں میں اترو
کہاں تک چلو گے کنارے کنارے

گستاخانہ عبارتیں:

اب آخر میں ہم مخالفین کی گستاخانہ عبارتیں پیش کر کے اپنے آقا ﷺ کے ہر غیرت مند اور وفادار امتی کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ

میں خود غرض نہیں میرے آنسو پرکھ کے دیکھ
فکر چمن ہے مجھے غم آشیاں نہیں

اور

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

وہابیوں کے باطل عقائد

فرقہ وہابیہ سے تعلق رکھنے والے مختلف افراد و مکاتب کے عقائد و افکار پیش کیئے جاتے ہیں تاکہ ہر شخص حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حق و باطل کا فیصلہ کر سکے۔

مشترکہ عقائد:

چونکہ ابن تیمیہ، ابن قیم، محمد بن عبدالوہاب نجدی، ابن حزم، اسماعیل دہلوی کی

ذات پر دونوں فریق (غیر مقلد اور دیوبندی) متفق ہیں، جن کا گستاخ ہونا واضح ہے، اس لیے ان کے الگ الگ عقائد و نظریات پیش کرنے سے قبل ان کے عقائد کے مشترکہ چند نمونے ملاحظہ فرمائیں!

ذات خداوندی کے متعلق

اسماعیل دہلوی نے ذات باری تعالیٰ کے متعلق درج ذیل عقائد بیان کیے ہیں:

۱..... ہم نہیں مانتے کہ اللہ کا جھوٹ بولنا محال ہے۔ (یک روزہ فارسی ص ۱۷)

یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ (معاذ اللہ)

۲..... اللہ تعالیٰ کو زمان و مکان اور جہت و غیرہ سے پاک ماننا اصلی بدعتوں سے ہے۔

(ایضاح الحق الصریح ص ۳۵)

یعنی اللہ تعالیٰ کا مکان بھی ہے اور کوئی خاص جگہ بھی مقرر ہے۔

۳..... سوال اللہ کے مکر سے ڈرا چاہیے۔ (تقویۃ الایمان ص ۴۶)

گویا ان کے نزدیک اللہ مکار ہے۔ (معاذ اللہ)

۴..... اس طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کر لیجئے یہ اللہ

صاحب کی شان ہے۔ (ایضاً ص ۲۰)

یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر وقت غیب کی باتوں کا علم نہیں ہوتا، ہاں وہ جب چاہے دریافت کر لیتا ہے، یعنی دوسروں سے پوچھ لیتا ہے۔

۵..... ابن قیم نے لکھا ہے:

میرا عقیدہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ عرش اور کرسی کے اوپر موجود ہے، اللہ نے

دونوں قدم کرسی پر رکھے ہیں۔ (قصیدہ نونیہ ص ۳۱)

۶..... ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کی حرکات و سکنات کو اپنی حرکات و سکنات پر قیاس کرتا، اللہ تعالیٰ کے لیے جسم کا قائل تھا اور کہتا کہ وہ عرش کے برابر ہے نہ بڑا نہ چھوٹا۔

(الدرر الکامنہ ص ۱۵۳، ۱۵۵۔ لابن حجر عسقلانی)

۷..... ابن حزم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنا بیٹا پیدا کر سکتا ہے۔

(المملل والنحل ج ۲ ص ۱۲۳، ۱۳۶)

رسالت کے متعلق

۱..... اسماعیل دہلوی نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ

،، بے حواس ہو گئے ،،۔ (تقویۃ الایمان ص ۵۶) معاذ اللہ

۲..... اس نے ہر مخلوق بڑی ہو یا چھوٹی (جس میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام بھی شامل

ہیں) کو اللہ کی شان کے آگے چھارے سے بھی ذلیل کہا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۳۵)

۳..... اور انبیاء و اولیاء کا نام لے کر انہیں ایک ذرہ ناچیز سے کمتر (حقیر ترین) قرار دیا

ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۵۶)

گویا ان کے نزدیک اللہ کی بارگاہ میں چھار اور ذرہ ناچیز کی کوئی وقعت، قدر

اور حیثیت ضرور ہے جبکہ انبیاء و اولیاء ان سے بھی ذلیل ہیں اور حقیر۔ (معاذ اللہ)

ظاہر ہے ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جو خود سب سے بڑھ کر ذلیل و رسوا ہو۔

۴..... دہلوی نے انبیاء کرام کو ،، ناکارہ ،، کہنے سے بھی کوئی عار محسوس نہیں کی ملاحظہ ہو!

(تقویۃ الایمان ص ۲۹)

- ۵..... مزید کہا کہ اولیاء و انبیاء اور بھوت پری میں کچھ فرق نہیں۔ (ایضاً ص ۸)
- ۶..... اس نے ہی،، گو برا فشانے،، کی ہے کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ کا خیال آ جانا اپنے گدھے اور نیل کی صورت میں غرق ہو جانے سے بھی برا ہے۔ (صراط مستقیم ص ۸۶)
- ۷..... اس نے تمام بزرگوں، نبیوں، ولیوں حتیٰ کہ خود حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سمیت سب کو،، بڑا بھائی،، قرار دے کر کہا کہ ان کہ اتنی ہی تعظیم کرو جتنی ایک بڑے بھائی کی تعظیم کی جاتی ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۶۰)
- ۸..... اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے:
- رسول اللہ ﷺ کی بات کو شریعت سمجھنا شرک ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۶۹)
- ۹..... مزید کہا: کہ ہر نبی کا مقام اپنے دور میں گاؤں کے چودھری جیسا ہے۔
- (تقویۃ الایمان ص ۹۶)
- ۱۰..... محمد بن عبدالوہاب نجدی نے انبیاء کرام کی قبروں کو،، بت،، قرار دیا ہے۔
- (کتاب التوحید ص ۱۰ مترجم)
- ۱۱..... اس نے لکھا ہے: انبیاء بھی لا الہ الا اللہ کی فضیلت جاننے کے محتاج ہیں۔
- (کتاب التوحید ص ۲۹ مترجم)
- یعنی ابھی تک کسی نبی کو بھی کلمہ کی فضیلت کا صحیح علم نہیں ہو سکا۔
- ۱۲..... مزید کہا کہ حضور ﷺ اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں۔
- (کشف الشبهات ص ۱۰)
- ۱۳..... ابن تیمیہ نے کہا:

رسول اللہ ﷺ کی قبر سے آنے والی آوازیں شیطان کی چالیں ہیں۔

(کتاب الوسیلہ ص ۵۱، ملخصاً)

۱۴..... مزید کہا: نبی پاک ﷺ اور دیگر انبیاء کا انسانی شکلوں میں آکر مدد کرنا اصل میں شیطان کا مدد کرنا ہے۔ (ایضاً ص ۴۱ ملخصاً)

دیوبندیوں کے باطل عقائد

مشترکہ عقائد ملاحظہ کرنے کے بعد اب ان فرقوں کے الگ الگ عقائد و نظریات بھی ملاحظہ فرمائیں! اور پھر اپنے ضمیر کا فیصلہ سننے کے لیے گوش برآواز رہیے!.....

ذات باری تعالیٰ کے متعلق

۱..... دیوبندی دھرم کے قطب، رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے:

امکان کذب سے مراد خول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۹، فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۲۳۷، ۲۳۸)

۲..... اسی نظریہ بدکا اظہار محمود الحسن دیوبندی نے الجہد المقل ج ۱ ص ۴۴، ۸۳ ج ۲ ص ۴۰ پر کیا۔

۳..... اشرف علی تھانوی نے بوادرا النوا در ج ۱ ص ۲۰۱ پر یہی لکھا ہے۔

۴..... خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ ص ۸، ۲۷، ۶ پر بھی یہی کہا ہے۔

۵..... الجہد المقل ج ۱ ص ۴۴، ۸۳ پر محمود الحسن نے دو ٹوک کہہ دیا کہ وہ جو برے کام بندہ کر سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ بھی کر سکتا ہے۔ معاذ اللہ

۶..... تذکرۃ الخلیل ص ۱۳۵، ۸۴ پر بھی اسی بد عقیدگی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

۷..... انور شاہ کشمیری نے اللہ تعالیٰ کے علم کو چابی کی طرح قرار دیا کہ جب چاہے

معلومات کا تالہ کھول کر علم حاصل کر لے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۵۱)

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت تمام امور کا علم حاصل نہیں ہوتا، لیکن وہ

جب چاہے علم حاصل کر سکتا ہے۔

دیکھئے! دیوبندیوں کے ہاں علم خداوندی کے متعلق کیسا گھناؤنا تصور ہے۔

۸..... ایسے ہی رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ حسین علی واں پھروی نے دو ٹوک لکھ مارا کہ

انسان خود مختار ہے، اچھے کریں یا نہ کریں اور اللہ کو پہلے اس سے کوئی علم بھی نہیں کہ کیا

کریں گے، بلکہ اللہ کو ان کے کرنے کے بعد معلوم ہوگا۔ (بلغۃ الحیران ص ۱۵۶)

یہ عبارت بالکل واضح ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک خدا تعالیٰ کو مخلوق کے

کاموں کی پہلے کچھ خبر نہیں کہ وہ کیا کرنے والے ہیں، جب انسان عمل کرتے ہیں تو وہ

جان لیتا ہے کہ انہوں نے کیا عمل کیا ہے، ورنہ اسے کچھ علم نہیں ہے۔ استغفر اللہ!

ذات رسالت کے متعلق

انکار ختم نبوت:

دیوبندیوں کے حجۃ الاسلام محمد قاسم نانوتوی نے ختم نبوت کا مفہوم بگاڑتے

ہوئے نئے نبی کی آمد کا راستہ ہوں ہموار کیا ہے کہ:

۱..... عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ

انبیاء سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن

ہوگا کہ تقدم ياتاً خرزمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ (تخذیر الناس ص ۴)
یعنی عام لوگوں کے نزدیک ختم نبوت کا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ آخری زمانہ میں
تشریف لائے ہیں جبکہ سمجھدار لوگ (دیوبندیوں) کے نزدیک اس میں کوئی فضیلت
نہیں ہے۔

مزید لکھا ہے:

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوت ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہوا تو پھر بھی خاتمیت محمدی
میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (ایضاً ۲۸)

گویا مرزائیوں نے ایک نبی مانا تو وہ کافر ٹھہرے یہ نانوتوی صاحب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے
نبوت کا دروازہ کھول رہے ہیں، ان کے نزدیک ایک مرزا ہی کیا قیامت تک جتنے مرضی
نبی بنتے رہیں، بن جائیں، کیونکہ اس طرح ان کے نزدیک ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں
پڑتا۔ لا حول ولا قوۃ

۲..... اسی نانوتوی جی کے پوتے قاری طیب دیوبندی جنہیں وابستگان دیوبند حکیم
الاسلام کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ وہ دو ٹوک اپنا عقیدہ انکار ختم نبوت یوں بیان
کرتے ہیں:

”ختم نبوت کا معنی لینا کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا یہ دنیا کو دھوکہ دینا ہے،،۔

(خطبات حکیم الاسلام ص ۵۰)

گویا جتنے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ، ”نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے،، وہ سب دھوکہ باز
ہیں اور دیوبندیوں کے نزدیک آج بھی نبوت کا دروازہ چوٹ کھلا ہے، جس کا جی

چاہے اس میں داخل ہو کر قسمت آزمائی کر سکتا ہے۔

۳..... امین اوکاڑوی نے لکھا ہے:

آپ نماز پڑھتے رہے اور کتیا سامنے کھیلتی رہی اور ساتھ گدھی بھی دونوں کی شرمگاہوں پر نظر پڑتی رہی۔

(تجلیات صفحہ ۵ ج ۵ ص ۴۸۸، غیر مقلدین کی غیر مستند نماز ص ۱۹۶)

۴..... احادیث صحیحہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ بعض اوقات سری نمازوں میں کوئی آیت جہر کیساتھ پڑھتے تھے، تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

”میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ آپ پر ذوق و شوق کی حالت ہوتی تھی جس میں یہ جہر واقع ہو جاتا تھا اور جب کہ آدمی پر غلبہ ہوتا ہے تو پھر اس کو خبر نہیں رہتی کہ کیا کر رہا ہے۔ (تقریر ترمذی ص ۷۱)

توہین ہی توہین

دیوبندی مذہب کے شیخ الہند محمود الحسن نے اپنے رشید احمد گنگوہی دیوبندی کو ”بانی اسلام (رسول اللہ ﷺ) کا ثانی، قرار دیا ہے۔ (مرثیہ ص ۵)

☆..... محمود الحسن نے ایک مقام پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو چیلنج دیا ہے کہ آپ نے تو صرف ایک کام کیا کہ مردوں کو زندہ کر دکھایا جبکہ ہمارے رشید احمد گنگوہی نے دو کام سر انجام دے کر آپ کو پیچھے چھوڑ دیا کہ اس نے مردوں کو زندہ کیا اور زندوں کو مرنے بھی نہیں دیا۔ (معاذ اللہ)۔ (مرثیہ ۲۳)

☆..... صنادید دیوبند کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی کے ایک مرید نے

خواب میں خود کو،، لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ،، پڑھتے دیکھا، جب بیدار ہوا تو پھر درودیوں پڑھا،، اللہم صل علی سیدنا ونبینا و مولانا اشرف علی،، مرید نے یہ ماجرا تحریری طور پر اپنے،، پیر مغاں،، کی،، خدمت،، میں ارسال کیا۔ تو تھانوی جی نے اسے سرزنش کرنے کے بجائے یوں تھپکی دی کہ:

،، اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے،،۔ (الامداد ص ۳۴)

گویا جو متبع سنت (سنت کا پیروکار) ہوا سے ”رسول اللہ“ اور ”نبینا“ وغیرہ کہنا اور اس کا کلمہ پڑھتے ہوئے اس پر درود پڑھنا جائز ہے، توبہ واستغفار کی کوئی ضرورت نہیں۔
ملاحظہ فرمائیں! منصب نبوت کے تقدس کو کس طرح تار تار کر دیا ہے؟
قاسم نانوتوی نے کہا ہے کہ:

انبیاء اپنی امت میں صرف علوم میں ہی ممتاز ہوتے ہیں، جب کہ عمل میں بظاہر امتی بھی برابر ہو جاتے ہیں بلکہ ان سے بڑھ بھی جاتے ہیں۔ (تحدیر الناس ۵)
اس عبارت میں ”بظاہر“ اور ”عمل“ کے لفظ پر دیوبندی بڑا اودھم مچاتے ہیں، جبکہ یہ قیدیں محض اتفاقی ہیں، دیوبندی مذہب میں واقعہ امتی علم اور عمل دونوں میں نبی سے بڑھ سکتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو!

دیوبندیوں کے ”شیخ الاسلام“ حسین احمد مدنی نے لکھا ہے:
پیغمبروں کو عمل کی وجہ سے فضیلت نہیں، عمل میں تو بعض امتی پیغمبر سے بڑھ جاتے ہیں۔ (مدینہ بجنور یکم جولائی ۱۹۵۸ ص ۳ کالم ۳ بحوالہ زلزلہ ص ۴۹)

اشرف علی تھانوی نے مانا ہے:

کہ غیر نبی، نبی سے زیادہ علم والا ہو سکتا ہے۔ (اقاضات یومیہ ج ۶ ص ۳۴۹)

تھانوی نے کہا ہے:

کہ جیسا علم غیب رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے ایسا علم ہر پاگل، بچے اور تمام

جانوروں اور چوپاؤں کو بھی ہے۔ (حفظ الایمان ص ۸)

خلیل احمد انبیٹھوی:

کہ نزدیک شیطان اور ملک الموت کے لیے پوری کائنات کا علم ماننا ایمان

ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ (براہین قاطعہ ص ۵۱)

قاسم نانوتوی نے لکھا ہے کہ:

جھوٹ بولنا نبی کی شان کے خلاف نہیں، اور جو یہ کہتا ہے کہ انبیاء کرام گناہوں

سے پاک ہوتے ہیں وہ غلط ہے۔ (تصفیہ العقائد ص ۲۳، ۲۵)

ہر کوئی رحمۃ للعالمین

دیوبندیوں نے رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کئی رحمۃ للعالمین گھڑ لیے ہیں، ملاحظہ ہو!

رشید احمد گنگوہی نے کہا ہے کہ:

رحمۃ للعالمین رسول اللہ ﷺ کی خاص صفت نہیں ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۲۴۵)

جب حاجی امداد اللہ مہاجر کی کا وصال ہوا تو گنگوہی جی نے انہیں رحمۃ للعالمین کہہ کر

پکارا۔ اور بار بار کہا: ہائے رحمۃ للعالمین، ہائے رحمۃ للعالمین۔

(اشرف السوانح ج ۳ ص ۶۰۳)

اشرف علی تھانوی کے مرید کا کہنا ہے کہ یہ لقب تھانوی پر بھی صادق آتا ہے۔

(اشرف السوانح ج ۳ ص ۶۰۳)

یعنی دیوبندیوں کے ہاں تھانوی بھی رحمۃ للعالمین ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق نظریات

محمد حسین نیلوی نے لکھا ہے:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جنرل ضیاء الحق ہی اچھا رہا کہ جب بھی

اسے مہم پیش آئی تو سیدھا مکہ شریف جا پہنچا۔ (مظلوم کربلا ص ۱۰۰)

گنگوہی نے لکھا ہے:

محرم میں ذکر شہادت حسین رضی اللہ عنہا کرنا اگرچہ بروایات صحیحہ ہو، یا سبیل

لگانا، شربت پلانا..... حرام ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳۹)

حسین علی واں پھرووی نے لکھا ہے:

کور کورانہ مرودر کربلا انیفی جوں حسین اندربلا

(بلغۃ الحیران ص ۳۹۹، دو جگہ پر)

کربلا میں اندھا دھند نہ چلا جاتا کہ تو حسین کی طرح بلا میں نہ پڑے۔ یعنی امام حسین

کربلا میں بے سوچے سمجھے جسے پنجابی میں ”اٹے وا“ کہتے ہیں امام حسین یوں کربلا میں

گئے تھے۔

ابو یزید محمد دین بٹ لاہوری دیوبندی نے امام حسین کو باغی اور یزید کو امیر المؤمنین، سیدنا اور رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو! رشید ابن رشید ٹائٹل پیج وغیرہ۔ اس پر متعدد دیوبندیوں کی تقریظیں اور تصدیقیں ہیں مثلاً

عبد الستار تونسوی، نور الحسن بخاری، مفتی شفیع، محمد علی کاندلوی، شمس الحق افغانی، قاضی شمس الدین، خیر محمد، ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ

رشید احمد گنگوہی کو صدیق و فاروق قرار دے کر شیخین کریمین کی توہین کی گئی ہے۔
(مرثیہ ۱۲، از محمود الحسن)

رشید گنگوہی نے لکھا ہے:

صحابہ کرام کو کافر کہنے والا سنت و جماعت سے خارج نہ ہوگا۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۷۶)

اشرف علی تھانوی نے فضل الرحمن دیوبندی کا بیان لکھا ہے کہ:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا انہوں نے ہم کو اپنے سینے سے چمٹا لیا ہم اچھے ہو گئے۔ (افاضات یومیہ ج ۶ ص ۳۷، قصص الاکابر ص ۴۷، مجالس حکیم الامت ص ۲۸۰، حسن العزیز ج ۲ ص ۷۷)

☆..... محمد عیسیٰ منصوری نے عطاء اللہ بخاری کا قول لکھا کہ:

”صحابہ کا قافلہ جارہا تھا ان میں ایک فرد (انور شاہ کشمیری) پیچھے رہ گیا۔“

(مولانا سعید احمد خاں ص ۲)

☆.....سرفراز گکھڑوی نے لکھا ہے کہ:

محمد نیلوی دیوبندی نے حضرات صحابہ کرام کی عدالت پر کلام کیا ہے۔
(تسکین الصدور ص ۶۵)

☆.....بانی تبلیغی جماعت الیاس صاحب:

کی نانی کہتی تھیں کہ مجھے تجھ سے صحابہ کی خوشبو آتی ہے.....تیرے ساتھ مجھے
صحابہ کی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ (دینی دعوت ص ۵۱، ۵۲)

☆.....عبدالشکور کا کوروی نے لکھا ہے:

جناب امیر (سیدنا علی) کی مجلس میں اعلانیہ فسق ہوتا تھا اور آپ اس کو مطلقاً
روا رکھتے تھے، روکنا اور منع کرنا درکنار آپ اس کو بیان کرنا فخر خیال کرتے تھے.....
جناب امیر ان باتوں کو بہت ذوق و شوق سے دیکھتے تھے۔

(انجم، خلافت نمبر ۲۱، ۲۲ اپریل ۱۹۳۳ء بحوالہ تحقیقات از علامہ شریف الحق امجدی)

☆.....سید احمد دیوبندی کو حضرت علی نے غسل اور سیدہ فاطمہ نے خواب میں کپڑے
پہنائے۔ (صراط مستقیم ص ۳۱۵)

☆.....سیدنا امام حسن کے ایمان کا اعتبار نہیں کیا۔ (فضائل اعمال ص ۱۷۵)

غیر مقلد نجدی وہابیوں کے متعلق

ذات باری تعالیٰ کے متعلق

وہابیوں کے ”شیخ الاسلام“ ثناء اللہ امرتسری کے نزدیک:

”امکان کذب باری کفر نہیں“ (شمع توحید ۱۳)

یعنی یہ عقیدہ کفر نہیں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔

نواب وحید الزمان حیدر آبادی نے لکھا ہے:

”اللہ جب آسمان دنیا پر نزول کرتا ہے تو عرش اس سے خالی ہو جاتا ہے“

(ہدیۃ المہدی ج ۱ ص ۱۰۰ ادبلی)

یعنی بالکل بندوں کی طرح، جیسے وہ ایک جگہ سے منتقل ہو کر دوسری جگہ جائیں تو پہلی جگہ خالی ہو جاتی ہے۔

مزید لکھا ہے: جب وہ (اللہ) کرسی پر بیٹھتا ہے تو چار انگلی بھی بڑی نہیں رہتی اور اس کے بوجھ سے چڑچڑ کرتی ہے۔ (تفسیر وحیدی ص ۵۶)

گویا وہابیوں کے نزدیک اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کہنا غلط ہے، کیونکہ ان کے نزدیک کرسی بھی خدا کے برابر ہے، اور پھر وہ بندوں کی طرح کرسی پر بیٹھ بھی جاتا ہے، تو اب اس کا جسم کرسی میں سما گیا، اور پھر اتنا بوجھل ہے کہ کرسی بوجھ برداشت نہ کرنے کی وجہ سے چڑچڑا اٹھتی ہے۔

مزید کسر نکالتے ہوئے دو ٹوک لکھ مارا:

هو سبحانه..... و مرء لا کالا شخاص والناس۔

(ہدیۃ المہدی ص ۹)

اللہ تعالیٰ شخص اور مرد ہے عام شخصوں اور لوگوں کی طرح نہیں۔

یعنی ہے تو وہ شخص اور مرد، لیکن ذرا بندوں سے ہٹ کر، خاص قسم کا ہے۔

وہابیوں کے امام عبداللہ غزنوی کے شاگرد قاضی عبدالاحد خانپوری نے اپنے سردار
الحمیدیت ثناء اللہ امرتسری کا عقیدہ لکھا ہے کہ:

رب تعالیٰ اپنی مثل (دوسرا خدا) پیدا کرنے پر قادر ہے (الفیصلۃ الحجازیہ ص ۲۳)

☆..... وہابیوں کے امام عبدالستار دہلوی نے لکھا ہے:

خدا کو ہر جگہ ماننا معتزلہ و جہمیہ وغیرہ فرق ضالہ کا باطل عقیدہ ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ ج ۲ ص ۸۴)

گویا اب خدا کو حاضر و ناظر ماننا بھی باطل ہو گیا۔

وحید الزمان نے لکھا ہے:

کہ اللہ جس صورت میں چاہے ظاہر ہوتا ہے۔ (ہدیۃ الحمیدی ج ۱ ص ۷)

اب دیکھیے! کائنات میں کون کون سی بری صورتیں پائی جاتی ہیں، وہابی کہتے وہ ہر
صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔

عبداللہ روپڑی نے لکھا ہے:

کہ میاں بیوی کے تعلق کے لیے اللہ پر جھوٹ بولنا بھی جائز ہے۔

(مظالم روپڑی ص ۵۳)

رسالت کے متعلق

وہابیوں کے ”مجتہد العصر“ عبداللہ روپڑی نے یہ بار وکرایا ہے کہ نبی پاک ﷺ قرض اتار
نے کے لیے حرام مال بھی استعمال کر لیتے تھے۔ (بکرا دیوی ص ۳۱)

فقیر اللہ مدد راسی نے لکھا ہے:

کہ ثناء اللہ امر تسری کے قول (تنخ کا قائل ہونا مردار خوری ہے) سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی مردار کھانے والے تھے۔ (تفسیر السلف ص ۱۷)
وہابیوں کے نزدیک ”محمد رسول اللہ“ کا وظیفہ جائز نہیں۔

(فتاویٰ الہمدیث ج ۱ ص ۱۵۰ م ۲۵۱)

☆..... ثواب نور الحسن نے لکھا ہے کہ:

پیغمبر کی قبر ہو یا کسی اور کی اسے مٹی کے برابر کرنا واجب ہے۔

(عرف الجادی ص ۶۱)

☆..... محمد جو ناگڑھی نے لکھا ہے کہ:

دین میں نبی کی رائے حجت نہیں۔ (طریق محمدی ص ۵۷، ۵۹، ۶۱)

وہابیوں کے نزدیک نبی کی بات دین نہیں (بے دینی ہے)۔ (اصلی اہلسنت ص ۲۹ کراچی)
رفیق خاں پسروری نے لکھا ہے کہ:

”انسان چھوٹا ہو یا بڑا، نبی ہو یا ولی خاکی اور لوازمات زندگی سے ملوث ہے۔

(اصلاح عقائد ص ۱۵۴)

گویا انبیاء کرام بھی عام بندوں کی طرح ”لوازمات زندگی“ سے ملوث ہیں، وہ معصوم نہیں ہوتے۔

عنایت اللہ اثری نے لکھا ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ کو معراج جسمانی نہیں ہوئی تھی، بلکہ خواب کا واقعہ ہے۔

(الطہر البلیغ ص ۴۱)

نذیر حسین دہلوی کی: مصدقہ کتاب ”رد تقلید“ ص ۱۲ پر حسین خاں نے لکھا ہے:

کہ انبیاء علیہم السلام سے احکام دینی میں بھول چوک ہو سکتی ہے۔

چلو کام تمام ہوا، اب کسی نبی بلکہ خود سید المرسلین ﷺ وعلیہم السلام کے متعلق بھی یہ یقین

نہ رہا کہ آپ نے کما حقہ دین کی تبلیغ فرمائی ہے۔ خدا جانے کتنے ہی مقامات پر انہوں

نے بھول چوک کا مظاہرہ کیا ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

عبداللہ روپڑی نے لکھا ہے کہ:

”ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو دھوکہ دیا۔“

(مودودیت اور احادیث نبویہ ص ۶۲)

عنایت اللہ اثری:

نے حضرت زکریا اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو نامرد لکھا ہے۔

(عیون زمزم ص ۱۶)

ختم نبوت پر ڈاکہ

نواب وحید الزمان حیدر آبادی:

نے رام چندر، کچھن، کشن جی، زراشت، کنفسیوس، بدھا، جاپان، سقراط، فیثا

غورس وغیرہ کو نبی بتایا اور لکھا کہ ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ (ہدیۃ الایمان ص ۸۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق

نواب وحید الزمان حیدر آبادی:

نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محرف قرآن ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے کہ
”انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اہل البیت الایہ“ والی آیت کو
اصل جگہ سے بدل کر یہاں فٹ کر دیا تھا۔ (تفسیر وحیدی ص ۵۴۹)

امام الوہاب یہ نواب صدیق حسن بھوپالوی نے لکھا ہے:
بعض صحابہ فاسق تھے۔ (البدیان المرصوص ص ۱۸۴)

وحید الزمان نے بھی لکھا ہے کہ:

صحابہ میں کچھ فاسق بھی تھے جیسے ولید، معاویہ، عمرو، مغیرہ اور سمرہ۔

(نزل الا برارج ۳ ص ۹۴)

مزید لکھا ہے کہ: ابوسفیان، معاویہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ، اور سمرہ بن جندب کو
رضی اللہ عنہ کہتا جائز نہیں۔ (کنز الحقائق ص ۱۳۴)

ثناء اللہ امرتسری نے لکھا ہے کہ:

صحابہ کرام کو گالیاں دینے والے کے بارے میں اپنے قلم اور زبان کو روکتا

ہوں۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۱۹۰)

یعنی ان کے نزدیک وہ کسی بھی سخت جملے، سزا اور تعزیر کا حقدار نہیں، جبکہ دوسری جگہ شاہ
ولی اللہ، شاہ رفیع الدین اور نواب صدیق کو صرف ”سخت سست“ کہنے والے کو دو ٹوک
”فاسق“ لکھ کر قلم کو حرکت دی ہے ملاحظہ ہو! فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۸، اندازہ کجی عے!

صحابہ کرام سے کس قدر عداوت ہے کہ انہیں گالیاں دینے والوں کے خلاف غیرت کو جوش نہیں آتا۔

مزید لکھا ہے: کہ صحابہ کرام کو سچا ماننا اسلام میں داخل نہیں۔ (ایضاً)

وہابیوں کے نزدیک صحابہ کرام کا قول، فعل، فہم، رائے، استدلال، استنباط اور اجتہاد کا کوئی اعتبار نہیں، پوری امت میں کسی ایک فرد پر بھی انہیں ماننا ضروری نہیں۔ انہی نظریات کا اظہار:

۱..... نذیر حسین دہلوی نے فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۱۹۶، ۳۳۰، ۶۲۲ پر۔

۲..... نواب صدیق نے التاج المکمل ص ۲۹۶، الروضة الندیہ ج ۱ ص ۲۵۴، بدر والا ہلہ ص ۱۳۹، دلیل الطالب ص ۶۱ پر۔

۳..... زبیر علی زئی اور اس کی پارٹی نے: الحدیث نمبر ۳۰ ص ۴۴، ۱۴۔ نمبر ۲ ص ۵۷۔

۴..... نواب نور الحسن بھوپالوی نے عرف الجادی ص ۴۴، ۴۸، ۸۰، ۲۰۷، ۱۰۱ پر۔

۵..... عبدالرحمان مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۴۴ پر۔

۶..... صفدر عثمانی نے احسن الابحاث ص ۴۵، ۴۱، ۴۴، ۴۵، ۴۹، ۴۶، ۴۲ پر۔

۷..... عبدالمنان نورپوری نے ”مسئلہ رفع الیدین“ ص ۱۴، ۸۱، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۸،

۸۹ پر۔

وہابیوں کے نزدیک صحابہ کرام سنت کے مخالف اور دین سے ناواقف تھے۔ چند حوالہ جات درج ذیل ہیں:

۱..... صادق خلیل نے لکھا:

صحابہ کرام سنت نبوی سے ناواقف۔ (نماز تراویح ص ۱۹)

۲..... اساماعیل سلفی نے لکھا:

ان (صحابہ) کا یہ فعل سنت صحیحہ کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ سلفیہ ص ۱۰۷)

۳..... صفدر عثمانی:

نے صحابہ کرام کی دین سے ناواقفی ظاہر کی ہے۔ (احسن الالباحات ص ۵۴)

۴..... محمد جونا گڑھی:

نے بتایا کہ حضرت عمر دین کے موٹے موٹے مسائل میں غلطیاں کرتے

رہے ہیں۔ (طریق محمدی ص ۷۸)

اور لکھا ہے کہ: حضرت ابوبکر اور حضرت عمر خدا رسول کے فرمان کے خلاف نظر آئے۔

(ایضاً ص ۱۹۱)

۵..... نواب صدیق حسن نے لکھا کہ:

حضرت عمر نے نماز تراویح کی جماعت کا آغاز کر کے بری بدعت کا آغاز کیا

تھا۔ (الانتقاد الرجیع ص ۶۲)

۶..... وہابی مفتی نے حضرت عثمان کے عمل کو گمراہی قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۴۳۵)

۷..... زبیر علی زئی نے لکھا:

عبداللہ بن عمر کا اجتہاد نبی کی سنت کے خلاف ہے۔ الحدیث نمبر ۲۶ ص ۵۶)

ان کے تفصیلی عقائد کے لیے ہماری زیر طبع کتاب ”خارجیت کے مختلف روپ“ ملاحظہ

کھجئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کہتی ہے
تجہ کو خلق خدا
غائبانہ کیا؟

WWW.NAFSEISLAM.COM

شیخ المحمد شین، حضرت العلام، علامہ

حافظ ابو الخیر غلام نبی نقشبندی کیلانی دامت برکاتہم العالیہ

فاضل جلیل حضرت مولانا ابو الحقائق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی، تدریس، تقریر اور مناظرہ کے شعبہ جات کے علاوہ تحریر کے میدان میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ قلیل مدت میں ان کی متعدد تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں..... اور تاہنوز بڑی سرعت کے ساتھ یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ صد مسرت یہ امر ہے کہ ان کی تصنیفات میں علمی، تحقیقی اور ادبی عنصر غالب ہے۔☆☆☆

شیخ الحدیث علامہ

محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ

فاضل نوجوان مولانا علامہ حافظ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی باریک اللہ تعالیٰ فی علمہ و عملہ و عمرہ مدرس دارالعلوم نقشبندیہ امینیہ ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ نے ”صحابہ کرام اور مسلک اہلسنت“ کے نام سے کتاب لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ اہلسنت و جماعت کا مسلک وہی ہے جو صحابہ کرام کا تھا۔☆☆☆

شیخ الفقہ، علامہ

مفتی محمد عبد اللطیف قادری دامت برکاتہم العالیہ

حضرت فاضل غلام نے اپنے مسلک کے اثبات اور مخالفین کی تردید کے لیے قلم اٹھایا اور خوب محنت و تحقیق فرمائی۔ فجزاہ اللہ خیراً۔☆☆☆

ادیب شہیر

مولانا غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے (شکر گڑھ)

حضرت ساقی نے حضرت ابولبیاں پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ علم و فضل سے فیض حاصل کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان تحقیق پر چھا گئے۔ آپ علم و فضل، زہد تقویٰ اور عمدہ اخلاق کی تصویر ہیں۔

احقر کافی عرصے سے آپ کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ میں دین کا درد، قوم کا خلوص اور ملت کا غم پوری طرح جاگزیں ہے۔

عشق کے راستے پر چلایا ہمیں

اہل سنت خدا نے بنایا ہمیں

ساقی اہل سنت کی تحریر ہے یہ مجدد کی رحمت کی تصویر ہے

گمراہی میں محبت کی تنویر ہے اس کے ہر لفظ نے حق سنایا ہمیں

اہل سنت خدا نے بنایا ہمیں

☆☆☆

عظیم محقق و مورخ حضرت علامہ

مفتی محمد علیم الدین نقشبندی

مناظر اسلام، فاضل جلیل حضرت مولانا علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی زید شرفہ کی خدمت میں سلام بے دینوں کے مقابلہ میں ان کی فتوحات سے قلبی راحت ہوتی ہے۔

استاذی المکرم، شیخ الفقہ

حضرت علامہ مولانا محمد رفیع الدین مجددی دامت برکاتہم العالیہ

(دارالعلوم نقشبندیہ امینیہ ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ)

کتاب مستطاب، لاثانی، لاجواب، مفید ہر شیخ و شاب ”اہل جنت اہل سنت“ کے چند اقتباسات و چیدہ چیدہ مقامات نظر سے گزرے، کتاب کیا ہے؟ مذہبی معلومات کا ایک بیش قیمت خزانہ اور انداز و اسرار کا بہترین دہینہ ہے۔

ابولحقائق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی ان خوش نصیب حضرات میں سے ہیں کو بیک وقت تحریر و تقریر اور مناظرہ و تدریس کے بے تاج باسشاہ ہیں۔ آپ بلاشبہ ایک سلجھے ہوئے ادیب اور شعلہ نوا خطیب ہیں۔ آپ کی خطابت میں تحقیق و استدلال کا رنگ غالب ہے۔

☆☆☆

حضرت علامہ مولانا حافظ حکیم شفقات احمد مجددی حفظہ اللہ

برادر عزیز، جامع معقول و منقول، حاوی فروع و اصول، جناب مولانا غلام مرتضیٰ ساقی مجددی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے معتبر، مستند اور ٹھوس دلائل و براہین کے ساتھ اس موضوع پر خوب تحقیق عمیق فرمائی ہے اور واقعاً اس ناقابل تردید حقیقت کو ثابت کر دیا ہے۔ اور بطور جملہ معترضہ مخالفین کی خام خیالیوں کا بھی خوب آپریشن کیا ہے۔ اس موضوع پر اتنی شرح و بسط کے ساتھ پہلی کتاب میری نظر سے گزری ہے۔

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

حضرت علامہ

مفتی محمد رضا المصطفیٰ ظریف القادری مدظلہ

مناظر اہلسنت، مولانا حافظ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی ہرمحاذ پر مخالفین کا علمی و تحقیقی محاسبہ اور مسلک حقہ اہلسنت و جماعت کا دفاع فرمانے کے لیے ہمہ وقت کمر بستہ نظر آتے ہیں۔ زیر نظر کتاب ”محققانہ فیصلہ“ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس کتاب میں علامہ ساقی صاحب نے مخالفین کے غلط نظریات، کج فہمی اور علم و تحقیق میں ناتمام ہونے کی جس قدر قلعی کھولی اور پردہ چاک کیا ہے وہ لائق تحسین بھی۔ اور اس پر موصوف کی علم و تحقیق کا حسین مرقع یہ تصنیف خود شاہد عدل و دلیل ناطق ہے۔

☆☆☆

حضرت مولانا

صاحبزادہ سید احمد فاروق شاہ مجددی مدظلہ

فاضل شہیر حضرت علامہ ابوالحق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی، قدرت نے آپ کو گونا گوں صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ آپ درس و تدریس سے وابستہ ہونے کے باوجود ایک عظیم خطیب اور بہترین مناظر بھی ہیں جس کی نمایاں جھلک آپ کی تحریر میں جا بجا نظر آتی ہے۔ اپنے موقف پر مضبوط اور کثیر دلائل و حوالہ جات، قرآن و سنت اور آئمہ مجتہدین کی آراء کی روشنی میں قائم کرنا اور مخالفین کے اعتراضات کا مسکت اور دندان شکن جواب، قرآن و احادیث کے ساتھ ساتھ انہی کے فتاویٰ جات اور اسلاف کی کتب سے دینا آپ کی تحریر کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ ☆☆☆

حضرت علامہ مولانا

مفتی محمد اشرف القادری دامت برکاتہم العالیہ (محدث ٹیک آبادی)

عزیز محترم مخلصی و محبی فی اللہ تعالیٰ فاجل نوجوان حضرت علامہ ابوالحقائق غلام مرتضیٰ ساقی زید مجدہ و بورک فی علمہ و عملہ ماشاء اللہ گونا گوں علمی و عملی خوبیوں سے مالا مال، وسیع المطالعہ و وسیع النظر ایک محقق عالم دین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زور زبان کے ساتھ ساتھ ان کے قلم میں بھی زور عطا فرمایا ہے۔ تائید سنت و تردید بد مذہبیت میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ سریع التحریر ہونے کی وجہ سے آپ نے مختلف موضوعات پر چھوٹے اور درمیانہ سائز کے رسائل و کتب لکھ کر تھوڑے ہی دنوں میں تصنیفات کا ایک قابل قدر ذخیرہ تیار کر دیا ہے۔

☆☆☆

پروفیسر

محمد شہباز الازہری ایم، اے عربی اسلامیات

موجودہ دور میں تربیت و کردار سازی کی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر فاضل مصنف ابوالحقائق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی صاحب مدظلہ العالی نے یہ کتاب مختصر ”اسلامی تربیتی نصاب“ خاص طور پر تربیتی انداز میں تحریر فرمائی ہے۔ ابتدائی اسلامی معلومات کو نہایت دل نشیں اور سہل ترین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ عقائد سے لیکر اعمال تک اور ایک مسلمان کو پیش آنے والے روزمرہ مسائل کو نہایت آسان انداز میں تحریر کرنا مصنف کے حسن قلم کا طرہ امتیاز ہے۔ جابجا بحوالہ دلائل نے نہ صرف کتاب کو تحقیقی اسلوب بخشا

ہے بلکہ فاضل مصنف کی قرآن و حدیث پر گہری نظر کی عکاسی بھی کر دی ہے، انداز بیان نہایت دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ سوال و جواب کے تکرار نے کتاب کو جدید اسلوب عطا کیا ہے۔☆☆☆

عمدة العلماء

علامہ محمد منشا تابش قصوری (مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

حضرت علامہ صاحبزادہ مولانا ابوالحق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی صاحب مجدد نے راہوار قلم کی لگام تھامی ہے اور یکے بعد دیگرے نہایت تحقیقی کتابیں تصنیف فرما کر نوجوان اہلسنت میں ایک نام پیدا کر لیا ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ فی زمانہ اہل علم و قلم میں حضرت ساقی ایسے محقق کا سامنے آنا نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ موصوف اپنی منفرد نگارشات کے باعث ممتاز مقام حاصل کر چکے ہیں۔ میری دعا ہے، مولیٰ تعالیٰ فاضل جلیل، عالم نبیل، مدرس عظیم، مناظر عدیم النظر حضرت علامہ ابوالحق مولانا غلام مرتضیٰ ساقی مجددی طولعمرة کو مزید خوبیوں سے بہرہ مند فرمائے اور قلم کی رفتار میں انوار مہتاب و آفتاب کی سی تیزی مرحمت فرمائے۔☆☆☆

حضرت مولانا

قاری محمد طفیل احمد رضوی نقشبندی

مولانا ساقی مجددی صاحب نہ صرف یہ درس نظامی کے فاضل ہیں، بلکہ وہ درس نظامی کے لائق و فائق استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ تقریر و تحریر کے بھی ماہر ہیں۔ ان کی تحریر بہت مدلل اور گرفت نہایت مضبوط، ان کا انداز تحریر نہایت عمدہ اور دل آویز ہے، فریق مخالف ان کی تحریر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔☆☆☆

”محققانہ فیصلہ“ کتاب پر ماہنامہ رضائے مصطفیٰ کا تبصرہ

غیر مقلدین کے غیر منصف مصنفین نے گزشتہ دنوں غلط بیانیوں اور بہتان بازیوں پر مشتمل ایک کتابچہ بعنوان ”تحقیقی جائزہ“ شائع کیا اور عقائد و معمولات اہلسنت پر غیر تحقیقی تبصرہ و افتراء پر دازی کی۔ مناظر اہلسنت ابوالحقائق مولانا غلام مرتضیٰ ساقی مجددی نے اپنی اس تصنیف میں نجدی مخالفین کا علمی تحقیقی محاسبی کرتے ہوئے مسلک اہلسنت کی حقانیت کو دلائل کی روشنی میں واضح کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اہلحدیث کہلانے والے غیر مقلدین نجدی نہ گھر کے ہیں نہ گھاٹ کے، کبھی اپنے بڑوں کی تقلید کرنے لگتے ہیں تو کبھی ان کو بھی گمراہ قرار دے دیتے ہیں۔ کتاب اول تا آخر سند کا درجہ رکھتی ہے۔



پروفیسر فیض رسول فیضان (گوجرانوالہ)

خوب بیاں کی ہے حضرت نے	آقا ﷺ کی سنت کی عظمت
ہے طرز تحریر بھی عمدہ	رنگ استدلال بھی مسکت
سبھی حوالے اور دلائل	بھرتے ہیں انفاس میں نکہت
اس تصنیف کو جو پڑھ لے گا	ہوگی اسے سنت سے رغبت
ہے میرے نزدیک یہ کاوش	ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ کا فیض نسبت
خدا کرے مقبول یہ ہدیہ	بہر پیغمبر ﷺ رب العزت جل جلالہ
ساقی پر فیضان ہمیشہ	رہے مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ کی رحمت